قرۃ عیون الابرار

ترجمہ و تشریح

دُرِّ مختار

مترجم و شارح

مفتی غلام رسول منظور القاسمی بہراوی

جلد اوّل

کتاب الطہارۃ — کتاب الصلوٰۃ

مکتبۂ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

فون: 37355743-37224228-042

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

نام کتاب

قرۃ عیون الابرار

جلد اوّل

مترجم

مفتی غلام رسول منظور القاسمی بہراوی

ناشر

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

مطبع

خضر جاوید پرنٹرز لاہور

اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

فون: 042-37224228-37355743

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

تنبیہ

فہرست مضامین

قرة عیون الابرار شرح اردو درمختار (جلد اوّل)

عنوان	صفحہ

انتساب

احقر اپنی اس حقیر علمی کوشش ''قُرَّۃُ عُیُونِ الْأَبْرَار'' کو جملہ فقہائے مجتہدین، وائمہ متبوعین کی جانب انتساب کرنا باعثِ فخر اور صد افتخار سمجھتا ہے، جنھوں نے قرآن وحدیث کے بحرِ لا ساحل میں غوطہ لگا کرامت مسلمہ کے لیے مختلف الانواع قیمتی لعل وجواہر اور بیش بہا لولؤ ومرجان مسائل کی شکل میں پیش کئے، خاص طور پر امام الفقہائ، رئیس ائمۃ المجتہدین، شمس العلماء، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نور اللہ مرقدہ اور اُن کے جملہ تلامذہ اجلّہ کی جانب انتساب اپنے لیے دارین کی سعادت اور ذخیرۂ آخرت سمجھتا ہے، جن کی فقہ آج بھی شرق وغرب، شمال وجنوب میں رائج ہے، اور جن کے فقہ پر دُنیا کے اکثر لوگ عمل پیرا ہیں۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن ائمہ کرام اور فقہائے مجتہدین کے درجات بلند فرمائے اور اُن کے تصدق میں مجھ جیسے گناہ گار روسیاہ کار آدمی کا بیڑا پار لگائے۔

ابوحماد غلام رسول منظور القاسمی پہراوی

۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ یوم الاثنین ــ مطابق: ۸/ جون ۲۰۰۷ء

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

عرضِ مترجم

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ تَسۡلِيۡمًا كَثِيۡرًا كَثِيۡرًا، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصۡحَابِهٖ وَأَزۡوَاجِهِ الطَّاهِرَاتِ أَجۡمَعِيۡنَ، وَعَلٰى جَمِيۡعِ فُقَهَاءِ الۡأُمَّةِ وَأَئِمَّةِ الۡمُجۡتَهِدِيۡنَ الۡمَتۡبُوۡعِيۡنَ وَعَلٰى مَنِ اقۡتَفٰى بِاٰثَارِهِمۡ إِلٰى يَوۡمِ الدِّيۡنِ۔ أَمَّا بَعۡـــدُ!

فقہ اسلامی، امتِ اسلامیہ سے اس طرح وابستہ اور مربوط ہے کہ اس کی حیات وممات کا دارومدار اسی پر ہے۔ یہ فقہ اسلامی ساری دُنیا سے متعلق امت اسلامیہ کی تاریخ کا ایک جزولاینفک اور اٹوٹ حصہ ہے۔ اور یہ ملت اسلامیہ کا ایسا شرف وامتیاز اور فخر ومباہات کا ذریعہ ہے کہ اس عظیم اسلامی دولت سے پچھلی امتیں خالی ہیں، اس سے پہلے دوسری امتوں میں یہ شرف وعزت دیکھنے کو نہیں ملا۔ اور یہ اس لیے کہ فقہ اسلامی درحقیقت اسلامی سوسائٹی کے حقوق کا واضح بیان ہے، جس سے نظامِ عالم کی تکمیل ہوتی ہے، اس سے اجتماعی واخلاقی مفادات وابستہ ہیں۔ فقہ اسلامی حقیقت میں انسانی سوسائٹی کے لیے ایک ایسا ہمہ جہت اور ہمہ گیر نظامِ الٰہی ہے کہ جس کے جملہ احکام ومسائل بالکل کامل ومکمل ہیں۔ حیاتِ انسانی سے متعلق کوئی بھی مسئلہ اس میں متروک نہیں ہوا ہے۔ پیدائش سے لے کر موت اور مابعد الموت تک پیش آنے والے تمام مسائل کا حل اس میں احسن طریقہ پر موجود ہے۔ عبادات، معاملات، اقتصادیات، سیاسیات، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق، بیع، شراء، عدل وقضاء اور حکومت سازی کے پیچیدہ مسائل اور زندگی کے ہر عقدۂ لاینحل کی گرہ کشائی کا طریقہ اس میں موجود ہے۔

الغرض کسی بھی میدان میں انسان کو فقہ اسلامی نے بے دست وپا نہیں چھوڑا ہے۔ اب بلا کسی تردّد اور شک وشبہ کے پورے اعتقاد ووثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ پوری حکومت اسلامیہ کا بنیادی قانون ہے، چناں چہ ابتدائے اسلام میں اسلامی حکومتوں کا انتظام وانصرام اور عدل وانصاف سے متعلق نادر ونایاب عظیم کارنامے، فقہ اسلامی کا نظام اور واضح بیانات اور حقوقِ انسانی کی حفاظت سے متعلق باتوں پر دلیل ہے۔ خیر القرون میں اسلامی مملکتوں کا سارا نظام اور دستور واساسی فقہ اسلامی کی روشنی میں طے قرار پاتا تھا، جس کا ثمرہ یہ نکلا کہ پورا معاشرہ اور پورا ملک قرآن وحدیث کے رنگ میں بالکل رنگا ہوا نظر آتا تھا، اتحاد واتفاق کا پیکر، محبت ومودّت کا دلدادہ، اخوت وبھائی چارہ کا خوگر، پیار وعقیدت کا مجسم اور آپسی ہمدردی وغمگساری کا عکسِ جمیل، رواداری اور میل وملاپ کا حسین جذبہ اُن کے قلوب میں موجزن نظر آتا تھا۔

الغرض امتِ اسلامیہ کا دینی تشخص وتمیز کی بقاء کا راز اسی فقہ اسلامی میں مضمر ہے، اس کے بغیر یہ اُمت اپنے وقار وعظمت اور تشخص کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتی ہے، اس لیے کہ اس کے اندر حلال وحرام اور جائز وناجائز کا بیان ہے جو تمام آسمانی شریعتوں کا

نصب العین اور مقصد اساسی ہے، اس لیے کہ آسمانی کتابوں سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ تمام آسمانی شریعتیں اور آفاقی مذاہب انسان کی فوز وفلاح، خیر وسعادت، رفعت وعظمت اور اُس کی حیاتِ دُنیوی وحیاتِ اُخروی کے متعلق ہر قسم کی سعادت وکامرانی کی لازوال نعمت عطا کرنے کے لیے آئی ہیں، اس کو ہم اسلامی فرائض اور اسلامی دعوت وارشاد میں واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں، خواہ اسلامی فرائض کا تعلق عبادات سے ہو، جن کا مقصد افراد کی تہذیب اور اُن میں فضائل ومناقب کو اُجاگر کرنا ہے اور انہیں ہر قسم کے شر وفتن اور جنگ وجدال کے اسباب سے دور رکھنا ہے جس سے انسانی سوسائٹی اور سماج کی صحیح اصلاح اور اس کی تعمیر ہوتی ہے جو افراد سے بنتی ہے۔

اور معاملات سے متعلق اسلام اور فقہ اسلامی نے ان تمام اُمور کو مباح قرار دیا ہے جن سے صحیح افراد وجماعت کے اندر مفادات وسعادت وکامرانی کو بروئے کار لانے والے قواعد وضوابط پر سوسائٹی کی بنیاد رکھی جائے۔ اور اسلام نے فتنہ وفساد اور امن وامان کو لہولہان، چین وسکون اور امن وآشتی کے پیغام کو تہ تیغ کرنے والے تمام اسباب وذرائع اور سوسائٹی کی تعمیر وترقی اور اس کی تنظیم وتنسیق میں مخل جملہ محرکات وعلل پر قدغن لگائی ہے اور اُن کے اختیار کرنے کو حرام قرار دیا ہے، شریعتِ اسلامیہ ہمیشہ اُن ہی باتوں کی تعلیم وہدایت دیتی ہے جن سے اُمت کے فوائد متعلق ہوں اور جن سے مفاسد وجود میں نہ آئیں۔

اس کے برخلاف دُنیاوی خودساختہ قانون کا اکثر وبیشتر حصہ لوگوں کے درمیان ظاہری تعلقات کو اُستوار کرنے میں ہی منحصر ہے، دنیاوی خودساختہ قانون کا تعلق اخلاقی، دینی کارناموں سے نہیں ہے، یہ زنا، شراب نوشی، قمار بازی، مسابقہ اور سود خوری اور اُن کے علاوہ بہت سارے مسائل ہیں جن کا خودساختہ قانون، قانونِ الٰہی اور دین کے قانون سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے ہیں اور بالآخر اس کا انجام سوائے ناکامی، نامرادی اور خسران کے کچھ بھی نہیں ہے، جیسا کہ روزمرہ مشاہدہ میں آتا رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیاوی قانون نت نئے روز بنتے اور ٹوٹتے رہتے ہیں اور ہر ملک کا قانون ودستور دوسرے ملک سے منفرد اور علیحدہ ہوتے ہیں، کلّی طور پر کسی بھی ملک کا دستور وقانون دوسرے ملک کے قانون ودستور سے ہم آہنگ نہیں ہے، یہ صرف اسلام اور فقہ اسلامی کا قانون ہے جو عرب وعجم، کالے وگورے، رنگ ونسل اور ذات وبرادری کے درمیان خطِ امتیاز قائم کئے بغیر ہر کلمہ گو مسلمان کے لیے اٹل اور برابر ہے، اس قانون میں "محمود" و "ایاز"، شاہ وگدا میں کوئی فرق نہیں ہے، ہر ایک کے لیے یکساں حکم ہے، ہر ایک کو برابری کے ساتھ حقوق دلواتا ہے، اس کے مسائل سے واقفیت حاصل کرنا ہر مسلمان کے لیے فرض ہے۔

علم فقہ کے سیکھنے کا شرعی حکم

علم فقہ کا سیکھنا فرضِ عین بھی ہے اور فرضِ کفایہ بھی، اتنی فقہی معلومات حاصل کرنا جن کی دین میں ضرورت پڑتی ہے فرضِ عین ہے اور ضرورت سے زائد دوسروں کی نفع رسانی کے لیے حاصل کرنا اور اس میں مہارت تامہ اور درکِ کامل حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے، تاکہ دوسرے لوگ بھی محرمات سے اجتناب کریں۔ اور علم فقہ کے جملہ انواع: طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، نکاح،

طلاق، عتاق، بیع وشراء اور عدل وقضاء کے مسائل کو جاننا اور اُن میں تبحر پیدا کرنا مندوب ومستحب ہے؛ البتہ مالدار شخص کے لیے زکوٰۃ کے مسائل، صاحبِ استطاعت مسلمان کے لیے حج کے مسائل، نکاح کرنے والے کے لیے نکاح کے مسائل، طلاق دینے والے کے لیے طلاق کے مسائل، تجارت کرنے والے کے لیے تجارت کے مسائل، الغرض جو جس کام سے شغل رکھتا ہو اس کا علم حاصل کرنا اور اس سے متعلق مسائل جاننا ضروری ہے تاکہ اس میں حرام اور ناجائز کے ارتکاب سے محفوظ رہ سکے۔

علم فقہ کی فضیلت قرآن وحدیث کی روشنی میں

قرآن وحدیث میں علم فقہ کی فضیلت بہت زیادہ آئی ہے، چناں چہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ (القرآن) اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کی ایک بڑی تعداد نے "حکمۃ" سے مراد فقہ لیا ہے۔ اور آیتِ کریمہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جس شخص کو علم فقہ کی دولت سے مالا مال کیا گیا تو اُسے خیر کثیر دے دی گئی۔ نیز رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "مَن یُرِدِ اللّٰہ بہ خیرًا یفقِّھہُ فِي الدِّینِ" حق سبحانہ وتعالیٰ جس بندے کے ساتھ خیر وبھلائی کا ارادہ کرتے ہیں اسے دین کی فقاہت اور سمجھ عطا فرماتے ہیں۔ نیز دوسری حدیث میں آپ ﷺ کا ارشادِ عالی ہے: "فقیہٌ واحدٌ أشدُّ علَی الشَّیطٰنِ مِن ألفِ عابدٍ"۔ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہوتا ہے، کیونکہ عابد کے زہد وتقویٰ اور اس کی عبادت ومعرفت کا فائدہ خود اس کی ذات تک محدود رہتا ہے اور فقیہ حلال وحرام اور دوسرے مسائل کی تعلیم دے کر ہزاروں تشنگانِ خلقِ خدا کو فائدہ پہنچاتا ہے، نیز عابد کی عبادت بلا بصیرت ہوتی ہے، اس لیے شیطان پر بہت آسان ہے کہ اُس کو گمراہی وضلالت کے گڑھے میں ڈھکیل دے اور شکوک وشبہات کے جال میں پھنسا دے، مگر فقیہ مسائل سے واقفیت کی وجہ سے اکثر اوقات ضلالت وگمراہی سے بچ جاتا ہے اور شیطان کے ہتھکنڈے سے نکل جاتا ہے۔ فقہ کی فضیلت ومنقبت کو بیان کرتے ہوئے کسی عربی شاعر نے کہا ہے:

تفقَّـہ، فـإنَّ الفقـہَ أفضلُ قائـدٍ ‌ ‌ ‌ إلی البرِّ والتقویٰ وأعـدلُ قاصـدِ

ھُوَ العِلمُ الھادي إلیٰ سننِ الھدیٰ ‌ ‌ ‌ ھُوَ الحِصنُ یُنجي من جمیعِ الشدائدِ

فـإنَّ فقیھًـا واحـدًا متـورِّعًـا ‌ ‌ ‌ أشدُّ علَی الشَّیطٰنِ مِن ألفِ عابـدِ

فقہ حاصل کرو، اس لیے کہ یہ نیکی، تقویٰ، انصاف اور میانہ روی کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔
یہ ایک ایسا علم ہے جو سننِ ہدیٰ کی جانب راہنمائی کرتا ہے۔ اور یہ ایک ایسا قلعہ ہے جو تمام مصیبتوں سے بچاؤ کرتا ہے۔
اس لیے کہ ایک متقی وپرہیزگار فقیہ، شیطان پر ہزار عابدوں کے مقابلہ میں زیادہ بھاری ہے۔

علم فقہ کا مدوِّن اور موجد وبانی

اسلامی علوم کی ابتداء اگرچہ اسلام کے ساتھ ساتھ ہوئی اور نزولِ وحی کے زمانہ ہی سے عقائد، تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم

شروع ہو چکی تھی مگر چوں کہ ایک خاص ترتیب و انداز کے ساتھ زمانۂ نبوت وعہد خلافت میں یہ علوم مدوّن نہیں ہوئے تھے اور نہ اُن کو فن کی حیثیت حاصل تھی، اس لیے وہ کسی خاص شخص کی طرف منسوب نہ ہو سکے، جب دوسری صدی ہجری میں اس علم کی تدوین وترتیب شروع ہوئی تو جن حضرات نے جن علوم کو خاص اندازِ فکر کے ساتھ مرتب کیا وہ اُن کے مدوّن اور بانی کہلائے۔ اسی مناسبت سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کو علم فقہ کا بانی کہا جاتا ہے۔ مسند خوارزمی میں ہے کہ سب سے پہلے علم فقہ کو امام صاحبؒ نے مدوّن کیا ہے کیوں کہ صحابہؓ وتابعینؒ نے علم شریعت کو ابوابِ فقہیہ کی ترتیب پر کوئی تصنیف نہیں کی، کیوں کہ ان کو اپنی قوتِ حافظہ پر کامل اعتماد تھا، لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے صحابہؓ وتابعینؒ کے اسلامی حکومتوں میں پھیل جانے کی وجہ سے علم شریعت کو منتشر پایا اور متاخرین کے سوءِ حفظ کا خیال کر کے تدوین شریعت کی ضرورت محسوس کی، چناں چہ آپ نے اپنے شاگردوں میں چالیس اجلّہ تلامذہ کو فقہ کی تدوین کے لیے منتخب فرمایا جو اپنے اپنے وقت کے جلیل القدر مجتہد اور بعد کے اجلّہ محدثین کے شیوخ تھے۔ علامہ زاہد کوثری مصری نے زیلعی کے مقدمہ میں تحریر کیا ہے کہ فقہ حنفی ایک شخصی رائے کا نام نہیں ہے، بلکہ چالیس اجلّہ علماء مجتہدین کی جماعت کی ترتیب دادہ ہے، امام طحاویؒ نے اس کو سند کے ساتھ نقل کیا ہے، بعض علماء کے اسماء بھی شمار کیے ہیں۔

علمی مجلس شوریٰ کا مقام

امام صاحب کی فقہی مجلس شوریٰ نقلی وعقلی ہر دو لحاظ سے نہایت کامل ومکمل مجلس تھی، اس میں ایک طرف اگر حفاظ ومحدثین، عربیت وتفسیر کے دریائے لاساحل کے غواص تھے تو دوسری جانب زفر بن ہذیل میزانِ عقل پر تولنے والے بھی موجود تھے، اس لیے فقہ حنفی کے ہر مسئلے کا ہر پہلو اتنا صاف وشفاف اور دن کی روشنی کی طرح اُجالا ہو جاتا ہے کہ اس کے مصالح ومضار سب سامنے آجاتے ہیں، زمانہ کی ہر ضرورت کی اس میں پوری رعایت موجود ہے اور جدید سے جدید ترقیات کے ساتھ چلنے کی صلاحیت اس میں موجود ہے اس لیے ہر زمانہ میں امت کی اکثریت اسی پر عمل پیرا رہی ہے اور فقہ حنفی شرق وغرب میں خوب عام ہوا۔

اس میں متقدمین ومتاخرین نے بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھیں اور جتنی کتابیں فقہ حنفی میں لکھی گئی ہیں شاید ہی کسی اور امام کے فقہ میں اتنی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ جامعات کے مکتبات اور لائبریریاں آج بھی کتب فقہ حنفی سے بھری پڑی ہیں، اُن ہی فقہ حنفی کی کتابوں میں سے ایک اہم کتاب علامہ تمرتاشی کی معرکۃ الآراء تصنیف ''تنویر الابصار'' ہے، جس کی شرح علامہ علاء الدین حصکفیؒ نے الدر المختار کے نام سے کی ہے، اس کتاب کی اہمیت وافادیت کی عمومیت کو دیکھتے ہوئے علامہ ابن عابدین شامیؒ نے اس پر مبسوط حاشیہ لکھا، جو ''فتاویٰ شامی'' کے نام سے اہل علم کے حلقوں میں مشہور ومعروف ہے۔

درمختار اور ردالمحتار دونوں ہی اہل علم کے حلقوں میں مقبول ہیں، کیوں کہ جزئیات کا جو ذخیرہ اس کتاب میں پایا جاتا ہے وہ کسی اور کتاب میں نہیں ہے۔ اس کتاب کی مقبولیت کا نتیجہ تھا کہ آج سے ڈیڑھ صدی قبل ہندوستان کے مشہور عالم دین حضرت مولانا خرم علی بلہوریؒ نے تیرہ چودہ سال تک مسلسل الدر المختار کے ترجمہ کرنے پر محنت کی اور پوری کتاب کا ترجمہ وتشریح اپنے

زمانے کے اعتبار سے سلیس اُردو میں کیا جو"غایۃ الاوطار" کے نام سے چار ضخیم جلدوں میں شائع ہوا تھا، پھر نایاب ہو گیا، تلاشِ بسیار کے باوجود بھی مارکیٹ میں دستیاب نہیں ہوتا ہے، پھر اس کے بعد برصغیر کے مشہور عالم دین، عظیم المرتبت فقیہ، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے مرتب اور دارالعلوم دیوبند کے عظیم مفتی حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی مدظلہ العالی نے "کشف الاسرار" کے نام سے کتاب الطلاق تک تین جلدوں میں ترجمہ کیا ہے، یہ ترجمہ فی الحال مارکیٹ میں دستیاب ہے جو زمانہ کے لحاظ سے اچھا ترجمہ ہے اور عوام وخواص کے لیے مفید ہے، اس کی موجودگی میں الدر المختار کا دوسرا ترجمہ کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی لیکن چوں کہ اس زمانہ میں سہل نگاری اور سہولت پسندی عام ہے اور ہر شخص اپنے زمانہ کے لحاظ سے ترجمہ کا خواہاں ہوتا ہے تاکہ اس کو خاطر خواہ فائدہ پہنچ سکے، اسی ضرورت کے پیش نظر دیوبند کے مشہور ومعروف تاجر کتب ذوالفقار علی بھٹو، مالک زکریا بک ڈپو نے احقر سے زمانے سے ہم آہنگ نیا ترجمہ کرنے کے لیے اصرار کیا، اولاً احقر اپنے دامن کو چھوڑانے کی کوشش کی، لیکن جب اصرار ضد میں تبدیل ہو گئی اور کوئی راہِ فرار باقی نہ رہا تو بندۂ ناچیز اللہ کا نام لے کر الدر المختار کے ترجمہ کا کام مدرسہ حسینیہ چلّہ امروہہ (جے پی نگر) یوپی میں بتاریخ ۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ - مطابق: ۱۰/ جولائی ۲۰۰۴ء کو بعد نماز مغرب سے شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ ترجمہ کرتا رہا اور ترجمہ کرتے وقت جہاں دیگر کتب فقہیہ مطالعہ کی زینت بنی ہوئی تھیں وہیں حضرت مفتی ظفیر الدین صاحب مدظلہ العالی کا ترجمہ کشف الاسرار بھی بغرضِ استفادہ سامنے موجود تھی۔ ہر ایک سے استفادہ کے بعد یہ ترجمہ "قرۃ عیون الابرار" کو نئے انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اب احقر اس میدان میں کہاں تک کامیاب وظفریاب ہوا وہ تو اہل علم حضرات ہی فیصلہ فرمائیں گے۔ "مشک آں باشد کہ خود ببوید الخ"۔

اس ترجمہ کو معرضِ وجود میں لانے میں جہاں محترم جناب الحاج ذوالفقار علی بھٹو، مالک زکریا بک ڈپو دیوبند کا ہاتھ ہے وہیں مولانا عمیر صاحب قاسمی اور مولانا فضل الرحمن صاحب عادلؔ قاسمی سدھارتھ نگری، استاذ جامعۃ القرآن والسنہ، بجنور کا بھی اہم کردار ہے، ان دونوں حضرات کا ممنون ومشکور ہوں کہ ان حضرات نے مسودہ کی پروف ریڈنگ اور کمپوزنگ کا کام بحسن وخوبی انجام دیا، اللہ تعالیٰ ان دونوں کو اپنی جناب سے نعم البدل عطا فرمائے۔ اس عظیم خوشی اور مسرت وشادمانی کے موقع پر برادرم مولوی منیر الدین گریڈیہوی متعلم دارالعلوم دیوبند، مولانا امتیاز احمد قاسمی پہراویؔ، امام وخطیب جامع مسجد سیوہارہ وناظم اعلیٰ مدرسہ مفتاح العلوم جامع مسجد سیوہارہ بجنور، نیز مولوی نثار احمد پہراویؔ کا اگر شکریہ ادا نہ کروں تو بہت بڑی احسان فراموشی ہوگی کہ ان ہی حضرات کی مساعئ جمیلہ کا ثمرہ ہے کتاب پوری آب وتاب کے ساتھ ظاہری ومعنوی خوبیوں کو لیے ہوئے آج آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن حضرات کو اجر جزیل اور نعم البدل عطا فرمائے اور ہر طرح کے شرور وفتن سے حفاظت فرمائے۔ آمین

اخیر میں خدائے وحدہ لاشریک لہ کی بارگاہ میں دست بدعاء ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر بضاعت مزجاۃ "قرۃ عیون الابرار" کو اسی طرح قبولِ عام فرمائے جس طرح الدر المختار کو شرفِ قبولیت سے ہمکنار کیا ہے اور جس طرح احقر کی تمام تصانیف علم دوست

حضرات کے حلقوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھی گئی اور پذیرائی حاصل ہوئی، اسی طرح اے اللہ! اس کو بھی قبولِ عام فرما اور حاسدین کے حسد اور مفسدین کے فتنہ وفساد اور ہر قسم کے خارجی وداخلی شرور وفتن سے محض اپنے فضل وکرم سے حفاظت فرما اور اس کو اپنی رضاء اور اپنے محبوب حضرت محمد عربی ﷺ کی رضاء کا ذریعہ بنا کر آخرت میں کامیابی وکامرانی کا سبب بنا۔ اے اللہ! تو اس کتاب کی وجہ سے ایمان پر خاتمہ نصیب فرما اور اخلاص کے ساتھ مزید دین اسلام کی خدمت کی توفیق عطا فرما۔ آمین!

ابوحماد غلام رسول منظور القاسمی پہراوی
ناظم اعلیٰ جامعہ خدیجۃ الکبریٰ تزکیۃ البنات پہرا
وایا: گانواں، ضلع: گریڈیہہ، جھارکھنڈ (انڈیا)
۸ر جون ۲۰۰۷ء، ۲۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ بروز جمعہ

☆☆☆

صاحب تنویر الابصار

نام ونسب اور تحقیق نسب

شیخ اسلام محمد بن عبداللہ بن احمد خطیب بن محمد خطیب بن ابراہیم خطیب التمر تاشی الغزی الحنفی، بضم التاء سکون راء، خوارزم کا ایک گاؤں ہے (کذا فی الطحطاوی)۔ غزی ملک شام میں ایک شہر ہے جس کو غزہ ہاشم کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے کہ غزی فلسطین میں ایک شہر ہے جہاں امام شافعی پیدا ہوئے تھے اور وہیں ہاشم بن مناف نے وفات پائی۔

تحصیل علوم

آپ نے پہلے اپنے شہر غزی کے علماءِ کبار سے علوم کی تحصیل کی، پھر قاہرہ جا کر شیخ زین بن نجیم مصری صاحب بحر الرائق اور امین الدین بن العال وغیرہ سے استفادہ کیا اور اپنے زمانہ کے محدث کبیر وفقیہ بے نظیر بنے۔ شیخ عبدالنبی الخلیلی اور شیخ صالح محشی اشباہ ونظائر وغیرہ نامور علماء سے آپ نے علم حاصل کیا۔

تصانیف

آپ کی تصانیف میں سے ''تنویر الابصار'' فقہ میں نہایت مشہور متن ہے، جس میں آپ نے غایت درجہ تحقیق وتدقیق کی داد دی ہے اور خود اس کی شرح بھی لکھی ہے جس کا نام ''منح الغفار'' ہے۔ جس پر شیخ الاسلام خیر الدین رملی نے حواشی لکھے ہیں۔ دوسری محققانہ تصانیف یہ ہیں: تحفۃ الاقران، فقہ میں منظومہ ہے۔ حاشیۃ الدرر والغرر۔ شرح کنز۔ شرح زاد الفقیر ۔شرح وقایہ۔ فتاویٰ دو جلدوں میں۔ شرح منار، اصولِ فقہ میں۔ شرح منظور ابن وہبان۔ معین المفتی علی جواب المستفتی۔ رسالہ کراہت فاتحہ خلف الامام۔ رسالہ عصمت الانبیاء۔ رسالہ عشرۂ مبشرہ وغیرہ۔

وفات

آپ نے ۱۰۰۶ھ میں غزہ ہاشم میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ (از: حدائق حنفیہ ومقدمہ غایۃ الاوطار۔ ۱۲)

صاحب درمختار

شیخ محمد بن علی بن محمد بن علی بن عبدالرحمن بن محمد بن جمال الدین بن حسن بن زین العابدین حصکفی، مولود: ۱۰۲۵ھ۔ آپ قلعہ حصن کیفاء جو دیار بکر میں دریائے دجلہ کے کنارے پر جزیرۂ ابن عمر اور میافارقین کے درمیان واقع ہے، وہاں کے باشندے تھے اس لیے حصکفی کہلاتے ہیں۔

آپ اپنے دور کے مشہور محدث وفقیہ، جامع معقول ومنقول، بلند پایہ ادیب، بڑے فصیح وبلیغ تھے اور تقریر وتحریر ہر دو میں ملکہ رکھتے تھے۔ نحو وصرف اور فقہ وغیرہ میں بے نظیر اور احادیث مرویات کے بڑے حافظ تھے۔ آپ کے فضل وکمال کی شہادت آپ کے مشائخ اور ہم عصروں نے بھی دی ہے۔ خصوصیت سے آپ کے شیخ خیر الدین رملی نے آپ کے کمال درایت وروایت کی بڑی تعریف کی ہے۔ آپ نے بہت سی عمدہ کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں سے فقہ کی کتاب "تنویر الابصار" مؤلفہ شمس الدین محمد بن عبداللہ الغزی کی شرح "الدر المختار" بہت مشہور ہے۔ اور مدارسِ عربیہ میں فتویٰ نویسی سیکھنے والوں کو پڑھائی جاتی ہے۔ تعالیق الانوار، از عبدالمولی بن عبداللہ الدمیاطی، حاشیہ درمختار، از: سید احمد طحطاوی، ردالمحتار، از: علامہ شامی اس کے مشہور حواشی ہیں۔ دیگر تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۲) شرح ملتقی الابحر، فقہ میں ہے اور بہت عمدہ کتاب ہے۔ (۳) "شرح منار، اصولِ فقہ میں۔ (۴) شرح قطر، علم نحو میں۔ (۵) مختصر فتاویٰ صوفیہ۔ (۶) حواشی تفسیر بیضاوی۔ (۷) حاشیہ دُرر۔ (۸) تعلیقات بخاری، تیس اجزاء ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے فتاویٰ ابن نجیم مصری کو مرتب کیا ہے۔ آپ نے ۶۳/ سال کی عمر پاکر ۱۰/ شوال ۱۰۸۸ھ میں وفات پائی اور باب صغیر کے مقبرہ میں دفن کیے گئے۔

''مفتی غلام رسول''

کاوشِ فکر: علامہ منصور بجنوری

م- سے مفتی، محبت، مہرومہ، محنت مقام
م- سے ماہر، مسافت، منظر ومثبت، مدام

ف- سے فائز، فرق، فردا، فاخروفخر وفراق
ف- سے فرحت، فتویٰ فسخ وفصل، فقِ فغفور، فاق

ت- سے تابندہ، ترقی، تر، تصور، تہہ، تمام
ت- سے تعظیم وتقدس، ترجمان وتخت تام

ی- سے یاور، یاد، یدبیضا، یشب، یسرالیقین
ی- سے یزداں، یافث ویعسوب ویثرب یخ یمین

غ- سے غالب، غنا، غازی وغوث وغم غزا
غ- سے غفار، غفران وغلام وغوروغلبہ وغذا

ل- سے لائق، لبھاؤ، لائحہ لازم لقب
ل- سے لشکر، لطافت، لفظ، لہجہ لعل ولب

ہے الف سے اللہ اکبر اور اشعر اشتیاق
ہے الف سے اشک انور، آہ، اسما، اشتقاق

م- سے منصور، ماہر مقصد ومحسن ومقیم
م- سے مظہر، مصنف، مصلحت، من، مستقیم

ر- سے رستہ، راقم وراضی، ریاض ورازِ، رب
ر- سے ربانی، رسول وراس رخشندہ رُطب

س- سے ساعی وسمجھوتہ، سحر، سدرہ سُخن
س- سے ستار، سر، سرخی، سرایت، سُرب، سُن

و- سے واثق، ولی، واصف، وحی، والا وجود
و- سے وعدہ، وضع، واقف، وفا، وردا وفود

ل- سے لبیک، لذت، لاج، لمس ولف ولفیف
ل- سے لاحق، لیاقت، لے، لطائف، لو، لطیف

کرتا ہے منصورؔ یہ اعلان لفظوں کا بیاں
ان سبھی سے آپ کی ہستی بنی ہے کامراں

☆☆☆

مترجم کا مختصر تعارف

بہ قلم: منیر الدین گریڈیہوی رمتعلم دار العلوم دیوبند

نام مع ولدیت	:	غلام رسول بن منظور عالم بن سمیت علی ابن ناظر علی
تاریخ پیدائش	:	۱۳ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ مطابق ۴ مارچ ۱۹۷۷ء
مقام پیدائش	:	ساکن کوسہ ٹیلہ، پوسٹ پہرا، ضلع گریڈیہہ، جھارکھنڈ
ابتدائی تعلیم	:	مدرسہ نور العلوم پہرا جھارکھنڈ، و مدرسہ جامع العلوم پٹکاپور، کانپور
دار العلوم دیوبند میں داخلہ و سن فراغت	:	۱۴۱۲ھ-۱۹۹۲ء، ۱۶؍۱۴۱۶ھ، جنوری ۱۹۹۶ء
مزید علمی لیاقت	:	تکمیل الادب العربی و تکمیل افتاء، تجوید قرأت حفص
	:	و سبعہ، محاضرات علمیہ بر موضوع ردّ فرق باطلہ، ایک سالہ کمپیوٹر ڈپلومہ کورس۔
موجودہ مشغلہ	:	تدریس حدیث نبوی و فقہ اسلامی اور فتاویٰ۔
حج بیت اللہ	:	۱۴۲۷ھ-۲۰۰۷ء

زمانۂ تدریس کی متعلقہ کتب: بخاری شریف اوّل، مشکوٰۃ شریف، ہدایہ اوّلین و ثالث، کنز الدقائق، شرح جامی، حسامی، نور الانوار، دیوان المتنبی، شرح تہذیب، سلم العلوم، قطبی، نفحۃ العرب، نفحۃ الادب، میزان الصرف، قدوری، مالابدمنہ، و پنج گنج وغیرہ۔

تصنیفات: (۱) تکمیل الحاجہ مکمل آٹھ جلدیں۔ (۲) برقِ آسمانی برفرقۂ رضاخانی۔ (۳) بریلویت شکن تقریریں۔ (۴) رضاخانیت شکن تقریریں۔ (۵) شعلہ بار تقریریں۔ (۶) عشاق قرآن کے لیے انمول تحفہ۔ (۷) مسائل طہارت۔ (۸) مسائلِ امامت۔ (۹) مسائل نماز۔ (۱۰) مسائل روزہ و صدقۃ الفطر۔ (۱۱) التوضیح المجد شرح اُردو مؤطا۔ (۱۲) موت سے قبر تک کے مسائل (غیر مطبوعہ)۔ (۹) اھمیۃ عقیدۃ التوحید فی الاسلام (عربی) غیر مطبوعہ۔

اکابر اساتذۂ کرام: حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ، حضرت مفتی سعید احمد پالن پوری، شیخ محمد نصیر خاں صاحب، مولانا عبد الحق صاحب اعظمی، مولانا ریاست علی بجنوری، مولانا نور عالم خلیل الامینی، مولانا نعمت اللہ اعظمی، مولانا ارشد مدنی، مفتی امین پالن پوری، مفتی سلمان منصور پوری، مفتی شبیر احمد مرادآبادی، مولانا خورشید انور گیاوی، مولانا عبد الخالق مدراسی، مولانا عبد الخالق سنبھلی، قاری عثمان منصور پوری، قاری ابو الحسن اعظمی، قاری جہانگیر امروہی، مولانا عارف جمیل اعظمی، مولانا عبد الوکیل صاحب دیوریاوی، مولانا مبین الحق صاحب فتح پوری، مولانا عبد المتین اسامہ کانپوری، مولانا انوار احمد جامعی کانپوری، مولانا محمد اعظم صاحب جامعی پہراوی، مولانا جلال الدین بھاگلپوری وغیرہم۔

☆☆☆

حَمْدًا لَكَ يَا مَنْ شَرَحْتَ صُدُورَنَا بِأَنْوَاعِ الْهِدَايَةِ سَابِقًا، وَنَوَّرْتَ بَصَائِرَنَابِتَنْوِيرِ الْأَبْصَارِ لَاحِقًا، وَأَفَضْتَ عَلَيْنَا مِنْ أَشِعَّةِ شَرِيعَتِكَ الْمُطَهَّرَةِ بَحْرًا رَائِقًا، وَأَغْدَقْتَ لَدَيْنَا مِنْ بِحَارِمِنَحِكَ الْمُوَفَّرَةِ نَهْرًا فَائِقًا، وَأَتْمَمْتَ نِعْمَتَكَ عَلَيْنَا حَيْثُ يَسَّرْتَ ابْتِدَاءَ تَبْيِيضِ هَذَا الشَّرْحِ الْمُخْتَصَرِ تُجَاهَ وَجْهِ مَنْبَعِ الشَّرِيعَةِ وَالدُّرَرِ، وَضَجِيعَيْهِ الْجَلِيلَيْنِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ، بَعْدَ الْإِذْنِ مِنْهُ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ الَّذِينَ حَازُوا مِنْ مِنَحِ فَتْحِ كَشْفِ فَيْضِ فَضْلِكَ الْوَافِي حَقَائِقًا.

ترجمہ: اے وہ ذاتِ پاک ہم تیری تعریف کرتے ہیں خوب تعریف کرنا، اس بات پر کہ تو نے اولاً ہمارے سینوں کو ہدایت کی مختلف قسموں سے کھول دیا۔ اور تو نے ظاہری آنکھوں میں روشنی عطا کر کے ہماری بصیرتوں کو منور کر دیا۔ اور تو نے اپنی شریعت مطہرہ کی شعاعوں سے ہمارے اوپر خوش گوار سمندر بہایا۔ اور تو نے اپنی بخششوں کے لبریز دریاؤں سے ہمارے واسطے صاف وشفاف نہر جاری فرمائی۔ اور تو نے اپنی نعمت کو ہم پر مکمل فرما دیا، بایں طور کہ اس مختصر شرح کی تبییض کا آغاز شریعت اسلامیہ کے سرچشمہ اور موتیوں کے روبرو، نیز رسولِ اکرم ﷺ کے دو جلیل القدر صحابی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے آرام گاہ کے سامنے اس کام کو آسان فرما دیا۔ اور یہ تصنیف رسولِ اکرم ﷺ کی اجازت کے بعد عمل میں آئی۔ اور رحمت کاملہ کا نزول ہو آپ ﷺ کے ان تمام آل اور ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جنہوں نے تیرے کامل فضل وکرم کے فیض اور عطیے سے اُمورِ محققہ کو جمع کیا۔

مختصر تشریح: صاحب کتاب علامہ علاء الدین حصکفی (المتوفی:۱۰۸۸ھ) نے اپنی شرح کا آغاز بسم اللہ اور حمد باری سے کر کے درحقیقت قرآنِ کریم کے اسلوب اور رسولِ اکرم ﷺ کے ارشادِ گرامی: ”كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَمْ يُبْدَأْ بِبِسْمِ اللّٰهِ أَوْ بِحَمْدِ اللّٰهِ فَهُوَ أَقْطَعُ أَوْ أَجْزَمُ“ پر عمل کرنے کی سعی جمیل کی ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد بیان کرنے میں ”براعتِ استہلال“ کے طور پر فقہ کی مشہور ومعروف کتابوں کا بھی ذکر فرمایا، جیسے: ہدایہ، تنویر الابصار، البحر الرائق، النہر الفائق، کتاب الدرر، منح الغفار، فتح القدیر، کشف شرح المنار، فیض الکرمی، وافی متن الکافی للنسفی اور حقائق شرح منظومۃ النسفی وغیرہ وغیرہ۔ جن جن کتابوں کا ذکر شارحؒ نے خطبہ کے اندر کیا ہے ان تمام کتابوں سے شارح موصوف نے استفادہ کیا ہے اور الدر المختار کی تصنیف کرنے میں مدد لی ہے۔

قوله: تُجاه وجه منبع الشريعة والدرر:

شارح کتاب علامہ علاء الدین حصکفیؒ نے اس عبارت کے ذریعہ اس بات کی جانب اشارہ فرمایا ہے کہ یہ کتاب مدینہ منورہ

میں رسول اکرم ﷺ کے روضۂ اطہر کے سامنے لکھی گئی ہے، بایں طور کہ خواب میں یا بذریعہ الہام وکشف، بذاتِ خود سرورِ دوعالم رحمۃ للعالمین ﷺ نے اس کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اور بعض حضرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ صاحب تنویر الابصار (علامہ شمس الدین محمد بن عبداللہ غزیؒ ولادت ۹۳۹ھ وفات: ۱۰۰۴ھ) نے رسول اکرم سرورِ دوعالم ﷺ کو عالم خواب میں دیکھا، آپ ﷺ نے اُٹھ کر صاحب تنویر الابصار کو سینہ سے لگایا اور اپنی زبان مبارک ان کے منہ میں ڈال دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ماتن اور شارح دونوں ہی خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے شرف یاب ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے درمختار کو بڑی مقبولیت عطا فرمائی ہے۔ ہر صاحب علم اور مفتی اس کتاب اور اس کی شروحات کا محتاج ہے اور یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ فقہ وفتاویٰ میں آج جو مقام درمختار اور اس کے حاشیہ ردالمحتار شامی کو حاصل ہے وہ کسی اور کتاب کو ہرگز حاصل نہیں ہے، یہ درحقیقت شارح ومصنف کے اخلاص وللّٰہیت اور خلوص کا ثمرہ اور مظہر ہے۔

خطبہ میں جن کتابوں کا ذکر آیا ہے ان کا مختصر تعارف

"ہدایہ" اس عظیم الشان فقہ حنفی کی کتاب کے مصنف کا نام امام علی بن ابی بکر، ابوالحسن، برہان الدین، فرغانی، مرغینانیؒ، (مرغلانی) ہے۔ آپ کی ولادت مبارکہ ۵۳۰ھ میں ہوئی اور وفات کا سانحہ ۵۹۳ھ میں پیش آیا۔ آپ چھٹی صدی ہجری کے مشہور ومعروف اور بہت بڑے حنفی فقیہ ہیں۔ درسِ نظامی کی مشہور کتاب "ہدایہ" اور اس کا متن بدایہ بھی آپ ہی کی تصنیفات ہیں۔ ہدایہ درحقیقت کفایت المنتہی کی تلخیص ہے جو نہایت مطول اور اسّی جلدوں میں مکمل ہوئی تھی۔ (۱)

"تنویر الابصار" خطیب تمرتاشی، علامہ شمس الدین محمد بن عبداللہ غزیؒ (ولادت: ۹۳۹ھ، وفات: ۱۰۰۴ھ) کا معروف ومشہور متن ہے۔ خود مصنف نے اس کی شرح "منح الغفار" کے نام سے لکھی ہے جو ابھی مخطوطہ ہے۔ اور علامہ علاء الدین محمد بن علی حصکفی (ولادت: ۱۰۲۵ھ–وفات: ۱۰۸۸ھ) نے دو شرحیں لکھی ہیں، ایک شرح کا نام "خزائن الاسرار وبدائع الافکار فی تنویر الابصار وجامع البحار" ہے، یہ شرح معلوم نہیں مکمل ہوئی تھی یا نامکمل رہ گئی تھی۔ دوسری شرح کا نام "الدرالمختار شرح تنویر الابصار" ہے، جو فتاویٰ کی معروف ومشہور کتاب ہے اور جس پر علامہ ابن عابدین شامی (المتوفی: ۱۲۵۲ھ) کا حاشیہ "ردالمحتار علی الدرالمختار" ہے، جو شامی کے نام سے مشہور ہے۔ (۲)

"البحر الرائق شرح عربی کنز الدقائق" علامہ ابن نجیم مصری، نام زین الدین بن ابراہیم مصری (المتوفی: ۹۷۰ھ) کی مشہور تصنیف ہے۔ آپ دسویں صدی ہجری کے معروف اور شہرۂ آفاق حنفی فقیہ ہیں۔ آپ کی متعدد تصنیفات ہیں، جن میں "البحر الرائق" اور "الاشباہ والنظائر" بہت ہی زیادہ مقبول اور متداول ہیں۔ البحر الرائق، "کتاب الاجارۃ" سے "باب الاجارۃ الفاسدۃ" تک آپ نے بذاتِ خود لکھا ہے۔ یہ باب ابھی مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ وقت موعود آپہنچا اور آپ اس دارِ فانی سے رحلت

(۱) آپ فتویٰ کیسے دیں؟ ۱۳۴۔ (۲) آپ فتویٰ کیسے دیں؟ ۱۴۰۔

فرما گئے۔ آپ کے بعد تکملہ شیخ محمد بن حسین طوری قادری (۱۱۳۸ھ کے بعد) نے لکھا ہے۔ (۱)

''النہر الفائق شرح عربی کنز الدقائق'' یہ شرح علامہ ابن نجیم المصری، صاحب البحر الرائق کے چھوٹے بھائی علامہ عمر بن ابراہیم سراج الدین ابن نجیم مصریؒ (التوفی: ۱۰۰۵ھ) کی تصنیف ہے، جو ہنوز مخطوطہ ہے، یہ شرح مکمل نہیں ہے۔ کتاب القضاء فصل الحبس تک ہے، پھر کوئی مانع پیش آگیا جس کی وجہ سے تکمیل نہ کر سکے۔ (۲)

''منح الغفار، شرح تنویر الابصار'' صاحب تنویر الابصار خطیب تمرتاشی علامہ شمس الدین محمد بن عبد اللہ غزیؒ (ولادت: ۹۳۹ھ، وفات: ۱۰۰۴ھ) کی خود تصنیف کردہ تنویر الابصار کی شرح ہے، جو ہنوز مخطوطہ ہے۔ (۳)

''کتاب الدرر والغرر'' یہ کتاب ملا خسرو محمد بن فراموز بن علیؒ (التوفی: ۸۸۵ھ) کی تصنیف ہے۔ درحقیقت غرر کی شرح ہے، مصنف نے خود غرر الاحکام کے نام سے اس کی شرح لکھی ہے جو دو جلدوں میں مطبوعہ ہے۔ (۴)

''فتح القدیر للعاجز الفقیر'' ہدایہ کی معروف و مشہور شرح ہے اور علامہ ابن الہمام کمال الدین محمد بن عبد الواحد سیوری، اسکندریؒ (ولادت: ۷۹۰ھ، بمقام اسکندریہ، وفات: ۸۶۱ھ بمقام قاہرہ) کی معرکۃ الآراء تصنیف ہے۔ آپ نویں صدی ہجری کے مشہور حنفی امام، مذاہب ائمہ اربعہ کے اصولوں کے ماہر، علوم کلام کے شناور، اور علوم عقلیہ کے جامع تھے۔ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ فقہ میں آپ کو اجتہاد کا درجہ حاصل تھا۔ (شامی/ ۲/ ۳۸۸) علامہ ابن الہمام نے کتاب الوکالۃ شروع کی تھی کہ داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے، پھر ان کے بعد علامہ شمس الدین احمد بن قودر معروف بہ قاضی زادہ (التوفی: ۹۸۸ھ) نے مکمل فرمائی۔ (۵)

''کشف شرح المنار للنسفی'' یہ کتاب امام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد حافظ الدین نسفیؒ (التوفی: ۷۱۰ھ) کی تصنیف ہے۔

''فیض'' سے ''فیض المولی الکریم علی عبدہ ابراہیم'' کی طرف اشارہ ہے۔ یہ دو جلدوں میں فتاویٰ کی کتاب ہے اور مخطوطہ ہے۔ اس کے مصنف ابن الکرکی ہیں۔ آپ کا پورا نام: ابراہیم بن عبد الرحمن ابو الوفائی، برہان الدین الکرکی (ولادت: ۸۳۵ھ- وفات: ۹۲۲ھ) ہے۔ کرک مشرقی اُردن میں ایک مقام ہے۔ آپ علامہ ابن الہمام کے تلمیذ رشید ہیں۔ فتاویٰ کرکی سے یہی کتاب مراد ہوتی ہے۔ (۶)

''الوافی متن الکافی للنسفی'' یہ کتاب امام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد حافظ الدین نسفی رحمہ اللہ (التوفی: ۷۱۰ھ) کی تصنیف ہے۔ مصنف نے الوافی کو نہایت مطول لکھا تھا جس کی خود انھوں نے بعد میں تلخیص کی ہے، جس کا نام ''کنز الدقائق'' رکھا ہے۔

''حقائق شرح منظومۃ النسفی'' شارح کا نام ابو الحامد محمود بن محمد اللسفی بخاری (ولادت: ۶۲۷ھ- وفات: ۶۷۱ھ) ہے۔ ''حقائق'' کا مخطوطہ مدینہ منورہ میں ہے۔ ''حقائق المنظومہ'' مفتی الثقلین علامہ نسفی کے منظومہ الخلافیات کی شرح ہے۔ (۷)

---

(۱) آپ فتویٰ کیسے دیں؟ ۱۴۳۔ (۲) کشف الظنون: ۲/ ۱۵۱۷، بحوالہ آپ فتویٰ کیسے دیں؟ ص/ ۱۴۴۔ (۳) آپ فتویٰ کیسے دیں؟ ص/ ۱۴۰۔
(۴) آپ فتویٰ کیسے دیں؟ ص/ ۱۴۰ (۵) آپ فتویٰ کیسے دیں؟ ص/ ۱۴۵ (۶) شامی: ۱/ ۸۶۔ (۷) آپ فتویٰ کیسے دیں؟ ص/ ۱۴۷

وَبَعْدُ: فَيَقُولُ فَقِيرُ رَاجِي لُطْفَ رَبِّهِ الْخَفِيِّ مُحَمَّدُ عَلَاءُ الدِّينِ الْحَصْكَفِيُّ ابْنُ الشَّيْخِ عَلِيِّ الْإِمَامِ بِجَامِعِ بَنِي أُمَيَّةَ ثُمَّ الْمُفْتِي بِدِمَشْقَ الْمَحْمِيَّةِ الْحَنَفِيُّ: لَمَّا بَيَّضْتُ الْجُزْءَ الْأَوَّلَ مِنْ خَزَائِنِ الْأَسْرَارِ، وَبَدَائِعِ الْأَفْكَارِ، فِي شَرْحِ تَنْوِيرِ الْأَبْصَارِ وَجَامِعِ الْبِحَارِ، قَدَّرْتُهُ فِي عَشْرِ مُجَلَّدَاتٍ كِبَارٍ، فَصَرَفْتُ عِنَانَ الْعِنَايَةِ نَحْوَ الِاخْتِصَارِ، وَسَمَّيْتُهُ بِالدُّرِّ الْمُخْتَارِ، فِي شَرْحِ تَنْوِيرِ الْأَبْصَارِ، الَّذِي فَاقَ كُتُبَ هَذَا الْفَنِّ فِي الضَّبْطِ وَالتَّصْحِيحِ وَالِاخْتِصَارِ،

ترجمہ اور حمد وصلوٰۃ کے بعد اپنے رب کے لطف خفی کے اُمیدوار بندہ محمد علاء الدین جو مقام حصکف کا باشندہ اور شیخ علی کا فرزند ارجمند ہے، جو جامع بنی امیہ کا امام اور پھر دمشق میں مذہب حنفی کا مفتی رہ چکا ہے، عرض کرتا ہے کہ جب میں ''تنویر الابصار'' کی شرح ''خزائن الاسرار و بدائع الافکار'' کے پہلے حصہ کا مسودہ کو صاف کیا تو اندازہ لگایا کہ بڑی بڑی دس جلدوں میں تنویر الابصار و جامع البحار کی شرح مکمل ہوگی، چناں چہ میں نے اپنے توجہ کی باگ ڈور کو اختصار کی جانب موڑ دیا اور اس کا نام میں نے ''الدر المختار فی شرح تنویر الابصار'' رکھا۔ جو اس فن یعنی فن فقہ کی کتابوں میں ضبط، تصحیح اور اختصار کے اعتبار سے تمام کتابوں پر فوقیت رکھتی ہے۔

مختصر تشریح علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں کہ حصکفی، حاء کے فتحہ، صاد کے سکون، کاف کے فتحہ اور اس کے آخر میں فاء اور یا نسبتی ہے۔ ''حصکف'' مصنف کا وطن اور دیار بکر کا شہر ہے۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ حصکفی، حصن کیفی کی طرف منسوب ہے جو ابن عمرو میا فارقین کے جزیرہ کے درمیان دجلہ پر واقع ہے۔ درمختار کے مصنف کا نام محمد ہے اور لقب علاء الدین ہے جیسا کہ اس کا ذکر صاحب درمختار کے احوال زندگی کے تحت آیا ہے۔

صاحب کتاب علامہ علاء الدین حصکفی نے درمختار سے پہلے تنویر الابصار کی تفصیلی شرح لکھنی شروع کی تھی لیکن جب ایک جلد کا مسودہ صاف کیا تو اندازہ ہوا کہ اگر اسی طرح تفصیل کے ساتھ شرح لکھی گئی تو پوری کتاب تقریباً دس ضخیم جلدوں میں مکمل ہوگی جس سے ہر ایک کے لیے اس سے استفادہ کرنا آسان نہ ہوگا۔ لوگ سستی اور کاہلی کی وجہ سے اس کی طرف بالکل توجہ نہ کریں گے اس لیے مصنف نے دوبارہ نہایت اختصار کے ساتھ شرح لکھنی شروع کی، جو پایۂ تکمیل کو پہنچی اور دو جلدوں میں مکمل ہوئی۔ اس کا نام مصنف نے ''الدر المختار فی شرح تنویر الابصار'' تجویز کیا۔

تنویر الابصار کی یہ شرح نہایت جامع اور مختصر ہے، مطلب پھیلا ہوا ہے، اسی لیے بہت سے علماء نے اس کے حواشی و شروحات لکھے ہیں۔ درمختار کے دو حاشیے: حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار اور حاشیہ ابن عابدین علی الدر المختار نہایت مشہور و معروف ہیں، جو مقبول عوام و خواص ہیں؛ بلکہ ہر مفتی کے لیے شامی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے اس کے جوالجات اور نقول عبارات فقہیہ نہایت معتبر ہیں۔

وَلَعَمْرِي لَقَدْ أَضْحَتْ رَوْضَةُ هَذَا الْعِلْمِ بِهِ مُفَتَّحَةَ الْأَزْهَارِ، مُسَلْسَلَةَ الْأَنْهَارِ، مِنْ عَجَائِبِهِ ثَمَرَاتُ التَّحْقِيقِ تُخْتَارُ، وَمِنْ غَرَائِبِهِ ذَخَائِرُ تَدْقِيقٍ تُحَيِّرُ الْأَفْكَارَ، لِشَيْخِ شَيْخِنَا شَيْخِ الْإِسْلَامِ مُحَمَّدِ بْنِ

عَبْدِ اللّٰهِ التُّمُرْتَاشِيِّ الْحَنَفِيِّ الْغَزِّيِّ عُمْدَةُ الْمُتَأَخِّرِيْنَ الْأَخْيَارِ، فَإِنِّي أَرْوِيْهِ عَنْ شَيْخِنَا الشَّيْخِ عَبْدِ النَّبِيِّ الْخَلِيْلِيِّ، عَنِ الْمُصَنِّفِ عَنِ ابْنِ نُجَيْمٍ الْمِصْرِيِّ بِسَنَدِهِ إِلَى صَاحِبِ الْمَذْهَبِ أَبِي حَنِيْفَةَ، بِسَنَدِهِ إِلَى النَّبِيِّ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - الْمُصْطَفَى الْمُخْتَارِ، عَنْ جِبْرِيْلَ، عَنِ اللّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ، كَمَا هُوَ مَبْسُوْطٌ فِي إِجَازَاتِنَا بِطُرُقٍ عَدِيْدَةٍ، عَنِ الْمَشَايِخِ الْمُتَبَحِّرِيْنَ الْكِبَارِ. وَمَا كَانَ فِي الدُّرَرِ وَالْغُرَرِ لَمْ أَعْزُهُ إِلَّا مَا نَدَرَ، وَمَا زَادَ وَعَزَّ نَقْلُهُ عَزَوْتُهُ لِقَائِلِهِ رَوْمًا لِلِاخْتِصَارِ.

ترجمہ اور قسم ہے میری زندگی کی کہ اس علم (فقہ) کا باغ اس کی وجہ سے کھلی ہوئی کلیوں اور رواں دواں دریاؤں کے مانند ہو گیا ہے جس کے عجائب میں سے یہ ہے کہ تحقیق کے پھل پسند کئے جاتے ہیں، اور اس کی انوکھی چیزوں میں سے یہ ہے کہ اس میں باریک بینی کا ایک ایسا ذخیرہ ہے جو عقلوں کو حیرت زدہ کر دیتی ہیں۔ اور وہ متن یعنی تنویر الابصار ہمارے شیخ کے شیخ، شیخ الاسلام محمد بن عبداللہ تمرتاشی حنفی غزیؒ کی تصنیف ہے، جو علمائے متاخرین میں نہایت اعلیٰ مقام و مرتبہ کے مالک ہیں، لہٰذا میں اس علم فقہ کو روایت کرتا ہوں اپنے استاذ محترم شیخ عبدالنبی خلیلی سے اور وہ روایت کرتے ہیں مصنف کتاب یعنی علامہ تمرتاشی غزی سے، وہ روایت کرتے ہیں علامہ ابن نجیم مصری سے، اپنی اس سند سے جو صاحب مذہب حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ تک پہنچتی ہے۔ اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اپنی اس سند متصل سے کرتے ہیں جو برگزیدہ پسندیدہ نبی کریم ﷺ تک پہنچتی ہے اور نبی کریم ﷺ روایت کرتے ہیں حضرت جبرئیل امین سے وہ روایت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ واحد قہار سے، چناں چہ یہ مذکورہ سند ہماری اجازت میں متعدد طرق سے بڑے بڑے متبحر مشائخ علماء کے سامنے ذکر کی گئی ہے اور وہ مسائل جو الدرر والغرر میں ہیں، میں نے عموماً ان کو دُرَر و غرر کی جانب منسوب نہیں کیا ہے مگر شاذ و نادر، اور وہ مسائل جو دُرر و غرر سے زیادہ ہیں ان کو میں نے ان کے قائل کی طرف منسوب کر دیا ہے اختصار کے پیش نظر۔

مختصر شرح **ولعمری لقد اضحت ألخ:** صاحب کتاب علامہ علاء الدین الحصکفی نے اس عبارت کے ذریعہ تنویر الابصار کی تحسین فرمائی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تنویر الابصار دوسری فقہ کی کتابوں سے بعض خصوصیات میں فائق ہے، خاص طور پر یہ کہ یہ کتاب ان تمام مسائل پر مشتمل ہے جن کی روزمرہ ضرورت پڑتی ہے اور اس میں مفتیٰ بہ اقوال کا انتخاب کرنا اور اس کی عبارت نہایت شگفتہ و شائستہ ہونا گویا تحقیق و تدقیق کا عظیم الشان گلدستہ ہے، جس کو دیکھ کر پڑھنے والے کے دل کی کلی کھل اٹھتی ہے۔

تُمُرتاشی: تُمُرتاشی کی جانب منسوب ہے۔ صاحب **مراصد الاطلاع فی أسماء الأماکن والبقاع** نے نقل کیا ہے کہ تمرتاش، بضم التاء والمیم وسکون الراء وتاء اور الف اور شین معجمہ کیساتھ ہے جو خوارزم میں ایک گاؤں کا نام ہے۔

الغزی: غزہ ہاشم کی جانب منسوب ہے۔ فلسطین میں ایک شہر کا نام ہے، جہاں حضرت امام شافعیؒ کی جائے ولادت بھی ہے اور ہاشم بن عبد مناف کی جائے وفات بھی شہر "غزہ" ہی ہے۔

خطیب تمرتاشی کے شیخ واستاذ علامہ ابن نجیم مصری صاحب البحر الرائق ہیں، جن کا علم وفضل، تقویٰ وطہارت اور زہد وقناعت مشہور معروف ہے۔

ائمہ اربعہ کا سلسلہ سند

علامہ شعرانی نے المیزان الکبریٰ میں ائمہ اربعہ کا سلسلہ سند یوں بیان فرمایا ہے:

الف: الإمام أبو حنيفة، عن عطاء بن عباس عن ابن عباس عن النبي ﷺ عن جبرئيل عن الله عزّ وجلّ۔

ب: الإمام مالک، عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنه عن النّبي ﷺ عن جبرئيل عن الله عزّ وجلّ۔

ج: الإمام الشافعي، عن مالک عن نافع عن ابن عمر عن النّبي ﷺ عن جبرئيل عن الله عزّ وجلّ۔

د: الإمام أحمد بن حنبل، عن الشافعي عن مالک عن نافع عن ابن عمر عن النبي ﷺ عن جبرئيل عن الله عزّ وجلّ۔

قوله: وما كان في الدرر و الغرر ألخ: شیخ علاء الدین حصکفیؒ نے اپنی کتاب درمختار میں فقہ حنفی کی مختلف معتمد کتابوں سے مسائل کو اخذ کیا ہے اور جن کتابوں سے مسائل کو اخذ کیا ہے ان میں الدرر والغرر زیادہ قابل ذکر ہیں۔ اور عام طور پر اسی سے مسئلہ اخذ کیا گیا ہے۔ اس لیے صاحب کتاب نے جگہ بہ جگہ اس کا حوالہ دینا ضروری نہیں سمجھا، ہاں بعض مقام پر جہاں حوالہ دینا ضروری سمجھا وہاں اس کا حوالہ دیدیا۔ الدرر والغرر کے علاوہ جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے ان کا اہتمام سے تذکرہ کیا گیا ہے اور جگہ بجگہ ان کا نام بیان کیا گیا ہے، چناں چہ جن لوگوں نے درمختار کا مطالعہ نظر عمیق سے کیا ہے ان کو بخوبی معلوم ہے۔

وَمَأْمُولِي مِنَ النَّاظِرِ فِيهِ أَنْ يَنْظُرَ بِعَيْنِ الرِّضَا وَالِاسْتِبْصَارِ، وَأَنْ يَتَلَافَى بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ، أَوْ يَصْفَحَ لِيَصْفَحَ عَنْهُ عَالِمُ الْإِسْرَارِ وَالْإِضْمَارِ، وَلَعَمْرِي إِنَّ السَّلَامَةَ مِنْ هَذَا الْخَطَرِ لَأَمْرٌ يَعِزُّ عَلَى الْبَشَرِ. وَلَا غَرْوَ فَإِنَّ النِّسْيَانَ مِنْ خَصَائِصِ الْإِنْسَانِيَّةِ، وَالْخَطَأَ وَالزَّلَلَ مِنْ شَعَائِرِ الْآدَمِيَّةِ، وَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ مُسْتَعِيذًا بِهِ مِنْ حَسَدٍ يَسُدُّ بَابَ الْإِنْصَافِ، وَيَرُدُّ عَنْ جَمِيلِ الْأَوْصَافِ. أَلَا وَإِنَّ الْحَسَدَ حَسَكٌ مَنْ تَعَلَّقَ بِهِ هَلَكَ، وَكَفَى لِلْحَاسِدِ ذَمًّا آخِرُ سُورَةِ الْفَلَقِ، فِي اضْطِرَامِهِ بِالْقَلَقِ، لِلَّهِ دَرُّ الْحَسَدِ مَا أَعْدَلَهُ، بَدَأَ بِصَاحِبِهِ فَقَتَلَهُ.

وَمَا أَنَا مِنْ كَيْدِ الْحَسُودِ بِآمِنٍ ☆ وَلَا جَاهِلٍ يَزْرِي وَلَا يَتَدَبَّرُ

وَلِلَّهِ دَرُّ الْقَائِلِ:

هُمْ يَحْسُدُونِي وَشَرُّ النَّاسِ كُلِّهِمْ ☆ مَنْ عَاشَ فِي النَّاسِ يَوْمًا غَيْرَ مَحْسُودِ

إِذْ لَا يَسُودُ سَيِّدٌ بِدُونِ وَدُودٍ يَمْدَحُ، وَحَسُودٍ يَقْدَحُ، لِأَنَّ مَنْ زَرَعَ الْإِحَنَ، حَصَدَ الْمِحَنَ، فَاللَّئِيمُ يَفْضَحُ، وَالْكَرِيمُ يُصْلِحُ

ترجمہ اور اس کتاب کے مطالعہ کرنے والوں سے میری توقع اور امید ہے کہ وہ اس کتاب کا رضامندی اور غور وفکر کی نگاہ سے مطالعہ کریں گے۔ اور حتی الامکان اس کے عیوب اور نقصان کی تلافی کریں گے، یا اس کے ساتھ درگذر کا معاملہ کریں گے۔ تاکہ اسرار و بھید سے واقف شخص بھی اس سے درگذر کا معاملہ کرے۔ اور قسم ہے میری زندگی کی کہ اس قسم کی غلطی اور سہو سے محفوظ ہو کر زندگی کا گذر جانا انسان کے لیے نہایت مشکل ہے (الا ماشاء اللہ) اور سہو وغلطی کے واقع ہونے میں کوئی عیب کی بات نہیں ہے اس لیے کہ بھول چوک انسان کی خصوصیت اور غلطی ولغزش آدمیت کے شعار میں داخل ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس غلطی کی معافی کا طالب ہوں جو اس میں واقع ہوئی ہو اور اس حسد اور بغض سے پناہ چاہتا ہوں جو انصاف کا دروازہ بند کردے اور حاسدین کو اوصاف جمیلہ سے پھیردے، سنو! حسد ایک ایسا کانٹا ہے کہ جو اس کے ساتھ لگ گیا، ہلاک وبرباد ہو گیا اور حسد کرنے والوں کی مذمت کے لیے سورۂ فلق کی آخری آیت کافی ہے اس لیے کہ حاسد حسد کی آگ سے جل بھن جاتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ حسد کرنے والوں کے ساتھ بھلا کرے اس لیے کہ وہ خوب انصاف کرنے والا ہے، حسد کرنے والوں کو اولاً ایسا غم دیتا ہے جو اسے قتل وہلاک کردیتا ہے اور میں حسد کرنے والوں کے مکروفریب اور دغا بازی سے محفوظ نہیں ہوں اور نہ میں اس جاہل سے مطمئن ہوں جو دوسروں کو عیب لگائے اور اپنے اندر غور وفکر نہ کرے۔ اور اللہ تعالیٰ اس شخص کا بھلا کرے جس نے کہا: وہ لوگ مجھ سے حسد کا معاملہ کرتے ہیں، حالانکہ تمام لوگوں میں سب سے بدترین شخص وہ آدمی ہے جو اس طرح لوگوں میں زندگی گذارے کہ اس کا ایک دن بھی حسد سے خالی ہو، اس لیے کہ کوئی سردار اس وقت تک سردار نہیں بن سکتا ہے جب تک کہ کوئی دوست اس کی تعریف نہ کرے اور کوئی حسد کرنے والا اس کو برا بھلا نہ کہے، اس لیے کہ یہ اصول مسلم ہے کہ جو شخص کینوں کا کھیت بوتا ہے وہ رنج وغم کا کھلیان لگاتا ہے، پس کمینہ شخص رسوا کرنے کے درپے ہوتا ہے اور شریف آدمی اصلاح کے درپے ہوتا ہے۔

مختصر تشریح قولہ: وما مولی من الناظر فیہ ألخ: اس عبارت سے صاحب درمختار کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص اس کتاب کا مطالعہ کرے اس کو چاہئے کہ معلومات حاصل کرنے اور مسائل جاننے کی غرض سے کرے، عقیدت ومحبت کی نظر سے کتاب کا مطالعہ کرے، عیب جوئی اور ہدف ملامت بنانے کے لیے اس کا مطالعہ نہ کرے، اس لیے کہ ایسا ممکن ہی نہیں کہ اس میں بالکل غلطی نہ ہو کیونکہ سہو وغلطی تو انسان کی فطرت میں داخل ہے، بھول چوک اور لغزش تو تقاضائے بشریت میں داخل ہے، اس لیے بنی نوع آدم تو ہرگز اس سے کلیۃً براءت نہیں کرسکتا ہے، لہٰذا مطالعہ کنندگان سے گذارش ہے کہ حتی الامکان چشم پوشی اور درگذر سے کام لیں۔

قولہ: استغفر اللہ مستعیذا بہ ألخ: مطلب یہ ہے کہ چوں کہ بھول چوک اور غلطی کا واقع ہونا کوئی بعید نہیں ہے اس لیے میں اللہ رب العزت والجلال سے اپنی غلطی کی معافی کا طالب ہوں، یعنی اگر اس کتاب کی تصنیف میں کوئی غلطی واقع ہوئی تو اے اللہ! تو اس کو محض اپنے فضل وکرم سے معاف فرما، اور حاسدین کا حسد چونکہ ایک نہایت گندی چیز ہے اس لیے اس سے بھی صاحب

کتاب، اللہ سے پناہ چاہ رہے ہیں، حسد کہتے ہیں دوسرے کی نعمتوں کے زوال کی تمنا کرنا خواہ وہ نعمت اس کو حاصل ہو یا نہ ہو۔
یاد رکھنا چاہئے کہ حسد ایک ایسی سنگین اور خطرناک بیماری ہے جو آدمی کو ہلاک و برباد کر ڈالتی ہے۔ حدیث شریف میں رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: الحسدُ یأکلُ الحسناتِ کما تأکلُ النّارُ الحطبَ۔ یعنی حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو جلا ڈالتی ہے۔ اور کبھی کبھی تو یہ حسد انسان کو کفر و شرک کے قریب کر دیتا ہے، اس لیے ہر صاحب ایمان کو حسد سے بچنا چاہئے۔

قولہ: کفی للحاسد ذما مافی آخر سورۃ الفلق الخ: حسد کرنے والوں کی مذمت کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ سورۂ فلق کی آخری آیت {وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ} کے ذریعہ اس کی جانب برائی اور شر کی نسبت کی گئی ہے۔ اور یہ ایک روشن حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ حسد کرنے والا اپنے دل میں ہر وقت ایک اضطراب و بے چینی محسوس کرتا ہے کہ فلاں کو یہ نعمت کیوں ملی ہے مجھے کیوں نہیں ملی ہے، گویا اس طرح حاسد خود اپنے اوپر پہلا حملہ کرتا ہے اور خود تباہ و برباد ہوتا ہے۔ اور یہ ایک مسلم واقعہ ہے کہ حسد اسی کے ساتھ کیا جاتا ہے جو خوبیوں کا مالک اور اوصافِ جمیلہ کا حامل ہوا کرتا ہے۔ رہا وہ شخص جس کے پاس کوئی خوبی نہ ہو اور اوصافِ حسنہ سے متصف نہ ہو تو اس پر حسد کرنے سے کیا فائدہ؟ ایسے شخص کو تو کوئی پوچھتا بھی نہیں ہے، حاسدین کا حسد اور جاہلوں کے عیب جوئی کا خطرہ ہر لحہ لگا رہتا ہے کوئی بھی صاحب عقل و بصیرت اس سے مطمئن نہیں ہوسکتا ہے۔
اور شاعر نے غیر محسود کو شر الناس اس لیے کہا ہے کہ حسد اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس میں خوبیاں ہوتی ہیں اور جس کے ساتھ حسد نہ ہو تو گویا وہ ہر طرح کی خوبیوں سے خالی ہے اور جو ہر خوبی و بھلائی سے خالی ہو اس کے شر الناس ہونے میں کیا شک ہے۔ اور عقلمند آدمی نہ تو تعریف کرنے والوں کی تعریف سے خود پسندی اور عجب میں گرفتار ہوتا ہے اور نہ حاسد کے عیب جوئی سے خود کو احساس کمتری کا شکار پاتا ہے اور اس روئے زمین پر دو طرح کے لوگ بستے ہیں ایک کم ظرف کمینے اور دوسرے شریف اور عالی ظرف، دونوں اپنے اپنے ظرف کے مطابق عمل کرتے ہیں، ایک تو ذلت و رسوائی کے درپے ہوتا ہے اور دوسرا اصلاح اور فلاح و کامیابی کے درپے ہوتا ہے۔

لکِنْ يَا أَخِي بَعْدَ الْوُقُوفِ عَلَى حَقِيقَةِ الْحَالِ، وَالِاطِّلَاعِ عَلَى مَا حَرَّرَهُ الْمُتَأَخِّرُونَ كَصَاحِبِ الْبَحْرِ وَالنَّهْرِ وَالْفَيْضِ وَالْمُصَنِّفِ وَجَدِّنَا الْمَرْحُومِ وَعَزْمِي زَادَهْ وَأَخِي زَادَهْ وَسَعْدِي أَفَنْدِي وَالزَّيْلَعِيِّ وَالْأَكْمَلِ وَالْكَمَالِ وَابْنِ الْكَمَالِ، مَعَ تَحْقِيقَاتٍ سَنَحَ بِهَا الْبَالُ، وَتَلَقَّيْتُهَا عَنْ فُحُولِ الرِّجَالِ وَيَأْبَى اللّٰهُ الْعِصْمَةَ لِكِتَابٍ غَيْرَ كِتَابِهِ، وَالْمُنْصِفُ مَنِ اغْتَفَرَ قَلِيلَ خَطَأِ الْمَرْءِ فِي كَثِيرِ صَوَابِهِ، وَمَعَ هَذَا فَمَنْ أَتْقَنَ كِتَابِي هَذَا فَهُوَ الْفَقِيهُ الْمَاهِرُ، وَمَنْ ظَفِرَ بِمَا فِيهِ، فَسَيَقُولُ بِمِلْءِ فِيهِ: كَمْ تَرَكَ الْأَوَّلُ لِلْآخِرِ وَمَنْ حَصَّلَهُ فَقَدْ حَصَلَ لَهُ الْحَظُّ الْوَافِرُ، لِأَنَّهُ هُوَ الْبَحْرُ لَكِنْ بِلَا

سَاحِلٍ، وَوَابِلُ الْقَطْرِ غَيْرَ أَنَّهُ مُتَوَاصِلٌ بِحُسْنِ عِبَارَاتٍ وَرَمْزِ إِشَارَاتٍ وَتَنْقِيحِ مَعَانِي، وَتَحْرِيرِ مَبَانِي، وَلَيْسَ الْخَبَرُ كَالْعِيَانِ، وَسَتَقَرُّ بِهِ بَعْدَ التَّأَمُّلِ الْعَيْنَانِ، فَخُذْ مَا نَظَرْتَ مِنْ حُسْنِ رَوْضِهِ الْأَسْمَى، وَدَعْ مَا سَمِعْتَ عَنِ الْحُسْنِ وَسَلْمَى:

خُذْ مَا نَظَرْتَ وَدَعْ شَيْئًا سَمِعْتَ بِهِ ☆ فِي طَلْعَةِ الشَّمْسِ مَا يُغْنِيكَ عَنْ زُحَلِ

ترجمہ | لیکن اے میرے بھائی! (میری اس کتاب درمختار کی غلطیوں کی اصلاح اور خامیوں کی تلافی اس وقت کرنی چاہئے) جب حقیقت حال سے واقفیت، اور متاخرین علماء نے، جیسے صاحب البحر الرائق، صاحب النہر الفائق، صاحب فیض المولیٰ الکریم، صاحب مصنف، ہمارے دادا محترم، عزمی زادہ، اخی زادہ سعدی آفندی، زیلعی، اکمل، کمال ابن الکمال نے جو کچھ لکھا ہے اس پر کامل اطلاع ہو اور اسی کے ساتھ ساتھ ہماری ان تحقیقات سے بھی مطلع ہو جو بعض ہمارے دل کی ایجاد کردہ ہے اور بعض میں نے فن کے ماہر لوگوں سے حاصل کیا ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کتاب قرآن مجید کے علاوہ تمام کتابوں کی عصمت اور غلطی سے پاک ہونے سے انکار کرتا ہے اور درحقیقت انصاف پسند وہ شخص ہے جو تھوڑی بہت غلطی کو اس کی زیادہ درستی میں چھپا ڈالے۔ اور میری کتاب درمختار غلطی سے محفوظ نہ ہونے کے باوجود جو شخص میری اس کتاب کو سمجھ کر پڑھے گا وہ زبردست فقیہ کہلائے گا اور جو شخص اس کے مسائل پر کامل درک اور مہارت حاصل کرلے گا وہ، بجا طور پر کہہ سکتا ہے کہ "کم ترک الأوّل للآخر" یعنی بہت سے کام کی باتیں ہیں جن کو اوّلین، بعد والوں کے لیے چھوڑ کر چلے گئے اور جس نے بھی اس کتاب کو حاصل کیا اس نے بلاشبہ ایک بڑا حصہ حاصل کرلیا، اس لیے کہ یہ کتاب مسائل کا ایسا دریا ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں اور ایسی موسلہ دھار بارش ہے جو مسلسل لگاتار برس رہی ہے اور میری یہ دُرِّ مختار عمدہ عبارات، پوشیدہ اشارات، واضح معانی اور شائستہ الفاظ سے مزین ہے اور خبر دیکھنے کے برابر نہیں ہوسکتی ہے اور اس کتاب میں غور وفکر کے بعد یقیناً آنکھیں ٹھنڈک محسوس کریں گی لہٰذا تم نے جو عالی مرتبہ کے باغ کا حسن دیکھا ہے اس کو قبول کرلو اور سلمیٰ کے حسن وخوبصورتی کی تعریف جو تم نے سن رکھی ہے اس کو چھوڑ دو۔

اور جو تم نے دیکھا ہے اس کو قبول کرلو اور جو تم نے سنا ہے اس کو چھوڑ دو، آفتاب کے طلوع ہونے میں وہ نور ہے جو تم کو زحل ستارہ کی روشنی سے بے نیاز کردے گا۔

مختصر تشریح | قولہ: لکن یا أخی: علامہ علاء الدین حصکفیؒ نے اس عبارت کے ذریعہ جو پیغام دینے کی کوشش کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ درمختار کی غلطیوں اور خامیوں کی اصلاح کرنے کی اجازت ہے، لیکن اس بات کا خیال رہے کہ اس کی اصلاح اس وقت کی جائے جب متاخرین علماء نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس پر کامل نظر ہو اور حقیقت حال سے پوری واقفیت ہو، ہر کس وناکس اس کی اصلاح کے لیے ٹانگ نہ اڑائے۔

مصنف کتابؒ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ قرآن مجید کے علاوہ کسی بھی کتاب کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا ہے کہ وہ

غلطیوں اور خامیوں سے بالکلیہ پاک ہے یہ تو صرف قرآنِ مجید کی شان ہے کہ اس میں کسی طرح کی کوئی غلطی نہیں ہے، اس کے علاوہ تمام کتابوں میں غلطی کا احتمال ہے، ہماری کتاب دُرِّ مختار بھی اسی فہرست میں شامل ہے، لیکن اس کے باوجود جو شخص بھی میری کتاب کو سمجھ کر پڑھے گا وہ اپنے وقت کا ماہر فقیہ اور زبردست مفتی کہلائے گا۔ درمختار کے متعلق صاحب کتاب نے جو کچھ بھی تحریر فرمایا ہے وہ مبنی بر حقیقت ہے، آج بھی اگر کوئی شخص اس کو سمجھ کر پڑھ لے اور تمام مسائل کو مستحضر فی الذہن رکھے تو اس کو فقہ وفتاویٰ میں ایک خاص ملکہ اور بے پناہ بصیرت حاصل ہو جائے گی، اب کتاب کے مطالعہ کے بعد بلا کسی تامل کے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ متاخرین علماء نے فقہ کی زبردست اور شاندار خدمت کی ہے اور عوام الناس پر عظیم احسان فرمایا ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کتاب اور اس کے حواشی وشروحات کو بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی ہے۔

قولہ: لیس الخبر کالعیان: اس جملہ کے ذریعہ صاحب کتاب نے اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ کتاب کی تعریف وتوصیف کے متعلق جو کچھ بھی ہم نے لکھا ہے وہ ایک خبر ہے جس میں سچ اور جھوٹ کا قوی امکان ہے لیکن جب آپ اس کا مطالعہ کریں گے تو حقیقت خود آشکارہ ہو جائے گی کہ میرے قول میں کہاں تک صداقت وحقانیت ہے اور میں کس درجہ میں اپنے قول میں سچا ہوں۔

قولہ: فی طلعة الشمس ما یغنیک عن زحل: "فی طلعة" خبر مقدم ہے۔ اور "ما یغنیک" مبتدا مؤخر ہے۔ مصنف نے اس شعر کو ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ میری کتاب درمختار آفتاب وماہتاب کے مانند ہے۔ اور فقہ کی بقیہ کتابیں زحل ستارہ کی طرح ہیں اور جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی روشنی کافی ہوتی ہے، زحل ستارہ کی روشنی کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے، اسی طرح درمختار کے بعد دوسری کتابوں کی ضرورت باقی نہ رہی، اور زحل ایک کم روشنی والا ستارہ ہے جو سب سے دور ساتویں آسمان پر ہے۔

هَذَا وَقَدْ أَضْحَتْ أَغْرَاضُ الْمُصَنِّفِينَ أَغْرَاضَ سِهَامِ أَلْسِنَةِ الْحُسَّادِ، وَنَفَائِسُ تَصَانِيفِهِمْ مُعَرَّضَةً بِأَيْدِيهِمْ تَنْتَهِبُ فَوَائِدَهَا ثُمَّ تَرْمِيهَا بِالْكَسَادِ:

أَخَا الْعِلْمِ لَا تَعْجَلْ بِعَيْبِ مُصَنِّفٍ ... وَلَمْ تَتَيَقَّنْ زَلَّةً مِنْهُ تُعْرَفُ

فَكَمْ أَفْسَدَ الرَّاوِي كَلَامًا بِعَقْلِهِ ... وَكَمْ حَرَّفَ الْأَقْوَالَ قَوْمٌ وَصَحَّفُوا

وَكَمْ نَاسِخٍ أَضْحَى لِمَعْنًى مُغَيِّرًا ... وَجَاءَ بِشَيْءٍ لَمْ يُرِدْهُ الْمُصَنِّفُ

وَمَا كَانَ قَصْدِي مِنْ هَذَا أَنْ يُنْدَرَجَ ذِكْرِي بَيْنَ الْمُحَرِّرِينَ. مِنَ الْمُصَنِّفِينَ وَالْمُؤَلِّفِينَ. بَلِ الْقَصْدُ رِيَاضُ الْقَرِيحَةِ وَحِفْظُ الْفُرُوعِ الصَّحِيحَةِ. مَعَ رَجَاءِ الْغُفْرَانِ. وَدُعَاءِ الْإِخْوَانِ، وَمَا عَلَيَّ مِنْ إِعْرَاضِ الْحَاسِدِينَ عَنْهُ حَالَ حَيَاتِي فَسَيَتَلَقَّوْنَهُ بِالْقَبُولِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى بَعْدَ وَفَاتِي، كَمَا قِيلَ:

تَرَى الْفَتَى يُنْكِرُ فَضْلَ الْفَتَى ... لُؤْمًا وَخُبْثًا فَإِذَا مَا ذَهَبْ

لَجَّ بِهِ الْحِرْصُ عَلَى نُكْتَةٍ   يَكْتُبُهَا عَنْهُ بِمَاءِ الذَّهَبِ

ترجمہ | جو کچھ تحریر کیا گیا ہے اس کو قبول کریں (اور حاسدین اور ہدف ملامت بنانے والوں کی باتوں پر توجہ نہ دیں) اس لیے کہ بلاشبہ مصنفین حضرات کی عزت وآبرو حاسدین کی زبانوں کی تیروں کا نشانہ بنتی ہیں اور ان مصنفین کی عمدہ تصنیفیں حاسدین کے ہاتھوں میں جاتی ہیں تو ان کے فوائد کو بے دریغ لوٹ لیتے ہیں، پھر ان کو کھوٹا دکھا کر پھینک دیتے ہیں۔ اے علم دوست حضرات! کسی مصنف کی عیب جوئی میں عجلت سے کام نہ لو، کیونکہ تم کو اس کی کسی ایسی لغزش کا یقین نہیں جو جانی جاتی ہو، چناں چہ ایسا بہت ہوتا ہے کہ روایت کرنے والا اپنی عقل ناقص کی وجہ سے کلام کو بگاڑ دیتا ہے اور بہت سے اقوال ایسے ہیں جن کو ایک قوم نے بدل ڈالا ہے اور ردوبدل کر دیا ہے اور بہت سے کاتب ایسے ہیں جنھوں نے معنی کو بدل دیا ہے اور ایسے معنی ذکر کر دئے جس کا مصنف نے ارادہ تک بھی نہیں کیا تھا اور اس تالیف سے میرا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ میرا ذکر بھی لکھنے والے مصنفین ومؤلفین کی فہرست میں شامل ہو جائے: بلکہ اس تالیف سے میرا مقصد یہ ہے کہ دست طبع مشق ہو اور صحیح مسائل محفوظ ہو جائیں، ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ سے مغفرت وبخشش کی امید اور مخلص دوستوں کی دعاء کی امید ہے، حاسدین اگر میری زندگی میں میری اس کتاب سے روگردانی کرتے ہیں تو مجھے اس سے کوئی تکلیف نہیں ہے اس لیے کہ میری موت کے بعد عنقریب وہ میری اس کتاب کو قبول کریں گے انشاء اللہ، چناں چہ کسی شاعر نے خوب کہا ہے: کہ تو ایک جوان کو دیکھتا ہے کہ وہ اپنی کمینگی اور خبائث نفس کی وجہ سے ایک دوسرے نوجوان کے فضل وکمال کا انکار کرتا ہے مگر جب وہ باکمال شخص دنیا سے چلا جاتا ہے اور اس کی موت ہو جاتی ہے تو پھر اس کو لالچ کسی باریک مسئلہ پر بے قرار کرتی ہے اور اس سراپا محسود کے کلام کو آب زر سے لکھتا ہے۔

مختصر تشریح | صاحب کتاب علامہ علاء الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ ہر زمانے کا یہ دستور رہا ہے کہ نااہلوں نے علم دوست اور مصنفوں کی عزت وآبرو کو ہدف ملامت بنایا ہے اور بڑے بڑے چوٹی کے علماء کرام کے خلاف زہر افشانی اور پروپیگنڈہ کیا ہے، لہٰذا ان کی باتوں میں نہ آکر جو کچھ میں نے سپرد قلم کیا ہے اس کو قبول کر لو اور حاسدین کی تو ہمیشہ عادت رہی ہے وہ مصنفین کی عمدہ تصانیف سے بھرپور فائدہ اُٹھاتے ہیں اور پھر اس کے خلاف زہر افشانی کرتے ہیں۔

قوله وكم حرف الاقوال قوم وصحفوا: ''تحریف'' کے معنی ردّوبدل کرنا ہے، خواہ یہ ردوبدل ایک لفظ کا دوسرے لفظ سے ہو، خواہ ایک حرف کا دوسرے حرف سے ہو اور تحریف کبھی کبھی تاویل کے معنی میں آتا ہے یعنی مصنف نے جو مراد نہ لیا ہو اس کو مراد لینا۔ اور ''تصحیف'' کہتے ہیں لکھنے میں غلطی کرنا، صاحب کتاب کا مقصد یہ ہے کہ کبھی کبھی غلطی کاتب اور راوی کی طرف سے بھی آجاتی ہے، لہٰذا بغیر تحقیق اور غور وفکر کے مصنفین کو تنقید کا نشانہ بنانا ہرگز عقلمندی اور دانشمندی نہیں ہے، اس لیے جن کو اللہ نے علم کی دولت سے مالا مال کیا ہے ان پر فرض ہے کہ کسی کی عیب جوئی میں عجلت سے کام نہ لیں، اس لیے کہ معلوم نہیں کہ غلطی

مصنف کی طرف سے ہے یا راوی اور کاتب کی طرف سے۔

قولہ: وما کان قصدی من هذا الخ: اس عبارت کا مقصد یہ ہے کہ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اس کتاب کے لکھنے کا مقصد میرا یہ ہرگز نہیں ہے کہ میرا نام بھی مؤلفین و مصنفین کی فہرست میں آجائے؛ بلکہ اس کتاب کی تصنیف کی غرض مسائل صحیحہ کو یکجا کرنا اور دست طبع مشق کرنا ہے۔ اور ایک انسان دوسرے باکمال انسان کی قدر اس کی زندگی میں نہیں کرتا ہے، لیکن جب وہ باکمال علم و فضل کا مالک، تقویٰ وطہارت کا حسین انسان موت کی آغوش میں سوجاتا ہے تو پھر بے چین ہوتا ہے اور اس کی ایک ایک شئی کی قدر و منزلت پہچانتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ اس کا علمی ذخیرہ برباد نہ ہونے پائے، ٹھیک اسی طرح اگر حاسدین میری زندگی میں میری تصنیف سے روگردانی کررہے ہیں تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے اس لیے اگر اللہ نے چاہا تو میری موت کے بعد ضرور اس کتاب کی قدر و قیمت کو پہچانیں گے اور اس کو قبول کریں گے۔

فَهَاكَ مُؤَلَّفًا مُهَذَّبًا بِمُهِمَّاتِ هَذَا الْفَنِّ، مُظْهِرًا لِدَقَائِقَ اسْتَعْمَلْتُ الْفِكْرَ فِيهَا إِذَا مَا اللَّيْلُ جَنَّ، مُتَحَرِّيًا أَرْجَحَ الْأَقْوَالِ وَأَوْجَزَ الْعِبَارَةِ، مُعْتَمِدًا فِي دَفْعِ الْإِيرَادِ بِلُطْفِ الْإِشَارَةِ؛ فَرُبَّمَا خَالَفْتُ فِي حُكْمٍ أَوْ دَلِيلٍ فَحَسِبَهُ مَنْ لَا اطِّلَاعَ لَهُ وَلَا فَهْمَ عُدُولًا عَنِ السَّبِيلِ، وَرُبَّمَا غَيَّرْتُ تَبَعًا لِمَا شَرَحَ عَلَيْهِ الْمُصَنِّفُ كَلِمَةً أَوْ حَرْفًا، وَمَا دَرَى أَنَّ ذَلِكَ لِنُكْتَةٍ تَدِقُّ عَنْ نَظَرِهِ وَتَخْفَى. وَقَدْ أَنْشَدَنِي شَيْخِي الْحَبْرُ السَّامِي وَالْبَحْرُ الطَّامِي. وَاحِدُ زَمَانِهِ وَحَسَنَةُ أَوَانِهِ. شَيْخُ الْإِسْلَامِ الشَّيْخُ خَيْرُ الدِّينِ الرَّمْلِيُّ أَطَالَ اللَّهُ بَقَاءَهُ:

قُلْ لِمَنْ لَمْ يَرَ الْمُعَاصِرَ شَيْئًا ۔۔۔ وَيَرَى لِلْأَوَائِلِ التَّقْدِيمَا

إِنَّ ذَاكَ الْقَدِيمَ كَانَ حَدِيثًا ۔۔۔ وَسَيَبْقَى هَذَا الْحَدِيثُ قَدِيمًا

ترجمہ اے مخاطب! مؤلف کی بات کو قبول کرو، جو فن فقہ کے اہم مسائل کو آراستہ اور اس کی باریکیوں کو ظاہر کرنے والا ہے۔ اور جب رات نے اپنی تمام چیزوں کو اپنی آغوش میں لے لیا تو اس وقت میں نے اس میں غور و فکر سے کام لیا اور راجح اقوال کو تلاش کرنے اور مختصر عبارت کی جستجو میں سرگرداں رہا۔ اور مقصد یہ تھا کہ اعتراض نہایت لطیف انداز میں دور ہو جائے، چناں چہ بعض مرتبہ مجھے بعض حکم اور دلیل میں مخالفت کا اظہار کرنا پڑا، چناں چہ اس سے وہ نادان قسم کے لوگ جن کو نہ اطلاع ہے نہ سمجھ یہ خیال کرنے لگے کہ میں صراط مستقیم سے عدول کر گیا، اور کہیں کہیں میں نے تنویر الابصار کی شرح کرتے ہوئے شرح میں کسی کلمہ اور حرف کو بدل دیا ہے اور ایسا میں نے کسی باریک نکتہ کی وجہ سے کیا ہے جو اعتراض کرنے والوں کی نظر سے پوشیدہ رہی، میرے استاذ شیخ الاسلام علامہ خیر الدین رملی نے مجھے کچھ اشعار سنائے جو اپنے وقت کے علامہ، عالی مرتبہ، یکتائے زمانہ، ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اور مشہور فاضل ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی عمر کو دراز کرے، اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

تم اس شخص سے کہو جو اپنے ہم عصر کو کچھ نہیں سمجھتا ہے اور اگلوں کو پچھلوں پر مقدم سمجھتا ہے کہ یقیناوہ پرانا بھی کبھی نیا تھا اور عن قریب یہ نیا بھی پرانا ہو کر باقی رہے گا۔

مختصر تشریح مذکورہ عبارت میں صاحب کتاب علامہ علاء الدین حصکفی نے یہ بیان فرمایا ہے کہ میں نے اس کتاب کے لکھنے میں نہایت جانفشانی اور عرق ریزی سے کام لیا ہے اور اس راہ میں بہت سے مصائب وآلام جھیلے ہیں، راتوں میں جب لوگ نیند کی آغوش میں محوخواب ہوتے اور نیند کے مزے لے رہے ہوتے تو میں مسائل کی تحقیق اور راجح اقوال کی تلاش میں سرگرداں رہتا، اور ایسی مختصر جامع عبارت لانے کے لیے کوشاں رہتا جو تمام پہلو پر حاوی ہو اور تنویر الابصار کی عبارت میں جو کہیں کہیں کمی وزیادتی میں نے کی ہے وہ بلا وجہ نہیں؛ بلکہ اس کے بڑے فائدے ہیں جن کو اہل علم خود مطالعہ کے وقت محسوس کریں گے۔

صاحب درمختار نے اپنے استاذ جلیل شیخ الاسلام علامہ خیر الدین رملی کے جو اشعار نقل کئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمعصر عالم خواہ کتنا ہی بڑا فاضل اور علم وکمال کا مالک ہو، زمانہ والوں کی نظر میں نہیں بھاتا ہے، لیکن مدت گذر جانے کے بعد وہی لوگوں کی نگاہوں میں مقتدیٰ اور مدار تحقیق نیز سند کی حیثیت قرار پاتا ہے۔ صاحب درمختار کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے حاسدین کے نرغے اور شکنجے میں تھے لیکن آج اللہ نے انہیں جو مقبولیت عطا فرمائی ہے اور درمختار کو جو قبول عام نصیب ہوا ہے وہ مخفی نہیں، فقہ وفتاویٰ میں ایک ممتاز مقام رکھتی ہے۔

عَلَى أَنَّ الْمَقْصُودَ وَالْمُرَادَ، مَا أَنْشَدَنِيهِ شَيْخِي رَأْسُ الْمُحَقِّقِينَ النُّقَّادُ مُحَمَّدُ أَفَنْدِي الْمَحَاسِنِيُّ وَقَدْ أَجَادَ:

لِكُلِّ بَنِي الدُّنْيَا مُرَادٌ وَمَقْصَدٌ ... وَإِنَّ مُرَادِي صِحَّةٌ وَفَرَاغٌ

لِأَبْلُغَ فِي عِلْمِ الشَّرِيعَةِ مَبْلَغًا ... يَكُونُ بِهِ لِي فِي الْجِنَانِ بَلَاغٌ

فَفِي مِثْلِ هَذَا فَلْيُنَافِسْ أُولُو ... النُّهَى وَحَسْبِي مِنَ الدُّنْيَا الْغَرُورِ بَلَاغٌ

فَمَا الْفَوْزُ إِلَّا فِي نَعِيمٍ مُؤَبَّدٍ ... بِهِ الْعَيْشُ رَغْدٌ وَالشَّرَابُ يُسَاغُ

ترجمہ (اس کتاب کے لکھنے کے مذکورہ بالا مقاصد کے علاوہ) میرا مقصود وہ ہے جو میرے استاذ محترم رأس المحققین والنقاد محمد آفندی محاسنی نے اپنے اشعار میں پڑھ کر مجھے سنایا ہے اور فرمایا:

۱- ہر دنیادار کا ایک مراد اور ایک مقصد ہوتا ہے اور بلاشبہ میرا مقصد صحت اور فارغ البالی ہے۔

۲- تاکہ میں علم شریعت میں اس مقام تک پہنچوں جو میرے لیے جنت میں جانے کا ذریعہ قرار پائے۔

۳- پس عقل مندوں کو چاہئے کہ اس طرح کے کام کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت کریں اور دھوکہ باز دنیا سے مجھے بقدر کفایت روزی کافی ہے۔

۴- پس کامیابی تو صرف اس نعمت میں ہے جو ہمیشہ رہنے والی ہے، جس کی وجہ سے حیات آفریں زندگی اور لذیذ شراب حاصل ہوتی ہے۔

مختصر تشریح علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ محبی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ محمد آفندی تاج الدین بن احمد المحاسنی الدمشقی کے فرزند تھے، جو دمشق کی جامع مسجد کے خطیب اور جید الاستعداد عالمِ دین، فاضل کامل اور ماہر ادیب تھے اور صاحب درمختار کے جلیل القدر استاذ تھے، ان کی ولادت باسعادت بقول علامہ شامی ۱۰۱۳ھ اور وفات: ۱۰۷۲ھ میں ہوئی۔ ان کے اشعار یہاں ذکر کر کے اس طرف اشارہ فرمایا کہ اس کتاب سے میرا مقصد رضائے الٰہی ہے نہ کہ دنیا طلبی اور حب جاہ اور شہرت حاصل کرنا مقصود ہے، اس دنیا سے بقدر کفایت جو حاصل ہے وہ کافی ہے، دنیا کی فکر نہیں، فکر کے لائق تو آخرت ہے جس کی مسرت وخوشی دائمی ہے اور جس کی لذت باقی رہنے والی ہے، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں اور اس سیاہ کار کو بھی اس عظیم دولت سے نوازے۔

علامہ حصکفی نے حمد وثناء کے بعد ان تمام اُمور پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے جن کی انھوں نے اپنی کتاب میں رعایت کی ہے اور ایک مصنف کو کتاب لکھنے میں کن کن دشوار کن مراحل سے گذرنا پڑتا ہے اور کس قدر محنت ومشقت کرنی پڑتی ہے اس کو بیان فرمایا تا کہ پڑھنے والے اس کو محسوس کریں اور سمجھیں کہ کس مقام ومرتبہ کی کتاب ہے، اب اس کے بعد صاحب کتاب، کتاب کا مقدمہ شروع فرما رہے ہیں جس میں فن فقہ سے متعلق ضروری اُمور کی نشاندہی فرمائیں گے تا کہ مطالعہ کرنے والا بصیرت کے ساتھ مطالعہ کرے۔

مُقَدِّمَةٌ: حَقٌّ عَلَى مَنْ حَاوَلَ عِلْمًا أَنْ يَتَصَوَّرَهُ بِحَدِّهِ أَوْ رَسْمِهِ وَيَعْرِفَ مَوْضُوعَهُ وَغَايَتَهُ وَاسْتِمْدَادَهُ. فَالْفِقْهُ لُغَةً: الْعِلْمُ بِالشَّيْءِ ثُمَّ خُصَّ بِعِلْمِ الشَّرِيعَةِ، وَفَقِهَ بِالْكَسْرِ فِقْهًا عَلِمَ، وَفَقُهَ بِالضَّمِّ فَقَاهَةً صَارَ فَقِيهًا. وَاصْطِلَاحًا: عِنْدَ الْأُصُولِيِّينَ الْعِلْمُ بِالْأَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ الْفَرْعِيَّةِ الْمُكْتَسَبُ مِنْ أَدِلَّتِهَا التَّفْصِيلِيَّةِ وَعِنْدَ الْفُقَهَاءِ: حِفْظُ الْفُرُوعِ وَأَقَلُّهُ ثَلَاثٌ. وَعِنْدَ أَهْلِ الْحَقِيقَةِ: الْجَمْعُ بَيْنَ الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ لِقَوْلِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ: إِنَّمَا الْفَقِيهُ الْمُعْرِضُ عَنِ الدُّنْيَا، الزَّاهِدُ فِي الْآخِرَةِ، الْبَصِيرُ بِعُيُوبِ نَفْسِهِ.

ترجمہ جو شخص کسی علم کو حاصل کرنے کی کوشش کرے تو اس پر لازم ہے کہ اس علم کی حد یا رسم کا تصور کرے۔ اور اس کے موضوع اور اس کی غایت اور اس کے مآخذ ومصادر کو جانے، چناں چہ فقہ کے لغوی معنی کسی شئی کو جاننا ہے، پھر فقہ شریعت کے علم کے ساتھ مخصوص ہو گیا اور فَقِہَ جب کسرہ کے ساتھ باب سَمِعَ سے ہو اس کے معنی ہیں دریافت کیا جانا۔ اور فَقُہَ قاف کے ضمہ کے ساتھ آتا ہے جس کا مصدر فقاھۃً آتا ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب آدمی فقیہ ہو جاتا ہے۔ اور علماءِ اصولیین کے نزدیک فقہ نام ہے ان احکامِ شرعیہ فرعیہ کو جاننا جو تفصیلی دلائل سے حاصل ہوئے ہوں۔ اور حضراتِ فقہائے کرام کے نزدیک فقہ فروع یعنی مسائل

جزئیات کے یاد رکھنے کا نام ہے جن کی اقل تعداد تین مسائل ہیں۔ اور اہل حقیقت یعنی حضرات صوفیا کرام کے نزدیک فقہ علم وعمل کو جمع کرنے کا نام ہے اس لیے کہ حضرت امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ حقیقت میں تو فقیہ وہی شخص ہے جو دنیا سے اعراض کرنے والا اور آخرت کی طرف رغبت کرنے والا ہو اور اپنے عیوب پر نظر رکھنے والا ہو۔

مختصر تشریح: مصنف کتاب فرماتے ہیں کہ کسی بھی علم کے شروع کرنے سے پہلے اس کے طالب علموں کو چند باتوں کا علم ہونا ضروری ہے تاکہ اس علم کو علی وجہ البصیرت حاصل کر سکے، وہ چند باتیں یہ ہیں:

۱- علم کی حد یا رسم کا جاننا۔
۲- علم کے موضوع کو جاننا۔
۳- اس کی غرض وغایت سے واقف ہونا۔
۴- علم کا نام جاننا۔
۵- جس علم کو حاصل کرنے جا رہا ہے اس کی فضیلت سے آگاہ ہونا۔
۶- اس علم کے واضع کے احوال جاننا۔
۷- اس علم کے حاصل کرنے کا کیا حکم ہے اس کو جاننا۔
۸- جس علم کو حاصل کیا جا رہا ہے اس کے مآخذ سے باخبر ہونا۔

ان ہی آٹھوں چیزوں کو مصنف اس مقدمہ میں بیان کریں گے، چناں چہ صاحب کتاب علامہ علاء الدین حصکفی سب سے پہلے علم کی تعریف لغوی واصطلاحی بیان کرتے ہیں۔

فقہ کے لغوی واصطلاحی معنی

"فقہ" دو باب سے آتا ہے: ایک باب سمع سے یعنی فقِہَ یفقَہُ فِقْہًا، اس باب کا مصدر بکسر الفاء وسکون القاف آتا ہے، معنی: جاننا، معلوم کرنا، ہے۔ دوسرا باب کرم سے آتا ہے، اس کا مصدر فَقَاہۃً آتا ہے اس کے معنی فقیہ ہونا ہے۔

اور فقہ کے اصطلاحی معنی متعین کرنے میں علمائے اصول، فقہائے امت اور حضرات صوفیاء کرام کے درمیان اختلاف ہے۔

فقہ کی اصطلاحی تعریف اصولیین کے نزدیک

علمائے اصولِ فقہ کے نزدیک علم فقہ کی تعریف یہ ہے: ان احکامِ شرعیہ وفرعیہ کو جاننا جو تفصیلی دلائل سے حاصل ہوئے ہوں، جن کو صاحب کتاب نے اپنے الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا ہے: العِلمُ بالأحکامِ الشرعیۃِ الفرعیۃِ المکتسب من أدلّتھا التفصیلیۃ۔

حضراتِ فقہاء کے نزدیک علم فقہ کی اصطلاحی تعریف

حضراتِ فقہاءِ امت نے علم فقہ کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ سے کی ہے: الفقهُ هو حِفظُ الفروع، یعنی علم فقہ اصطلاح کے اعتبار سے جزئی مسائل کو یاد کرنے اور اس کو محفوظ رکھنے کا نام ہے جن کی کم از کم تعداد تین ہیں۔

اہل حقیقت یعنی صوفیاءِ کرام کے نزدیک فقہ کی اصطلاحی تعریف

حضراتِ صوفیاءِ کرام جو شریعت وطریقت کے جامع اور موصل الی اللہ ہوتے ہیں ان حضرات نے فقہ کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ سے کی ہے: الفقهُ هو الجمعُ بينَ العِلمِ والعَملِ، یعنی اصطلاح میں فقہ علم وعمل دونوں کو جمع کرنے کا نام ہے جیسا کہ امام حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ فقیہ درحقیقت وہ لوگ ہیں جو دنیا سے اعراض کرنے والے اور آخرت کی جانب توجہ کرنے والے ہیں اور اپنے عیوب پر نظر رکھنے والے ہیں۔

اہل اصول نے علم فقہ کی جو تعریف کی ہے اس کے مطابق فقیہ صرف مجتہد یا جو اس درجہ اجتہاد تک پہنچا ہو وہی ہوسکتا ہے، مقلد فقیہ نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ دلائل سے استدلال اس کے لیے ضروری نہیں ہے، جو مقلد مسائل کا حافظ یا ان پر حاوی ہو ان کو فقیہ بطور مجاز کہا جاتا ہے اور فقہاء کی تعریف کی بنیاد پر فقیہ مجتہد اور غیر مجتہد دونوں ہوسکتے ہیں اور اہل حقیقت سے مراد وہ علمائے ربانیین ہیں جن کو عبادت میں صفت احسان کی کیفیت حاصل ہوا کرتی ہو، اور یہی درحقیقت شریعت کا مغز اور اصل ہے اور جن کو یہ صفت حاصل ہوجائے وہی کامیاب ہیں۔

وَمَوْضُوعُهُ: فِعْلُ الْمُكَلَّفِ ثُبُوتًا أَوْ سَلْبًا. وَاسْتِمْدَادُهُ: مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالْإِجْمَاعِ وَالْقِيَاسِ. **وَغَايَتُهُ**: الْفَوْزُ بِسَعَادَةِ الدَّارَيْنِ. وَأَمَّا فَضْلُهُ: فَكَثِيرٌ شَهِيرٌ، وَمِنْهُ مَا فِي الْخُلَاصَةِ وَغَيْرِهَا النَّظَرُ فِي كُتُبِ أَصْحَابِنَا مِنْ غَيْرِ سِمَاعٍ أَفْضَلُ مِنْ قِيَامِ اللَّيْلِ وَتَعَلُّمُ الْفِقْهِ أَفْضَلُ مِنْ تَعَلُّمِ بَاقِي الْقُرْآنِ وَجَمِيعُ الْفِقْهِ لَا بُدَّ مِنْهُ.

ترجمہ اور علم فقہ کا موضوع مکلف یعنی عاقل وبالغ مسلمان کا فعل ہے، خواہ ثبوتی اعتبار سے ہو، خواہ سلبی اعتبار سے ہو اور علم فقہ کا استمداد یعنی مصادر وماخذ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع امت اور قیاس ہے اور اس کی غایت دونوں جہان کی سعادت حاصل کرنا ہے۔ باقی رہی علم فقہ کی فضیلت تو وہ بہت زیادہ ہے اور مشہور ہے اور اس کی فضیلت میں سے وہ قول بھی ہے جو خلاصہ وغیرہ کتابوں میں منقول ہے کہ ہمارے اصحاب فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہے استاذ سے سماع نہ حاصل ہو تہجد کی نماز سے افضل ہے اور فقہ کا سیکھنا باقی قرآن کے سیکھنے سے افضل ہے اور فقہ تمام کا تمام ضروری ہے اس کے بغیر کوئی گنجائش اور چارۂ کار نہیں۔

مختصر تشریح اس عبارت میں صاحب درمختار علامہ علاء الدین حصکفی نے چار چیزوں کو بیان فرمایا ہے: (۱) علم فقہ کا موضوع

(۲)علم فقہ کا مصدر ومنبع (۳)علم فقہ کی غرض وغایت (۴)علم فقہ کی فضیلت۔

علم فقہ کا موضوع

ہر علم کا موضوع وہ ہے جس کے عوارضِ ذاتیہ سے بحث کی جائے، جیسے علم نحو کا موضوع کلمہ اور کلام ہے، طب کا موضوع انسان کا بدن ہے صحت ومرض کے اعتبار سے، اسی طرح علم فقہ کا موضوع عاقل وبالغ مسلمان کا فعل ہے، یعنی حضرات فقہائے کرام اس سے بحث کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ کون سا فعل عاقل بالغ پر فرض ہے کون سا فعل واجب ہے کون سا مباح، اسی طرح کون سا فعل صحیح اور درست ہے اور کون سا نادرست اور ناجائز ہے، کون سا حرام ہے اور کون سا مکروہ۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نابالغ، دیوانہ، پاگل اور مخبوط الحواس کا فعل علم فقہ کا موضوع نہیں ہے۔

علم فقہ کے مآخذ ومصادر

صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ علم فقہ کا منبع وسرچشمہ چار چیزیں ہیں: (۱) کتاب اللہ، یعنی قرآنِ کریم (۲) سنت رسول اللہ ﷺ، یعنی احادیث نبویہ (۳) اجماع امت وتعامل ناس (۴) قیاسِ صحیح۔ جملہ مسائل فقہیہ ان ہی دلائل اربعہ سے مستخرج ومستنبط ہیں۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ پہلی شریعتوں کے جو احکام منسوخ نہیں ہیں وہ کتاب اللہ میں داخل ہیں اور اقوالِ صحابہؓ سنت رسول اللہ ﷺ میں شامل ہیں اور لوگوں کا تعامل اجماع امت میں داخل ہے اور تحری یعنی غور وفکر کے بعد اندازہ وتخمین اور استصحاب حال یعنی سابقہ حالت کو پیش نظر رکھ کر موجودہ حالت پر وہی حکم لگانا درحقیقت قیاس ہے۔ اور یہاں قیاس سے مراد ہر قسم کا قیاس نہیں ہے بلکہ وہ قیاس مراد ہے جو کتاب وسنت اور اجماع امت سے مستنبط ہو۔

علم فقہ کی غرض وغایت

علم فقہ کے حاصل کرنے کا مقصد اور غرض وغایت دونوں جہاں کی سعادت اور کامیابی حاصل کرنا ہے۔ فقہ حاصل کرکے اور اس پر عمل کرکے آدمی جہالت وپستی کی عمیق کھائی سے نکل کر عزت وشرف کی عظیم بلندی پر آجاتا ہے اور صحیح علم کے بغیر صحیح عمل کرنا مشکل ہے، اس لیے علم فقہ سے آراستہ ومزین ہونا ہر صاحب ایمان کے لیے حسب ضرورت فرض اور واجب ہے۔

علم فقہ کی فضیلت

رہی علم فقہ کی فضیلت ومنقبت تو بے اَن گنت اور لاتعداد ہے، رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عالم دین کو عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسی مجھے تمہارے ادنیٰ شخص پر، اسی طرح ارشادِ گرامی ہے کہ ایک فقیہ، شیطان پر ایک ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہوتا ہے، اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی فقاہت اور سمجھداری عطا کردیتا ہے، اس کے علاوہ اور بھی فضیلتیں احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں وہاں مطالعہ کرلیا جائے، نیز فقہی کتابوں میں جو مسائل بیان کئے گئے

ہیں ان سے بھی علم فقہ کی عظمت وبلندی ظاہر ہوتی ہے، فقہی کتابوں کا مطالعہ کرنا رات میں تہجد پڑھنے سے افضل ہے، اسی طرح مسائل فقہ کو ضرورت سے زیادہ حاصل کرنا لوگوں کو نفع رسانی اور مسائل بتانے کے لیے باقی قرآن پاک سیکھنے سے افضل ہے، کیونکہ کہ فقہ کی تعلیم فرض کفایہ ہے، ضرورت سے زائد قرآن سیکھنا سنت ہے، الغرض فقہ کل کا کل سیکھے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔

وَفِي الْمُلْتَقَطِ وَغَيْرِهِ مِنْ مُحَمَّدٍ: لَا يَنْبَغِي لِلرَّجُلِ أَنْ يُعْرَفَ بِالشِّعْرِ وَالنَّحْوِ؛ لِأَنَّ آخِرَ أَمْرِهِ إِلَى الْمَسْأَلَةِ وَتَعْلِيمِ الصِّبْيَانِ، وَلَا بِالْحِسَابِ لِأَنَّ آخِرَ أَمْرِهِ إِلَى مِسَاحَةِ الْأَرْضِينَ، وَلَا بِالتَّفْسِيرِ؛ لِأَنَّ آخِرَ أَمْرِهِ إِلَى التَّذْكِيرِ وَالْقِصَصِ بَلْ يَكُونُ عِلْمُهُ فِي الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَمَا لَا بُدَّ مِنْهُ مِنَ الْأَحْكَامِ، كَمَا قِيلَ:

ترجمہ ملتقط وغیرہ کتابوں میں حضرت امام محمدؒ سے منقول ہے کہ آدمی کے لیے شعر گوئی اور نحو دانی میں شہرت حاصل کرنا مناسب نہیں ہے اس لیے کہ ان کا انجام دست سوال دراز کرنا اور بچوں کی تعلیم پر لگنا ہے اور نہ ہی حساب میں شہرت کمانا مناسب ہے اس لیے کہ اس کا نتیجہ زمین کی پیائش ہے، اور نہ فن تفسیر میں شہرت حاصل کرنا مناسب ہے اس لیے کہ اس کا مآل وعظ گوئی اور قصہ کہانی بیان کرنا ہے؛ بلکہ اس کے لیے مناسب ہے کہ حلال وحرام کا علم حاصل کرے اور ان احکام کا علم حاصل کرے، جن کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔

مختصر تشریح شعر گوئی کا انجام سوال کرنا اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ شعراء عموماً شعر گوئی دنیا طلب کرنے کے لیے کسی کی تعریف میں کرتے ہیں، یا کسی کی ہجو کیا کرتے ہیں، پھر شعراء مبالغہ آرائی میں آسمان وزمین کی قلابیں باندھتے ہیں اور جھوٹ میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اور مشہور ہے کہ جھوٹ روزی کو گھٹا دیتا ہے اس لیے شعر گوئی میں شہرت سے منع کیا گیا ہے، صاحب درمختار نے فقہ کی مدح سرائی میں بعض اہل علم کے اشعار بھی پیش کیے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

إِذَا مَا اعْتَزَّ ذُو عِلْمٍ بِعِلْمٍ ... فَعِلْمُ الْفِقْهِ أَوْلَى بِاعْتِزَازِ

فَكَمْ طِيبٍ يَفُوحُ وَلَا كَمِسْكٍ ... وَكَمْ طَيْرٍ يَطِيرُ وَلَا كَبَازِي

وَقَدْ مَدَحَهُ اللّٰهُ تَعَالَى بِتَسْمِيَتِهِ خَيْرًا بِقَوْلِهِ تَعَالَى - ﴿وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ - وَقَدْ فَسَّرَ الْحِكْمَةَ زُمْرَةُ أَرْبَابِ التَّفْسِيرِ بِعِلْمِ الْفُرُوعِ الَّذِي هُوَ عِلْمُ الْفِقْهِ وَمِنْ هُنَا قِيلَ:

وَخَيْرُ عُلُومٍ عِلْمُ فِقْهٍ لِأَنَّهُ ... يَكُونُ إِلَى كُلِّ الْعُلُومِ تَوَسُّلًا

فَإِنَّ فَقِيهًا وَاحِدًا مُتَوَرِّعًا ... عَلَى أَلْفِ ذِي زُهْدٍ تَفَضَّلَ وَاعْتَلَى

وَهُمَا مَأْخُوذَانِ مِمَّا قِيلَ لِلْإِمَامِ مُحَمَّدٍ الْفَقِيهِ:

تَفَقَّهْ فَإِنَّ الْفِقْهَ أَفْضَلُ قَائِدٍ ... إِلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَأَعْدَلُ قَاصِدٍ

وَكُنْ مُسْتَفِيدًا كُلَّ يَوْمٍ زِيَادَةً مِنَ الْفِقْهِ وَاسْبَحْ فِي بُحُورِ الْفَوَائِدِ

فَإِنَّ فَقِيهًا وَاحِدًا مُتَوَرِّعًا أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدِ

وَمِنْ كَلَامِ عَلِيٍّ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ –:

مَا الْفَضْلُ إِلَّا لِأَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّهُمْ عَلَى الْهُدَى لِمَنِ اسْتَهْدَى أَدِلَّاءُ

وَوَزْنُ كُلِّ امْرِئٍ مَا كَانَ يُحْسِنُهُ وَالْجَاهِلُونَ لِأَهْلِ الْعِلْمِ أَعْدَاءُ

فَفُزْ بِعِلْمٍ وَلَا تَجْهَلْ بِهِ أَبَدًا النَّاسُ مَوْتَى وَأَهْلُ الْعِلْمِ أَحْيَاءُ

ترجمہ: اگر علم والا کسی علم پر فخر و ناز کرے تو علم فقہ فخر و ناز کرنے کے لیے اولیٰ ہے۔ چناں چہ بہت سی خوشبوئیں مہکتی ہیں مگر مشک کی طرح نہیں۔ اور بہت سے پرندے اُڑتے ہیں مگر باز پرندے کی طرح نہیں۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے فقہ کے لیے لفظ ''خیر'' لا کر اس کی مدح وتعریف کی ہے۔ ارشاد فرمایا: ''جس شخص کو حکمت سے نوازا گیا اس کو خیر کثیر سے سرفراز کیا گیا''۔ مفسرین کی ایک جماعت نے حکمت کی تفسیر فقہی جزئیات سے کی ہے اور یہیں سے کسی نے خوب کہا ہے ؎

تمام علوم میں سب سے بہتر علم علم فقہ ہے، اس لیے کہ یہ تمام مراتب عالیہ کے لیے وسیلہ اور ذریعہ ہوتا ہے، اس وجہ سے کہ ایک متقی و پرہیزگار فقیہ، ہزاروں عابدوں سے جو علم فقہ سے آشنا نہیں ہوتے ہیں بڑھا ہوا ہے۔

اور یہ دونوں اشعار کے مضامین درحقیقت حضرت امام محمدؒ کے اشعار سے اخذ کئے گئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

علم فقہ حاصل کرو، اس لیے کہ فقہ افضل ہے اور نیکی، تقویٰ اور معتدل راہ کی جانب کھینچ کر لانے والا ہے۔ اور ہر روز علم فقہ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرو۔ اور فقہی فوائد کے سمندروں میں تیرو، اس لیے کہ ایک متقی فقیہ شیطان پر ایک ہزار عابد سے زیادہ سخت بھاری ہے۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا، جس کا ترجمہ یہ ہے:

فضل وکمال تو صرف اہل علم کے لیے زیبا ہے، اس لیے کہ وہ خود ہدایت پر ہوتے ہیں اور دوسرے ہدایت کے متلاشی کے لیے راہ نما اور مقتدیٰ ہوتے ہیں۔ اور ہر شخص کی قدر ومنزلت اس کی ان خوبیوں سے اندازہ ہوتی ہے جو ان میں ہوتی ہے اور علم سے ناواقف شخص تو علم والوں کے دشمن ہوتے ہی ہیں، لہٰذا اے مخاطب! علم حاصل کر کے کامیابی سے ہم کنار ہو، اور کبھی جہالت میں پڑا نہ رہ۔ تمام لوگ مردے کے مانند ہیں اور ان میں جو علم والے ہیں وہ زندہ ہیں۔

مختصر تشریح: حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اشعار کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص جس قدر خوبیاں اپنے اندر پیدا کرے گا اس کی عزت واحترام اور قدر ومنزلت بھی اسی قدر ہوگی اور علم کے حصول میں جس قدر محنت و جفاکشی اور جدوجہد کرے گا اسی قدر فضل

وکمال حاصل ہوگا، آج چونکہ طلبہ حصولِ علم کی راہ میں وہ محنت ومشقت اور جفاکشی نہیں کرتے ہیں جو انہیں کرنی چاہئے تھی اس لیے آج انہیں وہ مرتبہ بھی نہیں ملتا ہے جو ملنا چاہئے تھا، اہل علم اور علماء زندہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی راہِ ہدایت پر لاکر زندہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جن کے پاس علم کی دولت نہیں ہوتی ہے وہ مردہ ہیں ان کا دل زندگی سے آشنا نہیں ہوتا ہے، اس لیے آدمی کو چاہئے کہ جہالت سے کنارہ کشی اختیار کرکے علم کے زیور سے اپنے آپ کو آراستہ کرے اور زندوں میں اپنے کو داخل کرے، جہالت کے دلدل میں پھنسا نہ رہے، جہالت کا سبب کاہلی ہے اور کاہلی کا سبب کثرتِ طعام ہے اس لیے اساتذہ اپنے طلبہ کو کاہلی ختم کرنے کے لیے قلتِ طعام، قلتِ منام اور قلتِ اختلاط مع الانام کا حکم دیتے ہیں اور گناہوں سے بچنے کی بھی نصیحت کرتے ہیں۔

علامہ فتح الموصل فرماتے ہیں کہ جب مریض کو کھانا، پینا اور دواء سے روک دیا جائے تو اس کی موت یقینی ہے اور وہ مرجائے گا، اسی طرح اگر دل کو حکمت اور علم کی غذا میسر نہ ہو تو اس کی موت ہوجاتی ہے اور دل مردہ ہوجاتا ہے، دلوں کی غذا علم وحکمت ہے اور اسی سے زندگی برقرار رہتی ہے جس طرح جسم کی غذا کھانا ہے، پس جو شخص علم سے عاری ہو وہ مردہ دل والا ہے اور موت اس کے لیے لازم ہے۔

وَقَدْ قِيلَ: الْعِلْمُ وَسِيلَةٌ إِلَى كُلِّ فَضِيلَةٍ، الْعِلْمُ يَرْفَعُ الْمَمْلُوكَ إِلَى مَجَالِسِ الْمُلُوكِ، لَوْلَا الْعُلَمَاءُ لَهَلَكَ الْأُمَرَاءُ.

وَإِنَّمَا الْعِلْمُ لِأَرْبَابِهِ ۔۔۔ وِلَايَةٌ لَيْسَ لَهَا عَزْلُ

إِنَّ الْأَمِيرَ هُوَ الَّذِي ۔۔۔ يَضْحَى أَمِيرًا عِنْدَ عَزْلِهِ

إِنْ زَالَ سُلْطَانُ الْوِلَا ۔۔۔ يَةِ كَانَ فِي سُلْطَانِ فَضْلِهِ

ترجمہ اور تحقیق کہ کہا گیا ہے کہ علم ہر طرح کی فضیلت وکمال کا وسیلہ ہے، علم غلام کو اس قدر اونچا مقام عطا کرتا ہے کہ بادشاہوں کی مجلسوں تک پہنچا دیتا ہے، اہل علم نہ ہوتے تو امراء کبھی ہلاک کے ہوجاتے، اور یقیناً اہل علم کے واسطے علم ایک ایسا دائمی منصب ہے جس کا زوال نہیں ہے، بلاشبہ حقیقت میں امیر تو وہی ہے جو اپنے معزول ہونے تک امیر بنا رہے، اگر عہدہ کی قوت وحشمت زائل ہوجائے تو اپنے فضل وکمال کے منصب پر فائز رہے۔

مختصر تشریح اس عبارت سے علامہ علاء الدین حصکفی یہ بیان فرمارہے ہیں کہ قرآن وسنت کا علم انسان کو بلند سے بلند ترین مقام ومنصب پر فائز کردیتا ہے اور ہر طرح کی فضیلت سے مزین کردیتا ہے۔ غلاموں کو بادشاہوں کی مجلسوں تک پہنچا دیتا ہے جہاں تک رسائی کے لیے لاتعداد وسائل اور سفارشات کی ضرورت پڑتی ہے وہاں کمترین اور غلام جیسا ادنیٰ انسان علم کی بدولت بلاروک ٹوک پہنچ جاتا ہے، علم ایک ایسی دولت ہے جو کبھی چوری اور فنا نہیں ہوتی ہے اگر وہ دنیا سے چلا بھی جاتا ہے تو اس کے علم کی شہرت اور چرچا باقی رہتا ہے۔

وَاعْلَمْ أَنَّ تَعَلُّمَ الْعِلْمِ يَكُونُ فَرْضَ عَيْنٍ وَهُوَ بِقَدْرِ مَا يَحْتَاجُ لِدِينِهِ. وَفَرْضَ كِفَايَةٍ، وَهُوَ مَا زَادَ

عَلَيْهِ لِنَفْعِ غَيْرِهِ.وَمَنْدُوبًا، وَهُوَ التَّبَحُّرُ فِي الْفِقْهِ وَعِلْمِ الْقَلْبِ. وَحَرَامًا، وَهُوَ عِلْمُ الْفَلْسَفَةِ وَالشَّعْبَذَةِ وَالتَّنْجِيمِ وَالرَّمْلِ وَعُلُومِ الطَّبَائِعِيِّينَ وَالسِّحْرِ وَالْكَهَانَةِ، وَدَخَلَ فِي الْفَلْسَفَةِ الْمَنْطِقُ، وَمِنْ هٰذَا الْقِسْمِ عِلْمُ الْحَرْفِ وَعِلْمُ الْمُوسِيقَىٰ. وَمَكْرُوهًا وَهُوَ أَشْعَارُ الْمُوَلَّدِينَ مِنَ الْغَزَلِ وَالْبَطَالَةِ، وَمُبَاحًا كَأَشْعَارِهِمْ - الَّتِي لَا يَسْتَخِفُّ فِيهَا كَذَا فِي فَوَائِدَ شَتَّى مِنَ الْأَشْبَاهِ وَالنَّظَائِرِ.

ترجمہ اور یہ بات خوب اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ علم حاصل کرنا بقدر ضرورت فرضِ عین ہے اور اپنی ضرورت سے زیادہ دوسروں کو نفع پہنچانے کے لیے مزید علم حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے اور فقہ، اخلاق کے علم میں مہارت تامہ حاصل کرنا مستحب ہے اور بعض علوم کا حاصل کرنا حرام ہوتا ہے اور فلسفہ، شعبدہ بازی، نجوم (ستاروں کا علم) رمل (خطوط اور نقطہ کے خاص عدد سے نتیجہ نکالنا) اہل طبائع کے علوم، جادو اور کہانت کا علم ہے اور علم منطق کی حرمت فلسفہ کی حرمت میں داخل ہے اور اسی قسم سے علم الحرف اور علم موسیقی ہے۔ اور بعض علوم کا حاصل کرنا مکروہ ہوتا ہے اور وہ ان شاعروں کی بیہودہ گوئی غزل ہے جو عرب میں اسلام کے بعد پیدا ہوئی اور کچھ علوم کا حاصل کرنا مباح ہوتا ہے جیسے شعراءِ عرب کے وہ اشعار جن میں بیہودہ اور نامعقول مضامین نہیں ہیں، ایسا ہی الاشباہ والنظائر میں فوائد شتی کے تحت مذکور ہے۔

مختصر تشریح صاحب کتاب علامہ حصکفی نے اس عبارت میں حصولِ علم کے چھ حکم بیان فرمائے ہیں: (۱) فرضِ عین (۲) فرضِ کفایہ (۳) مندوب (۴) حرام (۵) مکروہ (۶) مباح۔ ایک عاقل و بالغ مسلمان پر اتنا علم حاصل کرنا فرضِ عین ہے کہ وضو، غسل، تیمم، نماز، روزہ کے مسائل سیکھے۔ اور اگر مالدار ہے تو مسائل زکوۃ سیکھنا، تاجر ہے تو خرید وفروخت کے مسائل کا علم ہونا بھی فرض اور ضروری ہے، اتنا علم تو ضرورتِ زندگی میں داخل ہے اس لیے اس کا حاصل کرنا فرض عین ہے، اتنا علم نہ حاصل کرنے پر گناہ ہوگا۔ ضرورت سے زیادہ دوسروں کو علم سکھانے، حلال وحرام اور جائز ناجائز بتانے کے لیے علم حاصل کرنا تو یہ فرض کفایہ ہے، ہر ایک کے لیے عالم اور مفتی بننا ضروری نہیں ہے، کچھ لوگ بھی عالم اور مفتی بن گئے تو سبھی کے ذمہ سے فرض ساقط ہو جائے گا۔

اور علم فقہ اور علم اخلاق میں مہارت تامہ اور درک کامل حاصل کرنا تو صرف مندوب اور مستحب ہے اور علم اخلاق سے مراد وہ علم ہے جس کے ذریعہ فضائل حاصل کرنے اور رذائل سے بچنے کا طریقہ معلوم ہو، اس کو علم قلب بھی کہتے ہیں۔

وہ علوم جن کا حاصل کرنا حرام ہے

جن علوم کے حصول سے اسلامی عقیدہ وعمل مجروح ہو، اسلام نے ان کو حاصل کرنے کو حرام کہا ہے تاکہ مسلمان ان سے اجتناب کریں اور جن علوم سے اعتقاد وعمل خراب ہوتا ہے وہ درج ذیل ہیں: فلسفہ، شعبدہ بازی، ستاروں کو دیکھ کر خیر وشر کا فیصلہ لینا، علم رمل، جادو، کہانت اور منطق وغیرہ کا علم ہے۔ یونانی علم فلسفہ میں عالم کو قدیم ہونا ثابت کیا جاتا ہے اور دوسرے بیہودہ مباحث ہیں جس کی وجہ سے اس کا حاصل کرنا حرام ہے۔ علامہ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ فلسفہ یونانی میں چار اجزاء ہیں: (۱) ہندسہ اور

حساب، یہ دونوں تو بالکل مباح ہیں۔ (۲) منطق، یہ بھی جائز ہے۔ (۳) الٰہیات، جس میں اللہ کی ذات وصفات سے بحث کی جاتی ہے اور صفاتِ باری کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھا جاتا ہے کہ بعض تو کفر ہے اور بعض بدعت۔ (۴) طبعیات، یہ بھی شریعت کے مخالف ہونے کی وجہ سے ناجائز وحرام ہے۔

شعبدہ بازی سیکھنا یعنی ہاتھ کی صفائی دکھانا، یعنی چیز کچھ ہے اور لوگوں کو دکھائی کچھ اور دے، جیسے گردن کاٹنا، چھرا پیٹ میں گھسا دینا وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، یہ علم سیکھنا بھی حرام ہے۔

اس علم نجوم یعنی آسمانی ستاروں کو دیکھ کر حوادث روزگار پر استدلال کرنا چونکہ اس میں عقیدۂ توحید میں کمزوری آتی ہے اس لیے اس کا حاصل کرنا بھی حرام ہے، صاحب ہدایہ نے اس علم کے حصول کو "مختارات النوازل" میں جائز لکھا ہے، بشرطیکہ اس پر اعتقاد نہ رکھے لیکن "فصول العمادی" میں اس کے حرام ہونے کی صراحت کی ہے اور عوام کی حالت کو دیکھتے ہوئے یہی درست ہے اور اس کی حرمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ علم نجوم کے احکام محض تخمینہ ہیں۔ اور ستاروں کو دیکھ کر بتانا حضرت ادریس علیہ السلام کا معجزہ تھا جو ختم ہو گیا اور اس کی حرمت کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ تقدیر میں جو لکھا جا چکا ہے وہ ہو کر رہے گا اس سے بچنا ممکن ہی نہیں ہے اس لیے اس کے حاصل کرنے میں کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔

"علم رمل" یعنی خطوط، نقطہ اور عدد کے ایک خاص طریقہ سے نتیجہ نکالنے کا نام ہے، یہ علم قطعاً حرام ہے اور علامہ شامی فرماتے ہیں کہ فتاویٰ ابن حجر میں ہے اس کا سیکھنا اور سکھانا دونوں حرام ہیں، کیونکہ اس کے ذریعہ عوام الناس کا عقیدہ بگڑ جاتا ہے۔

"علم سحر" یعنی جادو کا سیکھنا اور سکھانا دونوں فقہائے کرام نے حرام لکھا ہے۔ باقی جادو اپنے وجود، تصور اور اثر کے اعتبار سے برحق ہے۔ اہل حرب کے جادوگروں کے کاٹ کے لیے جادو سیکھنے کو بعض نے فرض لکھا ہے اور زوجین کے درمیان تفریق پیدا کرنے کے لیے جادو سیکھنا حرام ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان محبت واُلفت کے لیے جادو کرنا جائز ہے اور علامہ ابن الہمام صاحب فتح القدیر نے لکھا ہے کہ جادوگر اور زندیق شخص کی توبہ قبول نہیں ہوتی ہے اور اس کو قتل کر ڈالنا جائز ہے۔

"علم کہانت" جس میں مستقبل کی خبر دی جاتی ہے کہ آئندہ یہ ہوگا یہ نہیں ہوگا، عربوں میں اس کا رواج بہت زیادہ تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص کاہنوں کے پاس گیا اور اس کی بات کی تصدیق کی تو اس نے کفر کیا اور اس کی نماز چالیس روز تک قبول نہ ہوگی۔

"علم منطق" کا حاصل کرنا، اس کے متعلق علامہ شامی نے لکھا ہے جو منطق فلسفۂ یونان کے اثبات کے لیے ہے اس کا حاصل کرنا تو حرام ہے اور باقی وہ منطق جو فلسفہ یونان کے رد کے لیے ہے یعنی اسلامی منطق ہے اور اس کے اصول وضوابط اسلامی ہیں اس کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، بلکہ امام غزالیؒ نے تو اس کو معیار العلوم قرار دیا ہے۔

"علم الحرف" اس علم سے کیا مراد ہے؟ تو بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے مراد کاف ہے، اور کیمیا کی طرف اشارہ ہے، اس

میں مال اور عمر دونوں ضائع ہوتے ہیں اس لیے اس کی حرمت میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد حروف کو جمع کرنا مراد ہے جس کے ذریعہ حرکات نکالے جاتے ہیں، کچھ لوگوں نے کہا کہ اس سے اسرار الحروف مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے طلسم کا علم مراد ہے۔ اور بعض نے علم جفر مراد لیا ہے جس سے آئندہ کے واقعات نکالے جاتے ہیں۔

''علم موسیقی'' اس سے مراد گانے اور راگ کا علم ہے، جس سے آواز میں اُتار چڑھاؤ پیدا کر کے لوگوں کے دلوں کو متاثر کرتے ہیں۔

بعض علوم کو حاصل کرنا مکروہ ہے، جیسے مولدین کے اشعار جو فحش اور بیہودہ باتوں پر مشتمل ہوں ان کو سیکھنا، مولدین ان شعراء کو کہا جاتا ہے جو خالص شعراءِ عرب کے بعد پیدا ہوئے ہیں اور جو اشعار بیہودہ نہ ہوں ان کو حاصل کرنا مباح ہے۔ غزل سے مراد وہ اشعار ہیں جن میں عورتوں اور بے ریش خوبصورت لڑکوں کے اوصاف بیان کئے جائیں اور لغت میں عورتوں سے بات چیت کرنے کو بھی ''غزل'' کہتے ہیں۔

ثُمَّ نَقَلَ مَسْأَلَةَ الرُّبَاعِيَاتِ، وَمَحَطُّهَا أَنَّ الْفِقْهَ هُوَ ثَمَرَةُ الْحَدِيثِ، وَلَيْسَ ثَوَابُ الْفَقِيهِ أَقَلَّ مِنْ ثَوَابِ الْمُحَدِّثِ، وَفِيهَا كُلُّ إِنْسَانٍ غَيْرِ الْأَنْبِيَاءِ لَا يَعْلَمُ مَا أَرَادَ اللّٰهُ تَعَالَى لَهُ وَبِهِ؛ لِأَنَّ إِرَادَتَهُ تَعَالَى غَيْبٌ إِلَّا الْفُقَهَاءَ فَإِنَّهُمْ عَلِمُوا إِرَادَتَهُ تَعَالَى بِهِمْ بِحَدِيثِ الصَّادِقِ الْمَصْدُوقِ «مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ» وَفِيهَا: كُلُّ شَيْءٍ يَسْأَلُ عَنْهُ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا الْعِلْمَ؛ لِأَنَّهُ طَلَبَ مِنْ نَبِيِّهِ أَنْ يَطْلُبَ الزِّيَادَةَ مِنْهُ - ﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ - فَكَيْفَ يَسْأَلُ عَنْهُ؟

ترجمہ پھر صاحب الاشباہ والنظائر نے مسئلۃ الرباعیات میں نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فقہ حدیث شریف کا ثمرہ ہے اور فقیہ کا ثواب محدث کے ثواب سے کم نہیں ہے۔ اور الاشباہ والنظائر ہی میں ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کوئی انسان نہیں جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ کیا ارادہ کیا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ پوشیدہ ہے، ہاں مگر فقہائے کرام جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ کیا ارادہ کیا ہے، یہ اس حدیث شریف کی وجہ سے ہے جو صادق مصدوق نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین میں سمجھ عطا کر دیتا ہے۔ اور اشباہ ہی میں ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہر چیز کے متعلق بندہ سے سوال کرے گا سوائے علم کے، اس لیے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے مطالبہ کیا ہے کہ تم علم میں زیادتی کی درخواست کرو اور کہو: اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ اور زیادتی عطا فرما، پھر اس کے بارے میں کیسے سوال کیا جائے گا؟

مختصر تشریح اس عبارت کا منشاء یہ ہے کہ علم فقہ نہایت اہم ترین علوم میں سے ہے اور اس میں رات و دن مشغول رہنے والے فقیہ کو محدث سے کم ثواب نہیں ملتا ہے، فقہ درحقیقت حدیث کا ثمرہ اور نچوڑ ہے۔ اور قابل مبارک باد ہیں وہ لوگ جو علم فقہ میں مشغول

رہنے کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیے ہیں، اس لیے کہ انبیاءؑ کے علاوہ کسی کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کیا ارادہ کرتا ہے لیکن حضرات فقہاءِ کرام کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہتا ہے اور اس بات کا علم صادق المصدوق ﷺ کے ارشادِ گرامی مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ۔ کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو بہتری سے نوازنا چاہتا ہے اس کو دین میں سمجھ عطا کر دیتا ہے، پس فقیہ ہونا خود خیر کی علامت ہے۔

وَفِيهَا إِذَا سُئِلْنَا عَنْ مَذْهَبِنَا وَمَذْهَبِ مُخَالِفِنَا قُلْنَا وُجُوبًا: مَذْهَبُنَا صَوَابٌ يَحْتَمِلُ الْخَطَأَ وَمَذْهَبُ مُخَالِفِنَا خَطَأٌ يَحْتَمِلُ الصَّوَابَ. وَإِذَا سُئِلْنَا عَنْ مُعْتَقَدِنَا وَمُعْتَقَدِ خُصُومِنَا. قُلْنَا وُجُوبًا الْحَقُّ مَا نَحْنُ عَلَيْهِ وَالْبَاطِلُ مَا عَلَيْهِ خُصُومُنَا وَفِيهَا: الْعُلُومُ ثَلَاثَةٌ: عِلْمٌ نَضِجَ وَمَا احْتَرَقَ، وَهُوَ عِلْمُ النَّحْوِ وَالْأُصُولِ. وَعِلْمٌ لَا نَضِجَ وَلَا احْتَرَقَ، وَهُوَ عِلْمُ الْبَيَانِ وَالتَّفْسِيرِ. وَعِلْمٌ نَضِجَ وَاحْتَرَقَ، وَهُوَ عِلْمُ الْحَدِيثِ وَالْفِقْهِ.

ترجمہ اور الاشباہ والنظائر ہی میں یہ بھی ہے کہ جب ہم سے ہمارے مذہب حنفی اور ہمارے مخالف مذہب (شافعی، مالکی اور حنبلی) کے متعلق سوال کیا جائے گا تو ہم یقینی طور پر یہ جواب دیں گے کہ ہمارا مذہب حنفی درست ہے لیکن غلطی کا بھی امکان ہے اور ہمارے مخالف کا مذہب غلط ہے مگر درست ہونے کا احتمال ہے۔ اور جب ہمارے (اہل السنۃ والجماعۃ) کے عقائد کے متعلق اور ہمارے مخالف (معتزلہ، خوارج اور روافض) کے عقائد کے متعلق سوال ہوگا تو ہم جواب میں کہیں گے کہ حق وہ ہے جس پر ہم ہیں اور جس پر ہمارے مخالف ہیں وہ باطل ہیں۔ اور الاشباہ ہی میں یہ بھی ہے کہ علوم کی تین قسمیں ہیں: (۱) وہ علوم جو پختہ ہو گیا لیکن کمال کو نہیں پہنچا ہے اور یہ علم نحو اور علم اصول ہیں۔ (۲) وہ علوم جو نہ پختہ ہوئے اور نہ ہی کمال کو پہنچے اور یہ علم بیان اور علم تفسیر ہے۔ (۳) وہ علوم جو پختہ بھی ہیں اور مرتبۂ کمال کو پہنچے بھی ہیں، وہ علم حدیث اور علم فقہ ہیں۔

مختصر تشریح عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مذہب حنفی جس پر ہمارا عمل ہے اس کو ہم حق اور درست سمجھتے ہیں، مگر اس طرح کہ اس میں غلطی کا احتمال بھی ہے۔ اور اپنے مخالف مذہب، شافعی، مالکی اور حنبلی کو غلط سمجھتے ہیں مگر اس احتمال کے ساتھ کہ وہ درست بھی ہو سکتا ہے اس لیے کہ ائمہ اربعہ سب کے سب مجتہد تھے اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ "المجتھد یخطی ویصیب" کہ اجتہاد کرنے والا کبھی غلطی کر جاتا ہے اور کبھی درستی کو بھی پالیتا ہے، مگر جو جس مذہب کا عامل ہوگا وہ اس کو دوسرے کے مقابلہ میں درست اور حق ضرور سمجھتا ہے، گو کہ احتمال خطا بھی ہے اور مقلدوں کے اعتبار سے چاروں ائمہ اپنی جگہ پر برحق ہیں اس لیے ان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ایک کو حق پر اور دوسرے کو بالیقین باطل پر کہے۔ اور عقائد اسلامیہ کا مدار اجتہاد پر نہیں ہے اس لیے وہاں احتمال خطا کی کوئی بات ہی نہیں ہے جو عقائد حق ہیں وہ ہمیشہ کے لیے حق ہیں اور جو باطل ہیں وہ ہمیشہ کے لیے باطل ہیں، لہٰذا اگر کوئی عقائد کے متعلق معلوم کرے گا تو یہ جواب دیا جائے گا کہ جن عقائد پر ہم ہیں وہ بلاشبہ حق اور درست ہیں اور ہمارے فریق مخالف

کے عقائد بالکل باطل ہیں۔

آگے علامہ حصکفی نے علم کے درجے متعین کئے ہیں اور فرمایا کہ علم کے تین درجے ہیں: (۱) وہ علم جو پختہ اور کامل دونوں ہو۔ (۲) وہ علم جو نہ پختہ ہو اور نہ کامل ہو۔ (۳) وہ علم جو پختہ تو ہے مگر کامل نہیں ہے۔

وہ علم جو پختہ اور کامل دونوں ہو، اس کی مثال علم حدیث اور علم فقہ ہے، چونکہ حدیث کی خدمت محدثین نے ہر اعتبار سے کی ہے، چناں چہ اس فن سے متعلق اسماء الرجال، ان کے نسب، طبقات اور رواۃِ احادیث میں بڑی بڑی کتابیں لکھ دی ہیں اور پوری تفصیل کے ساتھ بیان کردی ہیں کون راوی کس درجہ کے ہیں، فن حدیث کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا ہے، حضراتِ محدثین کرام میں کسی کو ایک لاکھ اور کسی کو تین لاکھ حدیثیں مع سند ومتن اور احوالِ رُواۃ کے یاد تھیں اور رسولِ اکرم ﷺ سے جن صحابہؓ نے حدیثیں سنی ہیں ان کا بیان آگیا، گویا فن حدیث کی پوری حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے۔ اسی طرح فقہ کے اصول وضوابط علمائے امت نے متعین کئے اور اس کے بعد ان پر جزئیات کی تفریع کی اور جو مسائل پیش آنے والے تھے ان کو نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کردیا ہے۔

اور وہ علم جو نہ تو پختہ ہے اور نہ کمال کو پہنچا وہ علم بیان اور علم تفسیر ہے، اس لیے کہ بیان کا تعلق ذوق فی الفصاحۃ والبلاغۃ سے ہے اور یہ مسلم ہے کہ ذوق کی کوئی انتہا نہیں ہے، اور علم تفسیر کا موضوع چونکہ مراد ربانی تک رسائی ہے اور وہ بھی باعتبار معانی اور وجوہِ اعجاز وغیرہ کے احاطہ کرنا مشکل ہے علام الغیوب کے علاوہ کسی کی طاقت نہیں کہ وہاں تک رسائی حاصل کرلے، اسی لیے بقول علامہ شامی امام سیوطیؒ نے اتقان میں لکھا ہے کہ قرآنِ کریم لوحِ محفوظ میں ہے اس کا ہر ہر حرف قاف پہاڑ کے درجہ میں ہے اور ہر آیت کی ایک نئی تفسیر ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو بھی نہیں ہے۔

اور وہ علم جو پختہ تو ہے لیکن کمال کو نہیں پہنچا ہے اس کی مثال علم النحو اور علم الاصول ہے، ظاہر ہے کہ علم نحو اور علم اصول کے قواعد تو مدوّن ہو چکے ہیں لیکن ان کی جزئیات وفروعات اب تک مکمل نہیں ہوئی ہیں۔

وَقَدْ قَالُوا: الْفِقْهُ زَرَعَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُودٍ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ –، وَسَقَاهُ عَلْقَمَةُ، وَحَصَدَهُ إِبْرَاهِيمُ النَّخَعِيُّ، وَدَاسَهُ حَمَّادٌ، وَطَحَنَهُ أَبُو حَنِيفَةَ، وَعَجَنَهُ أَبُو يُوسُفَ وَخَبَزَهُ مُحَمَّدٌ، فَسَائِرُ النَّاسِ يَأْكُلُونَ مِنْ خُبْزِهِ، وَقَدْ نَظَمَ بَعْضُهُمْ فَقَالَ:

الْفِقْهُ زَرْعُ ابْنِ مَسْعُودٍ وَعَلْقَمَةُ ... حَصَادُهُ ثُمَّ إِبْرَاهِيمُ دَوَّاسُ

نُعْمَانُ طَاحِنُهُ يَعْقُوبُ عَاجِنُهُ ... مُحَمَّدٌ خَابِزٌ وَالْآكِلُ النَّاسُ

وَقَدْ ظَهَرَ عِلْمُهُ بِتَصَانِيفِهِ كَالْجَامِعَيْنِ وَالْمَبْسُوطِ وَالزِّيَادَاتِ وَالنَّوَادِرِ، حَتّٰى قِيلَ إِنَّهُ صَنَّفَ فِي الْعُلُومِ الدِّينِيَّةِ تِسْعَمِائَةٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِينَ كِتَابًا. وَمِنْ تَلَامِذَتِهِ الشَّافِعِيُّ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ –. وَتَزَوَّجَ بِأُمِّ الشَّافِعِيِّ وَفَوَّضَ إِلَيْهِ كُتُبَهُ وَمَالَهُ فَبِسَبَبِهِ صَارَ الشَّافِعِيُّ فَقِيهًا. وَلَقَدْ أَنْصَفَ الشَّافِعِيُّ حَيْثُ

قَالَ: مَنْ أَرَادَ الْفِقْهَ فَلْيَلْزَمْ أَصْحَابَ أَبِي حَنِيفَةَ، فَإِنَّ الْمَعَانِيَ قَدْ تَيَسَّرَتْ لَهُمْ، وَاللّٰهِ مَا صِرْتُ فَقِيهًا إِلَّا بِكُتُبِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ

ترجمہ اور فقہائے کرام کا کہنا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فقہ کی کاشت کاری کی، علقمہؒ نے فقہ کی آبیاری کی، حضرت ابراہیم نخعی نے اس کو کاٹ کر جمع کیا، اور حضرت حماد نے اس کو گاہا، امام ابوحنیفہؒ نے اس کو پیسا، امام ابو یوسف نے اس کو گوندھا، امام محمد بن الحسن شیبانی نے اس کی روٹیاں پکائیں اور لوگ اس کو کھا رہے ہیں۔ بعض علماء نے اس کو نظم میں بیان کیا ہے، چناں چہ انھوں نے کہا کہ: فقہ کو بونے والے حضرت ابن مسعودؓ ہیں، اس کے کاٹنے والے حضرت علقمہ اور اس کو صاف کرنے والے یعنی بھوسا سے دانا الگ کرنے والے ابراہیم نخعی ہیں۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ پیسنے والے، امام ابو یوسف گوندھنے والے اور روٹیاں پکانے والے حضرت امام محمد ہیں اور بقیہ تمام لوگ صرف کھانے والے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ امام محمد کا علم ان کی تصانیف جامع صغیر، جامع کبیر، مبسوط، زیادات اور نوادر وغیرہ سے ظاہر ہے، حتیٰ کہ علماء نے کہا کہ امام محمدؒ نے علومِ دینیہ میں نو سو ننانوے تصنیف کی ہیں اور ان کے تلامذہ میں حضرت امام شافعیؒ ہیں، امام محمد نے امام شافعی کی بیوہ والدہ سے شادی کی تھی اور اپنی تمام کتابیں اور مال ان کے حوالہ کر دیا تھا، یہی وجہ ہے کہ حضرت امام شافعی فقیہ ہو گئے۔ اور یقیناً حضرت امام شافعی نے سچ فرمایا کہ جو شخص فقہ کا علم حاصل کرنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ امام ابوحنیفہ کے شاگردوں کے دامن سے چمٹ جائے، اس لیے کہ دقیق وباریک معانی ان کے لیے سہل اور آسان ہو چکے ہیں اور خدا کی قسم میں فقیہ نہیں بنا مگر امام محمد بن حسن شیبانی کی کتابوں سے۔

مختصر تشریح علامہ حصکفیؒ جو بیان کرنا چاہ رہے ہیں اس کا لبِ لباب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو ایک جلیل القدر اور عظیم المرتبت صحابیٔ رسول ہیں انھوں نے سب سے پہلے قرآن وحدیث سے استنباط واستخراجِ مسائل پر بحث کی اور یہی فقہ کے مدوّنِ اوّل قرار پائے۔ امام نوویؒ نے تقریب میں لکھا ہے جو حضرت مسروق سے منقول ہے کہ تمام صحابۂ کرام کے علوم چھ صحابہ میں سمٹ آئے تھے، حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابیؓ، حضرت زیدؓ، حضرت ابوالدرداؓ اور حضرت ابن مسعودؓ، پھر ان چھ کا علم دو میں سمٹ آیا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ میں۔

قولہ: سقاهٗ علقمةُ: حضرت علقمہ بن قیس بن عبداللہ بن مالک النخعی، حضرت علی بن طالبؓ کے تلمیذ رشید ہیں اور یہ علقمہ بن قیس حضرت اسود بن یزید کے چچا اور ابراہیم نخعی کے ماموں جان ہیں، نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی میں ان کی ولادت ہوئی اور قرآنِ کریم اور علم سنت حضرت ابن مسعودؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عمر فاروقؓ وغیرہ سے حاصل کیا، انھوں نے علم فقہ کی آبیاری یعنی اس کی تائید اور وضاحت کی ہے۔

قولہ: حصدہ ابراهیم النخعی: علم فقہ کے فوائد اور نوادرات جو ادھر اُدھر متفرق تھے ان کو یکجا اور قابل انتفاع حضرت ابراہیم بن یزید بن قیس بن اسود ابوعمران نخعی کوفی نے بنایا ہے۔ ان کی وفات ۹۶ھ یا ۹۵ھ میں ہوئی ہے۔ ابراہیم نخعی

حضرت علقمہ کے شاگرد رشید تھے۔

قولہ: و داسہ حماد: یعنی علم فقہ کی توضیح وتنقیح کے لیے عرق ریزی اور جانفشانی حضرت حماد بن مسلم ابواسماعیل بن ابی سلیمان الکوفی نے کی ہے جو ائمۃ الفقہاء میں سے ایک ہیں، ان کی وفات ۱۲۰ھ میں ہوئی، حضرت حماد بن مسلم فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی نماز نہیں پڑھی مگر اس میں میں نے اپنے والد کے ساتھ اپنے استاذ کے لیے دعاء مغفرت کی ہے، اور حضرت حماد بن مسلم ابراہیم نخعی کے شاگرد ہیں۔

قولہ: و طحنہ أبو حنیفۃ: حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فقہ کی زبردست خدمت انجام دی ہے، چناں چہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ فقہ کے اکثر اصول وفروع حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے ہی متعین کیے ہیں۔ آج کل فقہ جس شکل وصورت میں ہمارے سامنے ہے اس کے مدوّن اوّل حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ ہی ہیں، پھر اس کے بعد امام مالک نے اپنی موطا میں اس ترتیب کو قائم کیا ہے، کتاب الفرائض اور کتاب الشروط کو امام ابوحنیفہؒ ہی نے سب سے پہلے فقہ میں جگہ دی ہے، آپ حضرت حماد بن مسلم کے شاگرد رشید ہیں، آپ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی ہے۔

قولہ: عجنہ أبو یوسف: حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے اصول وقواعد میں نہایت دقت نظر سے غور کیا اور ان سے سب سے زیادہ مسائل کا استنباط حضرت امام ابویوسفؒ نے کیا ہے جو حضرت امام ابوحنیفہ کے جلیل القدر تلامذہ میں سے ہیں۔ خطیب نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ حضرت امام ابویوسف کی وہ پہلی شخصیت ہے جنھوں نے سب سے پہلے اپنے استاذ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق اصول فقہ کی کتاب کو مرتب کیا اور امام کے علم کو انحاءِ عالم میں پھیلایا اور اس کی نشر واشاعت کی، ۱۱۳ھ میں ان کی ولادت ہوئی تھی اور بغداد میں ۱۸۲ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

قولہ: و خبزہ محمد: حضرت امام محمد بن حسن شیبانی حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے دوسرے نمبر کے جلیل القدر شاگرد ہیں، انھوں نے جزئیات کے استنباط واستخراج اور ان کی تہذیب وتنقیح میں مزید دقت نظر سے کام لیا اور اپنی فقاہت کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ مسائل کا استنباط فرمایا، بڑی بڑی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن میں جامع صغیر، جامع کبیر، مبسوط، زیادات اور نوادر قابل ذکر ہیں، فقہ حنفی کی بنیاد ان ہی کتابوں پر ہے۔ جامع صغیر میں حضرت امام محمد، امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسف دونوں سے روایت کرتے ہیں لیکن جامع کبیر میں صرف امام ابوحنیفہؒ ہی سے بلاواسطہ روایت کرتے ہیں۔ امام محمدؒ کی ولادت ۱۳۲ھ میں ہوئی اور وفات مقام "رَے" میں ۱۸۹ھ میں ہوئی۔

قولہ: واللہ ماصرت فقیہا إلا بکتب محمد بن الحسن: اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ نے حضرت امام محمد کے علوم سے بہت سارا حصہ حاصل کیا ہے اور ان کی کتابوں سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا ہے، امام محمد کی کتابیں دیکھنے کے بعد انھیں یہ اندازہ ہوا کہ استخراج مسائل کی کثرت کیسے ہوتی ہے ورنہ تو حضرت امام شافعی حضرت امام محمد سے

ملاقات سے پہلے ہی فقیہ اور مجتہد مطلق بن چکے تھے اور مجتہد مطلق اس کو کہا جاتا ہے جو اصول وفروع میں کسی دوسرے کا تابع نہ ہو، اور جو اصول میں کسی دوسرے کے تابع اور فروع میں تابع نہ ہو تو اس کو مجتہد مقید کہا جاتا ہے، جیسے امام ابو یوسف امام محمد وغیرہ۔

وَقَالَ إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي رَجَاءٍ: رَأَيْت مُحَمَّدًا فِي الْمَنَامِ فَقُلْت لَهُ: مَا فَعَلَ اللّٰهُ بِك؟ فَقَالَ: غَفَرَ لِي، ثُمَّ قَالَ: لَوْ أَرَدْتُ أَنْ أُعَذِّبَكَ مَا جَعَلْتُ هٰذَا الْعِلْمَ فِيكَ، فَقُلْتُ لَهُ: فَأَيْنَ أَبُو يُوسُفَ؟ قَالَ: فَوْقَنَا بِدَرَجَتَيْنِ قُلْت: فَأَبُو حَنِيفَةَ؟ قَالَ: هَيْهَاتَ، ذَاكَ فِي أَعْلَى عِلِّيِّينَ. كَيْفَ وَقَدْ صَلَّى الْفَجْرَ بِوُضُوءِ الْعِشَاءِ أَرْبَعِينَ سَنَةً، وَحَجَّ خَمْسًا وَخَمْسِينَ حَجَّةً، وَرَأَى رَبَّهُ فِي الْمَنَامِ مِائَةَ مَرَّةٍ، وَلَهَا قِصَّةٌ مَشْهُورَةٌ. وَفِي حَجَّتِهِ الْأَخِيرَةِ اسْتَأْذَنَ حَجَبَةَ الْكَعْبَةِ بِالدُّخُولِ لَيْلًا فَقَامَ بَيْنَ الْعَمُودَيْنِ عَلَى رِجْلِهِ الْيُمْنٰى وَوَضَعَ الْيُسْرٰى عَلَى ظَهْرِهَا حَتّٰى خَتَمَ نِصْفَ الْقُرْآنِ ثُمَّ رَكَعَ وَسَجَدَ ثُمَّ قَامَ عَلَى رِجْلِهِ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ الْيُمْنٰى عَلَى ظَهْرِهَا حَتّٰى خَتَمَ الْقُرْآنَ، فَلَمَّا سَلَّمَ بَكٰى وَنَاجٰى رَبَّهُ وَقَالَ: إِلٰهِي مَا عَبَدَكَ هٰذَا الْعَبْدُ الضَّعِيفُ حَقَّ عِبَادَتِكَ لٰكِنْ عَرَفَكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ، فَهَبْ نُقْصَانَ خِدْمَتِهِ لِكَمَالِ مَعْرِفَتِهِ، فَهَتَفَ هَاتِفٌ مِنْ جَانِبِ الْبَيْتِ: يَا أَبَا حَنِيفَةَ قَدْ عَرَفْتَنَا حَقَّ الْمَعْرِفَةِ وَخَدَمْتَنَا فَأَحْسَنْتَ الْخِدْمَةَ، قَدْ غَفَرْنَا لَكَ وَلِمَنْ اتَّبَعَكَ مِمَّنْ كَانَ عَلَى مَذْهَبِكَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

ترجمہ: حضرت اسماعیل بن ابو رجاء کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمدؒ کو ایک مرتبہ خواب میں دیکھا، میں نے ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس نے مجھے بخش دیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر میں تجھ کو عذاب میں گرفتار کرنا چاہتا تو یہ علم تجھ کو عطا نہ کرتا۔ پھر میں نے حضرت امام محمدؒ سے پوچھا، اچھا امام ابو یوسفؒ کہاں ہیں؟ فرمایا: ہم سے دو درجہ بلند ہیں، میں نے پوچھا اچھا امام ابو حنیفہؒ کہاں ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا کہ وہ تو بہت اوپر اعلیٰ علیین میں ہیں (یعنی ہم دونوں سے امام ابو حنیفہ کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے ان کے بارے میں کیا پوچھنا) اور کیوں نہ ہو ان کا حال یہ تھا کہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز مسلسل چالیس سال تک پڑھی ہے اور پچپن حج زندگی میں کیے ہیں، سو مرتبہ اپنے پروردگار کو خواب میں دیکھا ہے اور ان کا ایک مشہور قصہ ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اپنے آخری حج میں ایک رات کعبہ کے خادموں سے اندر جانے کی اجازت مانگی اور کعبہ شریف کے اندر تشریف لے گئے، اور کعبہ شریف کے دو ستونوں کے درمیان اپنے دائیں پاؤں پر کھڑے ہو گئے کہ اپنا بایاں پاؤں اس کی پشت پر رکھا اور کھڑے کھڑے آدھا قرآن شریف پڑھ گئے، پھر رکوع وسجدہ کیا، پھر اپنے بائیں پاؤں پر اس طرح کھڑے ہوئے کہ اپنے دائیں پیر کو بائیں پیر کی پشت پر رکھا اور کھڑے کھڑے قرآن مکمل کیا اور رکوع وسجدہ کرکے جب سلام پھیرا تو رونے لگے اور نہایت گریہ وزاری کے ساتھ اپنے رب کے ساتھ مناجات کی اور عرض کیا الٰہی تیرے اس کمزور وناتواں

بندہ نے تیری عبادت کا حق ادا نہ کیا لیکن تجھ کو پہچانا جس طرح پہچاننا چاہئے، لہٰذا تو اسکی خدمت کی کمی کو اس کی معرفت کے صدقہ میں بخش دے (یعنی کمالِ عرفان و معرفت کو نقصان عبادت کا کفارہ بنادے) اس کے بعد بیت اللہ شریف کے ایک گوشے سے غیبی آواز آئی: اے ابوحنیفہ! تو نے مجھے ایسا ہی جانا جیسا کہ جاننے کا حق ہے اور بے شک تو نے ہماری خدمت کی اور خوب اچھی خدمت کی ہے بے شک ہم نے تجھ کو اور تیری ان تمام پیروی کرنے والوں کو بخش دیا جو تیرے مذہب پر قیامت تک چلیں گے۔

مختصر تشریح قولہ: ولہ قصۃ مشھورۃ: صاحب درمختار علامہ علاء الدین حصکفی نے قصہ مشہور سے اس واقعہ کی جانب اشارہ فرمایا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے پروردگار کی خواب میں ننانوے مرتبہ زیارت کی، اس کے بعد دل میں یہ خیال ہوا کہ اگر سوویں بار اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوگی تو یہ پوچھوں گا کہ قیامت کے دن مخلوق آپ کے عذاب سے کس طرح نجات پائے گی؟ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے سوویں مرتبہ بھی اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو میں نے پوچھا: اے میرے رب تیری ذات پاک و برتر ہے یہ بتایئے کہ قیامت کے روز تیرے بندے تیرے عذاب سے کس طرح نجات پائیں گے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو صبح و شام یہ کلمات کہا کرے وہ نجات پائیں گے: سُبحانَ اللہِ الأبدیِ الأبدِ سبحانَ اللہ الواحدِ الاحدِ سبحانَ الفردِ الصمدِ سُبحانَ رافعِ السَّماءِ بلا عَمَدٍ سُبحان من بَسَطَ الأرضَ علی ماءٍ جمدٍ سبحانَ من خلقَ الخلقَ فأحصاھُم عددٍ سُبحان من قسم الرزقَ ولم ینس أحدٍ سُبحان الذی لم یتّخِذ صاحبۃً ولا ولدٍ سُبحانَ الّذِی لَم یلِد ولَم یُولد ولَم یکُن لَہٗ کُفُوًا أحدٌ، وہ نجات پائیں گے۔

قولہ علی رجلہ الیمنی: بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک پاؤں پر کھڑا ہونا سنت کے خلاف ہے، پس امام ابوحنیفہؒ نے خلافِ سنت طریقہ کیوں اپنایا ہے؟ علامہ شرنبلالیؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا یہ فعل تراویح پر محمول ہے اور تراویح کا مطلب یہ ہے کہ نمازی دونوں پاؤں زمین پر رکھے لیکن کبھی ایک پاؤں پر ٹیک لگائے اور کبھی دوسرے پاؤں پر ٹیک لگائے، مگر یہ جواب بعید از درستگی ہے بلکہ اس کا بہتر جواب یہ ہے کہ امام صاحب کا مقصد حسن تھا اور نوافل میں اس طرح کھڑا ہونا مکروہ بھی نہیں ہے نیز یہ بابِ عشق کے قبیل سے ہے، لہٰذا کوئی اشکال کی بات ہی نہیں ہے۔

عبادت کے باب میں امام صاحب نے فرمایا کہ عبادت کا حق ادا نہ ہوا، یعنی اللہ تعالیٰ کی جلالت شان اور عظمت شان کے مطابق جیسی عبادت ہونی چاہئے تھی ایسی عبادت نہیں ہوئی، اور معرفت کے باب میں امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے آپ کو ویسا ہی پہچان لیا جیسا کہ پہچاننا چاہئے، یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات سے اس کی کبریائی و بزرگی کو جان لیا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کی ذات و صفات کی حقیقت سے واقفیت ہوگئی کیونکہ یہ محال اور مشکل ہے۔

وَقِيلَ لِأَبِي حَنِيفَةَ: بِمَ بَلَغْتَ مَا بَلَغْتَ؟ قَالَ: مَا بَخِلْتُ بِالْإِفَادَةِ، وَمَا اسْتَنْكَفْتُ عَنِ الْإِسْتِفَادَةِ.

قَالَ مُسَافِرُ بْنُ كِدَامٍ: مَنْ جَعَلَ أَبَا حَنِيفَةَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللّٰهِ رَجَوْتُ أَنْ لَا يَخَافَ. وَقَالَ فِيهِ:

حَسْبِي مِنَ الْخَيْرَاتِ مَا أَعْدَدْتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي رِضَا الرَّحْمَنِ
دِينُ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ خَيْرِ الْوَرَى ثُمَّ اعْتِقَادِي مَذْهَبَ النُّعْمَانِ

وَعَنْهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – «إِنَّ آدَمَ افْتَخَرَ بِي وَأَنَا أَفْتَخِرُ بِرَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي اسْمُهُ نُعْمَانُ وَكُنْيَتُهُ أَبُو حَنِيفَةَ، هُوَ سِرَاجُ أُمَّتِي» وَعَنْهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – «إِنَّ سَائِرَ الْأَنْبِيَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْتَخِرُونَ بِي وَأَنَا أَفْتَخِرُ بِأَبِي حَنِيفَةَ، مَنْ أَحَبَّهُ فَقَدْ أَحَبَّنِي، وَمَنْ أَبْغَضَهُ فَقَدْ أَبْغَضَنِي». كَذَا فِي التَّقْدِمَةِ شَرْحِ مُقَدِّمَةِ أَبِي اللَّيْثِ. قَالَ فِي الضِّيَاءِ الْمَعْنَوِيِّ: وَقَوْلُ ابْنِ الْجَوْزِيِّ إِنَّهُ مَوْضُوعٌ تَعَصُّبٌ، لِأَنَّهُ رُوِيَ بِطُرُقٍ مُخْتَلِفَةٍ. وَرَوَى الْجُرْجَانِيُّ فِي مَنَاقِبِهِ بِسَنَدِهِ سَهْلِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ التُّسْتَرِيِّ أَنَّهُ قَالَ "لَوْ كَانَ فِي أُمَّتَيْ مُوسَى وَعِيسَى مِثْلُ أَبِي حَنِيفَةَ لَمَا تَهَوَّدُوا وَلَمَا تَنَصَّرُوا" وَمَنَاقِبُهُ أَكْثَرُ مِنْ أَنْ تُحْصَى، وَصَنَّفَ فِيهَا سِبْطُ بْنُ الْجَوْزِيِّ مُجَلَّدَيْنِ كَبِيرَيْنِ، وَسَمَّاهُ الْإِنْتِصَارَ لِإِمَامِ أَئِمَّةِ الْأَمْصَارِ وَصَنَّفَ غَيْرُهُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ.

ترجمہ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے معلوم کیا گیا کہ آپ کس چیز کے ذریعہ اس بلند مقام تک پہنچے ہیں تو انھوں نے فرمایا: (دو باتوں سے) ایک تو دوسروں کو فائدہ پہنچانے میں، میں نے کبھی بخل سے کام نہیں لیا، دوسرے یہ کہ کسی سے فائدہ حاصل کرنے میں میں نے کبھی عار محسوس نہیں کیا اور مسافر بن کرام نے فرمایا کہ جو شخص حضرت امام ابوحنیفہ کو اپنے اور اللہ کے درمیان واسطہ بنالے تو میں امید کرتا ہوں کہ اس پر کوئی خوف اور ڈر نہیں ہے اور انھوں نے امام ابوحنیفہؒ کی تعریف میں کہا کہ جو نیکیاں میں نے تیار کر رکھی ہیں قیامت کے دن کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی ہے اور محمد ﷺ کا لایا ہوا دین ہے جو تمام مخلوق میں افضل ہیں، پھر مذہب حنفی پر اعتقاد ہے۔

اور رسولِ اکرم ﷺ سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے مجھ پر فخر کیا اور میں اپنی امت کے ایک ایسے شخص پر فخر کرتا ہوں جن کا نام نعمان ہوگا اور کنیت ابوحنیفہ ہوگی، وہ میری امت کا چراغ ہے، نیز رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ تمام انبیاء علیہم السلام میری ذات پر فخر کرتے ہیں اور میں ابوحنیفہ پر فخر کرتا ہوں جس نے ان سے محبت کی گویا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا گویا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ یہ دونوں روایتیں مقدمہ ابواللیث کی شرح تقدمہ میں مذکور ہیں اور صاحب الضیاء المعنوی نے الضیاء المعنوی میں کہا کہ ابن الجوزی کا یہ کہنا کہ مذکورہ حدیث موضوع ہے مبنی بر تعصب ہے اس لیے کہ یہ مختلف طرق سے مروی ہے۔

اور شیخ جرجانی نے مناقب ابوحنیفہ میں اپنی سند کے ساتھ سہل بن عبداللہ تستری سے روایت کی ہے کہ اگر امت موسوی اور عیسوی میں امام ابوحنیفہ جیسا عالم ہوتا تو وہ لوگ یہودی یا نصرانی نہ ہوتے (یعنی دین میں تحریف وتبدیلی نہ کرتے) اور حضرت امام

اعظم کے فضائل ومناقب تو اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ ان کو شمار کیا جاسکے اور علامہ ابن الجوزی کے پوتے نے امام صاحب کے مناقب میں دو بڑی بڑی جلدوں میں کتاب لکھی ہے جس کا نام انھوں نے "الانتصار لامام ائمۃ الامصار" تجویز کیا ہے اور ان کے علاوہ دوسروں نے بھی امام صاحب کے مناقب میں بہت زیادہ کتابیں لکھی ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنی بلندیٔ مقام کا جو راز بتایا ہے وہ اس قابل نہیں ہے کہ سرسری طور پر پڑھ کر گذر جایا جائے بلکہ یہ راز اس قابل ہے کہ اس میں غور وفکر کیا جائے اور ہر طالب علم اور عالم دین اپنے اندر پیدا کرے، اسی طرح حضرت امام صاحب سے ایک واقعہ اور مروی ہے کہ آپ سے کسی نے معلوم کیا کہ آپ نے علم کو کس طرح حاصل کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: مسلسل محنت وکوشش اور شکر گذاری سے، جب بھی کوئی نیا مسئلہ معلوم ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا اور زبان سے بے ساختہ کلمۂ تشکر الحمد للہ نکلتا، اس کی وجہ سے میرے علم میں بہت اضافہ اور برکت ہوئی۔

قولہ: مسافر بن کدام: علامہ شامی فرماتے ہیں کہ میں نے متعدد جگہ مسعر بن کدام دیکھا ہے۔ حضرت مسعر بن کدام سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ جیسے جلیل القدر محدث کے اجلہ اساتذہ میں سے ہیں، اخیر کے دو اشعار حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہیں۔

قولہ: وقول ابن الجوزی أنه موضوع تعصب: صاحب درمختار نے امام اعظم کی فضیلت میں جو احادیث نقل فرمائی ہیں ان کو علامہ ابن الجوزی نے موضوع قرار دیا ہے اور فرمایا کہ تمام حدیث موضوع ہیں، علامہ حصکفی فرماتے ہیں کہ ابن الجوزی کا موضوع قرار دینا سراسر تعصب ہے، ہاں یہ احادیث ضعیف ضرور ہیں مگر متعدد سند سے مروی ہونے کی وجہ سے کم از کم درجہ حسن کو پہنچ جاتی ہیں اور اس طرح کی حدیث فضائل کے باب میں معتبر ہے، لیکن علامہ شامی فرماتے ہیں کہ حافظ ذہبی، امام سیوطی، حافظ ابن حجر عسقلانی اور قاسم حنفی نے بھی اس کو موضوع ہی قرار دیا ہے اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا احادیث جو امام صاحب کے مناقب میں نقل کی گئیں موضوع ہیں، اس لیے محدثین نے اپنی کتابوں میں مناقب میں ذکر نہیں فرمایا ہے، البتہ دوسری صحیح حدیثیں امام صاحب کے مناقب میں آئی ہیں۔ (دیکھئے شامی جلد اوّل ص ۱۲۶/ مطبوعہ زکریا بک ڈپو دیوبند)

قولہ: صنف غيره أكثر من ذالك: امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مناقب میں متعدد علمائے کبار نے کتابیں لکھی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں: (۱) الخيرات الحصان في ترجمة أبي حنيفة النعمان لابن حجر مكي۔ (۲) الميزان، للشعراني۔ (۳) تبييض لصحيفة للسيوطي۔ (۴) سيرة النعمان للعلامة الشبلي۔ (۵) امام اعظم، للشیخ عبداللطیف۔ (۶) الامام ابو حنيفة، لابي زهرة۔ (۷) عقود الجمان۔ اسی طرح امام اعظم کی شان میں امام طحاوی، حافظ ذہبی، امام کردری نے بھی کتابیں لکھی ہیں، ان سب کا مطالعہ نہایت مفید اور کارآمد ہے اور معترضین کے اعتراض کا جواب دینے کے لیے عمدہ کتابیں ہیں۔

وَالْحَاصِلُ أَنَّ أَبَا حَنِيفَةَ النُّعْمَانَ مِنْ أَعْظَمِ مُعْجِزَاتِ الْمُصْطَفَى بَعْدَ الْقُرْآنِ، وَحَسْبُكَ مِنْ مَنَاقِبِهِ اشْتِهَارُ مَذْهَبِهِ مَا قَالَ قَوْلًا إِلَّا أَخَذَ بِهِ إِمَامٌ مِنَ الْأَئِمَّةِ الْأَعْلَامِ، وَقَدْ جَعَلَ اللّٰهُ الْحُكْمَ لِأَصْحَابِهِ وَأَتْبَاعِهِ مِنْ زَمَنِهِ إِلَى هٰذِهِ الْأَيَّامِ، إِلَى أَنْ يَحْكُمَ بِمَذْهَبِهِ عِيسَى – عَلَيْهِ السَّلَامُ –، وَهٰذَا يَدُلُّ عَلَى أَمْرٍ عَظِيمٍ أُخْتُصَّ بِهِ مِنْ بَيْنِ سَائِرِ الْعُلَمَاءِ الْعِظَامِ، كَيْفَ لَا وَهُوَ كَالصِّدِّيقِ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ –، لَهُ أَجْرُهُ وَأَجْرُ مَنْ دَوَّنَ الْفِقْهَ وَأَلَّفَهُ وَفَرَّعَ أَحْكَامَهُ عَلَى أُصُولِهِ الْعِظَامِ، إِلَى يَوْمِ الْحَشْرِ وَالْقِيَامِ. وَقَدِ اتَّبَعَهُ عَلَى مَذْهَبِهِ كَثِيرٌ مِنَ الْأَوْلِيَاءِ الْكِرَامِ، مِمَّنِ اتَّصَفَ بِثَبَاتِ الْمُجَاهَدَةِ، وَرَكَضَ فِي مَيْدَانِ الْمُشَاهَدَةِ كَإِبْرَاهِيمَ بْنِ أَدْهَمَ وَشَقِيقٍ الْبَلْخِيِّ وَمَعْرُوفٍ الْكَرْخِيِّ وَأَبِي يَزِيدَ الْبِسْطَامِيِّ وَفُضَيْلِ بْنِ عِيَاضٍ وَدَاوُدَ الطَّائِيِّ، وَأَبِي حَامِدٍ اللَّفَّافِ وَخَلَفِ بْنِ أَيُّوبَ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ وَوَكِيعِ بْنِ الْجَرَّاحِ وَأَبِي بَكْرٍ الْوَرَّاقِ، وَغَيْرِهِمْ مِمَّنْ لَا يُحْصَى لِبُعْدِهِ أَنْ يُسْتَقْصَى، فَلَوْ وَجَدُوا فِيهِ شُبْهَةً مَا اتَّبَعُوهُ، وَلَا اقْتَدَوْا بِهِ وَلَا وَافَقُوهُ.

ترجمہ اور خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رسول اللہ ﷺ کے جملہ معجزات میں قرآنِ کریم کے بعد سب سے عظیم معجزہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ کے مناقب کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ کے مذہب کو خوب شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی، پھر آپ نے کوئی ایک مسئلہ ایسا بیان نہیں فرمایا ہے جس کو ائمہ اعلام میں سے کسی امام نے نہ لیا ہو اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ماننے والے اور پیروکار کے لیے شریعت کا حکم نازل فرمایا جو آپ کے زمانہ سے آج تک رائج ہے، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آپ ہی کے مذہب کے مطابق فیصلہ کریں گے (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اجتہاد امام ابوحنیفہؒ کے اجتہاد کے مطابق ہوگا) اور امام اعظم ابوحنیفہ کے یہ مناقب ایک عظیم الشان امر پر دلالت کرتے ہیں جو بقیہ تمام بڑے علماء کے درمیان سے آپ کو ممتاز کرتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مانند ہیں آپ کو اپنا ثواب بھی حاصل ہے اور اس شخص کا بھی ثواب مل رہا ہے جس نے فقہ کی تدوین کی اور اس کے مسائل واحکام کو اس کے عظیم اصولوں پر متفرع کیا اور یہ ثواب ان کو قیامت اور روزِ حشر تک ملتا رہے گا اور (دیگر علماء عظام سے آپ کو کیوں کر فوقیت حاصل نہ ہو) جب کہ بہت سے اولیاء کرام نے آپ کے مذہب کی پیروی وتقلید کی ہے جو مجاہدہ کی صفت سے متصف اور مشاہدۂ حق کے میدان میں تیز گام رہے ہیں، جیسے ابراہیم بن ادہمؒ، شقیق بلخیؒ، معروف کرخیؒ، ابویزید بسطامیؒ، فضیل بن عیاضؒ، داؤد الطائیؒ، ابوحامد اللفافؒ، خلف بن ایوبؒ، وکیع بن الجراحؒ اور ابوبکر وراق وغیرہ۔ اور ان کے علاوہ بھی ہیں جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا ہے، پس اگر یہ اولیاء کرام آپ کے مسلک ومذہب میں کوئی شبہ پاتے تو وہ آپ کی پیروی اور اقتداء ہرگز نہ کرتے اور نہ ہی موافقت کرتے۔

مختصر تشریح علامہ حصکفی نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کو قرآنِ کریم کے بعد رسول اللہ ﷺ کا عظیم الشان معجزہ قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہ

ہے کہ احادیث صحیحہ سے امام اعظم کی فضیلت ثابت ہے جیسا کہ علامہ شامی نے ردالمحتار میں ان احادیث کو ذکر فرمایا ہے اور آپ کے سوانح نگاروں نے ان کو نقل کیا ہے۔ آپ کی ولادت ۸۰ھ میں ہے اور حدیث پاک میں پیشین گوئی پہلے کی گئی ہے اس لیے امام صاحب کا وجود ایک معجزہ رسول سے کم نہیں ہے۔ مذہب حنفی کی شہرت اور قبولیت عامہ میں قطعاً دو رائے نہیں، اکثر ممالک اسلامیہ میں مذہب حنفی ہی رائج رہا اور ابھی ہے، دنیا کا کوئی ایسا ملک نہیں ہے جہاں مذہب حنفی کے پیروکار نہ ہوں، ہر ملک میں حنفی مذہب پر عمل کرنے والے پائے جاتے ہیں۔

قوله: أن يحكم بمذهب عيسىٰ عليه السلام: یہ کہنا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو مذہب حنفی کے مطابق فیصلہ کریں گے بالکل غلط ہے، امام سیوطیؒ نے اس کی سختی سے تردید کی ہے کہ کوئی نبی کسی مجتہد کا مقلد ہوگا، نبی خود مجتہد ہوتا ہے اور ان کا مقام ومرتبہ نہایت بلند اور اونچا ہوتا ہے اور گناہوں سے معصوم ہوتا ہے اور غیر نبی معصوم نہیں ہوتا ہے اس سے غلطی واقع ہوتی ہے لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام مذہب حنفی کی تقلید کیوں کریں گے اور ملا علی قاریؒ نے اس کی بھی تردید فرمائی ہے کہ مہدی علیہ السلام ابوحنیفہؒ کی تقلید کریں گے۔

الغرض بہت سی لغو اور بیہودہ باتیں مشہور ہوگئی ہیں جن کا علامہ طحطاویؒ اور علامہ شامیؒ نے تذکرہ کر کے رد فرمایا ہے۔ نبی کا درجہ بہت اونچا اور بلند ہوتا ہے اس لیے ان کے شان میں کوئی ایسی بات ہرگز نہ کہی جائے جو شانِ نبی کے منافی ہو اور عظمت نبوت کی تنقیص لازم آتی ہو۔ (اللّٰهم احفظنا منه)

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ یہ قصہ جو مشہور ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے امام ابوحنیفہؒ سے تیس سال تعلیم پائی ہے اور حضرت خضر نے یہ پورا علم کا ذخیرہ صرف تین سال کی قلیل مدت میں امام ابو القاسم قشیری کو سکھا دیا اور انھوں نے مذہب حنفی میں متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں اور صندوق میں بند کر کے نہر جیحون میں بطور امانت رکھ دیں جب قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو ان کتابوں کو نکالیں گے اور عمل کریں گے بالکل غلط ہے اس طرح کا من گھڑت قصہ نقل کرنا بالکل جائز نہیں ہے اس کی تردید ضروری ہے۔

قوله: كالصديق ﷺ: صاحب درمختار نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کو حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ تشبیہ دی ہے اس لیے کہ بالغ مردوں میں رسول اللہ ﷺ کی تصدیق سب سے پہلے حضرت صدیق اکبرؓ نے کی تھی اور ایمان لائے، پھر دوسرے حضرات ایمان لائے تو آپ کو خود اپنا ثواب ملے گا اور دوسرے لوگ جو آپ کو دیکھ کر ایمان لائے ان کا ثواب بھی آپ کو ملے گا، اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے: مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسنةً فلهٗ أجرُها و أجرُ مَن عَمِلَ بِها و لاينقص مِن أُجورِهم شيئًا۔ یعنی جو کوئی اچھا طریقہ دین میں رائج کرتا ہے تو اس کو اس کا ثواب ملے گا ہی مگر اس کے ساتھ ساتھ ان تمام لوگوں کا بھی ثواب ملے گا جو قیامت تک اس اچھے طریقے پر چلیں گے۔

اس طرح حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے سب سے پہلے فقہ کی تدوین کی ہے اس کے اصول مرتب کئے اور مسائل کا استخراج

کیا، اس کے بعد امام مالکؒ نے اپنی موطا میں اس کی پیروی کی، امام ابوحنیفہؒ سے پہلے کسی نے بھی تبویب وترتیب اور جزئیات کی تفریع کا کام نہیں کیا، اس لیے امام صاحب کو اپنا ثواب تو ملے گا ہی اس کے علاوہ ان لوگوں کا ثواب بھی آپ کو ملے گا جنھوں نے آپ کے اس نقش قدم پر چل کر دین کی اشاعت اور تبلیغ شریعت میں حصہ لیا۔

مذہب حنفی کی حقانیت کی دلیل

صاحب کتاب علامہ حصکفی فرماتے ہیں کہ حنفی مذہب کی حقانیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ مسلک حنفی کے پیروکار بڑے بڑے جلیل القدر اور اونچے درجہ کے اولیاء کرام ہیں، جنکی خدا ترسی، زہد وقناعت، ورع وتقویٰ اور خشیت الٰہی مسلم ہے، اگر مذہب حنفی میں ذرا شک وشبہ ہوتا تو یہ جلیل القدر اولیاء کرام ہرگز مذہب حنفی کی پیروی نہ کرتے اور نہ اسکی موافقت کرتے۔

ابراہیم بن ادہم بن منصور البلخی:

شاہزادے تھے، ایک دن شکار کرنے کے واسطے باہر نکلے کہ ایک غیبی آواز آئی کہ کیا تم اس مقصد کے لیے پیدا کئے گئے ہو؟ اس آواز نے ان پر اثر کیا کہ شکار کرنا ترک کر دیا، جبہ پہنا اور مکہ مکرمہ پہنچ گئے، پھر شام آئے اور عبادت وریاضت میں مشغول ہو گئے اور یہیں ان کی وفات ہوئی۔ (شامی: ۱/ ۱۵۴)

شقیق بلخی ابن ابراہیمؒ:

مشہور ومعروف زاہد اور عبادت گذار بزرگ ہیں، امام ابو یوسفؒ قاضی کے ساتھ رہے اور ان سے کتاب الصلوٰۃ وغیرہ پڑھی، فقیہ ابواللیث نے مقدمہ میں ذکر فرمایا ہے کہ شقیق بلخی حاتم اصم کے استاذ ہیں۔ ۱۹۴ھ میں شہادت کی دولت سے ہم کنار ہوئے۔ (شامی: ۱/ ۱۵۴)

معروف کرخی ابن فیروز:

مشہور ومعروف مستجاب الدعوات ولی گذرے ہیں، لوگ آپ کی قبر کے وسیلہ سے بارش کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرتے تھے، آپ سری سقطی کے استاذ ہیں، آپ کا انتقال ۲۰۰ھ میں ہوا۔ (شامی: ۱/ ۱۵۴)

ابویزید بسطامی:

جلیل القدر ولی ہیں اور شیخ المشائخ کا درجہ رکھتے ہیں، ان کا اسم گرامی طیفور بن عیسیٰ ہے ان کے دادا پہلے مجوسی تھے، پھر اسلام قبول کئے، ۱۶۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (شامی: ۱/ ۱۵۴)

فضیل بن عیاض خراسانی:

ان کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ پہلے یہ ڈکیتی کرتے تھے، ایک عورت سے عشق ہوا اسی عشق کے چکر میں ایک دیوار پھاندی

تو اچانک ایک تلاوت کرنے والے کی آواز سنائی دی جو یہ آیت تلاوت کررہا تھا: {أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ} (سورۃ الحدید، آیۃ/۱۶، پ:۲۷) اس آیت کریمہ کا سننا تھا کہ دل کی کیفیت بدل گئی اور وہاں سے واپس آئے، توبہ کی اور مکہ مکرمہ آکر حرم شریف میں سکونت اختیار کی اور ۱۸۷ھ میں وفات ہوئی۔ (شامی:۱/ ۱۵۴) امام صیمری نے بیان کیا ہے کہ فضیل بن عیاض نے امام ابوحنیفہ سے فقہ حاصل کیا، اور ان سے امام شافعی نے فقہ حاصل کیا، اور ان سے بخاری ومسلم نے روایت کی ہے۔

داؤد طائی:

ان کا نام داؤد بن نصر بن نصیر بن سلیمان کوفی طائی ہے، امام کے شاگردوں میں سے ہیں، عابد وزاہد ہونے کے ساتھ انھوں نے اپنے آپ کو درس وتدریس میں لگائے رکھا، ان کے بارے میں محارب بن دثار فرماتے ہیں کہ اگر داؤد طائی امت ماضیہ میں ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کا واقعہ ہمارے لیے ضرور بیان کرتے، ابونعیم کہتے ہیں کہ ان کی وفات ۱۶۰ھ میں ہوئی ہے۔ (شامی:۱/ ۱۵۴)

ابوحامد اللفاف:

ان کا نام احمد بن خضرویہ بلخی ہے، خراسان کے بڑے جلیل القدر بزرگوں میں ان کا شمار ہوتا ہے، ان کی وفات ۲۴۰ھ میں ہوئی۔ (شامی:۱/ ۱۵۴)

خلف بن ایوب:

حضرت امام محمد اور امام زفر کے ساتھیوں میں تھے، فقہ انھوں نے حضرت امام ابویوسفؒ سے حاصل کیا اور تصوف حضرت ابراہیم بن ادہم سے لیا اور ایک مدت تک انکے ساتھ رہے، پھر انکی وفات اصح قول کے مطابق ۲۱۵ھ میں ہوئی۔ (شامی:۱/ ۱۵۴)

عبداللہ بن المبارک:

جلیل القدر فقیہ اور عظیم المرتبت ولی گذرے ہیں، آپ نے اپنے اندر علم فقہ، علم ادب، علم نحو، علم لغت، علم فصاحت اور ورع وتقویٰ کو جمع کرلیا تھا، امام ذہبی فرماتے ہیں کہ آپ علم حدیث اور زہد وقناعت میں اس امت کے ایک رکن کی حیثیت رکھتے ہیں، آپ امام احمد بن حنبلؒ کے اساتذہ میں سے ایک ہیں اور امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں، بہت سے مقامات پر امام صاحب کی تعریف کی ہے۔ ان کی وفات ۱۸۱ھ میں ہوئی۔ (شامی:۱/ ۱۵۴)

وکیع بن الجراح بن ملیح بن عدی کوفی:

شیخ الاسلام اور ائمہ اعلام میں سے ایک ہیں۔ آپ کے متعلق یحییٰ بن اکثم فرماتے ہیں کہ آپ صائم النہار اور قائم اللیل تھے، ہر رات قرآن ختم کیا کرتے تھے، یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ ان سے افضل میں نے کسی کو نہیں دیکھا، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کے

مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے، ۱۹۸ھ میں وفات ہوئی، حضرت امام شافعی اور امام احمدؒ کے اساتذہ جلہ میں سے ہیں۔ (شامی: ۱/۱۵۵)

ابوبکر الوراق

نام محمد بن عمر و ترمذی ہے، بلخ میں سکونت اختیار کی اور احمد بن خضرویہ کے ساتھ رہے، ان کی بہت ساری تصانیف ہیں۔ (شامی: ۱/۱۵۵)

وَقَدْ قَالَ الْأُسْتَاذُ أَبُو الْقَاسِمِ الْقُشَيْرِيُّ فِي رِسَالَتِهِ مَعَ صَلَابَتِهِ فِي مَذْهَبِهِ وَتَقَدُّمِهِ فِي هَذِهِ الطَّرِيقَةِ: سَمِعْتُ الْأُسْتَاذَ أَبَا عَلِيٍّ الدَّقَّاقَ يَقُولُ: أَنَا أَخَذْتُ هَذِهِ الطَّرِيقَةَ مِنْ أَبِي الْقَاسِمِ النَّصْرَابَادِيِّ. وَقَالَ أَبُو الْقَاسِمِ: أَنَا أَخَذْتُهَا مِنَ الشِّبْلِيِّ، وَهُوَ أَخَذَهَا مِنَ السَّرِيِّ السَّقَطِيِّ، وَهُوَ مَعْرُوفِ الْكَرْخِيِّ، وَهُوَ مِنْ دَاوُد الطَّائِيِّ. وَهُوَ أَخَذَ الْعِلْمَ وَالطَّرِيقَةَ مِنْ أَبِي حَنِيفَةَ، وَكُلٌّ مِنْهُمْ أَثْنَى عَلَيْهِ وَأَقَرَّ بِفَضْلِهِ. فَعَجَبًا لَكَ يَا أَخِي: أَلَمْ يَكُنْ لَكَ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي هَؤُلَاءِ السَّادَاتِ الْكِبَارِ؟ أَكَانُوا مُتَّهَمِينَ فِي هَذَا الْإِقْرَارِ وَالِافْتِخَارِ، وَهُمْ أَئِمَّةُ هَذِهِ الطَّرِيقَةِ، وَأَرْبَابُ الشَّرِيعَةِ وَالْحَقِيقَةِ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ فِي هَذَا الْأَمْرِ فَلَهُمْ تَبَعٌ، وَكُلُّ مَا خَالَفَ مَا اعْتَمَدُوهُ مَرْدُودٌ وَمُبْتَدَعٌ. وَبِالْجُمْلَةِ فَلَيْسَ أَبُو حَنِيفَةَ فِي زُهْدِهِ وَوَرَعِهِ وَعِبَادَتِهِ وَعِلْمِهِ وَفَهْمِهِ بِمُشَارِكٍ

ترجمہ اور تحقیق کہ استاذ ابوالقاسم قشیری نے اپنے رسالہ قشیریہ میں لکھا ہے حالانکہ وہ اپنے مذہب شافعی میں نہایت سخت تھے اور تصوف میں اونچا مقام رکھتے تھے ان کا کہنا ہے کہ میں نے استاذ ابوعلی دقاق سے کہتے ہوئے سنا کہ میں نے اس طریقہ کو ابوالقاسم نصرآبادی سے حاصل کیا، اور انھوں نے کہا کہ میں نے اس کو علامہ شبلی سے حاصل کیا، انھوں نے اس کو سری سقطی سے لیا جو کرخی سے مشہور ہے، انھوں نے داؤد طائی سے اس طریقہ کو حاصل کیا اور انھوں نے علم اور تصوف کو حضرت امام ابوحنیفہؒ سے حاصل کیا۔ ان تمام حضرات نے امام ابوحنیفہ کی تعریف کی ہے اور امام صاحب کے فضل وکمال کا اقرار کیا ہے، میرے دوست تمہارے اوپر تعجب ہے کیا تمہارے واسطے ان اکابر واسلاف میں اسوہ حسنہ نہیں ہے؟ کیا یہ حضرات امام صاحب کے فضل وکمال کے اقرار کرنے اور ان پر فخر کرنے میں غلط گو تھے؟ حالانکہ وہ تمام حضرات اس تصوف کے امام اور شریعت وطریقت کے پیشوا تھے اور جو بھی انکے بعد ہوئے سبھوں نے اس معاملہ میں ان کی پیروی کی اور جو بات ان کے مخالف ہو جس پر ان کا اعتماد ہے مردود اور نو ایجاد ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے زہد، ان کے ورع وتقویٰ، عبادت، علم اور فہم میں کوئی ان کا شریک نہیں ہے۔

مختصر تشریح ابوعلی دقاق کا نام حسن بن علی الدقاق ہے اور ابوالقاسم نصرآبادی کا نام ابراہیم بن محمد نصرآبادی ہے، ان کی وفات مکہ مکرمہ میں ۳۶۷ھ میں ہوئی۔ علامہ شبلی: ان کا نام ابوبکر دلف شبلی بغدادی مالکی ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کی مصاحبت بھی حاصل ہے، ان کی وفات ۳۳۴ھ میں ہوئی ہے اور سری یہ ابوالحسن بن مغلس سقطی حضرت جنید بغدادی کے ماموں اور استاذ محترم ہیں، ان کی وفات ۲۵۷ھ میں ہوئی۔ (شامی: ۱/۱۵۶)

حضرت امام ابوحنیفہؒ تو میدانِ شریعت وطریقت کے شہسوار اور امام ومقتدیٰ تھے، علم حقیقت کی بنیاد در حقیقت علم وعمل اور تزکیۂ نفوس پر ہے اسی کو علمائے کرام نے بیان فرمایا ہے، حضرت امام احمد بن حنبلؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے متعلق فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ علم، عمل، ورع، زہد، ایثار اور تقویٰ کے اس مقام پر پہنچے ہوئے تھے کہ کوئی دوسرا شخص اس مقام کی بلندی کو نہیں پاسکتا ہے، حضرت امام ابوحنیفہ کو منصب قضاء پر فائز ہونے کے لیے ستایا گیا، لیکن امام صاحب نے اس منصب کو قبول نہیں فرمایا، حضرت امام عبداللہ بن المبارکؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ حقدار اتباع وپیروی کے کوئی دوسرا شخص نہیں ہے، اس لیے کہ وہ ایک زبردست متقی، پرہیزگار عالم، اور ورع وتقویٰ کے مالک فقیہ تھے، امام ابوحنیفہؒ نے علم نبوت کی حقیقت کو اس طرح کھول کر رکھ دیا کہ کسی کے بس کی بات نہیں ہے کہ کھول کر رکھ دے، سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص حضرت امام ابوحنیفہؒ کے پاس سے آئے گویا وہ روئے زمین میں سب سے زیادہ عبادت گذار شخص کے پاس سے آیا ہے۔ الغرض امام ابوحنیفہؒ کی فضیلت اَن گنت ہے جس کو علامہ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے۔

وَمِمَّا قَالَ فِيهِ ابْنُ الْمُبَارَكِ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ –:

لَقَدْ زَانَ الْبِلَادَ وَمَنْ عَلَيْهَا	إِمَامُ الْمُسْلِمِينَ أَبُو حَنِيفَهْ
بِأَحْكَامٍ وَآثَارٍ وَفِقْهٍ	كَآيَاتِ الزَّبُورِ عَلَى صَحِيفَهْ
فَمَا فِي الْمَشْرِقَيْنِ لَهُ نَظِيرٌ	وَلَا فِي الْمَغْرِبَيْنِ وَلَا بِكُوفَهْ
يَبِيتُ مُشَمِّرًا سَهِرَ اللَّيَالِيَ	وَصَامَ نَهَارَهُ لِلّٰهِ خِيفَهْ
فَمَنْ كَأَبِي حَنِيفَةَ فِي عُلَاهُ	إِمَامٌ لِلْخَلِيقَةِ وَالْخَلِيفَهْ
رَأَيْتُ الْعَائِبِينَ لَهُ سَفَاهًا	خِلَافَ الْحَقِّ مَعَ حُجَجٍ ضَعِيفَهْ
وَكَيْفَ يَحِلُّ أَنْ يُؤْذَى فَقِيهٌ	لَهُ فِي الْأَرْضِ آثَارٌ شَرِيفَهْ
وَقَدْ قَالَ ابْنُ إِدْرِيسٍ مَقَالًا	صَحِيحَ النَّقْلِ فِي حِكَمٍ لَطِيفَهْ
بِأَنَّ النَّاسَ فِي فِقْهٍ عِيَالٌ	عَلَى فِقْهِ الْإِمَامِ أَبِي حَنِيفَهْ
فَلَعْنَةُ رَبِّنَا أَعْدَادَ رَمْلٍ	عَلَى مَنْ رَدَّ قَوْلَ أَبِي حَنِيفَهْ

ترجمہ اور حضرت عبداللہ ابن المبارک نے امام ابوحنیفہؒ کی شان میں چند اشعار ارشاد فرمائے ہیں جن کا ترجمہ درج ذیل ہے:

۱- بلاشبہ ملکوں اور اس کے باشندوں کو مسلمانوں کے امام حضرت امام ابوحنیفہؒ نے زینت بخشی ہے۔

۲- احکام شریعت، احادیث رسول ﷺ اور مسائل فقہ کے ذریعہ، جیسے زبور کی آیات ورقوں میں لکھی ہوئی ہیں۔

۳- آپ کی نظیر نہ تو مشرق ومغرب میں ہے اور نہ ہی کوفہ میں ہے، یعنی آپ پورے عالم میں لاثانی ہیں۔

۴-آپ راتوں کو مستعد شب بیدار کی طرح اور دن میں خوف خدا سے روزہ کی حالت میں گذراتے ہیں۔
۵-پس کون ہوسکتا ہے امام ابوحنیفہ کی طرح بلندی میں وہ تو اخلاق اور مخلوق کا بادشاہ ہے۔
۶-جولوگ امام ابوحنیفہ پر عیب لگاتے ہیں میں نے انکو بیوقوف اور عقل سے کورا پایا، حق کے مخالف اور کمزور دلیل کیساتھ۔
۷-اور یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص اس فقیہ کو تکلیف پہنچائے جس کے آثار شریفہ زمین میں بیشمار ہیں۔
۸-اور تحقیق حضرت امام محمد بن ادریس الشافعی نے لطیف و پاکیزہ حکمتوں کے ضمن میں ایک بالکل صحیح بات بیان فرمائی ہے۔
۹-کہ بلاشبہ تمام لوگ فقہ میں حضرت امام ابوحنیفہ کے محتاج ہیں اور ان کے بچے ہیں۔
۱۰-پس ہمارے رب تعالیٰ کی لعنت ہو اس شخص پر جو امام ابوحنیفہ کے قول کو رد کرے اور ان پر تنقید کرے۔

حضرت عبداللہ ابن المبارک کے ان دسوں اشعار کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ ایک جلیل القدر فقیہ، عظیم المرتبت امام، رفیع الذکر زہد و قناعت کا مقتدیٰ اور ایک عظیم الشان بندہ شب بیدار تھے جس کا اقرار و اعتراف تمام اہل اللہ اور اہل علم نے کیا ہے اور آپ پر طعن و تشنیع کرنے والے، آپ کو ہدف ملامت اور ہدف تنقید بنانے والے کو بے وقعت جانا ہے، کچھ لوگوں نے تعصب اور عناد میں آکر آپ کے خلاف بہت زہر اگلے ہیں، آپ کے خلاف نفرت کا تیز طوفان برپا کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے اور اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کرنے کی کوشش کی ہے اور خود رسوائی اور ذلت کا سامنا کیا۔ ظاہر ہے کہ سورج پر تھوکنا در حقیقت اپنے اوپر تھوکنا ہے اس لیے کہ وہ تھوک لوٹ کر تھوکنے والے کے اوپر آئے گا، آخری شعر میں ان لوگوں پر لعنت بھیجی گئی ہے جو امام صاحب کے قول کو حقیر سمجھ کر رد کرتے ہیں، چونکہ کسی فرد واحد پر متعین طور پر لعنت نہ بھیجی گئی ہے اس لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، جیسے ظالموں، کذابوں پر بلا نام لیے لعنت کی جاتی ہے۔

وَقَدْ ثَبَتَ أَنَّ ثَابِتًا وَالِدَ الْإِمَامِ أَدْرَكَ الْإِمَامَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ فَدَعَا لَهُ وَلِذُرِّيَّتِهِ بِالْبَرَكَةِ وَصَحَّ أَنَّ أَبَا حَنِيفَةَ سَمِعَ الْحَدِيثَ مِنْ سَبْعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ كَمَا بُسِطَ فِي أَوَاخِرِ مُنْيَةِ الْمُفْتِي، وَأَدْرَكَ بِالسِّنِّ نَحْوَ عِشْرِينَ صَحَابِيًّا كَمَا بُسِطَ فِي أَوَائِلِ الضِّيَاءِ. وَقَدْ ذَكَرَ الْعَلَّامَةُ شَمْسُ الدِّينِ مُحَمَّدُ أَبُو النَّصْرِ بْنُ عَرَبِ شَاهُ الْأَنْصَارِيُّ الْحَنَفِيُّ فِي مَنْظُومَةِ الْأَلْفِيَّةِ الْمُسَمَّاةِ بِجَوَاهِرِ الْعَقَائِدِ وَدُرَرِ الْقَلَائِدِ ثَمَانِيَةً مِنَ الصَّحَابَةِ مِمَّنْ رَوَى عَنْهُمُ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ أَبُو حَنِيفَةَ حَيْثُ قَالَ:

مُعْتَقِدًا مَذْهَبَ عَظِيمِ الشَّانِ — أَبِي حَنِيفَةَ الْفَتَى النُّعْمَانِ
التَّابِعِيِّ سَابِقِ الْأَئِمَّةِ — بِالْعِلْمِ وَالدِّينِ سِرَاجِ الْأُمَّةِ
جَمْعًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ أَدْرَكَا — أَثَرَهُمْ قَدِ اقْتَفَى وَسَلَكَا
طَرِيقَةٌ وَاضِحَةُ الْمِنْهَاجِ — سَالِمَةٌ مِنَ الضَّلَالِ الدَّاجِي

وَقَـدْ رَوَى عَـنْ أَنَـسٍ وَجَابِرِ — وَابْنِ أَبِي أَوْفَى كَذَا عَنْ عَامِرِ

أَعْنِي أَبَا الطُّفَيْلِ ذَا ابْنَ وَاثِلَهْ — وَابْـنِ أُنَيْـسٍ الْفَتَـى وَوَاثِلَـهْ

عَنِ ابْنِ جُزْءٍ قَدْ رَوَى الْإِمَامُ — وَبِنْـتُ عَجْـرَدٍ هِـيَ التَّمَـامُ

فَرَضِـيَ اللّٰـهُ الْكَـرِيمُ دَائِمًـا — عَنْهُمْ وَعَنْ كُلِّ الصِّحَابِ الْعُظَمَا

ترجمہ اور یہ بات بالکل طے شدہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے والد محترم نے امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہے (اور جب ان کی خدمت میں امام ابوحنیفہؒ کے والد ثابت حاضر ہوئے) تو حضرت علی بن ابی طالبؓ نے ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے برکت کی دعاء فرمائی۔

اور یہ بات بھی بالکل صحیح ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے سات صحابہ کرام سے حدیث سنی ہے، جیسا کہ منیۃ المفتی کے اخیر میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ اور عمر کے لحاظ سے آپ نے تقریباً بیس صحابۂ کرام کا زمانہ پایا ہے جیسا کہ الضیاء المعنوی کے شروع میں مذکور ہے۔ اور علامہ شمس الدین محمد ابونصر بن عرب شاہ انصاری حنفی نے اس ایک ہزار منظوم کلام میں ذکر فرمایا ہے جس کا نام "جواہر العقائد و درر القلائد" رکھا ہے کہ وہ آٹھ صحابہ کرام جن سے امام اعظم ابوحنیفہ نے روایت نقل کی ہے وہ یہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو جائے، ان کے اشعار کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

۱- اس عظیم الشان نوجوان نعمان ابوحنیفہ کے مذہب کا معتقد ہو کر کہتا ہوں۔

۲- جو تابعی اور علم دین میں تمام ائمہ کرام سے فائق اور امت اسلامیہ کے چراغ ہیں۔

۳- آپ نے رسولِ اکرم ﷺ کے صحابۂ کرامؓ کی جماعت کو پایا، انکے نقش قدم کی پیروی کی اور انکی راہ پر چلے۔

۴- آپ ان کے ایسے راستے پر چلے جو واضح ہیں، گمراہی اور تاریکی سے محفوظ ہیں۔

۵- اور انھوں نے حضرت انسؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابن ابی اوفی اور عامر سے روایت کی ہے۔

۶- اور عامر سے میری مراد ابوطفیل بن واثلہ ہیں، اور حضرت عبداللہ انیس و رواثلہ بن اسقع سے نوجوان نے روایت کی ہے۔

۷- اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی عبداللہ بن حارث بن جزء زبیدی سے اور عائشہ بنت عجرد سے ان پر آٹھ کا عدد مکمل ہو گیا۔

مختصر تشریح تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو پایا ہے اور جلیل القدر تابعی ہیں، چناں چہ حافظ ذہبی اور علامہ عسقلانی نے اس کی توثیق کی ہے، علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ کوفہ میں جس وقت ۸۰ھ میں امام ابوحنیفہؒ کی پیدائش ہوئی تھی اس وقت صحابہ کرام کی ایک جماعت کوفہ میں موجود تھی اور یہ شرف تابعیت آپ کے معاصرین ائمہ کرام میں کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی، ملک شام میں امام اوزاعیؒ، بصرہ میں حمادینؒ، کوفہ میں سفیان ثوریؒ، مصر میں حضرت لیث بن

سعد اور مدینہ منورہ میں امام مالکؒ جیسی عظیم شخصیت موجود تھی لیکن ان میں سے کسی کو بھی شرف تابعیت حاصل نہیں ہے، الغرض امام صاحب کے تابعی ہونے سے انکار کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ امام صاحب نے صحابہ کرام میں سے کسی صحابی سے روایت کی ہے یا نہیں؟ اور آپ کا سماع صحابہ کرام سے ثابت ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں حضرت علامہ شامیؒ نے فرمایا کہ آپ کے اجلہ تلامذہ حضرت امام ابو یوسف، حضرت امام محمد بن حسن اور عبداللہ ابن المبارک اور عبدالرزاق وغیرہ ہیں ان سے امام ابو حنیفہؒ کے متعلق صحابہ کرام سے سماع نقل نہیں ہے، اگر امام صاحب کا سماع ثابت ہوتا تو یہ جلیل القدر تلامذہ ضرور نقل کرتے، اس لیے کہ حضرات صحابہ کرام سے سماع ثبوت محدثین کے لیے باعث صد افتخار اور تنافس کا سبب ہے، باقی آپ کا حضرت انس کو دیکھنا اور باعتبار عمر صحابہ کرام کی ایک جماعت کا زمانہ پانا دونوں بالکل صحیح ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں، عینی نے جو آپ کا سماع صحابہ سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے شیخ حافظ قاسم حنفی نے اس کی زبردست تردید کی ہے۔ (شامی: ۱/ ۱۶۱)

وہ صحابہ کرام جن سے امام ابوحنیفہؒ نے روایت نقل کی ہے

جن صحابہ سے امام ابوحنیفہؒ نے روایت کی ہے ان کی تعداد کے متعلق اختلاف ہے، بعض نے چھ مرد، ایک عورت بتایا ہے۔ بعض نے پانچ مرد ایک عورت بتایا اور بعض حضرات نے سات مرد اور ایک عورت بتایا ہے۔ جو ذیل میں درج ہیں:

۱- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو خادم رسول ہیں، ان کی وفات بصرہ میں ۹۳ھ میں ہوئی۔

۲- حضرت جابر بن عبداللہؓ لیکن اس پر اعتراض ہے اس لیے کہ حضرت جابر بن عبداللہ کی وفات ۷۹ھ میں امام صاحب کی ولادت سے ایک سال قبل ہوئی، پس ان سے سماع ماننا درست نہیں ہے۔

۳- عبداللہ بن ابی اوفیؓ کوفہ میں وفات پانے والے سب سے آخری صحابی ہیں۔ ان کی وفات ۸۶ھ یا ۸۷ھ یا ۸۸ھ میں ہوئی۔

۴- عامر ابو طفیل بن واثلہ، مکہ مکرمہ میں انتقال پانے والے سب سے آخری صحابی ہیں۔ ان کی وفات ۱۰۰ھ میں ہوئی۔

۵- ابن انیس یعنی عبداللہ الجہنی، بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ ان کی وفات ۵۴ھ میں ہوگئی تھی پھر ان سے سماع کیسے ثابت ہے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس نام کے پانچ صحابی ہیں، پس جس انیس کا انتقال ۵۴ھ میں ہے وہ جہنی کے علاوہ ہیں۔ فلا اشکال

۶- واثلہ بن اسقع، شام میں ان کی وفات ۸۶ھ میں ہوئی۔

۷- عبداللہ بن الحارث بن جزء زبیدی، ان کی وفات مصر میں ۸۶ھ میں ہوئی۔

۸- عائشہ بنت عجرد، ان کی وفات ۸۸ھ یا اس کے بعد ہوئی۔ (شامی: ۱/ ۱۶۳-۱۶۴)

وَتُوُفِّيَ بِبَغْدَادَ قِيلَ فِي السِّجْنِ لِيَلِيَ الْقَضَاءَ وَلَهُ سَبْعُونَ سَنَةً بِتَارِيخِ خَمْسِينَ وَمِائَةٍ، قِيلَ وَيَوْمَ تُوُفِّيَ وُلِدَ الْإِمَامُ الشَّافِعِيُّ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - فَعُدَّ مِنْ مَنَاقِبِهِ. وَقَدْ قِيلَ: الْحِكْمَةُ فِي مُخَالَفَةِ تَلَامِذَتِهِ لَهُ أَنَّهُ رَأَى صَبِيًّا يَلْعَبُ فِي الطِّينِ فَحَذَّرَهُ مِنَ السُّقُوطِ، فَأَجَابَهُ بِأَنْ: احْذَرْ أَنْتَ السُّقُوطَ، فَإِنَّ فِي سُقُوطِ الْعَالِمِ سُقُوطَ الْعَالَمِ، فَحِينَئِذٍ قَالَ لِأَصْحَابِهِ: إِنْ تَوَجَّهَ لَكُمْ دَلِيلٌ فَقُولُوا بِهِ، فَكَانَ كُلٌّ يَأْخُذُ بِرِوَايَةٍ عَنْهُ وَيُرَجِّحُهَا، وَهٰذَا مِنْ غَايَةِ احْتِيَاطِهِ وَوَرَعِهِ وَعَلِمَ بِأَنَّ الْاِخْتِلَافَ مِنْ آثَارِ الرَّحْمَةِ، فَمَهْمَا كَانَ الْاِخْتِلَافُ أَكْثَرَ كَانَتِ الرَّحْمَةُ أَوْفَرَ، لِمَا قَالُوا:

ترجمہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے ستر سال کی عمر میں ۱۵۰ھ میں بغداد میں وفات پائی اور بعض نے کہا کہ آپ کی وفات قید خانہ میں ہوئی، آپ کو اس لیے قید کر دیا گیا تھا تاکہ آپ سے عہدۂ قضا قبول کرایا جائے اور بعض لوگوں نے کہا کہ جس روز حضرت امام اعظم کی وفات ہوئی اسی روز حضرت امام شافعیؒ کی ولادت ہوئی، پس یہ امام شافعی یا امام ابوحنیفہؒ کے مناقب میں شمار کیا گیا ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کا جو اختلاف منقول ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے ایک بچہ کو کیچڑ میں کھیلتے دیکھا تو آپ نے اس کو ڈراتے ہوئے کہا: کہیں تو گر نہ جائے، تو اس نے آپ کو جواب دیا کہ آپ خود گرنے سے ڈریئے اس لیے کہ ایک عالم دین کا گرنا ایک عالَم کا گرنا ہے، تو اس وقت آپ نے اپنے تلامذہ سے فرمایا کہ اگر تمہارے سامنے کوئی شرعی دلیل آجائے تو تم اسی کو کہو، پس آپ کا ہر شاگرد آپ سے ایک روایت لیتا اور اس کو ترجیح دیتا تھا اور آپ کی یہ اجازت غایت احتیاط اور یہ آپ کے انتہائی تقویٰ پر محمول ہوگی اور اس اجازت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ائمہ مجتہدین کا اختلاف رائے رحمت الٰہی کی نشانیوں میں سے ہے، لہٰذا جس قدر اختلاف زیادہ ہوگا اتنی زیادہ رحمت الٰہی ہوگی، جیسا کہ علمائے امت نے کہا ہے۔

مختصر تشریح اس بچہ کی بات حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قلب پر نقش ہوگئی اور فکر واحساس کے دریچے کو ایسے کھول دیا کہ آپ نے یہ محسوس فرمایا کہ مجتہد کی تھوڑی سی بھول چوک اور غلطی دنیا کو تباہی ونقصان کے کس دہانے پر لا کھڑا کر دیتی ہے، اسی لیے حضرت امام ابوحنیفہ نے اپنے شاگردوں کو حکم دیدیا تھا کہ جب تمہارے سامنے دلیل آجائے تو اسی کو اختیار کرو، علامہ شامی اپنی کتاب ردالمحتار میں نقل کرتے ہیں کہ امام ابوجعفر شیراماذی شقیق بلخی سے روایت کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ متقی، سب سے زیادہ عبادت گذار، سب سے زیادہ شریف النفس اور مسائل دینیہ میں سب سے زیادہ محتاط تھے، دینی مسائل میں ذاتی رائے دینے سے بہت دور تھے، امام صاحب اس وقت تک کوئی مسئلہ اپنے تلامذہ کو قلم بند کرنے کے لیے حکم نہیں دیتے تھے جب تک کہ اہل علم اور ممبرانِ مجلس سے بحث ومباحثہ نہ کر لیتے تھے، جب اہل مجلس کسی مسئلہ میں متفق ہو جاتے تو حضرت امام ابویوسفؒ سے فرماتے کہ اس کو فلاں باب میں لکھ لو، علامہ شعرانی نے المیزان میں بھی امام صاحب کا یہ طریقہ نقل فرمایا ہے، ہزاروں کا مجمع ہوتا جس میں چالیس علم وفن کے ماہر، فقہ وفتاویٰ کے غواص اور حد اجتہاد کو پہنچے ہوئے موجود ہوتے تھے، پھر ایک مسئلہ میں مہینوں تک بحث ہوتی،

کتاب وسنت کا جوذخیرہ جس کے پاس ہوتا اس کو پیش کرتا اور اتفاق رائے سے جو مسئلہ سامنے آتا اس کو نقل کرلیا جاتا تھا۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے تلامذہ حضرت امام ابویوسفؒ، حضرت امام محمدؒ اور امام زفرؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ جو کچھ بھی روایت کرتے ہیں وہ درحقیقت امام ابوحنیفہ ہی کی روایت ہوتی ہے اور اس پر وہ قسم کھاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ پوری فقہ اسلامی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی طرف منسوب ہے، رہی رجوع والی بات کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اس قول سے رجوع کرچکے ہوں، صحیح ہے، مگر خود امام صاحب نے اجازت دے رکھی تھی کہ جب کوئی مضبوط دلیل مل جائے تو اسے اختیار کرو، دوسری بات یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب کوئی مسئلہ صحیح احادیث سے ثابت ہوجائے وہی میرا مذہب ہے۔ (شامی: ۱/۱۶۶)

رہی یہ بات کہ اختلاف امت رحمت ہے، یعنی اختلاف ائمہ کی وجہ سے توسع پیدا ہوتی ہے، علامہ شامی نے اس سلسلہ میں ایک حدیث نقل کی ہے، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک کوئی حکم کتاب اللہ میں تم کو ملے اس پر عمل کرو، کسی کو چھوڑنے کی اجازت نہیں اور اگر کتاب اللہ میں کوئی حکم نہ ہو تو سنت رسول اللہ پر عمل کرو، اور اگر سنت رسول اللہ میں بھی کوئی حکم نہ ملے تو اقوال صحابہ کرام پر عمل کرو، اس لیے کہ میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، پس جس کسی کے بھی قول پر عمل کروگے تو ہدایت پاجاؤگے اور میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لیے باعث رحمت ہے۔ امام سیوطیؒ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اگر حضرات صحابہ کرام میں کوئی اختلاف نہ ہوتا تو ہمارے لیے کوئی خوشی کی بات نہ ہوتی، اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو رخصت کا وجود نہ ہوتا۔

اور خطیب نے یہ مشہور قصہ نقل فرمایا کہ: حضرت امام مالکؒ نے جب موطا کی تالیف فرمائی تو خلیفہ ہارون رشید نے عرض کیا کہ میں اس کو تمام ممالک اسلامیہ میں بھیج دیتا ہوں تاکہ لوگ اس پر عمل کریں، یہ سن کر حضرت امام مالک نے فرمایا: اے امیرالمومنین! علمائے کرام کا اختلاف اس امت کے لیے باعث رحمت ہے، ہر شخص اس پر عمل کرتا ہے جو اس کے نزدیک صحیح ہے اور ہر ایک ہدایت پر ہے اور سب کا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضائے الٰہی ہے، اس لیے تمام ممالک میں اس کو بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے، ورنہ لوگ اسی کے ہو کے رہ جائیں گے اور قید وبند کی آزادی باقی نہ رہے گی اس لیے ایسا نہ کیا جائے۔

ابوحماد غلام رسول منظور القاسمی پھراوی

استاذ حدیث ومفتی جامعہ حسینیہ دارالعلوم چلہ امروہہ، یوپی

۱۴۲۵/۵/۲۸ھ، مطابق: ۱۷/جولائی ۲۰۰۴ء

یوم السبت بعد صلاۃ الظہر

رَسمُ المُفتِي

اس کے تحت صاحب کتاب علامہ علاء الدین حصکفی مختصر طور پر ان اصولوں کی نشان دہی فرمائیں گے جن کی ضرورت ہر مفتی کو پڑتی ہے، کوئی بھی مفتی ان اصولوں سے آزاد و بے نیاز ہو کر فتویٰ نہیں دے سکتا ہے۔ اہل اصول کے نزدیک اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مفتی کا مجتہد ہونا ضروری ہے، ان کے نزدیک غیر مجتہد کے لیے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے، لیکن حضرت امام محمد بن حسن شیبانی کے نزدیک اس عالم دین فقیہ کے لیے فتویٰ دینا جائز ہے جس کی درستگی زیادہ ہو اس کی غلطی پر اور بعض حضرات نے یہ بات لکھی ہے کہ شہر کے مقتدر اور ذی علم عالم کو فتویٰ دینے سے اجتناب نہیں کرنا چاہئے۔ صاحب فتح القدیر علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ درحقیقت مفتی وہی ہے جو مجتہد اور ماخذ ومصادر سے واقف ہو، باقی غیر مجتہد مفتی جو اقوال امام کو یاد رکھتا ہو اس کے لیے فتویٰ دیتے وقت اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اپنے فتویٰ میں مجتہد فقیہ کے قول کا حوالہ دے یا مستند ومقبول ومشہور کتابوں کے حوالہ سے فتویٰ لکھے، کیونکہ ایسی کتاب خبر متواتر کے درجہ میں ہے، غیر معروف کتابوں سے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے، اس کے لیے تفصیلی معلومات کے واسطے علامہ شامی کی کتاب شرح عقود رسم المفتی کا مطالعہ کیجئے، نیز استاذی الجلیل حضرت مولانا مفتی سلمان منصور پوری استاذ حدیث جامعہ شاہی مراد آباد کی کتاب ''فتویٰ نویسی کے رہنما اصول'' اور حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری استاذ حدیث دار العلوم دیوبند کی کتاب ''آپ فتویٰ کیسے دیں؟'' کا مطالعہ نہایت مفید اور کار آمد ہوگا۔

أَنَّ مَا اتَّفَقَ عَلَيْهِ أَصْحَابُنَا فِي الرِّوَايَاتِ الظَّاهِرَةِ يُفْتَى بِهِ قَطْعًا. وَاخْتُلِفَ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ، وَالْأَصَحُّ كَمَا فِي السِّرَاجِيَّةِ وَغَيْرِهَا أَنَّهُ يُفْتِي بِقَوْلِ الْإِمَامِ عَلَى الْإِطْلَاقِ، ثُمَّ بِقَوْلِ الثَّانِي، ثُمَّ بِقَوْلِ الثَّالِثِ، ثُمَّ بِقَوْلِ زُفَرَ وَالْحَسَنِ بْنِ زِيَادٍ، وَصَحَّحَ فِي الْحَاوِي الْقُدْسِيِّ قُوَّةَ الْمُدْرَكِ وَفِي وَقْفِ الْبَحْرِ وَغَيْرِهِ: مَتَى كَانَ فِي الْمَسْأَلَةِ قَوْلَانِ مُصَحَّحَانِ جَازَ الْقَضَاءُ وَالْإِفْتَاءُ بِأَحَدِهِمَا.

ترجمہ بیشک جس پر ہمارے اصحاب کا اتفاق ہے اس کی روایات ظاہرہ پر بالیقین فتویٰ دیا جائے گا اور جس مسئلہ میں احناف کا اختلاف ہو اس میں اختلاف کیا جائے اور اس باب میں اصح ترین بات وہ ہے جو فتاویٰ سراجیہ وغیرہ میں ہے کہ مفتی علی الاطلاق سب سے پہلے امام ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ دے گا اس کے بعد امام ابو یوسفؒ، اس کے بعد امام محمدؒ، پھر اس کے بعد حضرت امام زفرؒ اور حسن بن زیاد کے قول پر فتویٰ دے گا اور حاوی قدسی میں قوت دلیل کی تصحیح کی ہے اور البحر الرائق کی کتاب الوقف وغیرہ میں ہے کہ جب ایک مسئلہ میں دو قولوں کی تصحیح واقع ہوئی ہو تو مفتی کے لیے ان دونوں میں سے کسی ایک قول پر بھی فیصلہ کرنا اور فتویٰ دینا جائز ہے۔

مختصر تشریح علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں کہ احناف کے مسائل تین طبقات پر مشتمل ہیں:

(۱) مسائل الاصول۔ (۲) مسائل النوادر۔ (۳) مسائل واقعات۔

اب ذیل میں ان تینوں قسموں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے:

مسائل الأصول:

اس کو ظاہر الروایہ بھی کہتے ہیں، مسائل الاصول یا ظاہر الروایہ ان مسائل کو کہتے ہیں جو اصحاب مذہب امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد سے مروی ہیں اور اصحاب مذہب میں بقول علامہ شامی امام زفر اور حسن بن زیاد بھی شامل ہوجاتے ہیں، جنھوں نے امام ابوحنیفہ سے براہ راست مسائل اخذ کیا ہے، لیکن عام طور پر ظاہر الروایہ کا اطلاق امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر ہوتا ہے۔ اور حضرت امام محمد کی چھ کتابیں ظاہر الروایہ یا مسائل الاصول ہیں جو ذیل میں درج ہیں:
(۱) مبسوط۔ (۲) زیادات۔ (۳) جامع صغیر۔ (۴) سیر صغیر۔ (۵) جامع کبیر۔ (۶) سیر کبیر۔ ان کتابوں میں جو مسائل درج ہیں ان کو مسائل الاصول یا ظاہر الروایہ اس لیے کہتے ہیں کہ ان کے راوی مضبوط اور ثقہ ہیں اور یہ تمام مسائل ان سے بطریق مشہور یا بطریق تواتر ثابت ہیں۔ (شامی:۱/۱۶۸)

مسائل النوادر:

ان مسائل کو کہا جاتا ہے جو مذکورہ ائمہ کرام سے مروی ہوں لیکن وہ مسائل ان چھ کتابوں کے علاوہ میں ہوں، جیسے کیسانیات، ہارونیات، جرجانیات رقیات وغیرہ، ان کتابوں میں جو مسائل درج ہیں ان کو غیر ظاہر الروایہ بھی کہا جاتا ہے، اس لیے کہ حضرت امام محمد سے یہ مسائل روایات ظاہرہ سے منقول نہیں ہیں اور ان کا درجہ پہلی کتابوں کی طرح نہیں ہے۔ (شامی:۱/۱۶۹)

مسائل واقعات:

مسائل واقعات وہ ہیں جن کو متاخرین مجتہدین نے استنباط کیا ہو، جب ان سے کوئی مسئلہ معلوم کیا گیا اور مسئلہ کتابوں میں نہ پایا پھر انھوں نے استنباط کیا تو اس کو مسائل واقعات کہا جاتا ہے، یا پھر یہ مسائل حضرت امام ابو یوسف اور محمد کے تلامذہ کے ہیں اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے شاگردوں میں عصام بن یوسف (متوفی: ۲۱۰ھ)، ابن رستم (متوفی: ۲۱۱ھ) محمد بن سماعہ (متوفی: ۲۳۳ھ) اور ابوسلیمان الجرجانی اور ابوحفص بخاری وغیرہ ہیں۔

علامہ شامی رسم المفتی میں لکھتے ہیں کہ اولاً حضرت امام اعظم کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا، خواہ ان کے ساتھ ان کا کوئی شاگرد ہو یا نہ ہو، لیکن اگر کسی مسئلہ میں حضرات صاحبین ایک طرف ہوں اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ دوسری طرف ہوں تو اس وقت مستی کو اختیار ہوگا کہ جس قول پر چاہے فتویٰ دے، بشرطیکہ مفتی مجتہد ہو، لیکن اگر مفتی مجتہد نہیں ہے تو امام اعظم کے قول پر فتویٰ دے۔ اور اگر صاحبین میں کوئی ایک، امام صاحب کے ساتھ ہو تو ایسی صورت میں امام صاحب کا قول خود بخود راجح ہوگا اور اگر صاحبین کا قول امام صاحب کے قول کے مخالف ہو اور یہ اختلاف عصر و زمان کی وجہ سے ہو تو پھر صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا

جائے، جیسے قضاء مزارعت وغیرہ میں۔ (شرح عقود رسم المفتی، ص: ۱۲۵، مطبوعہ زکریا)

وَفِي أَوَّلِ الْمُضْمَرَاتِ: أَمَّا الْعَلَامَاتُ لِلْإِفْتَاءِ فَقَوْلُهُ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى، وَبِهِ يُفْتَى، وَبِهِ نَأْخُذُ، وَعَلَيْهِ الِاعْتِمَادُ، وَعَلَيْهِ عَمَلُ الْيَوْمِ وَعَلَيْهِ عَمَلُ الْأُمَّةِ، وَهُوَ الصَّحِيحُ، أَوْ الْأَصَحُّ، أَوْ الْأَظْهَرُ، أَوْ الْأَشْبَهُ، أَوْ الْأَوْجَهُ، أَوْ الْمُخْتَارُ، وَنَحْوُهَا مِمَّا ذُكِرَ فِي حَاشِيَةِ الْبَزْدَوِيِّ اهـ . وَقَالَ شَيْخُنَا الرَّمْلِيُّ فِي فَتَاوِيهِ: وَبَعْضُ الْأَلْفَاظِ آكَدُ مِنْ بَعْضٍ، فَلَفْظُ الْفَتْوَى آكَدُ مِنْ لَفْظِ الصَّحِيحِ، وَالْأَصَحِّ وَالْأَشْبَهِ وَغَيْرِهَا، وَلَفْظُ وَبِهِ يُفْتَى آكَدُ مِنَ الْفَتْوَى عَلَيْهِ، وَالْأَصَحُّ آكَدُ مِنَ الصَّحِيحِ، وَالْأَحْوَطُ آكَدُ مِنَ الِاحْتِيَاطِ انْتَهَى. قُلْتُ: لَكِنْ فِي شَرْحِ الْمُنْيَةِ لِلْحَلَبِيِّ عِنْدَ قَوْلِهِ: وَلَا يَجُوزُ مَسُّ مُصْحَفٍ إِلَّا بِغِلَافِهِ إِذَا تَعَارَضَ إِمَامَانِ مُعْتَبَرَانِ عَبَّرَ أَحَدُهُمَا بِالصَّحِيحِ وَالْآخَرُ بِالْأَصَحِّ، فَالْأَخْذُ بِالصَّحِيحِ أَوْلَى؛ لِأَنَّهُمَا اتَّفَقَا عَلَى أَنَّهُ صَحِيحٌ، وَالْأَخْذُ بِالْمُتَّفَقِ أَوْفَقُ فَلْيُحْفَظْ.

ترجمہ اور مضمرات کے شروع میں ہے کہ فتویٰ دینے کی لیے بارہ الفاظ بطور علامت ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) علیه الفتوی (اسی قول پر فتویٰ ہے)۔ (۲) به یفتی (اسی قول کیساتھ فتویٰ دیا گیا ہے)۔ (۳) به نأخذُ (ہم اسی کو لیتے ہیں)۔ (۴) عَلیهِ الإعتِمادُ (اسی قول پر اعتماد ہے)۔ (۵) علیه عملُ الیومِ (آج کل اسی پر عمل ہے)۔ (۶) علیه عملُ الأمّةِ (اسی پر امت کا عمل ہے)۔ (۷) هُوَ الصحیحُ (یہی قول صحیح ہے)۔ (۸) هُوَ الأصحُّ (یہی زیادہ درست ہے)۔ (۹) هُوَ الأظهَرُ (یہی ظاہر تر ہے)۔ (۱۰) هُوَ الأشبهُ (یہی حق کے زیادہ مطابق ہے)۔ (۱۱) هُوَ الأوجهُ (یہی موجہ ہے)۔ (۱۲) هُوَ المختارُ (یہی پسند کیا گیا ہے)۔ اور اسی طرح دوسرے الفاظ میں جو حاشیہ بزدوی میں منقول ہیں (اور وہ یہ ہیں: وَبِهِ جَرَى فِي العُرفِ (عرف عام میں یہی رائج ہے) هُوَ المُتعارَفُ (یہی متعارف ہے) وَبِهِ أخذَ عُلمائُنا (ہمارے علماء نے اسی کو لیا ہے)۔

اور ہمارے استاذ جلیل شیخ خیر الدین رملی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ فتویٰ کے بعض الفاظ بعض سے زیادہ مؤکد ہوتے ہیں جیسے: لفظ فتویٰ، صحیح، اصح اور اشبہ وغیرہ الفاظ سے زیادہ موکد ہے۔ اور لفظ بہ یفتی لفظ فتویٰ علیہ سے زیادہ مؤکد ہے۔ اور اصح زیادہ موکد ہے لفظ صحیح سے اور لفظ احوط زیادہ موکد ہے لفظ احتیاط سے، لیکن میں کہتا ہوں کہ علامہ حلبی نے شرح منیۃ المصلی میں جہاں ماتن منیہ کا قول لایجوزُ مسّ المصحف إلاّ بغلافه آیا ہے وہاں لکھا ہے کہ جب دو معتبر اماموں کا آپس میں تعارض ہو، ان میں سے ایک صحیح کے لفظ سے تعبیر کرے اور دوسرا اصح کے لفظ سے تو اس وقت جس نے صحیح کے لفظ کے ساتھ کہا ہے اسی کو اختیار کرنا بہتر ہے اس لیے کہ اس کے صحیح ہونے پر دونوں معتبر اماموں کا اتفاق ہے اور اصح میں اتفاق نہیں ہے لہٰذا متفق علیہ کو لینا ہی احتیاط کا تقاضہ ہے اسی کو محفوظ رکھو۔

ثُمَّ رَأَيْتُ فِي رِسَالَةِ آدَابِ الْمُفْتِي: إِذَا ذُيِّلَتْ رِوَايَةٌ فِي كِتَابٍ يُعْتَمَدُ بِالْأَصَحِّ أَوِ الْأَوْلَى، أَوْ الْأَوْفَقِ أَوْ نَحْوِهَا، فَلَهُ أَنْ يُفْتِيَ بِهَا وَبِمُخَالِفِهَا أَيْضًا أَيًّا شَاءَ، وَإِذَا ذُيِّلَتْ بِالصَّحِيحِ أَوِ الْمَأْخُوذِ بِهِ، أَوْ وَبِهِ يُفْتَى، أَوْ عَلَيْهِ الْفَتْوَى - لَمْ يُفْتِ بِمُخَالِفِهِ إِلَّا إِذَا كَانَ فِي الْهِدَايَةِ مَثَلًا هُوَ الصَّحِيحُ. وَفِي الْكَافِي بِمُخَالِفِهِ هُوَ الصَّحِيحُ فَيُخَيَّرُ فَيَخْتَارُ الْأَقْوَى عِنْدَهُ وَالْأَلْيَقَ وَالْأَصْلَحَ اهـ فَلْيُحْفَظْ وَحَاصِلُ مَا ذَكَرَهُ الشَّيْخُ قَاسِمٌ فِي تَصْحِيحِهِ: أَنَّهُ لَا فَرْقَ بَيْنَ الْمُفْتِي وَالْقَاضِي إِلَّا أَنَّ الْمُفْتِيَ مُخْبِرٌ عَنِ الْحُكْمِ وَالْقَاضِيَ مُلْزِمٌ بِهِ، وَأَنَّ الْحُكْمَ وَالْفُتْيَا بِالْقَوْلِ الْمَرْجُوحِ جَهْلٌ وَخَرْقٌ لِلْإِجْمَاعِ، وَأَنَّ الْحُكْمَ الْمُلَفَّقَ بَاطِلٌ بِالْإِجْمَاعِ، وَأَنَّ الرُّجُوعَ عَنِ التَّقْلِيدِ بَعْدَ الْعَمَلِ بَاطِلٌ اتِّفَاقًا، وَهُوَ الْمُخْتَارُ فِي الْمَذْهَبِ، وَأَنَّ الْخِلَافَ خَاصٌّ بِالْقَاضِي الْمُجْتَهِدِ، وَأَمَّا الْمُقَلِّدُ فَلَا يَنْفُذُ قَضَاؤُهُ، بِخِلَافِ مَذْهَبِهِ أَصْلًا كَمَا فِي الْقُنْيَةِ.

ترجمہ پھر میں نے رسالہ آداب المفتی میں دیکھا کہ جب کسی مستند کتاب میں روایت کے بعد اصح یا اولی یا اوفق یا اس جیسے الفاظ لکھے ہوں تو مفتی کو اختیار ہے کہ اس قول پر فتویٰ دے یا اس کے مخالف قول پر جس پر چاہے، اور جب کسی روایت کے بعد لفظ صحیح، یا ماخوذ بہ، یا بہ یفتی یا علیہ الفتوی لکھا ہو تو مفتی اس کے خلاف فتویٰ نہ دے، لیکن جب ہدایہ میں ھو الصحیح لکھا ہو اور کافی میں اس کے مخالف روایت ہو اور اس کے بعد بھی صحیح لکھا ہو تو اس وقت مفتی کو اختیار ہے کہ جو روایت اپنے نزدیک زیادہ قوی، زیادہ لائق اور زیادہ درست سمجھے اسی کو اختیار کر لے، پس چاہیئے کہ اس کو یاد رکھیں۔ اور شیخ قاسم نے اپنی تصحیح میں جو ذکر کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ روایت کے اختیار کرنے میں جو تفصیل بیان کی گئی ہے اس میں مفتی اور قاضی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، ہاں صرف اتنا فرق ہے کہ مفتی شرعی حکم کو صرف بتانے والا ہے اور قاضی اس حکم کو نافذ کرنے والا ہے (کیونکہ قاضی صاحب اختیار ہوتا ہے، عمل نہ کرنے کی صورت میں قید بھی کر سکتا ہے) اور قول مرجوح کے مطابق فیصلہ کرنا یا اس کے مطابق فتویٰ دینا جہالت اور اجماع امت کے خلاف ہے اور چند مذہب سے ملا جلا کر فیصلہ کرنا بالاتفاق باطل ہے اور عمل کرنے کے بعد تقلید سے رجوع کرنا بالاتفاق باطل ہے اور مذہب میں یہی مختار ہے اور بلاشبہ خلاف مخصوص ہے قاضی مجتہد کے ساتھ اور رہا مقلد تو اس کا فیصلہ اپنے مذہب کے خلاف بالکل نافذ نہ ہوگا جیسا کہ قنیہ میں ہے۔

مختصر تشریح قولہ: لافرق بین المفتی و القاضی: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مفتی اور قاضی بالکل آزاد نہیں ہیں کہ جس قول پر چاہیں عمل کریں بلکہ مفتی اور قاضی دونوں پر لازم ہے کہ وہ راجح اور اصح قول پر عمل کریں اور اسی کے مطابق فیصلہ کریں، راجح قول کو چھوڑ کر مرجوح پر عمل کرنا نہ اپنے معاملہ میں جائز ہے اور نہ ہی دوسرے کے معاملہ میں جائز ہے اس لیے کہ قول مرجوح منسوخ کے حکم میں ہوتا ہے، ہاں اگر کوئی مجبوری یا مصلحت کے پیش نظر مرجوح قول پر عمل ہو تو جائز ہے لیکن بلا وجہ درست نہیں۔

مفتی اور قاضی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے راجح قول پر عمل کرنے کے اعتبار سے، البتہ مفتی صرف شرعی حکم کو بتانے والا ہوتا ہے عمل کرنا اور عمل نہ کرنا تو مستفتی کا کام ہے، مفتی پر عمل کروانا لازم نہیں ہے اس کے برخلاف قاضی کے پاس قوت تنفیذ بھی ہوتی ہے، لہٰذا قاضی حکم شرعی کو عملاً نافذ کرانے والا ہوتا ہے اور قاضی چونکہ صاحب اختیار ہوتا ہے اس لیے عمل نہ کرنے کی صورت میں اسے قید کر سکتا ہے اور تعزیر بھی کر سکتا ہے۔

تلفیق کا حکم شرعی

تلفیق یعنی دو اماموں کے مذاہب کو ملا کر عمل کرنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے، جمہور علماء اسی کے قائل ہیں، اس لیے کہ اس میں نفسانی خواہشات کی اتباع ہے جو شرعاً ممنوع ہے، تلفیق کی مثال علامہ شامی نے یہ پیش فرمائی ہے کہ ایک شخص باوضو تھا اسکے بدن سے خون نکلا اور اس نے عورت کا مس بھی کیا، اسکے بعد نماز پڑھی، تو اب اسکی نماز کی صحت حنفی وشافعی مذہب سے ہوئی، لہٰذا اس طرح تلفیق باطل ہے اور نماز دونوں اماموں میں سے کسی کے نزدیک بھی نہ ہوگی، اس لیے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خون بہنے سے وضو ٹوٹ گیا اور نماز نہ ہوئی اور امام شافعی کے نزدیک مس عورت سے وضو ٹوٹ گیا اور نماز نہ ہوئی، اب اگر نمازی یہ سمجھے کہ ایک مسئلہ میں حنفی مذہب پر عمل ہوا اور دوسرے مسئلہ میں شافعی مذہب پر تو یہ باطل ہے۔ (شامی ۱/۱۷۷)

اور عمل کے بعد تقلید سے رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک متعین امام کے مسلک کو مان کر اس پر عمل کر کے پھرنا جائز نہیں ہے مثلاً کوئی شخص ظہر کی نماز ایسے وضو سے پڑھے جس میں چوتھائی سر کا مسح کیا تھا اور مقدار مسح عند الاحناف چوتھائی سر ہے لہٰذا نماز ہو جائے گی، اب اگر وہ امام مالکؒ کی تقلید مان کر پورے سر کا مسح ضروری قرار دے اور نماز کو باطل قرار دے تو یہ ناجائز اور باطل ہے۔ (شامی: ۱/۱۷۷)

ہاں اگر کوئی شخص ایک دن کی نماز ایک مذہب کے مطابق ادا کرے اور دوسرے دن چاہے اس کے خلاف ہو کر کسی اور امام کے مذہب کے مطابق عمل کرے اور اس کے مطابق نماز ادا کرے تو بقول علامہ شامی کہ اس کو اس سے منع نہیں کیا جائے گا مگر غور وفکر کے بعد جس مذہب کو بھی اختیار کرے پورے طور پر کرے، یہاں یہ بات واضح ہونی چاہئے کہ جمہور کے نزدیک تقلید شخصی واجب ہے، یعنی کسی ایک متعین امام کی تقلید واجب ہے ان کے تمام اصولوں اور ضوابط کے ساتھ اور قنیہ میں ہے کہ اگر کوئی مقلد اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بالکل نافذ نہ ہوگا، اسی قول کی صاحب فتح القدیر علامہ ابن الہمام اور ان کے شاگرد رشید علامہ قاسم نے توثیق کی ہے، لیکن علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق میں دعویٰ کیا کہ اگر مقلد قاضی اپنے مذہب کے خلاف یا ضعیف روایت کے مطابق یا قول ضعیف کے مطابق فیصلہ کر دے تو نافذ ہو جائے گا اور بزازیہ میں شرح الطحاوی سے نقل کیا ہے اگر قاضی مجتہد نہ ہو اور فیصلہ کر دیا پھر بعد میں معلوم ہوا کہ مذہب کے خلاف ہے تو فیصلہ نافذ ہو جائے گا اور کسی دوسرے کے لیے اس کو توڑنا جائز نہ ہوگا۔

قُلْتُ: وَلَا سِيَّمَا فِي زَمَانِنَا، فَإِنَّ السُّلْطَانَ يَنُصُّ فِي مَنْشُورِهِ عَلَى نَهْيِهِ عَنِ الْقَضَاءِ بِالْأَقْوَالِ الضَّعِيفَةِ، فَكَيْفَ بِخِلَافِ مَذْهَبِهِ فَيَكُونُ مَعْزُولًا بِالنِّسْبَةِ لِغَيْرِ الْمُعْتَمَدِ مِنْ مَذْهَبِهِ، فَلَا يَنْفُذُ قَضَاؤُهُ فِيهِ وَيُنْقَضُ كَمَا بُسِطَ فِي قَضَاءِ الْفَتْحِ وَالْبَحْرِ وَالنَّهْرِ وَغَيْرِهَا. قَالَ فِي الْبُرْهَانِ: وَهَذَا صَرِيحُ الْحَقِّ الَّذِي يُعَضُّ عَلَيْهِ بِالنَّوَاجِذِ، نَعَمْ أَمْرُ الْأَمِيرِ مَتَى صَادَفَ فَصْلًا مُجْتَهَدًا فِيهِ نَفَذَ أَمْرُهُ، كَمَا فِي سِيَرِ التَّاتَارْخَانِيَّةِ وَشَرْحِ السِّيَرِ الْكَبِيرِ فَلْيُحْفَظْ. وَقَدْ ذَكَرُوا أَنَّ الْمُجْتَهِدَ الْمُطْلَقَ قَدْ فُقِدَ، وَأَمَّا الْمُقَيَّدُ فَعَلَى سَبْعِ مَرَاتِبَ مَشْهُورَةٍ. وَأَمَّا نَحْنُ فَعَلَيْنَا اتِّبَاعُ مَا رَجَّحُوهُ وَمَا صَحَّحُوهُ كَمَا لَوْ أَفْتَوْا فِي حَيَاتِهِمْ.

ترجمہ اور میں کہتا ہوں کہ خصوصیت کے ساتھ اس زمانے میں اس لیے بادشاہ اپنے منشور میں صراحت کرتا ہے کہ اقوالِ ضعیفہ پر فیصلہ نہ کیا جائے، اس کے باوجود اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے، پس اپنے مذہب کے غیر مستند قول کی بنیاد پر معزول قرار پائے گا، لہٰذا اپنے مذہب کے خلاف اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا اور وہ فیصلہ توڑ دیا جائے گا جیسا کہ فتح القدیر، البحر الرائق، اور النہر الفائق کی کتاب القضاء میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے اور ابراہیم طرابلسی نے مواہب الرحمان کی شرح برھان میں لکھا ہے کہ یہ قول حق اور صریح ہے اس کو مضبوطی سے تھامنا چاہئے، ہاں اگر کسی حاکم کا حکم ایسی صورت میں ہو کہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہو تو اس میں اس کا حکم نافذ ہوگا جیسا کہ فتاویٰ تاتارخانیہ کی کتاب السیر اور شرح السیر الکبیر میں موجود ہے پس اس کو یاد کرلو۔

اور علماء نے بیان کیا ہے کہ مجتہد مطلق کا دور ختم ہوچکا ہے، رہا مجتہد مقید تو اس کے مشہور سات درجے ہیں اور رہے ہم لوگ تو ہمارے اوپر ان کے قول کی پیروی لازم ہے جس کی علمائے مُرَجِّحِین نے ترجیح اور تصحیح کی ہے جیسا کہ اگر وہ لوگ اپنی زندگی میں فتویٰ دیتے تو ان کے فتویٰ پر عمل کرنا ہمارے اوپر لازم ہوتا۔

مختصر تشریح علامہ حصکفی فرماتے ہیں کہ مجتہدین مطلق تو ختم ہوچکے ہیں، کوئی بھی مجتہد مطلق اب باقی نہ رہا، ہاں مجتہد مقید تو اس کا دور باقی ہے، لیکن علامہ طحطاوی نے لکھا ہے کہ مجتہدین مطلق کا پایا جانا غیر ممکن نہیں ہے بلکہ پایا جاسکتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان کسی خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے لہٰذا اس کا پایا جانا ممکن ہے۔

اور محقق احمد بن کمال پاشا نے اپنے بعض رسائل میں یہ بات لکھی ہے کہ مفتی کے لیے ضروری ہے کہ ان فقہائے کرام کے حالات ان کے درجات سے واقف اور باخبر ہو جن کے قول پر وہ فتویٰ دے گا اور صرف ان فقہاء کے نام ونسب کا معلوم ہونا کافی نہیں ہے بلکہ یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ روایت اور درایت میں کس کا کیا مقام ہے اور طبقات فقہاء میں سے کس طبقہ سے تعلق رکھتا ہے تاکہ پوری بصیرت کے ساتھ دو مخالف قولوں کے درمیان تمیز کرسکے اور پھر فتویٰ ان کے قول پر دے۔

فقہائے مجتہدین کے طبقاتِ سبعہ

حضراتِ فقہائے مجتہدین کے سات درجے ہیں اور ان میں مجتہد مطلق بھی شامل ہے اور وہ سات طبقات درج ذیل ہیں:

طبقۂ اولیٰ: مجتہدین مطلق:

یہ وہ حضرات ہیں جو اصول وفروع میں کسی بھی امام اور مجتہد کے پیروکار نہ ہوں، جیسے ائمہ اربعہ اور وہ تمام مجتہدین جو ان کی روش پر چلے ہیں۔

طبقۂ ثانیہ: مجتہدین فی المذہب:

وہ فقہائے کرام جنھوں نے اصول وقواعد میں تو اپنے استاذ کا اتباع کیا اور ان ہی اصول کے پیش نظر ادلہ اربعہ سے جزئیات کی تخریج کی اور بعض جزئیات میں اپنے استاذ کے مخالف بھی ہو گئے لیکن ان کے اصول کو ہر مقام پر مضبوطی سے تھامے رہے ہیں، جیسے امام ابو یوسفؒ، امام محمد اور امام ابوحنیفہؒ کے تمام تلامذہ۔

طبقۂ ثالثہ: مجتہدین فی المسائل:

جن مسائل میں امام اعظم اور ان کے تلامذہ سے کوئی روایت منقول نہ ہو ان میں جو فقہائے کرام اپنے اجتہاد سے ان کے احکام بیان کرتے ہیں لیکن امام اعظم کے نہ اصول میں مخالفت کرتے ہیں نہ فروع میں ان کو مجتہدین فی المسائل کہتے ہیں۔ جیسے: خصاف، طحاوی، ابوالحسن الکرخی، شمس الائمہ حلوانی، شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی، فخر الدین قاضی خاں وغیرہ۔

طبقۂ رابعہ: اصحاب التخریج:

وہ فقہائے کرام جو اجتہاد کی صلاحیت تو نہیں رکھتے، لیکن اصول اور مآخذ کو محفوظ رکھنے کی بنا پر اتنی قدرت ضرور رکھتے ہیں کہ ذووجہین یا مجمل قول کی تعیین وتفصیل کرسکیں اور نظائر فقہیہ اور قواعد مذہب پر نظر کر کے اپنی ذمہ داری انجام دینے کے اہل ہوں تو انہیں "اصحاب التخریج" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس طبقہ کے لوگوں میں امام احمد بن علی بن ابوبکر الجصاص الرازی (متوفی: ۳۷۰ھ) اور ان جیسے حضرات کا نام لیا جاسکتا ہے۔

طبقۂ خامسہ: اصحاب الترجیح:

اس طبقہ کے فقہاء کا کام یہ ہے کہ وہ مذہب کی بعض روایات کو دوسری بعض روایات پر اپنے قول: هذا أولى، هذا أصح اور هذا أوضح وغیرہ کلمات کے ذریعہ ترجیح دیتے ہیں۔ علامہ ابن کمال پاشا نے اس طبقہ سے انتساب رکھنے والوں میں امام احمد بن محمد بن احمد ابوالحسن القدوری (متوفی: ۴۲۸ھ) اور صاحب ہدایہ علامہ علی بن ابی بکر المرغینانی (متوفی: ۵۹۳ھ) کو شمار کیا ہے۔

طبقۂ سادسہ: اصحاب التمیز:

ان حضرات کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ مذہب کی مضبوط اور بعض کمزور روایات میں فرق و امتیاز کرتے ہیں اور ظاہر الروایہ، ظاہر مذہب اور روایات نادرہ کی پہچان رکھتے ہیں، اکثر اصحاب متون اسی طبقہ سے وابستہ ہیں، مثلاً صاحب کنز الدقائق علامہ عبداللہ ابن احمد النسفی (متوفی: ۷۱۰ھ) اور صاحب مختار عبداللہ بن محمد الموصلی (متوفی: ۶۸۳ھ) اور صاحب وقایہ تاج الشریعہ محمود بن صدر الشریعہ (متوفی: ۷۴۷ھ) وغیرہ، یہ حضرات اپنی تصنیفات میں مردود اور غیر معتبر اقوال نقل کرنے سے احتراز کرتے ہیں۔

طبقۂ سابعہ: اصحاب المقلدین:

جو حضرات گذشتہ طبقات میں سے کسی بھی ذمہ داری کو اُٹھانے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں انہیں ساتویں طبقہ میں رکھا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ لوگ فقیہ نہیں بلکہ محض ناقل فتاوی ہیں۔ آج کل کے اکثر مفتیانِ کرام کا تعلق اسی طبقہ سے ہے، اس لیے اس طبقہ کے لوگوں پر پورا احتیاط لازم ہے جب تک مسئلہ منقح نہ ہو جواب دینے سے انہیں گریز کرنا چاہیے۔ (شامی: ۱/ ۱۸۰)

فَإِنْ قُلْتَ: قَدْ يَحْكُونَ أَقْوَالًا بِلَا تَرْجِيحٍ، وَقَدْ يَخْتَلِفُونَ فِي الصَّحِيحِ. قُلْتُ: يُعْمَلُ بِمِثْلِ مَا عَمِلُوا مِنَ اعْتِبَارِ تَغَيُّرِ الْعُرْفِ وَأَحْوَالِ النَّاسِ، وَمَا هُوَ الْأَوْفَقُ وَمَا ظَهَرَ عَلَيْهِ التَّعَامُلُ وَمَا قَوِيَ وَجْهُهُ، وَلَا يَخْلُو الْوُجُودُ عَمَّنْ يُمَيِّزُ هَذَا حَقِيقَةً لَا ظَنًّا، وَعَلَى مَنْ لَمْ يُمَيِّزْ أَنْ يَرْجِعَ لِمَنْ يُمَيِّزُ لِبَرَاءَةِ ذِمَّتِهِ، فَنَسْأَلُ اللّٰهَ تَعَالَى التَّوْفِيقَ وَالْقَبُولَ، بِجَاهِ الرَّسُولِ، كَيْفَ لَا وَقَدْ يَسَّرَ اللّٰهُ تَعَالَى ابْتِدَاءَ تَبْيِيضِهِ فِي الرَّوْضَةِ الْمَحْرُوسَةِ، وَالْبُقْعَةِ الْمَأْنُوسَةِ، تُجَاهَ وَجْهِ صَاحِبِ الرِّسَالَةِ، وَحَائِزِ الْكَمَالِ وَالْبَسَالَةِ، وَضَجِيعَيْهِ الْجَلِيلَيْنِ الضِّرْغَامَيْنِ الْكَامِلَيْنِ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا -، وَعَنْ سَائِرِ الصَّحَابَةِ أَجْمَعِينَ، وَوَالِدِينَا وَمُقَلِّدِيهِمْ بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ، ثُمَّ تُجَاهَ الْكَعْبَةِ الشَّرِيفَةِ تَحْتَ الْمِيزَابِ، وَفِي الْحَطِيمِ وَالْمَقَامِ، وَاللّٰهُ الْمُيَسِّرُ لِلتَّمَامِ.

ترجمہ: لیکن اگر تم اعتراض کرو کہ یہ حضرات فقہائے کرام کبھی کبھی اقوال بلا ترجیح بھی بیان کر دیتے ہیں اور کبھی تصحیح میں اختلاف بھی کرتے ہیں (تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے گا؟) تو میں اس کا جواب دوں گا کہ مذکورہ صورت میں اسی طرح عمل کرو جس طرح علمائے سابقین نے عمل کیا ہے، یعنی عرف زمانہ اور لوگوں کے احوال بدلنے کا اعتبار ہوگا۔ اسی طرح اس قول کا بھی اعتبار ہوگا جو لوگوں کے لیے آسان تر ہو گیا ہو یا جس پر لوگوں کا عمل ظاہر ہو گیا ہو، اور جس کی دلیل مضبوط ہو اور زمانہ اس شخص سے کبھی خالی نہ ہوگا جو عرف زمانہ اور تغیر احوال الناس میں تمیز نہ کر سکے۔ اور وہ شخص جس کو اس کی تمیز حاصل نہ ہو اس پر لازم ہے کہ اہل تمیز کی طرف رجوع کرے تاکہ وہ بری الذمہ قرار پائے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات سے رسولِ اکرم ﷺ کے صدقہ طفیل میں قبول و توفیق کی درخواست

کرتے ہیں اور یہ کتاب کیوں مقبول نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے مسودہ کی تبییض کی ابتداء کی روضۂ انور اور بقعہ مبارکہ میں بیٹھ کر خود رسول اکرم ﷺ کے روبرو جو جامع کمالات وشجاعت ہیں اور آپ کے جلیل القدر دو شیر کامل الوجود کے سامنے توفیق عطا فرمائی، اور مسودہ کو صاف کرنا سہل فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں جلیل القدر صحابی اور دوسرے تمام صحابہ کرام سے اور ہمارے والدین اور ان اصحاب کے پیروی کرنے والے سے تاقیامت راضی اور خوش رہے۔ پھر اس کے مسودہ کے صاف کرنے کی ابتداء کعبہ شریفہ کے سامنے میزابِ رحمت کے نیچے اور حطیم اور مقام ابراہیم میں ہوئی اللہ تعالیٰ ہی اس کتاب کی تکمیل کو آسان کرنے والا ہے۔

مختصر تشریح فان قلت: سے علامہ حصکفی جو بیان کرنا چاہ رہے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ بعض مرتبہ فقہائے کرام بلا ترجیح وبلا تصحیح کے کچھ اقوال نقل کر دیتے ہیں اور کبھی تصحیح وترجیح میں اختلاف کر بیٹھتے ہیں تو ایسی صورت میں کس طرح عمل کیا جائے گا؟

علامہ علاء الدین حصکفی اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں اس بات پر غور وفکر کرے کہ کون سا قول عمل کے زیادہ لائق ہے اور کس پر عمل لوگوں کے لیے آسان ہوگا یا کون سا قول آج کل رائج ہے یا کون سا قول دلیل کے اعتبار سے مضبوط ہے، جس قول میں بھی ان میں سے کوئی خوبی نظر آئے اس پر عمل کرے اور اتنی بات کو سمجھنے والے علماء تو ہر زمانے میں پائے جاتے ہیں باقی اگر کسی کے اندر عرف زمانہ اور لوگوں کے احوال کی تبدیلی کے سمجھنے کی بھی صلاحیت نہ ہو تو وہ اہل تمیز کی طرف رجوع کریں۔ اور ان کے قول پر عمل کریں اور اگر بآسانی ایسے لوگ بھی نہ مل سکیں تو پھر امام اعظم کے قول پر عمل کریں۔ پھر امام ابو یوسفؒ کے قول پر، پھر امام محمد کے قول پر عمل کریں، جیسا کہ اس سے قبل یہ ترتیب بیان ہو چکی ہے۔

اخیر میں صاحب درمختار نے اپنی کتاب کی قبولیت کے لیے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی ہے اور چونکہ اس کتاب کی ابتداء روضۂ رسول ﷺ کے سامنے ہوئی اور کعبہ شریفہ میں میزابِ رحمت کے نیچے اور حطیم اور مقام ابراہیم کے سامنے بھی اس کارِ خیر کو انجام دیا گیا ہے، یہ تمام مقامات مقدس اور بابرکت ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ اس کتاب کو شرفِ قبولیت سے نواز کر اپنی رضا کا ذریعہ اور سبب بنائیں گے اور نجات کا سامان قرار دے کر جنت کی دائمی نعمت سے سرفراز فرمائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

ابو حماد غلام رسول منظور القاسمی پہرادی

کِتَابُ الطَّهَارَةِ

یہ کتاب پاکی وناپاکی کے بیان میں ہے۔یعنی اس کتاب کے اندر حدث اصغر اور حدث اکبر سے پاکی حاصل کرنے کا طریقہ بیان ہوگا۔نیز نجاست غلیظہ اور نجاست خفیفہ سے طہارت حاصل کرنے کا ذکر ہوگا اور اسی کے ساتھ ساتھ احکام وضو، احکامِ غسل، احکام کنواں، مسائل تیمم، مسائل خفین اور حیض سے متعلق ضروری احکام بھی بیان کئے جائیں گے۔

قُدِّمَتْ الْعِبَادَاتُ عَلَى غَيْرِهَا اهْتِمَامًا بِشَأْنِهَا، وَالصَّلَاةُ تَالِيَةُ لِلْإِيمَانِ وَالطَّهَارَةُ مِفْتَاحُهَا بِالنَّصِّ، وَشَرْطٌ بِهَا مُخْتَصٌّ، لَازِمٌ لَهَا فِي كُلِّ الْأَرْكَانِ، وَمَا قِيلَ قُدِّمَتْ لِكَوْنِهَا شَرْطًا لَا يَسْقُطُ أَصْلًا، وَلِذَا فَاقِدُ الطَّهُورَيْنِ يُؤَخِّرُ الصَّلَاةَ، وَمَا أُورِدَ مِنْ أَنَّ النِّيَّةَ كَذَلِكَ مَرْدُودٌ كُلُّ ذَلِكَ أَمَّا النِّيَّةُ فَفِي الْقُنْيَةِ وَغَيْرِهَا: مَنْ تَوَالَتْ عَلَيْهِ الْهُمُومُ تَكْفِيهِ النِّيَّةُ بِلِسَانِهِ. وَأَمَّا الطَّهَارَةُ، فَفِي الظَّهِيرِيَّةِ وَغَيْرِهَا مَنْ قُطِعَتْ يَدَاهُ وَرِجْلَاهُ وَبِوَجْهِهِ جِرَاحَةٌ يُصَلِّي بِلَا وُضُوءٍ وَلَا تَيَمُّمٍ وَلَا يُعِيدُ، قَالَ بَعْضُ الْأَفَاضِلِ فِي الْأَصَحِّ.

ترجمہ عبادات کو معاملات پر مقدم کیا گیا ہے اس کے عظیم الشان ہونے کی وجہ سے، اور نماز ایمان کے بعد دوسرا درجہ ہے اور طہارت نماز کے لیے کنجی ہے، حدیث شریف کی صراحت کی وجہ سے اور طہارت ایک ایسی شرط ہے جو نماز کے لازم اور اس کے تمام ارکان کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ طہارت کو اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ طہارت ایسی شرط ہے جو بالکل ساقط نہیں ہوتی ہے اسی وجہ سے فاقد الطہورین نماز کو مؤخر کرے گا اور یہ جو اعتراض کیا گیا ہے کہ نیت بھی اسی درجہ میں ہے کبھی ساقط نہیں ہوتی ہے یہ تمام باتیں مردود ہیں، بہرحال نیت تو اس کے متعلق قنیہ وغیرہ میں ہے کہ جس شخص پر مسلسل غموں کا ہجوم رہتا ہوں تو اس کے لیے محض زبان سے نیت کرلینا کافی ہے، رہی طہارت کی بات تو اس کے متعلق ظہیریہ وغیرہ میں یہ ہے کہ جس شخص کے دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہوں اور چہرے میں زخم ہو تو اس کے لیے بغیر وضو اور بغیر تیمم کے نماز پڑھنا جائز ہے اور اصح قول کے مطابق اس نماز کا اعادہ بھی نہیں کرے گا۔

مختصر تشریح علامہ شامی صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں کہ امورِ دین کا مدار پانچ چیزوں پر ہے: (۱) اعتقادات (۲) آداب (۳) عبادات (۴) معاملات (۵) عقوبات۔لیکن آداب اور اعتقادات کی بحث علم فقہ میں داخل ہی نہیں ہے۔رہی عبادات تو وہ پانچ ہیں: (۱) نماز (۲) زکوۃ (۳) روزہ (۴) حج (۵) جہاد۔ اسی طرح معاملات بھی پانچ ہیں: (۱) معاوضاتِ مالیہ (۲) مناکحات (۳) مخاصمات (۴) امانات (۵) ترکات۔ اسی طرح عقوبات بھی پانچ ہیں: (۱) قصاص (۲) حد سرقہ (۳) حد قذف (۴) حد زنا (۵) حد ارتداد۔

کتاب الطہارۃ کو مقدم کرنے کی وجہ

حضرات فقہائے کرام طہارت کی بحث کو اس لیے مقدم کرتے ہیں کہ تخلیق انسانی کا مقصد قرآن نے عبادت الٰہی قرار دیا ہے، چناں چہ ارشادِ ربانی ہے {وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ} کہ میں نے انسانوں اور جناتوں کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور تمام عبادتوں میں سب سے اہم ترین عبادت نماز ہے، حدیث شریف میں اقرار توحید و رسالت کے بعد سب سے اہم چیز نماز کو قرار دیا ہے اور نماز عمل کے اعتبار سے بھی سب سے مقدم ہے بایں طور کہ عاقل و بالغ ہونے کے بعد ہر مسلمان پر خواہ وہ مرد ہو یا عورت، غریب ہو یا امیر، بادشاہ ہو یا فقیر، سب پر نماز یکساں طور پر فرض ہے اس کے برخلاف زکوۃ، حج، روزہ، جہاد کا نمبر بعد میں آتا ہے۔ اور وجوب کے اعتبار سے بھی نماز ہی مقدم ہے لیکن اس عظیم الشان عبادت الٰہی نماز کی ادائے گی کے لیے شریعت نے طہارت کو شرط، لازم اور جزو لاینفک قرار دیا ہے، رسول اکرم ﷺ نے طہارت کو نماز کی کنجی بتایا ہے بغیر طہارت کے نماز درست نہیں ہوتی ہے، نماز کے جملہ ارکان میں طہارت کا پایا جانا ضروری ہے اس لیے فقہاء نماز کی بحث کا آغاز کرنے سے قبل طہارت کی بحث کا آغاز کرتے ہیں، طہارت چونکہ صحت نماز کے لیے شرط ہے اور قاعدہ ہے "الشرطُ یتقدّمُ علی المَشروطِ" اس لیے طہارت کی بحث کو مقدم فرمایا ہے۔

تقدیم طہارت کی وجوہ پر اعتراض

صاحب درمختار نے کتاب الطہارت کی تقدیم کی وجہ جو بیان فرمائی ہے اس پر اعتراض ہے کہ اگر طہارت ایسی شرط ہے جو کبھی بھی ساقط نہیں ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی جگہ ہو جہاں نہ پانی ہو نہ مٹی تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ نماز کو مؤخر کردے، اسی طرح تو نیت کا بھی حال ہے کہ وہ کسی حال میں ساقط نہیں ہوتی ہے، پھر طہارت کو کیوں مقدم فرمایا ہے؟ نیت کو کیوں مقدم نہیں فرمایا ہے؟

اس کا جواب صاحب کتاب نے یہ دیا ہے کہ یہ سمجھنا کہ طہارت کے بغیر نماز نہیں ہوتی ہے یا نیت کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی ہے درست نہیں ہے، اس لیے کہ طہارت کے بغیر اور نیت کے بغیر بھی مجبوری کے وقت نماز پڑھنے کی اجازت ہے مثلاً: ایک شخص ایسا ہے کہ اس کے دونوں ہاتھ پاؤں کٹے ہیں اور چہرہ زخم خوردہ ہے تو اس کے بارے میں فتاویٰ ظہیریہ میں صراحت ہے کہ ایسا شخص بغیر وضو اور بغیر تیمم کے نماز ادا کرے گا اور اچھا ہونے کے بعد اس پر نماز کا اعادہ بھی نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ طہارت بھی ساقط ہو جاتی ہے یا کسی شخص پر غموں کا ہجوم ہے اور وہ صرف زبان سے نیت کرلے، دل سے ارادہ کرنا ممکن نہ ہو سکے تو اس کے لیے زبان سے نیت ہی کافی ہے۔

وَأَمَّا فَاقِدُ الطَّهُورَيْنِ، فَفِي الْفَيْضِ وَغَيْرِهِ أَنَّهُ يَتَشَبَّهُ عِنْدَهُمَا، وَإِلَيْهِ صَحَّ رُجُوعُ الْإِمَامِ وَعَلَيْهِ

الْفَتْوَى. قُلْتُ: وَبِهِ ظَهَرَ أَنَّ تَعَمُّدَ الصَّلَاةِ بِلَا طُهْرٍ غَيْرُ مُكَفِّرٍ كَصَلَاتِهِ لِغَيْرِ الْقِبْلَةِ أَوْ مَعَ ثَوْبٍ نَجَسٍ، وَهُوَ ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ كَمَا فِي الْخَانِيَةِ، وَفِي سِيَرِ الْوَهْبَانِيَّةِ:

وَفِي كُفْرِ مَنْ صَلَّى بِغَيْرِ طَهَارَةٍ ☆ مَعَ الْعَمْدِ خَلْفٌ فِي الرِّوَايَاتِ يُسْطَرُ

ترجمہ بہر حال فاقد الطہورین کا مسئلہ تو اس کے متعلق فیض وغیرہ میں ہے کہ حضرات صاحبین کے نزدیک وہ دوسرے نمازیوں کی طرح تشبہ اختیار کر کے قیام وقعود کرے گا اور حضرت امام اعظم سے اسی قول کی طرف رجوع کرنا اصح قول کے مطابق ثابت ہے اور فتویٰ بھی اسی قول پر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس جزئیہ سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر بغیر طہارت کے نماز ادا کرلے یا ناپاک کپڑے میں نماز ادا کرے تو وہ کافر نہ ہوگا جس طرح غیر قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے والا اور ناپاک کپڑے کے ساتھ نماز ادا کرنے والا کافر نہیں ہوتا ہے اور یہی ظاہر مذہب ہے جیسا کہ فتاویٰ خانیہ میں ہے اور سیر وہبانیہ میں ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر بغیر طہارت کے نماز ادا کرے تو اس کے کفر میں روایات مختلف ہیں جو کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔

مختصر تشریح خلاصہ بحث یہ ہے کہ فاقد الطہورین شخص وقت کے احترام میں نمازیوں کی طرح تشبہ اختیار کرے گا اور قیام ورکوع وسجود ادا کرے گا اور نماز کے تمام ارکان بجالائے گا گویا نماز ادا کر رہا ہے، لیکن بعد میں جب پانی یا پاک مٹی مل جائے تو نماز کا اعادہ کرے، اسی قول پر فتویٰ بھی ہے اس سے یہ جزئیہ معلوم ہوا کہ ناپاکی کی حالت میں کاہلی اور جہالت کی وجہ سے اگر کوئی شخص عمداً نماز ادا کرے تو اس کو کافر نہیں کہا جائے گا جس طرح غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھنے والے کو کافر نہیں کہا جاسکتا ہے، اس لیے کہ حضرات فقہائے کرام نے یہ صراحت کی ہے کہ اگر کسی میں ننانوے وجوہ کفر کی ہوں اور صرف ایک وجہ ایمان کی ہو تو ایمان والی وجہ کو لے کر اس کو مومن ہی قرار دیا جائے گا خواہ ایمان والی وجہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو، ہاں اگر کوئی شخص ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھنے کو حلال سمجھے یا ازراہِ مذاق واستخفاف ایسا عمل کرے تو باعث کفر ہوگا اور وہ شخص حرام شئ کو حلال سمجھنے کی وجہ سے اور امور شریعت کے استخفاف کرنے کی وجہ سے کافر ہوگا اور شرعی اعتبار سے تجدید ایمان کی ضرورت ہوگی اور اس پر توبہ واستغفار بھی لازم ہوگا۔

ثُمَّ هُوَ مُرَكَّبٌ إِضَافِيٌّ مُبْتَدَأٌ أَوْ خَبَرٌ أَوْ مَفْعُولٌ لِفِعْلٍ مَحْذُوفٍ، فَإِنْ أُرِيدَ بِهِ التَّعْدَادُ بُنِيَ عَلَى السُّكُونِ وَكُسِرَ تَخَلُّصًا مِنَ السَّاكِنَيْنِ وَإِضَافَتُهُ لَامِيَّةٌ لَا مِيمِيَّةٌ. وَهَلْ يَتَوَقَّفُ حَدُّهُ لَقَبًا عَلَى مَعْرِفَةِ مُفْرَدَيْهِ؟ الرَّاجِحُ نَعَمْ، فَالْكِتَابُ مَصْدَرٌ بِمَعْنَى الْجَمْعِ لُغَةً، جُعِلَ شَرْعًا عُنْوَانًا لِمَسَائِلَ مُسْتَقِلَّةٍ. بِمَعْنَى الْمَكْتُوبِ. وَالطَّهَارَةُ مَصْدَرُ طَهُرَ بِالْفَتْحِ وَبِضَمٍّ: بِمَعْنَى النَّظَافَةِ لُغَةً، وَلِذَا أَفْرَدَهَا. وَشَرْعًا النَّظَافَةُ عَنْ حَدَثٍ أَوْ خَبَثٍ وَمَنْ جَمَعَ نَظَرَ لِأَنْوَاعِهَا وَهِيَ كَثِيرَةٌ. وَحُكْمُهَا شَهِيرَةٌ. وَحُكْمُهَا اسْتِبَاحَةُ مَا لَا يَحِلُّ بِدُونِهَا

ترجمہ پھر یہ بات واضح رہے کہ "کتاب الطہارۃ" مرکب اضافی ہے اور ترکیب میں کتاب الطہارۃ یا تو مبتدا ہے یا خبر، یا کسی فعل محذوف کا مفعول ہے، پھر اگر کتاب الطہارۃ کے لفظ سے تعداد مراد ہے تو کتاب کے اخیر حرف پر سکون ہوگا اور اجتماع ساکنین سے بچنے کے لیے زیر دیا جاتا ہے۔ اور کتاب الطہارۃ میں اضافت لامیہ ہے میمیہ نہیں، اور کتاب الطہارۃ جب کہ مسائل کا نام اور لقب ہو تو کیا اس کی تعریف اس کے دونوں معنی کے جاننے پر موقوف ہے؟ جی ہاں راجح یہی ہے کہ اس کے جاننے پر موقوف ہے، پس کتاب مصدر ہے جو لغت میں جمع کے معنی میں ہے اور اصطلاح اہل شرع میں کتاب کو مستقل مسائل کا عنوان اور لقب دیا گیا ہے مکتوب کے معنی میں اور طہارت مصدر ہے جس کے معنی لغوی نظافت کے ہیں اور ضمہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ آتا ہے اور اسی وجہ سے طہارۃ کو مفرد لائے ہیں۔ اور شریعت کی اصطلاح میں طہارت نجاست حقیقی اور نجاست حکمی سے پاک ہونے کا نام ہے اور جن لوگوں نے طہارت کو جمع استعمال کیا ہے انھوں نے طہارت کی انواع کی طرف نظر کرتے ہوئے جمع ذکر کیا ہے اس لیے کہ طہارت کی انواع بہت زیادہ ہیں اور اس کا حکم مشہور ہے اور وہ یہ ہے کہ جو چیزیں طہارت کے بغیر حلال نہیں ہیں وہ حلال ہو جائیں۔

مختصر تشریح علامہ حصکفی فرماتے ہیں کہ کتاب الطہارۃ ترکیبی اعتبار سے مرکب اضافی ہے۔ کتاب مضاف ہے اور الطہارۃ مضاف الیہ ہے اور مرکب اضافی کے بعد یا تو مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے یا خبر ہے مبتدا محذوف ہے، یعنی هٰذا كِتَابُ الطَّهارةِ - یا - كِتَابُ الطَّهارةِ هٰذا۔ یا پھر کسی فعل محذوف کا مفعول ہے، مثلاً: خُذْ كِتَابَ الطَّهارَةِ. پہلی دوصورت میں جملہ اسمیہ خبریہ ہوگا اور اخیر کی صورت میں جملہ فعلیہ انشائیہ ہوگا اور مفعول ہونے کی وجہ سے کتاب پر نصب ہوگا۔

آگے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اضافت کی تین قسمیں ہیں: (۱) اضافت لامیہ، یعنی اگر مضاف اور مضاف الیہ میں تباین ہے تو اضافت لام کے ساتھ ہوگی تا کہ اختصاص پر دلالت کرے، جیسے: غُلَامُ زَيْدٍ، أي غُلامٌ لِزَيْدٍ۔ یعنی وہ غلام جو زید کے لیے مخصوص ہے۔ اور اگر مضاف، مضاف الیہ کا عین ہے تو اضافت "مِن" کے ساتھ ہوگی جیسے خَاتَمُ فِضَّةٍ أي خاتمٌ مِنْ فِضَّةٍ (چاندی کی انگوٹھی)۔ اور اگر مضاف، مضاف الیہ کا ظرف ہے تو اضافت بمعنی "فِي" ہوگی، جیسے: صَومُ اليَومِ أي صَومٌ فِي اليَومِ (دن کا روزہ)۔ اور کتاب الطہارۃ میں اضافت لامیہ ہے تقدیری عبارت اس طرح ہوگی: كِتاب وضع لبيان مسائل الطهارة۔ اور ماتن نے اپنی کتاب منح الغفار میں صراحت کی ہے کہ اضافت بمعنی فی زیادہ بہتر ہے اور معنی ہوگا وہ کتاب جو طہارت کے بیان میں ہے۔

مصنف کتاب فرماتے ہیں کہ جب کسی شئی کا نام مرکب رکھ دیا جائے تو اس کی تعریف اس کے اجزاء کے معنی جاننے پر موقوف ہے یا نہیں؟ تو مصنف فرماتے ہیں کہ راجح قول یہ ہے کہ مرکب کا جاننا اس کے اجزاء کے جاننے پر موقوف ہے، اسی قول کی بنیاد پر مصنف آگے تشریح فرماتے ہیں کہ کتاب کے ایک لغوی معنی ہیں اور ایک اصطلاحی معنی ہیں، لغت میں کتاب کے معنی جمع

کرنے کے ہیں، اور کتاب مصدر ہے۔ اور اصطلاحِ شرع میں کتاب اس کو کہتے ہیں جس کے تحت کچھ مستقل مسائل بیان کئے جائیں جو مسائل مختلف انواع کو شامل ہوں۔

اور طہارت کے لغوی معنی: نظافت اور پاکیزگی کے ہیں اور شریعت میں نجاست حقیقی ونجاست حکمی سے پاک ہونا طہارت ہے اور مصنف نے طہارت کو واحد ذکر کیا ہے اور کچھ فقہائے کرام نے ''طہارات'' بصیغۂ جمع ذکر کیا ہے اس کے انواع: وضو، غسل، تیمم، نجاستوں سے طہارت حاصل کرنا وغیرہ کی طرف اشارہ کرنے کیلئے۔ اور طہارت کا حکم یہ ہے کہ جو عبادتیں بغیر طہارت کے درست نہ ہوتی ہوں ان کا حلال ہونا ہے جیسے: نماز پڑھنا، قرآنِ کریم کا مس کرنا وغیرہ۔

(وَسَبَبُهَا) أَيْ سَبَبُ وُجُوبِهَا (مَا لَا يَحِلُّ) فِعْلُهُ فَرْضًا كَانَ أَوْ غَيْرَهُ كَالصَّلَاةِ وَمَسِّ الْمُصْحَفِ (إِلَّا بِهَا) أَيْ بِالطَّهَارَةِ. صَاحِبُ الْبَحْرِ قَالَ بَعْدَ سَرْدِ الْأَقْوَالِ وَنَقْلِ كَلَامِ الْكَمَالِ: الظَّاهِرُ أَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْإِرَادَةُ فِي الْفَرْضِ وَالنَّفْلِ، لَكِنْ بِتَرْكِ إِرَادَةِ النَّفْلِ يَسْقُطُ الْوُجُوبُ ذَكَرَهُ الزَّيْلَعِيُّ فِي الظِّهَارِ. وَقَالَ الْعَلَّامَةُ قَاسِمٌ فِي نُكَتِهِ: الصَّحِيحُ أَنَّ سَبَبَ وُجُوبِ الطَّهَارَةِ وُجُوبُ الصَّلَاةِ أَوْ إِرَادَةُ مَا لَا يَحِلُّ إِلَّا بِهَا (وَقِيلَ) سَبَبُهَا (الْحَدَثُ) فِي الْحُكْمِيَّةِ، وَهُوَ وَصْفٌ شَرْعِيٌّ يَحِلُّ فِي الْأَعْضَاءِ يُزِيلُ الطَّهَارَةَ. مَا قِيلَ إِنَّهُ مَانِعِيَّةٌ شَرْعِيَّةٌ قَائِمَةٌ بِالْأَعْضَاءِ إِلَى غَايَةِ اسْتِعْمَالِ الْمُزِيلِ فَتَعْرِيفٌ بِالْحُكْمِ (وَالْخَبَثُ) فِي الْحَقِيقَةِ وَهُوَ عَيْنٌ مُسْتَقْذَرَةٌ شَرْعًا، وَقِيلَ سَبَبُهَا الْقِيَامُ إِلَى الصَّلَاةِ، وَنُسِبَا إِلَى أَهْلِ الظَّاهِرِ وَفَسَادُهُمَا ظَاهِرٌ.

ترجمہ اور طہارت کے واجب ہونے کا سبب وہ فعل ہے جو طہارت کے بغیر حلال نہ ہوتا ہو خواہ وہ فعل فرض ہو یا اس کے علاوہ، جیسے نماز اور قرآنِ کریم کا مس کرنا ہے، یہ دونوں طہارت کے بغیر جائز نہیں ہیں، اور صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیم مصری نے دیگر علماء کے اقوال اور علامہ ابن الکمال کا قول نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ بظاہر طہارت حاصل کرنے کا فرض اور نفل نماز پڑھنے کا ارادہ کرنا ہے، لیکن نفل کے ارادہ کو ترک کرنے سے وجوب ساقط ہو جاتا ہے، اس کو شارح کنز امام زیلعی نے باب الظہار میں ذکر کیا ہے اور علامہ قاسم نے اپنے نکتہ میں کہا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ طہارت کے واجب ہونے کا سبب نماز کا واجب ہونا ہے یا اس چیز کے کرنے کا ارادہ کرنا ہے جو طہارت کے بغیر حلال نہ ہو۔ اور بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ طہارت کے واجب ہونے کا سبب نجاست حکمی کا پایا جانا ہے اور حدث وہ وصف شرعی ہے جو اعضاء میں سرایت کر کے طہارت ختم کر دیتا ہے اور حدث کی تعریف جنھوں نے ان الفاظ سے کی ہے کہ حدث وہ مانع شرعی ہے جو اعضائے انسانی کے ساتھ اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک کہ کوئی زائل کرنے والا نہ پایا جائے تو یہ تعریف حکم کے ساتھ ہے اور بعض لوگوں نے کہا کہ طہارت کا سبب نجاست حقیقیہ کا پایا جانا ہے۔ اور خبث، شریعت میں جسم دار نجاست کو کہتے۔ اور بعض لوگوں نے کہا کہ طہارت کا سبب نماز کے لیے کھڑا ہونا ہے اور بعد

والے دونوں قول کی نسبت اہل ظاہر کی طرف کی گئی ہے اور ان دونوں قولوں کا فاسد ہونا بالکل ظاہر ہے۔

مختصر تشریح طہارت حاصل کرنا کب واجب ہوتا ہے اس کے کیا اسباب ہیں؟ تو اس کے متعلق صاحب درمختار نے چار اقوال نقل کئے ہیں جو ذیل میں درج ہیں: (۱) وہ فعل جو پاکی کے بغیر ادا نہ ہو خواہ وہ فرض ہو یا اس کے علاوہ (۲) حدث حکمی کا پایا جانا (۳) خبث حقیقی کا پایا جانا (۴) اقامت صلوٰۃ کا ارادہ کرنا۔

اہل ظاہر سے مراد وہ علماء ہیں جو قرآن وحدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہیں اور اجتہاد کا انکار کرتے ہیں، ان میں ابن حزم ظاہری اور داؤد ظاہری زیادہ مشہور ومعروف ہیں، اخیر دو قولوں کی نسبت ان ہی کی طرف کی گئی ہے، مگر اس کا فاسد ہونا بالکل ظاہر ہے اس لیے کہ پہلا قول یعنی طہارت کا سبب حدث وخبث ہے اس کے فساد کی وجہ یہ ہے کہ اس کو سبب ماننے میں دور لازم آتا ہے جو باطل ہے۔

دوسرا قول یعنی طہارت کا سبب قیام الی الصلوٰۃ ہے اس کے فساد کی وجہ یہ ہے کہ ایک وضو متعدد نمازوں کے لیے کافی ہے جب تک آدمی باوضو رہے گا اس کے لیے نماز پڑھنا جائز ہوگا اگر قیام الی الصلوٰۃ سبب طہارت ہو تو لازم آئے گا کہ ہر نماز کے لیے تازہ الگ الگ وضو کیا جائے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ سبب شرط حدث ہے۔

وَاعْلَمْ أَنَّ أَثَرَ الْخِلَافِ إِنَّمَا يَظْهَرُ فِي نَحْوِ التَّعَالِيقِ، نَحْوُ: إِنْ وَجَبَ عَلَيْكِ طَهَارَةٌ فَأَنْتِ طَالِقٌ دُونَ الْإِثْمِ لِلْإِجْمَاعِ عَلَى عَدَمِهِ بِالتَّأْخِيرِ عَنِ الْحَدَثِ، ذَكَرَهُ فِي التَّوْشِيحِ، وَبِهِ انْدَفَعَ مَا فِي السِّرَاجِ مِنْ إِثْبَاتِ الثَّمَرَةِ مِنْ جِهَةِ الْإِثْمِ، بَلْ وُجُوبُهَا مُوَسَّعٌ بِدُخُولِ الْوَقْتِ كَالصَّلَاةِ، فَإِذَا ضَاقَ الْوَقْتُ صَارَ الْوُجُوبُ فِيهِمَا مُضَيَّقًا. وَشَرَائِطُهَا ثَلَاثَةَ عَشَرَ عَلَى مَا فِي الْأَشْبَاهِ شَرَائِطُ وُجُوبِهَا تِسْعَةٌ، وَشَرَائِطُ صِحَّتِهَا أَرْبَعَةٌ، وَنَظَمَهَا شَيْخُ شَيْخِنَا الْعَلَّامَةُ عَلِيٌّ الْمَقْدِسِيُّ شَارِحُ نَظْمِ الْكَنْزِ فَقَالَ:

شَرْطُ الْوُجُوبِ الْعَقْلُ وَالْإِسْلَامُ ... وَقُدْرَةُ مَاءٍ وَالِاحْتِلَامُ

وَحَدَثٌ وَنَفْيُ حَيْضٍ وَعَدَمْ ... نِفَاسِهَا وَضِيقُ وَقْتٍ قَدْ هَجَمْ

وَشَرْطُ صِحَّةٍ عُمُومُ الْبَشَرَةِ ... بِمَائِهِ الطَّهُورِ ثُمَّ فِي الْمَرَّةِ

فَقْدُ نِفَاسِهَا وَحَيْضِهَا وَأَنْ ... يَزُولَ كُلُّ مَانِعٍ عَنِ الْبَدَنْ

ترجمہ اور یہ بات جان لیجئے کہ طہارت کے سبب میں اختلاف کا اثر صرف وہاں ظاہر ہوگا جہاں تعالیق کی طرح چیز پائی جائے گی جیسے اگر شوہر بیوی سے کہے کہ اگر تجھ پر طہارت واجب ہوگی تو تو طلاق والی ہے (لہٰذا جب سبب طہارت پایا جائے گا تو طلاق واقع ہوگی اور سبب طہارت میں چونکہ اختلاف ہے، لہٰذا اسی اختلاف کے ساتھ حکم بھی لاگو ہوگا) اس اختلاف کا سبب گناہ کی شکل میں ظاہر نہ ہوگی اس لیے کہ اس بات پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ حدث وضو اور غسل میں تاخیر کرنے سے گناہ لازم نہیں ہوتا ہے اس

کو توشیح میں ذکر کیا ہے۔اور توشیح کی اس بات سے وہ اشکال دور ہو گیا جو سراج الوہاج میں نقل کیا ہے کہ اختلاف کا ثمرہ گناہ ہے؛ بلکہ وجوب طہارت دخولِ وقت کے بعد کشادہ ہے جیسے کہ نماز کی ادائیگی میں کشادگی ہے، پس جب وقت تنگ ہوگا تو نماز اور طہارت کا وجوب بھی تنگی کے ساتھ ہوگا۔اور طہارت کی شرطیں تیرہ ہیں جیسا کہ الاشباہ والنظائر میں ہے، اس کے واجب ہونے کی شرطیں تو نو ہیں اور اس کی صحت کی شرطیں چار ہیں اور ان شرائط کو ہمارے استاذ کے شیخ علامہ علی مقدسی شارح کنز الدقائق نے نظم میں کر دیا ہے، چناں چہ انھوں نے کہا طہارت کے واجب ہونے کی شرط عقل اور اسلام ہے اور قادر ہونا ہے پانی پر اور احتلام ہے اور حدث کا پایا جانا ہے اور حیض ونفاس کا نہ ہونا ہے اور وقت کا تنگ ہونا ہے جب وہ ٹوٹ پڑے۔اور طہارت کے صحیح ہونے کی شرط تمام کھالوں پر پاک پانی گذارنا ہے ایک مرتبہ۔اور عورت کا حیض ونفاس کی حالت میں نہ ہونا ہے اور یہ کہ بدن سے تمام مانع دور ہو جائے (جو پانی کو کھال تک پہنچنے سے روکنے والی ہو)۔

مختصر تشریح صاحب در مختار علامہ حصکفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وجوبِ طہارت کے اسباب میں جو اختلاف ہے اس کا ثمرہ وہاں ظاہر ہوگا جہاں کسی چیز کو سبب پر معلق کیا گیا ہو، مثال کے طور پر اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جب تجھ پر طہارت واجب ہو تو تجھ کو طلاق ہے تو اس صورت میں جن کے نزدیک وجوبِ طہارت کا سبب ارادہ صلوٰۃ ہے ان کے نزدیک ارادۂ صلوٰۃ ہی سے طلاق واقع ہو جائے گی اور جن کے نزدیک وجوبِ طہارت کا سبب حدث وخبث ہے ان کے نزدیک حدث وخبث کے پائے جانے کے بعد طلاق واقع ہوگی، اور جن کے نزدیک سبب قیام الی الصلوٰۃ ہے ان کے نزدیک قیام کے بعد طلاق واقع ہوگی۔

''توشیح'' ہدایہ کی شرح ہے جس کے مصنف علامہ سراج الدین ہندی ہیں، اس میں لکھا ہے کہ محدث کے لیے وضو اور جنبی کے لیے غسل، اسی طرح حائضہ اور نفاس والی عورت کے لیے وجوبِ صلوٰۃ سے پہلے غسل واجب نہیں ہوتا ہے۔اور ''سراج الوہاج'' مختصر القدوری کی شرح ہے اس کے مصنف علامہ حدادی صاحب جوہرہ ہیں، اس میں لکھا ہے کہ حائضہ اور نفاس والی عورت پر خون بند ہوتے ہی غسل، امام کرخی اور عام عراقی کے نزدیک واجب ہے اور اہلِ بخارا کے نزدیک محض خون بند ہونے سے غسل واجب نہیں ہوتا ہے بلکہ جب نماز واجب ہوتی ہے تب غسل واجب ہوتا ہے اور یہی مذہب مختار ہے۔اب اس اختلاف کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ اگر کسی عورت کا خون طلوعِ آفتاب کے بعد بند ہوا اور اس نے فوراً غسل نہ کیا بلکہ غسل ظہر کے وقت میں کیا تو عام عراقیوں کے نزدیک غسل میں تاخیر کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگی۔اور بخارا والے کے قول کے مطابق گناہ گار نہ ہوگی، یہ اختلاف وضو کے بارے میں بھی ہے۔عراقیین کہتے ہیں کہ جب حدث پایا جائے گا وضو واجب ہوگا اور بخارا والے کہتے ہیں کہ وضو نماز کے لیے واجب ہوتا ہے اور وجوبِ طہارت کی شرائط کتنی ہیں؟ تو اس بارے میں قولِ فیصل یہ ہے کہ نو شرطیں ہیں اور چار شرطیں صحت طہارت کی ہیں۔

وجوبِ طہارت کی نو شرطیں

وجوبِ طہارت کے لیے نو شرطیں حضرات فقہائے کرام نے بیان فرمائی ہیں جو نمبر وار درج ذیل ہیں: (۱) مسلمان ہونا

(۲)عاقل ہونا(۳)پاک کرنے والی چیزوں کے استعمال پر قادر ہونا(۴)پانی کا موجود ہونا(۵)احتلام ہونا۔(۶)حدث کا پایا جانا(۷-۸)حیض ونفاس سے پاک ہونا(۹)وقت کا تنگ ہونا۔

طہارت کے صحیح ہونے کی شرطیں

طہارت کے صحیح ہونے کے لیے چار شرطیں فقہائے کرام نے بیان کی ہیں: (۱)پورے بدن پر ایک مرتبہ اس طرح پانی بہانا کہ جسم کا کوئی بھی حصہ پانی پہنچنے سے باقی نہ رہے۔(۲)حیض سے پاک ہونا۔(۳)نفاس سے پاک ہونا۔(۴)جو چیز پانی پہنچنے سے روک دے اس کا بدن پر نہ ہونا۔

وَجَعَلَهَا بَعْضُهُمْ أَرْبَعَةً: شَرْطُ وُجُودِهَا الْحِسِّيُّ وُجُودُ الْمُزِيلِ وَالْمُزَالِ عَنْهُ، وَالْقُدْرَةُ عَلَى الْإِزَالَةِ. وَشَرْطُ وُجُودِهَا الشَّرْعِيُّ كَوْنُ الْمُزِيلِ مَشْرُوعَ الِاسْتِعْمَالِ فِي مِثْلِهِ. وَشَرْطُ وُجُوبِهَا التَّكْلِيفُ وَالْحَدَثُ. وَشَرْطُ صِحَّتِهَا صُدُورُ الطُّهْرِ مِنْ أَهْلِهِ فِي مَحَلِّهِ مَعَ فَقْدِ مَانِعِهِ، وَنَظَمَهَا فَقَالَ:

نَعْلَمُ شُرُوطًا لِلْوُضُوءِ مُهِمَّةً ... مُقَسَّمَةً فِي أَرْبَعٍ وَثَمَانِ
فَشَرْطُ وُجُودِ الْحِسِّ مِنْهَا ثَلَاثَةٌ ... سَلَامَةُ أَعْضَاءٍ وَقُدْرَةُ إِمْكَانِ
لِمُسْتَعْمِلِ الْمَاءِ الْقُرَاحِ وَهُوَ مَعًا ... وَشَرْطُ وُجُودِ الشَّرْعِ خُذْهَا بِإِمْعَانِ
فَمُطْلَقُ مَاءٍ مَعَ طَهَارَتِهِ وَمَعْ ... طَهُورِيَّةٍ أَيْضًا فَفُزْ بِبَيَانِ
وَشَرْطُ وُجُوبٍ وَهُوَ إِسْلَامُ بَالِغٍ ... مَعَ الْحَدَثِ التَّمْيِيزِ بِالْعَقْلِ يَاعَانِي
وَشَرْطٌ لِتَصْحِيحِ الْوُضُوءِ زَوَالُ مَا ... يُبْعِدُ إِيصَالَ الْمِيَاهِ مِنْ إِدرانِ
كَشَمْعٍ وَرَمْصٍ ثُمَّ لَمْ يَتَخَلَّلِ ... الْوُضُوءَ مُنَافٍ يَا عَظِيمَ ذَوِي الشَّانِ
وَزِيدَ عَلَى هَذَيْنِ أَيْضًا تَقَاطُرٌ ... مَعَ الْغَسَلَاتِ لَيْسَ هَذَا لَدَى الثَّانِي

ترجمہ: اور بعض علماء نے طہارت کی شرطوں کو چار قسموں میں تقسیم کیا ہے: (۱)ایسی شرط جو طہارت کے لیے وجود حسی ہو۔اس میں تین چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے: ۱-اس چیز کا پایا جانا جو نجاست کو دور کردے۔ ۲-اس چیز کا ہونا جس سے نجاست دور کی جائے۔ ۳-نجاست دور کرنے پر قدرت کا ہونا۔(۲)ایسی شرط جو طہارت کے لیے وجود شرعی ہو(یعنی ایسی شرط کہ شریعت میں اس کے بغیر طہارت کا اعتبار نہ ہو) نجاست دور کی جانے والی چیز کا مشروع الاستعمال ہونا اس کے مثل میں۔(۳)ایسی شرط جو طہارت کو واجب کرے اور وہ مکلف ہونا اور حدث ہونا۔(۴)ایسی شرط جو طہارت کی صحت کے لیے ضروری ہو اور وہ یہ ہے پاکی کا صادر ہونا اس کے اہل سے اس محل میں مانع کے زائل ہونے کے ساتھ ساتھ، بعض علماء نے اس کو نظم کردیا ہے، چناں چہ فرمایا ترجمہ یہ ہے:

اے مخاطب! وضو کی ضروری شرطوں کو جان لو جو چار اور آٹھ پر منقسم ہیں یعنی بارہ قسموں پر منقسم ہیں، پھر ان میں سے وجودِ

حسی کی تین شرطیں ہیں ایک اعضاء کا صحیح سالم ہونا، دوسرے خالص پانی کے استعمال پر قادر ہونا، تیسرے پانی موجود ہونا۔ اور وجودِ شرعی کی شرط کو غور و فکر کے ساتھ اختیار کر کہ وہ مطلق پانی ہے کہ وہ پاک بھی ہو اور پاک کرنے والا بھی ہو، پس تم اس بیان سے کامیاب ہو جاؤ۔ اور وجوب طہارت کی شرط یہ ہیں: مسلمان ہونا، بالغ ہونا، عقل تمیز کا ہونا، اور حدث ہے اسے فائدہ کا ارادہ کرنے والے۔ اور وضو کے صحیح ہونے کی شرط اس میل کچیل کا بدن سے دور ہونا جو پانی کو بدن تک پہنچنے سے روک دے، جیسے موم، آنکھ کی کیچ، پھر وضو کے درمیان کوئی منافی یعنی ناقض وضو پیش نہ آئے اے بڑی شان والے، اور ان دونوں شرطوں کے ساتھ اس کا بھی اضافہ کیا گیا ہے کہ دھونے میں پانی ٹپکے یہ امام ثانی (ابو یوسفؒ) کے نزدیک شرط نہیں ہے۔

مختصر تشریح علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طہارت کے صحیح ہونے کی جو شرط نظم میں بیان کی گئی ہے اس میں ایک شرط صحت یعنی حیض و نفاس کا نہ پایا جانا رہ گیا ہے، اس لیے طہارت کے صحیح ہونے کے لیے حیض و نفاس کا نہ پایا جانا بھی ضروری ہے۔

قوله صدور الطهر من أهله: اس سے مراد یہ ہے کہ اہل تطہیر حیض اور نفاس میں مبتلا نہ ہوں بلکہ حیض و نفاس کا خون بند ہو چکا ہو، اور محل طہارت سے مراد یہ ہے کہ جسم کے پورے حصہ میں ایسے طور پر پانی پہنچانا کہ ایک بال کے برابر بھی خشک نہ رہنے پائے اور مانع تطہیر کے مفقود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اثنائے طہارت میں کسی ناقض کا نہ پایا جانا۔

لدى الثاني: ثانی سے مراد حضرت امام ابو یوسفؒ ہیں۔ کتب احناف میں جب مطلق امام کا لفظ آئے تو اس سے امام اعظم ابو حنیفہؒ ہوتے ہیں اور ثانی سے مراد امام ابو یوسفؒ اور ثالث سے مراد امام محمدؒ ہوتے ہیں اور شیخین سے حضرت امام حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ مراد ہوتے ہیں اور طرفین سے حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ مراد ہوتے ہیں اور صاحبین سے حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ مراد ہوتے ہیں۔

وَصِفَتُهَا فَرْضٌ لِلصَّلَاةِ وَوَاجِبٌ لِلطَّوَافِ، قِيلَ وَمَسُّ الْمُصْحَفِ لِلْقَوْلِ بِأَنَّ الْمُطَهَّرِينَ الْمَلَائِكَةُ، وَسُنَّةٌ لِلنَّوْمِ، وَمَنْدُوبٌ فِي نَيِّفٍ وَثَلَاثِينَ مَوْضِعًا ذَكَرْتُهَا فِي الْخَزَائِنِ: مِنْهَا بَعْدَ كَذِبٍ وَغِيبَةٍ وَقَهْقَهَةٍ وَشِعْرٍ وَأَكْلِ جَزُورٍ وَبَعْدَ كُلِّ خَطِيئَةٍ، وَلِلْخُرُوجِ مِنْ خِلَافِ الْعُلَمَاءِ. وَرُكْنُهَا: غَسْلٌ وَمَسْحٌ وَزَوَالُ نَجَسٍ. وَآلَتُهَا: مَاءٌ وَتُرَابٌ وَنَحْوُهُمَا. وَدَلِيلُهَا آيَةُ – ﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ﴾ – وَهِيَ مَدَنِيَّةٌ إِجْمَاعًا.

ترجمہ اور طہارت کی صفت یہ ہے کہ وہ نماز کے لیے فرض، طواف کعبہ کے لیے واجب ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ قرآنِ کریم کو ہاتھ لگانے کے لیے وضو کرنا بھی واجب ہے اس قول کی وجہ سے کہ آیت کریمہ میں مطہرین سے مراد ملائکہ ہیں اور سونے کے لیے وضو کرنا سنت ہے اور تیس مقامات سے زیادہ جگہوں پر وضو کرنا مستحب ہے جس کو میں نے خزائن میں بیان کیا ہے اور ان ہی میں سے چند یہ ہے: جھوٹ بولنے کے بعد، غیبت کرنے کے بعد، قہقہہ لگا کر ہنسنے کے بعد، گندے اشعار کہنے کے بعد، اونٹ کے گوشت

کھانے کے بعد، ہر گناہ کرنے کے بعد اور علماء کے قول سے خروج کرنے کے بعد وضو کرنا مستحب ہے۔ اور طہارت کے رکن یہ ہیں: دھونا، مسح کرنا، نجاست کا زائل ہونا۔ اور طہارت کا آلہ یہ ہیں: پانی اور مٹی کا ہونا اور اس کے مانند۔ اور اس کی دلیل آیت کریمہ اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ ہے اور یہ آیت بالاتفاق مدنی ہے۔

مختصر تشریح نماز خواہ فرض ہو یا نفل اس کی ادائیگی کے لیے وضو کرنا فرض قطعی ہے، یعنی قرآن کریم کی آیت سے ثابت ہے اور بیت اللہ شریف کے طواف کرنے کے لیے وضو کرنا تو واجب ہے اور قرآنِ کریم کے ہاتھ لگانے کے واسطے وضو کرنا فرض ہے یا واجب اس میں اختلاف ہے، چناں چہ علماء کا ایک طبقہ اس کو فرض کہتا ہے اور دوسرا طبقہ مس قرآن کے لیے وضو کو واجب کہتا ہے، فرض کہنے والوں کی دلیل قرآنِ کی آیت {لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ} ہے، لیکن اس آیت کی تفسیر میں حضرات مفسرین کا اختلاف ہے بعض نے کہا کہ یہ قرآنِ کریم کی صفت ہے اور بعض نے کہا کہ کتاب مکنون یعنی لوحِ محفوظ کی صفت ہے اور "مُطَهَّرُوْنَ" سے مراد فرشتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ لوحِ محفوظ کو صرف ملائکہ ہی چھوتے ہیں۔ اور جو لوگ کتاب سے مراد قرآن لیتے ہیں ان کے نزدیک "مُطَهَّرُوْنَ" سے مراد وہ لوگ ہیں جو باوضو اور پاک وصاف ہوں۔ اکثر مفسرین کی رائے یہی ہے اور اس کی تائید لفظ "مس" سے بھی ہوتی ہے کہ مس کا معنیٰ حقیقی مس بالید ہے۔ لیکن یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ فرض اس کو کہتے ہیں کہ اس کے انکار کرنے والے کو کافر کہا جا سکے اور یہاں اس کے انکار کرنے والوں کو کافر نہیں کہا جا سکتا ہے اس لیے کہ فتاویٰ خلاصہ میں ہے: اگر کوئی شخص نماز کے علاوہ دوسری چیز کے لیے وضو کا منکر ہے تو ازروئے فتویٰ کافر نہ ہوگا، پس مس مصحف کے اندر وضو عملاً فرض ہے نہ کہ اعتقاداً۔ (شامی: ۱/۱۹۷)

اور جن جگہوں پر وضو کرنا مستحب ہے صاحب کتاب نے کچھ کا بیان فرمایا ہے اور کچھ کو چھوڑ دیا ہے۔ بعض علماء نے ان میں سے کچھ کا بیان فرمایا ہے: سو کر اٹھنے کے بعد، ہمیشہ باوضو رہنے کے لیے، وضو ہونے کے باوجود وضو کرنا، جب مجلس بدل جائے تب وضو کرنا، میت کو غسل دینے کے لیے، جنازہ کو اٹھانے کے لیے، ہر وقت کی نماز کے لیے، غسل جنابت سے پہلے وضو کرنا، جنبی کا کھانا کھانے سے پہلے، وطی سے پہلے، غصہ کے وقت، قرآن پڑھنے کے لیے، حدیث اور فقہ پڑھنے کے لیے، سبق پڑھنے کے لیے، اذان کے لیے، اقامت کے لیے، خطبہ کے لیے خواہ نکاح کا خطبہ ہی کیوں نہ ہو، زیارتِ نبوی ﷺ کے لیے، وقوفِ عرفہ کے لیے، سعی بین الصفا والمروہ کے لیے، شرعی کتابوں کو چھونے کے لیے، حسین عورت کو دیکھنے کے بعد اور مطلق ذکر الٰہی کرنے کے لیے وضو کرنا مستحب ہے۔

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ طہارت کا رکن حدثِ اصغر میں غسل اور مسح ہے اور حدث اکبر میں تمام بدن کو دھونا ہے اور نجاست دو طرح کی ہوتی ہیں ایک مرئی، دوسرے غیر مرئی، تو جو نجاست مرئی ہو اس کو پاک کرنے کے لیے عین نجاست کا زائل کرنا ضروری ہے اور جو نجاست غیر مرئی ہو اس میں صرف دھونا ہے اور نچوڑنا اور تین بار دھونا تو صرف اس لیے ہے کہ یقین ہو جائے

کہ نجاست دور ہو چکی ہے۔ (شامی: ۱/۱۹۸)

آلۂ طہارت اولاً پانی ہے پھر مٹی ہے، آلہ طہارت، میں مٹی پانی کے قائم مقام ہے اور نحو ھما سے مراد زمین کا خشک ہو جانا، جوتے کا رگڑنا، اسی طرح وہ شئی مراد ہے جس سے نجاست دور کی جاسکے۔

وَأَجْمَعَ أَهْلُ السِّيَرِ أَنَّ الْوُضُوءَ وَالْغُسْلَ فُرِضَا بِمَكَّةَ مَعَ فَرْضِ الصَّلَاةِ بِتَعْلِيمِ جِبْرِيلَ - عَلَيْهِ السَّلَامُ -، وَأَنَّهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - لَمْ يُصَلِّ قَطُّ إِلَّا بِوُضُوءٍ، بَلْ هُوَ شَرِيعَةُ مِنْ قَبْلِنَا، بِدَلِيلِ «هَذَا وُضُوئِي وَوُضُوءُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي» وَقَدْ تَقَرَّرَ فِي الْأُصُولِ أَنَّ شَرْعَ مَنْ قَبْلَنَا شَرْعٌ لَنَا إِذَا قَصَّهُ اللَّهُ تَعَالَى وَرَسُولُهُ مِنْ غَيْرِ إِنْكَارٍ وَلَمْ يَظْهَرْ نَسْخُهُ فَفَائِدَةُ نُزُولِ الْآيَةِ تَقْرِيرُ الْحُكْمِ الثَّابِتِ، وَتَأْتِي اخْتِلَافِ الْعُلَمَاءِ الَّذِي هُوَ رَحْمَةٌ. كَيْفَ وَقَدْ اشْتَمَلَتْ عَلَى نَيِّفٍ وَسَبْعِينَ حُكْمًا مَبْسُوطٍ فِي تَيَمُّمِ الضِّيَاءِ عَنْ فَوَائِدِ الْهِدَايَةِ، وَعَلَى ثَمَانِيَةِ أُمُورٍ كُلُّهَا مُثَنَّى طَهَارَتَيْنِ: الْوُضُوءُ وَالْغُسْلُ وَمُطَهِّرَيْنِ: الْمَاءُ وَالصَّعِيدُ، وَحُكْمَيْنِ: الْغَسْلُ وَالْمَسْحُ، وَمُوجِبَيْنِ: الْحَدَثُ وَالْجَنَابَةُ، وَمُبِيحَيْنِ: الْمَرَضُ وَالسَّفَرُ وَدَلِيلَيْنِ: التَّفْصِيلِيُّ فِي الْوُضُوءِ وَالْإِجْمَالِيُّ فِي الْغُسْلِ، وَكِنَايَتَيْنِ: الْغَائِطُ وَالْمُلَامَسَةُ، وَكَرَامَتَيْنِ: تَطْهِيرُ الذُّنُوبِ وَإِتْمَامُ النِّعْمَةِ أَيْ بِمَوْتِهِ شَهِيدًا، لِحَدِيثِ «مَنْ دَاوَمَ عَلَى الْوُضُوءِ مَاتَ شَهِيدًا» ذَكَرَهُ فِي الْجَوْهَرَةِ.

ترجمہ اور اہل سیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وضو اور غسل دونوں مکۃ المکرمہ میں فرض ہوئے ہیں نماز کے فرض ہونے کے ساتھ ساتھ جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تعلیم سے ہوا۔ اور اس پر بھی اجماع ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے کبھی بھی بغیر وضو کے نماز نہیں پڑھی ہے، وضو ہماری شریعت سے قبل دوسری شریعت میں بھی ثابت ہے اس دلیل کی وجہ سے جس میں رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے تمام انبیاء کا وضو ہے۔ اور اصولِ فقہ میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اگر ہم سے پہلی امتوں کی شریعت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول بغیر کسی انکار کے نقل کریں تو وہ ہمارے لیے بھی شریعت ہے اور اس کا منسوخ ہونا ظاہر نہ ہوا، پس آیت وضو کے نزول کا فائدہ یہ ہے کہ ثابت شدہ حکم راسخ ہو جائے۔ اور ان علماء کرام کے اختلاف کا حاصل ہونا جو رحمت ہے (یہ نزول آیت کا دوسرا فائدہ ہے) اور نزولِ آیت میں کیوں کر فائدہ نہ ہوگا جب کہ آیت ستر یا اس سے کچھ زائد احکام پر مشتمل ہے، جو کتاب الضیاء المعنوی کے باب التیمم میں فوائد ہدایہ سے نقل ہو کر مفصل مذکور ہے اور وہ آیت کریمہ آٹھ ایسے امور کو شامل ہے کہ ان میں سے ہر ایک دو دو ہیں، وہ آیت دو طہارت پر مشتمل ہے ایک وضو دوسرے غسل پر، اور دو پاک کرنے والی چیز پر مشتمل ہے ایک پانی دوسرے پاک مٹی پر، اور دو حکم پر مشتمل ہے ایک اعضاء کو دھونا دوسرے مسح کرنا۔ دو موجب طہارت پر مشتمل ہے ایک حدث دوسری جنابت پر۔ دو تیمم کو جائز کرنے والی چیزوں پر مشتمل ہے ایک بیماری دوسرے سفر پر۔ دو دلیلوں پر

مشتمل ہے ایک دلیل تفصیلی وضو میں، دوسری دلیل اجمالی غسل میں۔ دو کنایتوں پر مشتمل ہے ایک بول و براز دوسرے ملامست۔ دو کرامتوں پر مشتمل ہے ایک گناہوں سے پاک کرنا دوسری نعمت کی تکمیل یعنی اس کا مرنا شہید ہونے کی حالت میں، اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص ہمیشہ باوضو رہتا ہے تو وہ شہادت کی موت مرتا ہے اس کو بیان کیا ہے جوہرہ میں (جو قدوری کی شرح ہے)۔

مختصر تشریح: اہل سیر اور اہل مغازی سے وہ حضرات مراد ہیں جنھوں نے رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ اور احوال زندگی اور غزوات بیان کیے ہیں۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ صاحب درمختار نے یہ فرما کر کہ وضو کی فرضیت مکہ مکرمہ میں ہوئی ان لوگوں کا رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ آیت وضو مدنی ہے اس سے معلوم ہوا کہ وضو بعد میں فرض ہوا اور نماز پہلے فرض ہوئی، لہٰذا جس وقت وضو فرض نہ ہوا نماز بلا وضو پڑھی گئی؟ علامہ حصکفی نے بتادیا کہ وضو اور غسل دونوں کی فرضیت مکہ میں نماز کے ساتھ ساتھ ہوئی ہے اور کوئی نماز بلا وضو نہیں پڑھی گئی ہے۔

اب ایک اعتراض یہ ہے کہ جب وضو کی فرضیت مکہ مکرمہ میں ہوئی اور شریعت سابقہ میں بھی وضو کا حکم تھا اور یہ حکم منسوخ بھی نہیں ہوا تو ان تمام کے باوجود دوبارہ آیت وضو نازل کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ اس کا جواب یہ دیا ہے کہ دوبارہ آیت وضو کا نزول سابق حکم کو ثابت کرنے کے لیے تھا تا کہ یہ حکم ہر زمانہ میں یکساں حکم رکھے اور اس میں کوئی احتمال پیدا نہ ہونے پائے۔ اور آیت کے نزول کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ آیت مختلف فوائد پر مشتمل ہے اور اس میں ستر سے زائد احکام مذکور ہیں اس لیے آیت کا دوبارہ نازل کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ (تفصیلی فوائد ملاحظہ فرمائیے: شامی: ۱/ ۲۰۰، مطبوعہ زکریا بک ڈپو دیوبند)

وَإِنَّمَا قَالَ آمَنُوا بِالْغَيْبَةِ دُونَ آمَنْتُمْ لِيَعُمَّ كُلَّ مَنْ آمَنَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ قَالَهُ فِي الضِّيَاءِ، وَكَأَنَّهُ مَبْنِيٌّ عَلَى أَنَّ فِي الْآيَةِ الْتِفَاتًا، وَالتَّحْقِيقُ خِلَافُهُ. وَأَتَى فِي الْوُضُوءِ بِإِذَا التَّحْقِيقِيَّةِ، وَفِي الْجَنَابَةِ بِإِنْ التَّشْكِيكِيَّةِ لِلْإِشَارَةِ إِلَى أَنَّ الصَّلَاةَ مِنَ الْأُمُورِ اللَّازِمَةِ وَالْجَنَابَةَ مِنَ الْأُمُورِ الْعَارِضَةِ، وَصَرَّحَ بِذِكْرِ الْحَدَثِ فِي الْغُسْلِ وَالتَّيَمُّمِ دُونَ الْوُضُوءِ لِيُعْلَمَ أَنَّ الْوُضُوءَ سُنَّةٌ وَفَرْضٌ وَالْحَدَثُ شَرْطٌ لِلثَّانِي لَا لِلْأَوَّلِ، فَيَكُونُ الْغُسْلُ عَلَى الْغُسْلِ وَالتَّيَمُّمِ عَبَثًا وَالْوُضُوءُ عَلَى الْوُضُوءِ نُورٌ عَلَى نُورٍ.

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آیت وضو میں "آمنوا" غائب کے صیغہ کے ساتھ خطاب فرمایا ہے "آمنتم" بصیغۂ حاضر خطاب نہیں فرمایا، تا کہ اس میں ہر وہ شخص شامل ہو جائے جو قیامت تک ایمان لاتا رہے اس کو الضیاء المعنوی میں ذکر کیا ہے۔ اور گویا اس قول کی بنیاد اس بات پر ہے کہ آیت وضو میں حاضر سے غائب کی طرف التفات ہے اور تحقیق اس کے خلاف ہے (یعنی ایک صیغہ سے دوسرے صیغہ کی طرف التفات نہیں ہے؛ بلکہ صرف غائب ہی کا صیغہ واقع ہے) اور اللہ تعالیٰ نے آیت وضو میں لفظ "إذا" ذکر کیا ہے جو تحقیق پر دلالت کرتا ہے اور آیت جنابت میں لفظ "إن" تشکیکیہ ہے جو شک اور تردید پر دلالت کرتا ہے اس لیے تا کہ اس بات کی طرف اشارہ ہو جائے کہ نماز امورِ لازمہ میں سے ہے اور جنابت امورِ عارضہ میں سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے غسل اور

تیمم کے باب میں حدث کا ذکر صراحتاً کیا نہ کہ وضو کے باب میں تا کہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ بلا شبہ وضو سنت ہے بغیر حدث کے اور اگر حدث ہو تو وضو فرض ہے اور حدث ثانی (یعنی فرض وضو) کے لیے شرط ہے نہ کہ اوّل وضو (یعنی سنت) کے لیے لہٰذا ایک غسل کے بعد دوبارہ غسل کرنا اور ایک تیمم کے بعد دوبارہ تیمم کرنا عبث ہوگا اور وضو پر وضو کرنا نور علی نور ہے۔

مختصر تشریح التفات کہتے ہیں تکلم، خطاب اور غائب کے صیغوں میں کسی ایک صیغہ کے ساتھ خطاب کرنا جب کہ اس سے پہلے دوسرے صیغہ سے خطاب کیا جا چکا ہو، غائب کے صیغہ کے بعد خطاب کا صیغہ بولنا یا خطاب کے بعد فوراً تکلم کے ساتھ خطاب کرنا۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ سامع کو ایک نئی لذت محسوس ہوتی ہے اور اوقع فی النفس ہوتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے آیت وضو میں "امنتم" کے بجائے "آمنوا" صیغہ غائب استعمال فرمایا ہے تا کہ قیامت تک جتنے بھی لوگ ایمان لائیں گے سبھی اس میں شامل ہو جائیں اگر حاضر کا صیغہ لایا جاتا تو یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا بلکہ حاضرین ہی شامل ہو پاتے۔

لفظ "إن" اور "إذا" دونوں حرف شرط ہیں لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ جہاں شرط کا وجود یقینی اور غالب ہو وہاں "اذا" کا لفظ بولا جاتا ہے اور اگر شرط کے وجود و عدم وجود میں تردد ہو تو وہاں لفظ "إن" بولا جاتا ہے تو چونکہ قیام الی الصلوٰۃ یقینی اور لازم ہے اس لیے "إذا" کا لفظ بولا گیا اور فرمایا: ﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ﴾ الآیۃ، اور چونکہ جنابت عارضی ہے اس لیے "إن" کا لفظ لایا گیا ہے اور فرمایا: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا﴾ اس لیے کہ جنابت ایک عارضی چیز ہے اس کے برخلاف نماز رات دن میں پانچ مرتبہ تو یقینی ہے۔

أَرْكَانُ الْوُضُوءِ أَرْبَعَةٌ عَبَّرَ بِالْأَرْكَانِ؛ لِأَنَّهُ أَفْيَدُ مَعَ سَلَامَتِهِ عَمَّا يُقَالُ إِنْ أُرِيدَ بِالْفَرْضِ الْقَطْعِيُّ يَرِدُ تَقْدِيرُ الْمَمْسُوحِ بِالرُّبُعِ، وَإِنْ أُرِيدَ الْعَمَلِيُّ يَرِدُ الْمَغْسُولُ، وَإِنْ أُجِيبَ عَنْهُ بِمَا لَخَّصْنَاهُ فِي شَرْحِ الْمُلْتَقَى. ثُمَّ الرُّكْنُ مَا يَكُونُ فَرْضًا دَاخِلَ الْمَاهِيَّةِ، وَأَمَّا الشَّرْطُ فَمَا يَكُونُ خَارِجَهَا، فَالْفَرْضُ أَعَمُّ مِنْهُمَا، وَهُوَ مَا قُطِعَ بِلُزُومِهِ حَتَّى يُكَفَّرَ جَاحِدُهُ كَأَصْلِيِّ مَسْحِ الرَّأْسِ. وَقَدْ يُطْلَقُ عَلَى الْعَمَلِيِّ وَهُوَ مَا تَفُوتُ الصِّحَّةُ بِفَوَاتِهِ، كَالْمِقْدَارِ الِاجْتِهَادِيِّ فِي الْفُرُوضِ فَلَا يُكَفَّرُ جَاحِدُهُ:

ترجمہ وضو کے ارکان چار ہیں۔ صاحب کتاب نے یہاں ارکان سے تعبیر کیا ہے اس لیے کہ یہ لفظ زیادہ فائدہ مند ہے اور اس اعتراض سے صحیح سالم نکل گئے جس میں کہا گیا ہے کہ اگر فرض سے مراد فرض قطعی ہے تو سر کے مسح میں چوتھائی مقدار مسح پر اعتراض ہوگا اور اگر فرض سے مراد فرض عملی ہے تو پھر عضو مغسول سے اعتراض ہوتا ہے (اس لیے کہ اعضائے وضو کا دھونا فرض قطعی ہے فرضِ عملی نہیں ہے) اگر چہ اس اعتراض کا وہ جواب دیا گیا ہے جس کو ہم نے بطور خلاصہ ملتقی الابحر کی شرح الدر المنتقی میں نقل کیا ہے۔

پھر رکن سے مراد وہ فرض ہے جو ماہیت میں داخل ہو اور شرط وہ ہے جو ماہیت سے خارج ہو، لہٰذا فرض ان دونوں سے عام ہوا اور فرض قطعی وہ ہے کہ جس کا لازم ہونا یقینی ہو یہاں تک کہ اس کے منکر کو کافر کہا جائے گا جیسا کہ نفس مسح رأس کا انکار کرنا۔ اور کبھی فرض کا اطلاق فرض عملی پر بھی ہوتا ہے اور فرض عملی وہ ہے کہ اس کے فوت ہونے سے اس کی صحت فوت ہو جائے جیسے فرضوں کی وہ

مقدار جو اجتہاد سے ثابت ہے، لہٰذا فرضِ عملی کے انکار کرنے والے کو کافر نہیں کہا جائے گا۔

مختصر تشریح رکن لغت میں: "مَايَبتنِي عَلَيهِ الشَّيئ" یعنی جس پر کسی چیز کی بنیاد ہو، کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح میں رکن اس کو کہتے ہیں جو ماہیت میں داخل ہو جس کے عدم سے شئی بالکل موجود نہ ہو۔ وضو کے لغوی معنی نظافت اور حسن کے ہیں اور اصطلاحِ شریعت میں وضو اعضائے ثلاثہ کے دھونے اور سر کے مسح کرنے کو کہتے ہیں۔ صاحب درمختار نے ارکان الوضو فرمایا ہے، فرائض الوضو نہیں فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ارکان کا لفظ فرض کے مقابلہ میں عام ہے اور فرض بھی اس میں داخل ہے اس لیے ارکان سے تعبیر فرمایا ہے اگر علامہ شیخ تمرتاشی صاحب تنویر الابصار فروض الوضو کہتے تو سوال یہ ہوتا کہ فرض سے کون سا فرض مراد ہے فرض قطعی یا عملی؟ اگر فرض قطعی مراد ہے تو اشکال یہ ہوتا کہ مسح رأس کی مقدار تو فرض قطعی نہیں ہے بلکہ اجتہادی مسئلہ ہے اس وجہ سے مسح رأس کی مقدار کی تعیین میں ائمہ کا اختلاف بھی ہے اور اگر فرض سے مراد فرض عملی ہے تو ان اعضاء سے اعتراض ہوتا ہے جو مغسول ہیں، یعنی دھونا لازم اور فرض قطعی ہے اس لیے ان اعتراضات سے بچنے کے لیے فرض نہیں کہا بلکہ ارکان الوضو فرمایا تا کہ کوئی اشکال ہی پیدا نہ ہو۔

فرضِ قطعی کا دوسرا نام فرضِ اعتقادی بھی ہے اس لیے کہ جس طرح اسکو بجالانا ضروری ہے اسی طرح اسکا اعتقاد رکھنا بھی ضروری ہے۔ علامہ عینی شارح ہدایہ البنایہ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں کہ فرض وہ ہے جو ایسی دلیل سے ثابت ہو جس میں ذرّہ برابر بھی کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو، جیسے قرآنِ کریم یا حدیث متواتر سے کوئی حکم ثابت ہو۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ دلائل سمعیہ چار ہیں:

۱- وہ دلیل جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ ہو، جیسے نصوصِ متواترہ وغیرہ۔

۲- قطعی الثبوت ظنی الدلالہ، یعنی جس کا ثبوت تو قطعی ہو لیکن مراد ظنی ہو، جیسے وہ آیاتِ کریمہ جن کی تاویل کی گئی ہے۔

۳- قطعی الدلالہ ظنی الثبوت، یعنی وہ دلیل جس کا ثبوت ظنی ہو مگر مراد قطعی ہو، جیسے اخبارِ آحاد جن کا مفہوم متعین اور قطعی ہو، احتمال نہ ہو۔

۴- ظنی الثبوت ظنی الدلالہ، یعنی وہ دلیل جس کا ثبوت بھی ظنی ہو اور مراد بھی ظنی ہو، جیسے وہ اخبار جن کا مفہوم ظنی ہو، پہلی قسم سے فرض اور حرام کا ثبوت ہوگا۔ دوسری قسم سے وجوب کا ثبوت ہوگا اور تیسری قسم سے بھی وجوب وکراہت تحریکی کا ثبوت ہوگا اور چوتھی قسم سے سنت ومستحب کا ثبوت ہوگا۔ (شامی: ۱/۲۰۷)

فرض بول کر فرضِ قطعی مراد لینا معنی حقیقی ہے اور فرض بول کر فرضِ عملی مراد لینا معنی مجازی ہے اس لیے کہ جب فرض بولا جاتا ہے تو ذہن فوراً فرضِ قطعی کی طرف سبقت کرتا ہے اور فرضِ عملی کو فرضِ عملی اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے مگر اعتقاد ضروری نہیں ہے، جیسے چوتھائی سر کا مسح کرنا عملاً فرض ہے مگر اس کے فرض ہونے کا اعتقاد رکھنا ضروری نہیں ہے۔

شرط کے لغوی معنی: "علامت" کے ہیں۔ اور اصطلاح میں شرط اس کو کہتے ہیں کہ جس کے پائے جانے سے شئی کا پایا جانا

موقوف ہو اور شئ کی حقیقت وماہیت سے خارج ہو، لیکن وجود شرط کے بعد مشروط کا وجود ضروری نہیں ہے بلکہ عین ممکن ہے کہ شرط موجود ہو لیکن مشروط موجود نہ ہو، جیسے وضو نماز کے لیے شرط ہے لیکن یہ ضروری نہیں جب جب وضو پایا جائے گا تو نماز بھی پائی جائے گی ہاں مشروط جب بھی پایا جائے گا وجود شرط کے بعد ہی پایا جائے گا۔

واجب کا ثبوت چونکہ دلیل ظنی سے ہوتا ہے اس لیے اس کی حقیقت اعتقاد ضروری نہیں ہے اس لیے کہ اعتقاد کی بنیاد یقین پر ہے، ہاں البتہ واجب پر عمل بھی لازم اور ضروری ہے لیکن اس کے انکار کرنے والے کو کافر نہیں کہا جائے گا اور اگر کوئی واجب کو تاویل کر کے چھوڑ رہا ہے تو اس پر فسق کا حکم بھی نہیں لگے گا اور نہ اس کو گمراہ قرار دیا جائے گا اس لیے کہ دلائل ظنیہ میں تاویل کرنا اسلاف کا وطیرہ ہے، اگر تحقیر وتوہین کے طور پر ہے تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔

(غَسْلُ الْوَجْهِ) أَيْ إِسَالَةُ الْمَاءِ مَعَ التَّقَاطُرِ وَلَوْ قَطْرَةً. وَفِي الْفَيْضِ أَقَلُّهُ قَطْرَتَانِ فِي الْأَصَحِّ (مَرَّةً) لِأَنَّ الْأَمْرَ لَا يَقْتَضِي التَّكْرَارَ (وَهُوَ) مُشْتَقٌّ مِنَ الْمُوَاجَهَةِ، وَاشْتِقَاقُ الثُّلَاثِيِّ مِنَ الْمَزِيدِ إِذَا كَانَ أَشْهَرَ فِي الْمَعْنَى شَائِعٌ كَاشْتِقَاقِ الرَّعْدِ مِنَ الِارْتِعَادِ وَالْيَمِّ مِنَ التَّيَمُّمِ (مِنْ مَبْدَإِ سَطْحِ جَبْهَتِهِ) أَيِ الْمُتَوَضِّئِ بِقَرِينَةِ الْمَقَامِ (إِلَى أَسْفَلِ ذَقَنِهِ) أَيْ مَنْبَتِ أَسْنَانِهِ السُّفْلَى (طُولًا) كَانَ عَلَيْهِ شَعْرٌ أَوْ لَا، عَدَلَ عَنْ قَوْلِهِمْ مِنْ قُصَاصِ شَعْرِهِ الْجَارِي عَلَى الْغَالِبِ إِلَى الْمُطَّرِدِ لِيَعُمَّ الْأَغَمَّ وَالْأَصْلَعَ وَالْأَنْزَعَ (وَمَا بَيْنَ شَحْمَتَيِ الْأُذُنَيْنِ عَرْضًا) وَحِينَئِذٍ (فَيَجِبُ غَسْلُ الْمَيَاقِي) وَمَا يَظْهَرُ مِنَ الشَّفَةِ عِنْدَ انْضِمَامِهَا (وَمَا بَيْنَ الْعِذَارِ وَالْأُذُنِ) لِدُخُولِهِ فِي الْحَدِّ وَبِهِ يُفْتَى (لَا غَسْلُ بَاطِنِ الْعَيْنَيْنِ) وَالْأَنْفِ وَالْفَمِ وَأُصُولِ شَعْرِ الْحَاجِبَيْنِ وَاللِّحْيَةِ وَالشَّارِبِ وَوَنِيمِ ذُبَابٍ لِلْحَرَجِ

ترجمہ فرائض وضو میں سے پہلا فرض چہرے کو دھونا ہے۔ یعنی اس طرح پانی کو بہانا کہ دھوتے وقت پانی ٹپکے، خواہ ایک ہی خطرہ میں کیوں نہ ہو۔ اور فیض میں ہے کہ ٹپکنے کی کم سے کم مقدار اصح قول کے مطابق دو قطرے ہیں، اور یہ دھونا ایک مرتبہ فرض ہے اس لیے کہ امر تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا ہے اور وجہ، مواجہہ سے مشتق ہے اور ثلاثی مجرد کا ثلاثی مزید سے مشتق ہونا جب کہ ثلاثی کے معنی زیادہ مشہور ہوں عام طور پر شائع ہے جیسے رعد کا ارتعاد سے اور یم کا تیمم سے مشتق۔ اور چہرہ کا دھونا وضو میں فرض ہے متوضی کی پیشانی کے ابتدائی حصہ سے اس کی ٹھوڑی کے نیچے تک، یعنی نیچے کے دانت اُگنے کی جگہ تک، یہ لمبائی کے اعتبار سے ہے، خواہ پیشانی پر بال ہوں یا نہ ہوں اس کا دھونا فرض ہے۔ اور مصنف نے دوسرے مصنفین کی طرح "قصاص شعرہ" نہیں کہا؛ بلکہ اس نے عدول کیا اور مبدأ سطح جبہتہ کہا، اس لیے کہ عام طور پر جاری یہی ہوتا ہے تاکہ "اغم" (یعنی جس کی پیشانی پر بال جمتے نہ ہوں) "اصلع" (جس کے سر کے اگلے حصہ پر بال نہ ہوں) اور "انزع" (جس کی پیشانی کے دونوں کنارے بال سے خالی ہوں) سب داخل ہو جائیں۔ اور چوڑائی میں دونوں کانوں کی لو کے درمیان جو حصہ ہے اس کا دھونا فرض ہے، پس اس وقت

(یعنی جب چہرہ کا طول وعرض معلوم ہو چکا ہے) واجب ہوگا گوشۂ چشم کا دھونا اور ہونٹ کے اس حصہ کا دھونا جو منہ کے بند کرنے کے وقت کھلا رہتا ہے، اور واجب ہوتا ہے سفیدی کا دھونا جو داڑھی اور کان کے درمیان ہے چہرہ کی تعریف میں داخل ہونے کی وجہ سے، اور اسی پر فتویٰ ہے، لیکن دونوں آنکھوں کے اندر کا حصہ اور ناک منہ اور دونوں بھنوؤں کے بال کی جڑ کو دھونا اور داڑھی اور مونچھ کے بال کی جڑ کو دھونا اور مکھی کی بیٹ کا دھونا واجب نہیں ہے اس لیے کہ اس میں حرج ہے۔

مختصر تشریح علامہ شامی فرماتے ہیں کہ غَسل (غین کے فتحہ کے ساتھ) کے لغوی معنی: پانی بہا کر میل دور کرنا ہے۔ اور غُسل (غین کے ضمہ کے ساتھ) کے معنی: تمام بدن کو دھونا ہے۔ اور غُسل اس پانی کو بھی کہا جاتا ہے جس سے آدمی غسل کرتا ہے۔ اور غِسل غین کے کسرہ کے ساتھ خطمی کو کہتے ہیں جس سے سر دھویا جاتا ہے۔

اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اعضائے وضو کے دھونے میں پانی کا ٹپکنا ضروری ہے خواہ ایک قطرہ یا دو قطرہ ہی کیوں نہ ہو، چناں چہ اگر کوئی شخص پانی کو بدن پر تیل کی طرح مل لے، یا برف وغیرہ سے وضو کرلے لیکن کوئی قطرہ نہیں ٹپکا تو اس صورت میں وضو نہ ہوگا۔

مسئلہ: پورے اعضائے وضو کو ایک ایک بار اس طرح دھونا کہ ایک بال کے برابر بھی خشک نہ رہنے پائے فرض ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں {فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ} فرمایا ہے۔ اور اِغْسِلُوا صیغۂ امر ہے اور امر تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا ہے۔ اور رسولِ اکرم ﷺ سے ایک ایک مرتبہ، دو دو مرتبہ اور تین تین مرتبہ اعضاءِ وضو کو دھونا بھی ثابت ہے اور تین مرتبہ سے زیادہ دھونا اسراف میں داخل ہے۔

وَجه: مواجهة سے مشتق ہے جسکے معنی چہرہ کے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ وَجہ تو ثلاثی مجرد ہے اور مواجہت مزید فیہ ہے تو مشتق اور مشتق منہ میں مطابقت تو نہ رہی؟ تو اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اگر مزید فیہ کا معنی نہایت مشہور و معروف ہو تو اس سے مشتق ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسے رعد کے معنی کڑک کے ہیں اور ارتعاد سے مشتق ہے جس کے معنی اضطراب کے ہیں۔ اسی طرح "یم" کے معنی دریا کے ہیں اور ثلاثی ہے اور تیمم کے معنی قصد وارادہ کے ہیں اور اسی سے یم مشتق ہے۔

صاحب تنویر الابصار نے عام مصنفین کی طرح "قصاص شعره" کہنے کے بجائے "من مبدأ سطح جبهته" کہا ہے اس لیے کہ مبدأ کا لفظ عام ہے اور سب کو شامل ہے اس کے برخلاف قصاص شعرہ کا لفظ اس قدر عام نہ تھا اس سے اغم، اصلع اور انزع خارج ہو رہا تھا اور اس کا حکم معلوم نہیں ہو رہا تھا اس کے برخلاف مبدأ میں یہ سب داخل ہیں اسی وجہ سے عام مصنفین کے اسلوب سے صاحب تنویر الابصار نے خروج کیا ہے۔

مسئلہ: وضو کرتے وقت گوشۂ چشم اور ہونٹ کے اس حصہ کا دھونا ضروری ہے جو منھ بند کرنے کے بعد کھلا رہتا ہے اسی طرح ڈاڑھی کے دونوں کناروں کا دھونا بھی فرض ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا یہی مذہب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

مسئلہ: وضو کرتے وقت آنکھ کے اندرونی حصہ، اسی طرح منھ ناک کے اندرونی حصہ کا دھونا ضروری نہیں ہے، اسی طرح

بھنوؤں اور داڑھی کے بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا ضروری نہیں ہے جب کہ بال گھنے ہوں اور بال کی وجہ سے کھال نظر نہ آئے، اور اگر بال گھنے نہ ہوں کہ کھال نظر آتی ہو تو اس کے اندر دھونا بھی فرض ہے۔

مسئلہ: اگر متوضی کے جسم پر مکھی یا مچھر کی بیٹ ہو، یا متوضی نے مہندی لگا رکھی ہو، یا اس کے جسم پر میل کچیل ہو، یا جسم پر تیل کی مالش کی ہو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا؛ بلکہ وضو ہو جائے گا، وضو کے صحیح ہونے کے لیے ان اشیاء کا ہٹانا ضروری نہیں ہے۔

(وَغَسْلِ الْيَدَيْنِ) أَسْقَطَ لَفْظَ فُرَادَى لِعَدَمِ تَقْيِيدِ الْفَرْضِ بِالِانْفِرَادِ (وَالرِّجْلَيْنِ) الْبَادِيَتَيْنِ السَّلِيمَتَيْنِ، فَإِنَّ الْمَجْرُوحَتَيْنِ وَالْمَسْتُورَتَيْنِ بِالْخُفِّ وَظِيفَتُهُمَا الْمَسْحُ (مَرَّةً) لِمَا مَرَّ (مَعَ الْمِرْفَقَيْنِ وَالْكَعْبَيْنِ) عَلَى الْمَذْهَبِ وَمَا ذَكَرُوا مِنْ أَنَّ الثَّابِتَ بِعِبَارَةِ النَّصِّ غَسْلُ يَدٍ وَرِجْلٍ وَالْأُخْرَى بِدَلَالَتِهِ، وَمِنَ الْبَحْثِ فِي إِلَى وَفِي الْقِرَاءَتَيْنِ فِي - ﴿أَرْجُلِكُمْ﴾ - قَالَ فِي الْبَحْرِ لَا طَائِلَ تَحْتَهُ بَعْدَ انْعِقَادِ الْإِجْمَاعِ عَلَى ذَلِكَ (وَمَسْحُ رُبُعِ الرَّأْسِ مَرَّةً) فَوْقَ الْأُذُنَيْنِ وَلَوْ بِإِصَابَةِ مَطَرٍ أَوْ بَلَلٍ بَاقٍ بَعْدَ غَسْلٍ عَلَى الْمَشْهُورِ لَا بَعْدَ مَسْحٍ إِلَّا أَنْ يَتَقَاطَرَ، وَلَوْ مَدَّ أُصْبُعًا أَوْ أُصْبُعَيْنِ لَمْ يَجُزْ. إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَعَ الْكَفِّ أَوْ بِالْإِبْهَامِ وَالسَّبَّابَةِ مَعَ مَا بَيْنَهُمَا أَوْ بِمِيَاهٍ، وَلَوْ أَدْخَلَ رَأْسَهُ الْإِنَاءَ أَوْ خُفَّهُ أَوْ جَبِيرَتَهُ وَهُوَ مُحْدِثٌ أَجْزَأَهُ وَلَمْ يَصِرِ الْمَاءُ مُسْتَعْمَلًا وَإِنْ نَوَى اتِّفَاقًا عَلَى الصَّحِيحِ كَمَا فِي الْبَحْرِ عَنِ الْبَدَائِعِ.

ترجمہ: اور وضو میں دوسرا فرض دونوں ہاتھوں کو دھونا ہے۔ اور تیسرا فرض دونوں پاؤں کا دھونا ہے جو صحیح سالم اور ظاہر ہوں باقی اگر پاؤں زخمی ہوں یا خفین میں چھپا ہوا ہو تو ان دونوں کا وظیفہ مسح کرنا ہے۔ اور مصنفؒ نے ہاتھ اور پاؤں میں لفظ فرادیٰ کو ساقط کر دیا ہے اس لیے کہ فرضیت میں ایک ایک یا الگ الگ کی قید نہیں ہے (چناں چہ اگر کوئی شخص دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کو ایک ساتھ پانی میں ڈال دے تب بھی فرضیت ادا ہو جائے گی) اور مختار مذہب کے مطابق دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک اور دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک ایک ایک مرتبہ دھونا فرض ہے۔ اور فقہاء نے جو یہ بیان فرمایا ہے کہ ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کا دھونا تو عبارۃ النص سے ثابت ہے اور دوسرے ہاتھ اور دوسرے پاؤں کا دھونا دلالۃ النص سے ثابت ہے۔ اسی طرح "في"، "إلى" اور "أرجلكم" کی دو قراءتوں کے متعلق بحث کرنے کے بارے میں البحر الرائق میں لکھا ہے کہ اس پر اجماع منعقد ہو جانے کے بعد بحث کرنا بے فائدہ ہے۔

اور وضو کا چوتھا فرض ایک مرتبہ چوتھائی سر کا مسح کرنا ہے۔ دونوں کانوں کے اوپر، خواہ یہ حصہ بارش کا قطرہ پڑنے کی وجہ سے تر ہو گیا ہو، یا اس تری سے تر ہو گیا ہو جو کسی عضو کے دھونے کے بعد باقی رہ گئی ہو مشہور قول کے مطابق، نہ اس تری سے جو مسح کرنے کے بعد باقی رہی ہو، مگر یہ کہ پانی ٹپکتا ہو جیسا کہ النہر الفائق شرح کنز الدقائق میں مختصراً ہے۔ اور اگر کسی نے سر پر ایک

انگلی یا دو انگلی کو کھینچا تو مسح جائز نہ ہوگا، ہاں اگر ہتھیلی کے ساتھ یا انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کے درمیان کے حصہ کو ملا کر کھینچے تو مسح جائز ہو جائے گا، یا مختلف پانیوں سے مسح کرے اور اگر کوئی شخص اپنے سر کو یا اپنے خف کو یا اپنے جبیرہ کو پانی کے برتن میں ڈالے اور وہ بے وضو تھا تو یہ مسح کافی ہو جائے گا، اور اس سے پانی مستعمل نہیں ہوگا اگر چہ اتفاقاً مسح کی نیت کر لی ہو، صحیح قول کے مطابق جیسا کہ البحر الرائق میں بدائع سے نقل کیا ہے۔

مختصر تشریح مذکورہ عبارت میں علامہ حصکفی نے وضو کے تین فرائض کو بیان فرمایا ہے، چناں چہ فرمایا کہ دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت ایک مرتبہ دھونا، اسی طرح دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک ایک مرتبہ دھونا اس طرح کہ ایک بال کے برابر بھی کوئی جگہ خشک نہ رہنے پائے فرض ہے۔

مسئلہ: اگر دونوں پاؤں میں زخم ہو یا دونوں پاؤں میں موزہ پہنے ہوئے ہو تو ایسی صورت میں پاؤں کو دھونا فرض نہیں ہے بلکہ مسح کرنا متعین ہے، پاؤں دھونا اس وقت فرض ہے جب کہ پاؤں صحیح سالم ہوں اور خفین پہنے نہ ہوں۔ عبارۃ النص اس کو کہتے ہیں جس کے لیے کلام کو لایا گیا ہو۔ اور دلالۃ النص اس کو کہتے ہیں کہ کلام کو اس کے لیے تو نہ لایا گیا ہو مگر کلام سے وہ مضمون سمجھ میں آتا ہو۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ بعض فقہاء نے فرمایا کہ ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کے دھونے کا ثبوت تو عبارۃ النص نے ثابت ہے اور دوسرے ہاتھ اور دوسرے پاؤں کے دھونے کا ثبوت دلالۃ النص سے ثابت ہے۔ اسی طرح اگر "ارجلکم" کو بکسر اللام پڑھا جائے تو مسح علی الخفین کا ثبوت ہے۔ صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیم مصری فرماتے ہیں کہ اجماع منعقد ہو جانے کے بعد اس بحث میں پڑنا بیکار ہے، اب تو دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کا دھونا لازم ہے اور دونوں کہنیاں ہاتھ کے دھونے میں اور دونوں ٹخنے پاؤں کے دھونے میں شامل ہیں۔

قولہ: ومسح ربع الرأس مرۃ کا مطلب

مسح کے لغوی معنی ہاتھ کو کسی شئی پر پھیرنا ہے۔ اور شریعت کی اصطلاح میں تر ہاتھ کے ذریعہ سر پر ہاتھ پھیرنا مسح ہے۔ سر کے مسح کی مقدار شرعی اعتبار سے کیا ہے؟ اس بارے میں تین روایات فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

(۱) چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے، مشہور روایت یہی ہے، فقہ کی معتبر کتابوں میں اسی روایت کو ذکر کیا گیا ہے۔

(۲) ناصیہ کے مقدار مسح فرض ہے۔ صاحب قدوری نے اسی قول کو اختیار کیا ہے کہ وضو میں مقدار ناصیہ کا مسح فرض ہے۔ صاحب ہدایہ نے اس کی تفسیر چوتھائی سر سے کی ہے، مگر قول محقق یہ ہے کہ مقدار ناصیہ چوتھائی سر سے کم ہے۔

(۳) اور تیسری روایت تین انگلیوں کی مقدار ہے، اسی کو ہشام نے امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہی ظاہر الروایہ ہے۔ اور بدائع میں ہے کہ یہ اصول کی روایت ہے، تحفہ میں اسی کی تصحیح کی گئی ہے اور فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ اسی قول پر فتویٰ ہے اور معراج میں ہے کہ یہی ظاہر المذہب ہے، لیکن خلاصہ میں ہے کہ یہ روایت بلاشبہ امام محمد سے ظاہر الروایہ ہے، لیکن امام

ابوحنیفہؒ سے ظاہر الروایہ نہیں ہے۔ الغرض متاخرین علماء جیسے: ابن الہمام اور ان کے تلامذہ ابن امیر حاج، صاحب نہر، صاحب بحر وغیرہ نے ربع رأس کے قول کو اصح قرار دیا ہے اور اسی پر عمل ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۱۳)

مسئلہ: اگر کوئی شخص ایک انگلی یا دو انگلیوں کے ذریعہ سر کا مسح کرے تو اس کا مسح درست نہ ہوگا، ہاں اگر انگلیوں کے ساتھ، ہاتھ کی ہتھیلی کو بھی سر پر لگایا تو پھر مسح صحیح ہو جائے گا۔ اور اگر کسی شخص نے تین انگلی کو صرف سر پر رکھ لیا ان کو سر پر کھینچا نہیں تو مسح درست نہ ہوگا اس لیے کہ اس نے مقدار مفروض ادا نہیں کیا۔

اگر محدث شخص اپنا سر پانی میں ڈال دے، یا خف ڈالدے تو اس سے پانی مستعمل نہ ہوگا گو نیت ہی کیوں نہ کرے، کیونکہ پانی کے مستعمل ہونے کے لیے جسم منفصل ہونا شرط ہے اور یہاں یہ شکل نہیں پائی گئی ہے اس لیے پانی مستعمل نہ ہوگا، لیکن علامہ شامی فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ قابل غور ہے۔

(وَغَسْلُ جَمِيعِ اللِّحْيَةِ فَرْضٌ) يَعْنِي عَمَلِيًّا (أَيْضًا) عَلَى الْمَذْهَبِ الصَّحِيحِ الْمُفْتَى بِهِ الْمَرْجُوعُ إِلَيْهِ، وَمَا عَدَا هٰذِهِ الرِّوَايَةَ مَرْجُوعٌ عَنْهُ كَمَا فِي الْبَدَائِعِ. ثُمَّ لَا خِلَافَ أَنَّ الْمُسْتَرْسِلَ لَا يَجِبُ غَسْلُهُ وَلَا مَسْحُهُ بَلْ يُسَنُّ، وَأَنَّ الْخَفِيفَةَ الَّتِي تُرَى بَشَرَتُهَا يَجِبُ غَسْلُ مَا تَحْتَهَا كَذَا فِي النَّهْرِ. وَفِي الْبُرْهَانِ: يَجِبُ غَسْلُ بَشَرَةٍ لَمْ يَسْتُرْهَا الشَّعْرُ كَحَاجِبٍ وَشَارِبٍ وَعَنْفَقَةٍ فِي الْمُخْتَارِ (وَلَا يُعَادُ الْوُضُوءُ) بَلْ وَلَا بَلُّ الْمَحَلِّ (بِحَلْقِ رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ كَمَا لَا يُعَادُ) الْغَسْلُ لِلْمَحَلِّ وَلَا الْوُضُوءُ (بِحَلْقِ شَارِبِهِ وَحَاجِبِهِ وَقَلْمِ ظُفُرِهِ) وَكَشْطِ جِلْدِهِ (وَكَذَا لَوْ كَانَ عَلَى أَعْضَاءِ وُضُوئِهِ قُرْحَةٌ) كَالدُّمُلَةِ (وَعَلَيْهَا جِلْدَةٌ رَقِيقَةٌ فَتَوَضَّأَ وَأَمَرَّ الْمَاءَ عَلَيْهَا ثُمَّ نَزَعَهَا لَا يَلْزَمُهُ إِعَادَةُ غَسْلِ عَلَى مَا تَحْتِهَا) وَإِنْ تَأَلَّمَ بِالنَّزْعِ عَلَى الْأَشْبَهِ لِعَدَمِ الْبَدَلِيَّةِ، بِخِلَافِ نَزْعِ الْخُفِّ، فَصَارَ كَمَا لَوْ مَسَحَ خُفَّهُ ثُمَّ حَتَّهُ أَوْ قَشَرَهُ.

ترجمہ: اور پوری داڑھی کا دھونا بھی وضو میں فرض ہے، یعنی فرض عملی ہے، اس مذہب کی بنیاد پر جو صحیح مفتی بہ اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کا رجوع اسی قول کی طرف ثابت ہے۔ اور اس روایت کے علاوہ تمام روایتیں مرجوع عنہ یعنی متروک ہیں جیسا کہ بدائع میں موجود ہے، پھر اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ داڑھی کہ وہ بال جو لٹکے ہوئے ہوتے ہیں ان کا دھونا اور مسح کرنا واجب نہیں ہے؛ بلکہ اس حصہ پر مسح کر لینا صرف سنت ہے اور وہ ہلکی داڑھی کے اس کی کھال نظر آئے تو اس کے نیچے کے حصہ کا دھونا واجب ہے جیسا کہ نہر الفائق میں ہے۔ اور برہان میں ہے جس کھال کو بال نہ چھپاتے ہوں اس کو دھونا واجب ہے، جیسے: بھنوؤں، مونچھ اور وہ بال جو لب اور ٹھوڑی کے درمیان ہے، یہی مختار قول ہے۔ اور سر کے بال منڈانے اور داڑھی کے بال بنانے کے بعد دوبارہ وضو کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ اس جگہ کو دوبارہ بھگانا بھی ضروری نہیں ہے جیسا کہ غسل دوبارہ نہیں لوٹایا جائے گا، مونچھ کے حلق کرانے، بھنوؤں کے موڈنے، ناخن تراشنے اور

کھال اُکھاڑنے سے اور نہ وضو لوٹایا جائے گا۔اسی طرح اگر اعضائے وضو پر زخم ہوں جیسے پھوڑا اور اس زخم پر باریک چمڑا ہو پس اس نے وضو کیا اور اس پر پانی بہایا پھر اس کو نوچ ڈالا تو دوبارہ اس کے نیچے کے حصے کو دھونا لازم نہیں ہے بشرطیکہ کھال نوچنے میں درد محسوس ہوا ہو اس قول کی وجہ سے جو حق کے زیادہ مشابہ ہے، کیونکہ اس صورت میں نوچی ہوئی کھال اپنے نیچے کی کھال کے بدلہ میں نہ تھی۔ برخلاف اگر کوئی موزہ اُتار دے تو پاؤں کو دوبارہ دھونا لازم ہے پس کھال کا نوچنا ایسا ہو گیا گویا کسی نے اپنے خفین پر مسح کیا پھر اس کو کھرچا یا چھیلا، تو اس صورت میں مسح باقی رہے گا محض چھیلنے اور کھرچنے سے مسح کا اعادہ واجب نہ ہوگا۔

مختصر تشریح لحیہ سے مراد وہ بال ہیں جو دونوں رخساروں اور ٹھوڑی پر اُگتے ہیں۔داڑھی کے جو بال ہیں ان کو دھونا عملاً فرض ہے، البتہ داڑھی کے نیچے کھالوں تک پانی پہنچانا ضروری نہیں ہے بشرطیکہ داڑھی گھنی ہو۔اور اگر داڑھی کے بال گھنے نہ ہوں اور کھال نظر آتی ہو تو ایسی صورت میں کھالوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے، البتہ داڑھی کے وہ بال جو لٹکے ہوئے ہوں ان کو دھونا ان کا مسح کرنا ضروری نہیں ہے۔ہاں لٹکے ہوئے بالوں کو دھونا مسنون ہے اس لیے دھو لینا چاہئے یا مسح کر لینا چاہئے۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے کہ اگر زخم اچھا ہونے کے بعد کوئی شخص کھال نوچے اور اس سے کوئی درد اور تکلیف محسوس نہ کرے تو اس کو دوبارہ دھو لینا چاہئے اور اگر کھال نوچنے سے تکلیف ہوتی ہو اور زخم ٹھیک ہونے سے پہلے نوچا ہو تو اس صورت میں دھونا لازم نہیں ہے۔لیکن اشبہ یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں دھونا لازم نہیں ہے۔(شامی: ۱/ ۲۱۷)

مسئلہ: اگر کوئی شخص خفین پر مسح کرنے کے بعد خفین پاؤں سے نکال دے تو اس کا مسح ٹوٹ جائے گا اور دوبارہ پاؤں دھو کر خفین پہننا لازم ہوگا، ہاں اگر خفین پر مسح کرنے کے بعد خفین کو کھرچا یا ان کو چھیلا تو اس سے مسح نہیں ٹوٹے گا اور پاؤں دھونا لازم نہ ہوگا۔

[فُرُوعٌ] فِي أَعْضَائِهِ شِقَاقٌ غَسَلَهُ إِنْ قَدَرَ وَإِلَّا مَسَحَهُ وَإِلَّا تَرَكَهُ وَلَوْ بِيَدِهِ، وَلَا يَقْدِرُ عَلَى الْمَاءِ تَيَمَّمَ، وَلَوْ قُطِعَ مِنَ الْمِرْفَقِ غَسَلَ مَحَلَّ الْقَطْعِ. وَلَوْ خُلِقَ لَهُ يَدَانِ وَرِجْلَانِ، فَلَوْ يَبْطِشُ بِهِمَا غَسَلَهُمَا، وَلَوْ بِإِحْدَاهُمَا فَهِيَ الْأَصْلِيَّةُ فَيَغْسِلُهَا، وَكَذَا الزَّائِدَةُ إِنْ نَبَتَتْ مِنْ مَحَلِّ الْفَرْضِ، كَأُصْبُعٍ وَكَفٍّ زَائِدَيْنِ وَإِلَّا فَمَا حَاذَى مِنْهُمَا مَحَلَّ الْفَرْضِ غَسَلَهُ وَمَا لَا فَلَا، لَكِنْ يُنْدَبُ مُجْتَبَى.

ترجمہ اگر وضو کرنے والے کے اعضاء میں پھٹن ہو اور وہ اس کے دھونے پر قادر ہو تو اس کو دھوئے۔اور اگر دھونے پر قدرت نہ ہو تو اس پر مسح کرلے۔اور اگر مسح کرنے پر بھی قدرت نہ ہو تو اس کو چھوڑ دے۔اور اگر دونوں ہاتھ سے مسح نہ کر سکے تو صرف ایک ہاتھ سے مسح کرے۔اور اگر کوئی شخص پانی کے استعمال پر قدرت نہ رکھتا ہو تو تیمم کرلے۔اور اگر کسی شخص کا ہاتھ کہنی سے کاٹ دیا گیا ہو تو کہنی کا جو حصہ رہ گیا ہے اس کو دھوئے۔ور اگر کسی شخص کے دو ہاتھ اور دو پاؤں پیدا ہوئے ہوں (بایں طور کہ ہاتھ کہنی کے اوپر سے شاخ کی طرح بن کر نکلے یا دو پاؤں ٹخنوں کے اوپر سے نکلیں) تو اگر وہ ان دونوں سے پکڑتا ہے (یعنی کام لیتا ہے) تو ان دونوں کو دھوئے۔اور اگر ان دونوں میں سے ایک سے کام لیتا ہے دوسرے سے نہیں تو جس سے کام لیتا ہو صرف اس کو دھوئے۔

اسی طرح زائد انگلی اور زائد ہتھیلی محل فرض میں پیدا ہوگئی ہو تو اگر دونوں سے کام لیتا ہو تو دونوں دھوئے اور اگر دونوں سے کام نہ لیتا ہو تو جس سے کام لیتا ہو صرف اس کو دھوئے اور زائد انگلیاں یا زائد ہتھیلیاں جو محل فرض سے متصل ہوں ان کو دھوئے اور جو محل فرض سے متصل نہ ہوں ان کا دھونا لازم نہیں ہے؛ بلکہ مستحب ہے۔

مختصر تشریح فروع کے ذریعہ علامہ حصکفی نے ان مسائل کا اضافہ فرمایا ہے جو تنویر الابصار میں موجود نہیں تھے اور تقریباً ہر باب اور ہر فصل میں فروع کا اضافہ فرمایا ہے۔ فروع کا عنوان دے کر صاحب درمختار بعض ان ضروری اور اہم مسائل کا اضافہ فرماتے ہیں جو صاحب تنویر الابصار سے رہ گئے ہیں، باقی عبارت میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے وہ بالکل واضح ہے، لیکن کچھ مسائل وضاحت طلب ہیں جو ذیل میں درج ہیں۔

مسئلہ: اگر کسی شخص کے دونوں ہاتھ کہنی سمیت کاٹ دیئے گئے ہوں اور محل فرض باقی نہ ہو تو اس سے غسل کا فرض ساقط ہو جائے گا، باقی اعضاء کو دھو کر نماز ادا کرے، اور اگر ہاتھ کا کچھ حصہ باقی ہے تو مابقیہ حصہ کو دھونا لازم ہے۔

مسئلہ: اگر کسی شخص کے دو ہاتھ اور دو پاؤں الگ سے پیدا ہو گئے ہوں اور اصل پاؤں اور جو بعد میں پیدا ہوا دونوں سے کام کرتا ہو، اسی طرح دونوں ہاتھ سے کام کرتا ہو تو ایسی صورت میں اصل ہاتھ اصل پاؤں کے ساتھ ساتھ بعد میں جو ہاتھ اور پاؤں پیدا ہو گئے ہوں ان کا دھونا بھی لازم ہے اور اگر ان دونوں میں سے کسی ایک سے کام کرتا ہو دوسرا بیکار ہو تو صرف کارآمد ہاتھ اور کارآمد پاؤں کو دھونا ہی لازم ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۱۸)

مسئلہ: اسی طرح اگر محل فرض کے متصل زائد انگلیاں پیدا ہو گئی ہوں تو ان کو دھونا لازم ہے اور اگر محل فرض سے الگ جگہ پیدا ہوئی ہو تو دھونا لازم نہیں ہے۔

[وَسُنَنُهُ] أَفَادَ أَنَّهُ لَا وَاجِبَ لِلْوُضُوءِ وَلَا لِلْغُسْلِ وَإِلَّا لَقَدَّمَهُ، وَجَمَعَهَا لِأَنَّ كُلَّ سُنَّةٍ مُسْتَقِلَّةٌ بِدَلِيلٍ وَحُكْمٍ. وَحُكْمُهَا مَا يُؤْجَرُ عَلَى فِعْلِهِ وَيُلَامُ عَلَى تَرْكِهِ، وَكَثِيرًا مَا يُعَرِّفُونَ بِهِ لِأَنَّهُ مَحَطُّ مَوَاقِعِ أَنْظَارِهِمْ. وَعَرَّفَهَا الشُّمُنِّيُّ بِمَا ثَبَتَ بِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - أَوْ بِفِعْلِهِ وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ وَلَا مُسْتَحَبٍّ لَكِنَّهُ تَعْرِيفٌ لِمُطْلَقِهَا، وَالشَّرْطُ فِي الْمُؤَكَّدَةِ الْمُوَاظَبَةُ مَعَ تَرْكٍ وَلَوْ حُكْمًا، لَكِنْ شَأْنُ الشُّرُوطِ أَنْ لَا تُذْكَرَ فِي التَّعَارِيفِ. وَأَوْرَدَ عَلَيْهِ فِي الْبَحْرِ الْمُبَاحَ بِنَاءً عَلَى مَا هُوَ الْمَنْظُورُ مِنْ أَنَّ الْأَصْلَ فِي الْأَشْيَاءِ التَّوَقُّفُ، إِلَّا أَنَّ الْفُقَهَاءَ كَثِيرًا مَا يَلْهَجُونَ بِأَنَّ الْأَصْلَ الْإِبَاحَةُ فَالتَّعْرِيفُ بِنَاءً عَلَيْهِ.

ترجمہ اور وضو کی سنتیں (فرائض وضو کے بعد مصنف نے سنن وضو کو شروع فرمایا) اس سے معلوم ہوا کہ وضو اور غسل میں کوئی واجب نہیں ہے۔ اس لیے کہ اگر وضو میں کوئی واجب ہوتا تو اس کے بیان کو مقدم کرتے (کیونکہ واجب کا درجہ سنت سے بڑھا ہوا

ہے) اور صاحب کتاب ''سنن'' جمع کا صیغہ لائے ہیں اس لیے کہ ہر سنت ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے دلیل کے اعتبار سے بھی اور حکم کے اعتبار سے بھی۔ اور سنت کا حکم یہ ہے کہ اس کے کرنے پر اجر و ثواب ملے گا اور اس کو چھوڑنے پر مستحق ملامت قرار پائے گا۔ اور حضرات فقہائے کرام عام طور پر سنت کی حقیقت و تعریف اس کے حکم کے ساتھ بیان کرتے ہیں اس لیے کہ ان کے افکار کا یہی انداز بیان ہے۔ اور علامہ شمنی نے سنت کی تعریف اس طرح کی ہے کہ سنت وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے قول یا فعل (یا تقریر) سے ثابت ہو، اور وہ واجب اور مستحب نہ ہو۔ لیکن یہ تعریف مطلق سنت کی ہے اور سنت مؤکدہ میں شرط پابندی ہے کبھی کبھی چھوڑنے کے ساتھ (یعنی سنت مؤکدہ وہ ہے جس پر رسول اللہ ﷺ نے ہمیشگی کے ساتھ عمل کیا ہو اور کبھی کبھی چھوڑ بھی دیا ہو) اگرچہ چھوڑنا حکمی ہی کیوں نہ ہو (یعنی نہ کرنے والے پر نکیر نہ کرنا) لیکن شرطوں کی شان یہ ہے کہ وہ تعریفوں میں ذکر نہیں کیا جاتا ہے۔ اور علامہ شمنی کی مذکورہ تعریف پر البحر الرائق میں مباح کا اعتراض وارد کیا گیا ہے (یعنی یہ تعریف مباح پر بھی صادق آرہی ہے لہٰذا تعریف جامع نہ ہوئی) اس قول کی بنیاد پر جو دلائل سے مبرہن ہے اور قول یہ ہے کہ اشیاء میں اصل توقف کرنا ہے مگر حضرات فقہائے کرام عام طور پر کہا کرتے ہیں کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے پس تعریف اس قول کی بنیاد پر کی گئی ہے۔

مختصر تشریح مذہب اسلام نے جن چیزوں کو مشروع فرمایا ہے وہ چار طرح کی ہیں: (۱) فرض (۲) واجب (۳) سنت (۴) نفل۔ پس وہ کام جس کا کرنا اولیٰ ہو ترک کے مقابلہ میں اور ترک کرنا منع ہو اگر یہ کام دلیل قطعی سے ثابت ہو تو اس کو فرض کہا جائے گا اور اگر اس کا ثبوت دلیل ظنی سے ہو تو واجب کہا جائے گا اور اگر اس کے ترک سے روکا نہیں گیا ہے اور اس فعل پر رسول اللہ ﷺ نے دوام کے ساتھ عمل کیا ہے اور آپ کے بعد حضرات خلفائے راشدین نے عمل کیا ہے تو یہ سنت ہے اور اگر دوام کے ساتھ عمل نہ کیا تو نفل اور مستحب ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۱۸)

سنت کی قسمیں

پھر سنت کی علامہ شامی نے دو قسمیں بیان فرمائی ہیں: (۱) سنت الہدیٰ (۲) سنت زوائد۔ پس سنت الہدیٰ وہ ہے جس کا ترک کرنے والا قابل ملامت اور مرتکب کراہیت ہو، جیسے جماعت سے نماز، اذان، اقامت وغیرہ، اس کا چھوڑنے والا مستحق ملامت اور مرتکب کراہیت ہے۔

اور سنت زوائد وہ سنت ہے جو رسولِ اکرم ﷺ کی عادت شریفہ سے متعلق ہو اس کا تارک مرتکب کراہیت اور لائق ملامت نہ ہو، جیسے نبی کریم ﷺ کا لباس، قیام، قعود وغیرہ۔

اور نفل و مستحب اس کو کہتے ہیں کہ اس کے کرنے والے کو اس پر اجر و ثواب ملے، لیکن اس کے ترک پر اس پر گناہ نہ ہو۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ نفل و مستحب کا درجہ سنن زوائد سے کم ہے مگر اس کمی کی وجہ یہ ہے کہ سنن زوائد کا تعلق عادات سے ہے اور نفل و مندوب کا تعلق عبادات سے ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ نفل اور سنن زوائد حکم کے اعتبار سے دونوں یکساں ہیں، کسی

ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں اس لیے ان دونوں میں سے کسی کو بھی چھوڑنا قابل کراہت نہیں ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۱۸)

سنت کا حکم

سنت وہ فعل رسول ﷺ ہے جس کے بجالانے پر اجر و ثواب کا وعدہ ہو اور ثواب بھی ملے اور نہ بجالانے پر کوئی دارو گیر اور ملامت نہ ہو۔ ہاں اگر کوئی شخص سنت مؤکدہ کو بلا عذر چھوڑتا ہے تو مستحق ملامت ہوگا اور قیامت میں شفاعت رسول ﷺ سے محروم ہوگا اس لیے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا "مَن تركَ سنتي لَم ينلْ شَفاعَتِي" جس نے میری سنت کو چھوڑا وہ میری شفاعت نہ پائے گا۔ (شامی: ۱/ ۲۲۰)

علامہ شمنی کی تعریف پر اعتراض

علامہ شمنی نے سنت کی تعریف یہ کی ہے کہ جو رسول اکرم ﷺ کے قول یا فعل سے ثابت ہو اور واجب اور مستحب نہ ہو۔ اس تعریف پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس تعریف کی رو سے مباح بھی سنت میں داخل ہو رہا ہے؟ وار یہ تعریف مباح پر بھی صادق آرہی ہے؟ اس لیے کہ اس میں اختلاف ہے کہ اشیاء میں اصل کیا ہے: اباحت، حرمت، یا توقف؟ شوافع اور بعض حنفیہ کہتے ہیں کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ اور بقول شوافع امام ابو حنیفہ کے نزدیک اصل حرمت ہے۔ لیکن اکثر احناف کے نزدیک اشیاء میں اصل توقف ہے۔ اب جبکہ اشیاء میں اصل توقف ٹھہرا تو ظاہر بات ہے کہ کسی بھی شئی کی اباحت اس وقت تک ثابت نہ ہوگی جب تک کہ شارع علیہ السلام کی جانب سے مباح کا حکم نہ آجائے۔ پس معلوم ہوا کہ شمنی کی تعریف مباح پر صادق آرہی ہے۔

علامہ شامی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ شمنی کی تعریف میں جو "ما ثبت" کا لفظ آیا ہے اس سے مراد ثبوت طلب ہو ثبوت شرعی نہ ہو اور مباح مطلوب الفعل نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کو اختیار رہتا ہے لہٰذا اب مباح اس میں داخل نہ ہوگا اور شمنی کی تعریف اپنی جگہ درست ہوگی۔

ولو حکما: اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ کرنے والے پر آپ نے نکیر نہ فرمائی ہو، لہٰذا آپ کا نکیر نہ فرمانا ترک حکمی کے درجہ میں ہو گیا۔ رسول اکرم ﷺ نے رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکاف برابر کیا لیکن جن صحابہ نے نہیں کیا آپ ﷺ نے ان پر انکار نہیں فرمایا، یہی بمنزلہ ترک ہو گیا ہے اور اعتکاف سنت قرار پایا ہے ورنہ عمل رسول ﷺ کے دوام کی جانب دیکھتے ہوئے واجب ہونا چاہئے تھا۔

اور شرطوں کا تعریف میں اس لیے لحاظ نہیں کیا جاتا ہے کہ تعریف حقیقت و ماہیت کی ہوتی ہے اور شرط حقیقت و ماہیت میں داخل نہیں ہوتی ہے بلکہ حقیقت سے خارج ہوتی ہے اس لیے تعریف میں شرطوں کو ذکر نہیں کیا جاتا ہے اس لیے اگر علامہ شمنی نے عدم مواظبت کی قید نہیں لگائی ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لیے کہ مواظبت سنت مؤکدہ کی شرط ہے اور شروط کا ذکر

تعریف میں مناسب نہیں ہے۔

(الْبِدَايَةُ بِالنِّيَّةِ)أَيْ نِيَّةِ عِبَادَةٍ لَا تَصِحُّ إِلَّا بِالطَّهَارَةِ كَوُضُوءٍ أَوْ رَفْعِ حَدَثٍ أَوْ امْتِثَالِ أَمْرٍ وَصَرَّحُوا أَنَّهَا بِدُونِهَا لَيْسَ بِعِبَادَةٍ، وَيَأْثَمُ بِتَرْكِهَا، وَبِأَنَّهَا فَرْضٌ فِي الْوُضُوءِ الْمَأْمُورِ بِهِ، وَفِي التَّوَضُّؤِ بِسُؤْرِ حِمَارٍ وَنَبِيذِ تَمْرٍ كَالتَّيَمُّمِ. وَبِأَنَّ وَقْتَهَا عِنْدَ غَسْلِ الْوَجْهِ. وَفِي الْأَشْبَاهِ: يَنْبَغِي أَنْ تَكُونَ عِنْدَ غَسْلِ الْيَدَيْنِ لِلرُّسْغَيْنِ لِيَنَالَ ثَوَابَ السُّنَنِ. قُلْتُ: لَكِنْ فِي الْقُهُسْتَانِيِّ: وَمَحَلُّهَا قَبْلَ سَائِرِ السُّنَنِ كَمَا فِي التُّحْفَةِ، فَلَا تُسَنُّ عِنْدَنَا قُبَيْلَ غَسْلِ الْوَجْهِ، كَمَا تُفْرَضُ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ. اهـ. وَفِيهَا سَبْعُ سُؤَالَاتٍ مَشْهُورَةٍ نَظَمَهَا الْعِرَاقِيُّ فَقَالَ:

سَبْعُ سُؤَالَاتٍ لِذِي الْفَهْمِ أَتَتْ ... تُحْكَى لِكُلِّ عَالِمٍ فِي النِّيَّةْ
حَقِيقَةٌ حُكْمٌ مَحَلٌّ زَمَنٌ ... وَشَرْطُهَا وَالْقَصْدُ وَالْكَيْفِيَّةْ

ترجمہ اور وضو کی سنتوں میں سے ایک سنت وضو کو نیت کے ساتھ شروع کرنا ہے۔ یعنی ایسی عبادت کی نیت کرنا جو بغیر طہارت کے درست نہ ہوتی ہو، جیسے وضو کی نیت، یا حدث دور کرنے کی نیت، یا شریعت کے حکم کو بجالانے کی نیت کرنا۔ اور علماء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ وضو بغیر نیت کے عبادت نہیں ہوتی ہے اور وضو میں نیت چھوڑنے سے گناہ گار ہوگا۔ اور فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے کہ اس وضو میں نیت فرض ہے جو شرعی اعتبار سے مامور ہے، یعنی جس وضو کا شریعت میں کرنے کا حکم ہے۔ اور گدھے کے جھوٹے پانی سے یا نبیذ تمر سے وضو کیا جائے تو اس میں بھی نیت شرط ہے جس طرح تیمم میں نیت شرط ہے۔ اور فقہاء نے اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ وضو میں نیت کا وقت چہرہ دھونے کا وقت ہے (یعنی جب چہرہ دھونے لگے تو دل سے وضو کا ارادہ کرے) اور الاشباہ والنظائر میں ہے کہ دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک دھونے کے وقت نیت کرنا مناسب ہے تاکہ تمام سنتوں کا ثواب مل جائے اور میں کہتا ہوں کہ قہستانی میں ہے کہ نیت کا محل تمام سنتوں سے پہلے ہے جیسا کہ تحفہ میں صراحت ہے کہ چہرہ دھونے سے قبل نیت ہمارے نزدیک مسنون ہے جیسا کہ امام شافعی کے نزدیک نیت فرض ہے اور نیت کے باب میں سات مشہور سوالات ہیں جن کو عراقی نے نظم کر دیا ہے، چناں چہ فرمایا:

سمجھ دار لوگوں کے لیے نیت کے متعلق سات سوالات آئے ہیں جو ہر عالم کے واسطے یہاں ذکر کئے جاتے ہیں:

(۱) حقیقت نیت کے متعلق (۲) نیت کا حکم کیا ہے (۳) نیت کا محل کیا ہے (۴) نیت کب کرنا چاہئے یعنی وقت کیا ہے (۵) نیت کی شرط کیا ہے (۶) نیت کا مقصد کیا ہے (۷) نیت کی کیفیت کیا ہوگی۔

مختصر تشریح نوی، ینوی، نیۃ، باب (ض) سے ہے۔ اس کے لغوی معنی دل کا کسی چیز پر پختہ ارادہ کرنا ہے اور شریعت کی اصطلاح میں نیت کہتے کسی کام میں اللہ تعالیٰ کی طاعت اور تقرب الٰہی کا ارادہ کرنا۔

سنن وضو میں سے ایک سنت نیت کرنی ہے یعنی اس بات کی نیت کرنی کہ میں وضو سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہوں یا نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بغیر نیت کے وضو کرے تو وہ وضو عبادت میں شمار نہ ہوگا اور اس پر ثواب نہ ملے گا ہاں مگر چونکہ ایسے وضو سے بھی طہارت حاصل ہو جاتی ہے اس لیے نماز ہو جائے گی خواہ وضو میں نیت کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو۔ اور دوسرا مسئلہ اس میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص وضو میں نیت ترک کرنے کی عادت بنالے اور اس پر اصرار کرنے لگے اور خواہ مخواہ بلا عذر نیت ترک کرے تو اس میں وہ گناہ گار ہوگا۔ صاحب درمختار نے بیان فرمایا ہے کہ جو وضو شریعت میں مامور بہ ہے اس میں نیت فرض ہے حالانکہ نیت فرض نہیں ہے بلکہ اس وضو کی عبادت ہونے کے لیے نیت شرط ہے، رہا جو وضو نماز کے لیے مفتاح اور کنجی ہوتا ہے اسکے لیے نیت ضروری نہیں یہی وجہ ہے کہ اس کے ترک پر کوئی عتاب نہ ہوگا۔ (شامی: ۱/۲۲۵)

نبیذ تمر سے وضو کے جواز وعدم جواز میں اختلاف ہے۔ اصح قول یہ ہے کہ نبیذ تمر سے وضو جائز نہیں ہے اور جواز کا قول ضعیف ہے اگر کوئی نبیذ تمر سے وضو کر کے نماز ادا کر رہا تھا اور دوران نماز مطلق پانی مل جائے تو پھر وہ وضو ٹوٹ جائے گا اور دوبارہ وضو کر کے نماز پڑھنی ہوگی۔ (شامی: ۱/۲۲۵)

گدھے کا جھوٹا شریعت میں مشکوک پانی ہے اگر کوئی پانی اس کے علاوہ نہ ملے تو حکم یہ ہے کہ وضو اور تیمم دونوں کرے اور اس میں نیت کرنا احوط ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں کہ احوط سے مراد لزوم نیت ہے۔

وضو میں نیت کب کرے؟

اب سوال یہ ہے کہ متوضی وضو کرتے وقت نیت کب کرے؟ تو یاد رکھنا چاہئے کہ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ اصح قول یہ ہے کہ جو علامہ حصکفی نے قہستانی سے نقل کیا ہے کہ متوضی بسم اللہ پڑھنے سے پہلے نیت کرے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ چہرہ دھوتے وقت نیت کرے یا چہرہ دھونے سے پہلے نیت کرے یا دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک دھوتے وقت نیت کرے یہ قول درست نہیں ہے بلکہ درست بات یہ ہے کہ متوضی جوں ہی وضو کے لیے بیٹھے وضو کی نیت کرلے تا کہ تمام سنتوں کی ادائے گی کا ثواب مل جائے۔

علامہ حصکفی فرماتے ہیں باب نیت میں سات طرح کے سوالات ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱- نیت کی حقیقت اور اسکی تعریف، تو ابھی چند سطر قبل نیت کی حقیقت لغوی واصطلاحی بیان کی جاچکی ہے کہ نیت لغت میں "عزم القلب علی الشئی" کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاحی میں کسی فعل کے کرنے کیساتھ طاعت اور تقرب الی اللہ کا ارادہ کرنا۔

۲- نیت کا حکم۔ یعنی نیت کا حکم کیا ہے؟ تو نیت کا حکم یہ ہے کہ نیت وضو اور غسل میں سنت ہے اور نیت مقصود بالذات عبادت ہے اور نماز وزکوۃ میں اسی طرح تیمم میں نیت شرط ہے۔

۳- محل نیت کیا ہے؟ تو نیت کا محل انسان کا دل ہے، اگر دل میں ارادہ نہ پایا جائے اور محض زبان سے نیت کے الفاظ رسمی طور پر ادا کر لیے جائیں تو نیت درست نہ ہوگی۔ ہاں جو شخص پریشان قلب ہو دل میں نیت پر قدرت نہ رکھتا ہو یا نیت میں شک

واقع ہوتا ہو تو اس کے لیے الفاظ نیت پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ یہی کافی ہوں گے۔ اور بعض علماء نے زبان سے نیت کرنے کو بدعت کہا ہے اس لیے کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے زبان سے نیت کرنا ثابت نہیں ہے اس بارے میں ضعیف حدیث بھی نہیں ہے۔

۴- نیت کا وقت۔ یعنی نیت وضو میں کب کرنا چاہیے؟ تو ہر عبادت کا ابتدائی حصہ نیت کا وقت ہے جب عبادت شروع کرنے لگے مثلاً نماز پڑھنے لگے یا وضو شروع کرنے لگے یا غسل کرنے لگے تو پہلے نیت کرے۔

۵- نیت کی شرط۔ نیت کے صحیح ہونے کے لیے کیا شرائط ہیں؟ تو مسلمان ہونا، عاقل ہونا، بالغ ہونا صحت نیت کے لیے شرط ہے اور یہ کہ نیت اور منوی کے درمیان کوئی منافی فعل نہ کرے۔

۶- مقصد نیت۔ نیت کا مقصود یہ ہے کہ عادات کو عبادات سے الگ کر دیا جائے یعنی نیت ہی کے ذریعہ عبادت اور عادت کے درمیان فرق ہوگا اسی طرح ایک عبادت کو دوسری عبادت سے ممتاز کرنا مقصود ہے۔

۷- کیفیت نیت۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عبادت میں نیت سمجھ کر کرے اور اس طرح کرے جب اس کے متعلق معلوم کیا جائے تو فوراً اس کا جواب دے اس میں تردد نہ کرنے لگے اور سوچ کر جواب دینے کی ضرورت نہ پڑے۔

(وَ) الْبُدَاءَةُ (بِالتَّسْمِيَةِ) قَوْلًا، وَتَحْصُلُ بِكُلِّ ذِكْرٍ، لَكِنَّ الْوَارِدَ عَنْهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – «بِاسْمِ اللَّهِ الْعَظِيمِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى دِينِ الْإِسْلَامِ» (قَبْلَ الِاسْتِنْجَاءِ وَبَعْدَهُ) إلَّا حَالَ انْكِشَافٍ وَفِي مَحَلِّ نَجَاسَةٍ فَيُسَمِّي بِقَلْبِهِ؛ وَلَوْ نَسِيَهَا فَسَمَّى فِي خِلَالِهِ لَا تَحْصُلُ السُّنَّةُ، بَلْ الْمَنْدُوبُ. وَأَمَّا الْأَكْلُ فَتَحْصُلُ السُّنَّةُ فِي بَاقِيهِ لَا فِيمَا فَاتَ، وَلْيَقُلْ: بِسْمِ اللَّهِ أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ. (وَ) الْبُدَاءَةُ (بِغَسْلِ الْيَدَيْنِ) الطَّاهِرَتَيْنِ ثَلَاثًا قَبْلَ الِاسْتِنْجَاءِ وَبَعْدَهُ، وَقَيْدُ الِاسْتِيقَاظِ اتِّفَاقِيٌّ؛ وَلِذَا لَمْ يَقُلْ قَبْلَ إدْخَالِهِمَا الْإِنَاءَ لِئَلَّا يُتَوَهَّمَ اخْتِصَاصُ السُّنَّةِ بِوَقْتِ الْحَاجَةِ لِأَنَّ مَفَاهِيمَ الْكُتُبِ حُجَّةٌ، – بِخِلَافِ أَكْثَرِ مَفَاهِيمِ النُّصُوصِ، كَذَا فِي النَّهْرِ. وَفِيهِ مِنْ الْحَدِّ الْمَفْهُومُ مُعْتَبَرٌ فِي الرِّوَايَاتِ اتِّفَاقًا، وَمِنْهُ أَقْوَالُ [illegible] قَالَ: وَيَنْبَغِي تَقْيِيدُهُ بِمَا يُدْرَكُ بِالرَّأْيِ لَا مَا لَا يُدْرَكُ بِهِ. اهـ. وَفِي الْقُهُسْتَانِيِّ عَنْ حُدُودِ النِّهَايَةِ: الْمَفْهُومُ مُعْتَبَرٌ فِي نَصِّ الْعُقُوبَةِ كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى – ﴿كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ﴾ – وَأَمَّا اعْتِبَارُهُ فِي الرِّوَايَةِ فَأَكْثَرِيٌّ لَا كُلِّيٌّ

ترجمہ اور وضو کو بسم اللہ سے شروع کرنا بھی سنت ہے۔ اور بسم اللہ ہر ذکر الٰہی سے حاصل ہو جاتا ہے (جیسے لا الٰہ الا اللہ، سبحان اللہ، الحمد للہ وغیرہ) لیکن رسول اکرم ﷺ سے وضو میں اس طرح تسمیہ پڑھنا منقول ہے: بسم اللہ العظیم والحمد للہ علی دین الاسلام۔ اور تسمیہ استنجاء سے پہلے اور اس کے بعد سنت ہے ہاں ستر کھلنے کی حالت میں اور نجاست کی جگہ میں تسمیہ زبان سے

ادانہ کرے بلکہ اپنے دل میں تسمیہ ادا کر لے اور اگر کوئی شخص ابتدائے وضو میں بسم اللہ پڑھنا بھول گیا پھر یاد آنے پر درمیان ہی میں پڑھ لیا تو اس سے سنت ادانہ ہوگی؛ بلکہ مستحب ادا ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص کھانے کے شروع میں بسم اللہ بھول جائے اور یاد آنے پر درمیان میں پڑھ لے تو اس سے مابقیہ کھانے میں سنت ادا ہو جائے گی اور جو کھانا کھا چکا ہے اس میں سنت ادانہ ہوگی اور بسم اللہ أوّله وآخره پڑھے گا۔

اور دونوں پاک ہاتھوں کو تین مرتبہ دھونے سے وضو کا آغاز کرنا سنت ہے استنجاء سے پہلے بھی اور استنجاء کے بعد بھی۔ اور حدیث شریف میں استیقاظ کی جو قید ہے وہ اتفاقی ہے احترازی نہیں، اسی وجہ سے مصنف نے اس طرح نہیں کہا کہ دونوں ہاتھوں کو برتن میں ڈالنے سے پہلے دھونا سنت ہے تا کہ اس بات کا شبہ نہ پیدا ہو جائے کہ ہاتھ دھونے کی حد کسی حاجت کے ساتھ مخصوص ہے اس لیے کہ کتابوں کا مفہوم مخالف حجت ہے، بخلاف نصوص کے اکثر مفہوم کے، وہ مفہوم مخالف حجت نہیں ہے جیسا کہ النہر الفائق میں مذکور ہے۔ اور النہر الفائق کی کتاب الحد میں ہے کہ روایات میں مفہوم مخالف بالاتفاق معتبر ہے، اور اسی طرح سے صحابہ کرامؓ کے اقوال ہیں یعنی ان میں بھی مفہوم مخالف معتبر ہے اور النہر الفائق کے مصنف نے کہا کہ مناسب ہے کہ اس کو ادراک قیاس کے ساتھ مقید کیا جائے اور جو قیاس سے سمجھ میں نہ آئے وہ اس میں داخل نہیں ہے۔ اور علامہ قہستانی کی کتاب الحدود سے منقول ہے کہ مفہوم مخالف عقوبت والی نص میں معتبر ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: {كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ} قیامت کے روز وہ کفار ہرگز اپنے رب کو نہیں دیکھ پائیں گے اس کا مفہوم مخالف یہ ہوگا کہ مومنین قیامت کے روز اپنے رب کے دیدار سے شرف یاب ہوں گے، اور فقہ کی عبارت میں مفہوم کا اعتبار تو اکثری ہے کلی نہیں ہے۔

مختصر تشریح علامہ حصکفی نے لفظ "قولا" اضافہ فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ وضو کو بسم اللہ اور نیت کے ذریعہ ابتداء کرنے میں کوئی منافات نہیں ہے اس لیے کہ نیت کا محل قلب ہے اور بسم اللہ کا محل زبان ہے لہٰذا دونوں ہی سے وضو کی ابتداء ممکن ہے اور تسمیہ کی ادائے گی کے لیے بسم اللہ کہنا ہی ضروری نہیں ہے؛ بلکہ یہ سنت تمام ذکر اللہ سے حاصل ہو جائے گی تاہم جو تسمیہ رسول اکرم ﷺ سے منقول ہے اس کا پڑھنا افضل ہے۔

قوله قبل الاستنجاء وبعده: صاحب تنویر الابصار نے استنجاء کو وضو میں سے شمار کیا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ وضو کی ابتداء تسمیہ سے سنت ہے لیکن استنجاء کی ابتداء میں تسمیہ مسنون نہیں ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے کہ آپ جب بیت الخلاء تشریف لے جاتے تو اللّٰهم إني أعوذ بك من الخبث والخبائث پڑھتے۔ البتہ سعید بن منصور، ابو حاتم اور ابن سکن نے اس کے شروع میں بسم اللہ کا بھی اضافہ فرمایا ہے اور بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو یہ دعاء پڑھتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي الْأَذَىٰ وَعَافَانِي۔

قوله ولو نسيها فسمى في خلاله الخ: اگر کوئی شخص ابتدائے وضو میں بسم اللہ پڑھنا بھول گیا اور درمیان میں یاد آیا تو

درمیان ہی میں بسم اللہ پڑھ لے مگر اس سے سنت ادا نہ ہوگی؛ البتہ مستحب ادا ہو جائے گا یعنی اتنا ضرور ہوا کہ وضو تسمیہ سے خالی نہیں رہا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ درمیان کی تسمیہ بھی کافی ہے۔ باقی اگر کوئی شخص کھانا کھاتے وقت شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول گیا اور درمیان میں جب یاد آیا تو بسم اللہ أوله وآخره پڑھ لیا تو اس سے مابقیہ کھانے کی سنت ادا ہو جائے گی اس لیے کہ کھانے کا ہر لقمہ الگ فعل پر مشتمل ہے۔ (شامی: ۱/۲۲۷)

مسئلہ: محل نجاست میں اور ستر کھلنے کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ممنوع ہے زبانی ذکر میں مشغول ہونا جائز نہیں ہے ہاں اپنے دل میں ذکر کرتا رہے زبان نہ ہلائے۔

قوله والبداية بغسل اليدين: وضو کے شروع میں پاک ہاتھوں کو گٹوں تک تین مرتبہ دھونا سنت ہے اور اگر ہاتھ ناپاک ہوں یا ان میں نجاست لگی ہو تو پھر ایسی صورت میں دھونا واجب ہے۔ اگر کوئی شخص تین مرتبہ کے بجائے دو ہی مرتبہ پاک ہاتھوں کو گٹوں تک دھوئے تو وہ سنت پر عمل کرنے والا ہے مگر کمال کا چھوڑنے والا ہے۔ (شامی: ۱/۲۲۸)

قوله قيد الاستيقاظ اتفاقي: اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث شریف میں جو یہ حکم آیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو برتن میں ہاتھ نہ ڈالے جب تک کہ ہاتھ کو نہ دھولے، تو اس میں جو نیند سے بیدار ہونے کی قید ہے وہ اتفاقی ہے، احترازی نہیں ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ نیند سے بیدار ہو تب بھی تین مرتبہ ہاتھ دھوئے اور نیند سے بیدار نہ ہو بلکہ یوں ہی وضو کرنے کا ارادہ کرے تو بھی تین مرتبہ ہاتھ دھوئے، لہٰذا حدیث شریف کا حکم مستیقظ اور غیر مستیقظ دونوں کو شامل ہے، اسی پر اکثر علماء کرام ہیں۔ الغرض استیقاظ کی قید اتفاقی ہے اور غسل کا حکم مطلقاً ہے اسی لیے صاحب تنویر الابصار نے یہ نہیں فرمایا کہ برتن دونوں ہاتھ ڈالنے سے پہلے سنت ہے اس لیے کہ اس صورت میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ یہ حکم خاص ضرورت کے وقت ہے حالانکہ ایسی بات نہیں ہے؛ بلکہ عام حکم ہے اور سب کے لیے وضو سے پہلے تین مرتبہ پاک ہاتھوں کو گٹوں تک دھونا سنت ہے۔

قوله لأن مفاهيم الكتب حجة: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کتابوں کا مفہوم مخالف حجت ہے اور معتبر ہے لیکن اکثر نصوص کے مفہوم مخالف معتبر نہیں ہیں اور مفہوم مخالف کا مطلب یہ ہے کہ مذکور کے حکم سے اس چیز کا حکم سمجھ میں آئے جو مذکور نہیں ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے کہ جو مسلمان آزاد عورت سے نکاح کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ مسلمان لونڈی سے نکاح کرلے، اس کا مفہوم مخالف یہ نکلا کہ اگر آزاد عورت سے نکاح کی طاقت ہوگی تو وہ باندیوں سے نکاح نہیں کر سکتا ہے، چناں چہ شوافع اسی آیت کی وجہ سے باندی سے نکاح کو ناجائز کہتے ہیں بشرطیکہ آزاد عورت سے نکاح پر قدرت ہو، ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم مذکور نہیں ہے اس لیے مفہوم مخالف سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

اسی طرح اقوال صحابہ اگر غیر مدرک بالقیاس ہیں تو نص کے حکم میں ہونے کی وجہ سے ان میں بھی مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے اور اگر مدرک بالقیاس ہیں تو اس میں مفہوم مخالف کا اعتبار ہے۔ (شامی: ۱/۲۳۰)

(إلَى الرُّسْغَيْنِ) بِالضَّمِّ، مِفْصَلُ الْكَفِّ بَيْنَ الْكُوعِ وَالْكُرْسُوعِ، وَأَمَّا الْبُوعُ فَفِي الرِّجْلِ. قَالَ:

وَعَظْمٌ يَلِي الْإِبْهَامَ كُوعٌ وَمَا يَلِي ... لِخِنْصَرِهِ الْكُرْسُوعُ وَالرُّسْغُ فِي الْوَسَطِ

وَعَظْمٌ يَلِي إبْهَامَ رِجْلٍ مُلَقَّبٌ ... بِبُوعٍ فَخُذْ بِالْعِلْمِ وَاحْذَرْ مِنَ الْغَلَطِ

ثُمَّ إنْ لَمْ يُمْكِنْ رَفْعُ الْإِنَاءِ أَدْخَلَ أَصَابِعَ يُسْرَاهُ مَضْمُومَةً وَصَبَّ عَلَيْهَا الْيُمْنَى لِأَجْلِ التَّيَامُنِ. وَلَوْ أَدْخَلَ الْكَفَّ إنْ أَرَادَ الْغَسْلَ صَارَ الْمَاءُ مُسْتَعْمَلًا، وَإِنْ أَرَادَ الِاغْتِرَافَ لَا، وَلَوْ لَمْ يُمْكِنْهُ الِاغْتِرَافُ بِشَيْءٍ وَيَدَاهُ نَجِسَتَانِ تَيَمَّمَ وَصَلَّى وَلَمْ يُعِدْ. (وَهُوَ) سُنَّةٌ كَمَا أَنَّ الْفَاتِحَةَ وَاجِبَةٌ (يَنُوبُ عَنِ الْفَرْضِ) وَيُسَنُّ غَسْلُهَا أَيْضًا مَعَ الذِّرَاعَيْنِ.

ترجمہ دونوں ہاتھوں کو ابتدائے وضو میں گٹوں تک دھونا سنت ہے۔ لفظ ''رسغ'' ضمہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے، اس کے معنی ہیں: ہتھیلی کا وہ جوڑ جو کوع اور کرسوع کے درمیان ہے۔ اور بہر حال بوع نامی ہڈی تو وہ پاؤں میں ہوتی ہے، چناں چہ کسی شاعر نے کہا جس کا ترجمہ یہ ہے: اور وہ ہڈی جو انگوٹھے سے ملی ہے کوع ہے اور وہ ہڈی جو چھنگلی انگلی سے ملی ہے کرسوع ہے اور جو ان دونوں کے درمیان میں ہے رسغ ہے، یعنی گٹا اور جو ہڈی پاؤں کے انگوٹھے سے ملی ہے اس کا نام بوع ہے، پس اے مخاطب علم سے اس کو لے لو اور غلطی سے بچو۔ پھر اگر برتن اُٹھانا ممکن نہ ہو اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو ملا کر برتن میں ڈالے اور دائیں ہاتھ پر پانی بہائے تا کہ داہنے طرف سے طہارت شروع ہو سکے اور اگر ہتھیلی کو کسی نے پانی کے برتن میں داخل کیا اور اس کا مقصد غسل ہے تو پانی مستعمل ہو جائے گا اور اس کا مقصد غسل نہیں بلکہ صرف چلو بھرنے کا ارادہ کیا تو پھر پانی مستعمل نہ ہوگا اور اگر چلو سے پانی لینا کسی طرح بھی ممکن نہ ہو اور اس کے دونوں ہاتھ نجس ہوں تو تیمم کرے اور نماز پڑھ لے، اور پھر اس نماز کا اعادہ نہ کرے اور دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک شروع وضو میں دھونا ایسی سنت ہے جو فرض کے قائم مقام ہے سورۂ فاتحہ کی طرح اور ان (ہاتھوں) کو ذراعین کے ساتھ (دوبارہ) دھونا بھی مسنون ہے۔

مختصر تشریح لفظ ''مفصل'' منبر کے وزن پر ہے، جسم کے دو ہڈیوں کے ملنے کی جگہ۔ فخذ بالعلم: باء زائدہ ہے یا باء اصلیہ ہے اور مفعول محذوف ہے أي خذ هذه المسائل بعلم لا بظن، یعنی ان باتوں کو اپنے علم کی روشنی میں محفوظ کر لو اور غلطی سے پرہیز کرو۔

ہاتھوں کو گٹوں تک سنت کے مطابق دھونے کا طریقہ

دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک دھونے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اگر برتن چھوٹا ہے تو ہاتھ پانی میں نہ ڈالے بلکہ بائیں ہاتھ سے برتن کو اٹھائے اور داہنے ہاتھ پر تین مرتبہ پانی بہائے، پھر اس کو دھوئے اس کے بعد پانی کا برتن داہنے ہاتھ میں لے اور بائیں ہاتھ پر پانی ڈالے اور تین تین مرتبہ دونوں ہاتھ کو گٹوں تک دھوئے۔ اور اگر پانی کا برتن بہت بڑا ہے وہ اٹھا نہیں سکتا ہے جیسے گھڑا،

مٹکا، بالٹی وغیرہ تو اس صورت میں اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو ملا کر دائیں ہاتھ پر پانی ڈالے اور اس کو دھوئے، پھر اس کے بعد داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو دھوئے۔

مسئلہ: ہاتھ دھونے سے پہلے برتن میں ہاتھ ڈالنا مکروہ تنزیہی ہے حدیث شریف کی وجہ سے۔ اور حدیث شریف میں جو برتن میں ہاتھ ڈالنے سے منع کیا گیا ہے یہ اس صورت پر محمول ہے جب کہ چھوٹا برتن ہو جس سے پانی نکالا جا سکے یا پانی ایسے برتن میں رکھا ہے کہ اس کو اُٹھا کر انڈیلنا ممکن ہو۔

قولہ ولو ادخل الکف الخ: برتن میں ہتھیلی ڈالنے کی دو وجہ ہو سکتی ہے چھوٹا برتن نہ ہونے کی وجہ سے پانی لینا مقصود ہو، اور دوسری وجہ ہتھیلی کو دھونا مقصود ہو تو اگر برتن میں ہتھیلی ڈالنے کا مقصد اس کا دھونا ہے تو اس صورت میں پانی مستعمل ہو جائے گا اور اگر صرف چلو سے پانی لینا مقصود ہو تو اس صورت میں پانی مستعمل نہ ہوگا خواہ جنبی ہی کیوں نہ ہو اور دھونا مقصد ہو تو اس وقت صرف وہ پانی مستعمل ہوگا جو ہتھیلی سے ملنے کے بعد جدا ہوا ہو سارا پانی مستعمل نہ ہوگا اس کی پوری تفصیل ماء مستعمل کی بحث میں آئے گی۔ (شامی: ۱/ ۲۳۱)

مسئلہ: اگر کسی بڑے گہرے برتن میں گلاس یا کوئی برتن گر گیا اور اس کے نکالنے کے واسطے کہنی تک ہاتھ ڈالا تو اس سے بھی پانی مستعمل نہ ہوگا اس لیے کہ یہاں مقصد گرے ہوئے برتن کو نکالنا ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۳۱)

اگر برتن سے پانی نکالنا ممکن نہ ہو اور دونوں ہاتھ ناپاک ہوں تو اس صورت میں صاحب درمختار نے یہ حکم دیا ہے کہ تیمم کر کے نماز ادا کرے اور جو نماز تیمم کر کے ادا کی گئی ہے اس کا اعادہ واجب بھی نہیں ہے۔ لیکن علامہ شامی فرماتے ہیں کہ البحر الرائق میں ہے کہ ایسی صورت میں کسی دوسرے شخص کو حکم دے کہ وہ اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر اس کا ہاتھ دھلائے۔ اور اگر وہاں کوئی دوسرا شخص موجود نہ ہو تو اپنا رومال یا کوئی پاک کپڑا اس میں ڈالے اور اس سے نکالے اور اس سے جو پانی ٹپکے اس سے ہاتھ دھوئے اور اگر پاک کپڑا بھی موجود نہیں ہے اور منہ سے پانی نکالنا ممکن ہو تو منہ سے پانی نکالے اور اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو تیمم کر کے نماز ادا کر لے، پھر اس نماز کا اعادہ بھی واجب نہیں ہے اور منہ سے پانی نکالنے میں اختلاف ہے اور اصح قول یہ ہے کہ پانی مستعمل ہو جائے گا۔ (شامی/ ۱/ ۲۳۱)

دونوں ہاتھوں کو دھونے کے متعلق حضرات فقہائے کرام کے تین اقوال ہیں: (۱) دونوں ہاتھوں کا دھونا فرض ہے اور اس دھونے کو گٹے تک مقدم کرنا سنت ہے۔ (۲) سنت ہے، جو قائم مقام فرض کے ہو جاتا ہے جس طرح سورۂ فاتحہ کا نماز میں پڑھنا ہے اس قول کو کافی میں مختار قرار دیا ہے۔ (۳) تیسرا قول سرخسی کا ہے کہ یہ سنت ہے مگر فرض کے قائم مقام نہیں ہوتا ہے لہٰذا اس کو دوبارہ دھونا چاہئے۔ علامہ سرخسی نے اسی قول کو اصح قرار دیا ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۳۲)

(وَالسِّوَاكُ) سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ كَمَا فِي الْجَوَاهِرِ عِنْدَ الْمَضْمَضَةِ، وَقِيلَ: قَبْلَهَا، وَهُوَ لِلْوُضُوءِ عِنْدَنَا إِلَّا إِذَا نَسِيَهُ فَيُنْدَبُ لِلصَّلَاةِ؛ كَمَا يُنْدَبُ لِاصْفِرَارِ سِنٍّ وَتَغَيُّرِ رَائِحَةٍ وَقِرَاءَةِ قُرْآنٍ؛ وَأَقَلُّهُ ثَلَاثٌ فِي

الْأَعَالِي وَثَلَاثٌ فِي الْأَسَافِلِ (بِمِيَاهٍ) ثَلَاثَةٍ. (وَ) نُدِبَ إِمْسَاكُهُ (بِيُمْنَاهُ) وَكَوْنُهُ لَيِّنًا، مُسْتَوِيًا بِلَا عُقَدٍ، فِي غِلَظِ الْخِنْصَرِ وَطُولِ شِبْرٍ. وَيَسْتَاكُ عَرْضًا لَا طُولًا، وَلَا مُضْطَجِعًا، فَإِنَّهُ يُورِثُ كِبَرَ الطِّحَالِ، وَلَا يَقْبِضُهُ؛ فَإِنَّهُ يُورِثُ الْبَاسُورَ، وَلَا يَمُصُّهُ، فَإِنَّهُ يُورِثُ الْعَمَى، ثُمَّ يَغْسِلُهُ، وَإِلَّا فَيَسْتَاكُ الشَّيْطَانُ بِهِ، وَلَا يُزَادُ عَلَى الشِّبْرِ، وَإِلَّا فَالشَّيْطَانُ يَرْكَبُ عَلَيْهِ، وَلَا يَضَعُهُ بَلْ يَنْصِبُهُ، وَإِلَّا فَخَطَرُ الْجُنُونِ قُهُسْتَانِيٌّ. وَيُكْرَهُ بِمُؤْذٍ، وَيَحْرُمُ بِذِي سُمٍّ. وَمِنْ مَنَافِعِهِ أَنَّهُ شِفَاءٌ لِمَا دُونَ الْمَوْتِ، وَمُذَكِّرٌ لِلشَّهَادَةِ عِنْدَهُ. وَعِنْدَ فَقْدِهِ أَوْ فَقْدِ أَسْنَانِهِ تَقُومُ الْخِرْقَةُ الْخَشِنَةُ أَوِ الْأُصْبُعُ مَقَامَهُ، كَمَا يَقُومُ الْعِلْكُ مَقَامَهُ لِلْمَرْأَةِ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهِ.

ترجمہ مسواک کرنا کلی کرتے وقت اور بعض نے کہا کلی سے پہلے سنت ہے جیسا کہ جوہرہ میں ہے۔ اور مسواک ہمارے نزدیک وضو کے لیے سنت ہے اور اگر کوئی وضو میں مسواک کرنا بھول جائے تو پھر مسواک نماز کے لیے مستحب ہوگا جیسا کہ دانتوں کے پیلے پڑ جانے کے وقت، منہ سے بدبو پیدا ہونے کے وقت، اور قرآن پڑھنے کے لیے مسواک کرنا مستحب ہے۔ اور مسواک کم از کم اوپر کی جانب تین مرتبہ اور نیچے کی جانب تین مرتبہ تین مختلف پانیوں سے کرنا چاہئے اور مستحب ہے کہ مسواک داہنے ہاتھ سے پکڑے۔ اور مستحب ہے کہ مسواک نرم ہو، برابر ہو، اس میں گرہ نہ ہو، چھنگلی انگلی کے برابر موٹی ہو اور ایک بالشت لمبی ہو، اور مسواک دانتوں کی چوڑائی میں کی جائے نہ کہ لمبائی میں۔ اور مسواک لیٹ کر نہ کرے اس لیے کہ اس سے تلی بڑھ جاتی ہے اور مسواک کرتے وقت اس کو مٹھی سے نہ پکڑے اس لیے کہ اس سے بواسیر کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔ اور نہ مسواک کو چوسے اس لیے کہ اس سے آدمی نابینا ہو جاتا ہے۔ اور جب مسواک کر چکے تو اس کو دھو کر رکھے ورنہ اس سے شیطان مسواک کرتا ہے۔ اور مسواک ایک بالشت سے زیادہ لمبی نہ ہو ورنہ اس پر شیطان سوار ہوتا ہے اور مسواک کو پڑی نہ رکھے بلکہ کھڑی رکھے ورنہ دیوانہ ہونے کا اندیشہ ہے یہ تمام باتیں قہستانی میں ہے۔ اور تکلیف دینے والی لکڑی سے مسواک کرنا مکروہ ہے اور زہریلی لکڑی سے مسواک کرنا حرام ہے۔ اور مسواک کے بہت سارے فوائد ہیں جن میں سے چند یہ ہیں: مسواک موت کے علاوہ تمام بیماریوں کے لیے باعث شفاء ہے، مسواک کرنے سے بوقت موت کلمہ نصیب ہوتا ہے اور مسواک موجود نہ ہونے کے وقت یا دانت موجود نہ ہونے کے وقت کھردرا کپڑا یا انگلی مسواک کے قائم مقام ہو جاتی ہے جیسا کہ عورت کے لیے گوند کا چبانا مسواک کے قائم مقام ہوتا ہے مسواک پر قدرت کے باوجود۔

مختصر تشریح مسواک: سین کے کسرہ کیساتھ مستعمل ہے، اس لکڑی کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعہ مسواک کی جائے، مسواک کی تاکید احادیث مبارکہ میں بکثرت آئی ہے۔ ایک حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے لیے مسواک کا حکم دیتا۔ اور بعض روایت میں ہر وضو کے وقت مسواک کرنے کا حکم ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ میں مسواک کرنا اس قدر رائج تھا کہ صحابہ مسواک اپنے کانوں پر رکھتے تھے۔ مسواک کی اہمیت اس واقعہ سے بھی لگائی

جاسکتی ہے کہ ایک جنگ میں دشمنوں کی شکست محض اسی سنت مسواک کی ادائے گی کی وجہ سے ہوئی اور مسواک کرنے کی وجہ سے نماز میں ستر گنا اجر کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

ہمارے نزدیک مسواک وضو کے واسطے سنت مؤکدہ ہے، ہاں اگر کوئی شخص وضو کرتے وقت مسواک کرنا بھول گیا تو اس کے لیے نماز کے وقت کر لینا مستحب ہے۔ اب وضو کرتے وقت مسواک کب کرنا سنت ہے؟ تو البحر الرائق میں ہے کہ کلی کرتے وقت مسواک کرنا مستحب ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں کہ اسی پر اکثر لوگوں کا عمل ہے اور یہی اولیٰ ہے اس لیے کہ صفائی میں یہ اکمل ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۳۳)

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک نماز کی لیے مسواک سنت ہے نہ کہ وضو کی لیے، چناں چہ اگر کوئی شخص ایک وضو سے جس میں مسواک کیا تھا مختلف نمازیں پڑھیں تو ہمارے نزدیک وہی مسواک کافی ہے اور حضرت امام شافعی کے نزدیک ایک مسواک تمام نمازوں کے لیے کافی نہ ہوگی بلکہ ہر نماز کی لیے الگ الگ مسواک کرنا سنت ہے۔ اور سراج ہندی نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ مسواک کا وضو کی سنت ہونا ہی قرین قیاس بھی ہے اس لیے کہ بسا اوقات نماز کے وقت مسواک کرتے ہوئے دانت سے خون نکل جاتا ہے جو بالاتفاق نجس ہے گرچہ شوافع کے نزدیک ناقض وضو نہیں ہے لیکن خون نجس بہر حال ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۳۳)

وہ مقامات جہاں مسواک مستحب ہے

علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں غزنویہ سے نقل کیا ہے کہ پانچ مقامات پر مسواک کرنا سنت ہے جو درج ذیل ہیں: (۱) جب دانت پیلے پڑ جائیں (۲) جب منھ سے بدبو آنے لگے (۳) جب سو کر اُٹھے (۴) جب نماز کے لیے کھڑے ہو (۵) وضو کرتے وقت۔ اور امداد الفتاح میں اس کے علاوہ مقامات بھی بیان کئے گئے ہے جہاں مسواک کرنا مستحب ہے: (۶) گھر میں داخل ہونے کے وقت (۷) لوگوں سے ملاقات کرتے وقت (۸) قرآن شریف کی تلاوت کرنے کے لیے۔

صاحب امداد الفتاح فرماتے ہیں کہ مسواک وضو کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ مختلف حالات میں مسواک کرنا مستحب ہے۔ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ مسواک کرنا سنن دین میں سے ہے لہٰذا تمام حالات اس میں یکساں ہوں گے۔ اور قہستانی میں ہے کہ مسواک وضو کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ مستقل سنت ہے اور یہی ظاہر الروایہ بھی ہے۔

قوله وأقله ثلاثة في الأعالي الخ: مسواک کم از کم تین دفعہ اوپر کی جانب اور تین دفعہ نیچے کی جانب کرے۔ اور علامہ شامی نے معراج الدرایہ سے نقل کیا ہے کہ مسواک کی کوئی حد متعین شریعت کی جانب سے نہیں ہے؛ بلکہ اسوقت تک مسواک کرتا رہے جب تک منھ کی بدبو زائل ہونے کا یقین نہ ہو جائے۔ اور مسواک منھ کی دائیں جانب سے شروع کرے پھر بائیں جانب کرے، اسی طرح نیچے کے حصہ میں مسواک پہلے دائیں طرف کرے پھر بائیں طرف کرے۔ (شامی: ۱/ ۲۳۴)

مسئلہ: مسواک کو تین مرتبہ تر کرنا تین پانی سے افضل ہے یعنی ایک مرتبہ مسواک کرنے کے بعد مسواک کو دھوئے، پھر دوسری بار مسواک کرے اسی طرح پھر تیسری بار مسواک کرے۔

مسواک پکڑنے کا مسنون طریقہ

مسواک کرتے وقت مسواک پکڑنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ مسواک دائیں ہاتھ سے پکڑے اس طور پر کہ دائیں ہاتھ کی خنصر انگلی مسواک کے نیچے ہو اور انگوٹھا مسواک کے سرے کے نیچے ہو اور باقی تین انگلی مسواک کے اوپر ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مسواک پکڑنے کی یہی کیفیت روایت کی ہے۔ (شامی:۱/ ۲۳۴)

مسئلہ: مسواک نہ اتنی زیادہ نرم کہ دانتوں کے میل کچیل نہ نکالے اور نہ اتنی زیادہ سخت ہو کہ مسواک کرتے وقت مسوڑھوں میں زخم ہو جائے؛ بلکہ مسواک درمیانہ نرم ہو یعنی مسواک کا سر جو محل استعمال ہے اسکا نرم ہونا چاہئے۔ (شامی:۱/ ۲۳۴)

مسئلہ: افضل یہ ہے کہ مسواک پیلو کی لکڑی، یا زیتون کی لکڑی کی ہو، اس لیے کہ حدیث شریف میں زیتون کی مسواک کو عمدہ مسواک قرار دیا گیا ہے جو ایک مبارک درخت ہے۔ حضرات انبیاء کرام کی مسواک زیتون کی لکڑی کی ہوتی تھی اور خود رسول اکرم ﷺ کی مسواک بھی زیتون ہی کی ہوتی تھی۔ (شامی:۱/ ۲۳۵)

مسئلہ: انار کی لکڑی، اسی طرح بانس کی لکڑی سے مسواک کرنا مکروہ ہے اس لیے کہ اس سے دانتوں کے مسوڑھوں کے چھلنے کا اندیشہ ہے۔ (شامی:۱/ ۲۳۵)

مسئلہ: جب مسواک بنائی جائے اس وقت مسواک ایک بالشت ہونی چاہئے اگر استعمال کے بعد کم ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح اگر مسواک کو برابر کرنے کے لیے کاٹ دی جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ (شامی:۱/ ۲۳۴)

مسئلہ: جب مسواک کر چکے تو اس کو خوب اچھی طرح دھو کر کھڑی کر کے رکھے زمین پر پڑی نہ رکھے اس لیے کہ زمین پر مسواک پڑی رکھنے سے پاگل ہونے کا خطرہ ہے۔ اور مٹھی باندھ کر مسواک پکڑنا خلاف سنت ہے، اس طرح مسواک پکڑنے سے روکا گیا ہے۔

مسواک کے فوائد

مسواک کرنے کے فوائد بہت زیادہ ہیں، معمولی نفع تو منھ کی صفائی ہے اور اعلیٰ درجہ کا نفع یہ ہے کہ اس کی وجہ سے موت کے وقت کلمہ نصیب ہوتا ہے۔ حضراتِ علماء نے مسواک کے متعدد فوائد لکھے ہیں، چناں چہ النہر الفائق میں ۳۶/ فائدے لکھے گئے ہیں۔ اور بعضوں نے ستر فوائد لکھے ہیں، ان میں چند اہم فائدے یہاں سپردِ قلم کئے جاتے ہیں:

۱- مسواک کرنا موت کے علاوہ تمام بیماریوں کے لیے باعث شفاء ہے۔

۲- مسواک کرنے سے موت کے وقت کلمہ نصیب ہوتا ہے۔

۳- مسواک کرنا خوشنودیٔ رب کا ذریعہ ہے۔
۴- مسواک کرنے والا پل صراط سے تیزی سے گذر جائے گا۔
۵- مسواک سے منھ کی صفائی ہوتی ہے۔
۶- مسواک کرنے سے آنکھ کی بینائی تیز ہوتی ہے۔
۷- مسواک کرنا فرشتوں کو خوش کرتا ہے۔
۸- مسواک کرنے سے دانت میں چمک پیدا ہوتی ہے۔
۹- مسواک کرنے سے مسوڑھے مضبوط ہوتے ہیں۔
۱۰- مسواک کرنے سے بڑھاپا دیر سے آتا ہے۔
۱۱- مسواک کرنے سے کھانا جلد ہضم ہوتا ہے۔
۱۲- مسواک کرنے سے بلغم ختم ہوتا ہے۔
۱۳- مسواک کرنے سے معدہ مضبوط ہوتا ہے۔
۱۴- مسواک کرنے سے فصاحت میں اضافہ ہوتا ہے۔
۱۵- مسواک کرکے نماز ادا کرنے سے ثواب ستر گنا مضاعف ہوتا ہے۔
۱۶- مسواک کرنے سے حسنات میں اضافہ ہوتا ہے۔
۱۷- مسواک کرنے سے شیطان ناراض ہوتا ہے۔
۱۸- مسواک کرنے سے صفراء ختم ہوتا ہے۔
۱۹- مسواک کرنے سے سر کی رگ اور دانتوں کا درد درست رہتا ہے۔
۲۰- مسواک کرنے سے قرآن پاک پڑھنے کا راستہ پاک وصاف ہوتا ہے۔
۲۱- مسواک کرنے سے منھ کے اندر خوشبو پیدا ہوتی ہے۔
۲۲- مسواک کرنے سے روح آسانی سے نکل جاتی ہے۔
۲۳ مسواک کرنے سے دانتوں اور منھ کی بدبو ختم ہوتی ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۳۵)

مسئلہ: اگر مسواک موجود نہ ہو یا دانت موجود نہ ہوں تو انگلی پہ کھردرے کپڑے کا پھیر لینا مسواک کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ اور مسواک کا ثواب بھی مل جاتا ہے۔ حدیث شریف میں رسولِ اکرم ﷺ سے بھی دانتوں اور مسوڑھوں پر انگلی پھیرنا ثابت ہے اور انگلی پھیرنے میں کوئی خاص انگلی ضروری نہیں ہے جس انگلی سے بھی مسواک کرے لیکن شہادت کی انگلی کو پھیرنا زیادہ بہتر

ہے اور دونوں ہاتھ کی انگلی استعمال کرے اور اگر کوئی انگوٹھے سے مسواک کا کام لینا چاہتا ہے تو بھی جائز ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۳۶)
اور برابر مسواک کرنے سے عورتوں کے دانت چونکہ کمزور ہو جائیں گے اس لیے گوند کی اجازت دی گئی ہے چاہے مسواک پر قدرت ہی کیوں نہ حاصل ہو۔ (شامی: ۱/ ۲۳۶)

(وَغَسْلُ الْفَمِ) أَيْ اسْتِيعَابُهُ، وَلِذَا عَبَّرَ بِالْغَسْلِ - أَوْ لِلِاخْتِصَارِ (بِمِيَاهٍ) ثَلَاثَةٍ (وَالْأَنْفِ) بِبُلُوغِ الْمَاءِ الْمَارِنَ (بِمِيَاهٍ) وَهُمَا سُنَّتَانِ مُؤَكَّدَتَانِ مُشْتَمِلَتَانِ عَلَى سُنَنٍ خَمْسٍ: التَّرْتِيبُ، وَالتَّثْلِيثُ، وَتَجْدِيدُ الْمَاءِ، وَفِعْلُهُمَا بِالْيُمْنَى (وَالْمُبَالَغَةُ فِيهِمَا) بِالْغَرْغَرَةِ، وَمُجَاوَزَةِ الْمَارِنِ (لِغَيْرِ الصَّائِمِ) لِاحْتِمَالِ الْفَسَادِ؛ وَسِرُّ تَقْدِيمِهِمَا اعْتِبَارُ أَوْصَافِ الْمَاءِ؛ لِأَنَّ لَوْنَهُ يُدْرَكُ بِالْبَصَرِ، وَطَعْمَهُ بِالْفَمِ، وَرِيحَهُ بِالْأَنْفِ. وَلَوْ عِنْدَهُ مَاءٌ يَكْفِي لِلْغَسْلِ مَرَّةً مَعَهُمَا وَثَلَاثًا بِدُونِهِمَا غَسَلَ مَرَّةً. وَلَوْ أَخَذَ مَاءً فَمَضْمَضَ بِبَعْضِهِ وَاسْتَنْشَقَ بِبَاقِيهِ أَجْزَأَهُ، وَعَكْسُهُ لَا. وَهَلْ يُدْخِلُ أُصْبُعَهُ فِي فَمِهِ وَأَنْفِهِ؟ الْأَوْلَى نَعَمْ قُهُسْتَانِيٌّ. (وَتَخْلِيلُ اللِّحْيَةِ) لِغَيْرِ الْمُحْرِمِ بَعْدَ التَّثْلِيثِ، وَيَجْعَلُ ظَهْرَ كَفِّهِ إِلَى عُنُقِهِ (وَ) تَخْلِيلُ (الْأَصَابِعِ) الْيَدَيْنِ بِالتَّشْبِيكِ وَالرِّجْلَيْنِ بِخِنْصَرِ يَدِهِ الْيُسْرَى بَادِئًا بِخِنْصَرِ رِجْلِهِ الْيُمْنَى، وَهَذَا بَعْدَ دُخُولِ الْمَاءِ خِلَالَهَا، فَلَوْ مُنْضَمَّةً فُرِضَ.

ترجمہ اور منہ کا دھونا سنت ہے، یعنی منہ دھونے میں استیعاب کرنا، اسی وجہ سے مصنفؒ نے غسل کے لفظ سے تعبیر کی ہے (تا کہ استیعاب پر دلالت کرے) یا پھر اختصار کے پیش نظر غسل کا لفظ لائے ہیں (مضمضہ اور استنشاق کا لفظ نہیں لائے ہیں) تین مرتبہ کلی کرنا تین پانی سے مستحب ہے۔ اور ناک میں پانی ڈالنا بھی سنت ہے اس طور پر کہ پانی ناک کے نرم حصہ تک پہنچ جائے۔ اور یہ دونوں سنت موکدہ ہیں جو پانچ سنتوں پر مشتمل ہے: (۱) ترتیب۔ (۲) تثلیث یعنی ہر ایک کو تین تین بار دھونا۔ (۳) نیا پانی لینا۔ (۴) کلی اور ناک میں پانی ڈالنے میں دائیں ہاتھ کا استعمال کرنا۔ (۵) اور ان دونوں میں مبالغہ کرنا غرغرہ کے ذریعہ اس شخص کے لیے جو روزہ دار نہ ہو، اس لیے کہ روزہ رکھنے والا مبالغہ کرے گا تو اس کے روزہ کے فاسد ہونے کا احتمال ہے۔ اور ان دونوں کے غسل کو مقدم کرنے میں راز یہ ہے کہ پانی کے اوصاف معلوم ہو جائیں اس لیے کہ پانی کا رنگ دیکھنے سے معلوم ہوگا اور اس کا ذائقہ منہ سے معلوم ہوگا اور اس کی بو ناک سے معلوم ہوگی۔ اور اگر وضو کرنے والے کے پاس اتنا پانی ہو کہ اگر وہ کلی اور استنشاق کرے تو ایک مرتبہ دھونے کے لیے پانی کافی ہوگا۔ اور اگر کلی اور استنشاق نہ کرے تو تین مرتبہ اس پانی سے اعضائے وضو دھوئے جاسکتے ہیں، تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ کلی اور استنشاق کرے اور اعضاء وضو صرف ایک مرتبہ دھونے پر اکتفا کرے اگر کسی نے ایک چلو پانی لیا اور اس کے کچھ پانی سے تو کلی کی اور باقی پانی سے ناک صاف کی تو یہ اس کے لیے کافی ہو جائے گا۔ اور اگر کسی نے اس کا الٹا کیا تو کافی نہ ہوگا۔ اور رہی یہ بات کہ وضو کرنے والا اپنی انگلی اپنے منہ اور ناک میں ڈالے یا نہ ڈالے؟ تو بہتر یہ ہے

کہ ڈالے جیسا کہ قہستانی میں ہے اور غیر محرم کے لیے داڑھی کے بالوں کا خلال کرنا بھی سنت ہے تثلیث کے بعد خلال کرتے وقت اپنی ہتھیلی کی پشت اپنی گردن کی طرف رکھے اور وضو میں دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کا خلال کرنا سنت ہے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر کے۔ اور دونوں پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا بھی سنت ہے اس طور پر کہ بائیں ہاتھ کی چھنگلی کے ذریعہ دائیں پیر کی چھنگلی سے شروع کرے اور اسے بائیں پیر کی چھنگلی پر ختم کرے اور انگلیوں کا خلال کرنا اس وقت سنت ہے جب کہ پانی پہنچ رہا ہو اور اگر انگلیاں آپس میں ملی ہوئی ہوں تو پھر خلال کرنا فرض ہے۔

مختصر تشریح یہاں صاحب تنویر الابصار عام مصنفین کے خلاف غسل الفم و الأنف کے لفظ کو لائے ہیں اور عام مصنفین مضمضہ واستنشاق کا لفظ لاتے ہیں، مصنف نے یہ طریقہ اس لیے اختیار فرمایا ہے کہ اس میں جو استیعاب کا مفہوم موجود ہے وہ مضمضہ اور استنشاق میں موجود نہیں ہے نیز دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے عبارت بھی مختصر ہوگئی ہے، اگر مضمضہ اور استنشاق کا لفظ لایا جاتا تو اس میں عبارت کچھ لمبی ہو جاتی۔

احناف کے نزدیک تین مرتبہ کلی کرنا اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالنا اور ہر مرتبہ نیا پانی لینا سنت ہے۔ اور حضرت امام شافعی کے نزدیک ایک چلو پانی لے کر اسی سے کلی اور ناک صاف کرے، ہر ایک کے لیے الگ الگ پانی لینا مسنون نہیں ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا دونوں سنت مؤکدہ ہیں لہٰذا اگر کوئی شخص چھوڑنے کی عادت بنالے اور خواہ مخواہ بلا عذر چھوڑے تو گناہگار ہوگا صحیح قول کے مطابق۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص روزہ دار نہیں ہے تو اس کے لیے کلی اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنا سنت ہے، ہاں اگر کوئی روزہ دار ہے تو اس کے لیے مبالغہ نہیں ہے اس لیے کہ مبالغہ کرنے کی وجہ سے فسادِ صوم کا اندیشہ ہے، عین ممکن ہے کہ پانی حلق کے اندر چلا جائے اور روزہ فاسد ہو جائے اس لیے روزہ دار مبالغہ نہیں کرے گا۔

کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کی حکمت

وضو سے قبل کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں حکمت یہ ہے تا کہ پانی کے اوصاف معلوم ہو جائیں اور پانی کے تین وصف ہیں: رنگ، مزہ، بو۔ رنگ تو آنکھ سے دیکھنے سے معلوم ہو جائے گا۔ اور مزہ منھ سے معلوم ہو جائے گا اور بو ناک سے سونگھ کر معلوم ہو جائے گا۔ تو کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کو بابِ وضو میں مقدم کر کے یہ بتایا ہے کہ چہرہ اور ہاتھ وغیرہ صاف و پاک پانی سے دھویا جائے اور یہ کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے ہی سے معلوم ہوگا اس لیے اس کو مقدم رکھا۔

قولہ ولو عندہ ماء الخ: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس اتنا پانی ہے کہ اگر وہ باقاعدہ کلی کر کے اور ناک میں پانی ڈال کے وضو کرے تو اعضائے وضو صرف ایک ایک مرتبہ دھویا جا سکتا ہے اور اگر کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کو چھوڑ دیا جائے تو اتنا پانی ہے کہ ہر عضو کو تین تین بار باقاعدہ دھویا جا سکتا ہے تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ کلی کرے اور ناک میں پانی

ڈالے اور اعضائے وضو کو صرف ایک ایک مرتبہ دھوئے، تین مرتبہ دھونا ضروری نہیں ہے۔ اور مضمضہ اور استنشاق اس سے زیادہ مؤکد سنت ہیں اس لیے ان کو بجالائے اور اعضائے وضو کے تثلیث کو چھوڑ دیا جائے۔

قولہ وعکسہ لا الخ: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک چلو پانی لے اور کچھ پانی سے استنشاق کرے، پھر جو پانی بچ گیا اس سے کلی کرلے تو یہ کافی نہ ہوگا، اس لیے کہ اس صورت میں پانی مستعمل ہوجائے گا اس لیے کہ ناک میں پانی نہیں رکتا ہے اور منہ میں پانی رکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کلی پہلے کی پھر مابقیہ پانی سے استنشاق کیا تو اس صورت میں استنشاق اور مضمضہ دونوں ہوجائیں گے یہ اور بات ہے کہ ہر مرتبہ نیا پانی لینا جو سنت تھا وہ فوت ہوگیا لیکن مضمضہ اور استنشاق کی اصل سنت ادا ہوجائے گی۔

تخلیل لِحیَہ کا حکم

تین مرتبہ چہرہ دھونے کے بعد الگ سے داڑھی کا خلال کرنا غیر محرم کے لیے سنت ہے، لیکن داڑھی کے خلال کرنے کے سلسلے میں چار اقوال کتب فقہ میں منقول ہیں:

۱- داڑھی کا خلال کرنا واجب ہے۔ یہ حضرت سعید بن جبیر کا قول ہے۔

۲- داڑھی کا خلال کرنا سنت ہے۔ یہ حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کا قول ہے اور حضرت امام محمدؒ سے روایت ہے کہ یہی قول صحیح ہے۔

۳- داڑھی کا خلال کرنا مستحب ہے۔

۴- داڑھی کا خلال کرنا جائز ہے۔

منح الغفار میں داڑھی کے خلال کرنے کا طریقہ اس طرح لکھا ہے کہ داڑھی میں نیچے سے ہاتھ کی انگلیاں ڈالے اور اوپر کی طرف لائے اس طور پر کہ ہاتھ کی پشت اس کی طرف ہو۔ (شامی: ۱/ ۲۳۸)

مسئلہ: داڑھی کا خلال داہنے ہاتھ سے کرنا چاہئے جیسا کہ حلیہ میں اس کی تصریح موجود ہے اور یہی ظاہر مذہب ہے۔ اور دُرر میں جو لکھا ہے کہ داڑھی کے خلال کرتے وقت دونوں ہاتھ کی انگلیاں داخل کرے یہ گذشتہ روایت اور معمول بہ طریقہ کے خلاف بات ہے۔

قولہ وتخلیل الأصابع: دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کا خلال کرنا باتفاقِ امت سنت مؤکدہ ہے۔ اور خلال اس طرح کرنا کہ ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں داخل کردی جائیں، یہی تشبیک ہے، اور جس طرح ہاتھوں کی انگلیوں کا خلال کرنا مسنون ہے اسی طرح پاؤں کی انگلیوں کا بھی خلال کرنا مسنون ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے بائیں ہاتھ کی چھنگلی انگلی کو دائیں پاؤں کی چھنگلی میں قدم کی پشت کی طرف سے داخل کرکے نیچے لے جائیں پھر اسکو اوپر کی جانب اُٹھائیں۔

مسئلہ: واضح رہے کہ خلال کرنا انگلیوں میں اس وقت مسنون ہے جب پانی انگلیوں میں پہنچ رہا ہو اور اگر انگلیاں آپس

میں ملی ہوئی ہیں پانی نہ پہنچ رہا ہو تو پھر خلال کرنا فرض ہے اس لیے کہ اس کے علاوہ پانی پہنچانے کی کوئی شکل نہیں ہے، لہٰذا خلال ہی فرض ہوگا۔ (شامی: ۱/ ۲۳۹)

خنصر انگلی سے خلال کرنے کا اس لیے حکم دیا گیا ہے کہ خنصر تمام انگلیوں میں پتلی ہے اندر جانے میں آسانی ہوگی اور خلال کرتے وقت نیچے لے جانے کا حکم اس لیے ہے کہ اس صورت میں پانی پہنچانے میں زیادہ مبالغہ ہے۔

(وَتَثْلِيثُ الْغَسْلِ) الْمُسْتَوْعِبُ، وَلَا عِبْرَةَ لِلْغَرَفَاتِ، وَلَوْ اكْتَفَى بِمَرَّةٍ إنْ اعْتَادَهُ أَثِمَ، وَإِلَّا لَا، وَلَوْ زَادَ لِطُمَأْنِينَةِ الْقَلْبِ أَوْ لِقَصْدِ الْوُضُوءِ عَلَى الْوُضُوءِ لَا بَأْسَ بِهِ، وَحَدِيثُ " فَقَدْ تَعَدَّى " مَحْمُولٌ عَلَى الِاعْتِقَادِ، وَلَعَلَّ كَرَاهَةَ تَكْرَارِهِ فِي مَجْلِسٍ تَنْزِيهِيَّةٌ، بَلْ فِي الْقُهُسْتَانِيِّ مَعْزِيًّا لِلْجَوَاهِرِ الْإِسْرَافُ فِي الْمَاءِ الْجَارِي جَائِزٌ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُضَيِّعٍ، فَتَأَمَّلْ.

ترجمہ اور جن اعضائے وضو کو دھویا جاتا ہے ان کو تین تین بار پورے طور پر دھونا سنت ہے۔ اور چلو کا اعتبار نہیں ہے۔ اور اگر کوئی صرف ایک مرتبہ دھونے پر اکتفا کرے اور اس کو عادت بنالے تو گناہ گار ہوگا اور اگر تین مرتبہ سے زیادہ اطمینان قلب کے لیے دھوئے یا ایک وضو رہتے ہوئے دوبارہ وضو کرے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ اور حدیث شریف میں جو "فقد تعدی" کا لفظ آیا ہے، (یعنی جس نے تین مرتبہ سے زیادہ اعضائے وضو کو دھویا اس نے ظلم کیا) یہ محمول ہے اعتقاد پر (یعنی تین مرتبہ سے زیادہ دھونے کو سنت ہونے کا اعتقاد رکھے) اور ایک مجلس میں وضو مکرر کرنے کو فقہاء نے جو مکروہ لکھا ہے شاید اس سے مکروہ تنزیہی مراد ہو؛ بلکہ قہستانی میں جواہر سے منقول ہے کہ رواں پانی میں اسراف کرنا جائز ہے اس لیے کہ یہ شخص پانی کو ضائع کرنے والا نہیں ہے یہ مسئلہ قابل غور ہے۔

مختصر تشریح وضو میں جن اعضاء کو دھویا جاتا ہے ان کو تین تین مرتبہ اس طور پر دھونا کہ ایک بال کے برابر بھی خشک نہ رہنے پائے سنت مؤکدہ ہے، پس اگر کوئی شخص اعضائے وضو کو اس طرح دھوئے کہ پہلی مرتبہ کچھ حصہ بھیگے اور کچھ خشک رہ جائے، پھر دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہو اور تیسری مرتبہ مکمل عضو دھلا تو اس سے تثلیث کی سنت ادا نہ ہوگی اس لیے کہ ہر مرتبہ اعضائے وضو کو دھونے میں استیعاب کرنا سنت ہے، اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ سے ہر مرتبہ پورے عضو کو دھونا ثابت ہے۔ اور سنت غسل کا تکرار ہے لہٰذا اگر کوئی تین چلو پانی عضو پر ڈالتا ہے تو اس سے سنت ادا نہ ہوگی۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص اعضائے وضو کو تین تین مرتبہ نہ دھوئے اور اسی کو اپنی عادت بنالے اور بلا عذر ترک کرے تو ایسا شخص گناہ گار ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص تین تین مرتبہ اعضائے وضو کو دھونے کو سنت ہونے کا اعتقاد نہ رکھے تو بھی گناہ گار ہوگا۔ ہاں اگر کوئی شخص عذر کی وجہ سے تثلیث کو چھوڑتا ہے یا کبھی تثلیث کو بجالاتا ہے اور کبھی ترک کر دیتا ہے لیکن اعتقاد تثلیث سنت کا ہے تو گناہ گار نہ ہوگا۔ (شامی: ۱/ ۲۴۰)

مسئلہ: اعضائے وضو کو تین تین مرتبہ سے زیادہ دھونا اگر اطمینان قلب کے لیے ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور شک کی وجہ سے ہے تو اس کو ترک کر دینا اولیٰ ہے تا کہ وسوسہ کا مرض ختم ہو جائے اس لیے کہ وسوسہ شیطان کا فعل ہے جس کی مخالفت کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۴۰)

اگر وضو کرتے وقت درمیان ہی میں شک واقع ہو جائے تو دوبارہ وضو کرے اور اگر وضو سے فراغت کے بعد شک واقع ہوا یا اس کو شک میں پڑنے کی بیماری ہے تو دوبارہ وضو کے اعضاء کو دھونا کوئی ضروری نہیں ہے اور ایک مجلس میں بلا ضرورت بار بار وضو کرنا یعنی وضو رہتے ہوئے دوبارہ وضو کرنا بعض علماء نے مکروہ لکھا ہے اس لیے کہ اس میں اسراف ہے۔ علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص آب جاری پر بیٹھ کر وضو کرے اور خوب پانی بہائے تو یہ اسراف میں داخل نہیں ہے اس لیے کہ وہ پانی کو ضائع کرنے والا نہیں ہے لیکن علامہ حصکفیؒ کا یہ بیان کرنا محل نظر ہے اس لیے کہ یہ بھی اسراف وفضول خرچی میں داخل ہے جیسا کہ اس کی بحث آئندہ آئے گی۔

(وَمَسْحُ كُلِّ رَأْسِهِ مَرَّةً) مُسْتَوْعِبَةً، فَلَوْ تَرَكَهُ وَدَوَامَ عَلَيْهِ أَثِمَ (وَأُذُنَيْهِ) مَعًا وَلَوْ (بِمَائِهِ) -لَكِنْ لَوْ مَسَّ عِمَامَتَهُ فَلَا بُدَّ مِنْ مَاءٍ جَدِيدٍ (وَالتَّرْتِيبُ) الْمَذْكُورُ فِي النَّصِّ. وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - فَرْضٌ، وَهُوَ مُطَالَبٌ بِالدَّلِيلِ (وَالْوِلَاءُ) بِكَسْرِ الْوَاوِ: غَسْلُ الْمُتَأَخِّرِ أَوْ مَسْحِهِ قَبْلَ جَفَافِ الْأَوَّلِ بِلَا عُذْرٍ. حَتَّى لَوْ فَنِيَ مَاؤُهُ فَمَضَى لِطَلَبِهِ لَا بَأْسَ بِهِ، وَمِثْلُهُ الْغُسْلُ وَالتَّيَمُّمُ، وَعِنْدَ مَالِكٍ فَرْضٌ؛ وَمِنَ السُّنَنِ: الدَّلْكُ، وَتَرْكُ الْإِسْرَافِ، وَتَرْكُ لَطْمِ الْوَجْهِ بِالْمَاءِ، وَغَسْلُ فَرْجِهَا الْخَارِجِ (وَمُسْتَحَبُّهُ) وَيُسَمَّى مَنْدُوبًا وَأَدَبًا وَفَضِيلَةً، وَهُوَ مَا فَعَلَهُ النَّبِيُّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - مَرَّةً وَتَرَكَهُ أُخْرَى، وَمَا أَحَبَّهُ السَّلَفُ: (التَّيَامُنُ) فِي الْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ وَلَوْ مَسْحًا، لَا الْأُذُنَيْنِ وَالْخَدَّيْنِ، فَيُلْغَزُ، أَيُّ عُضْوَيْنِ لَا يُسْتَحَبُّ التَّيَامُنُ فِيهِمَا؟ . (وَمَسْحُ الرَّقَبَةِ) بِظَهْرِ يَدَيْهِ (لَا الْحُلْقُومِ) لِأَنَّهُ بِدْعَةٌ.

ترجمہ اور پورے سر کا ایک مرتبہ مسح کرنا سنت ہے، پس اگر اسے کوئی چھوڑ دے اور اس کی عادت بنالے تو گناہگار ہوگا۔ اور دونوں کانوں کا مسح کرنا بھی سنت ہے، اگرچہ سر کے پانی ہی سے کیوں نہ ہو، لیکن اگر سر کے مسح کرنے کے بعد پگڑی کو چھوا تو پھر کانوں کے مسح کے لیے نیا پانی لینا ضروری ہے۔ اور قرآن مجید میں جو ترتیب مذکور ہے اسی ترتیب سے وضو کرنا بھی سنت ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ترتیب فرض ہے اور فرضیت ترتیب کی دلیل کا مطالبہ امام شافعی سے کیا جائے گا۔ اور پے درپے وضو کرنا بھی سنت ہے، یعنی بعد والے عضو کا دھونا یا اس کا مسح کرنا پہلے عضو کے خشک ہونے سے پہلے عذر نہ ہونے کے وقت اگر عذر ہو مثلاً وضو کرتے ہوئے پانی ختم ہو گیا اور اس کے لینے کے لیے گیا اور اس میں عضو خشک ہو گیا تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، یہی حکم غسل اور

تیمم کا بھی ہے اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک ولاء یعنی پے در پے دھونا فرض ہے۔ اور وضو کی سنتوں میں سے اعضائے وضو کو ملنا ہے اور وضو کرنے میں فضول پانی بہانے اور چہرہ پر پانی مارنے کو چھوڑنا ہے اور شرمگاہ کے باہری حصہ کو دھونا عورت کے لیے سنت ہے۔ اور وضو کے مستحب جسے مندوب، ادب اور فضیلت بھی کہتے ہیں۔ اور مستحب وہ عمل ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے کبھی کیا ہو اور کبھی نہ کیا ہو۔ اور اسلاف نے اس کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہو۔ مستحبات وضو میں سے یہ ہے کہ وضو کرتے وقت ہاتھ پاؤں کو دائیں طرف سے دھونا شروع کیا جائے اگرچہ وہ مسح ہی کیوں نہ ہو دونوں کانوں کا مسح اور دونوں رخساروں کے دھونے میں تیامن مستحب نہیں ہے، اس وجہ سے پہیلی بنا کر سوال کیا جاتا ہے کہ وہ دو عضو کون سے ہیں جن میں دائیں سے شروع کرنا مستحب نہیں ہے۔ اور گردن کا مسح کرنا بھی سنت ہے دونوں ہاتھوں کی پشت سے اور حلقوم کا مسح سنت نہیں ہے بلکہ بدعت ہے۔

مختصر تشریح پورے سر کا استیعاب مسح میں سنت ہے۔ حدیث شریف میں ہے رسول اکرم ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس طرح مسح فرمایا کہ ایک بار دونوں ہاتھوں کو سر کے آگے سے پیچھے کی جانب لے گئے پھر پیچھے سے آگے کی جانب لائے اور بعض حدیث میں ہے کہ سر کے اگلے حصے سے دونوں ہاتھوں کو پیچھے گدی کی طرف لے گئے پھر دونوں کو آگے کی جانب لائے۔ الغرض پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص سر کے استیعاب کو بلا وجہ چھوڑنے کی عادت بنالے تو چونکہ اس سے سنت سے اعراض پایا جارہا ہے اس لیے گناہ گار ہوگا۔

دونوں کانوں کا مسح کرنا بھی سنت ہے مگر اس کے لیے الگ سے پانی لینا احناف کے نزدیک ضروری نہیں ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک نیا پانی لینا ضروری ہے۔ اور خلاصہ میں ہے کہ دونوں کے مسح کے لیے نیا پانی لینا افضل ہے۔ اور کانوں کا مسح دونوں سبابہ کی انگلی کے اندرونی جانب سے کان کے اندر کے حصے کا کیا جائے اور کان کے ظاہری حصے کا مسح دونوں انگوٹھوں کے اندرونی حصے سے کیا جائے۔ (شامی: ۱/ ۲۴۳)

مسئلہ: اگر سر کے مسح کرتے وقت پگڑی کو ہاتھ لگایا، یا کانوں کے مسح سے قبل ہاتھ کو ہٹا لیا تو اس صورت میں الگ سے نیا پانی لے کر کانوں کا مسح کرنا سنت ہے، چاہے ہاتھ پر پانی کی تری باقی ہی کیوں نہ ہو۔ (شامی: ۱/ ۲۴۳)

اعضائے وضو دھونے میں ترتیب کا حکم

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جس ترتیب سے وضو کرنے کا حکم فرمایا ہے اس ترتیب سے مسح کرنا عند الاحناف سنت ہے اگر کوئی ترتیب قرآنی کے خلاف وضو کرلے تو وضو ہو جائے گا جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ترتیب قرآنی کے مطابق وضو کرنا فرض ہے لیکن ترتیب کی فرضیت پر کوئی دلیل ان کے پاس موجود نہیں ہے۔

ولاء یعنی پے در پے وضو کرنا کہ ایک عضو دھونے کے بعد دوسرا عضو اس کے خشک ہونے سے پہلے دھونا سنت ہے۔ ایک

عضو دھونے کے بعد دوسرا عضو دھونے میں بلا عذر فاصلہ کرنا خلاف سنت ہے۔ علامہ حدادی نے فرمایا "ولاء" کا اعتبار اعتدال ہوا، بدن اور عدم عذر کے ساتھ کیا جائے گا، پس اگر بدن میں خشکی ہو یا ہوا تیز چل رہی ہو یا سخت گرمی ہو اور عضو دھونے کے بعد فوراً خشک ہو جاتا ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اسی طرح اگر وضو کرتے ہوئے پانی ختم ہو جائے اب وہ پانی لینے کے لیے گیا اتنے میں عضو خشک ہو جائے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

سنت وضو کی قسمیں

علامہ کاسانیؒ صاحب بدائع الصنائع نے لکھا ہے کہ سنن وضو کی مختلف قسمیں ہیں، ایک قسم وضو سے پہلے ہوتی ہے، دوسری قسم ابتدائے وضو میں ہوتی ہے تیسری درمیان وضو میں ہوتی ہے اور وضو کی وہ سنتیں جو وضو سے پہلے ہیں ان میں استنجاء بالحجر وغیرہ داخل ہیں، یہاں عورت کے لیے فرج خارج کے دھونے کو جو سنت کہا ہے وہ اسی قسم میں سے ہے۔

سنن وضو کا بیان

یہاں صاحب کتاب نے بعض سنن وضو کو شمار کیا ہے: (۱) وضو کرتے وقت اعضاء وضو کو ملنا (۲) فضول پانی بہانے سے بچنا یہ بھی سنت ہے (۳) چہرہ پر پانی نہ مارنا (۴) عورت کے لیے اپنی شرمگاہ کے خارجی حصے کو دھونا وغیرہ۔ اور علامہ شامیؒ نے فرمایا کہ (۵) مضمضہ اور استنشاق کے درمیان ترتیب برقرار رکھنا بھی سنت ہے (۶) سر کے اگلے حصے کی طرف سے مسح کی ابتدا کرنا سنت ہے (۷) دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کی انگلیوں کے سروں سے مسح شروع کرنا سنت ہے اور اس کے علاوہ بھی وضو میں سنتیں ہیں۔

علامہ حصکفی فرماتے ہیں کہ مستحب، مندوب دونوں ایک ہی ہیں ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، علمائے اصول فقہ کی بھی یہی رائے ہے جب کہ حضرات فقہاء کرام دونوں میں قدرے فرق بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ مستحب وہ عمل ہے جس کو رسول اکرم ﷺ نے کبھی کیا اور کبھی ترک کر دیا اور مندوب وہ عمل ہے جس کو رسول اکرم ﷺ نے صرف ایک دو بار جواز بتانے کے لیے کیا ہو مگر قول اوّل اصح ہے۔

قوله التيامن: تیامن کا مطلب ہے کسی کام کو دائیں جانب سے شروع کرنا۔ حدیث شریف میں ہے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ہر چیز میں دائیں جانب سے ابتداء کو پسند فرماتے تھے، حتی کہ طہارت حاصل کرنے، جوتا چپل پہننے اور بالوں میں کنگھا کرنے میں بھی تیامن کو پسند کرتے تھے۔

مسئلہ: دونوں کانوں کے مسح کرنے میں اور دونوں رخساروں کے دھونے میں تیامن کی رعایت ضروری نہیں ہے، بلکہ دونوں کا ایک ساتھ مسح کیا جائے گا اور دھویا جائے گا۔ ہاں اگر کسی آدمی کا ایک ہی ہاتھ ہو، یا ایک ہاتھ میں بیماری ہو کہ دونوں کانوں کا مسح کرنا ایک ساتھ ممکن نہ ہو تو پھر اس کے لیے حکم یہ ہے کہ پہلے دائیں کان کا مسح کرے پھر بائیں کان کا مسح کرے جیسا کہ

طحطاوی نے فتاویٰ ہندیہ سے نقل کیا ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۴۷)

مسح رقبہ یعنی گردن کا مسح کرنا، بعض لوگوں نے اس کو سنت کہا ہے اور گردن کا مسح دونوں ہاتھوں کی پشت کی جانب سے کیا جائے، رہا حلقوم کا مسح تو یہ حدیث شریف سے ثابت نہیں ہے اس لیے علماء نے حلقوم کے مسح کو بدعت کہا ہے۔

(وَمِنْ آدَابِهِ) عَبَّرَ بِمِنْ لِأَنَّ لَهُ آدَابًا أُخَرَ أَوْصَلَهَا فِي الْفَتْحِ إِلَى نَيِّفٍ وَعِشْرِينَ وَأَوْصَلْتُهَا فِي الْخَزَائِنِ إِلَى نَيِّفٍ وَسِتِّينَ (اسْتِقْبَالُ الْقِبْلَةِ، وَدَلْكُ أَعْضَائِهِ) فِي الْمَرَّةِ الْأُولَى (وَإِدْخَالُ خِنْصَرِهِ) الْمَبْلُولَةِ (صِمَاخَ أُذُنَيْهِ) عِنْدَ مَسْحِهِمَا (وَتَقْدِيمُهُ عَلَى الْوَقْتِ لِغَيْرِ الْمَعْذُورِ)، وَهٰذِهِ إِحْدَى الْمَسَائِلِ الثَّلَاثِ الْمُسْتَثْنَاةِ مِنْ قَاعِدَةِ الْفَرْضُ أَفْضَلُ مِنَ النَّفْلِ، لِأَنَّ الْوُضُوءَ قَبْلَ الْوَقْتِ مَنْدُوبٌ، وَبَعْدَهُ فَرْضٌ. الثَّانِيَةُ: إِبْرَاءُ الْمُعْسِرِ مَنْدُوبٌ أَفْضَلُ مِنْ إِنْظَارِهِ الْوَاجِبِ. الثَّالِثَةُ: الِابْتِدَاءُ بِالسَّلَامِ سُنَّةٌ أَفْضَلُ مِنْ رَدِّهِ، وَهُوَ فَرْضٌ، وَنَظَمَهُ مَنْ قَالَ:

الْفَرْضُ أَفْضَلُ مِنْ تَطَوُّعِ عَابِدٍ ۔۔۔ حَتّٰى وَلَوْ قَدْ جَاءَ مِنْهُ بِأَكْثَرِ

إِلَّا التَّطَهُّرَ قَبْلَ وَقْتٍ وَابْتِدَاءٍ ۔۔۔ لِلسَّلَامِ كَذَاكَ إِبْرَا مُعْسِرِ

ترجمہ اور وضو کے آداب میں سے ایک ادب قبلہ کی جانب رُخ کر کے بیٹھنا ہے۔ مصنف نے لفظ ''من'' کے ساتھ تعبیر کیا ہے اس لیے کہ وضو کے اور دیگر آداب بھی ہیں جن کو صاحب فتح القدیر میں آداب وضو کی تعداد بیس سے اوپر بیان کی ہیں۔ اور خود میں نے آداب وضو کی تعداد خزائن الاسرار میں ساٹھ تک پہنچائی ہیں۔ اور اپنے اعضائے وضو کو ایک مرتبہ رگڑنا اور اپنی ترچھنگلی انگلی کو مسح کرتے وقت دونوں کانوں کے سوراخ میں ڈالنا بھی وضو کے آداب میں سے ہیں اور غیر معذور شخص کے لیے وقت سے پہلے وضو کرنا بھی آداب وضو میں سے ایک ہے۔ اور یہ ان تین مسائل میں سے ایک ہے۔ الفرض افضل من النفل (یعنی فرض نفل سے افضل ہے) کے قاعدہ سے مستثنیٰ ہے، اس لیے کہ وقت سے پہلے وضو کرنا مستحب ہے اور وقت کے بعد وضو کرنا فرض ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ تنگ دست کو قرض معاف کرنا مستحب ہے اور یہ مستحب افضل ہے مفلس کو مہلت دینے سے جو مہلت واجب ہے۔ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ سلام کرنے میں ابتداء کرنا سنت ہے اور وہ افضل ہے جواب دینے سے جو فرض ہے اور ان تینوں کو کسی شاعر نے اس طرح نظم کیا ہے:

فرض عابد کی نفل سے افضل ہے اگرچہ انھوں نے فرض کے مقابلہ میں نفل کو زیادہ کیا ہو۔ مگر ہاں وقت سے پہلے طہارت حاصل کرنا، سلام میں ابتدا کرنا اور اسی طرح تنگ دست کے قرض کو معاف کرنا (افضل ہے)۔

مختصر تشریح صاحب تنویر الابصار نے آداب وضو کو بیان کرتے ہوئے لفظ ''من'' کا اضافہ فرمایا اور ''مِن آدابہ'' کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف کو تمام آداب وضو یہاں بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ آداب وضو میں سے صرف چند کو یہاں بیان کرنا ہے، چناں چہ

مصنف نے متن میں آدابِ وضو کی تعداد پندرہ بیان کی ہے۔ اور صاحب درمختار علامہ علاء الدین حصکفی نے مزید آٹھ کا اضافہ فرمایا ہے۔ اور طحطاوی علی الدر المختار میں چودہ آداب کا مزید اضافہ کیا ہے اس طرح اب آدابِ وضو کی کل تعداد ۳۷ ہوگئی ہے۔ صاحب فتح القدیر نے کچھ اور کا اضافہ فرمایا ہے، ہم بغرضِ افادہ ان آداب کو یہاں بحوالہ شامی نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں، چناں چہ وہ آداب مندرجہ ذیل ہیں:

۱- وضو کرتے وقت فضول پانی سے بچنا۔

۲- وضو کرتے وقت پانی استعمال کرنے میں بخل سے کام نہ لینا۔

۳- وضو کے بعد کسی ایسے کپڑے سے پانی نہ پونچھنا جس سے موضعِ استنجاء پونچھا ہو۔

۵- وضو کا بچا ہوا پانی بذاتِ خود پینا۔

٦- استنجاء کے بعد جلدی سے ستر چھپانا۔

۷- جس انگوٹھی میں اللہ یا اس کے رسول ﷺ کا نام ہو یا قرآنی آیت ہو اس کو استنجاء کی حالت میں اُتارنا۔

۸- مٹی کے برتن سے وضو کرنا۔

۹- لوٹے کی ٹونٹی کو تین مرتبہ دھونا۔

۱۰- لوٹے کو اپنے بائیں جانب رکھنا۔

۱۱- اور اگر بڑا برتن ہو تو اس کو داہنی طرف رکھنا۔

۱۲- غسل کی حالت میں اپنے ہاتھ کو ستر پر رکھنا نہ کہ سر پر رکھنا۔

۱۳- ہر عضو کے دھوتے وقت کلمہ شہادت پڑھنا۔

۱۴- پورے افعالِ وضو میں نیت کو مستحضر رکھنا۔

۱۵- چہرہ کو پانی کے ذریعہ نہ مارنا۔

۱٦- وضو کا برتن پہلے سے بھر کر رکھنا۔

۱۷- ناک صاف کرتے وقت بایاں ہاتھ استعمال کرنا۔

۱۸- سکون واطمینان کے ساتھ اعضائے وضو کو دھونا۔

۱۹- اعضائے مغسولہ پر ہاتھ پھیرنا اور رگڑنا۔

۲۰- بھوؤں اور مونچھ کے نیچے پانی پہنچانا۔

۲۱- پاک جگہ پر وضو کرنا۔

۲۲- چہرہ دھونے کی ابتداء اوپر کی جانب سے کرنا۔

۲۳- سر کا مسح آگے سے شروع کرنا۔

۲۴- ہاتھ پاؤں دھونے میں اس کی ابتداء انگلیوں کے سرے سے کرنا۔

۲۵- سر ڈھانک کر بیت الخلاء میں جانا۔

۲۶- دھوپ سے گرم کیئے ہوئے پانی سے وضو نہ کرنا۔

۲۷- کسی برتن کو اپنے لیے خاص نہ کرنا۔

۲۸- ستر غلیظ پر نظر نہ کرنا۔

۲۹- تھوک اور ناک کی گندگی کو پانی میں نہ ڈالنا۔

۳۰- وضو کا پانی ایک مد سے کم نہ ہو۔

۳۱- منہ اور ناک کو داہنے ہاتھ سے دھونا۔

۳۲- وضو کے ہوتے دوبارہ وضو کرنا۔

۳۳- چہرہ دھوتے وقت پانی میں پھونک نہ مارنا۔

۳۴- استنجاء کے وقت بات نہ کرنا۔

۳۵- بیت الخلاء میں استقبال واستدبار قبلہ نہ کرنا۔

۳۶- سورج اور چاند کی طرف استقبال واستدبار نہ کرنا۔

۳۷- استنجاء سے فارغ ہونے کے بعد شرمگاہ نہ چھونا۔

۳۸- استنجاء بائیں ہاتھ سے کرنا۔

۳۹- استنجاء کے بعد کسی دیوار وغیرہ سے موضع استنجاء کو صاف کرنا۔

۴۰- اس کے بعد موضع استنجاء کو دھونا۔

۴۱- شرمگاہ پر پانی کا چھینٹا مارنا۔

۴۲- وضو کے بعد پائجامہ کے میانی پر چھینٹا مارنا۔

۴۳- عام لوگوں کے ساتھ وضو کرنا۔

۴۴- داہنے ہاتھ سے پانی اعضاءِ وضو پر انڈیلنا۔

۴۵- وضو کرتے وقت بات نہ کرنا۔

۴۶- وضو کرتے وقت اونچی جگہ پر بیٹھنا۔

۴۷- وضو کرتے وقت بلاضرورت کسی سے مدد نہ لینا۔

۴۸- وضو کرتے وقت جو دعاء منقول ہے اس کو پڑھنا۔

۴۹- دل کی نیت اور زبان سے الفاظ دعاء جمع کرنا۔

۵۰- وضو کے بعد رسول اکرم ﷺ پر درود بھیجنا۔

۵۱- وضو کے بعد اَللّٰھم اجعلنی من التوابین الخ پڑھنا۔

۵۲- غیر معذور شخص کے لیے وقت سے پہلے وضو کرنا افضل ہے۔

صاحب کتاب علامہ حصکفی فرماتے ہیں کہ تین مسئلے ایسے ہیں جو الفرض أفضلُ من النّفل کے قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں:

(۱) وقت داخل ہونے سے پہلے وضو کرنا افضل ہے اور وقت داخل ہونے کے بعد نماز کے لیے وضو کرنا فرض ہے اور یہاں فرض نفل سے افضل ہے۔

(۲) قرض دار جو تنگ دست ہو اس کو معاف کر دینا افضل ہے اور مہلت دینا کہ وہ مہیا کر کے ادا کر دے واجب ہے، قرآن شریف میں ہے {وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ}

(۳) سلام کرنا سنت ہے اور سلام کا جواب دینا فرض ہے، لیکن سلام کرنا افضل ہے جواب دینے کے مقابلہ میں اور سلام میں پہل کرنا زیادہ ثواب کا بھی ذریعہ ہے۔

(وَتَحْرِيكُ خَاتَمِهِ الْوَاسِعِ) وَمِثْلُهُ الْقُرْطُ، وَكَذَا الضَّيِّقِ إِنْ عَلِمَ وُصُولَ الْمَاءِ، وَإِلَّا فُرِضَ (وَعَدَمُ الِاسْتِعَانَةِ بِغَيْرِهِ) إِلَّا لِعُذْرٍ. وَأَمَّا اسْتِعَانَتُهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - بِالْمُغِيرَةِ فَلِتَعْلِيمِ الْجَوَازِ (وَ) عَدَمُ (التَّكَلُّمِ بِكَلَامِ النَّاسِ) إِلَّا لِحَاجَةٍ تَفُوتُهُ (وَالْجُلُوسُ فِي مَكَانٍ مُرْتَفِعٍ) تَحَرُّزًا عَنِ الْمَاءِ الْمُسْتَعْمَلِ. وَعِبَارَةُ الْكَمَالِ: وَحِفْظُ ثِيَابِهِ مِنَ التَّقَاطُرِ، وَهِيَ أَشْمَلُ (وَالْجَمْعُ بَيْنَ نِيَّةِ الْقَلْبِ وَفِعْلِ اللِّسَانِ) هَذِهِ رُتْبَةٌ وُسْطَى بَيْنَ مَنْ سَنَّ التَّلَفُّظَ بِالنِّيَّةِ وَمَنْ كَرِهَهُ لِعَدَمِ نَقْلِهِ عَنِ السَّلَفِ (وَالتَّسْمِيَةُ) كَمَا مَرَّ (عِنْدَ غَسْلِ كُلِّ عُضْوٍ) ، وَكَذَا الْمَمْسُوحُ (وَالدُّعَاءُ بِالْوَارِدِ عِنْدَهُ) أَيْ عِنْدَ كُلِّ عُضْوٍ، وَقَدْ رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ وَغَيْرُهُ عَنْهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - مِنْ طُرُقٍ. قَالَ مُحَقِّقُ الشَّافِعِيَّةِ الرَّمْلِيُّ: فَيُعْمَلُ بِهِ فِي فَضَائِلِ الْأَعْمَالِ وَإِنْ أَنْكَرَهُ النَّوَوِيُّ.

ترجمہ اور ڈھیلی انگوٹھی کو حرکت دینا، اسی طرح کان کی بالی کا حرکت دینا وضو کے وقت مندوب ہے۔ اسی طرح تنگ انگوٹھی کو حرکت دینا مستحب ہے، اگر پانی کا پہنچنا معلوم ہو چکا ہو۔ اور اگر پانی کا پہنچنا معلوم نہ ہوا ہو تو پھر تنگ انگوٹھی کو حرکت دینا فرض

ہے۔اور بلا ضرورت کسی سے مدد نہ لینا وضو میں مندوب ہے۔اگر معذور شخص وضو میں کسی سے مدد لیتا ہے تو اس کی اجازت ہے اور آں حضرت ﷺ کا حضرت مغیرہؓ سے مدد لینا تعلیم جواز کے لیے تھا۔اور وضو میں یہ بھی ادب ہے کہ دورانِ وضو کسی سے بات چیت نہ کی جائے، مگر ایسی ضرورت کی وجہ سے کہ نہ بولنے سے فوت ہو رہی ہو تو پھر بولنے کی اجازت ہے۔اور وضو کرتے وقت کسی اونچی جگہ پر بیٹھنا بھی آدابِ وضو میں سے ہے تاکہ مستعمل پانی سے حفاظت ہو جائے۔اور علامہ کمال کی عبارت وحفظ ثیابہ عن التقاطر (یعنی اپنے کپڑوں کو پانی کے قطرات سے بچانا ہے) زیادہ صورتوں کو شامل ہے۔اور وضو میں دل کی نیت اور زبان سے الفاظ نیت کو جمع کرنا ادب اور مندوب ہے اور اس طرح زبان سے نیت کو مستحب کہنا ان دونوں قول کے درمیان سب سے زیادہ میانہ روی ہے جو زبان سے الفاظ نیت ادا کرنا سنت کہتے ہیں یا سلف سے منقول نہ ہونے کی وجہ سے مکروہ کہتے ہیں۔اور ہر عضو کے دھوتے وقت اور ہر عضو کا مسح کرتے وقت تسمیہ مندوب ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔اسی طرح ہر عضو کے دھوتے وقت جو منقول دعائیں ہیں ان کو پڑھنا، ان دعاؤں کو ابن حبان وغیرہ نے مختلف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔محقق شافعی شیخ رملی نے فرمایا کہ فضائل اعمال میں اس طرح کی روایت پر عمل کرنا جائز ہے، اور علامہ نوویؒ نے اس کا انکار فرمایا ہے۔

مختصر تشریح اگر انگوٹھی ڈھیلی ہو یا کان کی بالی ہے اور اسمیں پانی پہنچ رہا ہے تو اسکو وضو کرتے وقت حرکت دینا مستحب ہے، لیکن اگر انگوٹھی یا کان کی بالی اس قدر تنگ ہے کہ پانی وہاں تک بالکل نہ پہنچ رہا ہو تو ایسی صورت میں تنگ انگوٹھی کو حرکت دینا یا تنگ بالی کو حرکت دینا فرض ہے تاکہ اس کے اندر پانی پہنچ جائے اور وضو درست ہو جائے۔

مسئلہ: حتی الامکان وضو میں بلا ضرورت کسی سے مدد نہ لینا چاہئے ہاں اگر کوئی مجبوری ہے، خود وضو کرنے پر قادر نہیں ہے تو دوسروں سے مدد لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور رہی یہ بات کہ رسول اللہ ﷺ سے وضو میں مدد لینا ثابت ہے تو آپ کا یہ عمل محض یہ بتانے کے لیے تھا کہ وضو میں مدد لینا جائز ہے، ناجائز نہیں ہے۔ہاں زیادہ سے زیادہ استحباب کے خلاف ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ جس حدیث میں حضرت مغیرہؓ سے خدمت لینا ثابت ہے اس میں صراحت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ شامی جبہ پہنے ہوئے تھے جس کی آستین تنگ تھی، آستین تنگ ہونے کی وجہ سے ہاتھ نہ نکل سکا تو آپ نے نیچے سے ہاتھ نکالا تو حضرت مغیرہؓ نے آپ کے ہاتھ پر پانی ڈالا گویا یہ حدیث بھی عذر پر محمول ہے۔

اور وضو کرتے وقت کسی اونچی پاک جگہ پر بیٹھنا بھی مستحب ہے تاکہ کپڑے پر مستعمل پانی کے قطرے نہ گریں۔اسی طرح وضو کرتے وقت دل کی نیت اور زبان کے فعل کو جمع کر لینا بھی مستحب ہے، مطلب یہ ہے کہ دل سے تو نیت کرلے اور زبان سے تسمیہ وغیرہ ادا کرے یہ مستحب ہے۔ہر عضو کے دھوتے وقت جو دعائیں احادیث شریفہ میں منقول ہیں ان کو پڑھنا بھی مستحب ہے گو کہ یہ تمام حدیثیں ضعیف ہیں، لیکن فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے بشرطیکہ متعدد سند سے مروی ہو، چناں چہ ادعیہ ماثورہ کے متعلق جو حدیث وارد ہے اس کو ابن حبان وغیرہ نے متعدد سندوں سے نقل کیا ہے، اس لیے وہ حدیث

حسن لغیرہ کے درجہ میں پہنچ جاتی ہے اور اس پر عمل کرنا جائز ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث ضعیف پر اس لیے فضائل اعمال میں عمل کر لینا چاہئے کہ اگر حدیث صحیح ہے تو لامحالہ عمل سے اس کا حق ادا ہو گیا اور ثواب بھی مل گیا اور اگر حدیث ضعیف ہے تو اس عمل سے کسی حرام شئی کا حلال کرنا یا حلال شئی کا حرام کرنا لازم نہیں آتا ہے اسی طرح اس عمل سے کسی کی حق تلفی بھی نہیں ہوتی ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۵۲)

کلی کرتے وقت کی دعاء: اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي علىٰ تلاوةِ القرآن و ذكرِكَ وشكرِكَ وحسنِ عبادتِكَ۔

ناک میں پانی ڈالتے وقت کی دعاء: اَللّٰهُمَّ أَرِحْنِي رائحةَ الجنّةِ ولاتُرِحْنِي رائحةَ النّارِ۔

چہرہ دھوتے وقت کی دعاء: اَللّٰهُمَّ بَيِّضْ وجهي يومَ تَبيضُّ وُجوهٌ وتَسودُّ وُجوهٌ۔

دایاں ہاتھ دھونے کی دعاء: اَللّٰهُمَّ اعطِني كِتابي بيميني وحاسِبني حساباً يسيرًا۔

بایاں ہاتھ دھونے کی دعاء: اَللّٰهُمَّ لاتُعطِني كِتابي بشمالي ولامِن وراءِ ظهري۔

سر کا مسح کرتے وقت کی دعاء: اَللّٰهُمَّ اظلّني تحتَ ظِلِّ عرشِكَ يومَ لاظِلَّ إلاظِلَّ عرشِكَ۔

دونوں کانوں کا مسح کرتے وقت کی دعاء: اَللّٰهُمَّ اجعَلني مِنَ الَّذينَ يستمِعُونَ القولَ فيتّبِعُونَ أحسنَهُ۔

گردن کا مسح کرتے وقت کی دعاء: اَللّٰهُمَّ أعتِقْ رقبتي مِن النّارِ۔

داہنا پیر دھوتے وقت کی دعاء: اَللّٰهُمَّ ثبِّت قدمي علَى الصِراطِ يومَ تزلُّ الأقدامُ۔

بایاں پیر دھوتے وقت کی دعاء: اَللّٰهُمَّ اجعل ذنبي مغفورًا وسعيي مَشكورًا وتجارتي لن تبورَ۔ (شامی: ۱/ ۲۵۲)

[فَائِدَةٌ] شَرْطُ الْعَمَلِ بِالْحَدِيثِ الضَّعِيفِ عَدَمُ شِدَّةِ ضَعْفِهِ، وَأَنْ يَدْخُلَ تَحْتَ أَصْلٍ عَامٍّ، وَأَنْ لَا يُعْتَقَدَ سُنِّيَّةُ ذَلِكَ الْحَدِيثِ. وَأَمَّا الْمَوْضُوعُ فَلَا يَجُوزُ الْعَمَلُ بِهِ بِحَالٍ وَلَا رِوَايَتُهُ، إلَّا إذَا قُرِنَ بِبَيَانِهِ (وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ بَعْدَهُ) أَيْ بَعْدَ الْوُضُوءِ، لَكِنْ فِي الزَّيْلَعِيِّ أَيْ بَعْدَ كُلِّ عُضْوٍ (وَأَنْ يَقُولَ بَعْدَهُ) أَيْ الْوُضُوءِ (اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنْ التَّوَّابِينَ وَاجْعَلْنِي مِنْ الْمُتَطَهِّرِينَ، وَأَنْ يَشْرَبَ بَعْدَهُ مِنْ فَضْلِ وُضُوئِهِ) كَمَاءِ زَمْزَمَ (مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ قَائِمًا) أَوْ قَاعِدًا، وَفِيمَا عَدَاهُمَا يُكْرَهُ قَائِمًا تَنْزِيهًا، وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ " كُنَّا نَأْكُلُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - وَنَحْنُ نَمْشِي وَنَشْرَبُ وَنَحْنُ قِيَامٌ " وَرُخِّصَ لِلْمُسَافِرِ شُرْبُهُ مَاشِيًا.

ترجمہ افادہ: حدیث ضعیف پر عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ ضعیف نہ ہو۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ کسی قاعدہ کلیہ کے تحت داخل ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس ضعیف حدیث کے مسنون ہونے کا اعتقاد نہ ہو۔ اور موضوع حدیث پر تو عمل کسی بھی حال میں جائز نہیں ہے۔ اور نہ موضوع کو نقل کرنا جائز ہے، ہاں اس وقت موضوع روایت کو نقل کرنا جائز ہے جب اس کے موضوع

ہونے کی صراحت کردے۔

اور وضو سے فارغ ہونے کے بعد رسولِ اکرم ﷺ پر درود بھیجنا مستحب ہے، لیکن زیلعی میں ہے: وضو میں ہر عضو دھونے کے بعد آپ ﷺ پر درود وسلام پڑھنا مستحب ہے اور وضو سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعاء پڑھے: اَللّٰھُمَّ اجعلنی من التوَّابِینَ واجعَلنِی من المتطَھِّرِینَ۔ (اے اللہ تو مجھ کو توبہ کرنے والوں میں سے بنادے اور پاکی چاہنے والوں میں سے بنادے) اور وضو کے بعد بچے ہوئے پانی کو زمزم کے پانی کی طرح قبلہ رُخ ہوکر پینا مستحب ہے کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر دونوں طرح پینے کی اجازت ہے۔ اور ان دونوں کے علاوہ پانی (یعنی فضل وضو اور زمزم کے علاوہ) کو کھڑے ہوکر پینا مکروہ تنزیہی ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چلتے پھرتے کھاتے تھے اور کھڑے ہونے کی حالت میں پانی پیتے تھے اور مسافر کے لیے چلتے ہوئے پانی پینے کی اجازت دی گئی ہے۔

مختصر تشریح علامہ حصکفی صاحب درمختار نے حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے واسطے تین شرطیں بیان فرمائی ہیں: (۱) وہ حدیث ضعیف انتہائی ضعیف نہ ہو۔ (۲) عام قواعد واصول کے تحت داخل ہو۔ (۳) اس ضعیف حدیث کے متعلق سنت کا اعتقاد نہ رکھا جائے یعنی یہ اعتقاد نہ ہو کہ یہ حدیث قولاً یا فعلاً رسولِ اکرم ﷺ سے ثابت ہے، ہاں احتمال ہے۔ ان تین شرطوں کے ساتھ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کو لیا جاسکتا ہے اور اس پر عمل کرنا جائز ہوسکتا ہے۔

اور حدیث موضوع پر کسی حال میں بھی عمل کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ موضوع اس حدیث کو کہتے ہیں جو گھڑی گئی ہو، اور آپ ﷺ کی طرف خواہ مخواہ نسبت کردی ہو۔ یاد رکھو ایسا کرنا حرام ہے اور بعض علماء نے ایسا کرنے کو کفر کہا ہے۔ خود رسول علیہ السلام نے فرمایا: مَنۡ کذبَ علیَّ متعمِّدًا فلیتبوَّ أمقعدَہ من النَّارِ۔ جو شخص میری طرف جھوٹا کا انتساب کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

وضو سے فارغ ہونے کے بعد جو پانی بچ جائے اس کو قبلہ کی جانب رُخ کرکے پینا مستحب ہے اور کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر دونوں طرح پینے کی اجازت ہے جس طرح زمزم کے پانی کو کھڑے ہوکر بھی پینے کی اجازت ہے اور ان دونوں پانیوں کے علاوہ دوسرے مشروبات کو کھڑے ہوکر پینا بلا عذر کے مکروہ تنزیہی ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی شخص ہرگز کھڑے ہوکر پانی نہ پیے، البتہ رسول اللہ ﷺ سے زمزم کا پانی کھڑے ہوکر پینا ثابت ہے۔ اسی طرح حضرت علیؓ کی حدیث ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہوکر استعمال فرمایا۔ اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں بھی رسول اللہ ﷺ ہی کی طرح وضو کے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہوکر پیتا تھا۔ اور حدیث شریف سے ایک آدھ دفعہ کھڑے ہوکر پانی پینا بھی آپ ﷺ سے ثابت ہے مگر آپ ﷺ کا یہ عمل جواز بتانے کی لیے تھا، علامہ نوویؒ نے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۵۵)

علامہ عبدالغنی نابلسی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص وضو کا بچا ہوا پانی بغرض شفاء پیے گا تو انشاء اللہ اس کو ضرور شفاء حاصل ہوگی

اورانھوں نے بارہا تجربہ کیا ہے، پس بالکل سچا پایا ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۵۵)

اسی طرح کھڑے ہوکر کھانا، خاص طور پر آج کل جو شادی بیاہ میں کھڑے ہوکر اور چل پھر کر کھانے کا رواج ہوگیا ہے سراسر ناجائز ہے اور اسلامی تہذیب کے خلاف ہے، اس طرح کھانا بالکل درست نہیں ہے، ہاں اگر واقعی کوئی مجبوری ہے تو اس کی گنجائش ہے۔ (مستفاد شامی: ۱/ ۲۵۵)

وَمِنَ الْآدَابِ تَعَاهُدُ مُوقَيْهِ وَكَعْبَيْهِ وَعُرْقُوبَيْهِ وَأَخْمَصَيْهِ، وَإِطَالَةُ غُرَّتِهِ وَتَحْجِيلِهِ، وَغَسْلُ رِجْلَيْهِ بِيَسَارِهِ، وَبَلُّهُمَا عِنْدَ ابْتِدَاءِ الْوُضُوءِ فِي الشِّتَاءِ وَالتَّمَسُّحُ بِمِنْدِيلٍ، وَعَدَمُ نَفْضِ يَدِهِ، وَقِرَاءَةُ سُورَةِ الْقَدْرِ، وَصَلَاةُ رَكْعَتَيْنِ، فِي غَيْرِ وَقْتِ كَرَاهَةٍ. (وَمَكْرُوهُهُ: لَطْمُ الْوَجْهِ) أَوْ غَيْرِهِ (بِالْمَاءِ) تَنْزِيهًا، وَالتَّقْتِيرُ (وَالْإِسْرَافُ) وَمِنْهُ الزِّيَادَةُ عَلَى الثَّلَاثِ (فِيهِ) تَحْرِيمًا وَلَوْ بِمَاءِ النَّهْرِ، وَالْمَمْلُوكِ لَهُ. أَمَّا الْمَوْقُوفُ عَلَى مَنْ يَتَطَهَّرُ بِهِ، وَمِنْهُ مَاءُ الْمَدَارِسِ، فَحَرَامٌ (وَتَثْلِيثُ الْمَسْحِ بِمَاءٍ جَدِيدٍ) أَمَّا بِمَاءٍ وَاحِدٍ فَمَنْدُوبٌ أَوْ مَسْنُونٌ. وَمِنْ مَنْهِيَّاتِهِ: التَّوَضُّؤُ بِفَضْلِ مَاءِ الْمَرْأَةِ وَفِي مَوْضِعٍ نَجِسٍ؛ لِأَنَّ لِمَاءِ الْوُضُوءِ حُرْمَةً، أَوْ فِي الْمَسْجِدِ، إِلَّا فِي إِنَاءٍ، أَوْ فِي مَوْضِعٍ أُعِدَّ لِذَلِكَ، وَإِلْقَاءُ النُّخَامَةِ، وَالِامْتِخَاطُ فِي الْمَاءِ.

ترجمہ اور آدابِ وضو میں سے یہ بھی ہے کہ وضو کرنے والا اپنے دونوں گوشۂ چشم، دونوں ٹخنوں، دونوں ایڑیاں، دونوں تلووں کی خاص خبر رکھے۔ اور یہ بھی آدابِ وضو میں سے ہے کہ چہرہ اور ہاتھ دھونے میں مبالغہ کرے اور دونوں پاؤں کو بائیں ہاتھ سے دھونا بھی ادب ہے۔ اور سردی کے موسم میں دونوں پاؤں کو ابتدائے وضو میں بھگونا بھی آدابِ وضو میں سے ہے۔ اور اعضائے وضو کو رومال سے پونچھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور ادب ہے کہ وضو کے بعد ہاتھ نہ جھاڑے اور وضو کے بعد سورۂ قدر پڑھنا اور دو رکعت نماز تحیۃ الوضو پڑھنا بھی آدابِ وضو میں سے ایک ہے بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو۔ اور وضو کرتے وقت چہرہ وغیرہ پر پانی کو زور سے مارنا مکروہ تنزیہی ہے۔ اسی طرح پانی کا ضرورت سے کم استعمال یا ضرورت سے زیادہ استعمال مکروہ ہے۔ اور جن اعضاء کو وضو میں تین تین مرتبہ دھویا جاتا ہے ان کو تین دفعہ سے زیادہ دھونا بھی مکروہ میں داخل ہے۔ اور وضو کرتے وقت ضرورت سے زیادہ پانی خرچ کرنا مکروہ تحریمی ہے خواہ نہر کے پانی سے یا اپنے مملوک پانی سے وضو کرے۔ اور وہ پانی جو پاکی حاصل کرنے والوں کے لیے وقف ہے، یا مدارس کا پانی اس میں اسراف کرنا حرام ہے۔ اور تین مرتبہ نئے پانی سے مسح کرنا مکروہ ہے، ہاں ایک ہی پانی سے تین مرتبہ مسح کرنا تو جائز اور مسنون بلکہ مندوب ہے۔

اور وضو کے ممنوعات میں سے عورت کے وضو یا غسل کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا ہے۔ اسی طرح ناپاک جگہ میں وضو کرنا بھی ممنوع ہے (اس لیے کہ وضو کا پانی محترم ہے اس کو ناپاک جگہ نہ گرانا چاہئے) اور مسجد میں وضو کرنا ممنوع ہے ہاں برتن کو

مسجد میں رکھ کر اس میں وضو کرنا درست ہے، اسی طرح اگر مسجد میں کوئی خاص جگہ وضو کے لیے بنائی گئی ہو تو وہاں وضو کرنا جائز ہے اور پانی میں ناک کی رینٹ یا بلغم ڈالنا ممنوع ہے۔

مختصر تشریح علامہ حصکفی نے مذکورہ عبارت میں تین طرح کے مسئلے بیان کئے ہیں: (۱) آدابِ وضو۔ (۲) مکروہاتِ وضو۔ (۳) ممنوعاتِ وضو۔

چناں چہ فرمایا کہ آدابِ وضو میں سے یہ ہے کہ وضو کرتے وقت دونوں آنکھوں کے کنارہ، دونوں ٹخنے، دونوں ایڑیاں اور دونوں تلووں کے نچلے حصے کو خوب اچھی طرح دھوئے اور خاص خاص خیال رکھے، یہ وہ اعضاء ہیں کہ ذرا بھی لاابالی پن کا ثبوت دیا تو عین ممکن ہے ان میں پانی نہ پہنچ سکے اور تر ہونے سے باقی رہ جائیں اور وضو درست نہ ہو پھر نماز بھی صحیح نہ ہو، اس لیے کہ رسولِ کریم ﷺ نے حدیث شریف میں وَيلٌ لِلأعقابِ مِنَ النّارِ فرمایا اور ایڑیوں کے دھونے کی تاکید فرمائی۔

اور وضو کرتے وقت چہرہ اور ہاتھ دھونے میں مبالغہ سے کام لینا چاہئے اور تھوڑا بڑھا کر دھونا چاہئے یہ مستحب ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت قیامت کے روز اس حال میں پکاری جائے گی کہ ان کے اعضاءِ وضو کے آثار کی وجہ سے چمکدار ہوں گے۔ پس اے لوگو! تم میں سے جو شخص اپنی چمک کو دراز کرنا چاہے تو ضرور دراز کرے۔ اب چہرہ اور ہاتھ دونوں میں مبالغہ کہاں تک کیا جائے گا اس بارے میں امام نوویؒ نے شوافع کا اختلاف نقل کیا ہے اور اس میں تین قول ہیں: (۱) ہاتھ میں دونوں کہنیوں سے زیادہ اور پاؤں میں ٹخنوں سے زیادہ دھونا بلا کسی توقیت کے مستحب ہے۔ (۲) ہاتھ تو نصف بازو تک اور پاؤں نصف پنڈلی تک دھونا مستحب ہے۔ (۳) ہاتھ مونڈھوں تک دھونا مستحب ہے اور پاؤں گھٹنوں تک دھونا مستحب ہے۔ (شامی: ۱/۲۵۶)

مسئلہ: جاڑے کے موسم میں بدن میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے، پانی جسم میں جلدی اثر نہیں کرتا ہے اس لیے سردی کے موسم میں دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو ابتدائے وضو ہی سے تر کر لینا مستحب ہے تاکہ بعد میں جب دھوئے تو پانی کے قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ (شامی: ۱/۲۵۶)

مسئلہ: وضو کرنے کے بعد اعضائے وضو کے پانی کو رومال یا تولیہ سے پونچھنا جائز ہے، نہ پونچھنا اچھا امر ہے اس کو مکروہ کہنا صحیح نہیں ہے اور وضو کے بعد اعضاء کو جھاڑنا خلافِ ادب ہے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔ اور وضو کے بعد سورۂ قدر اور اگر مکروہ وقت نہ ہو تو دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھنا مسنون ہے، اس کا بہت زیادہ ثواب ہے۔ (مستفاد شامی: ۱/۲۵۷)

مکروہاتِ وضو کا بیان

علامہ حصکفیؒ نے دوسرا مسئلہ اس عبارت میں مکروہاتِ وضو کا بیان کیا ہے، چناں چہ کل پانچ مکروہات کو علامہ موصوف نے بیان فرمایا ہے جو درجِ ذیل ہیں:

(۱) چہرہ وغیرہ پر زور سے پانی مارنا مکروہ تنزیہی ہے۔ (۲) وضو کرتے وقت ضرورت سے کم پانی استعمال کرنا، مثلاً تیل کی طرح مالش کرنا کہ پانی کا اعضاء سے ٹپکنا معلوم نہ ہو تو اس طرح بالکل کم پانی استعمال کرنا مکروہ ہے۔ (۳) وضو کرتے وقت ضرورتِ شرعیہ سے زیادہ پانی فراوانی کے ساتھ بہانا مکروہ تحریمی ہے خواہ ندی یا نہر کے پاس بیٹھ کر ہی کیوں نہ وضو کر رہا ہو، بہر صورت مکروہ تحریمی ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کا ایک مرتبہ حضرت سعدؓ کے پاس سے گذر ہوا اور حضرت سعدؓ وضو فرمارہے تھے آپ نے دیکھ کر فرمایا: سعد! یہ فضول خرچی کیوں کر رہے ہو؟ حضرت سعدؓ نے فرمایا: یارسول اللہ! کیا وضو کے اندر بھی فضول خرچی ہوتی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: بالکل! اگر چہ جاری نہر کے پاس بیٹھ کر ہی کیوں نہ وضو کر رہے ہو۔ (شامی: ۱/ ۲۵۸)

(۴) ہر وہ اعضاءِ وضو جن کو تین تین مرتبہ دھونا سنت ہے ان کو تین مرتبہ سے زیادہ سنت سمجھ کر دھونا مکروہ ہے۔ اور اگر کوئی شخص سنت سمجھ کر نہیں بلکہ اطمینانِ قلب کے واسطے یا وضوعلی الوضو کے واسطے تین مرتبہ سے زیادہ دھوئے تو یہ مکروہ نہیں ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۵۸)

(۵) سر کا مسح تین مرتبہ جدید پانی سے کرنا مکروہ ہے ہاں اگر کوئی شخص ایک ہی پانی سے تین دفعہ سر کا مسح کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں؛ بلکہ مندوب اور مسنون ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۵۹)

ممنوعاتِ وضو کا بیان

علامہ حصکفیؒ نے ممنوعات کو بھی اس عبارت میں بیان فرمایا ہے اور تمام ممنوعات کو بیان نہیں فرمایا بلکہ یہاں صرف پانچ ممنوعات کو ذکر فرمایا ہے جو ذیل میں درج ہیں:

(۱) مردوں کے لیے عورتوں کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا یا غسل کرنا ممنوع اور مکروہ تحریمی ہے۔ اس لیے کہ عین ممکن ہے کہ وضو کرنے والے کو اس پانی میں لذت محسوس ہو۔ اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عورتیں وضو اور غسل میں احتیاط بہت کم کرتی ہیں تو ممکن ہے کہ مستعمل پانی برتن میں گر گیا ہو۔

(۲) اسی طرح کسی ناپاک اور گندی جگہ بیٹھ کر وضو کرنا بھی ممنوع ہے۔ اس کی بھی دو وجہ حضرات فقہاء نے بیان فرمائی ہیں: ایک یہ کہ وضو کا پانی محترم ہوتا ہے اس لیے اس کو پاک جگہ گرنا چاہیے ناپاک جگہ بیٹھ کر وضو کرنے میں چونکہ پانی ناپاک جگہ گرے گا جس سے وضو کے پانی کی حرمت پامال ہوگئی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پانی ناپاک جگہ گرے اور اس کے چھینٹے اُڑ کر بدن یا کپڑے پر پڑ سکتے ہیں اس لیے پاک جگہ کا انتخاب کرے۔

(۳) مسجد میں وضو کرنا بھی ممنوع ہے، مسجد نماز پڑھنے کی لیے بنائی گئی ہے نہ کہ طہارت حاصل کرنے کے واسطے، ہاں اگر مسجد کے ذمہ داروں نے کسی خاص حصہ میں وضو خانہ بنا دیا ہے اور اس کو وضو کی لیے مخصوص کر دیا ہے تو پھر وضو کرنا جائز ہے۔

(۴) اسی طرح ناک کی گندگی کو پانی میں ڈالنا خواہ پانی جاری ہو، خوہ غیر جاری ہو، بہر صورت ممنوع ہے۔

(۵) حوض یا پانی میں تھوکنا بھی ممنوع اور مکروہ تنزیہی ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ جس زمین میں اللہ تعالیٰ کا غضب اور عذاب اُترا ہو وہاں کے کنوؤں اور پانیوں سے طہارت حاصل کرنا بھی ممنوع ہے، چناں چہ حضرات شوافع نے اس کی کراہت کا قول نقل کیا ہے۔ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اس زمین کے کنوؤں اور پانیوں سے طہارت حاصل کرنا جائز ہی نہیں ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا ہو۔ (شامی: ۱/۲۶۰)

مصنف علیہ الرحمہ فرائض وضو، سنن وضو، مستحبات وضو، آداب وضو، مکروہات وضو اور ممنوعات وضو کے بیان سے فارغ ہو چکے ہیں اب اس کے بعد متصلاً نواقض وضو کا بیان شروع فرمارہے ہیں چونکہ اثبات نفی پر مقدم ہوتا اس لیے مصنفؒ نے وضو کی بحث کو نواقض وضو کی بحث پر مقدم فرمایا ہے، چناں چہ فرمایا:

المعانِي الّتي تنقِضُ الوُضُوءَ

(وَيَنْقُضُهُ) خُرُوجُ مِنْهُ كُلِّ خَارِجٍ (نَجَسٍ) بِالْفَتْحِ وَيُكْسَرُ (مِنْهُ) أَيْ مِنَ الْمُتَوَضِّئِ الْحَيِّ مُعْتَادًا أَوْ لَا، مِنَ السَّبِيلَيْنِ أَوْ لَا (إِلَى مَا يُطَهَّرُ) بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ: أَيْ يَلْحَقُهُ حُكْمُ التَّطْهِيرِ. ثُمَّ الْمُرَادُ بِالْخُرُوجِ مِنَ السَّبِيلَيْنِ مُجَرَّدُ الظُّهُورِ وَفِي غَيْرِهِمَا عَيْنُ السَّيَلَانِ وَلَوْ بِالْقُوَّةِ، لِمَا قَالُوا: لَوْ مَسَحَ الدَّمَ كُلَّمَا خَرَجَ وَلَوْ تَرَكَهُ لَسَالَ نَقَضَ وَإِلَّا لَا، كَمَا لَوْ سَالَ فِي بَاطِنِ عَيْنٍ أَوْ جُرْحٍ أَوْ ذَكَرٍ وَلَمْ يَخْرُجْ، وَكَدَمْعٍ وَعَرَقٍ إِلَّا عَرَقَ مُدْمِنِ الْخَمْرِ فَنَاقِضٌ عَلَى مَا سَيَذْكُرُهُ الْمُصَنِّفُ، وَلَنَا فِيهِ كَلَامٌ (وَ) خُرُوجُ غَيْرِ نَجَسٍ مِثْلِ (رِيحٍ أَوْ دُودَةٍ أَوْ حَصَاةٍ مِنْ دُبُرٍ لَا) خُرُوجُ ذَلِكَ مِنْ جُرْحٍ، وَلَا خُرُوجُ (رِيحٍ مِنْ قُبُلٍ) غَيْرِ مُفْضَاةٍ، أَمَّا هِيَ فَيُنْدَبُ لَهَا الْوُضُوءُ، وَقِيلَ: يَجِبُ، وَقِيلَ: لَوْ مُنْتِنَةً (وَذَكَرٍ) لِأَنَّهُ اخْتِلَاجٌ؛ حَتَّى لَوْ خَرَجَ رِيحٌ مِنَ الدُّبُرِ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مِنَ الْأَعْلَى فَهُوَ اخْتِلَاعٌ فَلَا يَنْقُضُ، وَإِنَّمَا قَيَّدَ بِالرِّيحِ؛ لِأَنَّ خُرُوجَ الدُّودَةِ وَالْحَصَاةِ مِنْهُمَا نَاقِضٌ إِجْمَاعًا، كَمَا فِي الْجَوْهَرَةِ (وَلَا) خُرُوجُ (دُودَةٍ مِنْ جُرْحٍ أَوْ أُذُنٍ أَوْ أَنْفٍ) أَوْ فَمٍ (وَكَذَا لَحْمٌ سَقَطَ مِنْهُ) لِطَهَارَتِهَا وَعَدَمِ السَّيَلَانِ فِيمَا عَلَيْهِمَا وَهُوَ مَنَاطُ النَّقْضِ (وَالْمُخْرَجُ) بِعَصْرٍ. (وَالْخَارِجُ) بِنَفْسِهِ (سِيَّانِ) فِي حُكْمِ النَّقْضِ عَلَى الْمُخْتَارِ كَمَا فِي الْبَزَّازِيَّةِ، قَالَ لِأَنَّ فِي الْإِخْرَاجِ خُرُوجٌ فَصَارَ كَالْفَصْدِ. وَفِي الْفَتْحِ عَنِ الْكَافِي أَنَّهُ الْأَصَحُّ، وَاعْتَمَدَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ. وَفِي الْقُنْيَةِ وَجَامِعِ الْفَتَاوَى أَنَّهُ الْأَشْبَهُ، وَمَعْنَاهُ أَنَّهُ الْأَشْبَهُ بِالْمَنْصُوصِ رِوَايَةً وَالرَّاجِحُ دِرَايَةً؛ فَيَكُونُ الْفَتْوَى عَلَيْهِ.

ترجمہ اور ہر وہ نجاست جو زندہ وضو کرنے والے سے نکلے خواہ نجاست معتاد ہو یا غیر معتاد، پیشاب و پاخانہ کی راہ سے نکلے، یا اس کے علاوہ سے وضو کو توڑ دیتی ہے۔ نجس کا لفظ جیم کے فتحہ کے ساتھ اور جیم کے کسرہ کے ساتھ بھی مستعمل ہے (بفتح الجیم عین نجاست کو کہتے ہیں، بکسر الجیم ہو تو اس چیز کو کہیں گے جو ناپاک ہو) یہ نجاست اس حصہ بدن کی طرف نکلے جس کو پاک کیا جاتا ہے یعنی جس

حصۂ بدن کو وضو یا غسل میں پاک کرنے کا حکم لاحق ہوتا ہے (یطہر مجہول کا صیغہ ہے) پھر دونوں راہ سے نکلنے کا مطلب صرف ظاہر ہونا ہے۔ اور ان دونوں راہ کے علاوہ سے نجاست نکلنے میں عین بہنا مراد ہے اگر چہ یہ بہنا بالفعل نہ ہو بلکہ بالقوہ ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص جب جب خون نکلے پونچھتا رہا لیکن اگر اس کو نہ پونچھتا بلکہ چھوڑ دیتا تو خون بلاشبہ بہہ پڑتا تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو وضو نہ ٹوٹے گا جیسے کہ وہ خون جو آنکھ کے اندر، یا زخم کے اندر، یا شرمگاہ کے اندر بہا اور نکلا نہیں (تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے اس لیے کہ یہ وہ جگہیں ہیں جن کا وضو یا غسل میں دھونا ضروری نہیں ہے) جیسے آنسو اور پسینہ وضو کو نہیں توڑتا ہے (اس لیے کہ یہ دونوں پاک ہیں) لیکن شراب کے عادی شخص کا پسینہ ناقض وضو ہے جیسا کہ عنقریب مصنف علیہ الرحمہ اس کو بیان کریں گے۔ اور ہمارا اس میں کلام ہے (یعنی شرابی شخص کا پسینہ ناقض وضو نہیں ہے)۔

اور غیر ناپاک چیز کا پاخانہ کی راہ سے نکلنا جیسے ہوا، کیڑا، کنکری وضو کو توڑ دیتی ہے اور ان چیزوں کا زخم سے نکلنا وضو کو نہیں توڑتا ہے۔ اور اسی طرح وضو کو نہیں توڑتا ہے اس عورت کی شرمگاہ سے ہوا کا نکلنا جو مفضاۃ نہیں ہے۔ بہر حال جو عورت مفضاۃ ہو تو اس کے لیے وضو کر لینا مستحب ہے۔ اور بعضوں نے واجب کہا ہے اور بعض لوگوں نے کہا کہ اگر ہوا میں بدبو ہو تو وضو واجب ہے ورنہ نہیں۔ اور مرد کے پیشاب کے راستے سے ہوا کا نکلنا ناقض وضو نہیں ہے اس لیے کہ یہ درحقیقت عضو کا پھڑکنا ہے خروج ریح نہیں ہے۔ حتی کہ اگر ہوا پاخانہ کی راہ سے نکلی اور اس کو معلوم ہے کہ ہوا اوپر کی جانب سے نہیں نکلی تو یہ بھی اختلاج میں داخل ہے اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور صاحب کتاب نے یہاں ریح کی قید اس لیے لگائی کہ کیڑا، کنکری کا نکلنا بالاتفاق ناقض وضو ہے خواہ عورت کی شرمگاہ سے نکلے یا مرد کی شرمگاہ سے نکلے، جیسا کہ جوہرہ میں ہے۔ اسی طرح کیڑے کا زخم، یا کان، یا ناک، یا منہ سے نکلنا۔ اور اسی طرح زخم سے گوشت کا گرنا بھی ناقض وضو نہیں ہے ان دونوں کے پاک ہونے کی وجہ سے، اور اس سبب سے بھی کہ وہ رطوبت اس جگہ سے نہیں بہی جو ان دونوں پر تھی حالانکہ نقض وضو کی علت سیلان ہے۔ اور وہ خون وغیرہ جو زخم وغیرہ کو دبا کر اور نچوڑ کر نکالا گیا ہے اور وہ خون جو خود بخود نکلا ہے وضو توڑنے کے حکم میں دونوں برابر ہیں مذہب مختار کے مطابق جیسا کہ بزازیہ میں ہے۔ صاحب بزازیہ نے کہا کہ اخراج میں خروج داخل ہے (یعنی جب نکالنا پایا جائے گا تو نکلنا بھی پایا جائے گا) تو یہ پچھنا لگوانے کے مانند ہو گیا جو بالاتفاق وضو کو توڑتا ہے۔ اور فتح القدیر میں کافی سے منقول ہے کہ یہی قول زیادہ صحیح ہے اور اسی پر علامہ قہستانی نے اعتماد کیا ہے۔ قنیہ اور جامع الفتاویٰ میں ہے کہ یہی قول اشبہ ہے اور اشبہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ قول منصوص روایت سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے اور درایت کے اعتبار سے زیادہ راجح ہے، لہٰذا فتویٰ بھی اسی قول پر ہوگا۔

مختصر تشریح علامہ علاء الدین حصکفی صاحب درمختار اس عبارت سے نواقض وضو کو بیان کر رہے ہیں، چناں چہ اولاً بطور اصول کے یہ بیان فرمایا کہ ہر وہ نجاست جو زندہ متوضی کے بدن سے نکلے اور اس حصہ کی طرف بہہ جائے جس کا وضو یا غسل میں دھونا ضروری ہے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا خواہ نکلنے والی نجاست شئ معتاد ہو یا شئ غیر معتاد۔ اسی طرح خواہ سبیلین سے نکلے یا غیر سبیلین

سے، بہر صورت وضوٹوٹ جائے گا۔

صاحب کتاب نے "متوضی حی" کی قید لگائی ہے اس لیے کہ اگر مردہ انسان کو وضو کرا دینے کے بعد اس کے جسم سے کوئی نجاست نکلے تو اس پر اعادہ وضو کا حکم نہیں لگایا جائے گا بلکہ اس جگہ کو صرف دھویا جائے گا۔ (شامی:۱/۲۶۱)

مسئلہ: جسم سے نکلنے والی نجاست خواہ معتاد ہو جیسے پیشاب و پاخانہ یا غیر معتاد ہو جیسے خون، کیڑا وغیرہ اس سے وضوٹوٹ جائے گا اور اگر سبیلین کے علاوہ سے نجاست نکلے تب بھی وضوٹوٹ جائے گا۔

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ سبیلین سے نجاست نکلنے سے مراد نجاست کا ظاہر ہونا ہے، مثال کے طور پر پیشاب مثانہ سے چلا اور عضو تناسل میں آکر رک گیا، پیشاب قلفہ میں ظاہر نہیں ہوا تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور اگر پیشاب قلفہ میں اُتر آیا تو اس سے وضوٹوٹ جائے گا یہاں بہنا شرط نہیں ہے۔ (شامی:۱/۲۶۲)

اور اگر سبیلین کے علاوہ بدن کے کسی حصہ سے نجاست نکلے تو اس کے لیے محض ظاہر ہونا کافی نہیں ہے؛ بلکہ نجاست کا بہنا مراد ہے۔ اور اس کی حد یہ ہے کہ نجاست زخم کے اوپر آئے پھر وہاں سے اِدھر اُدھر بہہ جائے تو اس سے وضوٹوٹ جائے گا اس لیے کہ بہنے ہی سے نجاست کا منتقل ہونا پایا جائے گا یہاں صرف نجاست کا ظاہر ہونا مراد نہیں ہے۔ اور بہنے کے اندر بالفعل بہنا بھی مراد نہیں ہے؛ بلکہ اگر نجاست اتنی نکلے کہ بالقوہ بہنے کی صلاحیت اس میں موجود ہو تو اس سے بھی وضوٹوٹ جائے گا۔ مثلاً: جسم کے کسی حصہ پر خون ظاہر ہوا اور اس کو وہیں جذب کر لیا پھر ظاہر ہوا پھر جذب کر لیا تو اگر خون اتنی مقدار میں نکل چکا ہے کہ اگر اس کو وہیں چھوڑ دیا جائے تو بہہ پڑتا تو اس سے بھی وضوٹوٹ جائے گا، اگر ایسی بات نہیں ہے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ (شامی:۱/۲۶۲)

مسئلہ: خون اگر آنکھوں کے اندر کے حصہ میں بہا، یا اندرونِ زخم خون بہا یا شرمگاہ کے اندرون حصہ میں خون بہا لیکن باہر نہیں نکلا تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے، جس طرح آنکھ سے آنسو اور پسینہ نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔ صاحب تنویر الابصار فرماتے ہیں کہ شرابی شخص کے جسم سے پسینہ نکلنے سے وضوٹوٹ جاتا ہے لیکن یہ قول محل نظر ہے اور ضعیف قول ہے صحیح بات یہی ہے کہ شرابی آدمی کا پسینہ بھی ناقض وضو نہیں ہے۔

مسئلہ: اگر ہوا یا کیڑا یا کنکری وغیرہ جو اشیاء پاک ہیں اور وہ پاخانہ کے راستہ سے نکلیں تو ان سے بھی وضوٹوٹ جاتا ہے اس لیے کہ پاخانہ کی راہ سے جو بھی چیز نکلے گی وہ نجاست سے متصل ہو کر نکلے گی لہٰذا اس سے وضوٹوٹ جائے گا، خواہ حقیقت کے اعتبار سے نکلنے والی چیز ناپاک نہ ہو۔ (شامی:۱/۲۶۳)

ہاں اگر یہ چیزیں پیشاب کے راستے سے نکلیں یا زخم سے نکلیں تو ان سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ لیکن صاحب ردالمحتار علامہ شامی فرماتے ہیں کہ اگر کیڑا یا کنکری ذکر سے یا فرج سے نکلیں تو اس سے بالاجماع وضوٹوٹ جائے گا اس لیے کہ کنکری نجاست کی جگہ سے گذر کر نکلے گی اور کیڑا تو نجاست ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ (شامی:۱/۲۶۳)

مسئلہ: جس عورت کا پیشاب اور پاخانہ کا راستہ مل گیا ہو تو اگر اس کے اگلے راستے سے ہوا نکلے تو اس کی لیے وضو کر لینا مستحب ہے۔ اور بعضوں نے فرمایا کہ مفضاۃ عورت کے لیے وضو کرنا واجب ہے۔ اور بعض نے یہ بھی فرمایا کہ اگر اس ہوا میں بدبو ہو تو وضو واجب ہے ورنہ نہیں اس لیے کہ بدبو کا پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ہوا دُبر کی راہ سے نکلی ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۶۴)

اگر ہوا دُبر سے نکلی مگر غالب گمان یہ ہے کہ یہ ہوا معدہ سے نہیں آئی ہے تو اس صورت میں یہ ناقض وضو نہ ہوگا اس لیے کہ یہ حقیقت میں ہوا کے حکم میں نہیں ہے اور نہ ہی یہ ہوا محل نجاست سے اُٹھی ہے۔ اسی طرح جو کیڑا زخم سے یا کان سے یا ناک یا منہ سے نکلے تو اس سے بھی وضو نہیں ٹوٹے گا اس لیے کہ زخم کا کیڑا گوشت سے پیدا ہوتا ہے اور گوشت پاک ہے اس لیے یہ ناقض وضو نہیں ہے، برخلاف اس کیڑے کے جو مقعد سے نکلے اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، چونکہ یہ کیڑا نجاست سے پیدا ہوا ہے۔

مسئلہ: وہ خون جو زخم وغیرہ سے نچوڑ کر اور دبا کر نکالا گیا اور وہ خون جو خود بخود انسان کے جسم سے نکلا ہے دونوں ناقض وضو ہونے میں برابر ہیں۔ بعض علماء نے اس خون کو ناقض نہیں مانا ہے جو دبا کر نکالا گیا ہو، لیکن احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ دونوں ہی ناقض ہیں اس لیے کہ اخراج میں خروج بھی داخل ہے، پس جس طرح پچھنا لگوانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح اس سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا اور یہی قول مفتی بہ اور نصوص سے زیادہ قریب ہے اور ہدایت کے اعتبار سے راجح ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۶۴)

(وَ) يَنْقُضُهُ (قَيْءٌ مَلَأَ فَاهُ) بِأَنْ يُضْبَطَ بِتَكَلُّفٍ (مِنْ مِرَّةٍ) بِالْكَسْرِ: أَيْ صَفْرَاءَ (أَوْ عَلَقٍ) أَيْ سَوْدَاءَ؛ وَأَمَّا الْعَلَقُ النَّازِلُ مِنَ الرَّأْسِ فَغَيْرُ نَاقِضٍ (أَوْ طَعَامٍ أَوْ مَاءٍ) إِذَا وَصَلَ إِلَى مَعِدَتِهِ وَإِنْ لَمْ يَسْتَقِرَّ، وَلَوْ هُوَ فِي الْمَرِيءِ فَلَا نَقْضَ اتِّفَاقًا كَقَيْءِ حَيَّةٍ أَوْ دُودٍ كَثِيرٍ لِطَهَارَتِهِ فِي نَفْسِهِ كَمَاءِ فَمِ النَّائِمِ، فَإِنَّهُ طَاهِرٌ مُطْلَقًا بِهِ يُفْتَى، بِخِلَافِ مَاءِ فَمِ الْمَيِّتِ فَإِنَّهُ نَجِسٌ، كَقَيْءِ عَيْنِ خَمْرٍ أَوْ بَوْلٍ، وَإِنْ لَمْ يَنْقُضْ لِقِلَّتِهِ لِنَجَاسَتِهِ بِالْأَصَالَةِ لَا بِالْمُجَاوَرَةِ (لَا) يَنْقُضُهُ قَيْءٌ مِنْ (بَلْغَمٍ) عَلَى الْمُعْتَمَدِ (أَصْلًا) إِلَّا الْمَخْلُوطَ بِطَعَامٍ فَيُعْتَبَرُ الْغَالِبُ. وَلَوِ اسْتَوَيَا فَكُلٌّ عَلَى حِدَةٍ (وَ) يَنْقُضُهُ (دَمٌ) مَائِعٌ مِنْ جَوْفٍ أَوْ فَمٍ (غَلَبَ عَلَى بُزَاقٍ) حُكْمًا لِلْغَالِبِ (أَوْ سَاوَاهُ) احْتِيَاطًا (لَا) يَنْقُضُهُ (الْمَغْلُوبُ بِالْبُزَاقِ) وَالْقَيْحُ كَالدَّمِ وَالِاخْتِلَاطُ بِالْمُخَاطِ كَالْبُزَاقِ.

ترجمہ: اور وضو کو توڑ دیتی ہے وہ قئی جو اسطرح منہ بھر کے ہو کہ اس کو بہ تکلف روکا جا سکے، وہ قئی خواہ صفراء کی ہو یا سوداء کی ہو، دونوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ لفظ "مرۃ" میم کے کسرہ کے ساتھ ہے جس کے معنی صفراء کے ہیں۔ اور علق عین کے فتحہ کے ساتھ ہے اس کے معنی سوداء کے ہیں۔ اور بہر حال وہ جما ہوا خون جو سر سے نکلے وہ ناقض وضو نہیں ہے۔ اسی طرح وہ منہ بھر قئی بھی وضو کو توڑ دیتی ہے جو کھانے یا پانی کی ہو جب کہ وہ کھانا اور پانی پیٹ تک پہنچ گیا ہو، خواہ وہاں ٹھہرا نہ ہو۔ اور وہ قئی نجاست مغلظہ ہے اگرچہ وہ قئی کسی شیر خوار بچہ نے دودھ پی کر فوراً کر دی ہو، یہی قول صحیح ہے معدہ کا نجاست سے ملنے کی وجہ سے جیسا کہ حلبی نے اس

کو ذکر کیا ہے۔ اور اگر وہ کھانا یا پانی یا دودھ نالی میں تھا پیٹ تک نہیں پہنچا تھا کہ اس سے پہلے قئی ہو گئی تو اس صورت میں بالاتفاق ناقض وضو نہیں ہے جیسے کہ کیچوے اور بہت سے کیڑے کی قئی ناقض وضو نہیں ہے اس لیے کہ وہ فی نفسہٖ پاک ہے جیسا کہ سونے والوں کے منہ کا پانی وضو کو نہیں توڑتا ہے اس لیے وہ مطلقاً پاک ہے اسی پر فتویٰ دیا گیا ہے۔ بخلاف میت کے منہ کا پانی تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا اس لیے کہ وہ ناپاک ہے جیسے کہ نفس شراب اور پیشاب کی قئی گو وہ وضو کو قلت میں ہونے کی وجہ سے نہ توڑتی ہو اس لیے کہ شراب اور پیشاب بذات خود ناپاک ہے نہ کہ پیٹ کی نجاست کے ساتھ ملنے کی وجہ سے، اور بلغم کی قئی معتمد قول کے مطابق وضو کو بالکل نہیں توڑتی ہے لیکن وہ بلغم جو کھانے کے ساتھ ملا ہوا نکلا ہو تو اس میں غالب کا اعتبار کیا جائے گا اور اگر دونوں برابر ہوں تو ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ اعتبار ہوگا۔ اور جو خون پیٹ یا منہ سے نکلے اور تھوک پر غالب آجائے تو غالب کا اعتبار کر کے حکم لگایا جائے گا اور اگر دونوں برابر ہوں تو احتیاطاً وضو کے لیے ناقض قرار دیں گے۔ اور وہ خون جو تھوک پر مغلوب ہو تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔ اور پیپ وضو کو توڑنے میں خون کی طرح ہے۔ اور خون و پیپ کا رینٹ سے ملنا تھوک میں ملنے کی طرح ہے، یعنی اگر خون غالب یا برابر ہے تو وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر خون مغلوب ہے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

مختصر تشریح صاحب کتاب علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ نواقض وضو میں سے وہ قئی بھی ہے جو منہ بھر کر ہو، خواہ سوداء، ہو خواہ صفراء، ہو، یا کھانا یا پانی ہو، بشرطیکہ معدہ سے ملنے کے بعد قئی ہوئی ہو، لیکن منہ بھر کی تعریف میں دو قول ہیں ایک یہ ہے جس پر بہ تکلف منہ بند کر سکے۔ صاحب ہدایہ، صاحب خلاصہ اور فخر الاسلام قاضی خاں وغیرہ نے اسی تعریف کو راجح قرار دیا ہے اور اسی کی تصحیح فرمائی ہے۔

دوسری یہ کہ منہ بھر قئی وہ ہے جس کے روکنے پر قدرت نہ ہو۔ علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع میں فرمایا کہ اسی قول پر شیخ ابو منصور نے اعتماد کیا ہے اور یہی تعریف صحیح بھی ہے لیکن حلیہ میں اوّل قول کو اشبہ قرار دیا ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۶۵)

اللہ تعالیٰ نے انسان میں چار خلطیں پیدا فرمائی ہیں: (۱) خون۔ (۲) سوداء۔ (۳) صفراء۔ (۴) بلغم۔ مرۃ ان اخلاط اربعہ میں سے ایک کا نام ہے جس کی شرح علامہ موصوف نے صفراء سے فرمائی ہے۔ "علق" کے لغوی معنی تو خون کے ہیں۔ یہاں علق سے مراد دم بستہ اور جما ہوا خون ہے۔ امام طحاوی کی رائے گرامی یہی ہے۔ اس لیے کہ دم سائل تو مطلقاً ناقض وضو ہے خواہ بھر منہ ہو خواہ بھر منہ نہ ہو، خون میں جب احتراق پیدا ہوتا ہے تو دم بستہ اور سوداء بن جاتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ خون یا تو سر کی جانب سے اُترے گا یا پیٹ سے، پھر وہ بستہ ہوگا یا سائل ہوگا، پس اگر سر کی جانب سے آنے والا خون بستہ ہے تو اس سے بالاتفاق وضو نہیں ٹوٹے گا اور اگر دم سائل ہے تو بالاتفاق وضو ٹوٹ جائے گا اور پیٹ سے چڑھنے والا خون اگر بستہ ہے تو جب تک منہ بھر نہ ہو بالاتفاق ناقض وضو نہیں ہے۔ اور اگر بستہ نہیں بلکہ دم سائل ہے تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مطلقاً ناقض وضو ہے اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اس وقت تک ناقض وضو نہیں ہے جب تک بھر منہ نہ ہو۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ اس مسئلے میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں۔ (شامی: ۱/ ۲۶۶)

مسئلہ: قئی خواہ کھانے کی ہو خواہ پانی کی ہو، بہر صورت نجاست مغلظہ ہے بشرطیکہ قئی معدہ سے متصل ہو کر آئی ہو۔ اور بعض حضرات نے قئی کو نجاست خفیفہ میں شمار کیا ہے، لیکن نجاست مغلظہ ہونے کا قول زیادہ صحیح ہے اسی طرح اگر بچہ جو ابھی دودھ پیتا ہے دودھ پینے کے بعد فوراً قئی کر دے تو یہ بھی نجاست غلیظہ میں داخل ہے۔ امام حلبی نے شرح المنیۃ الکبریٰ میں اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ (شامی: ۱/۲۶۶)

مسئلہ: اگر کھانا یا دودھ یا پانی ابھی حلق کے اندر ہے پیٹ تک نہیں پہنچا ہے اور اس سے پہلے پہلے قئی ہو گئی تو اس سے بالاتفاق وضو نہیں ٹوٹے گا اور اگر معدہ سے ملنے کے بعد قئی ہوئی تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

آدمی کے منہ کی رال کا حکم

سونے والوں کے منہ سے جو رال نکلتی ہے وہ مطلقاً پاک ہے خواہ وہ رال سر کی طرف سے آئی ہو یا پیٹ کی طرف سے، زرد بدبودار ہو یا ایسی نہ ہو ہر صورت میں پاک ہے، اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔ (شامی: ۱/۲۶۶)

بعض علماء نے فرمایا کہ اگر وہ رال پیٹ کی طرف سے آئی ہو اور وہ زرد بدبودار ہو تو وہ قئی کی طرح ناپاک ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول بھی ناپاک ہی ہونے کا ہے۔ (شامی: ۱/۲۶۶)

مسئلہ: اگر مردہ انسان کے منہ سے رال نکلے تو بالاتفاق ناپاک ہے جس طرح شراب کی قئی اور پیشاب کی قئی بعینہٖ ناپاک ہے معدہ سے متصل ہونے کی وجہ سے ناپاک نہیں ہوا۔

تھوک کے ساتھ خون نظر آئے تو کیا حکم ہے؟

اگر تھوک کے ساتھ خون نظر آئے اور تھوک کم اور خون زیادہ ہو تو اس صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر خون کم ہو اور تھوک زیادہ ہو تو پھر وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور اگر خون اور تھوک دونوں برابر ہوں تو اس صورت میں ہر ایک کا الگ الگ اعتبار کیا جائے گا، یعنی اگر منہ بھر کے ہو تو وضو ٹوٹے گا ورنہ نہیں۔ اور جب تھوک سرخ نظر آئے تو یہ سمجھا جائے گا کہ خون غالب ہے اور اگر تھوک زرد ہو تو یہ سمجھا جائے گا کہ خون مغلوب ہے۔ (شامی: ۱/۲۶۷)

(وَكَذَا يَنقُضُهُ عَلَقَةٌ مَصَّتْ عُضوًا وَامتَلَأَتْ مِنَ الدَّمِ، وَمِثْلُهَا الْقُرَادُ) كَانَ (كَبِيرًا) لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ (يَخرُجُ مِنهُ دَمٌ مَسفُوحٌ) سَائِلٌ (وَإِلَّا) تَكُنْ الْعَلَقَةُ وَالْقُرَاد كَذَلِكَ (لَا) يَنقُضُ (كَبَعُوضٍ وَذُبَابٍ) كَمَا فِي الْخَانِيَّةِ لِعَدَمِ الدَّمِ الْمَسفُوحِ. وَفِي الْقُهُستَانِيِّ: لَا نَقضَ مَا لَمْ يَتَجَاوَزْ الْوَرَمَ؛ وَلَوْ شَدَّ بِالرِّبَاطِ إِنْ نَفَذَ الْبَلَلُ لِلْخَارِجِ نَقَضَ (وَيُجمَعُ مُتَفَرِّقُ الْقَيْءِ) وَيُجعَلُ كَقَيْءٍ وَاحِدٍ (لِاتِّحَادِ السَّبَبِ) وَهُوَ الْغَثَيَانُ عِندَ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْأَصَحُّ؛ لِأَنَّ الْأَصلَ إِضَافَةُ الْأَحكَامِ إِلَى أَسبَابِهَا إِلَّا

لِمَانِعٍ كَمَا بَسَطَ فِي الْكَافِي. (وَ) كُلُّ (مَا لَيْسَ بِحَدَثٍ) أَصْلًا بِقَرِينَةِ زِيَادَةِ الْبَاءِ كَقَيْءٍ قَلِيلٍ وَدَمٍ لَوْ تُرِكَ لَمْ يَسِلْ (لَيْسَ بِنَجَسٍ) عِنْدَ الثَّانِي، وَهُوَ الصَّحِيحُ رِفْقًا بِأَصْحَابِ الْقُرُوحِ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ. وَفِي الْجَوْهَرَةِ: يُفْتَى بِقَوْلِ مُحَمَّدٍ لَوِ الْمُصَابُ مَائِعًا.

ترجمہ اسی طرح وضو کو توڑ دیتا ہے جونک جس نے کسی عضو کو چوسا اور خون سے پھول گیا۔ اسی طرح وضو کے توڑنے میں چیچڑی کا بھی حکم ہے بشرطیکہ بڑی ہو، اس لیے کہ اس وقت اس سے جونک کی طرح بہنے والا خون نکلتا ہے اور اگر جونک اور چیچڑی اس طرح نہ ہو کہ ان سے بہنے والا خون نکلے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا، جیسے کہ مچھر اور مکھی ہے ان کے کاٹنے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے اس لیے کہ ان میں بہنے والا خون نہیں ہے جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔ اور قہستانی میں ہے کہ اس وقت ناقض وضو نہیں ہے جب تک کہ ورم سے تجاوز نہ کر جائے۔ اور اگر کسی نے زخم کو پٹی سے باندھا تو اس صورت میں اگر تری باہر سے نفوذ کر جائے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر قئی بار بار متفرق طور پر ہوئی تو اس کو یکجا کیا جائے گا سبب کے متحد ہونے کی وجہ سے اور وہ حضرت امام محمد کے نزدیک متلی ہے اور صحیح ہے اور اس کو ایک قئی کے حکم میں مانا جائے گا۔ اور یہی بات اصح ہے اس لیے کہ قاعدہ یہ ہے کہ احکام کی نسبت اس کی اصل کی طرف ہوتی ہے مگر کسی مانع کی وجہ سے، جیسا کہ تفصیل کے ساتھ کافی میں موجود ہے۔ اور ہر وہ شئی جو کسی طرح بھی حدث نہیں ہے جیسے قلیل قئی، تھوڑا خون وغیرہ جس کو اگر چھوڑ دیا جائے تو نہ بہے۔ تو وہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ناپاک بھی نہیں ہے باء کی زیادتی کے قرینہ کے ساتھ، یہی قول صحیح ہے اور زخمیوں کے ساتھ نرمی بھی اسی قول میں ہے حضرت امام محمد کا اس میں اختلاف ہے اور جوہرہ میں ہے کہ فتویٰ حضرت امام محمدؒ کے قول پر ہے بشرطیکہ تھوڑی قئی اور خون کسی پتلی چیز میں مل گیا ہو۔

علقة: وہ کیڑا جو پانی میں رہتا ہے اور خون چوستا ہے، یعنی جونک۔ القُراد: غراب کے وزن پر ہے، ایک طرح کا کیڑا ہے جس کو چیچڑی کہا جاتا ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر جونک کسی عضو سے خون چوسے اور اس قدر چوسے کہ پھول جائے کہ اگر اس کو پھاڑا جائے تو اس سے دم سائل نکلے گا تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ وضو ٹوٹنے کے لیے پھولنا شرط نہیں ہے بلکہ اعتبار صرف سیلانِ دم کا ہے، خواہ خون چوس کر پھولا ہو یا نہ ہو۔ (شامی: ۱/ ۲۶۸)

مسئلہ: اگر چیچڑی بالکل چھوٹی ہو، یا جونک اتنی مقدار خون چوسے کہ دم سائل نہیں ہے تو اس صورت میں نقض وضو کا حکم نہیں لگایا جائے گا اور شامی میں ہے کہ اگر زخم کا سر اورم کر جائے اور اس سے پیپ وغیرہ ظاہر ہو تو یہ اس وقت تک وضو کو نہیں توڑے گا جب تک کہ ورم سے تجاوز نہ کر جائے اس لیے کہ ورم کی جگہ کو دھونا واجب نہیں ہے اور اس حصہ جسم کی طرف تجاوز کرے جس کے دھونے اور پاک کرنے کا حکم وجوبی طور پر ہو اور صاحب فتح القدیر نے مبسوط سے نقل کیا ہے کہ یہ حکم اس صورت کے ساتھ مخصوص ہے جہاں ورم کا دھونا اور مسح کرنا ضرر رساں ہو۔ اور اگر دھونا ضرر رساں نہ ہو تو پھر ورم کا دھونا واجب ہے اور اس

صورت میں تجاوز نہ کرنے کی صورت میں بھی وضوٹوٹ جائے گا۔(شامی:۱/ ۲۶۸)

قولہ ولو شدّ بالرباط: مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو زخم ہو جائے اور وہ پٹی باندھ دے لیکن اگر زخم کے اوپر پٹی نہ ہوتی تو وہ بہتا تو اس صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور بدائع الصنائع میں ہے کہ اگر کوئی شخص زخم پر راکھ یا مٹی ڈال دے اور وہ مٹی اور راکھ زخم میں تر ہو جائے یا زخم پر پٹی باندھے اور وہ تر ہو جائے اور خون و پیپ اس میں سرایت کر جائے تو علمائے فقہ نے فرمایا کہ اس سے وضوٹوٹ جائے گا اس لیے کہ دم سائل پایا گیا ہے۔(شامی:۱/ ۲۶۸)

مسئلہ: اگر کسی نے متفرق طور پر چند جگہ قئی کی تو ان تمام کو اندازہ لگایا جائے گا اگر منہ بھر کے ہو جائے تو نقض وضو کا حکم ہوگا اور اگر ان تمام قئیوں کو جمع کرنے کے بعد بھر منہ کی مقدار نہ ہو تو پھر نقض وضو کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اتحاد سبب کا اعتبار ہے اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اتحاد مجلس کا اعتبار ہے لہٰذا اگر کسی نے تھوڑی تھوڑی قئی کئی مرتبہ کی جس کا مجموعہ بھر منہ ہوتا ہے اور ایک مجلس میں کی تو اس صورت میں تمام قئیوں کو جمع کیا جائے گا اور بھر منہ ہونے کے بعد حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وضوٹوٹ جائے گا اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک چونکہ سبب کا اعتبار ہے اس لیے ان کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹے گا اگر سبب بھی ایک ہے تو جمع کیا جائے گا اور بھر منہ ہونے کی صورت میں نقض وضو کا حکم لگایا جائے گا۔(شامی:۱/ ۲۶۹)

قولہ بقرینۃ زیادۃ الباء: علم نحو کا اصول ہے کہ جب خبر پر باء زائدہ داخل ہو تو وہ عموم نفی پر دلالت کرتی ہے چناں چہ اسی عموم نفی کو ظاہر کرنے کے لیے شارح علامہ حصکفی نے اصلاً کی قید کا اضافہ فرمادیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس چیز سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے مثلاً قئی قلیل یا نہ بہنے والا خون تو وہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بالکل ناپاک نہیں ہے۔ لفظ "اصلاً" کے اضافہ کرنے سے اس حدث سے احتراز ہو گیا جو معذور سے نماز کے وقت میں خارج ہوتا ہے، مثلاً ایک شخص سلسل البول کا مریض ہے ہر وقت پیشاب جاری رہتا ہے تو یہ اس کے لیے ناقض وضو نہیں ہے لیکن وہ ناپاک ہے اس لیے کہ وہ غیر معذور کے لیے حدث ہے لہٰذا اصلاً کی قید لگا دینے سے اس جگہ میں وہ داخل نہیں رہا۔(شامی:۱/ ۲۶۹)

اخیر میں شارح موصوف نے یہ بیان فرمایا کہ اگر یہ تھوڑی قئی اور دم غیر سائل کسی بہنے والی پتلی چیز جیسے پانی وغیرہ میں ملے تو حضرت امام محمدؒ کے قول کے مطابق ناپاک ہونے کا فتویٰ ہوگا اور اگر کپڑے وغیرہ میں لگے تو حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق پاک ہونے کا فتویٰ ہوگا۔(شامی:۱/ ۲۷۰)

(وَ) يَنْقُضُهُ حُكْمًا (نَوْمٌ يُزِيلُ مُسْكَتَهُ) أَيْ قُوَّتَهُ الْمَاسِكَةَ بِحَيْثُ تَزُولُ مَقْعَدَتُهُ مِنَ الْأَرْضِ، وَهُوَ النَّوْمُ عَلَى أَحَدِ جَنْبَيْهِ أَوْ وِرْكَيْهِ أَوْ قَفَاهُ أَوْ وَجْهِهِ (وَإِلَّا) يُزِلْ مُسْكَتَهُ (لَا) يَنْقُضُ وَإِنْ تَعَمَّدَهُ فِي الصَّلَاةِ أَوْ غَيْرِهَا عَلَى الْمُخْتَارِ كَالنَّوْمِ قَاعِدًا وَلَوْ مُسْتَنِدًا إِلَى مَا لَوْ أُزِيلَ لَسَقَطَ عَلَى الْمَذْهَبِ، وَسَاجِدًا عَلَى الْهَيْئَةِ الْمَسْنُونَةِ وَلَوْ فِي غَيْرِ الصَّلَاةِ عَلَى الْمُعْتَمَدِ ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ، أَوْ

مُتَوَرِّكًا أَوْ مُحْتَبِيًا، وَرَأْسُهُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ أَوْ شِبْهَ الْمُنْكَبِّ أَوْ فِي مَحْمَلٍ أَوْ سَرْجٍ أَوْ إِكَافٍ وَلَوْ الدَّابَّةُ عُرْيَانًا، فَإِنْ حَالَ الْهُبُوطِ نَقَضَ وَإِلَّا لَا. وَلَوْ نَامَ قَاعِدًا يَتَمَايَلُ فَسَقَطَ، إِنْ انْتَبَهَ حِينَ سَقَطَ فَلَانَقْضَ بِهِ يُفْتَى كَنَاعِسٍ يَفْهَمُ أَكْثَرَمَا قِيلَ عِنْدَهُ.وَالْعَتَهُ لَايَنْقُضُ كَنَوْمِ الْأَنْبِيَاءِ -عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ-،وَهَلْ يَنْقُضُ إِغْمَاؤُهُمْ وَغَشْيُهُمْ؟ ظَاهِرُ كَلَامِ الْمَبْسُوطِ نَعَمْ.

ترجمہ اور وضو کو توڑ دیتی ہے حکم کے اعتبار سے ایسی نیند جو قوت ماسکہ کو زائل کردے یعنی اس کی قوتِ ماسکہ کو ایسے طور پر زائل کردے کہ اس کی مقعد زمین پر نہ ٹکے۔ اور قوتِ ماسکہ اس قوت کو کہتے ہیں کہ جو آدمی کی ریح روکتی ہے۔ اور وہ کسی ایک پہلو پر سونا ہے یا کسی ایک کولہے پر سونا ہے یا گدی کے بل سونا ہے یا چہرہ کے بل سونا ہے۔ اور اگر ایسی نیند ہو کہ وہ قوتِ ماسکہ کو زائل نہیں کرتی ہے بلکہ قوتِ ماسکہ باقی رہتی ہے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا اگرچہ وہ نماز کی حالت میں یا غیر نماز کی حالت میں قصداً سو گیا ہو، مختار مذہب یہی ہے جیسے کہ دونوں سرین پر بیٹھ کر سونا اگرچہ ایسی چیز پر ٹیک لگا کر سو گیا ہے کہ اگر اس کو ہٹا لیا جائے تو وہ گر پڑے گا مختار مذہب کی بنیاد پر۔ یا جیسے سجدے کی حالت میں مسنون ہیئت میں سونا اگرچہ یہ سونا نماز کی حالت کے علاوہ میں ہو معتمد قول یہی ہے، اس کو حلبی نے ذکر کیا ہے، یا اکڑوں بیٹھ کر سو جانا اس طرح کہ دونوں پنڈلیاں چھاتی سے لگی ہوں اور ان دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا ہو، یا کپڑا لپیٹ لیا ہو اور سر گھٹنوں پر ہو (اور اگر سر گھٹنوں پر نہیں ہے تو بدرجۂ اولیٰ ناقض وضو نہیں ہے) یا اوندھے شخص کی مانند سونا، یا کجاوے میں سونا، یا زین پر سونا، یا پالان پر سونا، اور اگر جانور کی پیٹھ ننگی ہو تو اگر وہ اُترنے کی حالت میں ہو تو ناقض وضو ہے ورنہ نہیں۔ اور اگر کوئی شخص بیٹھ کر سویا اور نیند کی وجہ سے جھوم رہا ہے پھر وہ گر پڑا اور گرتے ہی وہ بیدار ہو گیا تو اس کا وضو نہیں ٹوٹا اسی قول پر فتویٰ ہے جیسا کہ اس شخص کا وضو نہیں ٹوٹتا ہے جو اس طرح سو رہا ہے کہ اپنے پاس کی جانے والی اکثر باتوں کو سمجھتا ہے اور اختلالِ عقلی بھی ناقض نہیں ہے جس طرح حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وضو ناقض نہیں ہے، رہی حضراتِ انبیاء کرام کی غشی اور بیہوشی ناقض وضو ہے یا نہیں؟ تو مبسوط کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی غشی اور بیہوشی ناقض وضو ہے۔

مختصر تشریح جب صاحب درمختار ناقض وضو حقیقی کے بیان سے فارغ ہو گئے تو یہاں سے ناقض وضو حکمی کو بیان فرما رہے ہیں، اس لیے کہ نفس نیند ناقض وضو نہیں ہے؛ بلکہ نیند کی وجہ سے ایک طرح سے جو غفلت پیدا ہوتی ہے اور خروجِ ریح اور عدم خروج ریح کے متعلق جو خبر باقی نہیں رہتی ہے وہ ناقض وضو ہے اس لیے علامہ حصکفی نے فرمایا کہ وہ نیند ناقض وضو ہے جو قوتِ ماسکہ کو زمین سے زائل کردے اور ایسی حالت چار طرح سے سونے میں پیدا ہوتی ہے: (۱) کروٹ پر لیٹنا۔ (۲) دونوں کولہوں میں سے کسی ایک پر لیٹنا۔ (۳) گدی کے بل لیٹنا۔ (۴) چہرہ کے بل سونا۔ ان چاروں حالتوں میں سونا ناقض وضو ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص نماز کی ہیئت مسنونہ میں سو جائے مثلاً رکوع کی حالت میں، یا سجدے کی حالت میں تو اس سے وضو

نہیں ٹوٹے گا، اگر چہ جان بوجھ کر ہی کیوں نہ سوئے البتہ نماز فاسد ہو جائے گی۔ (شامی: ۱/۲۷۱)

مسئلہ: اگر کوئی شخص اس طرح سویا کہ اس کا مقعد سونے کی حالت میں زمین سے اُٹھ گیا تو اس سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر کوئی شخص بیٹھے بیٹھے نیند کی وجہ سے جھوم رہا تھا کہ اچانک وہ گر پڑا اور گرتے ہی فوراً آنکھ کھل گئی اور وہ شخص بیدار ہو گیا تو اس صورت میں وضو نہیں ٹوٹے گا جس طرح کہ اگر کوئی شخص اونگھ کی حالت میں اور اپنے پاس کی جانے والی اکثر باتوں کو سمجھ رہا ہو تو اس کا وضو اس جیسی نیند کی وجہ سے نہیں ٹوٹے گا، اسی قول پر فتویٰ بھی ہے جیسا کہ فتاویٰ خلاصہ میں مذکور ہے۔ (شامی: ۱/۲۷۳)

فتاویٰ تاتارخانیہ میں مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز پر چارزانو ٹیک لگا کر بیٹھا اور سو گیا تو امام شمس الائمہ حلوانی فرماتے ہیں کہ اس کا یہ سونا وضو کو توڑنے والا نہیں ہے اس لیے کہ اس صورت میں استرخاء مفاصل نہ ہوگا۔

عتہ: بفتح العین وسکون التاء منقول ہے۔ ایسی آفت جو انسانی عقل میں اختلال پیدا کر دے اور اس کو بات کرنے پر کنٹرول باقی نہ رہے تو جس شخص کی عقل میں کوئی خرابی آجائے تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا بلکہ اس کا وضو باقی رہے گا اس لیے کہ ایسا مختل الحواس شخص نہ کسی کو مارتا ہے اور نہ کسی کو گالی گلوچ کرتا ہے ایسے شخص کی عبادت کو علمائے امت نے صحیح قرار دیا ہے گو کہ وہ مکلف شرع نہیں ہے۔

نوم انبیاء علیہم السلام ناقض وضو نہیں

یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا نوم ناقض وضو نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی الٰہی کے حکم میں ہے۔ بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت موجود ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ سو گئے اور اس قدر سو گئے کہ سونے کی آواز محسوس کی گئی، پھر آپ بیدار ہوئے اور بغیر وضو کئے نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، پس معلوم ہوا کہ نوم انبیاء ناقض نہیں ہے۔ دوسری حدیث شریف میں منقول ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری آنکھیں بلاشبہ سوتی ہیں لیکن میرا دل بیدار رہتا ہے۔ (شامی: ۱/۲۷۳)

اب رہی یہ بات کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی غشی اور بے ہوشی ناقض وضو ہے یا نہیں؟ تو مبسوط کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ناقض وضو ہے۔ اس قول کو شیخ اسماعیل نے شرح الکنز سے نقل کیا ہے لیکن کچھ علمائے امت کا کہنا ہے کہ جس طرح نوم انبیاء ناقض وضو نہیں ہے اسی طرح غشی وغیرہ بھی ناقض نہیں ہے۔ (شامی: ۱/۲۷۳)

(وَ) يَنْقُضُهُ (إِغْمَاءٌ) وَمِنْهُ الْغَشْيُ (وَجُنُونٌ وَسُكْرٌ) بِأَنْ يَدْخُلَ فِي مَشْيِهِ تَمَايُلٌ وَلَوْ بِأَكْلِ الْحَشِيشَةِ (وَقَهْقَهَةٌ) هِيَ مَا يَسْمَعُ جِيرَانُهُ (بَالِغٍ) وَلَوْ امْرَأَةً سَهْوًا (يَقْظَانَ) فَلَا يَبْطُلُ وُضُوءُ صَبِيٍّ وَنَائِمٍ بَلْ صَلَاتُهُمَا بِهِ يُفْتَى (يُصَلِّي) وَلَوْ حُكْمًا كَالْبَانِي (بِطَهَارَةٍ صُغْرَى) وَلَوْ تَيَمُّمًا

(مُسْتَقِلَّةٍ) فَلَا يَبْطُلُ وُضُوءٌ فِي ضِمْنِ الْغُسْلِ؛ لَكِنْ رَجَّحَ فِي الْخَانِيَّةِ وَالْفَتْحِ وَالنَّهْرِ النَّقْضَ عُقُوبَةً لَهُ وَعَلَيْهِ الْجُمْهُورُ، كَمَا فِي الذَّخَائِرِ الأَشرفية (صَلَاةً كَامِلَةً) وَلَوْ عِنْدَ السَّلَامِ عَمْدًا، فَإِنَّهَا تُبْطِلُ الْوُضُوءَ لَا الصَّلَاةَ، خِلَافًا لِزُفَرَ كَمَا حَرَّرَهُ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ. وَلَوْ قَهْقَهَ إِمَامُهُ أَوْ أَحْدَثَ عَمْدًا ثُمَّ قَهْقَهَ الْمُؤْتَمُّ - وَلَوْ مَسْبُوقًا فَلَا نَقْضَ، بِخِلَافِهَا بَعْدَ كَلَامِهِ عَمْدًا فِي الْأَصَحِّ. وَمِنْ مَسَائِلِ الِامْتِحَانِ - وَلَوْ نَسِيَ الْبَانِي الْمَسْحَ فَقَهْقَهَ قَبْلَ قِيَامِهِ لِلصَّلَاةِ انْتَقَضَ لَا بَعْدَهُ لِبُطْلَانِهَا بِالْقِيَامِ إِلَيْهَا

ترجمہ اور بے ہوشی، غشی اور جنون بھی وضو کو توڑ ڈالتے ہیں۔ اور اس نشہ سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے کہ جس سے آدمی چلنے میں جھومنے لگے، خواہ یہ نشہ بھنگ کھانے کی وجہ سے کیوں نہ ہو۔ اور جاگے ہوئے بالغ شخص کا خواہ عورت ہی کیوں نہ ہو، سہواً رکوع سجدہ والی نماز میں کھل کھلا کر زور سے ہنسنا کہ اس کی آواز بغل والے سن لیں تو اس سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے، پس اگر کوئی نابالغ شخص یا ہیئت نماز میں سونے والا شخص قہقہہ لگا کر ہنسے تو ان دونوں کا وضو نہیں ٹوٹے گا البتہ ان کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔ اسی طرح کوئی شخص حکماً نماز میں ہو جیسے بنا کرنے والا تو اس کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی اور وضو بھی۔ اور اس بالغ بیدار شخص کا وضو نہیں ٹوٹے گا جس نے نماز کے لیے مستقل وضو یا تیمم نہیں کیا تھا بلکہ اس نے اس وضو سے نماز شروع کی تھی جو غسل کے ضمن میں پایا گیا تھا۔ لیکن فتاویٰ تاتارخانیہ، فتح القدیر اور النہر الفائق میں ہے کہ ان لوگوں کا بھی وضو بطور سزا کے ٹوٹ جائے گا اور ان لوگوں نے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے اور جمہور بھی اسی پر ہیں جیسا کہ ذخائر اشرفیہ میں ہے۔

اگر قہقہہ لگا کر ہنسنا مذکورہ صورت میں پایا گیا تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا، خواہ سلام پھیرنے کے وقت ہی کیوں نہ جان بوجھ کر زور سے ہنسنا پایا جائے، لیکن اس صورت میں صرف وضو ٹوٹے گا نماز باطل نہ ہوگی حضرت امام زفر فرماتے ہیں کہ اس صورت میں وضو نہیں ٹوٹے گا جیسا کہ علامہ شرنبلالی صاحب نور الایضاح نے شرح وہبانیہ میں اسکی صراحت کی ہے۔

اگر مقتدی کا امام زور سے ہنسا یا عمداً اس نے حدث لاحق کر دیا پھر اس کے بعد مقتدی زور سے ہنسا تو خواہ وہ مقتدی مسبوق ہی کیوں نہ ہو تو اس حالت میں مقتدی کا وضو قہقہہ سے نہیں ٹوٹے گا، بخلاف اس صورت میں کہ جب امام نے نماز میں قصداً کلام کیا، پھر مقتدی قہقہہ مار کر ہنسا تو اس صورت میں مقتدی کا وضو نہیں ٹوٹے گا یہی قول اصح تر ہے اور آزمائش والے مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر نماز کی بناء کرنے والا شخص سر یا موزہ کا مسح کرنا بھول گیا پھر اس نے نماز شروع کرنے سے قبل زور سے ہنسا تو اس صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر نماز شروع کرنے کے بعد زور سے ہنسا تو وضو نہیں ٹوٹے گا اس لیے کہ نماز شروع کرنے ہی سے نماز باطل ہوگی۔

مختصر تشریح اس عبارت میں صاحب کتاب نواقض کے اقسام میں سے قہقہہ کے حکم کو بیان فرماتے ہیں، چناں چہ فرماتے ہیں کہ

بالغ شخص بیداری کی حالت میں رکوع وسجدہ والی نماز میں قہقہہ لگا کر ہنسنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے اور ساتھ ساتھ وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے اور قہقہہ کی تعریف صاحب کتاب نے یہ فرمائی ہے کہ جس کو اس کے بغل والے سن لیں وہ قہقہہ ہے۔ قہقہہ اگر رکوع وسجدہ والی نماز میں لگائے تو اس سے وضو اور نماز دونوں فاسد ہوجائیں گے۔ اور اگر جنازے کی نماز میں قہقہہ لگائے تو صرف نماز فاسد ہوگی وضو فاسد نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص امام ہے اور اس نے زور سے ہنسا، یا جان بوجھ کر اس نے حدث لاحق کر دیا پھر اس کے بعد مقتدی زور سے ہنسا تو اس صورت میں مقتدی کا وضو فاسد نہ ہوگا اس لیے کہ امام جب زور سے ہنسا یا اس نے جان بوجھ کر حدث لاحق کیا تو نماز باطل ہوگئی، تو اب مقتدی کا زور سے ہنسنا خارج نماز پایا گیا اور خارج نماز زور سے ہنسنے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔ اور اگر مقتدی امام سے پہلے قہقہہ مار کر ہنسا یا امام کے ساتھ ہی قہقہہ لگایا تو اس صورت میں اس کا وضو باطل ہوجائے گا ہاں البتہ نماز باطل نہ ہوگی اس لیے کہ یہاں قہقہہ حرمت نماز میں پایا گیا ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۷۶)

خلافِ قیاس، قہقہہ سے نقض وضو کا حکم دیا گیا

قہقہہ سے نقض وضو کے باب میں قیاس یہ چاہتا ہے کہ اس سے وضو نہ ٹوٹے اس لیے کہ اس میں کوئی نجاست کی علت نہیں پائی جاتی ہے اس وجہ سے حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ قہقہہ کو ناقض قرار نہیں دیتے ہیں، لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ چھ صحابیوں سے مرفوعاً روایت موجود ہے کہ قہقہہ کی صورت میں اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے وضو اور نماز دونوں کو لوٹانے کا حکم دیا ہے۔ حدیث شریف کی کتابوں میں موجود ہے، حضرت ابوالعالیہ ابوموسیٰؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک نابینا شخص آیا اور اس گڑھے میں گر پڑا جو مسجد میں تھا اس منظر کو دیکھ کر بہت سے صحابی ہنس پڑے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص نماز میں قہقہہ لگائے تو اس کو چاہئے کہ نماز اور وضو دونوں کا اعادہ کرے۔

ہنسی کی قسمیں

ہنسی کی تین قسمیں کتابوں میں مذکور ہیں: (۱) قہقہہ۔ (۲) ضحک۔ (۳) تبسم۔

قہقہہ: اس ہنسی کو کہتے ہیں جس میں قاف اور ہاء کی آواز ظاہر ہو اور اس کی آواز بغل والے سن لیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ وضو اور نماز دونوں فاسد ہوجائیں گے۔

ضحک اس ہنسی کو کہتے ہیں کہ جس کی آواز اتنی ہو کہ خود سنائی دے دوسروں تک آواز نہ پہنچے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ نماز فاسد ہوجائے گی لیکن وضو باقی رہے گا اور اسی وضو سے دوبارہ نماز شروع کر سکتے ہیں۔

تبسم اس ہنسی کو کہتے ہیں جس میں صرف ہونٹ سے ظاہر ہو کہ ہنس رہا ہے اور دانت وغیرہ ظاہر ہوں تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس صورت میں نہ نماز فاسد ہوگی نہ وضو، بلکہ دونوں اپنی اپنی حالت پر باقی رہیں گے۔

مسئلہ: اگر بناء کرنے والا شخص سر یا موزے کا مسح بھول گیا پھر اس نے نماز شروع کرنے سے پہلے زور سے قہقہہ لگایا تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا اس لیے کہ بنا کرنے والا حکماً نماز میں ہوتا ہے اور اگر نماز شروع کرنے کے بعد زور سے ہنسا تو وضو نہیں ٹوٹتا ہے اس وجہ سے کہ نماز شروع کرنے کی وجہ سے نماز باطل ہوگئی اس لیے کہ جب وہ مسح بھول گیا تو اس کا وضو درست نہ ہوا لہٰذا اس حال میں وہ جو نماز پڑھ رہا ہے بلا وضو پڑھ رہا ہے اور بلا وضو نماز درست نہیں ہے، پس قہقہہ نماز کے اندر نہیں پایا گیا ہے بلکہ خارج نماز قہقہہ پایا گیا ہے اس لیے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اگر کسی کا امتحان لینا مقصود ہو کہ وہ اس مسئلہ سے واقف ہے یا نہیں تو اس طرح سوال کرے کہ بتاؤ وہ کون سا قہقہہ ہے کہ جب نماز کے اندر ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا ہے اور جب نماز سے باہر ہو تو وضو ٹوٹ جاتا ہے حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۷۷)

(وَمُبَاشَرَةٌ فَاحِشَةٌ) بِتَمَاسِّ الْفَرْجَيْنِ وَلَوْ بَيْنَ الْمَرْأَتَيْنِ وَالرَّجُلَيْنِ مَعَ الِانْتِشَارِ (لِلْجَانِبَيْنِ) الْمُبَاشِرُ وَالْمُبَاشَرُ، وَلَوْ بِلَا بَلَلٍ عَلَى الْمُعْتَمَدِ. (كَمَا) لَا يَنْقُضُ (لَوْ خَرَجَ مِنْ أُذُنِهِ) وَنَحْوِهَا كَعَيْنِهِ وَثَدْيِهِ (قَيْحٌ) وَنَحْوُهُ كَصَدِيدٍ وَمَاءِ سُرَّةٍ وَعَيْنٍ (لَا بِوَجَعٍ) وَإِنْ خَرَجَ (بِهِ) أَيْ بِوَجَعٍ (نَقَضَ) لِأَنَّهُ دَلِيلُ الْجُرْحِ، فَدَمْعُ مَنْ بِعَيْنِهِ رَمَدٌ أَوْ عَمَشٌ نَاقِضٌ، فَإِنْ اسْتَمَرَّ صَارَ ذَا عُذْرٍ مُجْتَبَى، وَالنَّاسُ عَنْهُ غَافِلُونَ.

ترجمہ اور مباشرتِ فاحشہ سے دونوں کا وضو ٹوٹ جاتا ہے، یعنی دونوں شرمگاہوں کے آپس میں انتشار کے ساتھ ملنے سے مباشر (یعنی مباشرت کرنے والے) اور مباشَر (یعنی جس کے ساتھ مباشرت کی جائے) وضو ٹوٹ جاتا ہے اگرچہ اس مباشرت میں مذی کی تری نہ پائی جائے، معتمد قول یہی ہے۔

اور شرمگاہ کا مس کرنا، اسی طرح عورت اور بے ریش خوبصورت لڑکے کا مس کرنا وضو کو نہیں توڑتا ہے، ہاں مس ذکر کی صورت میں مستحب ہے کہ ہاتھ دھولے۔ اور ائمہ کرام کے اختلاف سے بچنے کے لیے وضو کر لینا مستحب ہے خاص کر امام کو اس مستحب پر عمل کر لینا چاہئے لیکن اس طرح کے استحباب پر عمل کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ اپنے مذہب کے مطابق کسی مکروہ فعل کا ارتکاب لازم نہ آئے، جیسا کہ وضو نہیں ٹوٹتا ہے اگر متوضی کے کان یا اس جیسے دوسرے حصہ بدن سے جیسے آنکھ اور پستان سے بغیر تکلیف کے پیپ نکلے، یا اس طرح کی کوئی اور چیز نکلے جیسے زرد پانی اور ناف وغیرہ کا پانی تو وضو نہیں ٹوٹتا ہے، ہاں اگر یہ پیپ وغیرہ درد کے ساتھ نکلا تو وضو ٹوٹ جائے گا اس لیے کہ درد کے ساتھ نکلنا زخم ہونے کی دلیل ہے، پس اس شخص کی آنکھ کا آنسو جس کو آنکھ آگئی ہو اور دکھتی ہو یا اس طرح چوندھی ہے کہ اکثر اس سے پانی بہتا رہتا ہے ناقض وضو ہے اور اگر پانی کا بہنا دائمی ہو تو ایسا شخص معذور کے حکم میں ہوگا جیسا کہ مجتبیٰ میں ہے اور عام طور پر لوگ اس مسئلہ سے غافل ہیں، یعنی وہ یہ نہیں جانتے ہیں کہ دکھنے والی آنکھ کا آنسو ناقض وضو ہے۔

مختصر تشریح مُبَاشرة: یہ بشرۃ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی اوپر کے چمڑے کے ہیں۔ اور مرد کے عضو مخصوص کو ذکر اور عورت کے عضو

مخصوص کو فرج کہا جاتا ہے۔ شہوت کے وقت ان میں قدرتی طور پر تناؤ پیدا ہوتا ہے تو اگر مرد و عورت کی شرمگاہیں آپس میں اس طرح ملیں کہ درمیان میں کوئی چیز حائل نہ ہو تو حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے، خواہ خروجِ مذی ہو یا نہ ہو۔ اور یہی قول قابل اعتماد ہے۔ اور امام حلبی نے شرح منیہ میں اسی قول کو راجح قرار دیا ہے اور متونِ فقہ میں یہی قول مذکور بھی ہے۔ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب تک اعضاءِ مخصوصہ سے پانی وغیرہ نہ نکلے مباشرت فاحشہ ناقض وضو نہیں ہے۔

مس ذکر و مس عورت سے نقض وضو و عدم نقض وضو کا حکم

ذکر کے چھونے، عورت کے چھونے اور اسی طرح کسی خوبصورت بے ریش لڑکے کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے، احناف کا یہی مسلک ہے، لیکن ذکر چھونے کے بعد ہاتھوں کو دھو لینا مستحب ہے اس لیے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "مَنْ مَسَّ ذَكَرَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ"۔ جو شخص اپنی شرمگاہ چھوئے تو اس کو چاہئے کہ وضو کرے۔ اس حدیث میں "فليتوضأ" سے وضوءِ لغوی مراد ہے یعنی ہاتھ دھونا مراد ہے وضوءِ شرعی مراد نہیں ہے اس لیے کہ ایک دوسری حدیث شریف بھی اس باب میں مروی ہے جو طلق ابن علی کی حدیث ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: هَلْ هُوَ إِلَّا بَضْعَةٌ مِنْكَ۔ یعنی شرمگاہ بھی تمہارے جسم کا ایک حصہ ہے اور جس طرح جسم کے دوسرے حصہ کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے اسی طرح شرمگاہ چھونے سے بھی وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے اصح اور احسن قرار دیا ہے اور پہلی حدیث کو یحییٰ بن معین نے ضعیف قرار دیا ہے لہٰذا ان دو حدیثوں میں تطبیق کی شکل یہی ہے کہ ماقبل کی حدیث میں وضوءِ لغوی مراد لی جائے۔ (شامی: ۱/ ۲۸۷)

مس مرأة: یعنی عورت کا چھونا بھی ناقض وضو نہیں ہے۔ لیکن حضرت امام شافعیؒ مس مرأة کو ناقض قرار دیتے ہیں ان کی دلیل قرآنِ کریم کی آیت ﴿أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ﴾ ہے۔ احناف فرماتے ہیں ملامست سے مراد لمس بالید نہیں ہے بلکہ جماع سے کنایہ ہے۔ اس کے یہ معنی کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ حدیث شریف میں صراحت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ حضرت عائشہؓ کا بوسہ لیتے تھے اور نماز ادا فرماتے تھے وضو نہیں کرتے تھے، نیز صحیحین میں ہے رسول اللہ ﷺ رات میں نماز پڑھتے اور حضرت عائشہ سامنے جنازہ کی طرح لیٹی رہتی تھیں، حضرت عائشہ کا پاؤں نیند کی بے خبری میں آپ کے سامنے آجاتا تھا آپ ہٹا دیا کرتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ مس مرأة ناقض وضو نہیں ہے۔

مسئلہ: کان آنکھ وغیرہ سے اگر درد کے ساتھ پیپ نکلے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور بغیر درد کے نکلے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا، لیکن صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیم مصری فرماتے ہیں کہ اگر نفس پانی نکلے تب تو یہ درد والی تفصیل درست ہے لیکن اگر پیپ اور پیلا پانی نکلے تو اس صورت میں یہ تفصیل مناسب نہیں ہے بلکہ وضو ٹوٹ جائے گا، وجہ اس کی یہ ہے کہ بغیر زخم کے پیپ وغیرہ نکلا ہی نہیں کرتی ہیں۔ (شامی: ۱/ ۲۷۹)

مسئلہ: جس شخص کی آنکھ دکھتی ہو اور آشوبِ چشم کی بیماری ہو، ہمیشہ پانی نکلتا ہو تو اس کو چاہئے کہ ہر نماز کے لیے تازہ وضو

کرے، اس لیے کہ ایسا شخص معذور کے حکم میں ہے جیسا کہ یہ مسئلہ مجتبیٰ میں ہے کہ آشوبِ چشم کی حالت میں جو پانی آنکھوں سے نکلتا ہے وہ ناقضِ وضو ہے مگر اس مسئلے سے بہت سے لوگ ناواقف ہیں۔ (شامی:۱/۲۸۰)

(كَمَا) يَنْقُضُ (لَوْ حَشَا إِحْلِيلَهُ بِقُطْنَةٍ وَابْتَلَّ الطَّرَفُ الظَّاهِرُ) هَذَا لَوِ الْقُطْنَةُ عَالِيَةً أَوْ مُحَاذِيَةً لِرَأْسِ الْإِحْلِيلِ وَإِنْ مُتَسَفِّلَةً عَنْهُ لَا يَنْقُضُ وَكَذَا الْحُكْمُ فِي الدُّبُرِ وَالْفَرْجِ الدَّاخِلِ (وَإِنِ ابْتَلَّ الطَّرَفُ (الدَّاخِلُ لَا) يَنْقُضُ وَلَوْ سَقَطَتْ؛ فَإِنْ رَطْبَةً انْتَقَضَ، وَإِلَّا لَا، وَكَذَا لَوْ أَدْخَلَ أُصْبُعَهُ فِي دُبُرِهِ وَلَمْ يُغَيِّبْهَا، فَإِنْ غَيَّبَهَا أَوْ أَدْخَلَهَا عِنْدَ الِاسْتِنْجَاءِ بَطَلَ وُضُوءُهُ وَصَوْمُهُ.

ترجمہ: اور یہ دکھنے والی آنکھ اسی طرح ناقضِ وضو ہے جس طرح اگر کوئی شخص اپنے پیشاب کے سوراخ میں روئی بھر دے اور روئی کا ظاہری اور باطنی حصہ تر ہو جائے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا، لیکن یہ اس وقت ناقض ہوگا جب روئی پیشاب کے سوراخ سے اوپر اُٹھی ہوئی ہو یا پیشاب کے سوراخ کے بالکل برابر ہو، لیکن اگر وہ روئی سوراخ کے سر سے نیچی ہے یعنی اندر کی جانب ہے تو اس صورت میں روئی کے تر ہونے سے وضو نہیں ٹوٹے گا (اس وجہ سے کہ اس صورت میں خروج نہیں پایا گیا ہے) اور یہی حکم ہے اگر کوئی شخص دبر میں یا فرجِ داخل میں روئی ڈال لے تو اگر اندرونی حصہ تر ہے تو وضو نہیں ٹوٹے گا اور اگر وہ روئی سوراخ سے نکل کر باہر گر گئی تو دیکھا جائے گا کہ تر ہے یا نہیں؟ اگر روئی تر ہے تو وضو ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے اپنی انگلی اپنی دُبر میں ڈالی لیکن پوری انگلی اندر داخل نہیں ہوئی (لیکن انگلی تر نکلی تو وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر خشک نکلی تو وضو نہیں ٹوٹے گا) اور اگر پوری انگلی دبر میں اس طرح داخل کرے کہ اس کو غائب کر دے استنجاء کے وقت، تو اس کا وضو اور روزہ دونوں باطل ہو جائے گا۔

احلیل: مرد کی شرمگاہ کے سوراخ کو کہتے ہیں۔ اس عبارت میں علامہ حصکفی نے چند مسئلے بیان کیے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے اپنے پیشاب کی راہ کے سوراخ میں روئی ڈالی اور وہ روئی نجاست سے تر ہوگئی تو اگر وہ روئی ذکر کے اندر کی جانب ہے روئی باہر نکلی ہوئی نہیں ہے تو اس صورت میں وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور اگر روئی کا کچھ حصہ باہر نکلا ہوا ہے جو ذکر کے اوپر ہے یا برابر میں ہے تو اس صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا۔

مسئلہ: اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے پاخانہ کے راستہ میں روئی ڈالے یا اندر شرمگاہ میں ڈالے تو اگر وہ روئی اس مقام سے ابھری ہوئی باہر ہے یا کم از کم بالکل برابر ہے اور نجاست کی تری اوپر آگئی ہے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر تری اوپر نہیں آئی ہے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

فروع (اہم مسائل)

يُسْتَحَبُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يَحْتَشِيَ إِنْ رَابَهُ الشَّيْطَانُ، وَيَجِبُ إِنْ كَانَ لَا يَنْقَطِعُ إِلَّا بِهِ أَقْدِرُ مَا يُصَلِّي. بَاسُورِيٌّ خَرَجَ دُبُرُهُ، إِنْ أَدْخَلَهُ بِيَدِهِ انْتَقَضَ وُضُوءُهُ، وَإِنْ دَخَلَ بِنَفْسِهِ لَا؛ وَكَذَا لَوْ خَرَجَ بَعْضُ

الدُّودَةِ فَدَخَلَتْ. مَنْ لِذَكَرِهِ رَأْسَانِ فَالَّذِي لَا يَخْرُجُ مِنْهُ الْبَوْلُ الْمُعْتَادُ بِمَنْزِلَةِ الْجُرْحِ. الْخُنْثَى غَيْرُ الْمُشْكِلِ فَرْجُهُ الْآخَرُ كَالْجُرْحِ، وَالْمُشْكِلُ يَنْتَقِضُ وُضُوءُهُ بِكُلٍّ. مُنْكِرُ الْوُضُوءِ هَلْ يَكْفُرُ إِنْ أَنْكَرَ الْوُضُوءَ لِلصَّلَاةِ؟ نَعَمْ، وَلِغَيْرِهَا لَا. شَكَّ فِي بَعْضِ وُضُوئِهِ أَعَادَ مَا شَكَّ فِي تَعْيِينِهِ، غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى لِأَنَّهُ آخِرُ الْعَمَلِ. وَلَوْ عَلِمَ أَنَّهُ لَمْ يَغْسِلْ عُضْوًا وَشَكَّ فِي تَعْيِينِهِ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى، لِأَنَّهُ آخِرُ الْعَمَلِ. وَلَوْ أَيْقَنَ بِالطَّهَارَةِ وَشَكَّ بِالْحَدَثِ أَوْ بِالْعَكْسِ أَخَذَ بِالْيَقِينِ، وَلَوْ تَيَقَّنَهُمَا وَشَكَّ فِي السَّابِقِ فَهُوَ مُتَطَهِّرٌ وَمِثْلُهُ الْمُتَيَمِّمُ. - وَلَوْ شَكَّ فِي نَجَاسَةِ مَاءٍ أَوْ ثَوْبٍ أَوْ طَلَاقٍ أَوْ عِتْقٍ لَمْ يُعْتَبَرْ، وَتَمَامُهُ فِي الْأَشْبَاهِ.

ترجمہ اور اگر کسی آدمی کو شیطان وسوسہ میں ڈالتا ہے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ پیشاب کے سوراخ میں روئی رکھ لے اور اگر قطرہ بند نہیں ہوتا ہے تو اتنی دیر تک پیشاب کے سوراخ میں روئی ڈالنا واجب ہے جب تک نماز پڑھے۔ اگر کسی بواسیر والے شخص کا مقعد باہر نکل آئے، اس نے اپنے ہاتھ سے اس کو اندر کر دیا تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا اور اس کا مقعد خود بخود اندر چلا گیا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اسی طرح اگر مقعد سے کیڑے کا کچھ حصہ باہر نکلا اور پھر اندر چلا گیا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ جس شخص کے ذکر میں دو سر ہوں پس ان میں سے جس سے پیشاب نکلتا ہے وہ ذکر کے حکم میں ہے اور جس سے عادۃً پیشاب نہیں نکلا کرتا ہے وہ زخم کے حکم میں ہے (لہٰذا اگر اس حصہ سے کچھ چیز نکلے گی تو ناقض وضو نہ ہوگی جب تک کہ نکل کر بہہ نہ جائے) اور وہ خنثیٰ جو مشکل نہیں ہے اس کی دوسری شرمگاہ زخم کے حکم میں ہے (لہٰذا اس سے کسی شئ کا صرف نکلنا ناقض وضو نہیں ہے بلکہ بہنا شرط ہے) اور اگر خنثیٰ مشکل ہو تو اس کی ہر شرمگاہ سے نکلنا ناقض وضو ہے۔

جو شخص نماز کے وضو کا انکار کر دے اس کی تکفیر کی جائے گی یا نہیں؟ جی ہاں، اگر نماز کے لیے وضو کا انکار کرتا ہے تو یقیناً تکفیر کی جائے گی اور اگر نماز کے علاوہ کے لیے انکار کرتا ہے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ وضو کے بعض افعال میں شک واقع ہوا تو جن افعال میں شک واقع ہوا ان کو دوبارہ لوٹا لیں گے (یعنی دوبارہ دھو لیں گے یا مسح دوبارہ کر لیں گے) اگر یہ شک درمیان وضو میں واقع ہوا اور شک اس کی عادت نہ تھی تو دوبارہ لوٹائیں گے ورنہ نہیں۔ اگر کسی کو بالیقین معلوم ہو کہ کسی ایک عضو کو دھویا نہیں لیکن وہ ایک عضو کون سا ہے اس میں شک ہے تو ایسی صورت میں اپنا پاؤں دھو لے اس لیے کہ وضو میں سب سے آخری عمل یہی ہے۔

اور اگر کسی کو طہارت کا یقین حاصل ہو اور وضو کے ٹوٹنے میں شک ہو یا اس کے برعکس ہو تو یقین والے پہلو پر عمل کیا جائے گا اور شک والے پہلو کو ترک کر دے گا۔ اور اگر طہارت کے ہونے اور وضو کے ٹوٹنے دونوں کا یقین ہو مگر اس میں شک پیدا ہوا کہ ان دونوں میں سے پہلے کون ہوا تو ایسا شخص شرعاً پاک سمجھا جائے گا اور وضو کرنے والے کی طرح تیمم کرنے والے کا حکم ہے۔

اور اگر پانی یا کپڑے کی پاکی اور ناپاکی کے بارے میں شک ہوا یا بیوی کو طلاق دینے میں شک ہوا کہ طلاق دی ہے یا

نہیں؟ یا غلام کو آزاد کرنے میں شک ہوا کہ غلام کو آزاد کیا ہے یا نہیں؟ تو ان تمام صورتوں میں شک کا کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ پانی پاک، کپڑا پاک اور بیوی حلال اور غلام مملوک ہی رہے گا اور ان مسائل کی تفصیل الاشباہ والنظائر میں ہے۔

مختصر تشریح فروع کا عنوان قائم کرکے علامہ حصکفی ان مسائل کو ذکر فرمارہے ہیں جو متن سے رہ گئے ہیں اور نایاب ہیں، چناں چہ فرماتے ہیں کہ:

مسئلہ: اگر کوئی شخص شک کی بیماری میں مبتلا ہے، شیطان وسوسہ میں ڈالتا ہے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ پیشاب کے سوراخ میں روئی وغیرہ ڈالے تاکہ قطرہ نکلنے کا اندیشہ باقی نہ رہے اور اگر پیشاب کے قطرات مسلسل نکلتے ہیں کبھی بھی بند نہیں ہوتے ہیں تو اتنی دیر تک پیشاب کے سوراخ میں روئی ڈالنا مستحب ہے جب تک نماز پڑھتا ہو۔ خنثیٰ مشکل وہ انسان ہے جس میں مرد اور عورت دونوں کی علامتیں پائی جائیں، اور اس کا مرد یا عورت ہونا کسی علامت سے راجح نہ ہو، اور اگر کسی علامت سے مرد یا عورت ہونا معلوم ہو جائے تو یہ خنثیٰ مشکل نہ رہے گا بلکہ خنثیٰ غیر مشکل ہوگا۔

مسئلہ: اگر کسی شخص کی شرمگاہ کے دو سر ہوں، تو جس سر سے عادتاً پیشاب نکلتا ہے وہ تو شرمگاہ ہے، اس سے کوئی چیز اندر سے منھ پر آجائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور جس سے عادتاً پیشاب نہیں نکلتا ہے وہ حکم میں زخم کے ہوگا لہٰذا اس میں محض کسی چیز کے نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا بلکہ نکل کر بہنا شرط ہے لیکن علامہ زیلعی بہنے کی شرط نہیں لگاتے ہیں بلکہ محض نکلنا ہی ناقض وضو ہے لیکن صاحب النہر الفائق فرماتے ہیں کہ قابل اعتماد قول پہلا قول ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۸۲)

نماز کے وضو کا منکر کافر ہے

چونکہ نماز کے لیے وضو کی فرضیت قرآنِ کریم کی صریح آیت سے ہے، چناں چہ اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے: {يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ} یعنی اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو اور تم بے وضو ہو تو سب سے پہلے وضو کرو جس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اپنے چہروں کو دھوؤ، پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوؤ، اسکے بعد اپنے سر کا مسح کرو اور اپنے دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک دھوؤ، پس معلوم ہوا کہ نماز کے لیے وضو کا حکم نص قطعی سے ثابت ہے اور انکار وضو کی صورت میں نص قطعی کا انکار لازم آتا ہے اس لیے علماء نے منکر وضو کی تکفیر کی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص نماز کے علاوہ مس مصحف کے لیے وضو کا انکار کرتا ہے تو اس کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا اس لیے کہ مس مصحف کے لیے وضو گرچہ قرآنِ کریم سے ثابت ہے لیکن اس کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے، لہٰذا اب یہ حکم قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ باقی نہ رہا اس لیے اس کا منکر کافر نہ ہوگا تاہم فاسق تو ضرور ہوگا۔

افعالِ وضو میں شک ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر وضو کرنے والے کو بعض افعال وضو میں شک واقع ہو جائے کہ فلاں عضو کو دھویا یا نہیں؟ یا مسح کیا یا نہیں؟ اور یہ شک

دورانِ وضو پیش آیا اور زندگی میں پہلی مرتبہ پیش آیا، شک اس کی عادت نہیں ہے تو ایسا شخص اس عضو کو دوبارہ دھوئے گا جس میں شک واقع ہوا ہے اور اگر شک میں پڑنا اس کی ہمیشہ کی عادت ہو تو ایسی صورت میں دوبارہ اس عضو کو دھونا ضروری نہیں ہے جس کے بارے میں شک واقع ہوا ہے۔

حضرات فقہاء کرام کے یہاں ایک اصول ہے: اَلْیَقِیْنُ لَایَزُوْلُ بِالشَّکِّ۔ یعنی شک کی وجہ سے یقین زائل نہیں ہوتا ہے لہٰذا اسی اصول کے پیش نظر فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو طہارت کے بارے میں یقین ہو اور حدث لاحق ہونے کے بارے میں شک ہو تو یقین والا پہلو لے کر طہارت ہی مانیں گے اور اگر معاملہ اس کا الٹا ہو تو حدث ہی مان کر دوبارہ وضو کا حکم دیا جائے گا اس لیے کہ قاعدہ ہے: اَلْیَقِیْنُ لَایَزُوْلُ بِالشَّکِّ۔

اور اگر کسی آدمی کو پانی کے پاک اور ناپاک ہونے میں یا بیوی کو طلاق دینے اور نہ دینے میں یا آقا کو شک ہو جائے کہ غلام کو آزاد کیا یا نہیں؟ تو ان تمام صورتوں میں شک کا کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ پانی پاک، بیوی حلال اور غلام مملوک سمجھا جائے گا جب تک کہ کامل یقین نہ ہو جائے۔

(وَفَرْضُ الْغُسْلِ) أَرَادَ بِهِ مَا يَعُمُّ الْعَمَلِيَّ كَمَا مَرَّ، وَبِالْغُسْلِ الْمَفْرُوضِ كَمَا فِي الْجَوْهَرَةِ، وَظَاهِرُهُ عَدَمُ شَرْطِيَّةِ غَسْلِ فَمِهِ وَأَنْفِهِ فِي الْمَسْنُونِ كَذَا الْبَحْرُ، يَعْنِي عَدَمَ فَرْضِيَّتِهَا فِيهِ وَإِلَّا فَهُمَا شَرْطَانِ فِي تَحْصِيلِ السُّنَّةِ (غَسْلُ) كُلِّ (فَمِهِ) وَيَكْفِي الشُّرْبُ عَبًّا؛ لِأَنَّ الْمَجَّ لَيْسَ بِشَرْطٍ فِي الْأَصَحِّ (وَأَنْفِهِ) حَتَّى مَا تَحْتَ الدَّرَنِ (وَ) بَاقِي (بَدَنِهِ) لَكِنْ فِي الْمُغْرِبِ وَغَيْرِهِ: الْبَدَنُ مِنَ الْمَنْكِبِ إِلَى الْأَلْيَةِ، وَحِينَئِذٍ فَالرَّأْسُ وَالْعُنُقُ وَالْيَدُ وَالرِّجْلُ خَارِجَةٌ لُغَةً دَاخِلَةٌ تَبَعًا شَرْعًا (لَا دَلْكُهُ) لِأَنَّهُ مُتَمِّمٌ، فَيَكُونُ مُسْتَحَبًّا لَا شَرْطًا، خِلَافًا لِمَالِكٍ (وَيَجِبُ) أَيْ يُفْرَضُ (غَسْلُ) كُلِّ مَا يُمْكِنُ مِنَ الْبَدَنِ بِلَا حَرَجٍ مَرَّةً كَأُذُنٍ وَ (سُرَّةٍ وَشَارِبٍ وَحَاجِبٍ وَ) أَثْنَاءِ (لِحْيَةٍ) وَشَعْرِ رَأْسٍ وَلَوْ مُتَلَبِّدًا لِمَا فِي - {فَاطَّهَّرُوا} - مِنَ الْمُبَالَغَةِ (وَفَرْجٍ خَارِجٍ) لِأَنَّهُ كَالْفَمِ لَا دَاخِلٍ، لِأَنَّهُ بَاطِنٌ، وَلَا تُدْخِلُ أُصْبُعَهَا فِي قُبُلِهَا بِهِ يُفْتِي.(لَا) يَجِبُ (غَسْلُ مَا فِيهِ حَرَجٌ كَعَيْنٍ)وَإِنْ اكْتَحَلَ بِكُحْلٍ نَجِسٍ (وَثُقْبِ انْضَمَّ وَ) لَا (دَاخِلَ قُلْفَةٍ) بَلْ يُنْدَبُ هُوَ الْأَصَحُّ قَالَهُ الْكَمَالُ، وَعَلَّلَهُ بِالْحَرَجِ فَسَقَطَ الْإِشْكَالُ. وَفِي الْمَسْعُودِيِّ إِنْ أَمْكَنَ فَسْخُ الْقُلْفَةِ بِلَا مَشَقَّةٍ يَجِبُ وَإِلَّا لَا .

ترجمہ اور غسل کا فرض پورے منہ کا دھونا ہے اور ناک کا دھونا اور پورے بدن کو دھونا ہے۔ غسل میں بدن کو رگڑنا فرض نہیں ہے۔

اور یہاں فرض سے مراد فرض عملی ہے اور غسل جو فرض ہے جیسا کہ جوہرہ میں اس کی تصریح ہے (یعنی جنابت، حیض اور نفاس کا غسل) اور جوہرہ کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ منہ اور ناک کا دھونا غسل مسنون میں شرط نہیں ہے جیسا کہ البحر الرائق میں

ہے، یعنی یہ دونوں غسل مسنون میں فرض نہیں ہیں، ورنہ یہ بات ظاہر ہے کہ سنت کے حاصل کرنے میں یہ دونوں (کلی کرنا ناک میں پانی ڈالنا) شرط ہیں اور کلی کرنے میں بھر منھ پانی پی لینا بھی کافی ہے اس لیے کہ کلی کرنے میں منھ سے پانی باہر نکالنا شرط نہیں ہے اصح قول کے مطابق۔ اور غسل میں تمام ناک کا دھونا بھی فرض ہے، یہاں تک کہ ناک کے خشک پپڑی تک پانی پہنچانا ضروری ہے۔ اور پورے بدن کو دھونا بھی فرض ہے، لیکن لغت کی کتاب ''مغرب'' میں ہے کہ بدن کا اطلاق مونڈھے سے لے کر سرین تک ہوتا ہے پس اس لغوی معنی کے اعتبار سے سر، گردن، ہاتھ اور پیر بدن سے خارج ہیں، البتہ یہ تمام اعضاء شرعی اعتبار سے داخل ہیں۔ اور بدن کا ملنا غسل میں فرض نہیں ہے اس لیے کہ ملنا، دھونے کو تکمیل کرنا ہے پس یہ زیادہ سے زیادہ مستحب ہو سکتا ہے نہ کہ شرط۔ اس میں حضرت امام مالکؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک غسل میں ملنا بھی شرط اور فرض ہے۔

اور غسل میں بدن کے ان تمام حصہ کو ایک مرتبہ دھونا فرض ہے جس کا دھونا بلا مشقت اور بلا حرج ممکن ہو جیسے کان، ناف، مونچھ، بھنوؤں اور داڑھی اور سر کے بالوں کے اندر کا دھونا، اگر چہ سر کے بال چپکے ہوں اس لیے کہ قرآن کریم میں فَاطَّهَّرُوْا مبالغہ کے ساتھ آیا ہے۔ اور عورت کے لیے شرمگاہ کے خارجی حصہ کو دھونا بھی فرض ہے اس لیے کہ شرمگاہ کا خارجی حصہ منھ کے مانند ہے داخلی حصہ کا دھونا فرض نہیں ہے اس لیے کہ وہ اندر کا حصہ ہے۔ اور عورت غسل میں زیادہ صفائی کے خیال سے اپنی انگلی شرمگاہ میں داخل نہ کرے اسی قول پر فتویٰ بھی ہے، جس حصے کے دھونے میں حرج ہو اس کا دھونا فرض نہیں ہے جیسے کہ آنکھ کا اندرونی حصہ اگر چہ کسی نے آنکھ میں ناپاک سرمہ ہی کیوں نہ لگا لیا ہو۔ اور اس سوراخ میں پانی پہنچانا واجب نہیں ہے جو بند ہو چکا ہو اور نہ قلفہ کے اندر حصہ میں پانی پہنچانا ضروری ہے، ہاں مستحب ہے کہ اندر کی جانب بھی پانی پہنچائے یہی بات زیادہ صحیح ہے جیسا کہ صاحب فتح القدیر علامہ ابن الہمام نے کہا ہے۔ اور اس کی علت حرج کو قرار دیا ہے پس اشکال ختم ہو گیا۔ اور مستوری میں ہے کہ اگر قلفہ کا کھولنا بلا کسی پریشانی کے ممکن ہو تو اندر کی جانب پانی پہنچانا واجب ہے ورنہ نہیں، یعنی اگر قلفہ کھولنے میں مشقت ہو تو اندر کی جانب پانی پہنچانا ضروری نہیں ہے۔

مختصر تشریح اس عبارت میں علامہ علاء الدین الحصکفی نے فرائض غسل اور واجبات غسل کو بیان فرمایا ہے چناں چہ فرماتے ہیں کہ:

فرائض غسل

غسل میں عند الاحناف تین فرض ہیں: (۱) کلی کرنا غرغرہ کے ساتھ اگر روزہ دار نہ ہو۔ (۲) ناک میں پانی ڈالنا اور پانی کو ناک کے نرم حصہ تک پہنچانا۔ (۳) پورے بدن پر اس طرح پانی بہانا کہ ایک بال کے برابر بھی خشک نہ رہنے پائے۔

علامہ حصکفی فرماتے ہیں کہ یہاں فرض سے مراد فرض عملی ہے فرضِ اعتقادی نہیں ہے۔ اور فرض عملی اس کو کہا جاتا ہے کہ اگر اس کو ادا نہ کرے تو جواز ادا نہ ہوگا۔ اور اس سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا کوئی نص قطعی سے ثابت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت امام شافعی ان دونوں کو غسل میں سنت قرار دیتے ہیں۔ (شامی: ۱/ ۲۸۴)

مسئلہ: اگر کوئی شخص کلی کرنے کی بجائے منہ بھر کے پانی پی لے تو اس سے بھی کلی کا فرض ادا ہو جائے گا کیونکہ اس سے بھی منہ کے تمام حصوں میں پانی پہنچ جائے گا اور منہ سے پانی کو باہر نکالنا تو شرط نہیں ہے۔ اور اگر کسی نے چوس کر پانی پی لیا تو اس سے کلی کا فرض ادا نہ ہوگا کیونکہ اس سے منہ کے پورے حصے میں پانی نہیں پہنچ سکے گا۔ (شامی:۱/ ۲۸۴)

"دَرَن" کے معنی اس میل کے ہیں جو ناک کے لعاب سے جم جاتا ہے اور ناک سے چپکی ہوتی ہے۔ (شامی:۱/ ۲۸۵)

یہاں بدن سے پورا جسم مراد لیا گیا ہے جس میں ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء سب داخل ہیں اور سبھی کو دھونا فرض ہے۔ بدن کے جس حصہ کو بھی بلا کسی پریشانی کے دھونا ممکن ہو اس کا دھونا واجب اور فرض ہے، ہاں جہاں مشقت اور تکلیف ہو تو اس کا دھونا فرض نہیں ہے چناں چہ آنکھ کے اندر کا حصہ دھونا خالی از مشقت نہیں ہے اس لیے اس کا دھونا بھی فرض نہیں ہے اسی طرح غسل فرض میں ناف، مونچھ، بھنوؤں اور داڑھی کے بال اور سر کے بال کا دھونا بھی فرض ہے اگر چہ یہ چیزیں گھنی کیوں نہ ہوں اسی پر اجماع امت منعقد ہو چکا ہے۔ (شامی:۱/ ۲۸۵)

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے غسل جنابت میں مبالغہ کا حکم دیا ہے، چناں چہ ارشاد ربانی ہے: {وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا} اے مسلمانو! اگر تم جنبی ہو تو خوب اچھی طرح غسل کرو، خوب پاکی حاصل کرو۔ اس آیت کریمہ کا منشا یہ ہے کہ بلا حرج جس قدر ممکن ہو سکے ظاہر بدن کو دھوؤ اور خوب پاک صاف کرو۔ اسی وجہ سے غسل میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو فرض قرار دیا گیا ہے اور وضو میں اس کو فرض قرار نہیں دیا گیا ہے، اس لیے کہ وہاں {فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ} کا لفظ آیا ہے اور وَجْه، مواجهة سے مشتق ہے جس کے معنی روبرو، یعنی آمنے سامنے والا حصہ ہے، لہٰذا صرف ظاہر کے حصہ کو دھونے سے فرض وضو ادا ہو جائے گا۔ (شامی:۱/ ۲۸۵)

مسئلہ: عورت غسل فرض میں زیادتی طہارت کے پیش نظر اپنی انگلی فرج میں داخل نہ کرے گی، حضرت امام محمدؒ نے نظافت کے پیش نظر داخل کرنے کی اجازت دی ہے لیکن قول اوّل اصح اور درست ہے۔ (شامی:۱/ ۲۸۶)

مسئلہ: عورتیں جو کان میں سوراخ کراتی ہیں تاکہ کانوں میں بالی پہنیں اگر وہ سوراخ بند ہو گئے ہوں تو ان کے اندر مشقت کے ساتھ پانی پہنچانا ضروری نہیں ہے۔ اور مرد کا قلفہ نقض وضو کے سلسلے میں تو خارج کے حکم میں ہے یہی وجہ ہے اگر پیشاب مثانہ سے نکل کر قلفہ میں رُک جائے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور قلفہ غسل کے حق میں داخل کے حکم میں ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے اندر مشقت اور پریشانی کے وقت پانی پہنچانا واجب نہیں ہے۔ (شامی:۱/ ۲۸۶)

غسل کے واجب ہونے کی شرطیں

غسل کے واجب ہونے کی شرطیں حضرات فقہاء کرام کے نزدیک سات ہیں جو افادہ کے پیش نظر درج ذیل ہیں:

۱- مسلمان ہونا، لہٰذا کافر شخص پر غسل واجب نہیں ہے۔

۲- بالغ ہونا، لہٰذا نابالغ پر غسل واجب نہیں ہے۔

۳- عاقل ہونا، لہٰذا دیوانہ، مست اور پاگل پر غسل واجب نہیں ہے۔

۴- پاک پانی کے استعمال پر قادر ہونا، لہٰذا جس شخص کو پاک پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو اس پر غسل واجب نہیں ہے۔

۵- جنابت یعنی حدث اکبر کا پایا جانا۔

۶- نماز کے وقت کا تنگ ہونا، شروع وقت میں غسل واجب نہیں۔

۷- نماز کا اس قدر وقت ملنا کہ جس میں غسل کر کے نماز پڑھنے کی گنجائش ہو۔

۸- حیض کا منقطع ہونا، لہٰذا جب تک عورت حالت حیض میں ہے اس پر غسل واجب نہیں ہے۔

۹- نفاس سے عورت کا پاک ہونا، لہٰذا جب تک عورت نفاس کی حالت میں ہو اس پر غسل واجب نہیں ہے۔

(وَكَفَى، بَلْ أَصْلُ ضَفِيرَتِهَا) أَيْ شَعْرُ الْمَرْأَةِ الْمَضْفُورِ لِلْحَرَجِ، أَمَّا الْمَنْقُوضُ فَيُفْرَضُ غَسْلُ كُلِّهِ اتِّفَاقًا وَلَوْ لَمْ يَبْتَلَّ أَصْلُهَا يَجِبُ نَقْضُهَا مُطْلَقًا هُوَ الصَّحِيحُ، وَلَوْ ضَرَّهَا غَسْلُ رَأْسِهَا تَرَكَتْهُ، وَقِيلَ تَمْسَحُهُ وَلَا تَمْنَعُ نَفْسَهَا عَنْ زَوْجِهَا وَسَيَجِيءُ فِي التَّيَمُّمِ (لَا) يَكْفِي بَلْ (ضَفِيرَتُهُ) فَيَنْقُضُهَا وُجُوبًا (وَلَوْ عَلَوِيًّا أَوْ تُرْكِيًّا) لِإِمْكَانِ حَلْقِهِ. (وَلَا يَمْنَعُ) الطَّهَارَةَ (وَنِيمٌ) أَيْ خُرْءُ ذُبَابٍ وَبُرْغُوثٍ لَمْ يَصِلْ الْمَاءُ تَحْتَهُ (وَحِنَّاءٌ) وَلَوْ جُرْمَهُ بِهِ يُفْتَى (وَدَرَنٌ وَوَسَخٌ) عَطْفُ تَفْسِيرٍ وَكَذَا دُهْنٌ وَدُسُومَةٌ (وَتُرَابٌ) وَطِينٌ وَلَوْ (فِي ظُفْرٍ مُطْلَقًا) أَيْ قَرَوِيًّا أَوْ مَدَنِيًّا فِي الْأَصَحِّ بِخِلَافِ نَحْوِ عَجِينٍ. (وَ) لَا يَمْنَعُ (مَا عَلَى ظُفْرِ صَبَّاغٍ وَ) لَا (طَعَامٌ بَيْنَ أَسْنَانِهِ) أَوْ فِي سِنِّهِ الْمُجَوَّفِ بِهِ يُفْتَى. وَقِيلَ إنْ صُلْبًا مَنَعَ، وَهُوَ الْأَصَحُّ. (وَلَوْ) كَانَ (خَاتَمُهُ ضَيِّقًا نَزَعَهُ أَوْ حَرَّكَهُ) وُجُوبًا (كَقُرْطٍ، وَلَوْ لَمْ يَكُنْ بِثَقْبِ أُذُنِهِ قُرْطٌ فَدَخَلَ الْمَاءُ فِيهِ) أَيْ الثَّقْبِ (عِنْدَ مُرُورِهِ) عَلَى أُذُنِهِ (أَجْزَأَهُ كَسُرَّةٍ وَأُذُنٍ دَخَلَهُمَا الْمَاءُ وَإِلَّا) يَدْخُلْ (أَدْخَلَهُ) وَلَوْ بِإِصْبَعِهِ، وَلَا يَتَكَلَّفُ بِخَشَبٍ وَنَحْوِهِ، وَالْمُعْتَبَرُ غَلَبَةُ ظَنِّهِ بِالْوُصُولِ.

ترجمہ: اور اگر عورت کے بال گندھے ہوں تو ان کی جڑوں تک پانی پہنچانا اور اس کو تر کرنا کافی ہے (گوندھے ہوئے بالوں کو کھول کر بھگونا ضروری نہیں ہے) حرج کی وجہ سے۔ اور اگر عورت کی چوٹی گوندھی ہوئی نہ ہو بلکہ بال کھلے ہوئے ہوں تو پھر تمام بالوں کو بالاتفاق دھونا فرض ہے (اس حال میں صرف جڑوں تک پانی پہنچانا کافی نہ ہوگا) اور چوٹی گندھی ہوئی کی حالت میں جڑوں تک پانی نہ پہنچے اور جڑیں تر نہ ہوں تو اس صورت میں چوٹی کھول کر پانی پہنچانا واجب ہے، خواہ اس میں تکلیف ہی کیوں نہ ہو یہی قول صحیح ہے۔ ہاں اگر عورت کو سر کے بالوں کا دھونا نقصان دیتا ہو تو اس کو اجازت ہے کہ اس کو چھوڑ دے اور بقیہ بدن دھو لے۔ اور

بعض علماء نے فرمایا کہ اس صورت میں سر پر بھیگا ہوا ہاتھ پھیر لے اور عورت کو حق حاصل نہیں ہے کہ اپنے شوہر کو اس عذر کی وجہ سے جماع سے منع کردے، اس کا ذکر عنقریب باب التیمم میں آئے گا۔ اور مرد کو یہ کافی نہیں ہوتا ہے کہ وہ اپنے گوندھے بالوں کو صرف تر کرے بلکہ اس کے بالوں کا کھول کر دھونا اور جڑوں تک پانی پہنچانا فرض ہے خواہ علوی ہو خواہ ترکی ہو، اس لیے کہ اس کے بال مونڈنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

اور مکھی اور مچھر کی وہ بیٹ طہارت کے لیے مانع نہیں ہوتی ہے جس کے نیچے پانی نہیں پہنچتا ہے، اسی طرح مہندی بھی مانع طہارت نہیں ہے خواہ جسم والی ہی کیوں نہ ہو اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔ اسی طرح بدن کا میل کچیل بھی پاکی کے لیے مانع نہیں ہے (یہ عطف تفسیری ہے) نیز تیل، چکنائی اور مٹی بھی طہارت کے لیے مانع نہیں ہے اگرچہ وہ مٹی ناخن کے اندر ہی کیوں نہ لگی ہو، خواہ وہ گاؤں کا رہنے والا ہو یا شہر کا رہنے والا ہو اصح قول کے مطابق دونوں برابر ہیں، برخلاف گوندھے ہوئے آٹے کی مانند چیز کہ یہ طہارت کے لیے مانع ہے۔ اور جو رنگ رنگریز کے ناخن پر جم گیا ہو وہ طہارت کے لیے مانع نہیں ہے اسی طرح وہ کھانا جو دانتوں کے درمیان ہو، یا کھول دار دانتوں میں گھس جاتا ہو وہ بھی طہارت کے لیے مانع نہیں ہے، اسی قول پر فتویٰ ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ وہ کھانے کی چیز اگر سخت ہے تو طہارت کے لیے مانع ہے اور یہی صحیح تر قول ہے۔ اگر اس کی انگوٹھی تنگ ہو تو اس کو اُتار کر غسل کرے یا اس کو گھمائے اور یہ حکم واجبی ہے جیسے عورتوں کے لیے کان کی بالی کا غسل جنابت میں حرکت دینا واجب ہے تاکہ پانی پہنچ جائے اور اگر اس کے کان کے سوراخ میں بالی نہ ہو اور پانی اس کے کان پر سے گذرنے سے سوراخ میں پہنچ گیا ہو تو یہ کافی ہوجائے گا جیسے کہ ناف اور کان میں خود بخود پانی پہنچ گیا ہو اور اگر خود بخود پانی نہ پہنچے تو انگلی داخل کرکے پانی پہنچائے، اور لکڑی وغیرہ کے ذریعہ سے پانی پہنچانے کا اہتمام نہ کرے اور اس سلسلے میں معتبر پانی پہنچنے کا غالب گمان ہے۔

مختصر تشریح مسلم شریف میں حضرت امام مسلمؒ نے ایک حدیث شریف نقل فرمائی ہے جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ سے ایک مسئلہ معلوم کیا کہ یا رسول اللہ! میں ایک ایسی عورت ہوں جو اپنے سر میں چوٹی باندھتی ہوں تو کیا غسل جنابت اور حیض کا غسل کرتے وقت چوٹی کھول کر پانی پہنچایا کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں، بلکہ تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم تین بار دونوں ہاتھوں میں پانی لے کر سر پر ڈال لیا کرو، پھر اپنے تمام بدن پر پانی بہاؤ اور پاک ہوجاؤ۔ (شامی: ۱/ ۲۸۷)

مسئلہ: اگر عورت چوٹی باندھے ہوئے ہے اور غسل جنابت کرتی ہے تو اس کے لیے چوٹی کھول کر بالوں کے نیچے پانی پہنچانا ضروری نہیں ہے اس لیے کہ اس میں عورتوں کے لیے حرج اور مشقت ہے ہاں اگر سر پر چوٹی نہ ہو اور بال کھلے ہوئے ہوں تو اس صورت میں پورے بال کا دھونا فرض ہے۔ اور اگر چوٹی باندھنے کی حالت میں پانی بالوں کی جڑوں تک نہ پہنچتا ہو تو اس وقت چوٹی کھول کر بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا واجب ہے اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔

مسئلہ: اگر عورت کو سر دھونے میں نقصان ہو تو اس عذر کی وجہ سے شوہر کو جماع سے نہیں روک سکتی ہے یعنی عذر بیان نہ کرے کہ میں کس طرح غسل کروں گی بلکہ اس صورت میں اس کو اجازت ہے کہ تمام بدن کو دھولے اور سر پر بھیگا ہوا ہاتھ پھیر لے۔ اس سے وہ پاک ہو جائے گی۔ اور اگر بھیگا ہوا ہاتھ پھیرنا بھی نقصان دے تو اس کو بھی ترک کر دے اس کی بھی اجازت ہے۔ (شامی ۱/۲۸۷)

مسئلہ: اگر مرد اپنے سر پر چوٹی باندھے تو غسل کے وقت چوٹی کھول کر جڑوں تک پانی پہنچانا فرض اور واجب ہے اس لیے کہ چوٹی کھولنے میں مردوں کے لیے کوئی حرج نہیں ہے بلکہ مرد اپنے بالوں کو مونڈ لے تب بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے نہ اس میں کوئی قباحت ہے اس لیے مردوں کو چوٹی کھول کر پانی پہنچانا واجب ہے۔

وہ اشیاء جو طہارت کے لیے مانع نہیں ہیں

علامہ علاؤالدین حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ اگر دس چیزوں میں سے کوئی ایک چیز جنابت سے طہارت حاصل کرنے والے کے جسم پر رہ جائے اور پانی اس کی وجہ سے جسم تک نہ پہنچے تو اس سے غسل میں کوئی فرق نہیں ہوگا؛ بلکہ غسل صحیح ہو جائے گا وہ دس چیزیں یہ ہیں:

(۱) مکھی کی بیٹ۔ (۲) مچھر کی بیٹ۔ (۳) جسم پر مہندی لگی ہو۔ (۴) جسم پر میل کچیل جما ہو جس کی وجہ سے جسم کے تہہ تک پانی نہ پہنچتا ہو تو اس کی وجہ سے غسل میں کوئی فرق نہ آئے گا بلکہ غسل ہو جائے گا۔ (۵) جسم پر تیل مالش کیا ہوا ہو۔ (۶) جسم پر کوئی چکنائی لگی ہو۔ (۷) جسم پر خشک مٹی لگی ہو۔ (۸) جسم پر تر مٹی لگی ہو، خواہ یہ مٹی ناخن ہی میں کیوں نہ ہو، مانع طہارت نہیں ہے۔ (۹) رنگ ریز کے جسم پر رنگ لگا ہو۔ (۱۰) اسی طرح اگر دانتوں میں کھانے کے ذرات لگے ہوں یا دانتوں کے سوراخ میں کھانا گھسا ہوا ہو۔ مذکورہ بالا دسوں چیزیں مانع طہارت نہیں ہیں ان کے ہوتے ہوئے غسل ہو جائے گا۔

تنگ انگوٹھی کو ہلانے کا حکم

صاحب درمختار علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ اگر غسل کرنے والے شخص نے انگوٹھی پہن رکھی ہے اور انگوٹھی بالکل تنگ ہے تو اس کو اُتار کر غسل کرنا چاہئے یا غسل کرتے وقت تنگ انگوٹھی کو واجبی طور پر حرکت دینی چاہئے تا کہ اس میں پانی پہنچنے کا یقین ہو جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر عورتیں کان میں بالی نہ پہنے ہوں اور پانی کان پر ڈالنے سے سوراخ میں داخل ہو جاتا ہو تو یہی کافی ہے اس طرح ناف کے سوراخ اور کانوں کے سوراخ میں پانی خود بخود داخل ہو جاتا ہو تو یہی کافی ہے انگلی داخل کر کے پانی پہنچانا ضروری نہیں ہے لیکن اگر پانی داخل نہ ہوتا ہو تو ایسی صورت میں انگلی داخل کر کے پانی پہنچانا ضروری ہے۔ اور صفائی اور پانی پہنچانے کے اہتمام میں لکڑی وغیرہ داخل کر کے مشقت نہ اُٹھائے اس لیے کہ شریعت نے اس کا حکم نہیں دیا ہے: {لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا}۔

فُرُوعٌ] نَسِيَ الْمَضْمَضَةَ أَوْ جُزْءًا مِنْ بَدَنِهٖ فَصَلّٰى ثُمَّ تَذَكَّرَ، فَلَوْ نَفْلًا لَمْ يُعِدْ لِعَدَمِ صِحَّةِ شُرُوْعِهٖ. عَلَيْهِ غُسْلٌ وَثَمَّةَ رِجَالٌ لَايَدَعُهٗ وَإِنْ رَأَوْهُ، وَالْمَرْأَةُ بَيْنَ رِجَالٍ وَنِسَاءٍ أَوْ رِجَالٍ تُؤَخِّرُهٗ لَا بَيْنَ نِسَاءٍ فَقَطْ. وَاخْتُلِفَ فِي الرَّجُلِ بَيْنَ رِجَالٍ وَنِسَاءٍ أَوْ نِسَاءٍ فَقَطْ كَمَا بَسَطَهُ ابْنُ الشِّحْنَةِ. وَيَنْبَغِي لَهَا أَنْ تَتَيَمَّمَ وَتُصَلِّيَ لِعَجْزِهَا شَرْعًا عَنِ الْمَاءِ، وَأَمَّا الِاسْتِنْجَاءُ فَيُتْرَكُ مُطْلَقًا، وَالْفَرْقُ لَا يَخْفٰى.

ترجمہ: اگر کوئی شخص غسل جنابت کرتے وقت کلی کرنا بھول گیا یا اپنے بدن کے کسی حصے کو دھونا بھول گیا اور پھر نماز ادا کرلی اس کے بعد پھر یاد آیا کہ غسل میں کلی کرنا بھول گیا یا کسی عضو کو دھونا بھول گیا تو اگر وہ نماز نفل ہو تو اس کو دوبارہ لوٹانا واجب نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا شروع کرنا ہی صحیح نہیں ہوا ہے۔ ایک شخص پر غسل کرنا لازم تھا اور حال یہ ہے کہ وہاں بہت سے مرد ہیں تو اس کو چاہئے کہ غسل کو ترک نہ کرے اگر چہ لوگ اس کو دیکھیں۔ عورت پر غسل واجب ہوا اور وہاں بہت سارے مرد ہوں یا مرد وعورت دونوں ہوں تو ایسی صورت میں عورت کو غسل مؤخر کردینا چاہئے۔ ہاں اگر صرف وہاں عورتیں ہی ہوں تو پھر غسل کو مؤخر نہ کرے، اور اگر مرد پر غسل واجب ہوا اور وہ مردوں اور عورتوں کے درمیان ہو یا صرف عورتوں کے درمیان ہو تو اس میں اختلاف ہے، جیسا کہ اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ ابن شحنہ نے بیان کیا ہے اور عورتوں کے واسطے مناسب یہ ہے کہ تیمم کرکے نماز ادا کرلیں اس لیے کہ یہاں عورت شرعی طور پر پانی کے استعمال سے عاجز ہے۔ اگر مرد یا عورت کو استنجاء کرنا ہو اور وہاں بہت سے مرد اور عورت ہوں یا صرف مرد ہوں یا صرف عورتیں ہوں تو اس صورت میں استنجاء ترک کردینا چاہئے اور استنجاء اور غسل کے درمیان جو فرق ہے وہ واضح ہے پوشیدہ نہیں ہے۔

مختصر تشریح: صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص پر غسل جنابت واجب ہوا اور وہ اس کا غسل کرتے وقت کلی کرنا بھول گیا یا جسم کے کسی حصہ کو دھونا بھول گیا اور اسی حالت میں اس نے نماز ادا کرلی تو ایسی صورت میں اگر نماز نفل ہو تو اس کا اعادہ ضروری نہیں ہے اس لیے کہ نفل نماز اس وقت واجب الاداء ہوتی ہے جب اس کا شروع کرنا صحیح ہو اور یہاں اس کا شروع کرنا ہی درست نہیں ہے لہٰذا واجب الاعادہ بھی نہ ہوگی۔

علیہ غسل الخ: اس عبارت میں صاحب کتاب علامہ حصکفیؒ نے مسئلہ یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص پر غسل واجب ہو اور غسل کرنے کا موقع بالکل نہ ہو، بایں طور کہ وہاں لوگوں کا مجمع ہے تو اس کو چاہئے کہ غسل کو ترک نہ کرے بلکہ غسل کرلے خواہ لوگ اس کی ستر کی جانب دیکھتے ہی کیوں نہ رہیں، اس لیے کہ لوگوں کا فرض ہے کہ وہاں سے ہٹ جائیں۔ لیکن علامہ شامی فرماتے ہیں کہ یہ قول قابل تسلیم نہیں ہے اس لیے کہ منہی عنہ کا ترک مامور بہ کے بجالانے پر مقدم ہے پھر یہاں جب کہ غسل کا خلیفہ موجود ہے لہٰذا غسل کے واسطے لوگوں کے سامنے ستر کھولنا جائز نہ ہوگا۔ (شامی: ۱/۲۸۹)

دوسری بات وہ ہے جو جامع صغیر میں امام تمرتاشی نے امام بقالی سے نقل کی ہے کہ اگر کسی کے بدن پر نجاست لگی ہو اور ستر کھولے بغیر اس کا دھونا ممکن نہ ہو تو اس حالت میں اس کی لیے جائز ہے کہ نجاست کے ساتھ نماز ادا کرے مگر لوگوں کے سامنے ستر

عورت ہرگز نہ کھولے، اس لیے کہ شریعت میں ستر کھولنا ممنوع اور منہی عنہ ہے اور نجاست کا دھونا مامور بہ ہے اور قاعدہ ہے کہ جب مامور بہ اور منہی عنہ میں تعارض ہو تو منہی عنہ مقدم ہوتا ہے اور نہی کو اولیت حاصل ہوتی ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۸۹)

مسئلہ: اگر عورت کو غسل کی ضرورت پیش آجائے اور وہاں مردوں کا مجمع ہو یا مرد اور عورتیں دونوں ہوں تو اس کو اجازت ہے کہ غسل کو موخر کر دے اور تیمم کر کے نماز ادا کر لے اس لیے کہ یہاں عورت غسل پر قادر نہیں ہے اور غسل کا خلیفہ تیمم موجود ہے، ہاں اگر وہاں صرف عورتیں ہی عورتیں ہوں تو پھر غسل میں تاخیر نہ کرے بلکہ ان عورتوں کے سامنے ہی غسل کر لے۔ ابن شحنہ نے اس کی تائید کی ہے کہ ضرورت کے وقت جنس کا جنس کو دیکھنا جائز ہے البتہ اختیار کی حالت میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۹۰)

اسی طرح اگر پانی سے استنجاء کرنے میں یہ صورت پیش آئے تو یہی حکم ہوگا یعنی اگر مردوں کو یہ ضرورت پیش آئے اور وہاں عورتوں کا مجمع ہو، یا عورتوں کو یہ ضرورت پیش آئے اور وہاں مردوں کا مجمع ہو تو ان صورتوں میں پانی سے استنجاء حاصل کرنا چھوڑ دے اور صرف ڈھیلے پر اکتفاء کر لے، کسی کے سامنے بالکل نہ کھولے، غسل اور استنجاء کے درمیان فرق واضح ہے بایں طور کہ نجاست خفیفہ کے ساتھ نماز درست ہو جاتی ہے بشرطیکہ ایک درہم سے کم لگی ہو اور نجاست حکمیہ کے ساتھ نماز بالکلیہ صحیح نہیں ہوتی ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۹۰)

(وَسُنَنُهُ) كَسُنَنِ الْوُضُوءِ سِوَى التَّرْتِيبِ. وَآدَابُهُ كَآدَابِهِ سِوَى اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ؛ لِأَنَّهُ يَكُونُ غَالِبًا مَعَ كَشْفِ عَوْرَةٍ وَقَالُوا: لَوْ مَكَثَ فِي مَاءٍ جَارٍ أَوْ حَوْضٍ كَبِيرٍ أَوْ مَطَرٍ قَدْرَ الْوُضُوءِ وَالْغُسْلِ. فَقَدْ أَكْمَلَ السُّنَّةَ (الْبُدَاءَةُ بِغَسْلِ يَدَيْهِ وَفَرْجِهِ) وَإِنْ لَمْ يَكُنْ بِهِ خَبَثٌ اتِّبَاعًا لِلْحَدِيثِ (وَخَبَثِ بَدَنِهِ إِنْ كَانَ) عَلَيْهِ خَبَثٌ لِئَلَّا يَشِيعَ (ثُمَّ يَتَوَضَّأُ) أَطْلَقَهُ فَانْصَرَفَ إِلَى الْكَامِلِ، فَلَا يُؤَخِّرُ قَدَمَيْهِ وَلَوْ فِي مَجْمَعِ الْمَاءِ لِمَا أَنَّ الْمُعْتَمَدَ طَهَارَةُ الْمَاءِ الْمُسْتَعْمَلِ، عَلَى أَنَّهُ لَا يُوصَفُ بِالِاسْتِعْمَالِ إِلَّا بَعْدَ انْفِصَالِهِ عَنْ كُلِّ الْبَدَنِ لِأَنَّهُ فِي الْغُسْلِ كَعُضْوٍ وَاحِدٍ، فَحِينَئِذٍ لَا حَاجَةَ إِلَى غَسْلِهِمَا ثَانِيًا إِلَّا إِذَا كَانَ بِبَدَنِهِ خَبَثٌ وَلَعَلَّ الْقَائِلِينَ بِتَأْخِيرِ غَسْلِهَا إِنَّمَا اسْتَحَبُّوهُ لِيَكُونَ الْبَدْءُ وَالْخَتْمُ بِأَعْضَاءِ الْوُضُوءِ، وَقَالُوا: لَوْ تَوَضَّأَ أَوَّلًا لَا يَأْتِي بِهِ ثَانِيًا؛ لِأَنَّهُ لَا يُسْتَحَبُّ وُضُوءَانِ لِلْغُسْلِ اتِّفَاقًا، أَمَّا لَوْ تَوَضَّأَ بَعْدَ الْغُسْلِ وَاخْتَلَفَ الْمَجْلِسُ عَلَى مَذْهَبِنَا أَوْ فَصَلَ بَيْنَهُمَا بِصَلَاةٍ كَقَوْلِ الشَّافِعِيَّةِ فَيُسْتَحَبُّ (ثُمَّ يُفِيضُ الْمَاءَ) عَلَى كُلِّ بَدَنِهِ ثَلَاثًا مُسْتَوْعِبًا مِنَ الْمَاءِ الْمَعْهُودِ فِي الشَّرْعِ لِلْوُضُوءِ وَالْغُسْلِ وَهُوَ ثَمَانِيَةُ أَرْطَالٍ، وَقِيلَ: الْمَقْصُودُ عَدَمُ الْإِسْرَافِ. وَفِي الْجَوَاهِرِ لَا إِسْرَافَ فِي الْمَاءِ الْجَارِي؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُضَيَّعٍ وَقَدْ قَدَّمْنَاهُ عَنِ الْقُهُسْتَانِيِّ (بَادِئًا بِمَنْكِبِهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ الْأَيْسَرِ ثُمَّ رَأْسِهِ) عَلَى (بَقِيَّةِ بَدَنِهِ مَعَ دَلْكِهِ) نَدْبًا، وَقِيلَ يُثَنِّي بِالرَّأْسِ، وَقِيلَ يَبْدَأُ بِالرَّأْسِ وَهُوَ الْأَصَحُّ. وَظَاهِرُ الرِّوَايَةِ وَالْأَحَادِيثِ. قَالَ فِي الْبَحْرِ وَبِهِ يَضْعُفُ تَصْحِيحُ الدُّرَرِ. (وَصَحَّ نَقْلُ بِلَّةِ عُضْوٍ إِلَى)

عُضْوٍ (آخَرَ فِيهِ) بِشَرْطِ التَّقَاطُرِ (لَا فِي الْوُضُوءِ) لِمَا مَرَّ أَنَّ الْبَدَنَ كُلَّهُ كَعُضْوٍ وَاحِدٍ.

ترجمہ اور غسل کی سنتیں ترتیب چھوڑ کر وضو کی سنتوں کی طرح ہیں۔ اور غسل کے آداب بھی وہی ہیں جو وضو کے آداب ہیں، ہاں وضو میں تو قبلے کی طرف رُخ کر کے وضو کرنا ادب ہے اور غسل میں قبلہ رُخ نہ ہو کر غسل کرنا چاہئے اس لیے کہ غسل خانہ میں عام طور پر لوگ ستر کھلنے کی حالت میں ہوتے ہیں اور حضرات فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جاری پانی میں یا بڑے حوض میں یا بارش میں اتنی دیر ٹھہرا رہے جتنا وقت وضو اور غسل کرنے میں لگتا ہے تو اس نے غسل کی سنتیں ادا کر دیں حدیث پر عمل کرتے ہوئے۔ اور غسل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ غسل کی ابتداء دونوں ہاتھوں کے دھونے اور اپنی شرمگاہ دھونے سے کرے، اگرچہ شرمگاہ پر کوئی نجاست لگی نہ ہو، پھر اس کے بعد اگر بدن پر نجاست لگی ہو تو اس کو دھوئے تاکہ غسل کرتے وقت وہ نجاست پھیل نہ جائے پھر ان سب کاموں سے فارغ ہونے کے بعد کامل وضو کرے۔ مصنف نے مطلقاً وضو کرنے کے لیے کہا لہٰذا وضوء کامل پر محمول ہوگا۔ اور وضو میں پاؤں دھونے میں مؤخر نہ کرے اگرچہ ایسی جگہ ہو جہاں پانی جمع ہو جاتا ہو، اس لیے کہ معتمد بات یہ ہے کہ مستعمل پانی پاک ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ پانی اس وقت تک مستعمل شمار نہیں ہوتا ہے جب تک تمام بدن سے وہ جدا نہ ہو جائے اس لیے کہ غسل میں تمام بدن ایک عضو کے حکم میں ہے پس اس وقت دونوں پاؤں کو دوبارہ دھونے کی ضرورت نہیں ہے مگر یہ کہ اس کے بدن پر کوئی نجاست لگی ہو۔ اور جو علمائے کرام دونوں پاؤں کے دھونے کے مؤخر کرنے کے قائل ہیں شاید انھوں نے اس بات کو پسند کیا ہے کہ غسل کی ابتداء بھی اعضائے وضو سے ہو اور ختم بھی اعضائے وضو ہی پر ہو۔ اور حضرات فقہاءِ کرام نے فرمایا کہ اگر غسل سے پہلے باقاعدہ وضو کر چکا ہے تو غسل سے فراغت کے بعد وضو نہ کرے اس لیے کہ ایک غسل کے لیے دو وضو بالاتفاق مستحب نہیں ہے، بہرحال اگر غسل کے بعد دوبارہ وضو کیا اور ہمارے مذہب کے مطابق مجلس بدل چکی ہے یا حضرات شوافع کے قول کے مطابق نماز سے فاصلہ ہو گیا ہو تو دوبارہ وضو مستحب ہوگا۔

نجاست دھونے اور وضو کر لینے کے بعد پورے جسم کے اوپر تین مرتبہ پانی اس طرح بہائے کہ ہر ہر مرتبہ اعضاء پر پانی پہنچ جائے۔ اور شریعت میں وضو اور غسل کے واسطے جو پانی کی مقدار متعین ہے وہ آٹھ رطل ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ آٹھ رطل کا منشاء درحقیقت عدمِ اسراف ہے۔ اور جواہر میں ہے کہ جاری پانی میں فضول خرچی نہیں ہے اس لیے کہ وہ پانی کو ضائع کرنے والا نہیں ہے اور ہم اس مسئلہ کو قہستانی کے حوالہ سے پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ جسم پر پانی ڈالنے کی ابتداء اپنے دائیں مونڈھے سے کرے پھر بائیں مونڈھے پر پانی ڈالے اس کے بعد سر پر پانی ڈالے پھر بقیہ بدن پر پانی ڈالے اس طرح کہ بدن کو ملتا بھی جائے یہ طریقہ مستحب ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا پہلے تین مرتبہ دائیں مونڈھے پر پانی ڈالے پھر سر پر تین مرتبہ پانی ڈالے، پھر بائیں مونڈھے پر تین مرتبہ پانی ڈالے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ غسل کی ابتداء سر پر پانی ڈالنے سے کرے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے

اور یہی قول ظاہر الروایہ اور ظاہر الحدیث ہے۔ اور البحر الرائق میں ہے کہ اسی وجہ سے دُرر کی تصحیح کی تضعیف کی گئی ہے۔ اور غسل میں ایک عضو کی تری دوسرے عضو کی جانب اس شرط کے ساتھ لے جانا صحیح ہے کہ وہ ٹپکے، اور وضو میں ایک عضو کی تری کو دوسرے عضو کی طرف لے جانا درست نہیں ہے جیسا کہ ابھی بیان ہوا کہ پورا بدن ایک عضو کی طرح ہے۔

مختصر تشریح مذکورہ بالا عبارت میں صاحب درمختار علامہ علاء الدین حصکفی نے تین طرح کے مسائل بیان کئے ہیں جو درج ذیل ہیں: (۱) سنن غسل۔ (۲) آداب غسل۔ (۳) غسل کرنے کا مسنون طریقہ۔ اسی کے ضمن میں کچھ ضروری چند مسائل بھی ذکر کئے ہیں جن کی وضاحت انشاء اللہ آئے گی۔

سنن غسل کا بیان

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جتنی چیزیں وضو میں سنت ہیں اتنی ہی چیزیں غسل کے اندر بھی سنت ہیں، لیکن وضو میں ترتیب قرآنی کی رعایت کے ساتھ وضو کرنا سنت ہے لیکن غسل میں ترتیب کی رعایت سنت نہیں۔ غسل کی سنت درج ذیل ہیں:

۱- نیت کرنا۔ یعنی دل میں یہ ارادہ کرنا کہ میں نجاست سے پاک ہونے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے غسل کرتا ہوں نہ کہ صرف بدن صاف کرنے کے لیے۔

۲- غسل کرتے وقت تسمیہ پڑھنا: بسم اللہ العظیم، والحمدللہ علی دین الاسلام پڑھنا۔

۳- مسواک کرنا۔ غسل کرتے وقت جب وضو کیا جائے اس وقت مسواک کرنا سنت ہے۔

۴- ہاتھوں پیروں کی انگلیوں اور داڑھی کا خلال کرنا۔

۵- غسل کرتے وقت بدن کو ملنا یعنی رگڑنا بھی سنت ہے اس لیے کہ اس سے پانی خوب اچھی طرح جسم میں سرایت کرتا ہے۔

۶- اور اعضاءِ جسم کو غسل میں پے در پے دھونا، یعنی ایک عضو دھونے کے بعد دوسرے عضو کو فوراً دھونا کہ اگر ہوا معتدل ہو تو پہلا عضو خشک نہ ہونے پائے۔

۷- کلی کرنا، تین مرتبہ اور ہر مرتبہ نیا پانی لینا۔

۸- ناک میں تین مرتبہ پانی ڈالنا اور ہر مرتبہ نیا پانی لینا اور اس قدر مبالغہ کیا جائے کہ پانی ناک کے نرم بانسہ تک پہنچ جائے۔

۹- تمام جسم پر تین مرتبہ پانی ڈالنا۔

۱۰- وضو کی ترتیب کے علاوہ غسل کی جو ترتیب ہے (یعنی پہلے ہاتھوں کا دھونا پھر خاص حصہ کا دھونا، پھر نجاست حقیقیہ کا دھونا پھر وضو کرنا وغیرہ) اسی ترتیب سے غسل کرنا سنت ہے۔ (شامی:۱/ ۲۹۱)

۱۱- غسل کرتے وقت اولاً دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک دھونا۔

۱۲- شرمگاہ پر نجاست نہ ہو تب بھی شرمگاہ کو دھونا سنت ہے۔
۱۳- اگر جسم پر نجاست لگی ہے تو سب سے پہلے نجاست کو دور کرنا۔
۱۴- پھر نماز کی طرح باضابطہ وضو کرنا۔
۱۵- سب سے پہلے دائیں مونڈھے سے پانی ڈالنے کی ابتداء کرنا۔
۱۶- اس کے بعد بائیں مونڈھے پر پانی ڈالنا۔
۱۷- پھر سر پر پانی ڈالنا۔
۱۸- اس کے بعد بقیہ تمام بدن کے حصہ پر پانی بہانا تین مرتبہ سنت ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص جاری پانی میں یا بڑے حوض میں یا بارش میں اتنی دیر تک ٹھہرا رہے کہ اتنی دیر میں آدمی وضو یا غسل سے فراغت حاصل کر سکتا ہے تو الگ سنت ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کے غسل کی سنت ادا ہو جائے گی۔ (شامی: ۱/ ۲۹۱)

مسئلہ: علامہ شامی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جاری پانی میں غسل کر رہا ہو تو بدن کو حرکت دیئے بغیر اور پانی میں ٹھہرے بغیر بھی سنت تثلیث، سنت ترتیب اور سنت وضو ادا ہو جائے گی اور اگر غسل جاری پانی میں کر رہا ہو تو ادائیگی سنت کے لیے بدن کو حرکت دینا شرط ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۹۲)

آدابِ غسل کا بیان

علامہ علاء الدین حصکفی فرماتے ہیں کہ وضو میں جو چیزیں از قبیل آداب ہیں وہی تمام چیزیں غسل میں بھی آداب میں ہیں۔ ہاں البتہ وضو میں قبلہ رُخ ہو کر بیٹھنا پھر وضو کرنا ادب ہے، لیکن غسل میں قبلے کی طرف رخ کر کے غسل کرنا ممنوع ہے اس لیے کہ غسل کرتے وقت عام طور پر ستر کھلا ہوتا ہے اس لیے ادب کا تقاضہ یہی ہے کہ غسل کرتے وقت قبلہ کی جانب رُخ نہ کیا جائے، ہاں اگر کوئی شخص ستر ڈھانک کر غسل کر رہا ہے تو قبلہ کی طرف رُخ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۹۱)

غسل میں درج ذیل اُمور از قبیل آداب ہیں:

۱- ایسی جگہ غسل کرنا جہاں کسی نامحرم کی نظر نہ پڑے۔
۲- ستر ڈھانک کر غسل کرنا، چاہے کسی کی بھی نظر وہاں نہ پڑے۔
۳- غسل کا برتن مٹی کا ہونا، لیکن اگر کانسہ پیتل وغیرہ کا برتن ہو تب بھی جائز ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ۱/ ۱۲۹)
۴- غسل کرنے میں کسی کی مدد نہ لینا۔
۵- غسل کرتے وقت بلاضرورت بات چیت نہ کرنا۔
۶- ڈھیلی انگوٹھی جو جسم تک پانی پہنچنے کے لیے مانع نہ ہو اس کو حرکت دینا۔

۷- غسل کرتے وقت سردیوں کے موسم میں پہلے تر ہاتھوں سے جسم کو ملنا، تا کہ تمام عضو دھوتے وقت پانی بآسانی جسم تک پہنچ جائے، کیونکہ بعض مرتبہ جسم میں پھٹن ہوتا ہے جس کی وجہ سے اندر پانی پہنچنا مشکل ہوتا ہے۔

۸- غسل میں داہنی جانب کو بائیں جانب سے پہلے دھونا۔

۹- سر کے داہنے حصہ کا پہلے خلال کرنا پھر بائیں حصہ کے۔

۱۰- تمام جسم پر اسی ترتیب سے پانی بہانا جو مسنون ہے۔

۱۱- جو چیزیں وضو میں آداب ہیں وہی تمام چیزیں غسل کے اندر آداب ہیں۔

غسل جنابت کرنے کا مسنون طریقہ

علامہ علاء الدین حصکفی صاحب کتاب نے مذکورہ عبارت میں تیسرا مسئلہ غسل کرنے کا مسنون طریقہ بیان فرمایا ہے، چناں چہ غسل کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ اس سلسلے میں ایک نہایت جامع حدیث ہے جو حضرت میمونہؓ سے مروی ہے اور امام بخاری اور امام مسلمؒ نے اپنی اپنی صحیح میں نقل فرمائی ہے۔

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کے غسل کرنے کے لیے پانی رکھا، آپ نے پانی لے کر سب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو دو مرتبہ یا تین مرتبہ دھویا، پھر دائیں ہاتھ سے پانی لے کر بائیں ہاتھ پر ڈالا اور اس سے اپنی شرمگاہوں کو دھویا، پھر آپ نے اپنے ہاتھ کو مٹی میں مل کر دھویا، پھر آپ نے کلی فرمائی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر آپ نے اپنے چہرۂ انور کو دھویا پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو دھویا، پھر اس کے بعد تین مرتبہ اپنے سر کو دھویا، پھر آپ نے اپنے پورے جسم پر پانی بہایا، پھر آپ اپنی جگہ سے کچھ ہٹ گئے اور دونوں پاؤں کو دھویا۔ (بخاری شریف/۱، رقم الحدیث/ ۲۸۴-۲۷۶، مسلم شریف، ج:۱/ ۲۷،۲۵۴ /۳۱۷)

مسئلہ: جو شخص غسل کرنا چاہے اس کو چاہئے کہ کوئی کپڑا مثل لنگی وغیرہ باندھ کر غسل کرے اور اگر برہنہ ہو کر غسل کرے تو ایسی جگہ غسل کرے جہاں کسی نامحرم کی نظر نہ پہنچ سکے۔ اور اگر کوئی ایسی جگہ نہ مل سکے تو پھر زمین پر انگلی سے ایک دائرہ کھینچ کر اس کے اندر بسم اللہ الخ پڑھ کر نہائے۔ (مسائل غسل/۲۱)

غسل کرنے کے بعد وضو کرنے کا حکم

غسل سے پہلے باقاعدہ وضو کرنا مسنون ہے لیکن غسل کرنے کے بعد دوبارہ وضو کرنا غیر ضروری ہے ایسا نہ کرنا چاہئے اور اگر غلطی سے کسی نے غسل کے شروع میں وضو نہ کیا، بغیر وضو کئے تمام بدن پر پانی ڈال کر غسل کر لیا تب بھی غسل کے بعد دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ غسل کے ضمن میں وضو خود بخود ہو گیا ہے اس لیے بعض علماء نے غسل کے بعد دوبارہ وضو کرنے کو مکروہ لکھا ہے، اس لیے کہ امام طبرانی نے معجم اوسط میں ابن عباسؓ سے ایک حدیث نقل کی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَن توضأ

بعدَ الغُسلِ فلَيسَ مِنّا۔ یعنی جو شخص غسل کرنے کے بعد دوبارہ بلاضرورت وضو کرے وہ ہمارے طریقہ پر نہیں ہے۔ یعنی ہماری سنتوں پر عمل کرنے والا نہیں ہے۔ ہاں اگر غسل کے بعد حدث وغیرہ لاحق ہوتا ہے تو وضو کرنا جائز ہے۔ (شامی:۱/ ۲۹۴)

کتنے پانی سے غسل کرنا مسنون ہے؟

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ وضو اور غسل کے لیے جو پانی کی مقدار شریعت کی جانب سے متعین ہے وہ آٹھ رطل ہے یعنی غسل کے لیے شریعت کی جانب سے ایک صاع پانی اور وضو کے لیے ایک مد پانی کا استعمال کرنا منقول ہے، چناں چہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت جابرؓ نے جواب میں فرمایا: تم کو ایک صاع پانی غسل کے لیے کافی ہوگا، ایک شخص نے کہا: اتنا پانی تو میرے واسطے کافی نہیں ہے، حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ رسولِ اکرم ﷺ کے غسل کے لیے ایک صاع پانی کافی ہوا کرتا تھا جن کے جسم مبارک پر تجھ سے زیادہ بال تھے اور جو تم سے ہر اعتبار سے افضل واشرف اور علیٰ تھے۔

حضرات فقہاء کرام نے فرمایا کہ اس مقدار کا یہ منشا یہ ہرگز نہیں ہے کہ اس مقدار سے زیادہ یا کم خرچ کرنا جائز نہیں ہے بلکہ شریعت اسلامیہ کا مقصد یہ ہے کہ جتنی ضرورت ہو اتنا خرچ کرو، زیادہ پانی برباد نہ کرو، اعتدال پسندیدہ امر ہے۔ صاحب البحرالرائق علامہ ابن نجیم مصری نے بھی یہی فرمایا ہے کہ یہ مقدار لازم نہیں ہے بلکہ اگر اس سے کم مقدار میں غسل پورا ہوجائے تب بھی جائز ہے اور اگر اس سے زیادہ کی ضرورت ہو تو بلا تردد زیادہ استعمال کرنا درست ہے۔ (شامی:۱/ ۲۹۴)

غسل میں پانی کہاں سے ڈالنا مسنون ہے؟

غسل کرتے وقت پانی ڈالنا کہاں سے شروع کیا جائے؟ اس میں تین قول حضرات فقہائے کرام نے بیان کئے ہیں: (۱) اولاً دائیں شانے پر، پھر بائیں شانے پر، پھر سر پر۔ (۲) پہلے دائیں شانے پر، پھر سر پر، پھر بائیں شانے پر۔ (۳) پہلے سر پر پھر دائیں شانے پر، پھر بائیں شانے پر۔ صاحب کتاب نے تیسرے قول کو ظاہر الروایہ اصح اور حدیث شریف کے مطابق قرار دیا ہے۔

اخیر میں صاحب کتاب نے یہ فرمایا کہ وضو میں جس عضو کو ایک پانی سے دھو رہے ہیں اسی عضو کے پانی سے دوسرے عضو کا دھونا درست نہیں ہے بلکہ اس کے لیے دوسرا پانی لینا ضروری ہوگا۔ ہاں غسل میں چونکہ تمام بدن عضو واحد کے حکم میں ہے اس لیے ایک عضو کے پانی کو منتقل کر کے دوسرے عضو کی جانب لے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ یہ شرط ہے کہ پانی اتنا ہو کہ دوسرے عضو میں جا کر ٹپکے تا کہ حکماً اس پر غسل کا اطلاق ہو سکے۔

(وَفُرِضَ) الْغُسْلُ (عِنْدَ) خُرُوجِ (مَنِيٍّ) مِنَ الْعُضْوِ وَإِلَّا فَلَا يُفْرَضُ اتِّفَاقًا، لِأَنَّهُ فِي حُكْمِ الْبَاطِنِ

(مُنفَصِلٍ عَنْ مَقَرِّهِ) هُوَ صُلْبُ الرَّجُلِ وَتَرَائِبُ الْمَرْأَةِ، وَمَنِيُّهُ أَبْيَضُ وَمَنِيُّهَا أَصْفَرُ، فَلَوِ اغْتَسَلَتْ فَخَرَجَ مِنْهَا مَنِيٌّ، وَإِنْ مَنِيُّهَا أَعَادَتِ الْغُسْلَ لَا الصَّلَاةَ وَإِلَّا لَا (بِشَهْوَةٍ) أَيْ لَذَّةٍ وَلَوْ حُكْمًا كَمُحْتَلِمٍ، وَلَمْ يَذْكُرِ الدَّفْقَ لِيَشْمَلَ مَنِيَّ الْمَرْأَةِ؛ لِأَنَّ الدَّفْقَ فِيهِ غَيْرُ ظَاهِرٍ، وَأَمَّا إِسْنَادُهُ إِلَيْهِ أَيْضًا فِي قَوْلِهِ {خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ} الْآيَةَ، فَيَحْتَمِلُ التَّغْلِيبَ فَالْمُسْتَدِلُّ بِهَا كَالقهستاني تَبَعًا لِأَخِي جَلَبِي غَيْرُ مُصِيبٍ تَأَمَّلْ؛ وَلِأَنَّهُ لَيْسَ بِشَرْطٍ عِنْدَهُمَا خِلَافًا لِلثَّانِي وَلِذَا قَالَ (وَإِنْ لَمْ يَخْرُجْ) مِنْ رَأْسِ الذَّكَرِ (بِهَا) وَشَرَطَهُ أَبُو يُوسُفَ، وَبِقَوْلِهِ يُفْتَى فِي ضَيْفٍ خَافَ رِيبَةً اسْتَحْيَى كَمَا فِي الْمُسْتَصْفَى. وَفِي الْقُهُسْتَانِيِّ وَالتَّاتارخانية مَعْزِيًّا لِلنَّوَازِلِ: وَبِقَوْلِ أَبِي يُوسُفَ نَأْخُذُ؛ لِأَنَّهُ أَيْسَرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ قُلْتُ وَلَاسِيَّمَا فِي الشِّتَاءِ وَالسَّفَرِ. وَفِي الْخَانِيَّةِ: خَرَجَ مَنِيٌّ بَعْدَ الْبَوْلِ وَذَكَرُهُ مُنْتَشِرٌ لَزِمَهُ الْغُسْلُ. قَالَ فِي الْبَحْرِ: وَمَحَلُّهُ إِنْ وَجَدَ الشَّهْوَةَ، وَهُوَ تَقْيِيدُ قَوْلِهِمْ بِعَدَمِ الْغُسْلِ بِخُرُوجِهِ بَعْدَ الْبَوْلِ.

ترجمہ| عضو مخصوص سے منی نکلنے سے غسل فرض کیا گیا ہے، اس طور پر کہ وہ اپنی جگہ سے شہوت کے ساتھ جدا ہوئی ہو، خواہ لذت حقیقی ہو یا لذت حکمی، جیسے خواب دیکھنے والے کی لذت۔ اور اگر منی عضو مخصوص سے باہر نہ آئے تو بالاتفاق غسل فرض نہ ہوگا اس لیے کہ وہ اندر کے حکم میں ہے۔ اور منی کا ٹھکانہ مرد کی پیٹھ اور عورت کی چھاتی کی ہڈیاں ہیں، اور مرد کی منی سفید ہوتی جب کہ عورت کی منی زرد ہوتی ہے، پس اگر عورت نے غسل جنابت کیا پھر اس کی شرمگاہ سے منی نکلی اور وہ عورت کی منی تھی تو وہ غسل کا اعادہ کرے لیکن غسل کے بعد جو نماز پڑھی تھی اس کا اعادہ نہ کرے۔ اور غسل کے بعد نکلنے والی منی عورت کی نہ ہو بلکہ مرد کی منی ہو تو اس صورت میں غسل واجب نہ ہوگا۔ اور وجوبِ غسل کے لیے منی کا شہوت کے ساتھ نکلنا شرط قرار دیا گیا ہے لیکن مصنف نے دفق کی قید نہیں لگائی ہے تا کہ عورت کی منی بھی اس میں شامل ہو جائے اس لیے کہ عورت کی منی میں دفق یعنی اُچھل کر نکلنا ظاہر نہیں پایا جاتا ہے۔ اور بہر حال دفق یعنی اُچھل کر نکلنے کی نسبت جو مرد کی جانب کی گئی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: {خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ} میں، تو یہاں تغلیباً ایسا کیا گیا ہے، پس یہ استدلال کرنا کہ عورت کی منی بھی کود کر نکلتی ہے درست نہیں ہے جیسا کہ قہستانی اور نقایہ کے شارح امام جلبی نے کہا ہے درست نہیں ہے، پس اس میں غور کر لو۔ اور دفق کی شرط مصنف نے اس لیے نہیں لگائی کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت محمدؒ کے نزدیک کودنے کی شرط نہیں ہے اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے وہ کودنے کی شرط لگاتے ہیں، اسی وجہ سے فرمایا: اگر چہ منی نہ نکلے ذکر کے سرے سے۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا اس مہمان کے حق میں جس کو تہمت اور لوگوں کی بدگمانی کا اندیشہ ہو یا جو شرماتا ہو جیسا کہ مستصفی میں ہے۔ اور قہستانی اور تاتارخانیہ میں نوازل سے منقول ہے کہ ہم امام ابو یوسف کے قول کو لیتے ہیں اس لیے کہ اس میں مسلمانوں کی آسانی ہے اور میں کہتا ہوں خاص طور پر سردی کے موسم اور سفر کی حالت میں تو حضرت امام ابو یوسفؒ ہی کے قول پر فتویٰ دینا مناسب ہے۔ اور فتاویٰ خانیہ میں لکھا ہے کہ پیشاب

کے بعد منی کا خروج ہوا اور ذکر منتشر تھا تو اس پر غسل واجب ہو جائے گا۔ اور البحر الرائق میں علامہ ابن نجیم نے فرمایا کہ پیشاب کے بعد منی نکلنے سے غسل کا واجب ہونا اس صورت میں ہے جب کہ تناؤ کے ساتھ شہوت بھی پائی جائے اور شہوت کے ساتھ عضو مخصوص کی ایستادگی سے درحقیقت حضرات فقہاء کرام کے اس مطلق قول کو مقید کرنا ہے جس میں انھوں نے پیشاب کے بعد خروج منی سے غسل واجب نہیں قرار دیا ہے۔

وجوبِ غسل کے اسباب

مختصر تشریح یہاں سے علامہ علاء الدین حصکفی وجوبِ غسل کے اسباب کو بیان فرما رہے ہیں، چناں چہ صاحب کتاب وجوب غسل کے مختلف اسباب بیان فرماتے ہیں جن میں سے سب سے پہلے سبب کو یہاں بیان فرمایا ہے:

سبب اوّل:

غسل کے واجب ہونے کا پہلا سبب خروجِ منی ہے، یعنی منی کا اپنی جگہ سے شہوت کے ساتھ جدا ہو کر جسم سے باہر نکلنا ہے، خواہ یہ شہوت و لذت کا حصول حقیقی طور پر حاصل ہو جیسے جاگنے کی حالت میں جماع کرنا، یا لذت حکمی ہو جیسے خواب میں احتلام و لذت کا پایا جانا انہیں حقیقی لذت حاصل نہیں ہوتی ہے مگر ہوتی ضرور ہے۔ اسی طرح خیال و تصور یا عضو مخصوص کو ہاتھ سے حرکت دینے سے یا لواطت کرنے سے یا کسی جانور سے خواہش تکمیل کرنے سے بھی غسل واجب ہو جائے گا۔ پھر صاحب کتاب نے فرمایا کہ منی مرد کی ریڑھ کی ہڈی اور عورت کی چھاتی کی ہڈی سے نکلتی ہے اور مرد کی منی کا رنگ سفید ہوتا ہے جب کہ عورتوں کی منی کا رنگ زرد ہوتا ہے، اسکے بعد صاحب کتاب نے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔

اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا {خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ} اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح مردوں کی منی کود کر اُچھل کر باہر نکلتی ہے اسی طرح عورتوں کی منی بھی کود کر باہر نکلتی ہے حالانکہ عورتوں کی منی کود کر نہیں نکلتی ہے پس آیت کریمہ میں دونوں کی جانب اُچھلنے کی قید کیوں ہے؟

شارح علیہ الرحمہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ آیت کریمہ میں مرد و عورت دونوں کا ذکر ایک ساتھ کیا گیا ہے گو کہ عورتوں میں یہ کیفیت نہیں ہوتی ہے، دفق کی کیفیت صرف مردوں میں ہوتی ہے تو مرد کی منی کو عورت کی منی پر غلبہ دے کر تغلیباً ایسا حکم دیا گیا ہے اور آیت کریمہ میں ماء دافق سے مراد، مرد و عورت کی ملی جلی منی ہے۔

دفق کے دو معانی آتے ہیں: ایک لازم ہے یعنی نکلنا۔ دوسرا متعدی یعنی دھکا دے کر نکلنا، سختی کے ساتھ دھکا دینا۔ اگر دفق کے معنی متعدی کر لیا جائے تو اس اعتبار سے حضرات طرفین یعنی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہا اللہ کے نزدیک عضو مخصوص کے سرے سے منی نکلتے وقت دفق کی شرط نہیں ہے۔ اور اگر دفق کے معنی لازم لیا جائے تو تمام ائمہ کے نزدیک خروج

شرط ہے یعنی اس وقت تک غسل واجب نہ ہوگا جب تک منی نکل کر باہر نہ آ جائے۔

ثمرۂ اختلاف کا ظہور

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو احتلام ہوا اس نے عین انزال کے وقت عضو مخصوص کو دبالیا پھر جب شہوت ختم ہوگئی تو اس کو چھوڑ دیا پھر منی کا خروج ہوا تو اس صورت میں حضرات طرفین کے نزدیک غسل واجب ہوگا اس لیے کہ منی اپنی جگہ سے شہوت کے ساتھ نکلی اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غسل واجب نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی حسین وجمیل خوبصورت لڑکی پر شہوت کے ساتھ نظر پڑی اور منی اپنی جگہ سے چلی پھر اس نے عضو مخصوص کو دبالیا اور جب تھوڑی دیر میں شہوت ختم ہوگئی تو اس نے چھوڑ دیا پھر منی نکلی، یا غسل کر چکا تھا اور غسل سے پہلے پیشاب نہیں کیا تھا، غسل کے بعد جب پیشاب کیا تو بقیہ منی نکلی تو اس صورت میں طرفین کے نزدیک دوبارہ غسل واجب ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دوبارہ غسل۔ جب نہیں ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۹۷)

علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ سردی کے موسم میں، یا حالت سفر میں، اسی طرح ایسے مہمان جو اپنے اوپر تہمت کا اندیشہ رکھتا ہے یا بہت زیادہ شرمیلا ہو تو ان کے لیے حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرنا اور ان کے حق میں امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ دینا جائز ہے اس لیے کہ اس میں بڑی سہولت ہے۔ (تفصیل دیکھیے: شامی: ۱/ ۲۹۷)

(وَ) عِنْدَ (إِيلَاجِ حَشَفَةٍ) هِيَ مَا فَوْقَ الْخِتَانِ (آدَمِيٍّ) احْتِرَازٌ عَنِ الْجِنِّيِّ يَعْنِي إِذَا لَمْ تَنْزِلْ وَإِذَا لَمْ يَظْهَرْ لَهَا فِي صُورَةِ الْآدَمِيِّ كَمَا فِي الْبَحْرِ (أَوْ) إِيلَاجُ (قَدْرِهَا مِنْ مَقْطُوعِهَا) وَلَوْ لَمْ يَبْقَ مِنْهُ قَدْرُهَا. قَالَ فِي الْأَشْبَاهِ: لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ حُكْمٌ، لَمْ أَرَهُ (فِي أَحَدِ سَبِيلَيْ آدَمِيٍّ) حَيٍّ (يُجَامَعُ مِثْلُهُ) سَيَجِيءُ مُحْتَرَزُهُ (عَلَيْهِمَا) أَيِ الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ (لَوْ) كَانَا (مُكَلَّفَيْنِ) وَلَوْ أَحَدُهُمَا مُكَلَّفًا فَعَلَيْهِ فَقَطْ دُونَ الْمُرَاهِقِ، لَكِنْ يُمْنَعُ مِنَ الصَّلَاةِ حَتَّى يَغْتَسِلَ، وَيُؤْمَرُ بِهِ ابْنُ عَشْرٍ تَأْدِيبًا (وَإِنْ) وَصْلِيَّةٌ (لَمْ يُنْزِلْ) مَنِيًّا بِالْإِجْمَاعِ، يَعْنِي لَوْ فِي دُبُرِ غَيْرِهِ، أَمَّا فِي دُبُرِ نَفْسِهِ فَرَجَّحَ فِي النَّهْرِ عَدَمَ الْوُجُوبِ إِلَّا بِالْإِنْزَالِ: وَلَا يَرِدُ الْخُنْثَى الْمُشْكِلُ فَإِنَّهُ لَا غُسْلَ عَلَيْهِ بِإِيلَاجِهِ فِي قُبُلٍ أَوْ دُبُرٍ وَلَا عَلَى مَنْ جَامَعَهُ إِلَّا بِالْإِنْزَالِ؛ لِأَنَّ الْكَلَامَ فِي حَشَفَةٍ وَسَبِيلَيْنِ مُحَقَّقَيْنِ. (وَ) عِنْدَ (رُؤْيَةِ مُسْتَيْقِظٍ) خَرَجَ رُؤْيَةُ السَّكْرَانِ وَالْمُغْمَى عَلَيْهِ الْمَذْيَ مَنِيًّا أَوْ مَذْيًا (وَإِنْ لَمْ يَتَذَكَّرِ الِاحْتِلَامَ) إِلَّا إِذَا عَلِمَ أَنَّهُ مَذْيٌ أَوْ شَكَّ أَنَّهُ مَذْيٌ أَوْ وَدْيٌ أَوْ كَانَ ذَكَرُهُ مُنْتَشِرًا قُبَيْلَ النَّوْمِ فَلَا غُسْلَ عَلَيْهِ اتِّفَاقًا كَالْوَدْيِ، لَكِنْ فِي الْجَوَاهِرِ إِلَّا إِذَا نَامَ مُضْطَجِعًا أَوْ تَيَقَّنَ أَنَّهُ مَنِيٌّ أَوْ تَذَكَّرَ حُلُمًا فَعَلَيْهِ الْغُسْلُ وَالنَّاسُ عَنْهُ غَافِلُونَ (لَا) يُفْتَرَضُ (إِنْ تَذَكَّرَ وَلَوْ مَعَ اللَّذَّةِ) وَالْإِنْزَالِ (وَلَمْ يَرَ) عَلَى رَأْسِ

الذَّكَرِ (بِلَا) إِجْمَاعًا (وَكَذَا الْمَرْأَةُ) مِثْلُ الرَّجُلِ عَلَى الْمَذْهَبِ. وَلَوْ وُجِدَ بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ مَاءٌ وَلَا مُمَيِّزَ وَلَا تَذَكُّرَ وَلَا نَامَ قَبْلَهُمَا غَيْرُهُمَا اغْتَسَلَا. (أَوْلَجَ حَشَفَتَهُ) أَوْ قَدْرَهَا (مَلْفُوفَةً بِخِرْقَةٍ، إِنْ وَجَدَ لَذَّةَ) الْجِمَاعِ (وَجَبَ) الْغُسْلُ (وَإِلَّا لَا) عَلَى الْأَصَحِّ وَالْأَحْوَطُ الْوُجُوبُ.

ترجمہ اور غسل اس وقت فرض ہوتا ہے جب آدمی اپنے عضو تناسل کا حشفہ یعنی ختنہ کی جگہ سے اوپر والا حصہ اور جس کا حشفہ باقی نہ ہو بلکہ کٹا ہوا ہو تو بقدر حشفہ زندہ قابل جماع آدمی کے دونوں راستوں میں سے کسی ایک راستہ میں داخل کرے اور فاعل اور مفعول دونوں پر غسل واجب ہوتا ہے بشرطیکہ دونوں مکلف ہوں اور اگر دونوں میں سے ایک مکلف ہو اور دوسرا غیر مکلف ہو یا مراہق ہو تو صرف مکلف پر غسل واجب ہوگا غیر مکلف اور مراہق پر غسل فرض نہیں ہے البتہ غیر مکلف اور مراہق کو نماز سے روکا جائے گا تا آنکہ غسل کر لے اور اگر اس مراہق کی عمر دس سال ہے تو ادب کے واسطے غسل کا حکم دیا جائے گا تا کہ اس کو پاکی حاصل کرنے کی عادت ہو جائے اور دخول حشفہ کے بعد بالاتفاق غسل واجب ہو جاتا ہے خواہ انزال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ اگر اس نے اپنے عضو تناسل کو غیر کے دبر میں داخل کیا اور کوئی شخص خود اپنے ہی دبر میں داخل کرے تو جب تک انزال نہ ہوگا غسل واجب نہ ہوگا النہر الفائق میں اسی قول کو راجح قرار دیا ہے اور خنثیٰ مشکل کے ذریعہ اعتراض نہیں وارد ہوتا ہے اس لیے کہ خنثیٰ مشکل کے اگلے یا پچھلے حصہ میں داخل کرنے سے اس پر غسل واجب نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی اس شخص پر غسل واجب ہے جس نے خنثیٰ مشکل کے ساتھ جماع کیا مگر یہ کہ انزال ہو جائے تو پھر غسل واجب ہے، اس لیے کہ یہاں کلام اس حشفہ اور قبل و دبر کے بارے میں ہے جو واقعۃً موجود ہوں جس میں وجود مشکوک ہو اس میں بحث نہیں ہے۔

اور غسل واجب ہے جب نیند سے بیدار ہونے والا شخص اپنے کپڑے یا بدن پر منی یا مذی دیکھے اگر چہ اس کو احتلام ہونا یاد نہ ہو۔ مصنف نے لفظ مستیقظ کا اضافہ فرمایا اس سے وہ شخص نکل گیا جو نشہ کی وجہ سے یا جس پر غشی طاری ہو، اس نے دیکھا کہ اس پر مذی ہے یا منی ہے تو ان پر غسل واجب نہیں ہے اور جس کو احتلام ہو گیا اس پر اس وقت تک غسل فرض نہیں ہے جب تک یقین نہ ہو جائے اور اگر یقین ہے کہ مذی ہے یا پائی جانے والی تری کے بارے میں شک ہے کہ مذی ہے یا ودی تو اس صورت میں غسل واجب نہ ہوگا، جب کہ سونے والے کا ذکر سونے سے پہلے استادہ تھا جیسا کہ ودی کی صورت میں غسل واجب نہیں ہوتا ہے، لیکن جواہر میں ہے کہ سونے سے پہلے جس شخص کا ذکر استادہ تھا اس پر غسل واجب نہیں ہے ہاں اگر سونے والا کروٹ پر سوئے یا اس کو یقین ہو کہ یہ تری منی ہے یا اس کو احتلام ہونا یاد ہو تو ان صورتوں میں اس پر غسل واجب ہے اور لوگ اس مسئلہ سے بالکل غافل ہیں۔

جس شخص کو احتلام ہونا یاد ہو اور انزال ہونا بھی یاد ہو لیکن وہ شرمگاہ کے سرے پر کوئی تری نہیں دیکھتا ہے تو بالاتفاق اس پر غسل فرض نہیں ہے۔ اور اسی طرح عورتوں کا بھی حکم ہے جیسا کہ مردوں کا بیان ہوا، مختار مذہب یہی ہے۔ اور میاں اور بیوی نے بستر پر تری دیکھی جس پر دونوں سوئے ہوئے تھے اور کوئی امتیاز بھی نہیں ہے کہ یہ تری مرد کی ہے یا عورت کی، اور زوجین کو احتلام

ہونا بھی یاد نہ ہو اور اس بستر پر ان دونوں سے قبل کوئی سویا بھی نہیں تو ایسی صورت میں میاں بیوی دونوں ہی غسل کریں گے۔ اگر کسی شخص نے حشفہ یا حشفہ کی مقدار میں کپڑا لپیٹ کر عورت کی شرمگاہ میں داخل کیا، یا عورت و مرد میں سے کسی کے دُبر میں داخل کیا تو اگر اس نے اس سے جماع کی لذت محسوس کی ہے تو اس صورت میں غسل واجب ہوگا ورنہ اصح قول کے مطابق غسل واجب نہ ہوگا البتہ احتیاط اس میں ہے کہ غسل کو واجب کہا جائے۔

مختصر تشریح اس سے قبل جو عبارت گذری ہے اس میں مصنف نے وجوبِ غسل کے اسباب میں سے پہلا سبب بیان فرمایا ہے اور اب اس عبارت میں وجوبِ غسل کا دوسرا اور تیسرا سبب بیان فرما رہے ہیں اور اسی کے ضمن میں اس سے متعلق کچھ ضروری مسائل بھی ذکر فرما رہے ہیں۔

وجوبِ غسل کا دوسرا سبب:

وجوبِ غسل کا دوسرا سبب حشفہ یا اس کے مقدار کو مرد یا عورت کے کسی بھی راستے میں داخل کرنا، یعنی فرج میں داخل کرنا یا عورت کے دبر میں یا مرد کے دبر میں داخل کرنا، محض داخل کرنے سے غسل واجب ہو جاتا ہے انزال شرط نہیں ہے۔ اور یہ مسئلہ بالکل اجماعی ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث ہے حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: إذا جلسَ بينَ شُعبِهَا الأربعِ ثُمَّ جهدَهَا فقد وجبَ الغسلُ أنزَلَ أو يُنزِل۔ یعنی جب کوئی مرد کسی عورت کی چار زانو پر بیٹھا پھر کوشش کی، تو اس سے غسل واجب ہو جاتا ہے خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ اور إنَّمَا المَاءُ مِن المَاءِ والی حدیث یا تو احتلام پر محمول ہے یا پھر بالاتفاق منسوخ ہے۔

حشفہ:

آلہ تناسل کا وہ حصہ ہے جو ختنہ کرنے کی جگہ سے اوپر ہے جسے عام طور پر سپاری کہا جاتا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے حشفہ والا حصہ اور جس آدمی کا یہ حصہ کٹا ہے تو اس حشفہ کی مقدار اگر زندہ قابلِ جماع مرد یا عورت کے اگلے حصہ یا پچھلے حصہ میں داخل ہو جائے تو اس سے غسل واجب ہو جائے گا خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔

صاحبِ کتاب نے لفظ ''آدمی'' کی قید لگا کر جنات کو خارج کرنا چاہا ہے، یعنی اگر کوئی عورت یہ کہے کہ میرے ساتھ جنات خواب میں جماع کرتا ہے اور اس سے مجھے اسی طرح لذت محسوس ہوتی ہے جس طرح شوہر کے جماع کرنے سے حاصل ہوتی ہے تو اگر اس صورت میں عورت کو انزال ہو گیا تو غسل واجب ہوگا ورنہ نہیں۔ اور اگر وہ جن حالت بیداری میں آدمی کی شکل میں ظاہر ہوا اور مردوں کی طرح عورت سے جماع کیا تو محض اس کے حشفہ داخل ہونے ہی سے غسل واجب ہو جائے گا خواہ عورت کو انزال ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح اگر کوئی جنیہ عورت اجنبیہ کی شکل میں ظاہر ہوئی اور کسی مرد نے اس کے ساتھ جماع کیا تو اس صورت میں بھی

غسل واجب ہوگا اس لیے کہ حکم ظاہر پر لگتا ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۹۸)

قریب البلوغ لڑکے کے جماع کرنے سے غسل کا حکم

اگر مراہق لڑکا جس میں شہوت پائی جاتی ہے کسی بالغہ لڑکی سے جماع کرے تو اس عورت پر غسل واجب ہے اس لیے کہ عورت احکامِ شریعت کی مکلف ہے، مراہق لڑکے پر غسل واجب نہ ہوگا، لیکن اس کے باوجود اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ بھی غسل کرے تا کہ اس کو طہارت اور صفائی ستھرائی کی عادت ہو سکے۔ اور اگر مراہق غسل نہ کرے تو شریعت کی طرف سے تادیبی کارروائی کی اجازت ہوگی جس طرح نماز کے باب میں ضرب تادیبی کی اجازت ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی نابالغہ لڑکی سے جو قابل جماع ہے کسی بالغ لڑکے نے جماع کر لیا تو بالغ لڑکے پر تو غسل شرعاً واجب ہوگا اور نابالغہ لڑکی پر غسل واجب نہ ہوگا لیکن اس کے باجود اس کو غسل کا حکم دیا جائے گا۔ (شامی: ۱/ ۲۹۹)

اور مفعول بہ یعنی جس کے ساتھ لواطت کی جائے اس پر وجوب غسل احتیاطاً ہے بشرطیکہ بقدر حشفہ دخول پایا گیا ہو۔ اور خنثیٰ مشکل اگر اپنا حشفہ دونوں راستوں میں سے کسی ایک راستہ میں داخل کرے تو اس کی وجہ سے غسل واجب نہ ہوگا اس لیے کہ حشفہ سے حشفہ حقیقی اور سبیلین سے سبیلین حقیقی مراد ہیں اور خنثیٰ مشکل کا حشفہ اور اس کی شرمگاہ مشکوک الوجود ہے، یعنی اس کے حشفہ کے حشفہ ہونے میں اور شرمگاہ کے شرمگاہ ہونے میں شبہ ہے۔

وجوبِ غسل کا تیسرا سبب:

وجوبِ غسل کا تیسرا سبب احتلام کا ہونا ہے، یعنی سو کر اُٹھنے والا شخص اپنے کپڑے یا جسم پر مذی یا منی پائے تو اس پر غسل واجب ہو جائے گا خواہ احتلام ہونا یاد ہو یا یاد نہ ہو۔ علامہ ابن عابدین شامی نے اس مسئلے کی چودہ صورتیں نقل فرمائی ہیں جن میں سے سات صورتوں میں غسل واجب ہے اور سات صورتوں میں غسل واجب نہیں ہے۔

وہ سات صورتیں جن میں غسل واجب ہے

وہ سات صورتیں جن میں غسل واجب ہو جاتا ہے درجِ ذیل ہیں:

۱- یقین ہو کہ یہ منی ہے اور احتلام ہونا بھی یاد ہو۔

۲- یقین ہو کہ یہ منی ہے اور احتلام ہونا یاد نہ ہو۔

۳- یقین ہو جائے کہ یہ مذی ہے اور احتلام ہونا یاد ہو۔

۴- مذی اور منی ہونے میں شک ہو مگر احتلام ہونا یاد ہو۔

۵- منی اور ودی ہونے میں شک ہو اور احتلام ہونا یاد ہو۔

۶- مذی اور ودی ہونے میں شک ہو اور احتلام ہونا یاد ہو۔

۷- مذی، منی اور ودی ہونے میں شک ہو مگر احتلام ہونا یاد ہو۔ (شامی:۱/۳۰۱، البحرالرائق:۱/۱۰۵)

ان ساتوں صورتوں میں غسل واجب ہے۔ علامہ شامی اور صاحب البحرالرائق علامہ ابن نجیم المصری کی یہی رائے گرامی ہے۔

جن سات صورتوں میں غسل واجب نہیں ہے

جن سات صورتوں میں غسل واجب نہیں ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- یقین ہو جائے کہ یہ مذی ہے اور احتلام ہونا یاد نہ ہو۔

۲- شک ہو جائے کہ یہ مذی ہے یا منی اور احتلام یاد نہ ہو۔

۳- شک ہو جائے کہ یہ مذی یا ودی ہے اور احتلام یاد نہ ہو۔

۴- شک ہو جائے کہ یہ مذی ہے یا ودی اور احتلام یاد نہ ہو۔

۵- یقین ہو جائے کہ یہ ودی ہے اور احتلام یاد ہو۔

۶- یقین ہو جائے کہ یہ ودی ہے اور احتلام یاد نہ ہو۔

۷- شک ہو جائے کہ یہ منی ہے یا مذی ہے یا ودی اور احتلام یاد نہ ہو۔ (شامی:۱/۳۰۱)

ان ساتوں صورتوں میں غسل واجب نہ ہوگا البتہ نمبر دو، تین اور نمبر سات کی صورت میں احتیاطاً غسل کر لینا لازم ہے، حضرات طرفین کا یہی مسلک ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔

علامہ علاء الدین حصکفی فرماتے ہیں کہ اگر مذی کا یقین ہو یا مذی اور ودی میں شک ہو اور سونے سے قبل آلہ تناسل میں تناؤ تھا تو اس صورت میں اگر سونے کے بعد کوئی تری دیکھے تو غسل واجب نہ ہوگا کیونکہ سونے کے بعد جو تری دیکھی گئی ہے وہ اسی کا اثر ہے اور ایسے وقت میں جو تری دکھائی دیتی ہے وہ درحقیقت مذی کی تری ہوتی ہے اور خروج مذی سے غسل واجب نہیں ہوتا ہے، البتہ اگر منی ہونے کا غالب گمان ہے تو اس صورت میں غسل واجب ہو جائے گا اور سونے سے قبل اگر آلہ تناسل میں تناؤ نہیں تھا پھر سونے کے بعد تری نظر آئی تو یہ منی قرار پائے گی اور غسل لازم ہوگا۔

مسئلہ: اگر سو کر اٹھنے کے بعد کپڑے میں کوئی تری وغیرہ نظر نہ آئے لیکن احتلام ہونا یاد ہو اور خواب میں اس کو لذت بھی حاصل ہوئی تو اس صورت میں بالاتفاق غسل واجب نہ ہوگا۔ اسی طرح حکم عورتوں کا بھی ہے یعنی اگر اس کو احتلام ہونا یاد ہو اور خواب میں لذت بھی حاصل ہوئی لیکن سو کر اٹھنے کے بعد کپڑے پر کوئی تری نظر نہیں آئی تو غسل واجب نہ ہوگا۔ اس لیے کہ وجوب غسل کے لیے فرج خارج کی طرف منی کا خروج وجوب غسل کے لیے شرط ہے۔

مسئلہ: اگر میاں اور بیوی دونوں ایک ہی بستر پر سو رہے تھے، سو کر اٹھنے کے بعد بستر پر منی کا اثر ملا اور یہ معلوم نہیں ہے

کہ یہ مرد کی منی ہے یا عورت کی اور ان دونوں میں سے کسی کو احتلام ہونا یاد بھی نہ ہو اور ان دونوں سے پہلے کوئی شخص بستر پر سویا بھی نہ ہو تو اس صورت میں میاں بیوی دونوں پر غسل واجب ہوگا۔ اور اگر علامت کے ذریعہ پہچانی جا سکتی ہے مثلاً منی سفید اور گاڑھی ہو تو مرد پر غسل واجب ہوگا اور اگر منی پتلی اور پیلی ہو تو عورت پر غسل واجب ہوگا۔ دوسری بات ایں کہ مرد کی منی لمبائی میں گرتی ہے اور عورت کی منی پھیل کر گرتی ہے تو جس کی علامت پائی جائے گی اور جس کو احتلام ہونا یاد ہو اس پر غسل واجب ہوگا اور اگر علامت دیکھ کر تمیز مشکل ہو تو ایسی صورت میں دونوں پر غسل واجب ہوگا۔

(وَ) عِنْدَ (انْقِطَاعِ حَيْضٍ وَنِفَاسٍ) هٰذَا وَمَا قَبْلَهُ الْحُكْمُ إِلَى الشَّرْطِ: أَيْ يَجِبُ عِنْدَهُ لَا بِهِ، بَلْ بِوُجُوبِ الصَّلَاةِ أَوْ إِرَادَةِ مَا لَا يَحِلُّ كَمَا مَرَّ. (لَا) عِنْدَ (مَذْيٍ أَوْ وَدْيٍ) بَلِ الْوُضُوءُ مِنْهُ وَمِنَ الْبَوْلِ جَمِيعًا عَلَى الظَّاهِرِ (وَ) لَا عِنْدَ (إِدْخَالِ إِصْبَعٍ وَنَحْوِهِ) كَذَكَرِ غَيْرِ آدَمِيٍّ وَذَكَرِ خُنْثَى وَمَيِّتٍ وَصَبِيٍّ لَا يَشْتَهِي وَمَا يُصْنَعُ مِنْ نَحْوِ خَشَبٍ (فِي الدُّبُرِ أَوِ الْقُبُلِ) عَلَى الْمُخْتَارِ (وَ) لَا عِنْدَ (وَطْءِ بَهِيمَةٍ أَوْ مَيْتَةٍ أَوْ صَغِيرَةٍ غَيْرِ مُشْتَهَاةٍ) بِأَنْ تَصِيرَ مُفْضَاةً بِالْوَطْءِ وَإِنْ غَابَتِ الْحَشَفَةُ وَلَا يَنْتَقِضُ الْوُضُوءُ، فَلَا يَلْزَمُ إِلَّا غَسْلُ الذَّكَرِ قُهُسْتَانِيٌّ عَنِ النَّظْمِ، وَسَيَجِيءُ أَنَّ رُطُوبَةَ الْفَرْجِ طَاهِرَةٌ عِنْدَهُ فَتَنَبَّهْ (بِلَا إِنْزَالٍ) لِقُصُورِ الشَّهْوَةِ أَمَّا بِهِ فَيُحَالُ عَلَيْهِ. (كَمَا) لَا غُسْلَ (لَوْ أَتَى عَذْرَاءَ وَلَمْ يُزِلْ عُذْرَتَهَا) بِضَمٍّ فَسُكُونٍ الْبَكَارَةُ فَإِنَّهَا تَمْنَعُ الْتِقَاءَ الْخِتَانَيْنِ إِلَّا إِذَا حَبِلَتْ لِإِنْزَالِهَا، وَتُعِيدُ مَا صَلَّتْ قَبْلَ الْغُسْلِ كَذَا قَالُوا، وَفِيهِ نَظَرٌ؛ لِأَنَّ خُرُوجَ مَنِيِّهَا مِنْ فَرْجِهَا الدَّاخِلِ شَرْطٌ لِوُجُوبِ الْغُسْلِ عَلَى الْمُفْتَى بِهِ وَلَمْ يُوجَدْ قَالَهُ الْحَلَبِيُّ.

ترجمہ: اور جب حیض ونفاس کا خون بند ہو جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ اور ما قبل میں ذکر کردہ مسئلہ (یعنی غسل دخولِ حشفہ، خروجِ منی یا احتلام وغیرہ ہو) ان سب میں حکم کی اضافت شرط کی طرف ہے یعنی اس شرط کے پائے جانے کے وقت غسل واجب ہوتا ہے یہ چیز غسل کا سبب نہیں ہے بلکہ نماز کا وجوب ہے اور ان چیزوں کا ارادہ کرنا ہے جو بلا طہارت درست نہیں ہے جیسا کہ یہ بات گذر چکی ہے اور مذی یا ودی کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا ہے بلکہ اس سے صرف وضو واجب ہوتا ہے اور پیشاب سے بھی وضو واجب ہوتا ہے ظاہر الروایہ یہی ہے۔ اور غسل فرض نہیں ہوتا ہے انگلی یا اس جیسی چیز کے اگلے یا پچھلے حصے میں داخل کرنے سے جیسے انسان کے علاوہ کسی جانور یا کسی میت یا خنثیٰ کا یا کسی ایسے بچہ کا عضو مخصوص داخل کرنا جس میں شہوت نہ پائی جاتی ہو یا آلہ تناسل کی طرح لکڑی کا داخل کرنا مختار مذہب کے مطابق ان سب سے غسل فرض نہیں ہوتا ہے۔

• اور اگر کوئی آدمی چوپائے یا مردہ یا ایسی نابالغہ لڑکی سے وطی کرے جو ابھی غیر مشتہاۃ ہے بایں طور کہ وطی کی وجہ سے وہ مفضاۃ ہو جائے (یعنی اس کا وہ پردہ زائل ہو جائے جو اگلے اور پچھلے حصہ کے درمیان حائل رہتا ہے اور اس کے دونوں مقام مل

جائیں) تو اس وطی سے بلا انزال غسل واجب نہ ہوگا اور نہ ہی وضو ٹوٹے گا اگر چہ حشفہ غائب ہی کیوں نہ ہو جائے لذت ناقص اور کم ہونے کی وجہ سے، صرف عضو مخصوص کا دھونا لازم ہوگا قہستانی نے نظم سے ایسا ہی نقل فرمایا ہے۔ اور عنقریب یہ بات آنے والی ہے کہ عورت کی داخل شرمگاہ کی رطوبت حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک پاک ہے، پس متنبہ ہو جاؤ (یعنی عضو مخصوص کے دھونے کا حکم بھی حضرات صاحبین کے قول کے مطابق ہے حضرت امام اعظمؒ کے قول کے مطابق نہیں ہے) لیکن اگر مذکورہ صورت میں انزال ہو جائے تو غسل کی فرضیت اسی پر محمول ہوگی۔

جیسا کہ اس شخص پر غسل فرض نہیں ہے جو کسی باکرہ لڑکی سے وطی کرے اور اس کا پردۂ بکارت زائل نہ ہو اس لیے کہ پردۂ بکارت مرد و عورت کے عضو مخصوص کو ملنے سے روکتا ہے ہاں اگر اس وطی سے لڑکی حاملہ ہو جائے تو اس پر غسل واجب ہوگا اور غسل کرنے سے قبل جو نمازیں اس نے پڑھی ہیں ان سب کا اعادہ کرے گی، ایسا ہی علماء نے فرمایا ہے لیکن اس مسئلہ میں نظر ہے اس لیے کہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ عورت کے وجوب غسل کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کی منی اس کے فرج داخل سے نکلی ہو اور یہ شرط یہاں نہیں پائی گئی ہے، اس کو حلبی نے کہا ہے۔

مختصر تشریح اس عبارت میں علامہ حصکفی علیہ الرحمہ نے وجوب کے اسباب میں سے تیسرا سبب بیان فرمایا ہے جو درج ذیل ہے:

وجوبِ غسل کا چوتھا سبب:

وجوبِ غسل کے اسباب میں سے چوتھا سبب حیض و نفاس کا بند ہونا ہے یعنی جب عورت کا حیض آنا بند ہو جائے یا نفاس کا خون آنا منقطع ہو جائے تو عورت پر غسل کرنا فرض ہو جاتا ہے: بغیر غسل کے عورت پاک نہ ہوگی۔ اور جن چیزوں کی وجہ سے غسل فرض ہوتا ہے یہ سب کی سب غسل کے لیے شرط کے مرتبہ میں ہیں، سبب نہیں ہیں، غسل کا سب حقیقی تو درحقیقت نماز کا فرض ہونا ہے یا ان صورتوں کا پیش آنا ہے جن کے لیے پاک ہونا ضروری ہے جیسے تلاوتِ قرآن، مس مصحف وغیرہ۔

جن چیزوں سے غسل فرض نہیں ہوتا ہے ان کا بیان

اس کے بعد صاحب درمختار نے ان چیزوں کو بیان فرمایا ہے جن سے غسل فرض نہیں ہوتا ہے، چناں چہ فرمایا کہ مذی، ودی اور پیشاب وغیرہ سے غسل واجب نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ ان سب سے صرف وضو واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح جن چیزوں سے جماع کی لذت نہ پائی جائے اور انزال نہ ہو تو ان سے بھی غسل واجب نہ ہوگا مثلاً اگر کوئی پچھلے مقام میں انگلی یا جانوروں یا بچوں کا آلہ تناسل یا آلۂ تناسل کی طرح کوئی لکڑی داخل کرلے تو غسل فرض نہ ہوگا اور مسئلہ متفق علیہ ہے لیکن اگر کسی عورت نے ان چیزوں میں سے کسی چیز کو اگلے حصہ میں داخل کیا تو اس میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے وجوبِ غسل کا فتوی دیا ہے گو ترجیح عدم وجوبِ غسل ہی کو ہے۔ اور بعض نے وجوبِ غسل کو راجح قرار دیا ہے اس لیے کہ جب عورت نے اس سے شہوت رانی کا ارادہ کیا تو

اگرچہ عورت کو انزال نہ ہو پھر بھی غسل واجب ہو جائے گا اس لیے کہ عورتوں میں شہوت غالب ہوتی ہے، پس سبب کو مسبب کے قائم مقام کر دیا جائے گا۔ (شامی: ۱/ ۳۰۵)

مسئلہ: اگر کوئی شخص آدمی کے بجائے چوپائے سے وطی کرے تو محض دخولِ حشفہ ہی سے غسل واجب نہ ہوگا جب تک کہ انزال نہ ہو جائے، اگر انزال پایا گیا تو غسل واجب ہو جائے گا۔ اور اگر انزال نہیں پایا گیا تو اس صورت میں صرف عضو مخصوص دھونا لازم ہوگا، وضو بھی ضروری نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مباشرتِ فاحشہ سے جو وضو ٹوٹ جاتا ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ دونوں آدمی قابلِ شہوت اور بالغ ہوں۔ (شامی: ۱/ ۳۰۵)

مسئلہ: جس جانور سے کوئی آدمی وطی کر لے تو اس جانور کے متعلق شرعی حکم یہ ہے کہ اسے ذبح کر کے جلا ڈالا جائے اور مستحب یہ ہے کہ اس کا گوشت استعمال نہ کیا جائے، لیکن اس کا گوشت حرام بھی نہیں ہے کہ اس سے بچنا لازم ہو؛ بلکہ بچنا صرف افضل اور بہتر ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۰۵)

غــذرۃ: عین کے ضمہ کے ساتھ ہے اس کے معنی پردۂ بکارت کے ہیں۔ یہ عورت کی شرمگاہ میں ایک جھلی ہوتی ہے جس سے گذر کر اس کا اندرونی حصہ شروع ہوتا ہے۔ اب یہاں مسئلہ یہ ہے کہ ایک بالغ شخص نے کسی باکرہ لڑکی سے جماع کیا اس طرح کہ اس لڑکی کا پردۂ بکارت ختم نہ ہوا بلکہ باقی رہا تو اس صورت میں واطی پر غسل واجب نہیں ہے اس لیے کہ پردۂ بکارت کا باقی رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ دخول ثابت نہیں ہو سکا، اور جب دخول ہی نہیں پایا گیا تو غسل کس طرح واجب ہوگا، اب عورت اور مرد بغیر غسل کئے نماز اسی حالت میں پڑھتے رہے ابھی دوبارہ جماع کی نوبت بھی نہیں آئی تھی کہ معلوم ہوا کہ عورت اسی جماع سے حاملہ ہو گئی تو اب اس صورت میں فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ دونوں پر غسل لازم ہے اس لیے کہ حمل قرار پانا انزال کی دلیل اور دخول کا ثبوت ہے لہٰذا جس قدر بھی نماز ان دونوں نے بغیر غسل کے پڑھی ہیں ان سب نمازوں کا اعادہ ضروری اور لازم ہے اس لیے کہ وہ نمازیں بلا طہارت پڑھی گئی تھیں اور بلا طہارت پڑھی گئی نمازوں کا اعادہ لازم ہے جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے۔

(وَيَجِبُ) أَيْ يُفْرَضُ (عَلَى الْأَحْيَاءِ) الْمُسْلِمِينَ (كِفَايَةً) إِجْمَاعًا (أَنْ يَغْسِلُوا) بِالتَّخْفِيفِ (الْمَيِّتَ) الْمُسْلِمَ إِلَّا الْخُنْثَى الْمُشْكِلَ فَيُيَمَّمُ. (كَمَا يَجِبُ عَلَى مَنْ أَسْلَمَ جُنُبًا أَوْ حَائِضًا) أَوْ نُفَسَاءَ وَلَوْ بَعْدَ الِانْقِطَاعِ عَلَى الْأَصَحِّ كَمَا فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ عَنِ الْبُرْهَانِ، وَعَلَّلَهُ ابْنُ الْكَمَالِ بِبَقَاءِ الْحَدَثِ الْحُكْمِيِّ (أَوْ بَلَغَ لَا بِسِنٍّ) بَلْ بِإِنْزَالٍ أَوْ حَيْضٍ، أَوْ وَلَدَتْ وَلَمْ تَرَ دَمًا أَوْ أَصَابَ كُلَّ بَدَنِهِ نَجَاسَةٌ أَوْ بَعْضَهُ وَخَفِيَ مَكَانُهَا (فِي الْأَصَحِّ) رَاجِعٌ لِلْجَمِيعِ. وَفِي التَّاتَارْخَانِيَّةِ مَعْزِيًّا لِلْعَتَّابِيَّةِ وَالْمُخْتَارُ وُجُوبُهُ عَلَى مَجْنُونٍ أَفَاقَ. قُلْتُ: وَهُوَ يُخَالِفُ مَا يَأْتِي مَتْنًا، إِلَّا أَنْ يُحْمَلَ أَنَّهُ رَأَى مَنِيًّا وَهَلِ السَّكْرَانُ وَالْمُغْمَى عَلَيْهِ كَذَلِكَ؟ يُرَاجَعُ (وَإِلَّا) بِأَنْ أَسْلَمَ طَاهِرًا أَوْ بَلَغَ بِالسِّنِّ (فَمَنْدُوبٌ).

ترجمہ اور زندہ مسلمانوں پر مردہ مسلمانوں کا غسل دینا فرض کفایہ ہے، دلیل امت کا اجماع ہے۔ ہاں اگر کوئی میت خنثیٰ مشکل ہو کہ اس کے جنس کی شناخت دشوار ہو تو اس کو تیمم کرادیں گے، جس طرح کہ ان مسلمانوں پر غسل کرنا واجب ہے جنہوں نے جنابت کی حالت میں یا حیض ونفاس کی حالت میں اسلام قبول کیا ہے اگر چہ حیض ونفاس کے بند ہونے کے بعد ہی کیوں نہ اسلام قبول کیا ہو اصح قول کے مطابق، جیسا کہ شرنبلالیہ میں برہان سے نقل کیا ہے۔ اور علامہ ابن الکمال نے حیض ونفاس کے بند ہوجانے کے بعد بھی وجوبِ غسل کی علت نجاست حکمی کے باقی رہنے کو قرار دیا ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص عمر سے نہیں بلکہ احتلام یا حیض سے بالغ ہوا تو اس پر غسل کرنا لازم ہوگا، یا عورت نے بچہ جنا اور اس نے خون نہیں دیکھا یا آدمی کے سارے بدن پر نجاست لگی یا بعض بدن پر نجاست لگی اور نجاست کی جگہ پوشیدہ رہی تو ان صورتوں میں غسل کرنا ضروری ہوگا اصح قول کے مطابق اور اصح قول کا تعلق ان تمام صورتوں سے ہے۔ اور فتاویٰ تاتارخانیہ میں عتابیہ کی طرف منسوب ہے کہ مختار قول کے مطابق اس مجنون پر بھی غسل واجب ہے جس کو جنون سے افاقہ ہوگیا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ قول متن کے اس قول کے مخالف ہے جو آنے والا ہے کہ اس صورت میں غسل مستحب ہے ہاں وجوبِ غسل کا قول اس صورت پر محمول کیا جائے کہ مجنون شخص نے جنون سے افاقہ کے بعد اپنے بدن یا کپڑے پر منی دیکھی ہے اور اگر نہ دیکھی تو اس کے لیے غسل صرف مستحب ہے باقی رہی یہ بات کہ کیا مست شخص اور مدہوش کا حکم بھی وہی ہے جو پاگل کا بیان کیا گیا ہے؟ تو اس بارے میں مراجعہ کرنا چاہئے اور اگر کسی شخص نے پاکی کی حالت میں اسلام قبول کیا یا عمر کے ذریعہ سے جوان ہوا تو اس کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔

مختصر تشریح صاحب تنویر الابصار میت کے غسل دینے کے لیے وجوب کا لفظ لائے ہیں اور علامہ حصکفی نے وجوب کی تفسیر فرض سے کر کے اشارہ فرمایا ہے کہ یہاں وجوب اصطلاحی مراد نہیں ہے؛ بلکہ فرض مراد ہے۔ اور وجوب کا لفظ لا کر اس طرف اشارہ فرمایا کہ یہ فرض عملی ہے فرض اعتقادی نہیں ہے یعنی یہ حکم دلیل قطعی سے ثابت نہیں ہے اور نہ ہی یہ حکم متفق علیہ ہے۔ (شامی:۱/۳۰۶)

فرضِ کفایہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر محلہ والوں میں سے کچھ لوگ بھی اس فرض کو ادا کرلیں گے تو بقیہ تمام لوگوں کے ذمہ سے ساقط ہوجائے گا اور اگر کسی نے بھی ادا نہ کیا تو پھر سارے لوگ گناہ گار ہوں گے باقی رہی یہ بات کہ اس فرض کی ادائیگی کے لیے کیا نیت شرط ہے؟ تو اس سلسلے میں فتح القدیر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نیت شرط ہے اور علامہ ابن نجیم صاحب البحر الرائق نے خانیہ وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ نیت شرط نہیں ہے لیکن اگر نیت کرلیں تو ہر طرح بری الذمہ ہوجائیں گے کوئی اختلافی صورت باقی نہ رہے گی۔

جن صورتوں میں غسل واجب ہے

حضرات فقہاء کرام نے فرمایا کہ تین صورتوں میں غسل واجب ہے: (۱) مسلمان مُردوں کو زندہ مسلمانوں پر غسل دینا بدلیل اجماع امت فرضِ کفایہ ہے یعنی چند اشخاص کے ادا کرنے سے تمام لوگوں کے ذمہ سے ساقط ہوجائے گا۔

(۲) اگر کوئی کافر جنابت کی حالت میں یا کوئی کافرہ عورت حالت حیض ونفاس میں اسلام قبول کرلے تو اس پر غسل کرنا واجب ہوگا۔

(۳) اگر کوئی شخص عمر سے نہیں بلکہ انزال واحتلام کے ذریعہ بالغ ہوا تو اس پر غسل کرنا واجب ہے۔

مسئلہ: اگر مرنے والا شخص کافر ہے اور مسلمان ولی کے علاوہ کوئی دوسرا ولی اس کا نہیں ہے تو مسلمان ولی اس میت کافر پر بغیر اہتمام کئے صرف پانی بہادے گا جس طرح کسی گندے چیتھڑے پر پانی بہایا جاتا ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۰۷)

مسئلہ: اگر کسی عورت نے بچہ جنا اور اس کی شرمگاہ سے کسی بھی طرح کا کوئی خون نہیں نکلا تو اس صورت میں عورت پر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک غسل واجب ہے، اکثر مشائخ نے اسی قول کو لیا ہے اور اسی قول پر عمل کرنے میں احتیاط بھی ہے اور یہ قول اصح بھی ہے۔ حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد رحمہا اللہ کے نزدیک اس صورت میں عورت پر غسل واجب نہیں ہے، خون کے نہ پائے جانے کی وجہ سے۔ (شامی: ۱/ ۳۰۷)

(وَسُنَّ لِصَلَاةِ جُمُعَةٍ وَ) لِصَلَاةِ (عِيدٍ) هُوَ الصَّحِيحُ كَمَا فِي غُرَرِ الْأَذْكَارِ وَغَيْرِهِ. وَفِي الْخَانِيَّةِ لَوْ اغْتَسَلَ بَعْدَ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ لَا يُعْتَبَرُ إجْمَاعًا؛ وَيَكْفِي غُسْلٌ وَاحِدٌ لِعِيدٍ وَجُمُعَةٍ اجْتَمَعَا مَعَ جَنَابَةٍ كَمَا لِفَرْضَيْ جَنَابَةٍ وَحَيْضٍ (وَ) لِأَجْلِ (إحْرَامٍ وَ) فِي جَبَلِ (عَرَفَةَ) بَعْدَ الزَّوَالِ. (وَنُدِبَ لِمَجْنُونٍ أَفَاقَ) وَكَذَا الْمُغْمَى عَلَيْهِ، كَذَا فِي غُرَرِ الْأَذْكَارِ، وَهَلْ السَّكْرَانُ كَذَلِكَ؟ لَمْ أَرَهُ (وَعِنْدَ حِجَامَةٍ وَفِي لَيْلَةِ بَرَاءَةٍ) وَعَرَفَةَ (وَقَدْرٍ) إذَا رَآهَا (وَعِنْدَ الْوُقُوفِ بِمُزْدَلِفَةَ غَدَاةَ يَوْمِ النَّحْرِ) لِلْوُقُوفِ (وَعِنْدَ دُخُولِ مِنًى يَوْمَ النَّحْرِ) لِرَمْيِ الْجَمْرَةِ (وَ) كَذَا لِبَقِيَّةِ الرَّمْيِ، وَ (عِنْدَ دُخُولِ مَكَّةَ لِطَوَافِ الزِّيَارَةِ وَلِصَلَاةِ كُسُوفٍ) وَخُسُوفٍ (وَاسْتِسْقَاءٍ وَفَزَعٍ وَظُلْمَةٍ وَرِيحٍ شَدِيدٍ) وَكَذَا لِدُخُولِ الْمَدِينَةِ، وَلِحُضُورِ مَجْمَعِ النَّاسِ، وَلِمَنْ لَبِسَ ثَوْبًا جَدِيدًا أَوْ غَسَّلَ مَيِّتًا أَوْ يُرَادُ قَتْلُهُ وَلِتَائِبٍ مِنْ ذَنْبٍ، وَلِقَادِمٍ مِنْ سَفَرٍ، وَلِمُسْتَحَاضَةٍ انْقَطَعَ دَمُهَا (فَمَنُ مَاءِ اغْتِسَالِهَا وَوُضُوئِهَا عَلَيْهِ) أَيْ الزَّوْجِ لَوْ غَنِيَّةً كَمَا فِي الْفَتْحِ؛ لِأَنَّهُ لَا بُدَّ لَهَا مِنْهُ فَصَارَ كَالشُّرْبِ، فَأُجْرَةُ الْحَمَّامِ عَلَيْهِ. وَلَوْ كَانَ الِاغْتِسَالُ لَا عَنْ جَنَابَةٍ وَحَيْضٍ بَلْ لِإِزَالَةِ الشَّعَثِ وَالتَّفَثِ قَالَ شَيْخُنَا الظَّاهِرُ أَنَّهُ لَا يَلْزَمُهُ.

ترجمہ اور جمعہ کی نماز کے واسطے اور عید کی نماز کے واسطے غسل کرنا صحیح قول کے مطابق سنت ہے جیسا کہ غرر الاذکار وغیرہ کتابوں میں ہے۔ اور فتاویٰ خانیہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی نماز جمعہ کے بعد غسل کرے تو اس غسل کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور ایک ہی غسل عید اور جمعہ اور جنابت کے لیے کافی ہوتا ہے اگر جمعہ اور عید جمع ہوئے جیسا کہ جنابت اور حیض دو فرض جمع ہوجائے تو ایک غسل کافی ہوجاتا ہے۔ اور احرام باندھنے کے واسطے غسل کرنا سنت ہے۔ اور میدانِ عرفات میں دوپہر ڈھلنے کے بعد غسل کرنا سنت ہے۔

اوراس مجنون کے لیے غسل کرنا مستحب ہے جس کو جنون سے افاقہ ہو گیا ہے۔اسی طرح مدہوش شخص جب ہوش میں آجائے تو اس کے واسطے غسل کرنا مستحب ہے جیسا کہ غرر الاذکار میں ہے۔اور کیا نشہ میں مبتلا شخص کے لیے بھی یہی حکم ہے؟ یعنی نشہ ختم ہونے کے بعد غسل کرنا مستحب ہے؟ تو میں نے اس مسئلہ کو کسی کتاب میں نہیں دیکھا ہے۔اور پچھنا لگانے کے وقت اور شب برأت میں، نویں ذی الحجہ کی رات میں اور شب قدر میں اس شب کو دیکھنے والے کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔اور وقوف مزدلفہ کے وقت قربانی کے دن کی صبح کو وہاں ٹھہرنے کے لیے۔اور دسویں ذی الحجہ کو منی میں جمرہ کی رمی کرنے کے واسطے داخل ہونے کے وقت۔اسی طرح بقیہ تینوں رمی کے وقت غسل کرنا مستحب ہے۔اور مکہ مکرمہ میں طواف زیارت کے لیے داخل ہوتے وقت، کسوف کی نماز کے لیے، طلب باراں کی نماز کے لیے، خوف ودہشت کے وقت اور سخت آندھی طوفان کے وقت، نیز مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے وقت اور لوگوں کے مجمع میں حاضر ہونے کے وقت بھی غسل کرنا مستحب ہے۔اور اس شخص کے لیے بھی غسل کرنا مستحب ہے جو نیا کپڑا پہنے یا میت کو غسل دے اور جس شخص کو قتل کیا جارہا ہو، خواہ یہ قتل بطور قصاص ہو یا ظلماً بہرصورت غسل کرنا مستحب ہے تاکہ موت پاک وصاف ہونے کی حالت میں واقع ہو اور گناہوں سے توبہ کرنے والوں کے لیے، اور سفر سے آنے والے کے لیے، اور اس مستحاضہ کے لیے غسل کرنا مستحب ہے جس کا خون بند ہوا ہو (تاکہ باقی میں کوئی شبہ باقی نہ رہے)۔

مختصر تشریح علامہ علاء الدین حصکفیؒ نے اس عبارت سے یہ بتایا ہے کہ کہاں کہاں غسل کرنا سنت رسول ﷺ ہے اور کن کن مقامات پر غسل کرنا مندوب اور مستحب ہے، چناں چہ اب ہم ذیل میں ان مقامات کی نشاندہی کرتے ہیں جہاں غسل کرنا سنت ہے، اس کے بعد ان مقامات کی نشاندہی ہوگی جہاں غسل کرنا مستحب ہے۔

جن صورتوں میں غسل سنت ہے

۱- جمعہ کے دن فجر نماز کے بعد ان لوگوں کے لیے غسل کرنا سنت ہے جن پر نماز جمعہ واجب ہے۔
۲- عیدین کے دن بعد نماز فجر ان لوگوں کے لیے غسل کرنا سنت ہے، جن پر عید کی نماز واجب ہے۔
۳- اگر کوئی شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو اس کے لیے احرام باندھنے سے قبل غسل کرنا سنت ہے۔
۴- اور حج کرنے والوں کے لیے جبل عرفات میں دوپہر ڈھلنے کے بعد غسل کرنا سنت ہے۔

شارح علیہ الرحمہ نے ھو الصحیح فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ جمعہ کی نماز کے لیے غسل کرنا سنت ہے اور یہی ظاہر الروایہ اور صحیح قول ہے۔اور یہی حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول بھی ہے۔اور حضرت حسن بن زیاد حضرت امام محمد کی جانب منسوب کر کے فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن کے لیے غسل کرنا سنت ہے۔اس اختلاف کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ وہ شخص جس پر نماز جمعہ فرض نہیں ہے اگر وہ غسل کرے تو سنت غسل ادا ہوگی یا نہیں؟ اسی طرح ایک شخص نے جمعہ کے دن غسل کیا تو اس کو چاہئے یہ تھا کہ اسی غسل کے وضوء سے جمعہ پڑھتا مگر ایسا نہیں کیا؛ بلکہ غسل کے بعد حدث لاحق ہو گیا اور وضو ٹوٹ گیا اور الگ سے

وضو کر کے جمعہ ادا کیا تو اب سوال یہ ہے کہ سنت غسل ادا ہوگی یا نہیں؟ حضرت امام ابو یوسفؒ فرمائیں گے کہ ان دونوں صورتوں میں جمعہ کی نماز کے لیے جو غسل سنت تھی وہ ادا نہ ہوئی اور حضرت حسن بن زیاد کے نزدیک چونکہ جمعہ کے دن کے لیے غسل مسنون ہے اس لیے سنت غسل ادا ہو جائے گی۔ (شامی: ۱/ ۳۰۸)

فتاویٰ خانیہ میں مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص بعد نماز جمعہ غسل کرے تو اس غسل کا بالاجماع اعتبار نہیں ہے۔

مسئلہ: اگر جمعہ کے دن عید پڑ جائے اور اسی دن جنابت بھی پیش آجائے تو جمعہ، عید اور جنابت کے لیے الگ الگ غسل کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ایک ہی غسل سے سب کا حق ادا ہو جائے گا، نیز اسی طرح اگر حیض رُکا تھا اور حیض کی اکثر مدت پوری ہو چکی تھی کہ شوہر نے جماع کیا یا اس کو احتلام ہو گیا تو ان دونوں کے لیے ایک غسل کافی ہے۔

جن صورتوں میں غسل مستحب ہے

۱- اسلام قبول کرنے کے لیے غسل کرنا اگرچہ حدث اکبر سے پاک ہو۔

۲- اگر کوئی مرد یا عورت عمر کے ذریعہ جوان ہوں، یعنی پندرہ سال کے ہو گئے اور اس دوران کوئی جوانی کی علامت نہ پائی جائے تو اس کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔

۳- مجنون شخص کا جب جنون ختم ہو جائے تو اس کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔

۴- مدہوش شخص جب ہوش میں آجائے تو اس کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔

۵- نشہ میں مست آدمی جب اس کا نشہ ختم ہو جائے تو غسل کرنا مستحب ہے۔

۶- پچھنا لگوانے کے بعد غسل کرنا مستحب ہے۔

۷- شب برأت یعنی شعبان کی پندرہویں شب کو غسل کرنا۔

۸- لیلۃ القدر میں غسل کرنا جس کو لیلۃ القدر معلوم ہو۔

۹- قربانی کے دن کی صبح کو مزدلفہ میں ٹھہرتے وقت غسل کرنا مستحب ہے۔

۱۰- رمی کرنے کے واسطے منیٰ میں داخل ہوتے وقت غسل کرنا مستحب ہے۔

۱۱- بقیہ تمام رمی یعنی کنکریاں پھینکنے کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔

۱۲- طوافِ زیارت کے لیے مکہ میں داخل ہوتے وقت غسل کرنا مستحب ہے۔

۱۳- نمازِ کسوف کی ادائیگی کے وقت غسل کرنا مستحب ہے۔

۱۴- نمازِ خسوف کی ادائیگی کے وقت غسل کرنا مستحب ہے۔

۱۵- نمازِ استسقاء کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔

۱۶- خوف ودہشت کے وقت غسل کرنا مستحب ہے۔
۱۷- سخت آندھی وطوفان کے وقت غسل کرنا مستحب ہے۔
۱۸- مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔
۱۹- لوگوں کی مجلسوں میں حاضر ہونے کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔
۲۰- جو شخص نیا لباس زیب تن کرے اس کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔
۲۱- مردے کو نہلانے کے بعد نہلانے والوں کو غسل کرنا مستحب ہے۔
۲۲- جو شخص قصاصاً یا ظلماً قتل کیا جارہا ہو اس کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔
۲۳- کسی گناہ سے توبہ کرنے والوں کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔
۲۴- سفر سے واپس آنے والوں کے لیے غسل کرنا مستحب ہے جب کہ وہ اپنے وطن پہنچ جائیں۔
۲۵- مستحاضہ عورتوں کا خون جب بند ہو جائے تو ان کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔

عورت کے غسل اور وضو کے پانی کی قیمت کو شوہر پر ادا کرنا واجب ہے

اگر عورت پر غسل جنابت فرض ہو یا حیض ونفاس کے منقطع ہونے کی وجہ سے غسل فرض ہو گیا اور پانی قیمتاً مل رہا ہو۔ اسی طرح عورت کو نماز پڑھنے کے لیے وضو کی ضرورت ہے اور وضو کے لیے پانی قیمتاً مل رہا ہے تو وضو اور غسل کے پانی کی قیمت شوہر پر ادا کرنا لازم ہے، چاہے عورت بذاتِ خود مالدار کیوں نہ ہو۔ اسی طرح غسل کرنے کے لیے حمام کی ضرورت ہے تو اس کا کرایہ بھی شوہر ہی پر واجب ہوگا۔ لیکن اگر عورت کا غسل، غسل جنابت اور غسل حیض نہ ہو بلکہ سر کی پراگندگی اور میل کچیل دور کرنے کے واسطے ہو تو اس صورت میں پانی کی قیمت شوہر پر لازم نہ ہوگی اس لیے کہ یہ غسل لازم اور ضروری نہیں ہے بلکہ یہ غسل تو صرف نشاطِ طبع اور صفائی کی غرض سے ہے۔ اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ بیوی کے سر کا تیل اور بال سنوارنے والی کی اُجرت شوہر پر واجب نہیں ہے لیکن آپسی تعلق کا تقاضہ ہے کہ یہ ساری چیزیں شوہر ہی ادا کرے۔ (شامی: ۱/۳۱۱)

(وَيَحْرُمُ بِالْحَدَثِ) (الْأَكْبَرِ دُخُولُ مَسْجِدٍ) لَا مُصَلَّى عِيدٍ وَجِنَازَةٍ وَرِبَاطٍ وَمَدْرَسَةٍ، ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ وَغَيْرُهُ فِي الْحَيْضِ وَقُبَيْلَ الْوِتْرِ، لَكِنْ فِي وَقْفِ الْقُنْيَةِ: الْمَدْرَسَةُ إذَا لَمْ يَمْنَعْ أَهْلُهَا النَّاسَ مِنَ الصَّلَاةِ فِيهَا فَهِيَ مَسْجِدٌ (وَلَوْ لِلْعُبُورِ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ (إلَّا لِضَرُورَةٍ) حَيْثُ لَا يُمْكِنُهُ غَيْرُهُ، وَلَوْ احْتَلَمَ فِيهِ إنْ خَرَجَ مُسْرِعًا تَيَمَّمَ نَدْبًا، وَإِنْ مَكَثَ لِخَوْفٍ فَوُجُوبًا، وَلَا يُصَلِّي وَلَا يَقْرَأُ. (وَ) يَحْرُمُ بِهِ (تِلَاوَةُ الْقُرْآنِ) وَلَوْ دُونَ آيَةٍ عَلَى الْمُخْتَارِ (بِقَصْدِهِ) فَلَوْ قَصَدَ الدُّعَاءَ أَوْ

الثَّنَاءَ أَوْ افْتِتَاحَ أَمْرٍ أَوْ التَّعْلِيمِ وَلَقَّنَ كَلِمَةً كَلِمَةً حَلَّ فِي الْأَصَحِّ، حَتَّى لَوْ قَصَدَ بِالْفَاتِحَةِ الثَّنَاءَ فِي الْجِنَازَةِ لَمْ يُكْرَهْ إِلَّا إِذَا قَرَأَ الْمُصَلِّي قَاصِدًا الثَّنَاءَ فَإِنَّهَا تُجْزِيهِ؛ لِأَنَّهَا فِي مَحَلِّهَا، فَلَا يَتَغَيَّرُ حُكْمُهَا بِقَصْدِهِ (وَمَسُّهُ) مُسْتَدْرَكٌ بِمَا بَعْدَهُ، وَهُوَ وَمَا قَبْلَهُ سَاقِطٌ مِنْ نُسَخِ الشَّرْحِ، وَكَأَنَّهُ لِأَنَّهُ ذَكَرَهُ فِي الْحَيْضِ. (وَ) يَحْرُمُ بِهِ (طَوَافٌ) لِوُجُوبِ الطَّهَارَةِ فِيهِ (وَ) يَحْرُمُ (بِهِ) أَيْ بِالْأَكْبَرِ (وَبِالْأَصْغَرِ) مَسُّ مُصْحَفٍ: أَيْ مَا فِيهِ آيَةٌ كَدِرْهَمٍ وَجِدَارٍ، وَهَلْ مَسُّ نَحْوِ التَّوْرَاةِ كَذَلِكَ؟ ظَاهِرُ كَلَامِهِمْ لَا (إِلَّا بِغِلَافٍ مُتَجَافٍ) غَيْرِ مُشَرَّزٍ أَوْ بِصُرَّةٍ بِهِ يُفْتَى، وَحَلَّ قَلْبُهُ بِعُودٍ. وَاخْتَلَفُوا فِي مَسِّهِ بِغَيْرِ أَعْضَاءِ الطَّهَارَةِ وَبِمَا غُسِلَ مِنْهَا وَفِي الْقِرَاءَةِ بَعْدَ الْمَضْمَضَةِ، وَالْمَنْعُ أَصَحُّ.

ترجمہ اور حدث اکبر کی وجہ سے آدمی کے لیے مسجد میں داخل ہونا حرام ہے لیکن عیدگاہ، جنازہ کی نماز پڑھنے کی جگہ، خانقاہ اور مدرسہ میں داخل ہونا حرام نہیں ہے۔ مصنفؒ وغیرہ نے اس مسئلے کو باب الحیض میں اور مسائل وتر سے پہلے ذکر کیا ہے۔ لیکن قنیہ کی کتاب الوقف میں ہے کہ جب مدرسہ والے لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے سے منع نہ کریں (عام طور پر لوگ اس میں نماز پڑھتے ہوں) تو وہ مدرسہ بھی مسجد ہی کے حکم میں ہے (اس کا احترام مسجد کی طرح ہوگا) اور جنبی شخص کے لیے مسجد میں داخل ہونا حرام ہے، اگر چہ عبور کرنے کے واسطے ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں حضرت امام شافعیؒ کا اختلاف ہے وہ ہر حال میں مسجد سے گذرنا درست قرار دیتے ہیں۔ اور احناف کے نزدیک بوقت مجبوری کہ مسجد سے گذرے بغیر کوئی چارۂ کار نہ ہو تو اجازت ہوگی۔ اگر کسی شخص کو مسجد میں احتلام ہوگیا تو اگر وہ فوراً مسجد سے نکلے تو تیمم کر لینا مستحب ہے اور اگر کسی خوف کی وجہ سے مسجد ہی میں رُکا رہا تو پھر اس پر تیمم کر لینا واجب ہے، لیکن اس تیمم سے نہ وہ نماز پڑھ سکتا ہے اور نہ تلاوت قرآن کر سکتا ہے (اس لیے کہ یہ تیمم مسجد میں قیام کرنے کے لیے کیا ہے جو عبادتِ مقصودہ نہیں ہے اور جو تیمم غیر عبادت مقصودہ کی ادائے گی کے لیے کیا جائے اس سے عبادتِ مقصودہ ادا نہیں کی جاسکتی ہے)۔

اور جنابت کی حالت میں قرآن کی تلاوت کرنا، تلاوت قرآن کے ارادے سے خواہ ایک آیت سے کم ہی کیوں نہ ہو حرام ہے یہی مختار قول ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص بغرضِ دعاء یا بغرضِ ثناء یا کسی کام کے افتتاح کی غرض سے پڑھے یا تعلیم دینے کے ارادے سے پڑھے اور ایک ایک کلمہ کی تلقین کرے تو اصح قول کے مطابق یہ حلال ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی شخص سورۂ فاتحہ کو نمازِ جنازہ میں بغرضِ ثناء پڑھتا ہے تو مکروہ نہیں ہے اسی طرح اگر کوئی نمازی سورۂ فاتحہ کو نماز میں باری تعالیٰ کے ثناء کے ارادے سے پڑھا تو کافی ہوجائے گا، اس لیے کہ سورۂ فاتحہ پڑھنا اپنے محل میں ہے لہٰذا اس کی نیت سے حکم نہیں بدلے گا۔ اور جنابت کی حالت میں قرآنِ مجید کا چھونا حرام ہے۔ یہ مسئلہ یہاں بے ضرورت ہے اس لیے کہ یہی مسئلہ بعد میں بھی مذکور ہے۔ یہ مسئلہ (یعنی مس مصحف سے متعلق) اور اس سے پہلے والا مسئلہ (تلاوتِ قرآن سے متعلق) مصنف کی شرح والے نسخوں سے ساقط ہے اور شارح کا یہ ساقط کرنا اس لیے ہے کہ مصنف نے اس کو مسائل حیض میں ذکر کیا ہے۔ اور جنابت کی حالت میں کعبہ شریف کا طواف کرنا حرام

ہے اس لیے کہ اس کے لیے طہارت واجب ہے اور حدث اکبر اور حدث اصغر کے ساتھ قرآن کو ہاتھ لگانا بھی حرام ہے، یعنی جس میں کوئی آیت لکھی ہو جیسے درہم اور دیوار۔ اور کیا قرآنِ مجید کی طرح جنبی شخص اور بے وضو شخص کے لیے توریت کا چھونا بھی حرام ہے؟ حضراتِ فقہائے کرام کا ظاہر کلام اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ دیگر آسمانی کتابوں کا چھونا حرام نہیں ہے، ہاں قرآنِ کریم کو جزدان کے ساتھ یا اس درہم کو جس پر قرآنی آیت لکھی ہو تھیلی کے ساتھ چھونا حرام نہیں ہے، فتویٰ اسی قول پر ہے۔ اور جنبی شخص کے لیے قرآنِ پاک کو کسی لکڑی سے پلٹنا جائز ہے۔ اور قرآنِ کریم کو ان اعضاء سے چھونے میں اختلاف ہے جو اعضاء وضو نہیں ہیں۔ اور اس عضو سے چھونے میں اختلاف ہے جس کو دھولیا ہے اور کلی کرنے کے بعد جنبی کے لیے قرآن پڑھنے میں اختلاف ہے اور عدم جواز کا قول ان صورتوں میں اصح ہے۔

مختصر تشریح حدثِ اکبر، اس حدث کو کہا جاتا ہے جس سے شرعی اعتبار سے غسل فرض ہو جاتا ہے، جیسے جنابت، حیض و نفاس اور احتلام وغیرہ۔ تو جس شخص پر غسل فرض ہو اس کے لیے مسجد میں داخل ہونا حرام ہے۔ ہاں عیدگاہ اور جنازہ گاہ میں جنبی کے لیے داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ یہ دونوں مسجد کے حکم میں نہیں ہیں۔ اسی طرح خانقاہ اور مدرسہ بھی مسجد کے حکم میں داخل نہیں ہے، لہٰذا جنبی کے لیے خانقاہ اور مدرسہ میں داخل ہونا جائز ہے اور گذرنا بھی درست ہے۔ البتہ صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ قنیہ کی کتاب الوقف میں لکھا ہے کہ اگر کوئی مدرسہ ایسا ہے جہاں عام طور پر لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت ہے اور لوگ نماز آکر ادا کرتے ہیں تو وہ مدرسہ بھی مسجد ہی کے حکم میں ہے اور اس میں جنبی آدمی کے لیے داخل ہونا حرام ہوگا۔ لیکن علامہ شامی فرماتے ہیں کہ قنیہ کے حوالہ سے جس مدرسہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ الگ شئی ہے اور نفس مدرسہ الگ شئی ہے، مدرسہ تو تعلیم و تعلم کی جگہ ہے اس کو کسی بھی صورت میں مسجد کا حکم حاصل نہیں ہے۔ اور قنیہ میں جو مذکور ہے وہ مدرسہ نہیں ہے بلکہ مدرسہ کا وہ کمرہ مراد ہے جس میں مدرسہ کے طلباء اور اساتذۂ کرام اور دیگر حضرات نماز ادا کرتے ہیں گویا یہ مدرسہ کی مسجد ہے۔ اگر یہ مسجد بنادی گئی تو مسجد کے حکم میں ہے۔ اور اگر صرف عارضی طور پر مسجد کا کام لیا جارہا ہے تو مسجد کے حکم میں نہیں ہے اس لیے جنبی شخص کا داخل ہونا بھی اس میں جائز اور درست ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص مسجد میں موجود تھا اور اس کو احتلام ہوگیا تو وہاں سے فوراً نکل جائے، اور فوراً نکلے تو مستحب ہے کہ تیمم کرلے۔ اور دشمن کی وجہ یا جان ومال کے ضائع ہونے کی وجہ سے مسجد ہی میں رُکنے کا ارادہ ہے تو پھر تیمم کر کے رُکنا واجب ہے اور اس تیمم سے نہ تلاوت کرنا جائز ہے اور نہ ہی نماز پڑھنی درست ہے اس لیے کہ اس تیمم سے عبادت مقصودہ کی نیت نہیں کی ہے جب کہ نماز عبادتِ مقصودہ ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۱۳)

اور علامہ شامی نے فتاویٰ تاتارخانیہ سے نقل کیا ہے کہ مسجد میں باوضو داخل ہونا چاہئے، بلا وضو مسجد میں داخل ہونا مکروہ ہے۔ اسی طرح جس شخص کے بدن پر نجاست ہو وہ بھی مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا ہے، اس وجہ سے بعض علماء نے فرمایا کہ مسجد میں

اخراجِ ریح کی ضرورت محسوس کرے تو مسجد سے باہر نکل جائے۔ اور بعض علماء نے نے فرمایا کہ اگر مسجد میں خروجِ ریح پایا گیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۱۳)

جنبی آدمی کے لیے تلاوتِ قرآن کا حکم

علامہ علاؤالدین حصکفی نے مذکورہ بالا عبارت میں دوسرا مسئلہ یہ بیان فرمایا ہے کہ جنبی، حائضہ ونفساء کے لیے قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا جائز نہیں ہے خواہ ایک آیت سے کم ہی کیوں نہ ہو، مختار مذہب یہی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص جس پر غسل فرض ہے وہ قرآنِ کریم کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے مگر تلاوتِ قرآن مقصود نہیں ہے بلکہ دعاء یا ثناء یا کسی کام کے افتتاح کی غرض سے پڑھتا ہے تو جائز ہے اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، عیون میں فقیہ ابواللیث سمرقندی نے یہ بات نقل فرمائی ہے۔ اور غایہ میں ہے کہ یہی مختار مذہب ہے اور اسی کو حلوانی نے پسند فرمایا ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۱۳)

لیکن چونکہ حدیث شریف میں مطلقاً حائضہ اور جنبی شخص کو قرآن پڑھنے سے روکا گیا ہے اس لیے بعض علماء بطور دعاء بھی پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے ہیں اور عدمِ جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۱۳)

حائضہ معلمہ کو اجازت ہے کہ حالتِ حیض میں قرآنِ کریم کی تعلیم دے لیکن ایک جملہ مکمل نہ پڑھے بلکہ حکم یہ ہے کہ حائضہ معلمہ بچوں کو ہجے کرکے ایک ایک حرف پڑھائے گی۔ اور یہ حکم صرف حائضہ کے لیے ہے کیونکہ وہ مجبور ہے۔ جنبی شخص کے لیے اس طرح بھی پڑھانے کی اجازت نہیں ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ جنبی اور حائضہ میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں کا حکم یکساں ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۱۴)

ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ کو ثناء کی نیت سے پڑھتا ہے تو جائز ہے اور اس کی اجازت ہے اس لیے کہ نیت کے بدل جانے کی وجہ سے اب وہ قرآن کے حکم میں نہیں رہی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص نمازِ پنج گانہ میں سورۂ فاتحہ بغرضِ ثناء پڑھے تو نیت کے بدل جانے کی وجہ سے سورۂ فاتحہ کی قرأت نماز کے لیے کافی نہیں ہونی چاہئے اس لیے کہ قرآن کے حکم میں نہ رہی حالانکہ یہ فرمایا گیا ہے کہ یہی قرأت سورۂ فاتحہ کے لیے کافی ہوجائے گی الگ سے قرأت کرنے کی ضرورت نہیں ہے تو ایسا کیوں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نمازِ کامل میں سورۂ فاتحہ اپنے محل میں ہے اس لیے یہاں ثناء کی نیت کرنے سے حکمِ قرآن نہیں بدلے گا بلکہ قرآن ہی کے حکم میں وہ سورۃ رہے گی اور نمازِ جنازہ میں بے محل تھی اس لیے وہاں ثناء کے قصد سے حکم بدل گیا تھا۔

مسئلہ: جس شخص پر غسل فرض ہو اس کے لیے جس طرح تلاوتِ قرآن اور دخولِ مسجد جائز نہیں ہے اسی طرح اس کے لیے قرآنِ کریم کا مس کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ اسی طرح دوسری آسمانی کتابوں کا (مثلاً تورات، انجیل اور زبور وغیرہ کا) مس کرنا بھی جائز نہیں ہے، ٹھیک اسی طرح تفسیر کی کتابوں اور حدیث کی کتابوں کا چھونا بھی جنبی کے لیے جائز نہیں ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۱۴)

بے وضو شخص کے لیے مس قرآن کا حکم

جس شخص پر وضو واجب ہو اس کے لیے قرآنِ کریم کی تلاوت تو بلا کراہت جائز ہے البتہ قرآنِ کریم کا چھونا بلا وضو جائز نہیں ہے اسی طرح بلا وضو بیت اللہ شریف کا طواف کرنا بھی جائز نہیں ہے اس لیے کہ طواف کعبہ کے لیے طہارت واجب ہے اور بے وضو شخص کے لیے قرآن کا چھونا تو ناجائز ہے لیکن دیگر آسمانی کتابوں کا چھونا اسی طرح تفسیر کی کتابوں کا چھونا بھی جائز ہے، ہاں اگر قرآن کو جزدان کے ساتھ پکڑتا ہے یا ایسے غلاف کے ساتھ پکڑتا ہے جو منفصل ہو جاتا ہو تو محدث کے لیے قرآن پکڑنا جائز ہے۔ اور اگر وہ جزدان اسی میں سی دیا گیا ہو تو پھر اس کے ساتھ چھونا بھی جائز نہیں ہے۔

مسئلہ: اگر قرآنِ کریم فارسی زبان میں لکھا ہو تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک اس کا چھونا بھی حرام اور ناجائز ہے۔ اخبار، رسائل اور جرائد وغیرہ میں اگر قرآنِ کریم کی آیت لکھی ہو تو صرف اس جگہ کا چھونا حرام ہوگا جہاں آیت لکھی ہے اس کے علاوہ دوسری جگہوں کو بلا وضو چھونا جائز ہے۔

مسئلہ: اگر قرآنِ کریم کسی تھیلے یا جزدان میں رکھا ہو، یا کسی ایسے کپڑے میں لپٹا ہوا ہو جو قرآنِ کریم کے ساتھ سلا ہوا نہیں ہے تو بغیر وضو اس کا چھونا جائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی بے وضو شخص قرآنِ کریم کے اوراق کو لکڑی یا قلم وغیرہ سے اُلٹے تو یہ بھی جائز ہے اس لیے کہ مس نہیں پایا جا رہا ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۱۶)

مسئلہ: اگر کوئی ناپاک یا بے وضو شخص اپنی آستین سے قرآن پاک کو چھونا چاہے تو جائز ہوگا یا نہیں؟ تو اس بارے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء جائز کہتے ہیں اور بعض علماء مکروہ تحریمی۔ محیط میں لکھا ہے کہ جائز ہے اور کافی میں بھی یہی لکھا ہے لیکن ہدایہ میں ہے کہ ناجائز ہے اس لیے کہ آستین اس کے تابع ہے لہٰذا جو حکم اس کا ہوگا وہی حکم اس کی آستین کے لیے بھی ہوگا، عامۃ المشائخ کی یہی رائے ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۱۵)

مسئلہ: بے وضو شخص کے جسم سے جو کپڑا متصل ہے یا جس کپڑے کو زیب تن کر رکھا ہے اس سے قرآنِ کریم کو چھونا جائز نہیں ہے۔ ہاں بے وضو شخص کی آستین کی متعلق اختلاف ہے اور عامۃ المشائخ کا مذہب عدم جواز کا ہے۔

مسئلہ: محدث کی گردن پر جو رومال رکھا ہے اس سے قرآنِ کریم کا مس کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس کی حرکت کرنے سے وہ رومال کا کنارہ حرکت نہ کرے اور رومال کا کنارہ بھی حرکت کرتا ہے تو پھر اس سے بھی چھونا جائز نہیں ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۱۶)

(وَلَا يُكْرَهُ النَّظَرُ إِلَيْهِ) أَيِ الْقُرْآنِ (لِجُنُبٍ وَحَائِضٍ وَنُفَسَاءَ) لِأَنَّ الْجَنَابَةَ لَا تَحِلُّ الْعَيْنَ (كَمَا لَا تُكْرَهُ (أَدْعِيَةٌ) أَيْ تَحْرِيمًا، وَإِلَّا فَالْوُضُوءُ لِمُطْلَقِ الذِّكْرِ مَنْدُوبٌ، وَتَرْكُهُ خِلَافُ الْأَوْلَى، وَهُوَ مَرْجِعُ كَرَاهَةِ التَّنْزِيهِ.(وَلَا) يُكْرَهُ (مَسُّ صَبِيٍّ لِمُصْحَفٍ وَلَوْحٍ)وَلَا بَأْسَ بِدَفْعِهِ إِلَيْهِ وَطَلَبِهِ مِنْهُ لِلضَّرُورَةِ إِذِ الْحِفْظُ فِي الصِّغَرِ كَالنَّقْشِ فِي الْحَجَرِ.(وَ) لَا تُكْرَهُ (كِتَابَةُ قُرْآنٍ وَالصَّحِيفَةُ أَوِ اللَّوْحُ

عَلَى الْأَرْضِ عِنْدَ الثَّانِي) خِلَافًا لِلْمُحَمَّدِ. وَيَنْبَغِي أَنْ يُقَالَ إِنْ وُضِعَ عَلَى الصَّحِيفَةِ مَا يَحُولُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ يَدِهِ يُؤْخَذُ بِقَوْلِ الثَّانِي وَإِلَّا فَبِقَوْلِ الثَّالِثِ قَالَهُ الْحَلَبِيُّ. (وَيُكْرَهُ لَهُ قِرَاءَةُ تَوْرَاةٍ وَإِنْجِيلٍ وَزَبُورٍ) لِأَنَّ الْكُلَّ كَلَامُ اللّٰهِ وَمَا بُدِّلَ مِنْهَا غَيْرُ مُعَيَّنٍ. وَجَزَمَ الْعَيْنِيُّ فِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ بِالْحُرْمَةِ وَخَصَّهَا فِي النَّهْرِ بِمَا لَمْ يُبَدَّلْ (لَا) قِرَاءَةَ (قُنُوتٍ) وَلَا أَكْلَهُ وَشُرْبَهُ بَعْدَ غَسْلِ يَدٍ وَفَمٍ، وَلَا مُعَاوَدَةَ أَهْلِهِ قَبْلَ اغْتِسَالِهِ إِلَّا إِذَا احْتَلَمَ لَمْ يَأْتِ أَهْلَهُ. قَالَ الْحَلَبِيُّ: ظَاهِرُ الْأَحَادِيثِ إِنَّمَا يُفِيدُ النَّدْبَ لَا نَفْيَ الْجَوَازِ الْمُفَادِ مِنْ كَلَامِهِ. (وَالتَّفْسِيرُ كَمُصْحَفٍ لَا الْكُتُبُ الشَّرْعِيَّةُ) فَإِنَّهُ رَخَّصَ مَسَّهَا بِالْيَدِ لَا التَّفْسِيرِ كَمَا فِي الدُّرَرِ عَنْ مَجْمَعِ الْفَتَاوَى. وَفِي السِّرَاجِ: الْمُسْتَحَبُّ أَنْ لَا يَأْخُذَ الْكُتُبَ الشَّرْعِيَّةَ بِالْكُمِّ أَيْضًا تَعْظِيمًا، لَكِنْ فِي الْأَشْبَاهِ مِنْ قَاعِدَةِ: إِذَا اجْتَمَعَ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ رُجِّحَ الْحَرَامُ. وَقَدْ جَوَّزَ أَصْحَابُنَا مَسَّ كُتُبِ التَّفْسِيرِ لِلْمُحْدِثِ، وَلَمْ يَفْصِلُوا بَيْنَ كَوْنِ الْأَكْثَرِ تَفْسِيرًا أَوْ قُرْآنًا، وَلَوْ قِيلَ بِهِ اعْتِبَارًا لِلْغَالِبِ لَكَانَ حَسَنًا قُلْت: لَكِنَّهُ يُخَالِفُ لِمَا مَرَّ فَتَدَبَّرْ.

ترجمہ جنبی حائضہ اور نفساء کے لیے قرآنِ کریم کو دیکھنا مکروہ نہیں ہے اس لیے کہ ناپاکی آنکھ میں حلول نہیں کرجاتی ہے جیسا کہ بے طہارت والے کا دعاؤں کا پڑھنا مکروہ تحریمی نہیں ہے مطلق ذکر کی لیے وضو کرنا مستحب ہے اور مستحب کا ترک کرنا خلافِ اولیٰ ہے اور خلافِ اولیٰ کے ترک کا نتیجہ مکروہ تنزیہی ہے۔ اور بچہ کے لیے قرآنِ کریم کا چھونا یا اس تختی کا چھونا جس پر قرآن پاک لکھا ہوا ہو مکروہ نہیں ہے۔ اور بالغ باوضو شخص کا قرآنِ کریم اُٹھا کر بے وضو بچہ کو دینے میں یا بے وضو لڑکے سے قرآنِ کریم کو لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لیے کہ بچپنے میں رٹ لینا ایسا ہے جیسا کہ پتھر پر نقش کرنا ہے۔ اور مکروہ نہیں ہے جنبی شخص کی لیے قرآنِ کریم کی کتابت کرنا اس طرح کہ کاغذ یا تختی جس پر لکھ رہا ہو زمین پر ہو یہ عدم کراہت کا حکم حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے۔ حضرت امام محمدؒ کا اس میں اختلاف ہے وہ مکروہ فرماتے ہیں۔ اور مناسب یہ ہے کہ کہا جائے کہ اگر کاغذ اور تختی کے درمیان کوئی شئی حائل ہے تو حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول لیا جائے اور اگر کوئی شئی حائل نہیں ہے تو حضرت امام محمدؒ کا قول لیا جائے یعنی مکروہ کہا جائے اسی کو حلبی نے کہا ہے۔ جنبی حائضہ اور نفاس والی عورت کے لیے توریت، انجیل اور زبور پڑھنا بھی مکروہ ہے اس لیے کہ یہ سب کا سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور جہاں جہاں تبدیلی ہوئی وہ متعین نہیں ہے عینی نے شرح المجمع میں حرمت کا یقین کیا ہے یعنی ایسا کرنا حرام ہے۔ اور صاحب النہر الفائق نے اس حرمت کے حکم کو اس حصہ کے ساتھ خاص کیا ہے جس میں تحریف نہ ہوئی ہو۔ اور جنبی حائضہ اور نفاس والی عورت کی لیے دعاءِ قنوت پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ اسی طرح کھانا پینا بھی ہاتھ منہ دھونے کے بعد مکروہ نہیں ہے اور جنبی شخص کا غسل کرنے سے پہلے دوبارہ اپنی بیوی سے جماع کرنا مکروہ نہیں ہے مگر اس صورت میں جب کہ اسکی جنابت احتلام کی وجہ سے ہو تو بغیر غسل کئے اپنی اہلیہ سے جماع نہیں کرنا چاہئے (یہ روایت فتح القدیر میں منتقی سے لی گئی

ہے) اور حلبی نے فرمایا کہ ظاہر حدیث شریف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ جماع سے قبل درمیان میں غسل کرنا مستحب ہے، نفی جواز معلوم نہیں ہوتا ہے یعنی یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ بغیر غسل کے دوبارہ جماع جائز نہیں ہے۔

اور کتب تفسیر کا حکم اس باب میں قرآنِ کریم کی طرح ہے (یعنی جنبی وحائضہ اور نفاس والی عورت کے لیے کتب تفسیر کا چھونا جائز نہیں ہے) دوسری شرعی کتابیں اس حکم میں داخل نہیں ہیں۔ کتب شرعی کو بلا طہارت ہاتھ سے چھونے کی اجازت ہے لیکن تفسیر کی کتابوں کو بلا طہارت ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں ہے۔ جیسا کہ درر میں مجمع الفتاویٰ سے منقول ہے۔ اور سراج الوہاج میں ہے کہ مستحب یہ ہے کہ شرعی کتابیں آستین سے احتراماً نہ پکڑی جائیں۔ لیکن الاشباہ والنظائر میں ایک قاعدہ ہے کہ جب حلال وحرام دونوں جمع ہو جائیں تو حرام کو حلال پر ترجیح ہوگی۔ اور ہمارے علماء احناف نے کتب تفسیر کو بے وضو چھونے کو جائز قرار دیا ہے اور یہ تفصیل نہیں بیان فرمائی ہے کہ اس میں تفسیر کی عبارت زیادہ ہے یا قرآن کی۔ اور اگر کہا جائے کہ اس بارے میں اگر غالب کا اعتبار کیا جائے تو بہت بہتر ہوگا، میں کہتا ہوں کہ اشباہ کا قول اس متن کے مخالف ہے جو پہلے گذرا، لہٰذا اس میں غور کر لینا چاہئے۔

مختصر تشریح صاحب درمختار نے اس عبارت میں مختلف مسائل ذکر کئے ہیں جن میں سے چند اہم مسائل یہ ہیں:

مسئلہ: جنبی، حائضہ اور نفاس والی عورت کے لیے قرآنِ کریم دیکھنا مکروہ نہیں ہے اس لیے کہ جنابت آنکھوں میں حلول نہیں کرتی ہے۔ صاحب کتاب نے دیکھنے کے جواز کی علت عدم حلول جنابت قرار دیا ہے حالانکہ یہ بات پہلے آچکی ہے کہ جنابت پورے جسم میں حتیٰ کہ آنکھوں میں بھی حلول کر جاتی ہے لیکن حرج کی وجہ سے اندر کے حصہ کو دھونا ساقط ہو گیا ہے، تو یہاں یہ کہنا کہ آنکھوں میں جنابت حلول نہیں کرتی ہے درست نہیں ہے اسی لیے علامہ شامی نے اس کے جواز کی علت عدم مس قرار دیا ہے یعنی مس نہ ہونے کی وجہ سے دیکھنا جائز ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۱۶)

مسئلہ: نابالغ بچہ کا قرآن کریم کا چھونا مکروہ نہیں ہے اس لیے کہ اگر اس کو بار بار وضو کرنے کے لیے کہا جائے گا تو اس کو مشقت میں ڈالنا ہوگا اور بلوغ کے انتظار میں حفظ نہ کرانا قرآن کے مسئلہ کو نقصان پہنچانا ہے اس لیے کہ بچوں کا قرآن رٹ کر یاد کر لینا بالکل اس طرح محفوظ ہو جاتا ہے گویا کسی پتھر پر نقش کر دیا گیا ہے۔ اسی لیے بچوں اور مدارس میں قرآنِ کریم کے حفظ کرنے والے نابالغ طلبہ کے لیے مس قرآن کے لیے وضو شرط نہیں ہے۔

مسئلہ: جنبی، حائضہ اور نفاس والی عورت کے لیے قرآنِ کریم کے علاوہ دیگر آسمانی کتابیں مثلاً توریت، زبور، انجیل پڑھنا بھی مکروہ ہے اس لیے کہ یہ تمام کتابیں کلام الٰہی ہیں اور جو تحریف شدہ ہے وہ متعین نہیں ہے اس لیے پڑھنا جائز نہیں ہے اور یہی قول اصح بھی ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۱۷)

مسئلہ: ایک مرتبہ جماع کرنے کے بعد بغیر غسل کئے دوبارہ بیوی سے جماع کرنا جائز ہے اس میں کسی طرح کی کوئی کراہت نہیں ہے البتہ خلاف اولیٰ ہے۔ اور جس شخص کو احتلام کی وجہ سے جنابت لاحق ہوئی ہو اس کے لیے لکھا ہے کہ بغیر غسل

کئے بیوی سے جماع نہ کرے بلکہ غسل کرنے کے بعد جماع کرے۔ اس کی وجہ علامہ شامی نے فقیہ ابو اللیث صاحب بستان کے حوالہ سے یہ لکھی ہے کہ اگر اس جماع سے بچہ پیدا ہوا تو وہ بخیل اور مجنون ہوگا۔ پھر علامہ شامی نے حلبی کے حوالہ سے یہ بات لکھی ہے کہ اس کے قول کا ظاہر اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ احتلام سے جنابت لاحق ہونے والے کے لیے بیوی سے قبل الغسل جماع کی ممانعت کے سلسلہ میں کوئی حدیث شریف ہو، لیکن جہاں تک ہمارا مبلغ علم ہے ہمیں کوئی حدیث اس بارے میں نہیں ملی ہے جب ایک بار بیوی سے جماع کے بعد بغیر غسل کئے دوبارہ جماع کرنا درست ہے تو اسی طرح احتلام کے بعد بھی بدون الغسل بیوی سے جماع درست ہونا چاہئے، یہ اور بات ہے کہ درمیان میں غسل کر لینا بہتر ہے باقی یہ کہ بدون الغسل دوبارہ جماع حرام ہو قطعاً درست نہیں ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کئی ازواجِ مطہرات سے صحبت فرماتے اور سب کے بعد ایک ہی غسل فرماتے۔ اس طرح کی حدیث سے معلوم ہوا کہ احتلام کے بعد بھی جماع بدون الغسل جائز ہے۔ (شامی:۱/ ۳۱۸)

مسئلہ: حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو احتلام نہیں ہوتا ہے، جملہ انبیاء ورسول اس سے محفوظ ہوتے ہیں۔ (شامی:۱/ ۳۱۹)

مسئلہ: عبارت میں صاحب کتاب نے جو کتب شرعیہ کا ذکر فرمایا ہے تو اس سے مراد کتب حدیث وفقہ ہیں، خلاصہ میں لکھا ہے کہ جس طرح جنبی شخص کے لیے قرآن کریم کا چھونا مکروہ تحریمی ہے اسی طرح فقہی کتابوں اور حدیث کی کتابوں کو چھونا بھی صاحبین کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اصح قول یہ ہے کہ کتب حدیث وفقہ کا بے وضو شخص کے لیے چھونا مکروہ نہیں ہے، لیکن فتح القدیر میں کراہت کا قول مذکور ہے، چناں چہ لکھا ہے کہ علماء نے فرمایا کہ تفسیر، فقہ اور سنن کو بے وضو چھونا مکروہ ہے اس لیے کہ ان کتابوں میں عموماً قرآنی آیات ہوتی ہیں اور یہ کتابیں عام طور پر قرآنی آیات سے خالی نہیں ہوتی ہیں اس بارے میں مفتی بہ قول یہ ہے کہ جس کتاب میں قرآن کے الفاظ زیادہ ہوں تو اس کو بے وضو چھونا جائز نہیں ہے اور اگر الفاظ قرآن کم ہیں اور تفسیر اور فقہی عبارت زیادہ ہے تو اس کو بلا وضو چھونا جائز ہے، باقی احتیاط اور تقویٰ یہ ہے کہ کتب تفسیر وفقہ کو بھی بلا وضو نہ چھوا جائے بلکہ وضو کر کے چھوئے۔ (شامی:۱/ ۳۲۵)

[فُرُوعٌ] الْمُصْحَفُ إِذَا صَارَ بِحَالٍ لَا يُقْرَأُ فِيهِ يُدْفَنُ كَالْمُسْلِمِ، وَيُمْنَعُ النَّصْرَانِيُّ مِنْ مَسِّهِ، وَجَوَّزَهُ مُحَمَّدٌ إِذَا اغْتَسَلَ وَلَا بَأْسَ بِتَعْلِيمِهِ الْقُرْآنَ وَالْفِقْهَ عَسَى يَهْتَدِي. وَيُكْرَهُ وَضْعُ الْمُصْحَفِ تَحْتَ رَأْسِهِ إِلَّا لِلْحِفْظِ وَالْمِقْلَمَةِ عَلَى الْكِتَابِ إِلَّا لِلْكِتَابَةِ. وَيُوضَعُ النَّحْوُ ثُمَّ التَّعْبِيرُ ثُمَّ الْكَلَامُ ثُمَّ الْفِقْهُ ثُمَّ الْأَخْبَارُ وَالْمَوَاعِظُ ثُمَّ التَّفْسِيرُ. تُكْرَهُ إِذَابَةُ دِرْهَمٍ عَلَيْهِ آيَةٌ إِلَّا إِذَا كَسَرَهُ رُقْيَةً فِي غِلَافٍ مُتَجَافٍ لَمْ يُكْرَهْ دُخُولُ الْخَلَاءِ بِهِ، وَالِاحْتِرَازُ أَفْضَلُ. يَجُوزُ رَمْيُ بُرَايَةِ الْقَلَمِ الْجَدِيدِ، وَلَا تُرْمَى بُرَايَةُ الْقَلَمِ الْمُسْتَعْمَلِ لِاحْتِرَامِهِ كَحَشِيشِ الْمَسْجِدِ وَكُنَاسَتِهِ لَا يُلْقَى فِي مَوْضِعٍ يُخِلُّ بِالتَّعْظِيمِ. وَلَا يَجُوزُ لَفُّ شَيْءٍ فِي كَاغَدٍ فِيهِ فِقْهٌ، وَفِي كُتُبِ الطِّبِّ يَجُوزُ، وَلَوْ فِيهِ اسْمُ اللَّهِ أَوْ

الرَّسُوْلِ فَيَجُوزُ مَحْوُهُ لِيَلُفَّ فِيهِ شَيْئًا، وَمَحْوُ بَعْضِ الْكِتَابَةِ بِالرِّيقِ يَجُوزُ، وَقَدْ وَرَدَ النَّهْيُ فِي مَحْوِ اسْمِ اللَّهِ بِالْبُزَاقِ، وَعَنْهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - «الْقُرْآنُ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى مِنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ» . يَجُوزُ قُرْبَانُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتٍ فِيهِ مُصْحَفٌ مَسْتُورٌ. بِسَاطٌ أَوْ غَيْرُهُ كُتِبَ عَلَيْهِ الْمُلْكُ لِلَّهِ يُكْرَهُ بَسْطُهُ وَاسْتِعْمَالُهُ لَا تَعْلِيقُهُ لِلزِّينَةِ. وَيَنْبَغِي أَنْ لَا يُكْرَهَ كَلَامُ النَّاسِ مُطْلَقًا، وَقِيلَ: يُكْرَهُ مُجَرَّدُ الْحُرُوفِ وَالْأَوَّلُ أَوْسَعُ، وَتَمَامُهُ فِي الْبَحْرِ، وَكَرَاهِيَةُ الْقُنْيَةِ.
قُلْتُ: وَظَاهِرُ انْتِفَاءِ الْكَرَاهَةِ بِمُجَرَّدِ تَعْظِيمِهِ وَحِفْظِهِ عُلِّقَ أَوْ لَا زُيِّنَ بِهِ أَوْ لَا، وَهَلْ مَا يُكْتَبُ عَلَى الْمَرَاوِحِ وَجُدُرِ الْجَوَامِعِ كَذَا يُحَرَّرُ.

ترجمہ قرآنِ مجید اگر اس طرح بوسیدہ ہو جائے کہ وہ پڑھنے کے قابل بالکل نہ رہے (یا اس قدر باریک خط میں لکھا ہے کہ اس کا پڑھنا دشوار ہو) تو اس کو مسلمان میت کی طرح دفن کر دے۔ اور نصرانی شخص کو قرآنِ مجید چھونے سے منع کیا جائے گا۔ اور حضرت امام محمدؒ نے کافروں کے لیے قرآن چھونے کی اجازت دی ہے، جب کہ اس نے غسل کر لیا ہو۔ اور کافروں کو قرآن اور فقہ کی تعلیم دینے میں کوئی حرج نہیں ہے ممکن ہے اس کی برکت سے وہ ہدایت پا جائے اور اسلام قبول کر لے۔ اور قرآنِ پاک کو سر کے نیچے رکھنا مکروہ ہے لیکن اگر بغرضِ حفاظت سر کے نیچے رکھ لے تو پھر مکروہ نہیں ہے۔ اسی طرح قلمدان کا کسی کتاب پر رکھنا مکروہ ہے۔ ہاں اگر لکھنے کی غرض سے رکھے تو جائز ہے۔ اور کتابوں کے رکھنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ نیچے نحو کی کتابیں رکھی جائیں، ان کے اوپر فن تعبیر کی کتابیں رکھی جائیں، ان کے اوپر علم کلام وعقائد کی کتابیں ہوں ان کے اوپر فقہ ہو، ان کے اوپر احادیث اور پند و مواعظ کی کتابیں ہوں، ان کے اوپر تفسیر کی کتابیں ہوں۔ اور جس درہم پر قرآنِ کریم کی آیت کندہ ہو اس کو پگھلانا اور گلانا مکروہ ہے، ہاں اگر وہ درہم توڑ دیا جائے تو پھر اس کو پگھلانا مکروہ نہیں ہے۔ جو تعویذ کسی علیحدہ غلاف میں ہو اس کو بیت الخلاء میں لے جانا مکروہ نہیں ہے لیکن بیت الخلاء میں لے جانے سے بچنا افضل اور بہتر ہے۔ اور نیا قلم بنانے میں جو تراشا نکلے اس کا پھینکنا جائز ہے، لیکن وہ قلم جو استعمال شدہ ہو اس کا تراشا اس کے احترام میں نہیں پھینکا جائے گا جس طرح کہ مسجد کی گھاس اور کوڑا ایسی جگہ میں نہ ڈالا جائے جو اس کی تعظیم کے منافی ہو۔

اور ایسا کاغذ جس میں فقہی مسائل ہوں اس میں کسی چیز کا لپیٹنا جائز نہیں ہے اور جس کاغذ میں طب کے مسائل ہوں اس میں لپیٹنا جائز ہے۔ اگر کاغذ میں اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کا نام ہو تو اس کو اس غرض سے مٹانا کہ اس میں کوئی چیز لپیٹیں گے جائز ہے۔ اور کچھ لکھے ہوئے حروف کو تھوک سے مٹا دینا بھی جائز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نام کو تھوک سے مٹانے کے متعلق نہی وارد ہے رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے نزدیک آسمان و زمین اور جو کچھ اس میں ہے سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے۔ اور جس گھر یا کمرہ میں قرآنِ کریم چھپا کر رکھا ہو اس میں عورت سے جماع کرنا جائز ہے۔ اور بستر یا اس کے علاوہ

تکیہ وغیرہ پر الملک للہ لکھا ہو تو اس کا بچھانا اور اس کا استعمال کرنا مکروہ ہے، لیکن زینت کے واسطے اس کے لٹکانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور لوگوں کا کلام لکھا ہو تو اس کے استعمال میں مطلقاً کوئی کراہت نہیں ہے، جس طرح چاہے استعمال کرے۔ اور کہا گیا ہے کہ صرف حروف کا روندنا مکروہ ہے لیکن قولِ اوّل اوسع ہے اور اس کی تفصیل البحر الرائق اور قنیہ کی کتاب الکراہیۃ میں مذکور ہے۔
میں کہتا ہوں کہ ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ کراہت کا انتفاء صرف اس کی تعظیم وحفاظت کی بنیاد پر ہے، خواہ لٹکائے یا نہ لٹکائے اس کے ذریعہ سے زینت وزیبائش کرے یا نہ کرے، باقی جو پنکھوں اور جامع مسجد کی دیوار پر لکھا جاتا ہے اس کا حکم بھی وہی ہے جو اس فرش کا ہو جس پر لکھا ہوا ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں وہی حکم ہے اور مکروہ ہے۔

مختصر تشریح علامہ حصکفی فرماتے ہیں کہ جو قرآن پاک بالکل نا قابل استعمال ہو گیا ہو اور اوراق بالکل بوسیدہ ہو چکے ہوں تو اس کو نہایت احتیاط کے ساتھ کسی پاک کپڑے میں لپیٹ کر کسی ایسی جگہ دفن کر دینا چاہئے جو روندی نہ جاتی ہو۔ بوسیدہ قرآن جو بالکل نا قابل استعمال ہو اس کو دفن کے لیے باقاعدہ لحدی قبر بنائے، صرف گڈھا نہ بنائے اور قرآن کو کپڑے میں لپیٹ کر لحد میں رکھا جائے اسکے بعد لکڑی کی چھت دی جائے پھر مٹی ڈالی جائے، تا کہ قرآن کے اوپر مٹی نہ پڑے۔ (شامی: ۱/ ۳۲۰)

مسئلہ: قرآنِ کریم کے علاوہ جو دوسری مذہبی کتابیں ہیں ان کے بارے میں حکم یہ ہے کہ ان میں جو اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور رسولوں کا نام ہے اس کو مٹا دیا جائے، پھر بقیہ کو جلا دیا جائے اور جاری پانی میں ڈال دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر ان کو بھی احتیاط سے دفن کر دیا جائے تو یہ زیادہ مناسب ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۲۱)

مسئلہ: کافروں کو قرآنِ کریم کے چھونے سے روکا جائے گا اور ان کو قرآن چھونے کی اجازت نہیں دی جائے گی، ہاں اگر امید ہو کہ وہ راہِ راست پر آ سکتے ہیں تو جس طرح تعلیم قرآن کافروں کے لیے جائز ہے اسی طرح چھونے کی بھی اجازت ہوگی۔ اور اگر یہ توقع ہو کہ قرآن وفقہ سیکھ کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کریں گے تو پھر کافروں کو قرآن وفقہ سکھانا بھی جائز نہ ہوگا۔

مسئلہ: قرآنِ کریم کو سر کے نیچے بغرضِ حفاظت رکھنا جائز ہے لیکن بلا ضرورت قرآنِ کریم سر کے نیچے رکھنا جائز نہیں ہے اس طرح کتابوں کے اوپر دواۃ کو بلا ضرورت رکھنا بھی جائز نہیں ہے، ہاں اگر لکھنے کے لیے بیٹھا ہے اور دواۃ کتابوں پر رکھی جائے تو جائز ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۲۱)

کتابوں کے رکھنے کی ترتیب

کتابوں کے رکھنے کی ترتیب یہ ہے کہ سب سے نیچے نحو اور لغت کی کتاب رکھی جائے اس کے اوپر فن تعبیر کی کتاب رکھی جائے، اس کے اوپر علم کلام وعقائد کی کتاب رکھی جائے، اس کے اوپر فقہ کی کتاب رکھی جائے، اس کے اوپر احادیث اور مواعظ کی کتاب رکھی جائے، پھر سب سے اوپر تفسیر کی کتاب رکھی جائے، پھر سب سے اوپر قرآن کریم کو رکھا جائے، اس لیے کہ قرآن تمام کتابوں میں افضل اور اعلیٰ کتاب ہے لہٰذا یہ سب سے اوپر ہوگی۔

مسئلہ: جس درہم پر قرآنِ کریم کی کوئی آیت یا اللہ تعالیٰ کا نام کندہ ہو اس کو پگھلانا اور گلانا جائز نہیں ہے اس لیے کہ اس میں قرآن کی آیت اور اللہ تعالیٰ کے نام کی توہین اور بے ادبی ہے۔ ہاں اگر درہم کو توڑ کر پگھلایا جائے تو جائز ہے اس لیے کہ جو درہم ٹوٹ جاتا ہے اس کے حروف بکھر جاتے ہیں اس لیے اس کے گلانے میں آیت کی توہین نہیں ہے اور اگر کسی درہم پر ایک آیت سے کم کندہ ہو تو اس کو توڑنے سے قبل بھی گلانا جائز ہے۔ (شامی: ۱/۳۲۱)

مسئلہ: اگر کوئی شخص نیا قلم بنائے تو اس سے جو تراشا نکلے اس کو پھینک دینا جائز ہے لیکن جو قلم مستعمل ہو اور اس سے لکھا جاتا ہو اس کا تراشا قابلِ احترام ہے اس لیے کہ اس قلم سے اسماءِ الٰہیہ اور صفاتِ باری تعالیٰ اور دین واسلام کی باتیں لکھی جاتی ہیں لہٰذا اس کے تراشے کو ایسی جگہ پھینکا نہیں جائے گا جہاں اس کی توہین ہوتی ہو، جس طرح مسجد کی گھاس اور اس کے کوڑے کو ایسی جگہ نہیں ڈالا جائے گا جہاں اس کی توہین ہو۔

مسئلہ: جس کاغذ میں فقہ کی عبارت لکھی ہو یا مسائل فقہ درج ہوں اس کاغذ میں کسی چیز کو لپیٹ کر رکھنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی ایسے کاغذ کا لفافہ بنانا درست ہے، ہاں طب کے مسائل جس کاغذ میں لکھے ہوں اس کا لفافہ بنانا اس میں کسی چیز کو لپیٹنا سب جائز ہیں۔

مسئلہ: اگر کسی کاغذ میں اللہ تعالیٰ کا نام، یا رسول اللہ ﷺ کا نام لکھا ہو تو اگر اسماءِ مبارکہ کو مٹا کر اس میں کسی سامان وغیرہ کو رکھا جائے یا اس کا لفافہ بنایا جائے تو جائز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نام کو تھوک سے مٹانا بے ادبی ہے، لہٰذا اسماءِ الٰہیہ کو تھوک سے نہ مٹانا چاہئے، حدیث شریف میں اس سلسلے میں نہی وارد ہے۔

مسئلہ: جس گھر میں قرآنِ مجید لٹکا ہوا ہو اور جزدان میں بند ہو اس گھر میں شوہر کے لیے بیوی سے جماع کرنا جائز ہے اور فتاویٰ خانیہ میں ہے جس کمرہ میں مصحف شریف ہو اس گھر میں خلوت کرنا اور مجامعت کرنا جائز ہے اسمیں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ مسلمانوں کے گھروں میں قرآن شریف تو بہر حال ہوگا۔ اس لیے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ (شامی: ۱/۳۲۲)

مسئلہ: اگر بستر یا تکیہ وغیرہ پر "الملک للہ" لکھا ہو تو اس کو بچھانا اور اس کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ اس صورت میں اس کی بے ادبی ہے، ہاں اگر اس کو سجاوٹ اور زینت کے لیے لٹکا دے تو جائز ہے اس میں کسی طرح کی کوئی قباحت نہیں ہے۔ اور اگر کسی جگہ انسانی کلام لکھا ہو تو اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے مگر اس لحاظ سے کہ تمام حروف قابلِ تعظیم ہیں ایسی جگہ استعمال نہ کرے جس سے ان حروف کی بے ادبی ہو۔

مسئلہ: صاحب فتح القدیر نے لکھا ہے کہ قرآنِ کریم کی آیتوں اور اسمائے الٰہی کو دراہم، محراب اور دیواروں پر لکھنا اور ان چیزوں پر لکھنا جن کو بچھایا جاتا ہے جائز نہیں ہے بلکہ وہ مکروہ ہے اس لیے اس سے بچنا چاہئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم

☆☆☆

بَابُ الْمِیَاہ

جب صاحب درمختار علامہ علاؤالدین حصکفی فرائض وضو، سنن وضو، فرائض غسل، سنن غسل اور مستحبات غسل نیز جنبی کے لیے کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے؟ کے بیان سے فارغ ہوگئے تو اب یہاں سے ان چیزوں کا بیان فرمارہے ہیں جن سے طہارت حاصل ہوتی ہے یعنی اب صاحب کتاب پانی کے احکام اور اس کے ضروری مسائل ذکر فرمارہے ہیں تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ کس طرح کے پانی سے وضو اور غسل جائز ہے اور کس طرح کے پانی سے جائز نہیں، کون سا پانی پاک ہے اور کون سا پانی ناپاک اور کس کس پانی سے طہارت جائز ہے اور کس کس پانی سے طہارت حاصل کرنا ناجائز ہے اور طہارت حاصل نہیں ہوتی ہے ان ہی سب چیزوں کو اس باب میں صاحب کتاب بیان فرمائیں گے۔

جَمْعُ مَاءٍ بِالْمَدِّ وَيُقْصَرُ، أَصْلُهُ مَوَهٌ قُلِبَتْ الْوَاوُ أَلِفًا وَالْهَاءُ هَمْزَةً، وَهُوَ جِسْمٌ لَطِيفٌ سَيَّالٌ بِهِ حَيَاةُ كُلِّ نَامٍ (يَرْفَعُ الْحَدَثَ) مُطْلَقًا (بِمَاءٍ مُطْلَقٍ) هُوَ مَا يَتَبَادَرُ عِنْدَ الْإِطْلَاقِ (كَمَاءِ سَمَاءٍ وَأَوْدِيَةٍ وَعُيُونٍ وَآبَارٍ وَبِحَارٍ وَثَلْجٍ مُذَابٍ) بِحَيْثُ يَتَقَاطَرُ وَبَرَدٍ وَجَمْدٍ وَنَدًا، هَذَا تَقْسِيمٌ بِاعْتِبَارِ مَا يُشَاهَدُ وَإِلَّا فَالْكُلُّ مِنْ السَّمَاءِ ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً﴾ الْآيَةَ، وَالنَّكِرَةُ وَلَوْ مُثْبَتَةً فِي مَقَامِ الِامْتِنَانِ تَعُمُّ (وَمَاءِ زَمْزَمَ) بِلَا كَرَاهَةٍ وَعَنْ أَحْمَدَ يُكْرَهُ (وَبِمَاءٍ قُصِدَ تَشْمِيسُهُ بِلَا كَرَاهَةٍ) وَكَرَاهَتُهُ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ طِبِّيَّةٌ، وَكَرِهَ أَحْمَدُ الْمُسَخَّنَ بِالنَّجَاسَةِ. (وَ) يُرْفَعُ (بِمَاءٍ يَنْعَقِدُ بِهِ مِلْحٌ لَا بِمَاءٍ) حَاصِلٍ بِذَوَبَانِ (مِلْحٍ) لِبَقَاءِ الْأَوَّلِ عَلَى طَبِيعَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ، وَانْقِلَابِ الثَّانِي إلَى طَبِيعَةِ الْمِلْحِيَّةِ

ترجمہ لفظ "مِیاہ" اس ماء کی جمع ہے جس میں الف کے بعد ہمزہ ہے اور کبھی بے ہمزہ بھی استعمال کرتے ہیں۔ ماء کی اصل موہ ہے، واؤ کو الف سے اور ہاء کو ہمزہ سے بدل دیا گیا لہٰذا ماء ہوگیا۔ پانی ایک لطیف و پاکیزہ بہنے والا جسم ہے جس سے ہر بڑھنے والی چیز کی زندگی متعلق ہے اور مطلق پانی سے ہر طرح کے حدث کو دور کیا جاسکتا ہے (خواہ حدث اصغر ہو یا حدث اکبر ہو) اور مطلق پانی اس کو کہتے ہیں جس کی طرف نام لیتے ہی ذہن سبقت کرے، جیسے آسمان کا پانی، وادیوں کا پانی، چشموں کا پانی، کنوؤں کا پانی، دریاؤں کا پانی اور اس پگھلے ہوئے برف کا پانی جو ٹپکتا ہو اور اولے کا پانی اور پالا اور شبنم کا پانی۔ اور پانی کی قسمیں بظاہر اس اعتبار سے ہیں جو مشاہدہ میں آتا ہے۔ اور اگر ظاہر کا اعتبار نہ کیا جائے تو ہر قسم کا پانی درحقیقت آسمان سے اترا ہوا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً﴾ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا۔ اور نکرہ اگرچہ مقامِ اثبات میں ہے لیکن مقامِ شکر و احسان میں ہونے کی وجہ سے عموم کا فائدہ دے گا۔ اور زمزم کے پانی سے بلا کسی کراہت حدث دور کیا جاسکتا ہے (خواہ حدث اکبر ہو یا حدث اصغر) اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے منقول ہے کہ زمزم کے پانی

سے طہارت حاصل کرنا مکروہ ہے اور جس پانی کو قصداً دھوپ میں رکھا گیا ہو اس سے طہارت بلا کراہت درست ہے اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک دھوپ سے گرم شدہ پانی سے طہارت حاصل کرنا از روئے طب مکروہ ہے (اس سے برص کی بیماری پیدا ہوتی ہے) اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اس پانی سے طہارت حاصل کرنا مکروہ ہے جو نجاست سے گرم کیا گیا ہو اور اس پانی سے بھی حدث دور ہوتا ہے جس سے نمک جمتا ہے البتہ اس پانی سے طہارت حاصل نہیں ہوتی ہے جو نمک سے پگھل کر تیار ہوا ہو اس لیے کہ پہلا پانی اپنی اصلی طبیعت پر باقی رہتا ہے اور دوسرا پانی نمک بن جانے کی طرف بدل جاتا ہے۔

مختصر تشریح باب کے لغوی معنی وہ شئی ہے جس کے ذریعہ کسی غیر کی جانب پہنچا جائے، یعنی دروازہ۔ اور اصطلاحی معنی میں باب مسائل فقہیہ کے ایک مخصوص حصہ کو کہتے ہیں، جو چند فصول اور مسائل پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور ''میاہ'' ماء کی جمع ہے اور جمع کثرت ہے اور میاہ کی جمع قلت امواہ کے وزن پر لائی جاتی ہے۔

پانی کی تعریف

صاحب درمختار علامہ حصکفی فرماتے ہیں کہ پانی اس جسم لطیف سیال کو کہتے ہیں جس کے ساتھ ہر بڑھنے والی مخلوق کی زندگی وابستہ ہے، خواہ وہ جاندار ہو یا غیر جاندار۔

مطلق پانی کی تعریف

منح الغفار میں لکھا ہے کہ مطلق پانی اس پانی کو کہتے ہیں جو اپنے پیدائشی اوصاف پر ہو اس میں کوئی نجاست وغیرہ ملی نہ ہو یا کوئی گاڑھی شئی نہ ہو جو اس پر غالب آگئی ہو۔ اور شارح موصوف فرماتے ہیں کہ مطلق پانی اس کو کہتے ہیں جس کی جانب فوراً ذہن سبقت کرے، یعنی جوں ہی پانی کا نام لیا جائے تو فوراً جس پانی کی طرف ذہن منتقل ہو وہی مطلق پانی ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۲۳)

مطلق پانی سے ہر طرح کی نجاست اور حدث دور کرنا جائز ہے خواہ حدث اکبر ہو یا حدث اصغر ہو دونوں طرح کے حدثوں کو مطلق پانی سے دور کرنا جائز ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۲۳)

مطلق پانی میں آسمان کا پانی، نالوں کا پانی، چشموں کا پانی، کنوؤں کا پانی، سمندروں کا پانی، برف سے پگھلے ہوئے پانی، اولے کا پانی اور پالا اور شبنم کا پانی داخل ہے۔ ان تمام پانیوں سے نجاست اور حدث دور کرنا جائز ہے۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ پانی کی مختلف قسمیں جو بیان کی گئی ہیں وہ سب حقیقت کے اعتبار سے آسمان ہی کا پانی ہے جو مختلف جگہوں پر جمع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ کیا تو نے دیکھا نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اُتارا۔ معلوم ہوا کہ ہر قسم کا پانی درحقیقت آسمان ہی کا پانی ہے۔

قولہ والنـ ـرۃ ولو مشبتہ الخ: اس عبارت سے صاحب کتاب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نکرہ جو تحت النفی واقع ہو وہ عموم کا

فائدہ دیتا ہے اور یہاں نکرہ تو ہے لیکن تحت النفی واقع نہیں ہے بلکہ تحت الاثبات واقع ہے جو عموم کا فائدہ نہیں دیتا ہے لیکن چونکہ یہ جگہ مقام شکر واحسان کے ہیں اس لیے یہاں بھی نکرہ عموم ہی کا فائدہ دے گا اگر چہ یہاں تحت النفی واقع نہیں ہے۔

قولہ وماء زمزم: آبار کے تحت زمزم بھی داخل تھا مگر اس کی عظمت ورفعت کے پیش نظر اس کو علیحدہ سے بیان فرمایا ہے۔ زمزم کے پانی سے بلا کراہت ہر طرح کا حدث دور کرنا جائز ہے، یعنی جنبی شخص کے لیے غسل جنابت کرنا اور محدث کے لیے وضو کرنا اسی طرح حائضہ اور نفساء کے لیے بھی انقطاع حیض ونفاس کے بعد زمزم کے پانی سے غسل کرنا جائز ہے۔ لیکن حضرت امام احمد بن حنبلؒ آب زمزم کے احترام کے پیش نظر فرماتے ہیں کہ اس سے حدث دور کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ: آب زمزم سے استنجاء کرنا یا اس سے نجاست حقیقیہ زائل کرنا یا اس سے خبث دور کرنا مکروہ ہے، جیسا کہ یہ مسئلہ شارح کتاب الحج کے اخیر میں ذکر فرمائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کراہت کی نفی یہاں صرف رفع حدث کے بارے میں ہے، رہا زمزم سے استنجاء حاصل کرنا اس سے خبث دور کرنا تو یہ مکروہ ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۲۴)

مسئلہ: جس پانی کو دھوپ میں گرم کیا گیا ہو اس پانی سے طہارت حاصل کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ حضرت امام شافعیؒ دھوپ میں گرم شدہ پانی سے طہارت حاصل کرنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں لیکن یہ کراہت شرعی نہیں ہے بلکہ کراہت طبی اعتبار سے ہے اس لیے کہ دھوپ سے گرم شدہ پانی استعمال کرنے سے برص کی بیماری پیدا ہونے کا خطرہ ہے اس لیے حضرت امام شافعیؒ مکروہ قرار دیتے ہیں۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جس پانی سے نمک جمتا ہے اس سے بھی طہارت جائز ہے البتہ نمک کے پگھلے ہوئے پانی سے طہارت درست نہیں ہے اس لیے کہ نمک کا پگھلا ہوا پانی پانی کے حکم میں نہیں ہے، نمک کا پانی سردی میں پگھلتا ہے اور گرمیوں میں جم جاتا ہے اور دوسرے پانی میں یہ بات نہیں ہوتی ہے، ازالہ حدث کے لیے مطلق پانی شرط ہے اور یہ مطلق پانی نہیں ہے اس لیے اس سے طہارت حاصل کرنا درست نہیں ہے۔

(وَ) لَا (بِعَصِيرِ نَبَاتٍ) أَيْ مُعْتَصَرٍ مِنْ شَجَرٍ أَوْ ثَمَرٍ، لِأَنَّهُ مُقَيَّدٌ (بِخِلَافِ مَا يَقْطُرُ مِنَ الْكَرْمِ) أَوِ الْفَوَاكِهِ (بِنَفْسِهِ) فَإِنَّهُ يَرْفَعُ الْحَدَثَ، وَقِيلَ لَا وَهُوَ الْأَظْهَرُ كَمَا فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ عَنِ الْبُرْهَانِ وَاعْتَمَدَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ فَقَالَ: وَالِاعْتِصَارُ يَعُمُّ الْحَقِيقِيَّ وَالْحُكْمِيَّ كَمَاءِ الْكَرْمِ وَكَذَا مَاءُ الدَّابُوغَةِ وَالْبِطِّيخِ بِلَا اسْتِخْرَاجٍ وَكَذَا نَبِيذُ التَّمْرِ (وَ) لَا بِمَاءٍ (مَغْلُوبٍ) بِشَيْءٍ (طَاهِرٍ) الْغَلَبَةُ إِمَّا بِكَمَالِ الِامْتِزَاجِ بِتَشَرُّبِ نَبَاتٍ أَوْ بِطَبْخٍ بِمَا لَا يُقْصَدُ بِهِ التَّنْظِيفُ، وَإِمَّا بِغَلَبَةِ الْمُخَالِطِ، فَلَوْ جَامِدًا فَبِثَخَانَةٍ مَا لَمْ يَزُلِ الِاسْمُ كَنَبِيذِ تَمْرٍ وَلَوْ مَائِعًا، فَلَوْ مُبَايِنًا لِأَوْصَافِهِ فَبِتَغَيُّرِ أَكْثَرِهَا، أَوْ مُوَافِقًا كَلَبَنٍ فَبِأَحَدِهَا أَوْ مُمَاثِلًا كَمُسْتَعْمَلٍ فَبِالْأَجْزَاءِ، فَإِنَّ الْمُطْلَقَ أَكْثَرُ مِنَ النِّصْفِ جَازَ التَّطْهِيرُ بِالْكُلِّ وَإِلَّا لَا، وَهَذَا يَعُمُّ الْمُلْقَى وَالْمُلَاقِيَ، فَفِي الْفَسَاقِي يَجُوزُ التَّوَضُّؤُ مَا لَمْ يُعْلَمْ تَسَاوِي

الْمُسْتَعْمَلِ عَلَى مَا حَقَّقَهُ فِي الْبَحْرِ وَالنَّهْرِ الْمِنَحِ. قُلْتُ: لَكِنَّ الشُّرُنْبُلَالِيَّ فِي شَرْحِهِ لِلْوَهْبَانِيَّةِ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا، فَرَاجِعْهُ مُتَأَمِّلًا.

ترجمہ اور نہ اس پانی سے حدث دور ہوتا ہے جو کسی نباتات سے نچوڑنے سے تیار ہوا ہو، یعنی جو پانی کسی درخت اور پھل سے نچوڑا گیا ہو اس لیے کہ یہ مقید پانی ہے بخلاف اس پانی کے جو انگور یا میووں سے خود بخود ٹپکتا ہے اس سے حدث کو دور کیا جاسکتا ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے حدث دور نہیں کیا جاسکتا ہے اور یہی قول زیادہ ظاہر ہے، جیسا کہ شرنبلالیہ میں برہان سے نقل کیا ہے۔ اور قہستانی نے اسی قول پر اعتماد کیا ہے اور انھوں نے کہا کہ نچوڑنا حقیقی اور حکمی دونوں کو شامل ہے یعنی کوٹ کر یا داب کر نکالا گیا ہو، یا خود بخود ٹپکا ہو جیسے کہ انگور کا پانی، اسی طرح تربوزہ کا پانی اور خربوزہ کا پانی ہے جو خود بخود بلا نکالے نکلا ہو اور یہی حکم کھجور کی نبیذ کا بھی ہے۔

ِ اس پانی سے طہارت حاصل کرنا جائز نہیں ہے جو کسی پاک شئی کے ملنے سے مغلوب ہو گیا ہو (اور اپنی اصلی حقیقت یعنی سیلان وغیرہ سے نکل گیا ہو جیسے شربت، سرکہ، گلاب کا پانی، باقلاء کا پانی اور شوربا کہ ان سے پانی کے نام تک زائل ہو گیا ہے) پاک شئی کا پانی پر غالب ہونا یا تو کمال امتزاج یعنی پوری طرح ملنے کی وجہ سے ہوتا ہے کہ نباتات اپنے اندر اسے جذب کر لے، یا کمالِ اختلاط پانی کو اس چیز کے ساتھ پکانے سے حاصل ہوتا ہے جس کا مقصد صاف کرنا اور میل کچیل دور کرنا نہ ہو، یا پانی کا مغلوب ہونا ملنے والی چیز کے غالب ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے پس اگر ملنے والی چیز گاڑھی ہو اور بستہ ہو تو اس کا غالب ہونا پانی کے گاڑھا ہونے سے مانا جائے گا جب تک کے پانی کا تمام حصہ زائل نہ ہو چکا ہو، جیسے خرما کا میٹھا پانی جو شربت کہلاتا ہے اور اگر پانی میں ملنے والی شئی پتلی اور بہنے والی ہو پس اگر وہ پانی کے تمام اوصاف کے مخالف ہے تو اس کا غلبہ پانی کے اکثر اوصاف بدل جانے سے سمجھا جائے گا اور اگر وہ بہنے والی پتلی چیز پانی کے مخالف نہ ہو بلکہ بعض کے موافق اور بعض کے مخالف ہو جیسے دودھ (اس میں بو نہ ہونے کی وجہ سے پانی کے موافق اور مزہ اور رنگ میں مخالف ہے، تو ایک وصف کے بدل جانے سے غلبہ سمجھا جائے گا، لہٰذا اگر دودھ کو پانی میں ملایا گیا اور اس سے پانی کا رنگ یا مزہ بدل گیا تو اس سے وضو جائز نہ ہوگا) اور اگر وہ ملنے والی پتلی چیز پانی کے مماثل ہو جیسے استعمال کیا ہوا پانی تو اس وقت غلبہ پانی کے اجزاء کے اعتبار سے ہوگا، یعنی اگر مطلق پانی نصف سے زیادہ ہے اور مستعمل پانی کم ہے تو طہارت جائز ہوگی۔ اور اس کے برعکس ہو تو پھر طہارت درست نہ ہوگی۔ اور مستعمل پانی کا یہ حکم عام ہے اس پانی کو جو مطلق پانی میں ڈالا گیا ہو اور وہ اس کے ساتھ مل گیا ہو اور اس مطلق پانی کو بھی شامل ہے جس میں کسی شخص نے غوطہ لگایا یا بیٹھا یعنی ان دونوں صورتوں میں اگر مطلق پانی کا حصہ نصف سے زیادہ ہے تو طہارت جائز ہے اور اگر کم ہے تو جائز نہیں۔ اور چھوٹے حوضوں میں اس وقت تک وضو کرنا جائز ہے جب تک کہ معلوم نہ ہو جائے کہ استعمال کیا ہوا پانی حوض کے پانی کے برابر ہو گیا یہ حکم اس تحقیق کی بنیاد پر ہے جو البحر الرائق، النہر الفائق اور منح الغفار میں مذکور ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ شرنبلالی نے شرح وہبانیہ میں ان دونوں یعنی ملقی اور ملاقی کے درمیان فرق کیا ہے لہٰذا اس کی طرف رجوع کرو اور اس میں غور کرو۔

مختصر تشریح شارح موصوفؒ فرماتے ہیں کہ طہارت حاصل کرنے کے لیے مطلق پانی شرط ہے لہٰذا اگر کوئی شخص درخت یا پھل سے نچوڑے ہوئے پانی سے طہارت حاصل کرے تو اس سے طہارت حاصل نہ ہوگی اس لیے کہ وہ مطلق پانی نہیں ہے بلکہ مقید پانی ہے۔ ہاں جس پانی کو نچوڑا یا ٹپکایا نہ گیا بلکہ خود بخود کسی درخت یا میوہ سے نکلا ہو اس سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، ماتن نے صاحب ہدایہ کی پیروی کرتے ہوئے جائز قرار دیا ہے جب کہ بہت ساری فقہ کی کتابوں میں اس سے طہارت حاصل کرنے سے منع فرمایا ہے، یعنی اس سے حدث دور نہیں ہوگا۔ اور فتاویٰ قاضی خاں، محیط اور کافی میں اسی قول کو لیا گیا ہے۔ اور علامہ خیر الدین رملی نے حاشیہ المنح میں فرمایا کہ مذہب کی کتابوں کے مطالعہ کرنے والوں کو بخوبی علم ہوگا کہ عدم جواز کا قول اولیٰ ہے۔ (شامی: ۱/۳۲۶)

دوسری بات یہ ہے کہ تربوز خربوزہ یا انگور کا پانی کسی کے پاس موجود ہو جو خود بخود نکلا ہو تو اس سے حدث دور کرنا یا طہارت حاصل کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ ایسی صورت میں تیمم کرنا درست ہوگا۔

مسئلہ: اگر پانی میں کوئی پاک شئی مل جاتی ہے یا ملادی جاتی ہے تو اس سے پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے البتہ اگر اس پاک شئی کے ملنے کی وجہ سے پانی مغلوب ہوگیا اور پانی کا نام تک بدل گیا جیسے پانی جب شربت بن جائے یا شوربہ بن جائے تو چونکہ اس صورت میں پانی نہیں رہا اس لیے اس سے طہارت حاصل کرنا جائز نہیں ہوگا۔

مسئلہ: اگر پانی میں کسی ایسی چیز کو ڈال کر پکائے جو میل کچیل کو دور کرے یا بدن کو صاف ستھرا کرے، جیسے اُشنان یا خطمی یا بیری کی پتیاں وغیرہ تو ان چیزوں کو پانی میں ڈال کر پکانے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ پاک ہی رہتا ہے اور اس سے وضو اور غسل کرنا جائز ہوتا ہے، البتہ اگر اُشنان، خطمی یا بیری کی پتیاں غالب ہوں تو اس سے پاک کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے اور اس سے وضو اور غسل جائز نہیں ہوتا ہے۔ (شامی: ۱/۳۲۶)

مسئلہ: اگر پانی میں کوئی ایسی چیز ڈال کر پکائے جس کا مقصد میل کچیل دور کرنا نہ ہو بلکہ کوئی اور چیز بنانا مقصود ہو جیسے شوربا، چائے وغیرہ، یہ پانی کو طہارت کے لائق نہیں رہنے دیتا ہے چاہے اس کا پتلا پن اور بہاؤ باقی ہی کیوں نہ رہے، اس طرح کے پانی سے بھی وضو اور غسل جائز نہیں ہے۔ (شامی: ۱/۳۲۶)

اور کبھی پانی میں ملائی جانے والی یا ملنے والی شئی بہنے والی اور پتلی ہوتی ہے تو ایسی صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ ملنے والی شئی پانی کی تمام صفتوں کے مخالف ہے یا بعض کے موافق اور بعض کے مخالف ہے۔ اور یہاں یہ بات بھی آپ کو معلوم ہونی چاہیے کہ پانی کی کل تین صفتیں ہیں: (۱) رنگ۔ (۲) مزہ۔ (۳) بو۔ پس اگر کوئی شخص پانی میں سرکہ ملادے تو چونکہ سرکہ ایسی چیز ہے جو پانی کے تینوں اوصاف کے خلاف ہے تو اگر اس کے ملانے سے پانی کے اوصاف میں سے کوئی وصف بدل گیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ سرکہ غالب اور پانی مغلوب ہوگیا اور ملائی جانے والی چیز دودھ ہے کہ پانی کے بعض صفت میں موافق اور بعض میں مخالف ہے

جس طرح پانی میں بونہیں ہے اسی طرح دودھ میں بھی بونہیں ہے، لیکن رنگ ومزہ میں دونوں مخالف ہیں تو اگر پانی میں دودھ ملایا جائے، پانی کے اوصاف میں سے کوئی ایک وصف بھی بدل جائے تو یہ سمجھا جائے گا کہ پانی مغلوب ہوگیا ہے اور دودھ غالب، لہٰذا اس سے وضو اور غسل جائز نہ ہوگا، ہاں اگر رنگ اور مزہ میں سے کوئی وصف بھی نہ بدلے تو اس سے طہارت جائز ہوگی۔ اور اگر پانی میں ملائی جانے والی شئی پانی کے بالکل مماثل ہے جیسے استعمال شدہ پانی، تو اگر مستعمل پانی، غیر مستعمل پانی میں مل جائے یا ملایا جائے تو یہاں غالب ومغلوب کا فیصلہ پانی کے اجزاء کے اعتبار سے کیا جائے گا، یعنی استعمال شدہ پانی کم ہے تو مطلق پانی کے حکم میں باقی رہے گا اور اس سے طہارت جائز ہوگی اور اگر استعمال شدہ پانی جو ملایا گیا ہے وہ زیادہ ہے تو اب یہاں کہا جائے گا کہ پانی مغلوب ہو چکا ہے، لہٰذا اس سے طہارت درست نہ ہوگی۔

قولہ: ففي الفساقي يجوز التوضؤ الخ: اس عبارت سے صاحب کتاب ملقی اور ملاقی کے درمیان فرق بیان کرنا چاہ رہے ہیں، چناں چہ فرماتے ہیں کہ ملقی کہتے ہیں مستعمل پانی کا مطلق پانی میں ملانا تو اگر مطلق پانی زیادہ ہے تو اس طرح کے ملانے سے مطلق پانی مستعمل نہیں ہوتا ہے اور ملاقی کا مطلب یہ ہے کہ مطلق قلیل پانی میں وضو کے لیے ہاتھ ڈالنا، اس سے سارا پانی مستعمل ہو جاتا ہے۔ صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیم نے یہ ثابت فرمایا کہ ملقی اور ملاقی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ حوض صغیر میں وضو کرنے سے تمام پانی مستعمل ہو جائے گا لہٰذا حوض صغیر سے وضو کرنا جائز ہے اور غور کرنے سے یہ مسئلہ اصح معلوم ہوتا ہے۔ (انظر تفصیلہ: شامی: ۱/۳۲۸)

(وَيَجُوزُ) رَفْعُ الْحَدَثِ (بِمَا ذُكِرَ وَإِنْ مَاتَ فِيهِ) أَيِ الْمَاءِ وَلَوْ قَلِيلًا (غَيْرُ دَمَوِيٍّ كَزُنْبُورٍ) وَعَقْرَبٍ وَبَقٍّ: أَيْ بَعُوضٍ، وَقِيلَ: بَقُّ الْخَشَبِ. وَفِي الْمُجْتَبَى: الْأَصَحُّ فِي عَلَقٍ مَصَّ الدَّمَ أَنَّهُ يَفْسُدُ وَمِنْهُ يُعْلَمُ حُكْمُ بَقٍّ، وَقُرَادٍ وَعَلَقٍ. وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ دُودُ الْقَزِّ وَمَاؤُهُ وَبَزْرُهُ وَخُرْؤُهُ طَاهِرٌ كَدُودَةٍ مُتَوَلِّدَةٍ مِنْ نَجَاسَةٍ (وَمَائِيُّ مَوْلِدٍ) وَلَوْ كَلْبَ الْمَاءِ وَخِنْزِيرَهُ (كَسَمَكٍ وَسَرَطَانٍ) وَضِفْدَعٍ إلَّا بَرِّيًّا لَهُ دَمٌ سَائِلٌ، وَهُوَ مَا لَا سُتْرَةَ لَهُ بَيْنَ أَصَابِعِهِ، فَيَفْسُدُ فِي الْأَصَحِّ كَحَيَّةٍ بَرِّيَّةٍ، إنْ لَهَا دَمٌ وَإِلَّا لَا (وَكَذَا) الْحُكْمُ (لَوْ مَاتَ) مَا ذُكِرَ (خَارِجَهُ وَبَقِيَ فِيهِ) فِي الْأَصَحِّ، فَلَوْ تَفَتَّتَ فِيهِ نَحْوُ ضِفْدَعٍ جَازَ الْوُضُوءُ بِهِ لَا شُرْبُهُ لِحُرْمَةِ لَحْمِهِ. (وَيَنْجُسُ) الْمَاءُ الْقَلِيلُ (بِمَوْتِ مَائِيِّ مَعَاشٍ بَرِّيِّ مَوْلِدٍ) فِي الْأَصَحِّ (كَبَطٍّ وَإِوَزٍّ) وَحُكْمُ سَائِرِ الْمَائِعَاتِ كَالْمَاءِ فِي الْأَصَحِّ، حَتَّى لَوْ وَقَعَ بَوْلٌ فِي عَصِيرٍ عُشْرٌ فِي عُشْرٍ لَمْ يَفْسُدْ، وَلَوْ سَالَ دَمُ رِجْلِهِ مَعَ الْعَصِيرِ لَا يَنْجُسُ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ ذَكَرَهُ الشُّمُنِّيُّ وَغَيْرُهُ (وَبِتَغَيُّرِ أَحَدِ أَوْصَافِهِ) مِنْ لَوْنٍ أَوْ طَعْمٍ أَوْ رِيحٍ (يَنْجُسُ) الْكَثِيرُ وَلَوْ جَارِيًا إجْمَاعًا، أَمَّا الْقَلِيلُ فَيَنْجُسُ وَإِنْ لَمْ يَتَغَيَّرْ خِلَافًا لِمَالِكٍ

ترجمہ اور ماقبل میں جن پانیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے ان سے حدث دور کرنا جائز ہے اگر چہ وہ پانی تھوڑا ہی کیوں نہ ہو اور اس میں وہ جانور مر گیا ہو جس میں بہنے والا خون نہ ہو جیسے بھڑ، بچھو اور مچھر۔ اور مجتبیٰ میں ہے کہ جو جونک خون چوسے اور قلیل پانی میں مر جائے تو اس سے پانی فاسد ہو جائے گا، اسی سے مچھر، چھوٹی چیچڑی اور بڑی چیچڑی کا حکم بھی معلوم ہوتا ہے (یعنی یہ جانور اگر خون چوس کر قلیل پانی میں مر جائیں تو اس سے پانی ناپاک ہو جائے گا) اور وہبانیہ میں ہے کہ ریشم کا کیڑا اور وہ پانی جس میں کیڑے کو جوش دیا گیا ہو اور اس کے انڈے اور اس کی بیٹ اسی طرح پاک ہے جس طرح وہ کیڑا پاک ہے جو نجاست میں پیدا ہوا ہو، اور اگر پانی میں پانی کا جانور مر جائے جیسے مچھلی، کیکڑا، مینڈک یا پانی کا کتا یا اس کا خنزیر ہی کیوں نہ ہو تو پانی ناپاک نہ ہوگا مگر وہ خشکی کا مینڈھک جس میں بہتا ہوا خون پایا جائے اس کے مرنے سے قلیل پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ اور خشکی کا مینڈھک وہ ہے جس کی انگلیوں کے بیچ بطخ کی طرح پردہ نہیں ہوتا ہے یہ مینڈھک خشکی کے سانپ کی طرح ہے اگر اس میں بہتا ہوا خون ہے تو اس کے مرنے سے قلیل پانی ناپاک ہو جائے گا اور اگر بہتا خون اس میں نہیں ہے تو قلیل پانی میں مرنے سے پانی ناپاک نہ ہوگا اور یہی حکم اس وقت بھی ہے جب کہ مذکورہ پانی کے باہر مرا پھر پانی میں ڈال دیا گیا (یعنی اس صورت میں پانی ناپاک نہ ہوگا) اصح قول یہی ہے، پس اگر وہ جانور جس میں خون نہیں ہے پانی میں ریزہ ریزہ ہو جائے مثلاً مینڈھک، تو اس سے وضو کرنا جائز ہوگا لیکن اس پانی کو پینا جائز نہ ہوگا اس لیے کہ اس کا گوشت حرام ہے اور قلیل پانی ان جانوروں کے مرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے جو پانی میں رہتے ہیں لیکن پیدا ہونے کے اعتبار سے خشکی ہے جیسے بطخ اور مرغابی ہے اور تمام بہنے والی چیزوں کا حکم پانی کی طرح ہے اصح قول کے مطابق، یہاں تک کہ اگر پیشاب کسی حوض میں پڑ جائے جس میں کسی چیز کا رس دہ در دہ ہو تو ناپاک نہ ہوگا (جس طرح پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے) اور اگر اس کثیر رس کے ساتھ اس کے پاؤں کا خون بہا تو وہ رس ناپاک نہ ہوگا، اس میں حضرت امام محمدؒ کا اختلاف ہے علامہ شمنی وغیرہ نے اسی کو بیان فرمایا ہے۔ البتہ اگر پانی کے تینوں اوصاف میں سے کوئی ایک وصف بدل جائے یعنی رنگ یا مزہ یا بو میں سے کوئی ایک بدل جائے تو کثیر پانی بھی بالاتفاق ناپاک ہو جائے گا، اگر چہ وہ بہتا ہوا پانی کیوں نہ ہو اور رہا قلیل پانی تو محض وقوع نجاست ہی سے ناپاک ہو جاتا ہے اگر چہ پانی کا کوئی وصف نہ بدلے اس میں حضرت امام مالکؒ کا اختلاف ہے۔

مختصر تشریح علامہ حصکفیؒ بیان فرماتے ہیں کہ جانور دو طرح کے ہوتے ہیں ایک قسم تو وہ ہے جس میں بہنے والا خون نہیں ہوتا ہے۔ دوسری قسم کے وہ جانور ہیں جو پانی ہی میں پیدا ہوتے ہیں۔ تو یہ دونوں قسم کے جانور قلیل پانی میں گر جائیں اور مر جائیں تو اس سے پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے اور جن جانوروں میں خون نہیں ہوتا ہے اور پانی میں پیدا ہوتا ہے وہ مچھلی، کیکڑا اور مینڈک ہے، اسی طرح اگر پانی کا کتا یا پانی کا خنزیر پانی میں مر جائے تو حضراتِ فقہاء کا اجماع ہے کہ اس سے پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے اور البحر الرائق میں جو قول مشائخ کا منقول ہے وہ ضعیف ہے جو لائق اعتبار نہیں ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۳۱)

مسئلہ: اگر جونک نے خون چوسا اور اس کے بعد قلیل پانی میں ڈوب کر مر گیا تو اس سے بھی پانی ناپاک ہو جائیگا۔ اسی

طرح اگر مچھر یا چیچڑی خون چوسنے کے بعد قلیل پانی میں مرجائے تو اس سے پانی ناپاک ہوجائے گا۔ (شامی:۱/۳۳۰)

پانی کے جانور کی تعریف

پانی کا جانور وہ کہلاتا ہے جس کا توالد وتناسل اور سکونت پانی ہی میں ہو، یعنی اس کی پیدائش بھی پانی میں ہوتی ہو اور اس کا رہنا سہنا بھی پانی میں ہوتا ہو خواہ اس میں دم سائل ہو یا دم سائل نہ ہو، ظاہر الروایہ کے مطابق یہی تعریف ہے۔

ماء قلیل کی تعریف

قلیل پانی اس کو کہتے ہیں جو دہ دردہ نہ ہو، یعنی دس ہاتھ لمبائی اور دس ہاتھ چوڑائی میں پھیلا ہوا نہ ہو اور جو پانی دہ دردہ میں ہو وہ کثیر پانی کہلاتا ہے۔ اب مسئلہ یہ ہوا کہ اگر حوض صغیر اور قلیل میں پانی میں نجاست گر جائے تو اس سے پانی ناپاک ہوجائے گا، خواہ پانی کے اوصاف رنگ، مزہ اور بو میں سے کوئی ایک بدلا ہو یا نہ بدلا ہو، لیکن اگر حوض کبیر اور کثیر پانی ہے تو محض وقوع نجاست سے پانی ناپاک نہ ہوگا، بلکہ اگر وقوع نجاست سے پانی کے اوصاف میں سے کوئی ایک وصف بدل جائے تو ناپاک ہوگا ورنہ نہیں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ قلیل پانی بھی محض وقوع نجاست سے ناپاک نہ ہوگا جب تک کہ کوئی وصف نہ بدل جائے اور جو حکم کثیر پانی کا ہوتا ہے وہی حکم جاری پانی کا بھی ہوتا ہے اسی طرح بہتا ہوا رس بھی آبِ جاری اور کثیر پانی کے حکم میں ہے جب تک وصف نہ بدلے ناپاک نہ ہوگا۔

(لَا لَوْ تَغَيَّرَ) بِطُولِ (مُكْثٍ) فَلَوْ عُلِمَ نَتْنُهُ بِنَجَاسَةٍ لَمْ يَجُزْ، وَلَوْ شَكَّ فَالْأَصْلُ الطَّهَارَةُ وَالتَّوَضُّؤُ مِنَ الْحَوْضِ أَفْضَلُ مِنَ النَّهْرِ رَغْمًا لِلْمُعْتَزِلَةِ. وَكَذَا يَجُوزُ بِمَاءٍ خَالَطَهُ طَاهِرٌ جَامِدٌ مُطْلَقًا (كَأُشْنَانٍ وَزَعْفَرَانٍ) لَكِنْ فِي الْبَحْرِ عَنِ الْقُنْيَةِ: إِنْ أَمْكَنَ الصَّبْغُ بِهِ لَمْ يَجُزْ كَنَبِيذِ تَمْرٍ (وَفَاكِهَةٍ وَوَرَقِ شَجَرٍ) وَإِنْ غَيَّرَ كُلَّ أَوْصَافِهِ (الْأَصَحُّ إِنْ بَقِيَتْ رِقَّتُهُ) أَيْ وَاسْمُهُ لِمَا مَرَّ. (وَ) يَجُوزُ (بِجَارٍ وَقَعَتْ فِيهِ نَجَاسَةٌ وَ) الْجَارِي (هُوَ مَا يُعَدُّ جَارِيًا) عُرْفًا، وَقِيلَ مَا يَذْهَبُ بِتِبْنَةٍ، وَالْأَوَّلُ أَظْهَرُ، وَالثَّانِي (وَإِنْ) وَصْلِيَّةٌ (لَمْ يَكُنْ جَرَيَانُهُ بِمَدَدٍ) فِي الْأَصَحِّ، فَلَوْ سُدَّ النَّهْرُ مِنْ فَوْقٍ فَتَوَضَّأَ رَجُلٌ بِمَا يَجْرِي بِلَا مَدَدٍ جَازَ؛ لِأَنَّهُ جَارٍ، وَكَذَا لَوْ حَفَرَ نَهْرًا مِنْ حَوْضٍ صَغِيرٍ أَوْ صَبَّ رَفِيقُهُ الْمَاءَ فِي طَرَفِ مِيزَابٍ وَتَوَضَّأَ فِيهِ وَعِنْدَ طَرَفِهِ الْآخَرِ إِنَاءٌ يَجْتَمِعُ فِيهِ الْمَاءُ جَازَ تَوَضُّؤُهُ بِهِ ثَانِيًا وَثَمَّ وَثَمَّ وَتَمَامُهُ فِي الْبَحْرِ

ترجمہ| اور پانی زیادہ رُکا رہنے کی وجہ سے بدل جائے تو اس سے پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے، لیکن اگر یقین ہو کہ اس کی بدبو نجاست کی وجہ سے ہے تو پھر ایسے پانی سے طہارت حاصل کرنا جائز نہیں ہے اور اگر شک ہو (یعنی یہ معلوم نہ ہو کہ پانی کی بدبو نجاست کی

وجہ سے ہے یا زیادہ پانی کے رُکے رہنے کی وجہ سے ہے) تو پانی میں اصل طہارت ہے لہٰذا اسی کا اعتبار ہوگا اور حوض سے وضو کرنا نہر سے وضو کرنے کے مقابلہ میں افضل ہے معتزلہ کے توڑنے کے لیے۔ اسی طرح جس پانی میں کوئی پاک جامد چیز مل جائے اس سے طہارت حاصل کرنا مطلقاً جائز ہے، جیسے اشنان اور زعفران (ان کے ملنے کی وجہ سے پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے) لیکن صاحب البحر الرائق نے قنیہ سے نقل کیا ہے کہ اگر زعفران والا پانی اس قدر رنگین ہوگیا ہو کہ اس سے کپڑا رنگنا ممکن ہو تو اس سے طہارت جائز نہیں ہے، جس طرح کہ نبیذ تمر سے طہارت جائز نہیں ہے۔ اور میوہ اور درخت کے پتے پانی میں ملنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے اگر چہ اس کے تمام اوصاف ہی کیوں نہ بدل گئے ہوں، اس باب میں اصح قول یہی ہے بشرطیکہ پانی کی کیفیت یعنی رقت اور اس کا نام باقی رہا ہو، جیسا کہ مغلوب پانی کے بیان میں گذر چکا ہے۔

اور وضو اور غسل ایسے جاری پانی سے جائز ہے جس میں نجاست گر گئی ہو (اس لیے کہ بہتا ہوا پانی اس سے ناپاک نہیں ہوتا ہے) اور جاری پانی وہ ہے جس کو لوگ عرف عام میں جاری پانی شمار کریں۔ اور بعض لوگوں نے کہا کہ جاری وہ پانی ہے جو ایک تنکا بہا لے جائے، لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے اور دوسرا قول زیادہ مشہور ہے۔ اور یہ جاری پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے اگر چہ اس کا بہنا اوپر کے پانی کی مدد سے نہ ہو (یعنی وہ پانی چشمہ یا جھیل یا مینھ سے نہ ہو) یہی قول اصح ہے، پس اگر نہر اوپر سے بند کردی گئی ہو اور کوئی شخص اس پانی سے وضو کرے جو بلا مدد بہتا ہے تو اس سے وضو کرنا جائز ہے اس لیے کہ یہ پانی جاری کے حکم میں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی نہر کسی حوض صغیر سے کھود کر نکالی گئی یا اس کے رفیق نے پرنالے کے کنارے پر پانی بہایا اور اس شخص نے اس بہتے ہوئے پانی سے وضو کیا اور پرنالے کی دوسری طرف کوئی برتن ہے جس میں وہ بہنے والا پانی جمع ہوتا ہے تو دوسری طرف اس پانی سے وضو کرنا درست ہوگا اسی طرح دوسری بار، تیسری بار اور چوتھی بار اس کی پوری تفصیل البحر الرائق میں ہے۔

قوله ولو شك فالأصل الطهارة: مطلب یہ ہے کہ اگر بالیقین یہ معلوم نہ ہو کہ پانی کے اندر جو بدبو آرہی ہے وہ نجاست کی وجہ سے ہے یا پانی کے زیادہ دن رُک جانے کی وجہ سے یہ بدبو پیدا ہوئی ہے تو ایسی صورت میں اصل کا اعتبار کرتے ہوئے پانی کو پاک سمجھا جائے گا اور اس سے وضو اور غسل کرنا جائز ہوگا اس لیے کہ پانی میں اصل طہارت ہے، ہاں اگر بالیقین معلوم ہو جائے کہ بدبو نجاست کی وجہ سے ہے تو پھر طہارت جائز نہ ہوگی۔ اور لوگوں سے اس کے متعلق دریافت کرنا لازم نہیں ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۳۲)

مسئلہ: معتزلہ کا توڑ کرنے کے لیے نہر کو چھوڑ کر حوض سے وضو کرنا افضل اور بہتر ہے اس لیے کہ معتزلہ حوض سے وضو کی اجازت نہیں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حوض کبیر بھی معمولی نجاست سے ناپاک ہو جاتا ہے خواہ پانی کا کوئی وصف بدلے یا نہ بدلے، تو معتزلہ کے باطل نظریات کے رد کرنے کے لیے حوض سے وضو کرنا افضل ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۳۳)

مسئلہ: جس پانی میں کوئی پاک جامد چیز (مثلاً زعفران یا اشنان وغیرہ) مل گئی ہو تو اس سے طہارت حاصل کرنا مطلقاً جائز ہے، البتہ البحر الرائق میں ہے کہ اگر زعفران والا پانی اس قدر رنگین ہو گیا کہ اس سے کپڑا رنگا جا سکتا ہے تو اس سے طہارت جائز نہ

ہوگی اس لیے کہ پانی کا وصف بدل گیا ہے۔

قولہ و کذا لو حفر نهرا الخ: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص چھوٹے حوض سے بہا کر نہر میں پانی لایا اور اس بہتے ہوئے پانی سے وضو کیا، پھر وہ پانی بہہ کر ایک جگہ جمع ہو گیا دوسرے نے اس جگہ سے ایک نہر کھودی اور وہ جمع شدہ پانی اس نہر سے بہہ کر آگے چلا، دوسری جگہ کی طرف، اس بہنے کی حالت میں کسی نے اس پانی سے وضو کیا یہاں سے آگے چل کر یہ پانی پھر ایک جگہ جمع ہوا یہاں سے تیسرے آدمی نے نہر کھودی اور پانی کو اپنی نہر میں لے گیا اور اس بہنے کی حالت میں پھر کسی نے وضو کیا تو اس طرح بہتے ہوئے پانی سے جتنے شخصوں نے وضو کیا سب کا وضو درست ہے اس لیے کہ ہر ایک شخص نے جاری پانی سے وضو کیا اور یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جاری پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے جب تک کہ وہ متغیر نہ ہو جائے، اسی کو البحر الرائق میں لکھا ہے کہ جو پانی جمع ہوا وہ پاک ہے اور پاک کرنے والا ہے اس لیے کہ یہ استعمال بہنے کی حالت میں ہوا ہے اور جاری پانی مستعمل نہیں ہوتا ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۳۵)

(إِنْ لَمْ يُرَ) أَيْ يُعْلَمْ (أَثَرُهُ) فَلَوْ فِيهِ جِيفَةٌ أَوْ بَالَ فِيهِ رِجَالٌ فَتَوَضَّأَ آخَرُ مِنْ أَسْفَلِهِ جَازَ مَا لَمْ يُرَ فِي الْجِرْيَةِ أَثَرُهُ (وَهُوَ) إِمَّا (طَعْمٌ أَوْ لَوْنٌ أَوْ رِيحٌ) ظَاهِرُهُ يَعُمُّ الْجِيفَةَ وَغَيْرَهَا، وَهُوَ مَا رَجَّحَهُ الْكَمَالُ. وَقَالَ تِلْمِيذُهُ قَاسِمٌ إِنَّهُ الْمُخْتَارُ، وَقَوَّاهُ فِي النَّهْرِ، وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ. وَفِي الْقُهُسْتَانِيِّ عَنِ الْمُضْمَرَاتِ عَنِ النِّصَابِ: وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى، وَقِيلَ إِنْ جَرَى عَلَيْهَا نِصْفُهُ فَأَكْثَرُ لَمْ يَجُزْ وَهُوَ أَحْوَطُ. وَأَلْحَقُوا بِالْجَارِي حَوْضَ الْحَمَّامِ لَوِ الْمَاءُ نَازِلًا وَالْغَرْفُ مُتَدَارِكٌ، كَحَوْضٍ صَغِيرٍ يَدْخُلُهُ الْمَاءُ مِنْ جَانِبٍ وَيَخْرُجُ مِنْ آخَرَ يَجُوزُ التَّوَضُّؤُ مِنْ كُلِّ الْجَوَانِبِ مُطْلَقًا، بِهِ يُفْتَى، وَكَعَيْنٍ هِيَ خَمْسٌ فِي خَمْسٍ يَنْبُعُ الْمَاءُ مِنْهُ، بِهِ يُفْتَى قُهُسْتَانِيٌّ مَعْزِيًّا لِلتَّتِمَّةِ. (وَكَذَا) يَجُوزُ (بِرَاكِدٍ) كَثِيرٍ (كَذَلِكَ) أَيْ وَقَعَ فِيهِ نَجِسٌ لَمْ يُرَ أَثَرُهُ وَلَوْ فِي مَوْضِعِ وُقُوعِ الْمَرْئِيَّةِ، بِهِ يُفْتَى بَحْرٌ. (وَالْمُعْتَبَرُ) فِي مِقْدَارِ الرَّاكِدِ (أَكْبَرُ رَأْيِ الْمُبْتَلَى بِهِ فِيهِ، فَإِنْ غَلَبَ عَلَى ظَنِّهِ عَدَمُ خُلُوصِ) أَيْ وُصُولِ (النَّجَاسَةِ إِلَى الْجَانِبِ الْآخَرِ جَازَ وَإِلَّا لَا) هَذَا ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ عَنِ الْإِمَامِ، وَإِلَيْهِ رَجَعَ مُحَمَّدٌ، وَهُوَ الْأَصَحُّ كَمَا فِي الْغَايَةِ وَغَيْرِهَا، وَحَقَّقَ فِي الْبَحْرِ أَنَّهُ الْمَذْهَبُ، وَبِهِ يُعْمَلُ، وَأَنَّ التَّقْدِيرَ بِعَشْرٍ فِي عَشْرٍ لَا يَرْجِعُ إِلَى أَصْلٍ يُعْتَمَدُ عَلَيْهِ، وَرَدَّ مَا أَجَابَ بِهِ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ،

ترجمہ وقوع نجاست سے جاری پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے جب تک کہ نجاست کا اثر معلوم نہ ہو، پس اگر جاری پانی میں کوئی مردار جانور پڑا ہو یا لوگوں نے اس جاری پانی میں پیشاب کر دیا اور کسی دوسرے شخص نے اس کے نیچے کی جانب وضو کیا تو جائز ہے جب تک اس نیچے کی جانب نجاست کا اثر معلوم نہ ہو اور نجاست کا اثر یا مزہ ہے، یا رنگ ہے، یا بو ہے۔ اور مصنف کا ظاہر کلام مردار اور غیر مردار دونوں کو شامل ہے اسی کو محقق کمال نے راجح قرار دیا ہے اور ان کے شاگرد رشید قاسم نے اسی قول کو مختار کہا ہے اور

اسی کو نہر الفائق میں تقویت دی ہے۔ اور مصنف نے اپنی شرح میں اسی قول کو برقرار رکھا ہے۔ اور قہستانی میں مضمرات سے اور اس میں نصاب سے منقول ہے کہ اسی قول پر فتویٰ ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ اگر پانی مردار جانور کے نصف بدن یا اکثر بدن سے مل کر گذر رہا ہے تو اس سے طہارت جائز نہ ہوگی اور یہی قول احوط ہے۔ اور حضرات فقہاءِ کرام نے حمام کے حوض کو بغیر ظہور اثر نجس نہ ہونے میں جاری پانی کے ساتھ لاحق کیا ہے، بشرطیکہ حوض میں پانی اوپر سے آرہا ہو۔ اور حوض سے پانی لینا پے در پے ہو، (اس طور پر کہ پانی کی سطح ساکن نہ ہونے پائے) اور یہ صورت اس چھوٹے حوض کے مانند ہو کہ ایک طرف سے پانی داخل ہوتا ہو اور دوسری طرف سے نکلتا ہو تو مطلقاً ہر جانب سے وضو کرنا جائز ہوگا اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔ اور یہ صورت اس چشمہ کی طرح ہے جو پانچ ہاتھ لمبائی میں ہو اور پانچ ہاتھ چوڑائی میں ہو اور اس سے پانی جوش مار کر اُبلتا ہو اسی پر فتویٰ ہے (یعنی ہر جانب سے وضو کرنا جائز ہے) قہستانی نے اس قول کو تمہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اسی طرح جو پانی ٹھہرا ہے اور کثیر ہے اور اس میں نجاست گر گئی ہو، لیکن اس میں نجاست کا کوئی اثر دکھائی نہ دیتا ہو خواہ نجاست مرئیہ ہو تو اس سے وضو کرنا جائز ہے، چاہے اسی جگہ سے وضو کرے جہاں نجاست واقع ہوئی ہے، البحر الرائق میں اسی قول پر فتویٰ ہے۔ اور وہ پانی جو ٹھہرا ہوا ہے اور نجاست کا اثر ظاہر ہوئے بغیر ناپاک نہیں ہوتا ہے اس کی مقدار میں ان لوگوں کی راجح رائے کا اعتبار ہے جو اس میں مبتلا ہیں، پس اگر ان کو ظن غالب ہے کہ نجاست کا اثر دوسری جانب نہیں پہنچتا ہے تو یہ پانی کثیر کے حکم میں ہے اور اس سے وضو اور غسل جائز ہے اور اگر ان کو یہ ظن غالب نہیں ہے بلکہ احتمال ہے کہ نجاست کا اثر دوسری جانب پہنچ جاتا ہے تو یہ قلیل پانی کے حکم میں ہے اور اس سے طہارت جائز نہیں ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے ظاہر الروایہ یہی ہے اور حضرت امام محمدؒ کا اسی قول کی جانب رجوع کرنا ثابت ہے۔ اور یہی قول زیادہ صحیح ہے، جیسا کہ غایۃ البیان وغیرہ میں ہے۔ اور البحر الرائق میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہی قول مذہب کے مطابق ہے اور اسی پر عمل کیا جائے گا۔ اور یہ بات بھی ثابت کی ہے کہ دہ دردہ کا قول کسی قابل اعتماد اور اصل شرعی سے ثابت نہیں ہے اور صدر الشریعہ نے دہ دردہ کے ثبوت میں جو حدیث نقل فرمائی ہے صاحب البحر الرائق نے اس کا رد کیا ہے۔

مختصر تشریح صاحب کتاب علامہ حصکفی فرماتے ہیں کہ اگر پانی جاری ہو اور اس میں کوئی نجاست گر جائے لیکن نجاست کا اثر پانی پر ظاہر نہ ہو یا جاری پانی میں اوپر کوئی مردار جانور پڑا ہوا ہے یا کوئی انسان اوپر پیشاب کر رہا ہے یا اوپر کی جانب نجاست دھو رہا ہے اور دوسرا شخص اس کے نیچے کی جانب وضو کر رہا ہے تو یہ جائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی چھوٹا حوض ہو جس میں ایک طرف سے پانی آتا ہو اور دوسری طرف سے نکلتا ہو تو اس حوض میں ہر جانب سے وضو اور غسل جائز ہے۔

قولہ و کعین ھی خمس فی خمس: شارحؒ نے پانچ ہاتھ کی قید اس لیے لگائی ہے کہ یہی صورت باعث نزاع ہے کیونکہ یہ بات طے ہے کہ اگر چشمہ یا حوض پانچ ہاتھ سے کم ہے تو اس سے بالاتفاق وضو جائز ہے اس لیے کہ چھوٹے حوض یا چھوٹے چشمہ میں استعمال کیا ہوا پانی رُکتا نہیں ہے بلکہ فوراً نکل جاتا ہے اس کے برخلاف بڑے حوض اور بڑے چشمے کے، کہ اس

سے مستعمل پانی جلد نہیں نکلتا ہے بلکہ بعض گوشوں میں پانی رُک جاتا ہے، یہ مسئلہ درحقیقت مستعمل پانی کے نجس ہونے پر متفرع ہوتا ہے حالانکہ فتویٰ اس پر ہے کہ مستعمل پانی نجس نہیں ہے۔

ٹھہرے ہوئے کثیر پانی میں وضو کرنے کا حکم شرعی

علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ ٹھہرے ہوئے کثیر پانی میں اگر نجاست گر جائے اور اس کا اثر پانی پر ظاہر نہ ہو تو اس سے وضو کرنا جائز ہے اور جس جگہ نجاست گری ہے اس جگہ سے بھی وضو کرنا جائز ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ جس جگہ نجاست گری ہے اس جگہ سے وضو نہ کرے کیونکہ وہ بالاجماع ناپاک ہے، بشرطیکہ گرنے والی نجاست مرئی ہو۔ اور اگر گرنے والی نجاست غیر مرئی ہو تو بھی بعض علماء نے فرمایا کہ غور و فکر کرے، اگر غور و فکر کے بعد معلوم ہو جائے کہ اس جگہ نجاست باقی نہیں رہی ہے تو وہاں سے وضو کرے ورنہ وہاں سے وضو نہ کرے۔ اور امام کرخیؒ وغیرہ نے اس جگہ کو ناپاک قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس جگہ سے چار ہاتھ چاروں طرف چھوڑ کر وضو کرے مگر فتویٰ قولِ اوّل پر ہے اور احتیاط دوسرے قول پر عمل کرنے میں ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۳۹)

ماءِ راکد کے کثیر ہونے کے متعلق فقہاءِ کرام کے اقوال

ماءِ راکد کثیر کب سمجھا جائے گا؟ اس بارے میں صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیم نے تقریباً دس روایتیں صرف ثبوت میں نقل فرمائی ہیں کہ قلیل و کثیر کی مقدار خود مبتلیٰ بہ اپنی رائے سے کرے گا، یعنی جن لوگوں کو طہارت کی ضرورت ہے ان ہی لوگوں کی رائے کے مطابق کثیر ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی یہی رائے ہے، البتہ حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ماءِ کثیر وہ ہے کہ ایک طرف حرکت دینے سے دوسری طرف حرکت نہ ہو۔ اور حضرت امام محمدؒ سے مروی ہے کہ ماءِ کثیر وہ ہے جو دہ در دہ ہو۔ حضرت امام محمدؒ کا رجوع امام صاحب کے قول کی طرف ثابت ہے۔ اور نیز حضرت امام محمدؒ کے قول کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ ایک مرتبہ ابو سلیمان جوزجانی نے اپنے استاذ محترم امام محمد سے معلوم کیا کہ کتنا پانی کثیر ہوگا؟ اس پر حضرت امام محمدؒ نے فرمایا: كَحَوضِ مَسجِدِی هٰذا۔ جیسے کہ ہماری اس مسجد کا حوض ہے۔ ابو سلیمان جوزجانی کہتے ہیں کہ بعد میں میں نے اس حوض کی پیمائش کی تو اندر سے ثمانیة فی ثمانیة اور باہر سے عشرة فی عشر تھا۔ چناں چہ احتیاطاً عشرة فی عشرة کو لے لیا گیا۔ معلوم ہوا کہ دہ در دہ کی روایت کوئی شریعت کی طرف منسوب نہیں ہے بلکہ محض ایک اندازہ ہے اور حال یہ ہے کہ خود امام محمدؒ نے بعد میں امام اعظم کے قول کی طرف رجوع کر لیا ہے۔ اور اگر مان لیجئے کہ امام محمدؒ کا رجوع ثابت نہ بھی ہوتا تو بھی اندازہ کا ماننا لازم نہیں تھا اس لیے کہ ایک آدمی کا سمجھنا دوسرے کے لیے لازم نہیں ہو سکتا ہے اور نہ یہ ان اُمور میں سے ہے جن میں عامی پر مجتہد کی تقلید واجب ہوتی ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۴۰)

قوله وردّ ما أجاب به صدر الشريعة: شرح وقایہ میں دہ در دہ کو ثابت کرنے کی لیے صدر الشریعہ نے ایک حدیث

شریف نقل فرمائی ہے جو درحقیقت کنواں کھودنے کے بارے میں آئی ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَن حفرَ بئرًا فلَهُ حَولهَا أربعُونَ ذِراعًا۔ یعنی جو شخص کنواں کھودے اس کے لیے کنویں کے اِردگرد چالیس گز ہے۔ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ کنواں کھودنے والے کے لیے ہر چہار جانب سے دس دس ہاتھ ہے اور دس دس ہاتھ نجاست کے سرایت نہ کرنے میں مؤثر ہے، پس اگر کوئی شخص کنویں کے اردگرد دس دس ہاتھ کے پہلے نجاست ڈالنے کے لیے گڈھا کھودنا چاہے تو اس کو منع کردیا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ نجاست کے اثر نہ کرنے میں دہ دردہ کا اعتبار ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۴۱)

صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیم مصری نے صدر الشریعہ کے اس استدلال کو تین طرح سے رد فرمایا ہے: (۱) کنویں کے حریم کا دس دس ہاتھ ہونا بعض علماء کا قول ہے سبھوں کا نہیں۔ اور صحیح مسئلہ یہ ہے کہ حریم ہر چہارم جانب سے چالیس گز ہوگا۔ (۲) زمین پانی کے اعتبار سے کئی گنی سخت ہے، لہٰذا نجاست سرایت نہ کرنے میں پانی کو زمین پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ (۳) کنواں اور نجاست ڈالے جانے والے گڈھے کی درمیان فاصلہ معتمد قول میں نجاست کے سرایت کرنے پر ہے اور یہ سرایت کرنا زمین کی سختی اور نرمی کے اعتبار سے مختلف ہوگا، لہٰذا دہ دردہ حتمی طور پر متعین کرنا درست نہ ہوگا۔

لَكِنْ فِي النَّهْرِ: وَأَنْتَ خَبِيرٌ بِأَنَّ اعْتِبَارَ الْعَشْرِ أَضْبَطُ وَلَا سِيَّمَا فِي حَقِّ مَنْ لَا رَأْيَ لَهُ مِنَ الْعَوَامِّ، فَلِذَا أَفْتَى بِهِ الْمُتَأَخِّرُونَ الْأَعْلَامُ: أَيْ فِي الْمُرَبَّعِ بِأَرْبَعِينَ، وَفِي الْمُدَوَّرِ بِسِتَّةٍ وَثَلَاثِينَ، وَفِي الْمُثَلَّثِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ خَمْسَةَ عَشَرَ وَرُبْعًا وَخُمُسًا بِذِرَاعِ الْكِرْبَاسِ، وَلَوْ لَهُ طُولٌ لَا عَرْضٌ لَكِنَّهُ يَبْلُغُ عَشْرًا فِي عَشْرٍ جَازَ تَيْسِيرًا، وَلَوْ أَعْلَاهُ عَشْرًا وَأَسْفَلُهُ أَقَلَّ جَازَ حَتَّى يَبْلُغَ الْأَقَلَّ، وَلَوْ بِعَكْسِهِ فَوَقَعَ فِيهِ نَجَسٌ لَمْ يَجُزْ حَتَّى يَبْلُغَ الْعَشْرَ. وَلَوْ جَمَدَ مَاؤُهُ فَثُقِبَ، إِنِ الْمَاءُ مُنْفَصِلًا عَنِ الْجَمَدِ جَازَ؛ لِأَنَّهُ كَالْمُسَقَّفِ، وَإِنْ مُتَّصِلًا لَا لِأَنَّهُ كَالْقَصْعَةِ حَتَّى لَوْ وَلَغَ فِيهِ كَلْبٌ تَنَجَّسَ لَا لَوْ وَقَعَ فِيهِ فَمَاتَ لِتَسَفُّلِهِ. ثُمَّ الْمُخْتَارُ طَهَارَةُ الْمُتَنَجِّسِ بِمُجَرَّدِ جَرَيَانِهِ وَكَذَا الْبِئْرُ وَحَوْضُ الْحَمَّامِ. هَذَا، وَفِي الْقُهُسْتَانِيِّ: وَالْمُخْتَارُ: ذِرَاعُ الْكِرْبَاسِ وَهُوَ سَبْعُ قَبَضَاتٍ فَقَطْ، فَيَكُونُ ثَمَانِيًا فِي ثَمَانٍ بِذِرَاعِ زَمَانِنَا ثَمَانِ قَبَضَاتٍ وَثَلَاثِ أَصَابِعَ عَلَى الْقَوْلِ الْمُفْتَى بِهِ بِالْمُعَشَّرِ أَيْ وَلَوْ حُكْمًا لِيَعُمَّ مَا لَهُ طُولٌ بِلَا عَرْضٍ فِي الْأَصَحِّ، وَكَذَا بِئْرٌ عُمْقُهَا عَشْرٌ فِي الْأَصَحِّ، وَحِينَئِذٍ فَلَوْ مَاؤُهَا بِقَدْرِ الْعَشْرِ لَمْ يَنْجَسْ كَمَا فِي الْمُنْيَةِ، وَحِينَئِذٍ فَعُمْقُ خَمْسِ أَصَابِعَ تَقْرِيبًا ثَلَاثَةُ آلَافٍ وَثَلَاثُمِائَةٍ وَاثْنَا عَشَرَ مَنًّا مِنَ الْمَاءِ الصَّافِي، وَيَسَعُهُ غَدِيرٌ كُلُّ ضِلْعٍ مِنْهُ طُولًا وَعَرْضًا وَعُمْقًا ذِرَاعَانِ وَثَلَاثَةُ أَرْبَاعِ ذِرَاعٍ وَنِصْفُ إِصْبَعٍ تَقْرِيبًا كُلُّ ذِرَاعٍ أَرْبَعٌ وَعِشْرُونَ إِصْبَعًا. اهـ. قُلْتُ وَفِيهِ كَلَامٌ إِذِ الْمُعْتَمَدُ عَدَمُ اعْتِبَارِ الْعُمْقِ وَحْدَهُ فَتَبَصَّرْ.

ترجمہ لیکن کنز الدقائق کی شرح النہر الفائق میں ہے کہ آپ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ دہ دردہ کا اعتبار کرنا زیادہ مضبوط بات ہے بالخصوص ان عوام کے لیے جن کی کوئی رائے نہیں ہوتی ہے، اسی وجہ سے علماء متاخرین نے جو اپنا ایک مقام رکھتے ہیں دہ دردہ پر فتویٰ دیا ہے، یعنی متاخرین علماء نے چوکور حوض میں چالیس گز پر فتویٰ دیا ہے اور گول حوض میں چھتیس گز کا فتویٰ دیا ہے۔ اور مثلث یعنی تین کونہ حوض میں ہر جانب سے پندرہ گز اور چوتھائی اور پانچواں حصہ، کپڑا ناپنے کے گز سے قرار دیا ہے۔ اور اگر حوض ایسا ہو کہ اس کی لمبائی ہو چوڑائی نہ ہو لیکن وہ حساب کے اعتبار سے دہ دردہ کو پہنچ جاتا ہے تو اس سے وضو کرنا لوگوں کی سہولت کے لیے درست قرار دیا ہے۔ اور اگر ایسا حوض ہو کہ اس کا اوپری حصہ دہ دردہ ہو اور نیچے کا حصہ کم ہو تو جب تک پانی کم ہو کر نیچے کی سطح پر نہ اُتر سکے اس سے وضو کرنا جائز ہے (اگر چہ اس میں نجاست گر جائے اور اس کا اثر ظاہر نہ ہو اور حوض کا پانی کم ہو نیچے کی سطح پر آ جائے جو دہ دردہ سے کم ہے تو نجاست کے واقع ہونے سے وہ ناپاک ہو جائے گا، خواہ نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو، اور اس سے وضو کرنا درست نہ ہوگا) اور اگر حوض پہلے حوض کے اُلٹا ہو یعنی نیچے کا حصہ دہ دردہ ہو اور اوپر کا حصہ دہ دردہ سے کم ہو اور اس میں نجاست واقع ہو جائے تو اس سے وضو کرنا جائز نہ ہوگا جب تک پانی کم ہو کر کے نیچے کی سطح پر نہ آ جائے جہاں دہ دردہ ہے (جب پانی کم ہو کر دہ دردہ کی سطح پر پہنچ جائے تو اس سے وضو کرنا جائز ہوگا) اور بڑے حوض کا پانی جم جائے پھر اس میں سوراخ کیا جائے تو اگر نیچے والا پانی اس اوپر جمے ہوئے پانی سے علیحدہ ہے تو اس سے وضو کرنا جائز ہوگا اس لیے کہ یہ پانی ایسا ہو گیا جس کے اوپر چھت پڑی ہو اور اگر سوراخ سے نکلنے والا پانی جمے ہوئے پانی سے علیحدہ نہیں ہے بلکہ ملا ہوا ہے تو پھر اس سے وضو کرنا درست نہ ہوگا، اس لیے کہ یہ طشت اور بڑے پیالے کی طرح ہے (یعنی یہ قلیل پانی کے حکم میں ہے، نجاست کے گرنے سے فوراً ناپاک ہو جائے گا) یہاں تک کہ اگر اس سوراخ میں کتے نے منہ ڈال دیا تو پانی ناپاک ہو جائے گا، لیکن حوض اس وقت ناپاک نہ ہوگا جب کتا اس میں گر کر مر جائے کیونکہ وہ تہ نشین ہو گیا (اور نیچے کے حصہ میں حوض دہ دردہ ہے جس کو ماءِ کثیر کہا جاتا ہے لہٰذا ماءِ کثیر اس وقت تک ناپاک نہ ہوگا جب تک اس میں نجاست کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو اور پانی کا کوئی وصف نہ بدل جائے)

پھر مذہب مختار یہ ہے کہ ناپاک پانی محض جاری ہونے سے پاک ہو جاتا ہے اور یہی حکم کنویں اور حمام کے حوض کا ہے، اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح یاد رکھو۔ اور قہستانی میں ہے کہ مختار مذہب یہ ہے کہ گز سے مراد کپڑا ناپنے کا گز ہے اور وہ گز صرف سات مٹھی کا ہوتا ہے پس دہ دردہ ہمارے زمانے کے لحاظ سے ہشت در ہشت ہوگا جو آٹھ مٹھی اور تین انگلی کا ہے مفتی بہ قول کے مطابق دہ دردہ میں، اگر چہ دہ دردہ حکماً ہی کیوں نہ ہو تا کہ اس حوض کو شامل ہو جائے جو لمبا ہو اور چوڑائی زیادہ نہ ہو صحیح ترین قول کے مطابق۔ اور اسی طرح یہ اس کنویں کو بھی شامل ہو جائے جس کی گہرائی دس گز ہو اصح تر قول کی بنیاد پر، (یعنی یہ دونوں کثیر پانی کے حکم میں آ جائیں گے) اور اس وقت یعنی جس وقت عمق کا اعتبار ہوگا اگر اس کا پانی دس گز ہے تو ماءِ کثیر کے حکم میں ہوگا اور نجاست کے واقع ہونے سے ناپاک نہ ہوگا جیسا کہ یہ مسئلہ منیہ میں مذکور ہے۔ اور جس وقت گہرا کنواں حوض کبیر کے حکم میں ہو اس وقت پانچ انگلیوں

کی گہرائی وہ دردہ کے حوض میں تین ہزار تین سوبارہ سیر کے لگ بھگ صاف پانی ہو، اور اتنی مقدار پانی اس حوض میں آجائے گا جس کا طول وعرض وعمق دو دوگز اور پون گز یعنی پونے تین گز اور آدھی انگلی ہو، اور تخمیناً ہر گز چوبیس انگلی کا ہے (یہاں علامہ قہستانی کا کلام پورا ہوا) شارح فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ قہستانی نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس میں کلام ہے اور ان کی بات قابل تسلیم نہیں ہے اس لیے کہ طول وعرض کے بغیر صرف عمق کا اعتبار نہیں ہے اور نہ ہی اس پر اعتماد ہے لہٰذا قارئین کرام کو اس مسئلہ میں چوکنا رہنا چاہئے۔

مختصر تشریح شارح نے حوضِ کبیر کے طول وعرض کی مقدار کو بیان فرمایا کہ وہ "دہ دردہ" ہو، لیکن عمق کی مقدار بیان نہیں فرمائی۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ حوض کبیر کے عمق کی مقدار کیا ہو اس بارے میں ظاہر الروایہ کے مطابق اہل مذہب میں کوئی تحدید نہیں آئی ہے۔ صاحب بدائع الصنائع نے اسی کی تصحیح کی ہے۔ اور علامہ برہان الدین صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ حوض کبیر کا عمق اتنا ہو کہ چلّو سے پانی لیتے وقت زمین ظاہر نہ ہو، اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۴۴)

قولہ ثم المختار طهارة المتنجس الخ: اس عبارت سے شارح علیہ الرحمہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی حوض یا تالاب ناپاک ہو اور اس میں پاک پانی اس مقدار میں پہنچا کہ اس حوض اور تالاب کا پانی جاری ہو گیا اور اس میں روانی پیدا ہو گئی تو جاری ہوتے ہی وہ پاک قرار دیا جائے گا اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ جب سارا پانی نکل کر بہہ جائے تو پاک قرار دیا جائے گا۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جب تین گنا پانی نکلے گا تو پاک ہوگا۔ اور البحر الرائق میں صراحت ہے کہ حوض کا پانی اس وقت پاک ہوگا جب پاک پانی خارج سے داخل ہو اور پھر حوض یا تالاب سے جاری ہو جائے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ حوض اور تالاب میں نالی کھود کر اس کا پانی بہا دیا جائے تو پاک ہوگا۔ (شامی: ۱/ ۳۴۵)

یہی حکم کنواں اور حمام کے حوض کا بھی ہے یعنی اگر کنواں اور حمام کے حوض کا پانی نجاست کے گرنے کی وجہ سے ناپاک ہو گیا پھر اس میں پاک پانی اس قدر داخل ہو گیا کہ حوض یا کنواں لبالب بھر کر جاری ہو گیا اور پانی بہہ گیا تو پاک ہو جائے گا اور اگر کسی ناپاک کنواں میں چشمہ پھوٹ پڑے اور کنواں بھر کر بہنے لگے تو بھی پاک ہو جائے گا۔ (شامی: ۱/ ۳۴۵)

مسئلہ: اگر کوئی بہت بڑا پیالہ ہو یا ڈرم ہو جو حوض کی مانند ہو اور اس میں ناپاک پانی ہو پھر اس میں پاک پانی باہر سے اس قدر ڈال دیا کہ وہ پیالہ یا ڈرم بھر کر بہنے لگا تو کیا اس سے ڈرم اور پیالہ کا پانی پاک ہو جائے گا؟ جس طرح کہ حوض کا پانی پاک ہو جاتا ہے؟ تو اس بارے میں علامہ شامی کا قول فیصل یہ ہے کہ پیالہ اور ڈرم کو حوض کے حکم میں شامل مانیں گے اور پانی پاک ہو جائے گا۔ (شامی: ۱/ ۳۴۵)

قولہ والمختار ذراع الکرباس: جو حوض دس گز لمبا اور دس گز چوڑا ہو وہ حوض کبیر کہلاتا ہے۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہاں جو ذراع آیا ہے تو اس سے مراد وہ ذراع اور گز ہے جس کے ذریعہ کپڑے کی پیمائش کی جاتی ہے۔ صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین مرغینانی فرماتے ہیں کہ اسی قول پر فتویٰ ہے اور درر اور فتاویٰ ظہیریہ میں، نیز خلاصہ اور خزانہ میں اسی قول کو اختیار کیا

گیا ہے۔ اور صاحب البحر الرائق اور قاضی خاں نے فرمایا کہ ذراع سے مراد ذراع الکرباس نہیں بلکہ ذراع مساحت ہے اور ذراع مساحت سات مٹھی، اور ہر مٹھی پر ایک کھڑی انگلی کی مقدار ہے۔ محیط اور کافی میں ہے کہ ہر زمانے اور ہر مکان کے ذراع کا اعتبار ہے صاحب النہر الفائق نے اس قول کو انسب قرار دیا ہے۔ لیکن علامہ شامی فرماتے ہیں کہ کپڑا ناپنے والا ہی گز مراد لینا اولی ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۴۷)

مسئلہ: جو حوض دہ در دہ ہو اور اس کی گہرائی پانچ انگلیوں کی مقدار ہو تو اس حوض میں کم و بیش تین ہزار تین سو بارہ سیر پانی آئے گا، لہٰذا جس حوض میں اتنی مقدار پانی ہو وہ حوض کبیر کے حکم میں ہوگا۔ اور محض نجاست کے واقع ہونے سے ناپاک نہ ہوگا جب تک نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو۔ اور پانی کے اوصاف میں سے کوئی وصف نہ بدل جائے۔ (شامی: ۱/ ۳۴۷)

صاحب فتح القدیر علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ وہ حوض جو کناروں سے تنگ ہو اور گہرائی زیادہ ہو کو آپ کثیر کہنا درست نہیں ہے اس لیے کہ قلیل و کثیر کا مدار اس بات پر ہے کہ نجاست کا اثر ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف نہ پہنچے اور جب حوض کا کنارہ تنگ ہوگا تو یہ بات حاصل نہ ہوگی بلکہ ایک طرف کی نجاست کا اثر بآسانی دوسری طرف پہنچ جائے گا۔ (کذا فی الطحاوی)

(وَلَا يَجُوزُ بِمَاءٍ) بِالْمَدِّ (زَالَ طَبْعُهُ) وَهُوَ السَّيَلَانُ وَالْإِرْوَاءُ وَالْإِنْبَاتُ (بِسَبَبِ) (طَبْخٍ كَمَرَقٍ) وَمَاءِ بَاقِلَاءَ إِلَّا بِمَا قُصِدَ بِهِ التَّنْظِيفُ كَأُشْنَانٍ وَصَابُونٍ فَيَجُوزُ إِنْ بَقِيَ رِقَّتُهُ (أَوْ) بِمَاءٍ (اُسْتُعْمِلَ لِأَجْلِ (قُرْبَةٍ) أَيْ ثَوَابٍ وَلَوْ مَعَ رَفْعِ حَدَثٍ أَوْ مِنْ مُمَيِّزٍ أَوْ حَائِضٍ لِعَادَةٍ أَوْ عِبَادَةٍ أَوْ غُسْلِ مَيِّتٍ أَوْ يَدٍ لِأَكْلٍ أَوْ مِنْهُ بِنِيَّةِ السُّنَّةِ (أَوْ) لِأَجْلِ (رَفْعِ حَدَثٍ) وَلَوْ مَعَ قُرْبَةٍ كَوُضُوءِ مُحْدِثٍ وَلَوْ لِلتَّبَرُّدِ، فَلَوْ تَوَضَّأَ مُتَوَضِّئٌ لِتَبَرُّدٍ أَوْ تَعْلِيمٍ أَوْ لِطِينٍ بِيَدِهِ لَمْ يَصِرْ مُسْتَعْمَلًا اتِّفَاقًا كَزِيَادَةٍ عَلَى الثَّلَاثِ بِلَا نِيَّةِ قُرْبَةٍ، وَكَغَسْلِ نَحْوِ فَخِذٍ أَوْ ثَوْبٍ طَاهِرٍ أَوْ دَابَّةٍ تُؤْكَلُ (أَوْ) لِأَجْلِ (إِسْقَاطِ فَرْضٍ) هُوَ الْأَصْلُ فِي الِاسْتِعْمَالِ كَمَا نَبَّهَ عَلَيْهِ الْكَمَالُ، بِأَنْ يَغْسِلَ بَعْضَ أَعْضَائِهِ أَوْ يُدْخِلَ يَدَهُ أَوْ رِجْلَهُ فِي جُبٍّ لِغَيْرِ اغْتِرَافٍ وَنَحْوِهِ فَإِنَّهُ يَصِيرُ مُسْتَعْمَلًا لِسُقُوطِ الْفَرْضِ اتِّفَاقًا وَإِنْ لَمْ يَزُلْ حَدَثُ عُضْوِهِ أَوْ جَنَابَتِهِ مَا لَمْ يَتِمَّ لِعَدَمِ تَجَزِّيهِمَا زَوَالًا وَثُبُوتًا عَلَى الْمُعْتَمَدِ قُلْتُ: وَيَنْبَغِي أَنْ يُزَادَ أَوْ سُنَّةٌ لِيَعُمَّ الْمَضْمَضَةَ وَالِاسْتِنْشَاقَ، فَتَأَمَّلْ (إِذَا انْفَصَلَ عَنْ عُضْوٍ وَإِنْ لَمْ يَسْتَقِرَّ) فِي شَيْءٍ عَلَى الْمَذْهَبِ، وَقِيلَ إِذَا اسْتَقَرَّ، وَرُجِّحَ لِلْحَرَجِ. وَرُدَّ بِأَنَّ مَا يُصِيبُ مِنْدِيلَ الْمُتَوَضِّئِ وَثِيَابَهُ عَفْوٌ اتِّفَاقًا وَإِنْ كَثُرَ (وَهُوَ طَاهِرٌ) وَلَوْ مِنْ جُنُبٍ وَهُوَ الظَّاهِرُ، لَكِنْ يُكْرَهُ شُرْبُهُ وَالْعَجْنُ بِهِ تَنْزِيهًا لِلِاسْتِقْذَارِ، وَعَلَى رِوَايَةِ نَجَاسَتِهِ تَحْرِيمًا (وَ) حُكْمُهُ أَنَّهُ (لَيْسَ بِطَهُورٍ) لِحَدَثٍ بَلْ لِخَبَثٍ عَلَى الرَّاجِحِ الْمُعْتَمَدِ. [فَرْعٌ] اُخْتُلِفَ فِي مُحْدِثٍ انْغَمَسَ فِي بِئْرٍ لِدَلْوٍ أَوْ تَبَرُّدٍ مُسْتَنْجِيًا بِالْمَاءِ

وَلَا نَجَسَ عَلَيْهِ وَلَمْ يَنْوِ وَلَمْ يَتَدَلَّكْ وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ طَاهِرٌ وَالْمَاءُ مُسْتَعْمَلٌ لِاشْتِرَاطِ الِانْفِصَالِ لِلِاسْتِعْمَالِ، وَالْمُرَادُ أَنَّ مَا اتَّصَلَ بِأَعْضَائِهِ وَانْفَصَلَ عَنْهَا مُسْتَعْمَلٌ لَا كُلُّ الْمَاءِ عَلَى مَا مَرَّ.

ترجمہ اور اس پانی سے وضو اور غسل کرنا جائز نہیں ہوتا ہے جس کی طبیعت پکانے کی وجہ سے زائل ہو چکی ہو، جیسے شوربا اور باقلا کا پانی۔ اور پانی کی طبیعت سیلان اور بجھانا اور گھاس پودا اُگانا ہے۔ ہاں اگر پکانے کا مقصد میل کچیل صاف کرنا ہے جیسے صابون اور اشنان تو اس پانی سے وضو اور غسل جائز ہے بشرطیکہ پانی کی رقت یعنی پتلا پن ہونا باقی ہو۔ اور اس پانی سے بھی وضو اور غسل کرنا جائز نہیں ہوتا ہے جو حصولِ ثواب کی غرض سے استعمال کیا گیا ہو اگر چہ حصولِ ثواب حدث دور کرنے کے ساتھ ہو یا کسی نابالغ سمجھدار نے استعمال کیا ہو یا حائضہ عورت نے عبادت کی عادت باقی رکھنے کے لیے استعمال کیا ہو یا کسی میت کو غسل دینے کے لیے استعمال ہوا ہو یا کھانے سے پہلے یا کھانے کی سنت کی ادائے گی کی غرض سے ہاتھ دھویا گیا ہو، یا حدث دور کرنے کے واسطے پانی استعمال ہوا ہو گر چہ یہ استعمال قربت کے ساتھ ساتھ ہو، جیسے بے وضو شخص کا وضو کرنا یہ استعمال ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے ہو (تو ان تمام صورتوں میں پانی مستعمل ہو جائے گا اور اس سے طہارت جائز نہ ہوگی) چناں چہ اگر کسی باوضو شخص نے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے، یا کسی کو وضو سکھانے کے لیے یا ہاتھ میں مٹی لگی ہوئی تھی اس کو دھونے کے لیے وضو کیا تو اس سے بالاتفاق پانی مستعمل نہ ہوگا (اس لیے کہ یہاں مذکورہ صورتوں میں پانی کا استعمال نہ حصولِ ثواب کی نیت سے ہے اور نہ ہی حدث دور کرنے کے واسطے ہے) جس طرح بغیر ثواب کی نیت کئے تین مرتبہ سے زیادہ دھونے سے پانی مستعمل نہیں ہوتا ہے اور جس طرح ران یا پاک کپڑا یا پاک جانور کے دھونے سے پانی مستعمل نہیں ہوتا ہے۔ ہاں اگر فرض کی ادائیگی کے لیے پانی استعمال کیا تو اس سے پانی مستعمل ہو جائے گا اور یہی در حقیقت پانی کے مستعمل ہونے کا سبب حقیقی ہے جیسا کہ اس پر محقق کمال نے تنبہ کیا ہے۔ اور ادائے گی فرض کے صورت یہ ہے کہ بے وضو شخص اپنے بعض اعضاء کو دھوئے یا پانی کے مٹکے میں اپنا ہاتھ یا اپنا پاؤں ڈالے، اور اس سے پانی لینا مقصد نہ ہو تو اس صورت میں فرض کے ساقط ہونے کی وجہ سے بالاتفاق پانی مستعمل ہو جائے گا اگر چہ اس بے وضو شخص کے عضو کی ناپاکی اور اس کی جنابت اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک مکمل طور پر اسقاط فرض پورا نہ ہو چکے۔ اس لیے کہ معتمد قول کی بنیاد پر حدث کے دور ہونے میں اور اس کے ثابت ہونے میں تجزی نہیں ہے (یعنی محض ایک عضو کے دھونے سے حدث دور نہ ہو جائے گا جب تک پورے اعضاء نہ دھولیں) میں کہتا ہوں کہ مناسب یہ ہے کہ یہاں اسقاط فرض کے بعد ''اَوسنۃ'' کا بھی اضافہ کیا جائے تا کہ مضمضہ اور استنشاق دونوں شامل ہو جائیں، لہٰذا اے مخاطب! آپ اس باب میں غور وفکر سے کام لیں۔ اور مذکورہ صورت میں جوں ہی پانی عضو سے جدا ہوگا مستعمل قرار پائے گا اگر چہ کسی جگہ گر کر نہ ٹھہرے اس باب میں درست مذہب یہی ہے۔ اور کچھ علماء کا کہنا کہ جب پانی عضو سے جدا ہو کر کسی جگہ ٹھہر جائے تب مستعمل قرار پائے گا اور حرج کی وجہ سے اس دوسرے قول کو ترجیح دی گئی ہے اور اس طرح رد کیا گیا ہے کہ جو مستعمل پانی وضو کرنے والے کے رومال یا اس کے

کپڑے میں لگتا ہے وہ بالاتفاق معاف ہے اگر چہ بہت زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ اور ظاہر مذہب کے مطابق استعمال کیا ہوا پانی پاک ہے، خواہ جنبی شخص ہی نے کیوں نہ استعمال کیا ہو، البتہ اس کو پینا اور اس سے آٹا گوندھنا مکروہِ تنزیہی ہے کیونکہ اس سے گھن آتی ہے۔ اور جس روایت میں مستعمل پانی کو نجس قرار دیا گیا ہے اس کے مطابق اس سے آٹا گوندھنا یا اس کو پینا مکروہ تحریمی ہے اور مستعمل پانی کا حکم یہ ہے کہ وہ خود تو پاک ہے لیکن اس میں پاک کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، یعنی راجح اور معتمد قول کے مطابق وہ نجاست حقیقی کو پاک کرنے والا نہیں ہے۔

فروع: ایک بے وضو شخص جس کے بدن پر کوئی نجاست نہ تھی ڈول تلاش کرنے کی غرض سے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کی غرض سے اس نے پانی سے استنجاء کر کے کنویں میں غوطہ لگایا اور اس نے وضو اور غسل نہیں کیا اور نہ ہی اس نے بدن کو ملا تو اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا اس کا پانی مستعمل ہوگا یا نہیں؟ اصح قول اس باب میں یہ ہے کہ وہ شخص پاک ہے اور کنویں کا پانی مستعمل ہے اس لیے کہ استعمال کی شرط پانی کا بدن سے جدا ہونا ہے اور یہ یہاں پایا گیا ہے اور مراد یہ ہے کہ وہ پانی مستعمل ہے جو غوطہ لگانے کے بعد اعضاء سے ملا اور پھر ان سے جدا ہوا کنویں کا کل پانی مستعمل نہیں ہے اس قول کے مطابق جو پہلے گذرا۔

مختصر تشریح شارح موصوف علامہ علاء الدین حصکفی اس عبارت سے تین باتیں بیان فرما رہے ہیں: (۱) کن پانیوں سے پاکی حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ (۲) مستعمل پانی کی تعریف۔ (۳) مستعمل پانی کا حکم۔ چناں چہ سب سے پہلے تو یہ بیان فرما رہے ہیں کہ کن پانیوں سے طہارت جائز نہیں؟ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جس پانی کی طبیعت پکانے کی وجہ سے زائل ہو چکی ہو یعنی اس کے اندر سے سیلانیت یا پیاس بجھانے کی صلاحیت یا گھاس اُگانے کی صلاحیت ختم ہو چکی ہو تو اس سے طہارت حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ مصالحہ یا گوشت ڈال کر پانی کو پکایا یا دال ڈال کر پکایا جائے تو اس سے طہارت جائز نہ ہوگی اس لیے کہ وہ اب پانی کے حکم میں نہیں رہا ہے۔ اور نہ ہی اس کا نام پانی باقی رہا بلکہ کوئی دوسرا نام پڑ گیا، لہٰذا اس طرح کے پانی سے وضو اور غسل کرنا جائز نہیں ہوتا ہے۔ ہاں اگر پانی میں ایسی چیز ڈال کر پکائی جائے جس سے پانی میں میل کچیل دور کرنے کی صلاحیت بڑھ جائے جیسے بیری کے پتے یا اشنان وغیرہ تو اس سے وضو اور غسل جائز ہوتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ پانی کی رقت یعنی سیلانیت باقی ہو۔

مستعمل پانی کی تعریف

جس پانی کو قربت وثواب حاصل کرنے کی غرض سے یا حدث دور کرنے کے واسطے یا فرض کو ساقط کرنے کے واسطے استعمال کیا گیا ہو وہ پانی جوں ہی استعمال کرنے والے کے بدن سے جدا ہوگا مستعمل ہو جائے گا، خواہ وہ پانی گر کر کسی جگہ ٹھہرا ہو یا نہ ٹھہرا ہو۔ جو شخص صرف حصولِ ثواب کی نیت سے وضو کرے، ازالہ حدث مقصود نہ ہو پھر بھی اس وضو میں استعمال ہونے والا پانی حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک بالاتفاق مستعمل ہو جائے گا۔ حضرت امام محمدؒ کے

نزدیک پانی کے استعمال کا سبب صرف حصولِ ثواب ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پانی کے استعمال ہونے کا سبب حصولِ ثواب اور ازالہ حدث دونوں ہیں بلکہ ادئیگی غرض بھی استعمال کا سبب ہے۔

نابالغ شخص شریعت میں مکلف نہیں ہے لیکن جب وہ سمجھ دار ہے اور ثواب کے حصول کی نیت سے وضو کر رہا ہے تو اس کا استعمال کیا ہوا پانی مستعمل ہو جائے گا۔ اسی طرح حائضہ عورت جس پر نماز فرض نہیں ہے لیکن حائضہ کے لیے مستحب ہے کہ نماز کے وقت میں مصلی بچھا کر اس پر اتنی دیر بیٹھی رہے اور تسبیح و تہلیل میں مشغول رہے جتنی دیر میں نماز ادا ہوتی ہے تاکہ نماز کی عادت باقی رہے تو اس کے استعمال سے بھی پانی مستعمل ہو جائے گا۔ (شامی: ۱/۳۴۹)

جس پانی سے میت کو غسل دیا جائے گا وہ پانی مستعمل ہو جائے گا خواہ میت کے جسم پر کوئی نجاست وغیرہ بالکل نہ ہو، اسی طرح اگر کوئی شخص ادائیگی سنت کی غرض سے کھانے سے قبل یا کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھوئے تو اس سے بھی پانی مستعمل ہو جائے گا۔ اسی طرح تمام سنتوں کی ادائیگی کے لیے جو پانی استعمال ہوگا سب مستعمل ہوں گے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص باوضو ہے اور وہ محض ٹھنڈک حاصل کرنے کی غرض سے یا دوسروں کو وضو سکھانے کی غرض سے، یا ہاتھ میں مٹی لگی ہے اس کو دھونے کی غرض سے پانی استعمال کیا تو اس صورت میں پانی مستعمل نہ ہوگا اس لیے کہ یہاں پانی کے مستعمل ہونے کی جو اسباب ہیں ان میں سے کوئی سبب نہیں پایا گیا ہے، یہاں نہ حصولِ ثواب مقصود ہے اور نہ ازالہ حدث مقصود ہے اور نہ اسقاطِ فرض غرض ہے اس لیے بالاتفاق صورتِ مذکورہ میں پانی مستعمل نہ ہوگا۔ اب یہاں ایک اشکال ہوسکتا ہے کہ تعلیم بھی تو بغرضِ حصولِ ثواب ہوتی ہے لہٰذا پانی مستعمل ہونا چاہیے تھا؟ اس کا جواب صاحب البحر الرائق نے یہ دیا ہے کہ ثواب کی نیت تعلیم وضو میں ہے پانی کے استعمال میں نہیں ہے اس لیے پانی مستعمل نہ ہوگا۔ (شامی: ۱/۳۵۰)

مسئلہ: اگر کوئی پاک وصاف شخص اعضائے وضو کے علاوہ کوئی دوسرا عضو جیسے ران یا پاک کپڑا وغیرہ دھوئے تو وہ پانی مستعمل نہ ہوگا اس لیے کہ اس میں نہ قربت ہے اور نہ ازالہ حدیث اور نہ ہی اسقاطِ فرض ہے، حالانکہ صاحب البحر الرائق کے قول کے مطابق یہی تین چیزیں پانی کے مستعمل ہونے کے اسباب ہیں، اسقاطِ فرض کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنا ہاتھ کہنیوں تک، پاؤں ٹخنوں تک کسی برتن میں ڈال دے جس میں پانی بھرا ہوا ہے تو اس سے پانی مستعمل ہو جائے گا اس صورت میں نہ ازالہ حدث ہے اور نہ ہی قربت کی نیت ہے لیکن اسقاطِ فرض ہے کیونکہ اس کے ڈبونے سے اس عضو کے دھونے کا فریضہ ساقط ہو گیا ہے اور اسقاطِ فرض بھی پانی کے مستعمل ہونے کا سبب ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص صرف دو انگلی پانی کے برتن میں ڈالے یا ہاتھ سے مٹی دور کرنے کے لیے دھوئے یا پانی میں کوئی چیز گر گئی ہے اس کو نکالنے کے لیے ہاتھ ڈالے تو اس سے پانی مستعمل نہ ہوگا۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حدث کا دور کرنا یا حدث کا ثابت ہونا متجزی نہیں ہوتا ہے یعنی ایسا نہیں ہوتا ہے کہ کچھ زائل ہو اور کچھ باقی رہے بلکہ جب زائل ہوگا تو پورا حدث زائل ہوگا اور

جب باقی رہے گا تو پورا حدث باقی رہے گا، قابل اعتماد قول اس باب میں یہی ہے۔

مستعمل پانی کا حکم

مستعمل پانی پاک ہے یا ناپاک ہے؟ تو اس بارے میں علمائے عراق کا مسلک یہ ہے کہ استعمال کیا ہوا پانی بالاتفاق پاک ہے۔ دوسرا قول حضرت امام محمدؒ کا حضرت امام اعظمؒ سے یہ ہے کہ مستعمل پانی پاک ہے اسی قول کو محققین علماء نے اختیار فرمایا ہے۔ اور مشائخ نے فرمایا کہ اسی قول پر فتویٰ ہے۔ ماءِ مستعمل کے متعلق تیسرا قول یہ ہے کہ وہ ماءِ مستعمل نجس ہے، نجاست غلیظہ کے ساتھ۔ اور چوتھا قول یہ ہے کہ مستعمل پانی نجاست خفیفہ کے درجہ میں ناپاک ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ نے حضرت امام اعظمؒ سے یہی قول نقل فرمایا ہے۔ اور خود حضرت امام ابو یوسفؒ کا اسی قول پر عمل ہے لیکن عامۃ المشائخ نے طہارت والے قول کو صحیح کہا ہے، چناں چہ بعض کتابوں میں صراحت ہے کہ مستعمل پانی عند الاحناف طاہر غیر مطہر ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۵۲)

اور امام حسن بصریؒ سے فخر الاسلام نے نقل کیا ہے کہ ماءِ مستعمل کا پاک ہونا ہی راجح قول ہے اور یہی قول حضرت امام محمد کی تمام کتابوں میں مذکور ہے جو درحقیقت مذہب احناف کی اساسی کتابیں ہیں۔ اور محققین علماء ماوراء النہر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ الغرض ماءِ مستعمل کا طاہر غیر مطہر ہونا ہی ہر اعتبار سے راجح اور قابل اعتماد قول ہے، جیسا کہ فقہائے کرام کی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔

قولہ محدث انغمس الخ: محدث کا لفظ عام ہے جو حدث اصغر، حدث اکبر دونوں کو شامل ہے۔ اسی طرح اس لفظ میں حائضہ اور نفاس والی عورت بھی شامل ہے، بشرطیکہ حیض ونفاس بند ہو چکا ہو۔ اور اگر عورت کا حیض ونفاس بند نہیں ہوا اور اس کے جسم پر کوئی ظاہری نجاست بھی نہیں ہے بلکہ جسم بالکل پاک وصاف ہے اور کنویں میں ڈول تلاش کرنے کی غرض سے اُتری تو اس صورت میں پانی مستعمل نہ ہوگا۔ اور یہاں کنویں سے مراد وہ کنواں ہے جو دہ دردہ سے کم ہو اور جاری کنواں نہ ہو۔ اور اس عبارت میں "لِدلو" کی قید اس لیے ہے کہ اگر وہ کنویں میں ڈول نکالنے کے لیے نہیں بلکہ غسل کرنے کے ارادے سے پانی میں اترا ہے تو بالاتفاق پانی مستعمل ہو جائے گا، اس لیے کہ یہاں ازالہ حدث بھی پایا گیا اور ساتھ ساتھ نیت قربت بھی۔ اور اس عبارت میں "مستنجیا بالماء" یعنی پانی سے استنجاء کر کے داخل ہوا ہو یہ قید شارحؒ نے اس لیے لگائی ہے کہ اگر کوئی شخص ڈھیلوں سے استنجاء کر کے کنویں میں اترے گا تو اس سے کنویں کا پانی بالاتفاق ناپاک ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر بدن پر کوئی ظاہری نجاست ہوگی تو بھی کنویں کا پانی ناپاک ہو جائے گا۔ نیز اگر کنویں میں اُترنے کا مقصد ازالہ حدث ہوگا تو بھی پانی ناپاک ہو جائے گا۔ اور "اصح" کی قید اس لیے لگائی ہے کہ ایک قول امام صاحب سے یہ بھی مروی ہے کہ آدمی اور پانی دونوں ناپاک ہو جائیں گے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ آدمی علی حالہ باقی رہے گا اور پانی بھی علی حالہ پاک ہی رہے گا ناپاک نہ ہوگا۔ یعنی آدمی اور کنواں دونوں اپنی

اپنی حالت پر رہیں گے۔ صاحب کنز الدقائق نے اس مسئلہ کو "مسئلة البحر جحط" کے ذریعہ بیان فرمایا ہے۔

(وَكُلُّ إِهَابٍ) وَمِثْلُهُ الْمَثَانَةُ وَالْكِرْشُ. قَالَ الْقُهُسْتَانِيُّ: فَالْأَوْلَى وَمَا (دُبِغَ) وَلَوْ بِشَمْسٍ (وَهُوَ يَحْتَمِلُهَا طَهُرَ) فَيُصَلَّى بِهِ وَيُتَوَضَّأُ مِنْهُ (وَمَا لَا) يَحْتَمِلُهَا (فَلَا) وَعَلَيْهِ (فَلَا يَطْهُرُ جِلْدُ حَيَّةٍ) صَغِيرَةٍ ذَكَرَهُ الزَّيْلَعِيُّ، أَمَّا قَمِيصُهَا فَطَاهِرٌ (وَفَأْرَةٍ) كَمَا أَنَّهُ لَا يَطْهُرُ بِذَكَاةٍ لِتَقَيُّدِهِمَا بِمَا يَحْتَمِلُهُ (خَلَا) جِلْدِ (خِنْزِيرٍ) فَلَا يَطْهُرُ، وَقُدِّمَ؛ لِأَنَّ الْمَقَامَ لِلْإِهَانَةِ (وَآدَمِيٍّ) فَلَا يُدْبَغُ لِكَرَامَتِهِ، وَلَوْ دُبِغَ طَهُرَ وَإِنْ حَرُمَ اسْتِعْمَالُهُ، حَتَّى لَوْ طُحِنَ عَظْمُهُ فِي دَقِيقٍ لَمْ يُؤْكَلْ فِي الْأَصَحِّ احْتِرَامًا. وَأَفَادَ كَلَامُهُ طَهَارَةَ جِلْدِ كَلْبٍ وَفِيلٍ وَهُوَ الْمُعْتَمَدُ. (وَمَا) أَيْ إِهَابٌ (طَهُرَ بِهِ) بِدِبَاغٍ (طَهُرَ بِذَكَاةٍ) عَلَى الْمَذْهَبِ (لَا) يَطْهُرُ (لَحْمُهُ عَلَى) قَوْلِ (الْأَكْثَرِ إِنْ) كَانَ (غَيْرَ مَأْكُولٍ) هَذَا أَصَحُّ مَا يُفْتَى بِهِ وَإِنْ قَالَ فِي الْفَيْضِ الْفَتْوَى عَلَى طَهَارَتِهِ (وَهَلْ يُشْتَرَطُ) لِطَهَارَةِ جِلْدِهِ (كَوْنُ ذَكَاتِهِ شَرْعِيَّةً) بِأَنْ تَكُونَ مِنَ الْأَهْلِ فِي الْمَحَلِّ بِالتَّسْمِيَةِ (قِيلَ نَعَمْ، وَقِيلَ لَا، وَالْأَوَّلُ أَظْهَرُ) ؛ لِأَنَّ ذَبْحَ الْمَجُوسِيِّ وَتَارِكِ التَّسْمِيَةِ عَمْدًا كَلَا ذَبْحٍ (وَإِنْ صَحَّحَ الثَّانِيَ) صَحَّحَهُ الزَّاهِدِيُّ فِي الْقُنْيَةِ وَالْمُجْتَبَى، وَأَقَرَّهُ فِي الْبَحْرِ. [فَرْعٌ] مَا يَخْرُجُ مِنْ دَارِ الْحَرْبِ كَسِنْجَابٍ إِنْ عَلِمَ دَبْغَهُ بِطَاهِرٍ فَطَاهِرٌ، أَوْ بِنَجِسٍ فَنَجِسٌ، وَإِنْ شَكَّ فَغَسْلُهُ أَفْضَلُ.

ترجمہ اور ہر وہ کچا چمڑا جس کو دباغت دے دیا جائے خواہ دھوپ کے ذریعہ ہی سے کیوں نہ ہو اگر وہ دباغت کے قابل ہے تو وہ پاک ہو جائے گا، لہٰذا اس کو مصلی بنا کر نماز پڑھنا یا اس چمڑے کو ڈول بنا کر اس سے وضو کرنا جائز ہے۔ اور چمڑا ہی کی طرح دباغت قبول کرنے میں پھکنا اور اوجھڑی ہے اور علامہ قہستانی نے فرمایا کہ بہتر یہ تھا کہ "کل إهاب و ما دبغ" کہا جاتا (یعنی لفظ مَا کے ساتھ عموم لایا جاتا، تاکہ چمڑا اور غیر چمڑا سب اس میں داخل ہو جاتا) اور جو شئی دباغت کے قابل نہ ہو وہ دباغت دینے سے پاک نہ ہوگی۔ اسی قول پر فتویٰ بھی ہے، پس دباغت دینے سے چھوٹے سانپ کی کھال اور چوہے کی کھال پاک نہ ہوگی، اس کو علامہ زیلعی نے ذکر کیا ہے، رہی سانپ کی کینچلی تو وہ پاک ہے جس طرح سانپ اور چوہے کو ذبح کرنے سے ان کی کھال پاک نہیں ہوتی ہے اس لیے کہ ان میں لائق دباغت کی قید موجود ہے (یعنی کھال دباغت کے لائق ہو یا جانور ذبح کے لائق ہو) اور ہر وہ چمڑا جو دباغت کے لائق ہو دباغت سے پاک ہو جاتا ہے ہاں سور کا چمڑا اور آدمی کا چمڑا دباغت سے بھی پاک نہ ہوگا، اس لیے کہ خنزیر نجس العین ہے اور انسان کا چمڑا اس کی کرامت و شرافت کی وجہ سے پاک نہ ہوگا۔ اور یہاں خنزیر کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اس کی اہانت کے پیش نظر، اگر آدمی کے چمڑے کو دباغت دے دی جائے تو پاک تو ہو جائے گا، البتہ اس کا استعمال کرنا حرام ہوگا، یہاں تک کہ اگر انسان کی ہڈی آٹے میں پیسی گئی تو اصح قول یہ ہے کہ وہ آٹا نہیں کھایا جائے گا کیونکہ اس کی تعظیم کا یہی تقاضہ ہے

اور مصنف کے کلام سے معلوم ہوا کہ کتے اور ہاتھی کا چمڑا دباغت کے بعد پاک ہے اور یہی قول قابل اعتماد ہے۔ اور جن جانوروں کا چمڑا دباغت دینے سے پاک ہوجاتا ہے ان کا چمڑا صحیح مذہب کے مطابق شرعی طور پر ذبح کرنے سے بھی پاک ہوجاتا ہے لیکن اکثر علماء کرام کے نزدیک ان جانوروں کا گوشت ذبح کرنے کے بعد بھی پاک نہیں ہوتا ہے اگر وہ جانور جن کو ذبح کیا گیا ہو غیر ماکول اللحم ہوں اور جن قولوں پر فتویٰ دیا گیا ہے ان میں سب سے زیادہ اصح ترین قول یہی ہے، اگر چہ فیض میں ہے کہ فتویٰ اس کے گوشت کے پاک ہونے پر ہے (لیکن یہ قول مرجوح ہے)

اور کیا ان کھالوں کی طہارت کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ ان جانوروں کو شرعی طور پر ذبح کیا جائے اس طور پر کہ ذبح کرنے والا اہل یعنی مسلم عاقل ہو، اور ذبح کرنے کے محل میں بسم اللہ کے ساتھ ہو؟ بعض علماء نے فرمایا کہ ہاں! شرعی طور پر ذبح ہونا شرط ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ شرعی طور پر ذبح کرنا شرط نہیں ہے، اور ان دونوں میں پہلا قول زیادہ ظاہر ہے اس لیے کہ مجوسی اور جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑنے والے کا ذبح کرنا ذبح نہ کرنے کے درجہ میں ہے اگر چہ دوسرے قول کی تصحیح زاہدی نے قنیہ اور مجتبیٰ میں کی ہے۔ اور صاحب البحر الرائق نے اس تصحیح کو برقرار رکھا ہے۔

فرع: جو کھال دار الحرب یعنی کافروں کے ملک سے آتی ہے جیسے سنجاب، اگر اس کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ اس کی دباغت پاک چیز سے دی گئی ہے تو وہ پاک ہے اور اگر یہ معلوم ہے کہ اس کی دباغت ناپاک چیز سے دی گئی ہے تو وہ ناپاک ہے، اور اگر شک واقع ہو یعنی معلوم نہ ہو کہ پاک چیز سے دباغت دی گئی ہے یا ناپاک چیز سے تو ایسی صورت میں اس کا دھو لینا بہتر ہے۔

مختصر تشریح اس عبارت میں شارح موصوف نے مسئلہ دباغت کو واضح فرمایا ہے۔ إهاب: اس چمڑے کو کہتے ہیں جس کی دباغت نہ دی گئی ہو، خواہ وہ ماکول اللحم جانور کا چمڑا ہو یا غیر ماکول اللحم جانور کا چمڑا ہو۔ إهاب کی جمع أهب آتی ہے، جیسے کتاب کی جمع کتب آتی ہے۔ اور جس چمڑے کی دباغت دیدی جاتی ہے اس کو عربی میں ادیم، صرم اور جراب کہتے ہیں، جیسا کہ اس کا بیان نہایہ میں ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۵۵)

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے مسئلہ دباغت کو پانی بحث کی میں کیوں ذکر فرمایا ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ مسئلہ دباغت سے تین حکم ثابت ہوتے ہیں: (۱) چمڑے کا پاک ہونا (۲) ان چمڑے کے مصلّے پر نماز کا درست ہونا (۳) اس چمڑے کے برتن سے وضو کرنا۔ پہلے کا تعلق کتاب الصید سے ہے۔ دوسرے کا تعلق کتاب الصلوٰۃ سے ہے۔ اور تیسرے کا تعلق کتاب الطہارۃ سے ہے، مصنفؒ نے مسئلہ دباغت کو پانی کی بحث میں اسی تیسرے معنی کی وجہ سے بیان فرمایا ہے۔

دباغت کی قسمیں

دباغت کی دو قسمیں: (۱) دباغت حقیقی۔ (۲) دباغت حکمی۔ دباغت حقیقی یہ ہے کہ چمڑے کو پھٹکری یا ببول کے پتہ کے ذریعہ دباغت دی جائے اور چمڑے کو خراب ہونے سے بچایا جائے۔ اس طرح کی دباغت سے جو کھال پاک ہوتی ہے پانی پہنچ

جانے سے ناپاک نہیں ہوتی ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۵۵)

دباغت حکمی یہ ہے کہ چمڑے کو سورج کی دھوپ میں ڈال دیا جائے اور وہ خشک ہو کر خراب ہونے سے محفوظ ہو جائے تو دباغت حکمی سے متعلق حضرات فقہاء کرام سے دو روایتیں منقول ہیں: ایک یہ کہ پانی پہنچ جانے سے ناپاک ہو جاتا ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ دباغت حکمی میں بھی پانی پہنچ جانے سے چمڑا ناپاک نہیں ہوتا ہے۔ اور بعض علماء نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۵۶)

آدمی اور خنزیر کے چمڑے کا حکم

انسان اشرف المخلوقات اور قابل احترام ہے اس لیے انسان کا چمڑا دباغت دینے سے پاک نہیں ہوتا ہے۔ انسان کے چمڑے کو دباغت دینا اس کی تعظیم کے خلاف ہے، لیکن فقہاء نے فرمایا کہ اگر کسی نے انسان کے چمڑے کی دباغت دیدی تو چمڑا تو پاک ہو جائے گا البتہ اس کا استعمال کرنا حرام ہوگا۔ اور خنزیر چونکہ نجس العین اور سراپا نجاست ہے اس لیے خنزیر کا چمڑا دباغت دینے سے پاک نہ ہوگا چاہے کسی بھی طرح دباغت دیدی جائے، ان دو مخلوق کے علاوہ تمام ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم جانوروں کا چمڑا جس کی دباغت دی جاسکتی ہو دباغت دینے سے پاک ہو جاتا ہے، حتی کہ کتا اور ہاتھی کا چمڑا بھی دباغت کے بعد پاک ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: جن غیر ماکول اللحم جانوروں کی کھال دباغت دینے سے پاک ہو جاتی ہے ان جانوروں کی کھال شرعی طور پر ذبح کرنے سے بھی پاک ہو جاتی ہے، البتہ ان کا گوشت پاک نہیں ہوتا ہے، اکثر علماء کا یہی قول ہے اور اس مسئلہ میں اصح ترین قول بھی یہی ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔ شارح علیہ الرحمہ نے اصح ما یہ یفتی کہہ کر اس بات کی جانب اشارہ فرمایا ہے کہ اس مسئلہ میں ایک دوسرا قول بھی ہے یعنی گوشت بھی پاک ہو جاتا ہے اور اس کی تصحیح بھی کی گئی ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۵۸)

مسئلہ: ہاتھی کے دانت کا بنا ہوا کنگھا استعمال کرنا جائز ہے اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ سے ہاتھی کے دانت کا کنگھا استعمال کرنا ثابت ہے، چناں چہ امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ أنّه صلّی اللّٰه علیه وسلّم کانَ یمتشِطُ مِن عَاجٍ۔ یعنی رسول اللہ ﷺ ہاتھی کے دانت کی کنگھی استعمال فرماتے تھے۔ (شامی: ۱/ ۳۵۷)

(وَشَعْرُ الْمَيْتَةِ) غَيْرُ الْخِنْزِيرِ عَلَى الْمَذْهَبِ (وَعَظْمُهَا وَعَصَبُهَا) عَلَى الْمَشْهُورِ (وَحَافِرُهَا وَقَرْنُهَا) الْخَالِيَةُ عَنْ الدُّسُومَةِ وَكَذَا كُلُّ مَا لَا تُحِلُّهُ الْحَيَاةُ حَتَّى الْإِنْفَحَةُ وَاللَّبَنُ عَلَى الرَّاجِحِ (وَشَعْرُ الْإِنْسَانِ) غَيْرُ الْمَنْتُوفِ (وَعَظْمُهُ) وَسِنُّهُ مُطْلَقًا عَلَى الْمَذْهَبِ. وَاخْتُلِفَ فِي أُذُنِهِ، فَفِي الْبَدَائِعِ نَجِسَةٌ، وَفِي الْخَانِيَةِ لَا، وَفِي الْأَشْبَاهِ: الْمُنْفَصِلُ مِنْ الْحَيِّ كَمَيْتَتِهِ إلَّا فِي حَقِّ صَاحِبِهِ فَطَاهِرٌ وَإِنْ كَثُرَ. وَيَفْسُدُ الْمَاءُ بِوُقُوعِ قَدْرِ الظُّفْرِ مِنْ جِلْدِهِ لَا بِالظُّفْرِ (وَدَمُ سَمَكٍ طَاهِرٌ) وَاعْلَمْ أَنَّهُ (لَيْسَ الْكَلْبُ بِنَجِسِ الْعَيْنِ) عِنْدَ الْإِمَامِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى وَإِنْ رَجَّحَ بَعْضُهُمْ النَّجَاسَةَ كَمَا بَسَطَهُ ابْنُ الشِّحْنَةِ، فَيُبَاعُ وَيُؤْجَرُ وَيُضْمَنُ، وَيُتَّخَذُ جِلْدُهُ مُصَلًّى وَدَلْوًا، وَلَوْ أُخْرِجَ حَيًّا وَلَمْ

يُصِبْ فَمُهُ الْمَاءَ لَا يَفْسُدُ مَاءُ الْبِئْرِ وَلَا الثَّوْبُ بِانْتِفَاضِهِ وَلَا بِعَضِّهِ مَا لَمْ يُرَ رِيقُهُ وَلَا صَلَاةُ حَامِلِهِ وَلَوْ كَبِيرًا، وَشَرَطَ الْحَلْوَانِيُّ شَدَّ فَمِهِ. وَلَا خِلَافَ فِي نَجَاسَةِ لَحْمِهِ وَطَهَارَةِ شَعْرِهِ. (وَالْمِسْكُ طَاهِرٌ حَلَالٌ) فَيُؤْكَلُ بِكُلِّ حَالٍ (وَكَذَا نَافِجَتُهُ) طَاهِرَةٌ (مُطْلَقًا عَلَى الْأَصَحِّ) فَتْحٌ، وَكَذَا الزَّبَادُ أَشْبَاهٌ لِاسْتِحَالَتِهِ إِلَى الطِّيبِيَّةِ. (وَبَوْلُ مَأْكُولِ) اللَّحْمِ (نَجِسٌ) نَجَاسَةً مُخَفَّفَةً، وَطَهَّرَهُ مُحَمَّدٌ (وَلَا يُشْرَبُ) بَوْلُهُ (أَصْلًا) لَا لِلتَّدَاوِي وَلَا لِغَيْرِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. [فُرُوعٌ] اُخْتُلِفَ فِي التَّدَاوِي بِالْمُحَرَّمِ وَظَاهِرُ الْمَذْهَبِ الْمَنْعُ كَمَا فِي رَضَاعِ الْبَحْرِ، لَكِنْ نَقَلَ الْمُصَنِّفُ ثَمَّةَ وَهُنَا عَنِ الْحَاوِي: وَقِيلَ يُرَخَّصُ إِذَا عُلِمَ فِيهِ الشِّفَاءُ وَلَمْ يُعْلَمْ دَوَاءٌ آخَرُ كَمَا رُخِّصَ الْخَمْرُ لِلْعَطْشَانِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى

ترجمہ اور اصح قول کے مطابق خنزیر کے علاوہ تمام مردہ جانوروں کے بال پاک ہیں۔ اور مشہور قول کے مطابق تمام جانوروں کی ہڈی اور اس کا پٹھا بھی پاک ہے۔ اور مردہ جانور کا کھر اور اس کی سینگ جو چکنائی سے خالی ہو پاک ہے۔ اسی طرح مردہ جانوروں کی وہ تمام چیزیں پاک ہیں جن میں زندگی حلول نہیں کرتی ہے (جیسے بال، ہڈی، چونچ اور پَر وغیرہ) حتیٰ کہ شیر خوار بچہ کے پیٹ کا دودھ اور دوسرے دودھ بھی راجح قول کے مطابق پاک ہیں۔ اور انسان کا وہ بال جو جڑ سے اُکھاڑا نہ گیا ہو اور اس کی ہڈی اور اسکے دانت مطلقاً صحیح مذہب کے مطابق پاک ہیں۔ اور انسان کے کان کے بارے میں اختلاف ہے، پس بدائع الصنائع میں ہے کہ مردہ انسان کا کان ناپاک ہے۔ اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ وہ ناپاک نہیں ہے۔ اور الاشباہ میں ہے کہ زندہ شخص سے جو حصہ جدا ہو گیا ہو وہ مردار کے مانند ہے، ہاں مگر خود اس شخص کے حق میں پاک ہے اگرچہ وہ قدر درہم سے زیادہ ہو۔ اور آدمی کی کھال ناخن کی مقدار پانی میں گرنے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے، البتہ ناخن کے گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے۔ اور مچھلی کا خون پاک ہے اور یہ بات خوب اچھی طرح جان لو کہ کتا نجس العین نہیں ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور اسی قول پر فتویٰ ہے اگرچہ بعض علماء نے نجاست والے قول کو ترجیح دی ہے، جیسا کہ ابن شحنہ نے اس کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ پس جب کتا نجس العین نہ ہوا تو اس کو فروخت کرنا، اس کو اجارہ پر دینا اور اس کے ہلاک ہونے پر تاوان کا لازم ہونا اور اس کی کھال کا دباغت کے بعد جانماز بنانا اور ڈول بنانا جائز ہے۔ اور اگر وہ کنویں میں گر جائے اور اس کو زندہ نکال لیا جائے اور اس کا منہ پانی تک نہ پہنچا ہو تو اس صورت میں کنویں کا پانی ناپاک نہ ہوگا۔ اور کپڑے پر بھیگے کتے کے چھینٹے پڑنے سے اور اس کے کاٹنے سے کپڑا اور بدن ناپاک نہ ہوگا جب تک کہ اس کی رال لگنے کا یقین یا ظن غالب نہ ہو اور نہ اس شخص کی نماز فاسد ہوگی جو نماز کی حالت میں کتا لے رہا ہے اگرچہ کتا بڑا ہو۔ اور امام حلوانی نے نماز فاسد نہ ہونے کی لیے اس کے منہ کے باندھے ہوئے ہونے کی شرط لگائی ہے لیکن کتے کے گوشت کے ناپاک ہونے اور اس کے بالوں کے پاک ہونے میں امام صاحب اور صاحبین کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور مشک پاک ہے حلال ہے، ہر حالت

میں کھایا جاسکتا ہے اور اسی طرح اس کا نافہ بھی اصح قول کے مطابق مطلقاً پاک ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔ اور اسی طرح زباد (خوشبو) پاک ہے جیسا کہ اشباہ میں ہے اس کے خوشبو سے بدل جانے کی وجہ سے۔ اور جن جانوروں کا گوشت حلال ہے اور کھایا جاتا ہے اُن کا پیشاب نجاست خفیفہ ہے۔ اور حضرت امام محمدؒ نے ان جانوروں کے پیشاب کو پاک قرار دیا ہے اور ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب بالکل نہیں پیا جائے گا نہ دوا کے طور پر نہ اس کے علاوہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

فرع: حرام چیزوں سے علاج و معالجہ کرنے میں علماء کرام کا اختلاف ہے لیکن ظاہر مذہب یہ ہے کہ حرام چیزوں سے علاج کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ البحر الرائق کی کتاب الرضاع میں ہے لیکن مصنف نے اس جگہ حاوی سے نقل کیا ہے کہ بعض علماء نے فرمایا کہ حرام چیزوں سے علاج کرنے کی اجازت اس وقت دی جاتی ہے جب یقین کے ساتھ معلوم ہو کہ حرام چیزوں ہی میں شفا ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسری دوا معلوم نہ ہو جیسا کہ پیاسے شخص کے لیے شراب کی اجازت دی گئی ہے اور اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔

مختصر تشریح شارح تنویر الابصار علامہ علاء الدین حصکفیؒ نے عبارتِ مذکورہ میں چند اہم مسائل بیان فرمائے ہیں: (۱) مردہ جانور کے بالوں اور ہڈیوں وغیرہ کا حکم۔ (۲) آدمی کے بال جو اس کی زندگی میں اس سے الگ کردیئے جائیں اور اس کی ہڈی کا حکم۔ (۳) مچھلی کے خون کا حکم۔ (۴) کتے کے متعلق حکم۔ (۵) مشک و نافہ کا حکم۔ (۶) جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کے پیشاب کا حکم۔ (۷) حرام چیزوں سے علاج کرنے کا حکم۔

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ سور کے علاوہ تمام مردہ جانوروں کے بال، اس کی ہڈی، اس کا پٹھا، اس کا کھر اور اس کا سینگ پاک ہے، بشرطیکہ چکنائی سے خالی ہو، اس مسئلہ کو پانی کی بحث میں اس وجہ سے لائے ہیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ اگر یہ چیزیں پانی میں پڑ جائیں تو ان سے پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے اور جب مردہ جانوروں کے بال و ہڈیاں شرعی اعتبار سے پاک ہیں تو زندہ جانوروں کے بال وغیرہ تو بدرجۂ اولیٰ پاک ہوں گے، البتہ خنزیر کے بال اور اس کی ہڈیاں بلکہ اس کے تمام اعضا نجس ہیں پانی میں گرنے سے پانی ناپاک ہوجائے گا حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک ظاہر مذہب یہی ہے، پس اگر کوئی خنزیر کے بال یا ہڈی کے ساتھ نماز ادا کرے اور وہ ایک درہم سے زیادہ ہو تو اس صورت میں اس کی نماز نہ ہوگی اور قلیل پانی میں گرجائے تو پانی ناپاک ہوجائے گا۔ (شامی: ۱/ ۳۶۰)

مردہ جانوروں کے پٹھے کے پاک اور ناپاک ہونے کے متعلق حضرات فقہاءِ کرام سے دو روایتیں منقول ہیں ایک روایت یہ ہے کہ پٹھا پاک ہے اس لیے کہ یہ ایک ہڈی ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ پٹھا ناپاک ہے اس لیے کہ اس میں حیات ہوتی ہے۔ سراج الوہاج میں اس کو نجس قرار دیا گیا ہے اور یہی قول صحیح بھی ہے، لیکن صاحب فتح القدیر اور کافی اس کے پاک ہونے کے قائل ہیں اور درر اور وقایہ میں اسی قول پر یقین ظاہر کیا ہے اور یہی قول مشہور بھی ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۶۰)

انسان کے بال اور اس کی ہڈی نیز اس کے دانت مذہب کی صحیح روایت کے مطابق پاک ہیں لیکن بالوں میں شرط یہ ہے کہ

یہ جڑ سے اکھاڑے نہ گئے ہوں اس لیے کہ اگر جڑ سے اکھاڑے گئے ہوں گے تو اس میں چکنائی لگی ہوگی جو ناپاک ہے انسان کے بال اور اس کی ہڈی وغیرہ کو بیچنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ یہ انسانی عظمت کے خلاف ہے، زندہ آدمی کے جسم سے کوئی حصہ جدا ہو جائے تو وہ حصہ مردار کے حکم میں ہے مگر جس کا حصہ بدن ہے اگر وہ حالت نماز میں اس کو ساتھ رکھ کر نماز پڑھے گا تو نماز ہو جائے گی۔ (شامی:۱/۳۶۱)

اس کے پاک ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس کا حصہ بدن ہر طرح سے پاک ہے، چناں چہ حضرات فقہاء کرام نے صراحت کی ہے کہ اگر اس حصہ کا کوئی جز پانی میں گر جائے گا تو پانی ناپاک ہو جائے گا، خواہ ناخن کے برابر ہی کیوں نہ ہو، انسان کی کھال اور اس کا چھلکا گوشت کے حکم میں ہے اور ناخن پٹھے کے حکم میں ہے لہٰذا کھال اور چھلکا ناپاک ہوگا اور ناخن پاک ہوگا لیکن اگر ناخن میں چکنائی ہے تو ناخن بھی کھال اور گوشت کے حکم میں ہوگا۔ (شامی:۱/۳۶۲)

مچھلی کے خون کا حکم

حضرات فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ مچھلی مائی جانور ہے اس میں خون نہیں ہوتا ہے اور بظاہر جو خون نظر آتا ہے وہ حقیقت میں خون نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ خون کی خاصیت یہ ہے کہ دھوپ پڑنے سے سیاہ ہو جاتا ہے، حالانکہ مچھلی کا خون دھوپ سے سفید ہو جاتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ حقیقت میں خون نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ خون میں حرارت ہے اور پانی میں برودت ہے اور حرارت و برودت دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے ہیں حالانکہ مچھلی پانی ہی میں رہتی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں خون نہیں ہے لہٰذا جب مچھلی میں دمِ مسفوح نہیں ہے تو وہ پاک اور حلال ہے اور جو خون ہم دیکھتے ہیں وہ بھی پاک ہے۔ (شامی:۱/۳۶۲)

کتے کا حکم شرعی

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک کتا نجس العین جانور نہیں ہے اسی قول پر فتویٰ ہے، اور علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع میں اس قول کو اقرب الی الصواب قرار دیا ہے اور ظاہر متون بھی یہی ہے، نیز فتح القدیر میں ہے کہ عموم ادلہ کا مقتضی بھی یہی ہے۔ (شامی:۱/۳۶۲)

حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حراست اور نگرانی کے لیے کتا پالنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ نیز شکار کرنے کے لیے بھی کتا پالنے کی رسول اکرم ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتا نجس العین نہیں ہے اس لیے کہ اگر نجس العین ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ہرگز کسی کام کے لیے کتا پالنے کی اجازت نہ دیتے، آپ کا اجازت دینا نجس العین نہ ہونے کی دلیل ہے۔ پس جب کتا نجس العین نہیں ہے تو اس کی بیع و شراء اور اس کو اجرت پر دینا، اسی طرح اگر کتا ہلاک کر دیا جائے تو اس کا تاوان لازم ہونا اور کتے کے چمڑے کا مصلیٰ بنانا اور اس کا مشکیزہ بنا کر اس سے وضو کرنا سب جائز ہے۔

کتے کا گوشت چونکہ ناپاک ہے لہٰذا اس کی رال بھی ناپاک ہوگی، پس جب وہ رال کپڑے یا بدن میں لگ جائے یا پاک پانی میں گر جائے تو اس سے پانی کپڑا اور بدن سبھی ناپاک ہو جائیں گے، کتے کا ظاہری بدن کپڑے یا آدمی کے جسم سے لگ جائے تو اس سے بدن یا کپڑا ناپاک نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ کتے کا ظاہری جسم اگر اس پر نجاست نہیں ہے تو پاک ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کتے کے بچہ کو آستین میں لے کر نماز ادا کرے اور اس کا منہ بند ہو تو نماز ہو جائے گی اور اگر کتے کے بچہ کا منہ کھلا ہے تو اس صورت میں چونکہ رال کپڑے کو لگے گی جو ناپاک ہے اس لیے نماز نہ ہوگی، بشرطیکہ رال قدر درہم سے زیادہ لگ گئی ہو۔ (شامی: ۱/ ۳۶۳)

"ولو کبیرًا" کی قید لگا کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جن حضرات نے صغیر کی قید لگائی ہے وہ قید احترازی نہیں ہے بلکہ قید اتفاقی ہے سب کا حکم یکساں ہے۔ بعض حضرات کو یہ شبہ ہوا کہ جب کتا نجس العین نہیں ہے تو اس کا جھوٹا ناپاک کیوں ہے، پاک ہونا چاہیے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سور الکلب کے نجس و عدم نجس ہونے کا مدار کتے کے نجس العین و عدم نجس العین ہونے پر نہیں ہے بلکہ سور الکلب کے نجس ہونے کا مدار کتے کے گوشت پر ہے اور کتے کا گوشت ناپاک ہے اور اسی سے رال پیدا ہوتی ہے اس لیے کتے کے منہ ڈالنے سے برتن ناپاک ہو جاتا ہے۔

مشک خوشبو کا حکم

مشک درحقیقت ایک خون ہے جو ہرن کے نافہ میں جم کر خوشبو بن جاتا ہے۔ اور زباد ایک جانور کا پسینہ اور میل ہے جو اس کے دم کے نیچے جمع ہو جاتا ہے اور خوشبو میں تبدیل ہو جاتا ہے اور اس کی حقیقت و ماہیت بدل جاتی ہے اس لیے دونوں پاک اور حلال ہیں، اس کا استعمال کرنا ہر حالت میں جائز ہے اور مردہ ہرن کا نافہ اگر پانی لگنے سے خراب نہ ہو تو پاک ہے لیکن یہ شرط علامہ زیلعی نے لگائی ہے جو صحیح نہیں ہے صحیح بات یہ ہے کہ نافہ تر ہو یا خشک، زندہ ہرن سے نکالا گیا ہو یا مردہ سے، پانی لگنے سے خراب ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہے بہر صورت پاک ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۶۴)

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح مشک پاک ہے اسی طرح عنبر بھی پاک ہے اور حلال ہے۔ عنبر درحقیقت دریائی گھانس کی طرح کوئی چیز ہے بعض لوگوں نے عنبر کے متعلق کہا ہے کہ یہ دریائی گائے کا گوبر ہے، یہ بات درست نہیں ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۶۴)

حلال جانوروں کے پیشاب کا حکم

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک حلال جانور اور غیر حلال جانور دونوں کے پیشاب کا حکم یکساں ہے، یعنی دونوں ناپاک ہیں، اس کا پینا خواہ دوا کے طور پر ہو یا یوں ہی ہو جائز نہیں ہے۔ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک جن جانوروں کا گوشت شرعاً حلال ہے ان کا پیشاب پاک ہے۔ ان کی دلیل اس پر حدیث عرینہ ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے عرینہ والوں کو اونٹوں کے

پیشاب اور دودھ پینے کی اجازت دی تھی جو طہارت کی دلیل ہے۔ لیکن جمہور علماء امت کے نزدیک تمام جانوروں کا پیشاب ناپاک ہے، خواہ ماکول اللحم ہوں یا غیر ماکول اللحم ہوں۔ ان کی دلیل وہ تمام روایتیں ہیں جن میں پیشاب سے بچنے کی شدید تاکید آئی ہے اور ان صحابی کا واقعہ ہے جن کو پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے عذاب ہو رہا تھا۔

حرام چیزوں کو بطور علاج استعمال کرنے کا حکم

شریعت میں جو چیزیں حرام ہیں ان کو بطور علاج و معالجہ استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حرام چیز کو بطور دوا استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان چیزوں میں شفاء نہیں رکھی ہے جو تم پر حرام کردی گئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بطور دوا استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ پیشاب تو ناپاک ہے لیکن بطور دوا بقدر ضرورت استعمال کرنا جائز ہے حدیث کی وجہ سے، فتاویٰ قاضی خاں میں ہے اگر کسی کو بالیقین معلوم ہے کہ اس بیماری کا علاج اور دوا حرام شئے کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور اسی میں اس کی شفاء ہے تو اس کے لیے بطور دواء حرام چیز استعمال کرنا جائز ہے۔ اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ان چیزوں کے حق میں ہے جن میں شفاء نہیں ہے اور جن میں شفاء ہے ان سے دوا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ چناں چہ جس طرح بوقت مجبوری جان بچانے کے لیے شراب کا پینا جائز قرار دیا ہے تا کہ اس کی جان محفوظ رہ سکے۔ صاحب ہدایہ نے تجنیس میں اسی قول کو اختیار فرمایا ہے۔ جس طرح جب کسی آدمی کی ناک سے خون جاری ہو بند نہ ہو رہا ہو اور اس کے مرجانے کا خطرہ ہو اور تجربہ سے یہ بات معلوم ہو کہ سورۂ فاتحہ یا سورۂ اخلاص اس خون سے اس کے پیشاب پر لکھ دیا جائے تو خون بند ہو جائے گا تو ایک قول کے مطابق اس کی اجازت ہے تا کہ جان بچ سکے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اسکے باوجود بھی خون سے سورۂ فاتحہ لکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ (شامی ۱/۳۶۶)

فَصْلٌ فِي الْبِئْرِ

اس فصل میں کنویں کے احکام و مسائل بیان کئے جائیں گے، یعنی یہ بیان کیا جائے گا کہ جب کنویں میں نجاست گر جائے تو اس کے پاک کرنے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ اور کن جانوروں کے گرنے سے کتنا پانی نکالا جائے گا اور کنواں کب پاک ہوگا ان ہی سارے مسائل کو اس فصل کے ذیل میں مصنفؒ بیان فرمائیں گے۔

(إِذَا وَقَعَتْ نَجَاسَةٌ) لَيْسَتْ بِحَيَوَانٍ وَلَوْ مُخَفَّفَةً أَوْ قَطْرَةَ بَوْلٍ أَوْ دَمٍ أَوْ ذَنَبَ فَأْرَةٍ لَمْ يُشَمَّعْ، فَلَوْ شُمِّعَ فَفِيهِ مَا فِي الْفَأْرَةِ (فِي بِئْرٍ دُونَ الْقَدْرِ الْكَثِيرِ) عَلَى مَا مَرَّ، وَلَا عِبْرَةَ لِلْعُمْقِ عَلَى الْمُعْتَمَدِ (أَوْ مَاتَ فِيهَا) أَوْ خَارِجَهَا وَأُلْقِيَ فِيهَا وَلَوْ فَأْرَةً يَابِسَةً عَلَى الْمُعْتَمَدِ إِلَّا الشَّهِيدَ النَّظِيفَ وَالْمُسْلِمَ الْمَغْسُولَ، أَمَّا الْكَافِرُ فَيُنَجِّسُهَا مُطْلَقًا كَسِقْطٍ (حَيَوَانٌ دَمَوِيٌّ) غَيْرُ مَائِيٍّ لِمَا مَرَّ (وَانْتَفَخَ) أَوْ

تَمَعَّطَ (أَوْ تَفَسَّخَ) وَلَوْ تَفَسُّخُهُ خَارِجَهَا ثُمَّ وَقَعَ فِيهَا ذَكَرَهُ الْوَالِي (يُنْزَحُ كُلُّ مَائِهَا) الَّذِي كَانَ فِيهَا وَقْتَ الْوُقُوعِ ذَكَرَهُ ابْنُ الْكَمَالِ (بَعْدَ إِخْرَاجِهِ) لَا إِذَا تَعَذَّرَ كَخَشَبَةٍ أَوْ خِرْقَةٍ مُتَنَجِّسَةٍ فَيُنْزَحِ الْمَاءِ إِلَى حَدٍّ لَا يَمْلَأُ نِصْفَ الدَّلْوِ يَطْهُرُ الْكُلُّ تَبَعًا، وَلَوْ نَزَحَ بَعْضَهُ ثُمَّ زَادَ فِي الْغَدِ نَزَحَ قَدْرَ الْبَاقِي فِي الصَّحِيحِ خُلَاصَةٌ، قَيَّدَ بِالْمَوْتِ، لِأَنَّهُ لَوْ أَخْرَجَ حَيًّا وَلَيْسَ بِنَجِسِ الْعَيْنِ وَلَا بِهِ حَدَثٌ أَوْ خَبَثٌ لَمْ يُنْزَحْ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يَدْخُلَ فَمُهُ الْمَاءَ فَيُعْتَبَرُ بِسُؤْرِهِ، فَإِنْ نَجِسًا نُزِحَ الْكُلُّ وَإِلَّا لَا هُوَ الصَّحِيحُ، نَعَمْ يُنْدَبُ عَشَرَةٌ مِنَ الْمَشْكُوكِ لِأَجْلِ الطَّهُورِيَّةِ كَذَا فِي الْخَانِيَّةِ، زَادَ التَّاتَارْخَانِيَّةِ: وَعِشْرِينَ فِي الْفَأْرَةِ، وَأَرْبَعِينَ فِي سِنَّوْرٍ وَدَجَاجَةٍ مُخَلَّاةٍ كَآدَمِيٍّ مُحْدِثٍ. ثُمَّ هَذَا إِنْ لَمْ تَكُنْ الْفَأْرَةُ هَارِبَةً مِنْ هِرٍّ، وَلَا الْهِرُّ هَارِبًا مِنْ كَلْبٍ، وَلَا الشَّاةُ مِنْ سَبُعٍ، فَإِنْ كَانَ نُزِحَ كُلُّهُ مُطْلَقًا كَمَا فِي الْجَوْهَرَةِ، لَكِنْ فِي النَّهْرِ عَنِ الْمُجْتَبَى الْفَتْوَى عَلَى خِلَافِهِ؛ لِأَنَّ فِي بَوْلِهَا شَكًّا

ترجمہ اور جب غیر جاندار نجاست کنویں میں گرجائے اگرچہ نجاست خفیفہ ہی کیوں نہ ہو یا پیشاب یا خون کا کوئی قطرہ یا کسی، چوہے کی ایسی دُم کٹ کر کنویں میں گرے جس پر موم نہ لگایا گیا ہو اور کنواں مقدار کثیر سے کم ہو جس کی تفصیل ماقبل میں گذر چکی ہے تو کنویں کا سارا پانی نکالا جائے گا اور معتمد قول کے مطابق کنویں کے مقدار کثیر ہونے میں گہرائی کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور اگر چوہے کی کٹی ہوئی دُم میں موم لگا دیا گیا ہو اس کے بعد چوہا کنویں میں گرا ہو تو ایسی صورت میں جتنا پانی چوہے کے گرنے سے نکالا جاتا ہے اتنا ہی پانی اس میں بھی نکالا جائے گا (یعنی بیس ڈول) اور اگر جانور کنویں میں گر کر مرا، یا باہر مرا پھر اس کو کنویں میں ڈالدیا گیا، خواہ وہ معتمد قول کی بنیاد پر سوکھا ہوا چوہا ہو یا کنویں میں ایسا حیوان مرا ہے جس میں بہنے والا خون ہے اور پانی میں رہنے والا نہیں ہے اور مر کر پھول گیا یا اس کے بال جھڑ گئے یا وہ پھول کر ریزہ ریزہ ہوگیا یا کنویں کے باہر وہ پھٹا پھر کنویں میں گرا جس کو علامہ والی نے ذکر کیا ہے تو ان تمام صورتوں میں کنویں کا وہ تمام پانی نکالا جائے گا جو نجاست یا جانور کے گرنے کے وقت تھا جس کو ابن الکمال نے بیان فرمایا ہے۔ لیکن نجاست اور جانور کے نکالنے کے بعد کنویں کا پانی نکالا جائے گا، ہاں اگر اس نجاست یا جانور کا نکالنا کسی مجبوری کی وجہ سے دشوار ہو جیسے ناپاک لکڑی کا ٹکڑا، یا ناپاک چیتھڑے کا ٹکڑا اگر گیا اور کنویں میں غائب ہوگیا، نہیں مل رہا ہے تو ایسی صورت میں اتنا پانی نکالا جائے گا کہ آدھا ڈول نہ بھر سکے اور کنویں کے پاک ہونے کے ساتھ اسی کے ضمن میں ساری چیزیں پاک ہوجائیں گی۔ لیکن اگر صاف ستھرا شہید کنویں میں گر جائے یا دھلا ہوا مسلمان کنویں میں گر جائے تو ا س صورت میں کنویں کا پانی ناپاک نہ ہوگا۔ رہا کافر اگر وہ کنویں میں گر گیا تو اس سے کنویں کا پانی مطلقاً ناپاک ہوجائے گا، خو مغسول ہو یا غیر مغسول ہو جس طرح ناتمام بچہ جو حالت حمل میں ہے کنویں میں گر جائے تو کنویں کا پانی ناپاک ہوجاتا ہے، جس کنویں کا پانی نجاست کے گرنے کی وجہ سے ناپاک ہوگیا تھا اس کا تھوڑا پانی نکالا گیا تھا (کچھ پانی کنویں میں رہ گیا تھا) پھر وہ

پانی کل اتنا ہی زیادہ ہوگیا جتنا نکالا گیا تھا تو اس صورت میں صحیح قول کے مطابق جتنا پانی ناپاک رہ گیا تھا کل آئندہ صرف اتنا ہی پانی نکالا جائے گا ایسا ہی خلاصہ میں ہے۔ مصنف علیہ الرحمہ نے کنویں میں گرنے والے جانور میں مرنے کی قید لگائی ہے اس لیے کہ اگر وہ جانور کنویں میں گرنے کے بعد زندہ نکال لیا گیا اور وہ جانور نجس العین نہیں ہے اور نہ اس پر نجاست حقیقی نہ حکمی ہے تو اس کا کچھ پانی بھی وجوباً نہیں نکالا جائے گا، ہاں مگر اس وقت جب کہ وہ اپنا منھ پانی میں داخل کر دے تو پھر اس کے جھوٹے کا اعتبار ہوگا، اگر اس جانور کا جھوٹا ناپاک ہے تو کل پانی نکالا جائے گا اور اگر اس جانور کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے تو کچھ بھی پانی نہیں نکالا جائے گا یہی قول صحیح ہے، ہاں مشکوک ہونے کی صورت میں دس ڈول نکال دینا مستحب ہے، ایسا ہی فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔ (اور بعضوں نے فرمایا کہ کل پانی نکال دیا جائے جیسا کہ فتاویٰ عالم گیری میں ہے۔ اور نجس العین جانور مثلاً سور کنویں میں گر جائے تو سارا پانی ناپاک ہو جائے گا اور اس کا نکالنا ضروری ہوگا خواہ زندہ نکلے یا مردہ، اور اس کا منھ پانی میں داخل ہوا ہو یا نہ ہوا ہو) اور فتاویٰ تاتارخانیہ میں زیادہ کیا ہے کہ چوہے کے گرنے میں بیس ڈول، بلی اور کھلی ہوئی مرغی کے گرنے میں مستحب ہے کہ چالیس ڈول نکالا جائے، جیسے بے وضو شخص کے گرنے اور زندہ نکلنے کی صورت میں چالیس ڈول نکالنا مستحب ہے، پھر یہ بیس یا چالیس ڈول پانی نکالنے کا حکم اس صورت میں ہے جب چوہا بلی کے خوف سے نہ بھاگا ہو اور نہ بلی کتے کے خوف سے اور نہ بکری درندے کے خوف سے بھاگی ہو، پس اگر یہ جانور اپنے دشمن کے خوف سے بھاگ کر کنویں میں گرے ہوں تو مطلقاً سارا پانی نکالا جائے گا جیسا کہ جوہرۃ النیرہ میں ہے، لیکن کنز الدقائق کی شرح النہر الفائق میں مجتبیٰ سے نقل کیا گیا ہے فتویٰ اس کے خلاف پر ہے (یعنی کل پانی کا نکالنا واجب نہیں ہے اس لیے کہ بھاگنے والے جانور کے بھاگنے کی حالت میں پیشاب کرنے کے بارے میں شک ہے)۔

مختصر تشریح حضرت علامہ علاء الدین حصکفیؒ نے اس عبارت کے ذریعہ کنویں کے احکام بیان فرمائے ہیں، چناں چہ اوّل مسئلہ یہ بیان فرمایا کہ اگر کوئی نجاست خواہ خفیفہ ہو، خواہ نجاست غلیظہ ہو کنویں میں گر جائے اور کنویں کا پانی قلیل ہو تو ایسی صورت میں کنویں کا سارا پانی نکالنا واجب ہے۔ حضرت مصنفؒ نے مخففہ کی قید اس لیے لگائی ہے کہ نجاست غلیظہ اور خفیفہ دونوں برابر ہیں دونوں ہی کے گرنے سے کنواں یکساں طور پر ناپاک ہو جاتا ہے۔

قطرة بول الخ: یہاں ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم دونوں کے پیشاب کا حکم بیان کرنا مقصود ہے، یعنی دونوں ہی کے پیشاب کے گرنے سے کنویں کا پانی ناپاک ہو جائے گا۔ (شامی: ۱/۳۶۶)

اور جن کے پیشاب سے احتراز ناممکن اور دشوار ہے جیسے چوہے کا پیشاب، تو اس کے گرنے سے کنویں کا پانی ناپاک نہ ہوگا جیسا کہ اس کا استثناء مصنف علیہ الرحمہ بعد میں کریں گے۔ اگر کوئی شخص شہید ہو گیا اور اس پر کوئی نجاست اور بہنے والا خون نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی مسلمان جو مغسول یعنی غسل کیا ہوا ہو کنویں میں گر جائے تو اس سے کنویں کا پانی ناپاک نہ ہوگا اور غیر مغسول مسلمان کنویں میں گر جائے اور پانی قلیل ہو تو علماء نے صراحت کی ہے کہ کنویں کا پانی ناپاک ہو جائے گا اور اس کے ساتھ نماز

درست نہ ہوگی۔ (شامی:۱/۳۶۷)

مسئلہ: اگر کوئی کافر شخص قلیل پانی میں گر جائے تو اس سے کنویں کا پانی علی الاطلاق ناپاک ہوجائے گا، خواہ وہ کافر غسل کے بعد ہی پانی میں کیوں نہ گرا ہو۔ البحر الرائق کی کتاب الجنائز میں ہے کہ علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بلاشبہ کافر غسل کرنے کے بعد بھی پاک نہیں ہوتا ہے اور کافر شخص درحقیقت ناتمام ناقص الخلقت بچہ کے پانی میں گرنے کے حکم میں ہے یعنی جس طرح ناقص الخلقت بچہ پانی میں گر جائے تو پانی اگر قلیل ہو تو ناپاک ہوجاتا ہے اسی طرح کافر کے گرنے سے بھی کنویں کا پانی ناپاک ہوجائے گا اور اگر بچہ پیدا ہونے کے بعد رویا تو پھر یہ کبیر کے حکم میں ہے، اگر غسل دلانے کے بعد قلیل پانی میں گرا تو پانی ناپاک نہ ہوگا۔ (شامی:۱/۳۶۷)

قوله یطهر الکل تبعاً: کنویں کے ساتھ ساتھ دوسری چیز بھی مثلاً ڈول، رسّی کنویں کی دیوار، گھری (چرخی) اور پانی نکالنے والے کے ہاتھ وغیرہ خود بخود تبعاً پاک ہوجائیں گے، ان سب چیزوں کو الگ سے دھو کر پاک کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان سب کی ناپاکی کنویں کی وجہ سے تھی اور جب کنواں پاک ہوگیا تو ساری چیزیں بھی پاک ہوگئیں۔ (شامی:۱/۳۶۸)

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مصنفؒ نے موت کی قید لگائی ہے اس لیے کہ اگر جانور کنویں میں گرا اور اس کو زندہ نکال لیا گیا ہے اور وہ جانور شرعی اعتبار سے نجس العین نہ ہو اور نہ ہی اس کے جسم پر کوئی نجاست حقیقی یا نجاست حکمی ہو تو پانی ناپاک نہ ہوگا اور کچھ بھی پانی واجبی طور پر نکالنا ضروری نہ ہوگا، ہاں مستحب ہے کہ دس ڈول پانی نکال دے تاکہ شکوک وشبہات بھی ختم ہوجائیں۔

(وَإِنْ تَعَذَّرَ) نَزْحُ كُلِّهَا لِكَوْنِهَا مَعِينًا (فَبِقَدْرِ مَا فِيهَا) وَقْتَ ابْتِدَاءِ النَّزْحِ قَالَهُ الْحَلَبِيُّ (يُؤْخَذُ ذَلِكَ بِقَوْلِ رَجُلَيْنِ عَدْلَيْنِ لَهُمَا بَصَارَةٌ بِالْمَاءِ) بِهِ يُفْتَى، وَقِيلَ يُفْتَى بِمِائَةٍ إِلَى ثَلَثِمِائَةٍ وَهَذَا أَيْسَرُ، وَذَاكَ أَحْوَطُ. (فَإِنْ أُخْرِجَ الْحَيَوَانُ غَيْرَ مُنْتَفِخٍ وَلَا مُتَفَسِّخٍ) وَلَا مُتَمَعِّطٍ (فَإِنْ) كَانَ (كَآدَمِيٍّ) وَكَذَا سَقْطٌ وَسَخْلَةٌ وَجَدْيٌ وَإِوَزٌّ كَبِيرٌ (نُزِحَ كُلُّهُ، وَإِنْ) كَانَ (كَحَمَامَةٍ) وَهِرَّةٍ (نُزِحَ أَرْبَعُونَ مِنَ الدِّلَاءِ) وُجُوبًا إِلَى سِتِّينَ نَدْبًا (وَإِنْ) كَانَ (كَعُصْفُورٍ) وَفَأْرَةٍ (فَعِشْرُونَ) إِلَى ثَلَاثِينَ كَمَا مَرَّ، وَهَذَا يَعُمُّ الْمَعِينَ وَغَيْرَهَا، بِخِلَافِ نَحْوِ صِهْرِيجٍ وَحُبٍّ حَيْثُ يُهْرَاقُ الْمَاءُ كُلُّهُ لِتَخْصِيصِ الْآبَارِ بِالْآثَارِ بَحْرٌ وَنَهْرٌ. قَالَ الْمُصَنِّفُ فِي حَوَاشِيهِ عَلَى الْكَنْزِ: وَنَحْوُهُ فِي التُّتَفِ؛ وَنُقِلَ عَنِ الْقُنْيَةِ أَنَّ حُكْمَ الرَّكِيَّةِ كَالْبِئْرِ. وَعَنِ الْفَوَائِدِ أَنَّ الْحُبَّ الْمَطْمُورَ أَكْثَرُهُ فِي الْأَرْضِ كَالْبِئْرِ، وَعَلَيْهِ فَالصِّهْرِيجُ وَالزِّيرُ الْكَبِيرُ يُنْزَحُ مِنْهُ كَالْبِئْرِ فَاغْتَنِمْ هَذَا التَّحْرِيرَ. اهـ (بِدَلْوٍ وَسَطٍ) وَهُوَ دَلْوُ تِلْكَ الْبِئْرِ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَمَا يَسَعُ صَاعًا وَغَيْرُهُ تُحْتَسَبُ بِهِ وَيَكْفِي مِلْءُ أَكْثَرِ الدَّلْوِ. وَنَزْحُ مَا وُجِدَ وَإِنْ قَلَّ وَجَرَيَانُ بَعْضِهِ وَغَوَرَانُ قَدْرِ الْوَاجِبِ

ترجمہ اور اگر کنواں چشمہ دار ہونے کی وجہ سے سارا پانی نکالنا مشکل ہو تو کنویں سے پانی نکالتے وقت شروع میں جتنا پانی ہو اس کا اندازہ کرلیا جائے اور اسی کے مطابق نکالا جائے، اس کو حلبی نے کہا ہے (زائد پانی کا نکالنا ضروری نہیں ہے) اور پانی کے اندازہ کرنے میں اور اس کی تعداد معلوم کرنے میں ان دو آدمیوں کی بات مانی جائے گی جنھیں پانی کے اندازہ کرنے میں مہارت حاصل ہو، اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ چشمہ دار کنویں میں سے دو سو ڈول سے تین سو ڈول تک نکالنے کے متعلق فتویٰ ہے۔ یہ دوسرا قول سب سے زیادہ آسان ہے اور قول اوّل احوط ہے، پس اگر کنویں سے مردہ جانور اس طرح نکالا گیا کہ ابھی وہ جانور نہ پھولا، نہ پھٹا اور نہ ہی اس کے بال جھڑے ہیں پس اگر وہ جانور قدو قامت میں آدمی کی طرح ہے یا گرنے والا حمل ہو یا بکری کا بچہ ہو یا بڑی بطخ ہو تو ان سب صورتوں میں سارا پانی نکالا جائے گا۔ اور اگر وہ گرنے والا جانور کبوتر یا بلی کی طرح ہے تو چالیس ڈول پانی نکالنا واجب ہے۔ اور ساٹھ ڈول نکالنا مستحب ہے اور اگر وہ گرنے والا جانور چڑیا یا چوہے کی مانند ہے تو بیس ڈول سے تیس ڈول تک نکالا جائے گا جیسا کہ گذرا ہے (یعنی بیس ڈول نکالنا واجب ہوگا اور تیس ڈول پانی نکالنا مستحب ہوگا) اور یہ حکم تمام کنوؤں کو شامل ہے خواہ چشمہ دار ہو یا غیر چشمہ دار ہو، بخلاف حوض اور گہرے گڈھے کے اور بڑے مٹکے کے، اس لیے کہ اگر جانور گر کر اس میں مرجائے تو سارا پانی بہادیا جائے گا اور یہ فرق اس لیے ہے کہ کنویں میں ڈول کی تخصیص حضرات صحابہ کرام کے آثار سے ثابت ہے (جو درحقیقت خلاف قیاس ہے لہٰذا کنویں میں تو اسی خلاف قیاس پر عمل ہوگا، لیکن حوض اور مٹکا میں وہ خلاف قیاس والا حکم ثابت نہ ہوگا) البحر الرائق اور النہر الفائق میں اس کی تفصیل ہے۔ اور مصنف علیہ الرحمہ نے اپنے حاشیہ کنز الدقائق میں کہا ہے اور اسی طرح منح میں بھی ہے۔ اور مصنف علیہ الرحمہ نے قنیہ سے نقل کیا ہے کہ گہرے گڈھے کا حکم کنویں کی طرح ہے اور فوائد سے نقل کیا ہے کہ وہ بڑا مٹکا جس کا آدھا سے زیادہ حصہ زمین میں گاڑا ہو کنویں کی طرح ہے اور اسی بنیاد پر وہ حوض جس میں پانی جمع رہے اور بڑے مٹکے کنویں کی طرح ہے، جتنا ڈول کنویں سے نکالنا واجب ہے اتنا ہی ڈول اس سے نکالنا بھی واجب ہے اس تحریر کو غنیمت سمجھئے۔

اور کنویں سے جو بیس یا تیس یا چالیس ڈول پانی نکالے جائیں گے وہ متوسط ڈول سے نکالا جائے گا اور اس سے اسی کنویں کا متوسط ڈول مراد ہے جس سے عام طور پر لوگ پانی نکالتے ہیں۔ اور اگر کنویں میں کوئی ڈول مقرر نہیں ہے تو پھر اتنے بڑے ڈول کا اعتبار ہوگا جس میں ایک صاع پانی آجائے۔ اور ایک صاع بھر کے ڈول کے علاوہ سے نکالے پھر اس کا حساب صاع والے ڈول سے لگایا جائے گا (یعنی اگر ڈول بڑا ہے جس میں صاع والے ڈول سے بیس ڈول پانی آجاتا ہے تو صرف ایک ڈول نکال دینا بیس ڈول کے قائم مقام ہوجائے گا اور اگر ڈول چھوٹا ہے، ایک ڈول ایک صاع کے برابر ہوتا ہے تو اس صورت میں اسی حساب سے پانی نکالا جائے گا) اور ڈول کے اکثر حصہ کو بھر کے نکالنا پورے کے قائم مقام ہوتا ہے اس لیے کہ حضرات فقہاء کرام کا قاعدہ ہے: لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ۔ اور جو پانی موجود ہے اسی کو نکال دینا کافی ہے، خواہ کم ہی کیوں نہ ہو (یعنی مثلاً چالیس ڈول

نکالنا واجب تھا لیکن کنویں میں صرف تیس ڈول پانی ہے تو تیس ہی ڈول نکال دینا کافی ہے اسی سے کنواں پاک ہوجائے گا) اور کنویں کے کچھ پانی کا بہنا کافی ہوتا ہے جو اس کو جاری پانی کے حکم میں کر دیتا ہے اور جس قدر پانی نکالنا واجب تھا اسی قدر پانی زمین میں جذب کر گیا اور خشک ہوگیا تو کافی ہے کنواں پاک ہوجائے گا۔

مختصر تشریح مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی نجاست کنویں میں گر جائے یا کوئی جانور اس میں گر کر مر جائے تو کنویں کا سارا پانی ناپاک ہوجاتا ہے اور کنویں کا سارا پانی نکالنا واجب ہوتا ہے، لیکن اگر کنواں چشمہ دار ہے پانی نکلتا رہتا ہے اس کی وجہ سے کنویں کا سارا پانی نکالنا ممکن نہیں ہے تو ایسی صورت میں سارا پانی نکال کر کنویں کو خشک کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ یہ اندازہ لگایا جائے کہ کنویں میں کتنا پانی ہے، جتنا پانی کنویں میں ہے صرف اتنا ہی پانی نکال دینا کافی ہے اور کنویں کے پانی کے اندازہ لگانے میں ایسے دو عادل شخص کی بات قابل تسلیم ہوگی جنھیں پانی کے اندازہ کرنے میں کافی مہارت حاصل ہو، اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔

بعض علماء کرام نے فرمایا کہ اگر کنویں کے چشمہ دار ہونے کی وجہ سے سارا پانی نکالنا دشوار ہو تو ایسی صورت میں کم از کم دو سو ڈول پانی نکال دیا جائے اور زیادہ سے زیادہ تین سو ڈول پانی نکال دیا جائے، یہی کافی ہوگا اور سمجھا جائے گا کہ کنویں کا سارا پانی نکل چکا ہے یہ قول در حقیقت حضرت امام محمدؒ کا ہے، انھوں نے بغداد میں یہ تجربہ کیا ہے کہ کسی بھی کنویں میں تین سو ڈول سے زیادہ پانی نہیں ہوسکتا ہے، لہٰذا اگر کسی نے تین سو ڈول پانی نکال دیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ کنویں کا سارا پانی نکال دیا ہے، چناں چہ حضرت امام محمدؒ نے اسی قول پر فتویٰ دیا ہے۔ مگر شارح حصکفی نے اس قول کو لفظ "قیل" یعنی ضعف سے اس لیے بیان فرمایا ہے کہ در حقیقت شریعت مطہرہ کا حکم یہ ہے کہ جب کنواں ناپاک ہوجائے تو سارا پانی نکالا جائے اس کے لیے شریعت میں کوئی خاص عدد متعین نہیں ہے، دو سو ڈول یا تین سو ڈول کا عدد بلا دلیل شرعی ہے، حضراتِ صحابہ کرامؓ سے اس کے خلاف روایت آئی ہے، چناں چہ عہد صحابہ میں جب ایک حبشی کنویں میں گر کر مر گیا تو اس وقت اجلہ صحابہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس کے سارے پانی نکالنے کا فتویٰ صادر فرمایا تھا۔ اس کی پوری تفصیل البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں موجود ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۷۳)

صاحب النہر الفائق نے فرمایا کہ متاخرین علماء کرام نے دو سو سے تین سو ڈول والا قول اس لیے اپنایا ہے کہ اس میں ایک انضباط اور قاعدہ کلیہ ہے اور بہت سہل ہے جس طرح کہ متاخرین نے دہ در دہ کا قول اپنایا ہے، ہمارے یہاں ہندوستان میں عموماً اسی قول پر فتویٰ ہے اور اسی قول کو کنز الدقائق، ملتقی الابحر، خلاصہ، فتاویٰ تاتارخانیہ، نصاب الاحتساب اور معراج الدرایہ نیز عنایہ شرح ہدایہ میں اختیار کیا ہے۔ اور حضرت امام محمدؒ کے اس قول کو آسان قول بتایا ہے اور یہ بھی تحریر ہے اسی قول پر فتویٰ ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۷۳) اور دار العلوم دیوبند کے مفتی اوّل حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب قدس سرہ اسی پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔

ناپاک کنویں کو پاک کرنے کا طریقہ

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو کنواں نجاست یا جانور کے گر کر مر جانے سے ناپاک ہوجائے اس کو پاک کرنے کے تین طریقے ہیں: (۱) ناپاک کنویں کے اندر سے چشمہ اُبلنے لگے اور کنواں پانی سے بھر کر پانی اوپر بہنے لگے تو اس صورت میں کنواں پاک ہوجائے گا۔ (۲) ناپاک کنواں پانی سے بھر گیا پھر اس کے کنارے سے ایک نالی کھود ڈالی اور اس نالی سے پانی باہر بہنے لگا تو اس صورت میں بھی کنواں پاک ہوجائے گا خواہ پانی تھوڑا بہے یا زیادہ تیزی سے بہے یا آہستہ، دونوں صورتوں میں کنواں شرعاً پاک ہوجائے گا۔ (۳) کنواں ناپاک ہونے کے بعد اس کو پاک کرنے کے لیے جس قدر پانی نکالنا واجب تھا اسی قدر پانی کنویں میں جذب ہوگیا اور اس پانی کو زمین نے اپنے اندر سرایت کرلی تو کنواں اس سے بھی پاک ہوجائے گا اس کے بعد کنویں کے اندر پانی نیچے ہی سے آئے تب بھی کنواں پاک ہی رہے گا ناپاک نہ ہوگا۔ (مستفاد شامی: ۱/۳۷۵)

(وَمَا بَيْنَ حَمَامَةٍ وَفَأْرَةٍ) فِي الْجُثَّةِ (كَفَأْرَةٍ) فِي الْحُكْمِ (كَمَا أَنَّ مَا بَيْنَ دَجَاجَةٍ وَشَاةٍ كَدَجَاجَةٍ) فَأُلْحِقَ بِطَرِيقِ الدَّلَالَةِ بِالْأَصْغَرِ كَمَا أُدْخِلَ الْأَقَلُّ فِي الْأَكْثَرِ كَفَأْرَةٍ مَعَ هِرَّةٍ، وَنَحْوُ الْهِرَّتَيْنِ كَشَاةٍ اتِّفَاقًا وَنَحْوُ الْفَأْرَتَيْنِ كَفَأْرَةٍ، وَالثَّلَاثُ إِلَى الْخَمْسِ كَهِرَّةٍ، وَالسِّتُّ كَشَاةٍ عَلَى الظَّاهِرِ. (وَيُحْكَمُ بِنَجَاسَتِهَا) مُغَلَّظَةً (مِنْ وَقْتِ الْوُقُوعِ إِنْ عُلِمَ، وَإِلَّا فَمُذْ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ إِنْ لَمْ يَنْتَفِخْ وَلَمْ يَتَفَسَّخْ) وَهَذَا (فِي حَقِّ الْوُضُوءِ) وَالْغُسْلِ؛ وَمَا عُجِنَ بِهِ فَيُطْعَمُ لِلْكِلَابِ؛ وَقِيلَ يُبَاعُ مِنْ شَافِعِيٍّ، أَمَّا فِي حَقِّ غَيْرِهِ كَغَسْلِ ثَوْبٍ فَيُحْكَمُ بِنَجَاسَتِهِ فِي الْحَالِ وَهَذَا لَوْ تَطَهَّرَ عَنْ حَدَثٍ أَوْ غَسَلَ عَنْ خَبَثٍ، وَإِلَّا لَمْ يَلْزَمْ شَيْءٌ إِجْمَاعًا جَوْهَرَةٌ. (وَمُذْ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ) بِلَيَالِيهَا (إِنِ انْتَفَخَ أَوْ تَفَسَّخَ) اسْتِحْسَانًا. وَقَالَا: مِنْ وَقْتِ الْعِلْمِ فَلَا يَلْزَمُهُمْ شَيْءٌ قَبْلَهُ، قِيلَ وَبِهِ يُفْتَى. [فَرْعٌ] وَجَدَ فِي ثَوْبِهِ مَنِيًّا أَوْ بَوْلًا أَوْ دَمًا أَعَادَ مِنْ آخِرِ احْتِلَامٍ وَبَوْلٍ وَرُعَافٍ. وَلَوْ وَجَدَ فِي جُبَّتِهِ فَأْرَةً مَيِّتَةً، فَإِنْ لَا ثَقْبَ فِيهَا أَعَادَ مُذْ وَضَعَ الْقُطْنَ وَإِلَّا فَثَلَاثَةُ أَيَّامٍ لَوْ مُنْتَفِخَةً أَوْ نَاشِفَةً، وَإِلَّا فَيَوْمٌ وَلَيْلَةٌ. (وَلَا نَزْحَ) فِي بَوْلِ فَأْرَةٍ فِي الْأَصَحِّ فَيْضٌ، وَلَا (بِخُرْءِ حَمَامٍ وَعُصْفُورٍ) وَكَذَا سِبَاعُ طَيْرٍ فِي الْأَصَحِّ لِتَعَذُّرِ صَوْنِهَا عَنْهُ (وَ) لَا (بِتَقَاطُرِ بَوْلٍ كَرُءُوسِ إِبَرٍ وَغُبَارِ نَجِسٍ) لِلْعَفْوِ عَنْهُمَا. (وَبَعْرَتَيْ إِبِلٍ وَغَنَمٍ، كَمَا) يُعْفَى (لَوْ وَقَعَتَا فِي مِحْلَبٍ) وَقْتَ الْحَلْبِ (فَرُمِيَتَا) فَوْرًا قَبْلَ تَفَتُّتٍ وَتَلَوُّنٍ، وَالتَّعْبِيرُ بِالْبَعْرَتَيْنِ اتِّفَاقِيٌّ؛ لِأَنَّ مَا فَوْقَ ذَلِكَ كَذَلِكَ، ذَكَرَهُ فِي الْفَيْضِ وَغَيْرِهِ، وَلِذَا قَالَ (قِيلَ الْقَلِيلُ الْمَعْفُوُّ عَنْهُ مَا يَسْتَقِلُّهُ النَّاظِرُ وَالْكَثِيرُ بِعَكْسِهِ وَعَلَيْهِ الِاعْتِمَادُ) كَمَا فِي الْهِدَايَةِ وَغَيْرِهَا؛ لِأَنَّ أَبَا حَنِيفَةَ لَا يُقَدِّرُ شَيْئًا بِالرَّأْيِ. [فَرْعٌ] الْبُعْدُ بَيْنَ الْبِئْرِ وَالْبَالُوعَةِ بِقَدْرِ مَا لَا يَظْهَرُ لِلنَّجِسِ أَثَرٌ.

ترجمہ اور کنویں میں گرنے والا جو جانور جثہ کے اعتبار سے کبوتر اور چوہے کے مانند ہو وہ حکم میں چوہے کی طرح ہے (یعنی اس میں بیس ڈول پانی نکالنا واجب ہے اور تیس ڈول نکالنا مستحب ہے) جس طرح وہ جانور جسم وجثہ کے اعتبار سے مرغی اور بکری کے درمیان ہے وہ حکم میں مرغی کے برابر ہے اور جو جانور جسم وجثہ میں بڑے جانور اور چھوٹے جانور کے درمیان ہے وہ دلالۃ النص کے طور پر چھوٹے جانور کے ساتھ لاحق کردیا جائے گا، جس طرح اقل (سب سے کم) کو اکثر (یعنی سب سے بڑے) میں داخل کیا جاتا ہے جیسے چوہا بلی کے ساتھ اور جیسے دو بلی ایک بکری کے ساتھ، ظاہر الروایہ کے مطابق لاحق کیا جاتا ہے بالاتفاق، جیسے دو چوہے ایک چوہے کے حکم میں اور تین سے لے کر پانچ چوہے ایک بلی کے حکم میں اور چھ چوہے ظاہر الروایہ کے مطابق ایک بکری کے برابر ہیں۔ اگر نجاست یا جانور کے گرنے کا وقت معلوم ہے تو جس وقت گرا ہے اسی وقت سے کنویں کو نجس مغلظہ ہونے کا حکم لگائیں گے اور اگر گرنے کا وقت معلوم نہ ہو تو اور جانور پھولا پھٹا نہ ہو تو ایک دن اور ایک رات سے اس کے ناپاک ہونے کا حکم لگائیں گے۔ اور کنویں کے یہ ناپاک ہونے کا حکم وضو اور غسل کے حق میں ہے اور اس کنویں کے پانی سے جو آٹا گوندھا گیا ہے اس کو کتے کو کھلا دیا جائے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ اس کو کسی شافعی المذہب والے شخص کے ہاتھ فروخت کردیا جائے (کیوں کہ شافعی مذہب کے مطابق یہ پانی ناپاک نہیں ہے) اور بہرحال وضو اور غسل کے علاوہ کے حق میں جیسے کہ کپڑا دھونا تو فی الحال سے پانی کے ناپاک ہونے کا حکم لگایا جائے گا (ایک دن اور ایک رات پہلے سے اس کے واسطے ناپاکی کا حکم نہیں لگایا جائے گا) اور حکم اس صورت میں ہے جب کہ حدث اصغر، حدث اکبر سے طہارت حاصل کی ہو یا کوئی نجاست حقیقیہ اس پانی سے دھوئی ہو، اور اگر ایسی بات نہیں ہے (یعنی وضو بغیر حدث کے کیا، یا غسل بغیر جنابت کے کیا یا کپڑا بغیر نجاست کے دھویا) تو بالاجماع کوئی چیز لازم نہیں ہے جیسا کہ جوہرہ میں ہے۔ اور اگر جانور کے گرنے کا وقت معلوم نہ ہو اور جانور پھول پھٹ گیا ہو تو تین دن اور تین رات پہلے سے اس کے ناپاک ہونے کا حکم کیا جائے گا استحسان کی رو سے۔ اور حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں جس وقت معلوم ہو اسی وقت سے ناپاک ہونے کا حکم کیا جائے گا لہٰذا اس سے پہلے کچھ بھی لازم نہ ہوگا۔ بعض علماء کرام نے فرمایا کہ حضرات صاحبین ہی کے قول پر فتویٰ بھی ہے۔ اگر کسی نے اپنے کپڑے میں منی یا پیشاب یا خون پایا تو نماز کا اعادہ اس وقت سے کرے گا جب آخری احتلام یا آخری پیشاب ہوا تھا یا آخری نکسیر آئی تھی۔ اگر کسی نے اپنے جبہ میں مرا ہوا چوہا پایا، پس اگر جبہ میں کوئی سوراخ نہ ہو تو جبہ میں روئی بھرنے کے وقت سے نماز کا اعادہ کرے۔ اور اگر جبہ میں سوراخ تھا اور جو پھولا ہوا یا سوکھا ہوا ہے تو پھر تین دن اور تین رات کی نماز کا اعادہ کرے۔ اور اگر چوہا پھولا پھٹا نہیں ہے اور نہ خشک ہوا ہے تو صرف ایک دن اور ایک رات کی نماز کا اعادہ کرے۔

فیض القدیر میں ہے اگر چوہا کنویں میں پیشاب کردے تو اصح قول کے مطابق کنویں کا پانی نکالنا لازم نہیں ہے اور نہ کبوتر اور گوریا کے بیٹ کرنے کی وجہ سے کنویں کا پانی نکالنا لازم ہے۔ اور صحیح ترین قول کے مطابق پھاڑ کھانے والے پرندے کی بیٹ کا بھی یہی حکم ہے (یعنی پانی نکالنا واجب نہیں ہے) اس لیے کہ ان سب کی بیٹ سے کنویں کو بچانا متعذر ہے اور سوئی کے ناکے

کے برابر پیشاب کی چھینٹیں اور نجس غبار پڑنے سے کنویں کا پانی نکالنا لازم نہیں ہے اس لیے کہ یہ دونوں شرعی اعتبار سے معاف ہیں۔ اور نہ اونٹ اور بکری کی دو مینگنیاں پڑنے سے کنویں کا پانی نکالنا لازم ہے، جیسا کہ یہ دو مینگنیاں معاف ہیں جو دودھ دوہنے والے کے برتن میں دودھ دوہنے کے وقت پڑ جائیں، پس ان دونوں کو ٹوٹنے یا دودھ کے رنگین ہونے سے پہلے پہلے فوراً پھینک دیا جائے۔ اور مصنف نے دُو مینگنیوں کا تذکرہ کیا ہے تو یہ محض اتفاقی ہے، یہ قید احترازی نہیں ہے اس لیے کہ جو اس سے زائد ہوں ان کا بھی یہی حکم ہے، فیض وغیرہ میں ایسا ہی مذکور ہے۔ اسی وجہ سے انھوں نے آگے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ تھوڑی مینگنی جو معاف کردی گئی ہے اصطلاح میں وہ ہے جس کو دیکھنے والے کم سمجھیں اور کثیر مینگنی اصطلاح میں وہ ہے جس کو دیکھنے والے زیادہ سمجھیں اور اسی قول پر اعتماد ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کسی بھی چیز کا اندازہ اپنی رائے سے نہیں کرتے تھے (بلکہ مبتلیٰ بہ کی رائے پر چھوڑ دیتے تھے)۔

پانی کے کنویں اور نجاست کے گڈھے کے درمیان اس قدر فاصلہ ہونا چاہئے کہ نجاست کا اثر کنویں میں ظاہر نہ ہو سکے (اس سے پہلے یہ بات آچکی ہے کہ کنواں اور نجاست کے گڈھے کے درمیان چاروں طرف سے چالیس گز دوری ہو، تاکہ نجاست کا اثر پانی میں بالکل نہ آسکے، جب تک پانی کے اوصاف ثلاثہ رنگ، مزہ اور بو میں سے کسی میں کوئی فرق نہ آئے کنواں ناپاک نہ ہوگا خواہ دونوں کے درمیان ایک دو گز ہی کا کیوں نہ فاصلہ ہو۔ اور اگر پانی میں نجاست کا اثر نمایاں ہوجائے اور اس کے مزہ، رنگ اور بو میں تبدیلی ہوجائے تو کنواں ناپاک ہوجائے گا خواہ ان دونوں کے درمیان چالیس گز کا ہی کیوں نہ فاصلہ ہو، پھر نجاست کے ظاہر ہونے میں زمین کی صلابت اور رخاوت کا بھی دخل ہے لہٰذا اسی اعتبار سے دوری کا اندازہ بھی کیا جائے گا۔

مختصر تشریح: شیخ علامہ علاء الدین حصکفیؒ اوپر ذکر کردہ عبارت سے ان چیزوں کے احکام ومسائل بیان فرمارہے ہیں جو چیزیں عبارۃ النص میں موجود نہیں ہیں، بلکہ ان کے احکام ومسائل تو بطریق دلالۃ النص ثابت ہیں۔ اور دلالۃ النص کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیزیں صراحتاً مذکور نہ ہوں مگر بدرجۂ اولیٰ کلام سے ان چیزوں کا حکم سمجھا جارہا ہو، مثلاً قرآنِ کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ﴾ اور تم اپنے والدین کو اُف تک نہ کہو۔ اس سے بطریق دلالۃ النص حرمت ضرب بدرجہ اولیٰ ثابت ہورہا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یتیموں کے مال کو ضائع اور برباد کرنے سے منع فرمایا ہے اس سے بطریق دلالۃ النص یتیموں کے مال کھانے کی حرمت بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوئی ہے۔ اسی طرح مثلاً مرغی کنویں میں گر کر مرجائے تو اس صورت میں کنویں سے چالیس ڈول پانی نکالنا واجب ہے۔ اب جو جانور جسم وجثہ کے اعتبار سے مرغی سے بڑا ہے گر کر کنویں میں مرجائے تو اس میں بدرجۂ اولیٰ چالیس ڈول نکالنا واجب ہوگا، اس لیے کہ اس کو بڑے جانور کے برابر قرار دینا دلیل سے ثابت ہے۔

اور سراج الوھاج میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ اگر کسی بلی نے چوہے کو پکڑا اور دونوں کنویں میں گر پڑے اور دونوں زندہ سلامت نکل جائیں تو اس صورت میں کنویں سے کچھ بھی پانی نکالنا لازم نہیں ہے۔ اور اگر دونوں کنویں سے مردہ نکلیں تو پھر چالیس

ڈول نکالنا لازم ہے۔ اور اگر چوہا تو گرنے کی وجہ سے مر گیا اور بلی زندہ نکلی تو اس صورت میں بیس ڈول نکالنا واجب ہے۔ اور اگر چوہا زخمی ہے اور اس نے استنجاء کر دیا تو ایسی صورت میں کنویں کا سارا پانی نکالنا واجب ہے۔ (شامی: ۱/۳۷۵)

شارحؒ نے فرمایا کہ دو بلیاں ایک بکری کے حکم میں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک بکری کے گرنے سے کنویں کا سارا پانی نکالنا لازم ہے اسی طرح دو بلیوں کے گر کر مر جانے سے سارا پانی نکالنا لازم ہے۔ اور مصنفؒ نے فرمایا کہ دو چوہے ایک چوہے کے حکم میں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک چوہے کے گرنے سے صرف بیس ڈول پانی نکالنا لازم ہے اسی طرح اگر دو چوہے گر کر مر جائیں پھر بھی بیس ہی ڈول پانی نکالا جائے گا۔ تین سے پانچ تک اگر چوہے کنویں میں گر جائیں تو اس صورت میں جتنا پانی صرف ایک بلی کے گر جانے سے نکالا جاتا ہے اتنا ہی پانی نکالنا واجب ہے، یعنی صرف چالیس ڈول پانی نکالا جائے گا ہاں اگر چھ چوہے ہو جائیں تو پھر یہ سب مل کر ایک بکری کے حکم میں ہو جائیں گے اور کل پانی نکالنا واجب ہوگا۔

مسئلہ: جس کنویں میں جانور گر کر مر جائے اس کنویں کا پانی شرعی اعتبار سے ناپاک ہو جاتا ہے اور ناپاکی کا یہ حکم اس وقت سے ہوگا جس وقت سے جانور گر کر مرا ہے، بشرطیکہ اس کا علم ہو کہ فلاں وقت جانور گرا ہے، یا دو آدمی شہادت دیں کہ فلاں وقت جانور گر کر مرا ہے تو اسی وقت سے پانی ناپاک سمجھا جائے گا، یا ظن غالب کے ذریعہ معلوم ہوا تو جانور کے گرنے کے وقت سے کنویں کے پانی کو ناپاک قرار دیا جائے گا۔ (شامی: ۱/۳۷۶)

مسئلہ: جانور کس وقت گرا ہے اس کا علم کسی طرح بھی کسی کو نہیں ہے اور جانور ابھی پھولا پھٹا بالکل نہیں ہے اور نہ اس کے بال ہی جھڑے ہیں تو اس صورت میں کنویں کو ایک دن اور ایک رات سے ناپاک مانیں گے اور یہ صرف وضو اور غسل کے حق میں ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے اس دوران وضو کیا یا جنبی نے اس سے غسل کر کے نماز پڑھی تو وضو اور غسل دونوں کا اعادہ کرنا پڑے گا اور نماز بھی لوٹانی پڑے گی جو اس دوران پڑھی گئی ہے۔ اور اگر جانور گرنے کے بعد پھول گیا پھٹ گیا اور یہ معلوم نہیں ہے کہ جانور کنویں میں کب گرا اور کس وقت مرا ہے؟ تو ایسی صورت میں کنویں کے پانی کو احتیاطاً تین دن اور تین رات سے ناپاک قرار دیا جائے گا اور اس دوران اگر کسی بے وضو شخص نے اس سے وضو کیا یا کسی جنبی نے غسل جنابت کیا تو نہ اس کا وضو ہوا اور نہ غسل، بلکہ دونوں بعد میں کریں اور نماز اعادہ کریں۔ اور یہ حکم بطور استحسان ہے اس لیے کہ مردہ عام طور پر تین دن اور تین رات ہی میں پھولتا پھٹتا ہے، اسی واسطے اس کا اعتبار کیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تین دن اور تین رات سے کنویں کو ناپاک صرف وضو اور غسل کے حق میں مانیں گے، رہا کپڑا وغیرہ صاف کرنے کا حکم تو اس میں اسی وقت کا اعتبار ہوگا جس وقت سے معلوم ہوا ہے یعنی اس سے پہلے جو کپڑا دھویا گیا ہے اس کو دوبارہ دھونے کا حکم نہیں دیں گے۔

حضرات صاحبینؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں یعنی جانور گر کر پھول پھٹ گیا ہو یا پھولا پھٹا نہ ہو جس وقت معلوم ہوا اسی وقت سے کنویں کو ناپاک قرار دیا جائے گا اور اس سے پہلے جس قسم کی بھی طہارت حاصل کی ہے اس کے اعادہ کرنے کی ضرورت

نہیں ہے۔ لیکن حضرات فقہائے کرام کے یہاں یہ اصول ہے کہ عبادات کے باب میں فتویٰ حضرت امام اعظمؒ کے قول پر ہوتا ہے اس لیے کہ امام صاحب کا قول مبنی بر احتیاط ہوتا ہے، چناں چہ یہاں پر بھی صرف جانور کے مردہ ہونے کی صورت میں ایک دن رات پہلے سے اور جانور کے پھول پھٹ جانے کی صورت میں تین دن تین رات پہلے سے ناپاک قرار دینے میں احتیاط ہے۔ اور بقیہ چیزوں میں صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ ہے۔

قولہ وقیل یباع من شافعی: مطلب یہ ہے کہ مردہ جانور کنویں میں پایا گیا اور اس کے پانی سے کسی نے آٹا گوندھا تو اس آٹے کا استعمال کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے بلکہ کتے وغیرہ کو کھلا دے یا چونکہ شوافع کے مذہب کے مطابق پانی ناپاک نہ ہوا اس لیے کہ جب پانی ان کے نزدیک دوقلہ ہو تو ناپاک نہیں ہوتا اور یہاں پانی دو مٹکا سے زیادہ ہے اس لیے بدرجۂ اولیٰ پانی ناپاک نہ ہوگا، لہٰذا اس سے جو آٹا گوندھا گیا ہے اس کو کسی شافعی المذہب کے ہاتھ فروخت کردے یا اس کو ہدیہ دیدے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ جب اس کے نزدیک ناپاک ہے تو اسے کسی آدمی کو ہرگز نہ کھلائے۔

قولہ استحسانًا: علامہ حصکفیؒ نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول کو استحسان قرار دیا ہے اور صاحبینؒ کے قول کو قیاس کے مطابق قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جانور کے لیے یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہ کنویں میں گر کر ہی مرا ہو بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ جانور پہلے سے مرا ہوا تھا، ہوا نے اُڑا کر کنویں میں ڈال دیا یا کسی پرندے نے کسی پھولے پھٹے جانور کو لاکر کنویں میں گرادیا، اسی لیے حضرات صاحبینؒ نے فرمایا کہ جس وقت سے معلوم ہوا اسی وقت سے کنویں کو ناپاک قرار دیا جائے اور عقل بھی اسی کی متقاضی ہے اور یہ قول قیاس کے عین مطابق بھی ہے، لیکن آپ ذرا اس نقطۂ نظر پر بھی غور فرمائیے کہ ظاہری سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ جانور کنویں میں گر کر مرا ہو کیوں کہ خونی جانور جو غیر مائی ہے پانی میں ڈوب کر مرجاتا ہے تو اس سبب موہوم کی طرف منسوب کرنا کوئی قابل لائق بات نہیں ہے اسی قول کو استحسان کہا ہے۔

جن چیزوں سے بچنا متعذر رہے وہ شریعت میں معاف ہے

علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کنویں میں چوہے نے پیشاب کردیا یا کبوتر یا اس کے مانند پرندے نے بیٹ کردیا یا کوئی پھاڑ کھانے والے پرندے نے بیٹ کردیا یا سوئی کے ناکہ کے برابر پیشاب کا چھینٹا پانی میں گر گیا تو ان تمام چیزوں سے پانی ناپاک نہ ہوگا اور کچھ بھی پانی نکالنا لازم نہ ہوگا، اس لیے کہ ان چیزوں کے پیشاب سے کنویں کو بچانا ناممکن اور متعذر ہے۔ اسی طرح دودھ دوہتے وقت برتن میں ایک دومینگنی گر جائے اور اسے فوراً ہی نکال دیا جائے تو اس سے دودھ ناپاک نہ ہوگا بلکہ اس کا استعمال جائز ہوگا، اس لیے کہ دودھ دوہنے میں ایک دومینگنی سے برتن کو بچانا مشکل اور دشوار ہے اور قاعدہ ہے: "الحرج مَدفوع"۔ لہٰذا وہ دودھ پاک ہوگا اور اس کا استعمال درست ہوگا۔

(وَيُعْتَبَرُ سُؤْرٌ بِمُسْئِرٍ) اسْمُ فَاعِلٍ مِنْ أَسْأَرَ: أَيْ أَبْقَى لِاخْتِلَاطِهِ بِلُعَابِهِ (فَسُؤْرُ آدَمِيٍّ مُطْلَقًا) وَلَوْ جُنُبًا أَوْ كَافِرًا أَوْ امْرَأَةً، نَعَمْ يُكْرَهُ سُؤْرُهَا لِلرَّجُلِ كَعَكْسِهِ لِلِاسْتِلْذَاذِ وَاسْتِعْمَالِ رِيقِ الْغَيْرِ، وَهُوَ لَا يَجُوزُ مُجْتَبَى. (وَمَأْكُولِ لَحْمٍ) وَمِنْهُ الْفَرَسُ فِي الْأَصَحِّ وَمِثْلُهُ مَا لَا دَمَ لَهُ (طَاهِرُ الْفَمِ) قَيْدٌ لِلْكُلِّ (طَاهِرٌ) طَهُورٌ بِلَا كَرَاهَةٍ. (وَ) سُؤْرُ (خِنْزِيرٍ وَكَلْبٍ وَسِبَاعِ بَهَائِمَ) وَمِنْهُ الْهِرَّةُ الْبَرِّيَّةُ (وَشَارِبِ خَمْرٍ فَوْرَ شُرْبِهَا) وَلَوْ شَارِبُهُ طَوِيلًا لَا يَسْتَوْعِبُهُ اللِّسَانُ فَنَجِسٌ وَلَوْ بَعْدَ زَمَانٍ (وَهِرَّةٍ فَوْرَ أَكْلِ فَأْرَةٍ نَجِسٌ) مُغَلَّظٌ. (وَ) سُؤْرُ هِرَّةٍ (وَدَجَاجَةٍ مُخَلَّاةٍ) وَإِبِلٍ وَبَقَرٍ جَلَّالَةٍ، فَالْأَحْسَنُ تَرْكُ دَجَاجَةٍ لِيَعُمَّ الْإِبِلَ وَالْبَقَرَ وَالْغَنَمَ قُهُسْتَانِيٌّ (وَسِبَاعِ طَيْرٍ) لَمْ يَعْلَمْ رَبُّهَا طَهَارَةَ مِنْقَارِهَا (وَسَوَاكِنِ بُيُوتٍ) طَاهِرٌ لِلضَّرُورَةِ (مَكْرُوهٌ) تَنْزِيهًا فِي الْأَصَحِّ إِنْ وَجَدَ غَيْرَهُ وَإِلَّا لَمْ يُكْرَهْ أَصْلًا كَأَكْلِهِ لِفَقِيرٍ.

ترجمہ اور جھوٹے کی طہارت وعدم طہارت میں جھوٹا کرنے والے جاندار کا اعتبار ہے اس لیے کہ جھوٹے میں اس جاندار کا لعاب مل جاتا ہے۔ مصنف فرماتے ہیں "مُسئر" أسأر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کے معنی ابقی کے ہیں، پس آدمی کا جھوٹا علی الاطلاق پاک ہے اگر چہ جنبی یا کافر عورت ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں عورت کا جھوٹا مردوں کے لیے مکروہ ہے جس طرح مردوں کا جھوٹا عورتوں کے لیے مکروہ ہے، لذت حاصل کرنے کی وجہ سے اور دوسرے کے تھوک استعمال کرنے کی وجہ سے اور دوسرے کا تھوک استعمال کرنا جائز نہیں ہے، مجتبیٰ۔ اور جن جانوروں کا گوشت کھانا حلال ہے ان کا جھوٹا بھی اصح قول کی مطابق پاک ہے اور اس میں گھوڑا بھی داخل ہے اور ان ہی جانوروں کی مانند وہ جانور ہیں جن میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا ہے اور جن جانوروں کا جھوٹا پاک ہے ان میں شرط یہ ہے کہ منہ نجاست سے پاک ہو تو ان کا جھوٹا خود پاک بھی ہے اور بلا کراہت غیر نجاست حکمی اور نجاست حقیقی سے پاک کرنے والا ہے۔ اور سور اور کتے کا جھوٹا نیز پھاڑ کھانے والے چوپائے کا جھوٹا اور ان ہی میں جنگلی بلی بھی داخل ہے اور شراب پینے والے کا جھوٹا جو ابھی فوراً شراب پیا ہو نا پاک ہے، اگر چہ شرابی کی مونچھ اس قدر لمبی ہو کہ اس تک زبان نہیں پہنچتی ہے تو اس کا جھوٹا ناپاک ہے اگر چہ کچھ دیر کے بعد اس نے پانی پیا ہو، اور بلی کا جھوٹا چوہا کھانے کے فوراً بعد نجاست مغلظہ ہے۔ اور بلی کا جھوٹا اور کھلی مرغی اور نجاست کھانے والے اونٹ اور گائے کا جھوٹا اور ان پھاڑ کھانے والے پرندوں کا جھوٹا کہ ان کی چونچ کی طہارت کے بارے میں ان کے پالنے والوں کو معلوم نہ ہو۔ اور قہستانی نے فرمایا کہ عمدہ بات یہ تھی کہ اس میں دجاجہ کا لفظ نہ لایا جاتا تا کہ اونٹ گائے اور بکری کو لفظ مخلاۃ شامل ہو جاتا۔ اور گھر میں رہنے والے جانوروں کا جھوٹا ضرورت کی وجہ سے پاک ہے اور اگر اس کے علاوہ دوسرا پانی موجود ہو تو اس کا استعمال کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور اگر کوئی دوسرا پانی موجود نہ ہو تو بالکل مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے جیسے کہ فقیر کو اس کھانے کا کھانا بھی مکروہ نہیں ہے۔

جھوٹے پانی کی طہارت وعدم طہارت کا بیان

شارح علیہ الرحمہ نے جب پانی کی پاکی وناپاکی کے بیان سے فراغت حاصل کی ہے تو اب یہاں سے جاندار ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم کے پسینہ اور جھوٹے کا حکم بیان فرمار ہے ہیں۔

جھوٹے کی تعریف

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں کہ جھوٹا وہ بقیہ پانی ہے جو پینے والا پی کر برتن میں چھوڑ دے، یا حوض میں چھوڑ دے پھر اس کو بقیہ طعام کے لیے بھی استعمال کیا جانے لگا۔ اس جھوٹے کی طہارت وعدم طہارت کا تعلق لعاب سے ہے اور لعاب کا تعلق گوشت سے ہے۔ اگر کسی جانور کا گوشت پاک ہے تو اس کا لعاب بھی پاک ہے اور جب لعاب پاک ہے تو جھوٹا بھی پاک ہے۔ اور اگر کسی جانور کا گوشت ناپاک ہے تو اس کا لعاب بھی ناپاک ہے اور جس کا لعاب ناپاک ہے اس کا جھوٹا بھی ناپاک ہے۔ اور حضرات فقہاء کرام نے فرمایا کہ یہی حکم کراہت اور مشکوک کا بھی ہے، یعنی جن جانوروں کا گوشت مکروہ یا مشکوک ہے ان کا لعاب بھی مکروہ یا مشکوک ہوگا پھر ان کا جھوٹا بھی مکروہ یا مشکوک ہوگا۔

مسئلہ: انسان کا جھوٹا پاک ہے خواہ جنبی یا کافر یا عورت ہی کا کیوں نہ ہو۔ جنبی حکماً ناپاک ہوتا ہے اس لیے اس کا جھوٹا پاک ہے۔ اور کافر اپنے اعتقاد کے اعتبار سے نجس ہے نہ کہ جسم کے اعتبار سے، یہی وجہ ہے کہ کافر کا جھوٹا پاک ہے، بشرطیکہ فوراً شراب نہ پی ہو۔ رسول اکرم ﷺ نے کافروں کو مسجدوں میں ٹھہرایا ہے، اگر کافر ناپاک ہوتا تو آپ ﷺ مسجد میں کیوں ٹھہراتے، آپ ﷺ کا ٹھہرانا ہی اس کی طہارت کی دلیل ہے۔ اور یہ بھی ایک مسلّم حقیقت ہے کہ سارے انسان کا گوشت ایک درجہ میں ہے اس لیے سارے انسان کے جھوٹے کا حکم بھی ایک ہی ہوگا۔ اب رہی یہ بات کہ اگر کافر کا جھوٹا پاک ہے تو پھر اس کے کنویں میں گرنے کی وجہ سے پانی کو ناپاک کیوں قرار دیا جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کنویں کے پانی کی عدم طہارت کا حکم اس وقت لگایا جاتا ہے جب اس کے بدن اور کپڑے پر کوئی ظاہری نجاست ہو اور اگر کوئی ظاہری نجاست نہیں ہے تو کنویں کا پانی ناپاک نہ ہوگا۔ (شامی: ۱/۳۸۱)

مسئلہ: حائضہ اور نفاس والی عورت کا جھوٹا بھی پاک ہے اس لیے کہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حالت حیض میں برتن سے پانی پیا کرتی تھی، پھر اس کو رسول اللہ ﷺ کو دیتی تھی پس آپ میرے منھ رکھنے کی جگہ منھ لگا کر پیتے تھے۔ (شامی: ۱/۳۸۱)

مسئلہ: اجنبی مرد کا جھوٹا اجنبیہ عورت کے لیے اور اجنبیہ عورت کا جھوٹا اجنبی مرد کے لیے جو مکروہ قرار دیا ہے وہ اس لیے نہیں کہ ناپاک ہے بلکہ نفس پینے میں مکروہ بتایا گیا ہے، محض حصول لذت کی وجہ سے، یعنی ایک دوسرے کے جھوٹے سے لذت

حاصل ہوگی اور محارم اور بیوی کا جھوٹا بلا کراہت جائز ہے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ نے فرمایا کہ اس سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ اگر کوئی بال بنوانے والا مرد نائی سے بال بنوانے میں لذت محسوس کرتا ہے تو اس سے بھی بچنا چاہئے اور اس کو بھی مکروہ سمجھنا چاہئے۔ (شامی: ۱/ ۳۸۱)

ماکول اللحم جانور کے جھوٹے کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جن جانوروں کا گوشت شرعی اعتبار سے حلال ہے اور ان کا گوشت کھایا جاتا ہے اگر ان کے منہ پر کسی قسم کی کوئی نجاست لگی نہیں ہے اور وہ پانی کے برتن میں منہ ڈال دیں تو اس سے پانی ناپاک نہ ہوگا بلکہ پانی پاک رہے گا اور اس کے اندر پاک کرنے کی صلاحیت بھی رہے گا۔ اور اسی کے حکم میں گھوڑا بھی ہے یعنی اس کا جھوٹا پاک ہے، گھوڑے کا گوشت اس کے احترام کی وجہ سے نہیں کھایا جاتا ہے گھوڑا جہاد میں کام آنے والا جانور ہے اس لیے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے کراہت منقول ہے نہ کہ نجاست کی وجہ سے۔ (شامی: ۱/ ۳۸۲)

غیر ماکول اللحم جانور کے جھوٹے کا حکم

جن جانوروں کا گوشت شرعی اعتبار سے حرام ہے اور ان کا گوشت نہیں کھایا جاتا ان کا لعاب ناپاک ہے، لہٰذا جھوٹا بھی ناپاک ہوگا، چناں چہ سور، کتا اور پھاڑ کھانے والے چوپائے مثلاً: شیر، چیتا، بھیڑیا ان سب کا جھوٹا ناپاک ہے۔ اسی طرح اور دوسرے جانور جو دانت سے شکار کرتے ہیں ان کا جھوٹا بھی ناپاک ہے۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی شراب پی کر فوراً پانی پیئے یا کھانا کھائے تو اس کا جھوٹا شراب کی وجہ سے ناپاک ہوگا اور اگر شراب پینے کے بعد اتنی دیر تک رُکا رہا کہ اس کی رال سے خود اس کا منہ صاف ہو گیا تو پھر اس کا جھوٹا ناپاک نہیں ہوگا۔ (شامی: ۱/ ۳۸۲)

مسئلہ: بلی نے چوہا کھانے کے بعد فوراً برتن میں منہ ڈال دیا تو پانی ناپاک ہو جائے گا اور اگر چوہا کھانے کے بعد اپنا منہ چاٹ لیا اور تین مرتبہ چاٹ لیا جس سے اس کا منہ بالکل صاف ہو گیا تو اس کے بعد پانی پینے سے پانی ناپاک نہ ہوگا لیکن بعض علماء نے اس پانی کو مکروہ قرار دیا ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۸۳)

مسئلہ: پھاڑ کھانے والے پرندے، مثلاً: باز، شکرہ اور شاہین وغیرہ کا گوشت حرام ہے لہٰذا قیاس کے مطابق ان کا جھوٹا ناپاک ہونا چاہئے تھا مگر اس میں استحسان یہ ہے کہ پرندے چونچ سے پانی استعمال کرتے ہیں اور چونچ خشک ہڈی ہے جو پاک ہے لہٰذا جھوٹا پاک ہوگا لیکن چونکہ یہ عام طور پر مردار کھاتے ہیں اس لیے وہ کھلی مرغی کے درجے میں ہو گئے اور یہ معلوم ہے کہ ان کی چونچ پاک ہے تو ان کے جھوٹے سے وضو کرنا بلا کراہت درست ہوگا۔ حضرت امام ابو یوسفؒ سے یہی روایت ہے اور متاخرین علماء کرام نے اسی قول پر فتویٰ دیا ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۸۴)

مسئلہ: وہ جانور جو گھروں میں رہتے ہیں جیسے چوہا، بلی، سانپ، چھپکلی وغیرہ، ان کا جھوٹا ضرورت کی وجہ سے پاک ہے اور ضرورت کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ ان جانوروں کے گوشت کی حرمت اس بات کی متقاضی تھی کہ ان کا جھوٹا بھی ناپاک ہو لیکن چونکہ یہ جانور گھروں میں آنے جانے والے ہیں، ان سے بچنا دشوار ہے اس لیے نجاست کا حکم ختم کر دیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "یہ تم پر چکر لگانے والیاں ہیں"، ان سے برتنوں کی حفاظت متعذر ہے اس لیے شریعت نے رخصت دی ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۸۴)

مسئلہ: جو بیل، اونٹ، گائے گندگی کھانے کے عادی ہو جائیں اور ان کے گوشت سے بدبو آنے لگے تو حضراتِ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ایسے جانور کی قربانی بھی جائز نہیں ہے اور نہ اس کو کھانے کی اجازت ہے اور نہ اس کے دودھ پینے کی اجازت ہے بلکہ اس کو فروخت کرنا یا ہبہ کرنا بھی مکروہ ہے اور اس کا پسینہ بھی ناپاک ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۸۳)

مسئلہ: علامہ شامی فرماتے ہیں نجاست کھانے والے جانور کو بند کر دیا جائے، مرغی کو تین دن، بکری کو چار دن، اونٹ اور گائے بیل کو دس دن، پھر ذبح کیا جائے تا کہ اس کی بدبو ختم ہو جائے اور جو حلال جانور نجاست اور چارہ دونوں کھاتے ہیں اور ان کے گوشت میں بدبو نہیں ہے تو ان کا کھانا شرعی اعتبار سے حلال ہوگا اور جن جانوروں میں دم مسفوح پایا جائے ان کا جھوٹا مکروہ ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۸۳)

مسئلہ: جن جانوروں کا جھوٹا از روئے شرع مکروہ تنزیہی ہے ان کا جھوٹا محتاج وفقیر کے لیے کھانا جائز ہے جب کہ اس کے سوا کوئی دوسری غذا حاصل نہ ہو۔ اور مالدار غنی کے لیے اس سے پرہیز اولیٰ اور افضل ہے اس لیے کہ اس کے پاس اس کے علاوہ غذا موجود ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۸۵)

اسبابِ نسیان

علامہ شامیؒ نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ردالمحتار علی الدرالمختار میں اسبابِ نسیان درجِ ذیل چیزیں بیان فرمائی ہیں:

۱- گناہوں کا ارتکاب کرنا۔
۲- دنیاوی اسباب کی وجہ سے حزن وملال میں مبتلا ہونا۔
۳- دنیاوی اُمور میں بہت زیادہ مشغول ہونا۔
۴- جنابت کی حالت میں آسمان کی طرف دیکھنا۔
۵- سولی پر لٹکائے گئے شخص کی طرف دیکھنا۔
۶- کپڑے کو مسجد میں جھاڑنا۔
۷- نمکین گوشت استعمال کرنا۔
۸- شرمگاہوں سے کھیلنا۔
۹- ہانڈی سے کھانا۔
۱۰- بہت زیادہ مزاح کرنا۔
۱۱- قبرستان میں ہنسنا۔
۱۲- استنجاء کی جگہوں میں وضو کرنا۔
۱۳- شرمگاہ کو بار بار دیکھنا۔
۱۴- راستہ میں پیشاب کرنا۔

۱۵- کسی پھل دار درخت کے نیچے پیشاب کرنا۔ ۱۶- ماءِ راکد (ٹھہرے ہوئے پانی) میں پیشاب کرنا۔
۱۷- ٹوٹی ہوئی کنگھی سے کنگھا کرنا۔ ۱۸- کھٹے سیب کا استعمال کرنا۔
۱۹- جوؤں کو زندہ چھوڑ دینا۔ ۲۰- فرج کی جانب دیکھنا۔ (شامی: ۱/ ۳۸۵)

یہ تمام کے تمام اسباب نسیان ہیں ان سے نسیان کی بیماری پیدا ہوتی ہے، لہٰذا ان سے حتی الامکان احتراز لازم ہے۔

(وَ) سُؤْرُ (حِمَارٍ) أَهْلِيٍّ وَلَوْ ذَكَرًا فِي الْأَصَحِّ (وَبَغْلٍ) أُمُّهُ حِمَارَةٌ، فَلَوْ فَرَسًا أَوْ بَقَرَةً فَطَاهِرٌ كَمُتَوَلِّدٍ مِنْ حِمَارٍ وَحْشِيٍّ وَبَقَرَةٍ، وَلَا عِبْرَةَ بِغَلَبَةِ الشَّبَهِ لِتَصْرِيحِهِمْ بِحِلِّ أَكْلِ ذِئْبٍ وَلَدَتْهُ شَاةٌ اعْتِبَارًا لِلْأُمِّ، وَجَوَازُ الْأَكْلِ يَسْتَلْزِمُ طَهَارَةَ السُّؤْرِ كَمَا لَا يَخْفَى، وَمَا نَقَلَهُ الْمُصَنِّفُ عَنِ الْأَشْبَاهِ مِنْ تَصْحِيحِ عَدَمِ الْحِلِّ قَالَ شَيْخُنَا: إِنَّهُ غَرِيبٌ (مَشْكُوكٌ فِي طَهُورِيَّتِهِ لَا فِي طَهَارَتِهِ) حَتَّى لَوْ وَقَعَ فِي مَاءٍ قَلِيلٍ أُعْتُبِرَ بِالْأَجْزَاءِ، وَهَلْ يَطْهُرُ النَّجِسُ؟ قَوْلَانِ (فَيَتَوَضَّأُ بِهِ) أَوْ يَغْتَسِلُ (وَيَتَيَمَّمُ) أَيْ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا احْتِيَاطًا فِي صَلَاةٍ وَاحِدَةٍ لَا فِي حَالَةٍ وَاحِدَةٍ (إِنْ فَقَدَ مَاءً) مُطْلَقًا (وَصَحَّ تَقْدِيمُ أَيِّهِمَا شَاءَ) فِي الْأَصَحِّ وَلَوْ تَيَمَّمَ وَصَلَّى ثُمَّ أَرَاقَهُ لَزِمَهُ إِعَادَةُ التَّيَمُّمِ وَالصَّلَاةِ لِاحْتِمَالِ طَهُورِيَّتِهِ.. (وَيُقَدِّمُ التَّيَمُّمَ عَلَى نَبِيذِ التَّمْرِ عَلَى الْمَذْهَبِ) الْمُصَحَّحِ الْمُفْتَى بِهِ ؛ لِأَنَّ الْمُجْتَهِدَ إِذَا رَجَعَ عَنْ قَوْلٍ لَا يَجُوزُ الْأَخْذُ بِهِ: (وَ) حُكْمُ (عَرَقٍ كَسُؤْرٍ) فَعَرَقُ الْحِمَارِ إِذَا وَقَعَ فِي الْمَاءِ صَارَ مُشْكِلًا عَلَى الْمَذْهَبِ كَمَا فِي الْمُسْتَصْفَى. وَفِي الْمُحِيطِ: عَرَقُ الْجَلَّالَةِ عَفْوٌ فِي الثَّوْبِ وَالْبَدَنِ. وَفِي الْخَانِيَةِ أَنَّهُ طَاهِرٌ عَلَى الظَّاهِرِ.

ترجمہ اور پالتو گدھے کا جھوٹا خواہ وہ مذکر ہی کیوں نہ ہو اصح قول کے مطابق، اور اس خچر کا جھوٹا جس کی ماں گدھی ہو مشکوک ہے اور اگر اس خچر کی ماں گھوڑی یا گائے ہو تو اس کا جھوٹا پاک ہے جس طرح اس جانور کا جھوٹا پاک ہے جو وحشی گدھا اور گائے سے پیدا ہوا ہو اور غلبۂ مشابہت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ حضرات فقہاء کرام کی یہ صراحت کردینے کی وجہ سے کہ اس بھیڑیئے کا کھانا حلال ہے جو بکری سے پیدا ہوا ہو ماں کا اعتبار کرتے ہوئے اور کھانا حلال ہونا اس کے جھوٹے کی طہارت کو لازم قرار دیتا ہے جیسا کہ یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے۔ اور مصنفؒ نے اشباہ سے جو نقل کیا ہے کہ اس کا حلال نہ ہونا ہی درست ہے اس کے بارے میں ہمارے استاذ محترم نے فرمایا کہ وہ روایت غریب اور نادر ہے۔ گدھے اور خچر کا جھوٹا پانی مشکوک ہے مطہر ہونے میں نہ کہ طاہر ہونے میں (یعنی ان دونوں کا جھوٹا تو فی نفسہٖ پاک ہے لیکن اس سے وضو اور غسل جنابت کرنا یا نجاست دور کرنا درست نہیں ہے اس سے طہارت حاصل نہ ہوگی) یہاں تک کہ اگر ان کا جھوٹا تھوڑے پانی میں پڑ جائے تو اجزاء کا اعتبار ہوگا (یعنی جھوٹے پانی اور نفس پانی میں جس کی مقدار زیادہ ہوگی اس کا اعتبار ہوگا اور اسی کا حکم نافذ ہوگا) اور جس پانی کو گدھے یا خچر نے جھوٹا کردیا ہے وہ پانی نجاست کو پاک

کرتا ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں حضرات فقہاء کرام سے دو قول مروی ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ پاک کر دیتا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ پاک نہیں کرتا ہے، پس اگر کوئی شخص خالص پاک پانی نہ پائے تو اس مشکوک پانی سے وضو یا غسل کرنے کے بعد احتیاطاً تیمم بھی کر لے، یعنی احتیاط اسی میں ہے کہ دونوں کو جمع کر لے، یعنی وضو اور تیمم یا غسل اور تیمم دونوں کر لے اور یہ جمع کرنا صرف ایک نماز میں ہے نہ کہ ایک حالت ادا میں۔ اور وضو اور تیمم میں سے جس کو چاہے مقدم کرے اصح قول یہی ہے۔ اگر کسی نے تیمم کیا اور نماز پڑھی اس کے بعد مشکوک پانی کو گرا دیا تو اس پر دوبارہ تیمم کرنا اور دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہوگا اس لیے کہ اس میں احتمال ہے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ مشکوک پانی پاک کرنے والا ہو، کیونکہ تیمم کا اعتبار اس وقت ہے جب پاک کرنے والا پانی موجود نہ ہو۔

اور صحیح مذہب یہ ہے کہ نبیذ تمر پر تیمم مقدم ہوتا ہے، یعنی نبیذ تمر کی موجودگی میں تیمم کیا جائے گا، نبیذ تمر سے وضو نہیں کیا جائے گا مفتی بہ قول یہی ہے اس لیے کہ جب مجتہد اپنے کسی قول سے رجوع کر لے تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے (اور یہاں حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اپنے قول سے صاحبین کے قول کی جانب رجوع فرما لیا ہے اور اب متفقہ طور پر نبیذ تمر سے وضو کرنا جائز نہیں ہے)

اور پسینہ کا حکم جھوٹے کی طرح ہے (یعنی جن جانوروں کا جھوٹا پاک ہے ان کا پسینہ بھی پاک ہے اور جن جانوروں کا جھوٹا ناپاک ہے ان کا پسینہ بھی ناپاک ہے۔ اور جن جانوروں کا جھوٹا مکروہ ہے ان کا پسینہ بھی مکروہ ہے، کیونکہ جھوٹے کا تعلق لعاب سے ہے اور لعاب و پسینہ دونوں گوشت سے پیدا ہوتے ہیں پس نتیجہ یہ نکلا کہ جن جانوروں کا گوشت پاک ہے ان کا پسینہ بھی پاک ہے اور جن جانوروں کا گوشت حرام اور ناپاک ہے ان کا پسینہ بھی ناپاک ہے)

پس اگر گدھے کا پسینہ پانی میں گرے تو اس سے پانی مشکوک ہو جائے گا اصح مذہب کے مطابق، جیسا کہ مستصفیٰ میں مذکور ہے اور محیط میں مذکور ہے کہ نجاست کھانے والے چوپائے کا پسینہ جو کپڑے اور بدن میں لگ جائے وہ معاف ہے۔ اور فتاویٰ قاضی خاں میں مذکور ہے کہ اس کا پسینہ پاک ہے ظاہر مذہب کے مطابق، یعنی نجس نہیں ہے کہ اس کو پاک قرار دیا جائے بلکہ وہ سرے ہی سے پاک ہے لہٰذا جہاں کہیں پڑے گا پاک ہی رہے گا خواہ پانی ہی کیوں نہ ہو۔

گدھے اور خچر کے جھوٹے کا حکم شرعی

صاحب درمختار علامہ علاء الدین حصکفیؒ اس عبارت سے گدھے اور خچر کے جھوٹے کا حکم بیان فرما رہے ہیں، چناں چہ فرماتے ہیں کہ پالتو گدھا خواہ نر ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح خچر، ان دونوں کا جھوٹا پانی مشکوک ہے۔ بعض علماء کرام نے فرمایا کہ نر گدھے کا جھوٹا نجس ہے اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ نر گدھا مادہ گدھی کے پیشاب سونگھتا ہے۔ علامہ کاسانی صاحب بدائع الصنائع فرماتے ہیں کہ یہ وجہ بیان کرنا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ پیشاب کا سونگھنا امر موہوم ہے، عام طور پر ایسا نہیں ہوتا ہے اس لیے یہ وجہ قابل اعتبار نہیں ہے۔ (شامی: ۱/۳۸۶)

مسئلہ: جس جانور کے ماں باپ میں سے ایک ماکول اللحم ہو اور دوسرا غیر ماکول اللحم ہو تو اس مسئلہ میں اصح قول یہ ہے کہ ماں کا اعتبار ہوگا، اگر ماں ماکول اللحم ہے تو اس کا جھوٹا پاک ہوگا اور اگر غیر ماکول اللحم ہے تو پھر اس کا جھوٹا ناپاک ہوگا اور وہ خود بھی غیر ماکول اللحم قرار پائے گا۔ اور اگر ماں ماکول اللحم ہے تو وہ خود بھی ماکول اللحم قرار پائے گا خواہ باپ ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم ہو۔ قاعدہ کے اعتبار سے بچہ کی نسبت اصل ماں کی طرف ہونی چاہئے اس لیے کہ ماں ہی اصل ہے اور بچہ کی نسبت باپ کی طرف محض اظہار شرافت کے لیے ہوتی ہے۔ (شامی: ۱/۳۸۶)

مسئلہ: اگر کسی کے پاس مشکوک پانی کے علاوہ کوئی دوسرا غیر مشکوک پانی نہیں ہے تو اس کے لیے شرعی حکم یہ ہے کہ احتیاطاً وضو اور تیمم دونوں ہی کرے یا غسل اور تیمم دونوں ہی کرے، اس کے بعد نماز پڑھے۔ اور اگر کسی نے ایسا کیا کہ مشکوک پانی سے وضو کیا اور نماز پڑھی پھر اس کا وضو ٹوٹ گیا تو اس نے تیمم کیا اور اس نماز کو دوبارہ پڑھی تو جائز ہے اور یہ قول صحیح ہے، ایک نماز میں دونوں کو جمع کرلیا تو ادائے واحد میں جمع نہیں کیا۔ (شامی: ۱/۳۸۷)

نبیذ تمر سے وضو کا حکم شرعی

نبیذ تمر بنی ہی اس کو کہتے ہیں کہ خرما کو پانی میں بھگو دیں جس سے پانی میٹھا ہو جائے مگر پانی کی رقت وسیلانیت باقی رہے، اس پانی سے وضو کرنے کے متعلق حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا قول اوّل یہ تھا کہ اس سے وضو کرنا جائز ہے، تیمم کرنا درست نہیں ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: اگر کسی کے پاس نبیذ تمر کے علاوہ کوئی شئی وضو کرنے کے لیے نہ ہو تو تیمم کرنا متعین ہے اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے، جب کہ حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں دونوں کو جمع کرے، یعنی وضو اور تیمم دونوں کرے۔ اور جب نبیذ تمر گاڑھی ہو جائے اور اس میں نشہ پیدا ہو جائے تو پھر ایسی صورت میں تینوں ائمہ کرام کے نزدیک بالاتفاق تیمم کرنا متعین ہو جائے گا اور وضو کرنا جائز نہ ہوگا۔ اور حضرت امام اعظمؒ سے جو نبیذ تمر سے وضو کے جواز پر روایت مروی ہے وہ مرجوح ہے اس لیے کہ امام صاحب نے اپنے قول سے رجوع فرمالیا ہے، اور اب نبیذ تمر سے وضو کے عدم جواز پر ائمہ کرام کا اتفاق ہے۔ (شامی: ۱/۳۸۸)

شرح منیۃ المصلّی کی صراحت کے مطابق گدھے اور خچر کے پسینے کے متعلق حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے تین روایات مروی ہیں:

۱- گدھے اور خچر کا پسینہ پاک ہے، قاضی خاں نے اس قول کو ظاہر الروایہ کہا ہے اور یہی امام صاحب کی مشہور روایت بھی ہے۔

۲- گدھے اور خچر کا پسینہ نجس مغلظہ ہے، یعنی نجس ہے نجاست غلیظہ کے ساتھ۔

۳- گدھے اور خچر کا پسینہ نجس ہے نجاست خفیفہ کے ساتھ۔ اور امام شمس الائمہ حلوانی فرماتے ہیں کہ گدھے اور خچر کا پسینہ نجس ہے لیکن اس کی نجاست ضرورت کی وجہ سے بدن اور کپڑے سے ساقط کردی گئی ہے۔ (شامی: ۱/۳۹۰)

☆☆☆

بَابُ التَّيَمُّمِ

جب مصنفؒ وضو کے بیان اور اس کے ضروری احکام کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب یہاں مسائل تیمم کو بیان فرما رہے ہیں۔ اور صاحب کتاب نے تیمم کا باب وضو کے باب کے بعد اس لیے ذکر فرمایا ہے اس میں قرآنِ کریم کی اقتداء اور اتباع ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاً وضو کا حکم بیان فرمایا: {يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ} الخ۔ کہ اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو اور تم حالت حدث میں ہو تو سب سے پہلے اپنے چہرے کو دھوؤ، پھر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوؤ اس کے بعد اپنے سر کا مسح کرو، پھر دونوں پیروں کو ٹخنوں سمیت دھوؤ) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: {فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا} پس اگر تم کسی وجہ سے پانی نہ پاؤ یا پانی کے استعمال پر قدرت نہ رکھو تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔ تو چونکہ اللہ تعالیٰ نے تیمم کا ذکر بعد میں فرمایا ہے اس لیے مصنف نے بھی اس کا ذکر بعد میں کیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وضو اصل ہے اور تیمم اس کا خلیفہ ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ اصل مقدم ہوتا ہے اپنے خلیفہ پر اس لیے مصنف نے وضو کو پہلے ذکر فرمایا بعدہٗ تیمم کا ذکر کر رہے ہیں۔ (شامی: ۱/ ۳۹۰)

ثَلَّثَ بِهِ تَأَسِّيًا بِالْكِتَابِ وَهُوَ مِنْ خَصَائِصِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بِلَا ارْتِيَابٍ. (هُوَ) لُغَةً: الْقَصْدُ. وَشَرْعًا (قَصْدُ صَعِيدٍ) شَرَطَ الْقَصْدَ، لِأَنَّهُ النِّيَّةُ (مُطَهِّرٍ) خَرَجَ الْأَرْضُ الْمُتَنَجِّسَةُ إِذَا جَفَّتْ فَإِنَّهَا كَالْمَاءِ الْمُسْتَعْمَلِ (وَاسْتِعْمَالُهُ) حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا لِيَعُمَّ التَّيَمُّمَ بِالْحَجَرِ الْأَمْلَسِ (بِصِفَةٍ مَخْصُوصَةٍ) هٰذَا يُفِيدُ أَنَّ الضَّرْبَتَيْنِ رُكْنٌ، وَهُوَ الْأَصَحُّ الْأَحْوَطُ (لِأَجْلِ) (إِقَامَةِ الْقُرْبَةِ) خَرَجَ التَّيَمُّمُ لِلتَّعْلِيمِ فَإِنَّهُ لَا يُصَلّٰى بِهِ. وَرُكْنُهُ شَيْئَانِ: الضَّرْبَتَانِ، وَالْإِسْتِيعَابُ. وَشَرْطُهُ سِتَّةٌ: النِّيَّةُ، وَالْمَسْحُ، وَكَوْنُهُ بِثَلَاثِ أَصَابِعَ فَأَكْثَرَ، وَالصَّعِيدُ، وَكَوْنُهُ مُطَهِّرًا، وَفَقْدُ الْمَاءِ. وَسُنَنُهُ ثَمَانِيَةٌ: الضَّرْبُ بِبَاطِنِ كَفَّيْهِ، وَإِقْبَالُهُمَا، وَإِدْبَارُهُمَا، وَنَفْضُهُمَا، وَتَفْرِيجُ أَصَابِعِهِ، وَتَسْمِيَةٌ، وَتَرْتِيبٌ وَوَلَاءٌ. وَزَادَ ابْنُ وَهْبَانَ فِي الشُّرُوطِ الْإِسْلَامَ، فَزِدْتُهُ وَضَمَّمْتُ سُنَنَهُ الثَّمَانِيَةَ فِي بَيْتٍ آخَرَ، وَغَيَّرْتُ شَطْرَ بَيْتِهِ الْأَوَّلِ فَقُلْتُ:

وَالْإِسْلَامُ شَرْطٌ عُذْرُ ضَرْبٍ وَنِيَّةٌ	وَمَسْحٌ وَتَعْمِيمٌ صَعِيدٌ مُطَهِّرُ
وَسُنَّتُهُ سَمِّي وَبَطِّنْ وَفَرِّجَنْ	وَنَفِّضْ وَرَتِّبْ وَالِ أَقْبِلْ تَدَبَّرْ

ترجمہ صاحب کتاب نے تیمم کو تیسرے درجہ میں رکھا ہے۔ یہ قرآنِ کریم کی پیروی میں ایسا کیا ہے (یعنی پہلے وضو کا ذکر کیا، پھر غسل کا پھر تیمم کا) قرآنِ کریم میں بھی ایسا ہی مذکور ہے۔ اور بلاشبہ تیمم اس امت کی خصوصیت میں سے ہے (گذشتہ امتوں کو نعمت تیمم عطا نہیں کی گئی، بلکہ یہ سہولت صرف اس امت کو اللہ نے عطا فرمائی ہے، جیسا کہ حدیث شریف کی کتابوں میں موجود ہے۔

تیمم کے معنی لغت میں ارادہ کرنا ہے، خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً ہو۔ اور یہ قید اس لیے لگائی تا کہ صاف چکنے پتھر پر بھی تیمم کرنے کو شامل ہو جائے۔ اور شریعت کی اصطلاح میں تیمم کے معنی پاک مٹی کا قصد کرنا اور اس کا استعمال کرنا مخصوص صفت کے ساتھ۔ مصنف علیہ الرحمہ نے قصد کی شرط لگائی ہے اس لیے کہ قصد نیت کو کہتے ہیں اور نیت تیمم میں فرض ہے۔ اور "مطہر" کی قید سے وہ ناپاک زمین نکل گئی جو خشک ہو جائے اس لیے کہ وہ زمین حکم میں مستعمل پانی کی طرح ہے (یعنی خود تو پاک ہے لیکن اس میں پاک کرنے کی صلاحیت نہیں ہے ایسے ہی خشک زمین پر نماز پڑھنی درست ہے لیکن اس سے تیمم درست نہیں ہے) اور "بصفة مخصوصة" کی قید سے یہ معلوم ہوا کہ تیمم میں دو مرتبہ ہاتھ زمین پر مارنا رکن ہے، یہی قول زیادہ صحیح ہے اور اسی میں زیادہ احتیاط ہے۔

مخصوص صفت کے ساتھ تیمم عبادت کی ادائیگی کی غرض سے ہونی چاہئے اس قید سے وہ تیمم خارج ہو گیا جو کسی کو سکھانے اور تعلیم دینے کے لیے ہو، اس تیمم سے نماز جائز نہ ہوگی (اس لیے کہ جو تیمم نماز کے واسطے ہوگا وہ ایسی عبادت مخصوصہ کی نیت سے ہوگا جو بلا طہارت درست نہیں ہوتی ہے اور تعلیم و تعلم اس عبادت مقصودہ میں داخل نہیں ہے اس لیے تعلیم بلا طہارت بھی جائز ہے۔ اور تیمم میں دو رکن ہیں: (۱) دونوں ہاتھوں کو دو مرتبہ پاک مٹی پر یا جو اس کے قائم مقام ہو اس پر مارنا۔ (۲) تمام اعضائے تیمم کا مکمل طور پر مسح کرنا۔

اور تیمم کی صحت کے لیے چھ شرطیں ہیں: (۱) نیت کرنا۔ (۲) مسح کرنا۔ (۳) تین یا زیادہ انگلیوں سے مسح کرنا۔ (۴) مٹی کا ہونا۔ (۵) مٹی کا پاک ہونا۔ (۶) پانی کا موجود نہ ہونا یا اس کے استعمال پر کسی طرح سے قادر نہ ہونا۔

اور تیمم کی سنتیں آٹھ ہیں: (۱) دونوں ہتھیلیوں کو اندر کی جانب سے مٹی پر مارنا۔ (۲) دونوں ہتھیلیوں کو مٹی پر رکھ کر آگے کی جانب لے جانا۔ (۳) دونوں ہتھیلیوں کو مٹی پر رکھ کر پیچھے کی جانب لے جانا۔ (۴) دونوں ہاتھوں کو جھاڑنا۔ (۵) اپنی انگلیوں کو کھلی رکھنا۔ (۶) بسم اللہ پڑھنا۔ (۷) ترتیب کا خیال رکھنا۔ (۸) تیمم میں مسح لگا تار پے در پے کرنا۔ اور ابن وہبان نے اپنے منظوم کلام میں تیمم کی شرط میں اسلام کا اضافہ فرمایا ہے لہٰذا میں نے بھی اس کا اضافہ کر دیا ہے اور تیمم کی آٹھ سنتوں کو دوسرے شعر میں ملا دیا ہے اور اس کے پہلے مصرعہ کے نصف اوّل کو بدل دیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: اور اسلام تیمم میں شرط ہے، اور عذر کا پایا جانا، جیسے پانی کا موجود نہ ہونا، اس کے استعمال پر قادر نہ ہونا، ہتھیلی کو مٹی پر مارنا، نیت کرنا، مسح کرنا، تمام اعضائے تیمم پر ہاتھ پھیرنا، مٹی کا دھونا، اور اس مٹی کا پاک کرنے والی ہونا شرط ہے۔ اور تیمم کی سنتیں یہ ہیں اے تیمم کرنے والے بسم اللہ پڑھ اور ہتھیلی کے اندر کی جانب سے مٹی پر مار، اور ہتھیلی کو مٹی پر مارتے وقت انگلیوں کو کشادہ رکھ، پھر ہتھیلیوں کو مٹی سے جھاڑ اور تیمم ترتیب کے ساتھ کر، اور پے در پے لگا تار تیمم کر، اور مٹی پر ہاتھ رکھ کر پہلے آگے کی جانب لا، پھر پیچھے کی جانب لے جا۔

تیمم کے احکام و مسائل

حضرت علامہ علاء الدین الحصکفی نے مذکورہ بالا عبارت میں سات باتیں بیان فرمائی ہیں جو حسب ذیل ہیں: (۱) باب

التیمم کو بعد میں ذکر کرنے کی وجہ۔(۲) تیمم امت محمدیہ کے لیے مخصوص تحفہ ہے۔(۳) تیمم کی لغوی تعریف۔(۴) تیمم کی شرعی اور اصطلاحی تعریف۔(۵) تیمم کے ارکان۔(۶) تیمم کی شرائط۔(۷) تیمم کی سنتیں۔

اب ہم بالتفصیل ان باتوں کو بیان کرتے ہیں، وَاللّٰهُ وَلِيُّ التَّوفِيقِ وَهُوَ الْمُستَعانُ۔

باب تیمم کو مؤخر کرنے کی وجہ

باب التیمم کو مصنفؒ نے باب الوضوء والغسل کے بعد قرآن کے اتباع میں ذکر کیا ہے اور تیمم چونکہ خلیفہ اور نائب ہے اس لیے اس کو بعد میں بیان فرمایا ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل باب کے شروع میں آچکی ہے، آپ وہیں بالتفصیل ملاحظہ فرمالیں۔

تیمم امت محمدیہ ﷺ کے لیے ایک انمول تحفۂ الٰہی ہے

بخاری شریف میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: عَن جابرِ بنِ عَبدِاللّٰهِ رضي الله عنه أنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وسَلَّمَ قالَ: أعطِيتُ خَمسًا لَم يُعطَهُنَّ أحدٌ قَبلِي:

۱- نُصِرتُ بالرُّعبِ مَسِيرةَ شَهرٍ۔

۲- جُعِلَتْ لِيَ الأرضُ مَسجِدًا وطَهُورًا، فأيُّما رَجُلٍ أدرَكَتهُ الصَّلوٰةُ فَليُصلِّ۔

۳- وأُحِلَّتْ لِيَ المَغانِمُ ولَم تَحِلَّ لِأحدٍ قَبلِي۔

۴- وأُعطِيتُ الشَّفاعَةَ۔

۵- وكانَ النَّبِيُّ يُبعَثُ إلىٰ قَومِهِ خاصةً وبُعِثتُ إلى النَّاسِ عامةً۔ (بخاری: ۱/ ۴۸)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی بھی نبی کو نہیں دی گئی تھیں: (۱) ایک ماہ کی مسافت تک دشمنوں پر میرا رُعب ڈال کر میری مدد کی جاتی ہے۔(۲) ساری زمین میرے واسطے نماز کی جگہ اور پاک کرنے والی بنادی گئی ہے، لہٰذا جہاں نماز کا وقت ہوجائے وہیں نماز پڑھ لینی چاہیے۔(۳) میرے واسطے اموالِ غنیمت حلال کردیئے گئے ہیں، جب کہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے بھی حلال نہ تھے۔(۴) مجھے شفاعت کبریٰ عطا کی گئی ہے۔(۵) مجھ سے پہلے نبی کو کسی خاص قوم کی جانب بھیجا جاتا تھا اور مجھے تمام انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اور مشکوۃ شریف میں حضرت حذیفۃ بن الیمانؓ سے مروی ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کا پاک ارشاد نقل کرتے ہیں: قالَ رسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عليهِ وسلَّمَ: فُضِّلنا على النَّاسِ بِثَلاثٍ:

۱- جُعِلَتْ صُفُوفُنا كصُفُوفِ المَلائِكَةِ۔

۲- وجُعِلَتْ لنا الأرضُ كُلُّها مَسجِدًا۔

۳- وجعلت تربتها طهورًا إذا لم نجد الماء۔ (مشکوۃ:۱/۵۴)

رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمیں گذشتہ امتوں پر بطورِ خاص تین چیزوں کے ذریعہ فضیلت دی گئی ہے:

۱- ہماری نماز اور جہاد کی صفیں فرشتوں کی صف کی طرح قرار دی گئیں۔

۲- ہمارے لیے ساری زمین کو سجدہ گاہ بنا دیا گیا۔

۳- اور اس زمین کی مٹی کو ہمارے لیے پاک کرنے والا بنا دیا گیا جب کہ پانی دستیاب نہ ہو۔

تیمم کے لغوی واصطلاحی معنی

ترجمہ کے ذیل میں تیمم کے لغوی واصطلاحی معنی گذر چکے ہیں لیکن ہم یہاں الگ سے بھی بیان کر دیتے ہیں۔ تیمم کے لغوی معنی قصد اور ارادہ کرنے کے ہیں اور باب تفعل کا مصدر ہے۔ اور شریعت کی اصطلاح میں تیمم کہتے ہیں پاکی حاصل کرنے کی نیت سے پاک مٹی یا اس کے قائم مقام کا قصد کرنا مخصوص صفت کے ساتھ۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ مصنف نے تیمم میں قصد کی شرط لگائی ہے اس لیے کہ قصد کے معنی نیت کے ہیں اور نیت تیمم میں فرض ہے۔ اور لفظ "مطہر" بڑھا کر در حقیقت اس زمین کو نکالنا مقصود ہے جو نجس زمین خشک ہو گئی ہو اس لیے کہ ایسی زمین مستعمل پانی کے حکم میں ہوتی ہے، ایسی زمین پر نماز تو درست ہے البتہ تیمم درست نہیں ہے اس لیے کہ ایسی زمین تو خود پاک ہے لیکن پاک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے۔ اور "بصفۃٍ مخصوصۃ" کی قید بڑھا کر مصنفؒ نے اس بات کی جانب اشارہ فرمایا ہے کہ تیمم میں دونوں ضربہ رکن میں داخل ہیں۔

ارکانِ تیمم

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تیمم کے ارکان دو ہیں: (۱) دونوں ہتھیلیوں کو دو مرتبہ زمین پر مارنا۔ (۲) اعضائے تیمم پر مکمل طور پر مسح کرنا۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ رکن صرف مسح ہے۔ رہا مسح تو یہ رکن نہیں ہے بلکہ شرط ہے اس لیے کہ استیعاب تیمم کے واسطے تکملہ ہے اور تیمم میں نیت بھی رکن میں داخل ہے اس کے بغیر تیمم درست نہ ہوگا۔

تیمم کے صحیح ہونے کی شرطیں

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تیمم کے صحیح ہونے کی چھ شرطیں ہیں لیکن علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں کہ تیمم کے صحیح ہونے کی صرف چھ شرطیں نہیں ہیں بلکہ نو شرطیں ہیں جو ذیل میں نمبر وار درج کی جاتی ہیں:

۱- صحت تیمم کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے، لہٰذا کافر کا تیمم درست نہ ہوگا۔

۲- نیت کرنا اور یہ تیمم میں فرض ہے۔

۳- مسح کرنا، لہٰذا اگر کسی نے بدن پر مٹی ڈال لی یا ہاتھ زمین پر رکھ کر رگڑ لیا تو تیمم صحیح نہ ہوگا۔

۴- تین یا اس سے زائد انگلیوں سے مسح کرنا، اگر کسی نے ایک یا دو انگلی سے مسح کیا تو تیمم درست نہ ہوگا۔

۵- مٹی یا اس کی ہم جنس چیز موجود ہونا۔

۶- مٹی کا پاک ہونا اور پاک کرنے کی صلاحیت بھی ہونا، لہٰذا نجس خشک زمین سے تیمم کرنا درست نہ ہوگا۔

۷- پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہونا، یا پانی کا موجود نہ ہونا۔

۸- عورت کا حیض و نفاس سے پاک ہونا، لہٰذا جب تک عورت حیض و نفاس میں مبتلا ہے تیمم درست نہ ہوگا۔

۹- اعضائے تیمم کا پورے طور پر مسح کرنا۔ (تکمیل الحاجۃ: ۲/ ۵۴۷)

۱۰- بعض علماء نے فرمایا کہ جسم پر ایسی چیز کا نہ ہونا جو مسح کو مانع ہو، مثلاً موم، روغن اور چربی وغیرہ، ان کے ہوتے ہوئے تیمم درست نہ ہوگا۔

تیمم کے واجب ہونے کی شرطیں

شارح علیہ الرحمہ نے تیمم کے واجب ہونے کی شرطیں اگرچہ یہاں بیان نہیں فرمائی ہیں لیکن ہم بغرض افادہ سپرد قلم کرتے ہیں، چناں چہ وجوب تیمم کے متعلق کتب فقہ میں سات شرطیں لکھی ہیں جو ذیل میں درج ہیں:

۱- مسلمان ہونا، لہٰذا غیر مسلم پر تیمم واجب نہیں۔

۲- بالغ ہونا، لہٰذا نابالغوں پر تیمم واجب نہیں ہے۔

۳- عقل مند ہونا، لہٰذا پاگل، دیوانہ، مست اور بے ہوش شخص پر تیمم واجب نہیں ہے۔

۴- حدث اکبر یا حدث اصغر کا پایا جانا، جو شخص ان دونوں حدثوں سے پاک ہو اس پر تیمم واجب نہیں ہے۔

۵- پاک مٹی یا اس کے ہم جنس کے استعمال پر قادر ہونا۔

۶- نماز کے وقت کا تنگ ہو جانا، لہٰذا اوّل وقت میں تیمم واجب نہیں ہے۔

۷- نماز کا اتنا وقت باقی ہو کہ تیمم کر کے نماز ادا کی جا سکے، اگر اتنا وقت باقی نہیں ہے تو پھر تیمم واجب نہیں ہے۔

تیمم کی سنتیں

علامہ علاء الدین حصکفی فرماتے ہیں کہ تیمم کے اندر آٹھ چیزیں سنت ہیں، لیکن علامہ ابن عابدین شامیؒ اپنی مشہور و معروف کتاب ردالمحتار میں فرماتے ہیں کہ سنن تیمم آٹھ نہیں ہیں بلکہ تیرہ ہیں جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

۱- تیمم شروع کرتے وقت بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا۔

۲- دونوں ہاتھ کی ہتھیلی کو اندر کے حصہ کی طرف سے زمین پر رکھنا۔

۳- دونوں ہاتھوں کو مٹی پر رکھنے کے بعد آگے کرنا۔

۴- اسی طرح دونوں ہاتھوں کو پیچھے کی طرف لانا۔

۵- مٹی پر ہاتھ ملنے کے بعد ہاتھ جھاڑنا۔

۶- مٹی پر ہاتھ رکھتے وقت انگلیوں کو کشادہ رکھنا تاکہ غبار ان کے اندر پہنچ جائے۔

۷- اسی ترتیب سے تیمم کرنا جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے، یعنی پہلے چہرے کا مسح کرنا، پھر دونوں ہاتھوں کا مسح کرنا۔

۸- اعضائے تیمم کا لگاتار یعنی پے در پے مسح کرنا سنت ہے۔

۹- کم از کم تین انگلیوں سے مسح کرنا سنت ہے۔

۱۰- پہلے دائیں عضو کا مسح کرنا پھر بائیں عضو کا مسح کرنا۔

۱۱- مٹی سے تیمم کرنا نہ اسکے ہم جنس سے۔

۱۲- چہرہ کے مسح کرنے کے بعد داڑھی کا خلال کرنا، یہ بھی سنت ہے۔

۱۳- کشادہ انگوٹھی کو حرکت دینا اور انگلیوں کا خلال کرنا بھی سنت ہے۔ (تکمیل الحاجہ: ۲/۵۵۹)

(مَنْ عَجَزَ) مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ تَيَمَّمَ (عَنِ اسْتِعْمَالِ الْمَاءِ) الْمُطْلَقِ الْكَافِي لِطَهَارَتِهِ لِصَلَاةٍ تَفُوتُ إِلَى خَلَفٍ (لِبُعْدِهِ) وَلَوْ مُقِيمًا فِي الْمِصْرِ (مِيلًا) أَرْبَعَةَ آلَافِ ذِرَاعٍ، وَهُوَ أَرْبَعٌ وَعِشْرُونَ أُصْبُعًا، وَهِيَ سِتُّ شُعَيْرَاتٍ ظَهْرٍ لِبَطْنٍ، وَهِيَ سِتُّ شَعَرَاتِ بَغْلٍ (أَوْ لِمَرَضٍ) يَشْتَدُّ أَوْ يَمْتَدُّ بِغَلَبَةِ ظَنٍّ أَوْ قَوْلِ حَاذِقٍ مُسْلِمٍ وَلَوْ بِتَحَرُّكٍ، أَوْ لَمْ يَجِدْ مَنْ تُوَضِّئُهُ، فَإِنْ وَجَدَ وَلَوْ بِأُجْرَةِ مِثْلٍ وَلَهُ ذَلِكَ لَا يَتَيَمَّمُ فِي ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ كَمَا فِي الْبَحْرِ. وَفِيهِ: لَا يَجِبُ عَلَى أَحَدِ الزَّوْجَيْنِ تَوْضِيءُ صَاحِبِهِ وَتَعَهُّدُهُ، وَفِي مَمْلُوكِهِ يَجِبُ (أَوْ بَرْدٍ) يُهْلِكُ الْجُنُبَ أَوْ يُمْرِضُهُ وَلَوْ فِي الْمِصْرِ إِذَا لَمْ تَكُنْ لَهُ أُجْرَةُ حَمَّامٍ وَلَا مَا يُدَفِّئُهُ، وَمَا قِيلَ إِنَّهُ فِي زَمَانِنَا يَتَحَيَّلُ بِالْعِدَةِ فَمِمَّا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ الشَّرْعُ، نَعَمْ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ غَائِبٌ يَلْزَمُهُ الشِّرَاءُ نَسِيئَةً وَإِلَّا لَا (أَوْ خَوْفِ عَدُوٍّ) كَحَيَّةٍ أَوْ نَارٍ عَلَى نَفْسِهِ وَلَوْ مِنْ فَاسِقٍ أَوْ حَبْسِ غَرِيمٍ أَوْ مَالِهِ وَلَوْ أَمَانَةً: ثُمَّ إِنْ نَشَأَ الْخَوْفُ بِسَبَبِ وَعِيدِ عَبْدٍ أَعَادَ الصَّلَاةَ وَإِلَّا لَا؛ لِأَنَّهُ سَمَاوِيٌّ (أَوْ عَطَشٍ) وَلَوْ لِكَلْبِهِ أَوْ رَفِيقِ الْقَافِلَةِ حَالًا أَوْ مَآلًا، وَكَذَا الْعَجِينُ، أَوْ إِزَالَةُ نَجَسٍ كَمَا سَيَجِيءُ: وَقَيَّدَ ابْنُ الْكَمَالِ عَطَشَ دَوَابِّهِ بِتَعَذُّرِ حِفْظِ الْغُسَالَةِ بِعَدَمِ الْإِنَاءِ. وَفِي السِّرَاجِ لِلْمُضْطَرِّ أَخْذُهُ قَهْرًا وَقِتَالُهُ، فَإِنْ قُتِلَ رَبُّ الْمَاءِ فَهَدَرٌ وَإِنْ الْمُضْطَرُّ ضَمِنَ بِقَوَدٍ أَوْ دِيَةٍ (أَوْ عَدَمِ آلَةٍ) طَاهِرَةٍ يَسْتَخْرِجُ بِهَا الْمَاءَ وَلَوْ شَاشًا وَإِنْ نَقَصَ بِإِدْلَائِهِ أَوْ شَقِّهِ بِنِصْفَيْنِ قَدْرَ قِيمَةِ

الْمَاءِ، كَمَا لَوْ وَجَدَ مَنْ يَنْزِلُ إِلَيْهِ بِأَجْرٍ (تَيَمَّمَ) لِهٰذِهِ الْأَعْذَارِ كُلِّهَا،

ترجمہ جو شخص مطلق پانی کے استعمال سے عاجز ومجبور ہو، حالانکہ وہ پانی اس کی طہارت کے لیے اور اس نماز کے لیے جو اپنا خلیفہ چھوڑ کر فوت ہو رہی ہے کافی ہے۔ پانی کے ایک میل دور ہونے کی وجہ سے اگر چہ وہ شہر میں اقامت پذیر کیوں نہ ہو۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس عبارت میں "من عجز "مبتدا ہے اور اس کی خبر "تیمم" ہے جو بعد میں آرہا ہے۔ ایک میل چار ہزار گز کا ہوتا ہے۔ اور ایک گز چوبیس انگل کا۔ اور ایک انگل چھ جو کی ہوتی اس طرح کی ایک جو کی پیٹھ دوسرے جو کی پیٹھ سے متصل ہو۔ اور وہ خچر کے چھ بالوں کے برابر ہے۔ یا پانی کے استعمال سے عاجز کسی بیماری کی وجہ سے ہو، کہ پانی کے استعمال کرنے سے وہ بیماری بڑھ جائے گی یا ظن غالب ہو کہ بیماری دراز ہو جائے گی، یا کسی مسلمان ماہر ڈاکٹر نے یہ بات کہی ہو۔ اگر چہ یہ بیماری میں اضافہ یا درازگی حرکت کی وجہ سے ہوتی ہو، یا بیمار شخص پانی کے استعمال کرنے پر اس لیے قادر نہیں کہ کوئی اس کو وضو کرانے والا نہیں مل رہا ہے (اور خود اس کی قدرت نہ رکھتا ہو) اور اگر بیمار شخص وضو کرانے والے کو اجرت مثل کے ساتھ پاتا ہے اور وہ اس اجرت کو ادا کرنے پر قادر بھی ہے تو مذہب کے ظاہر روایت کے مطابق وہ تیمم نہ کرے؛ بلکہ وضو کرے جیسا کہ یہ مسئلہ البحر الرائق میں مذکور ہے۔ اور البحر الرائق میں یہ بھی مسئلہ مذکور ہے کہ میاں بیوی میں سے کسی ایک پر دوسرے کو وضو کرانا اور ایک دوسرے کی خبر گیری رکھنا واجب نہیں ہے اور اس کے مملوک (یعنی باندی اور غلام) میں ایک دوسرے کی خبر گیری واجب ہے۔

یا وہ پانی کے استعمال سے اس لیے عاجز ہے کہ سردی کا موسم ہے، غسل جنابت کرنے والے کو ہلاک کر دیتا ہو، یا بیمار کر دیتا ہو، اگر چہ وہ جنابت والا شہر میں کیوں نہ ہو۔ اور یہ اجازت تیمم اس وقت ہے جب کہ اس کے پاس گرم پانی سے غسل کرنے کی اُجرت نہ ہو اور نہ اس کے پاس ایسی کوئی چیز ہو جس سے وہ گرمی حاصل کر سکے۔ اور یہ بات جو کہی گئی ہے کہ وہ ہمارے زمانے میں حیلہ اختیار کر کے وعدہ کر کے یہ ایسا حیلہ ہے جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی ہے، ہاں اگر اس کے پاس فوراً ادا کرنے کے لیے مال نہ ہو بلکہ مال غائب ہو تو اس کے واسطے اُدھار خرید کر وضو کرنا واجب ہے اور اگر سرے سے اس کے پاس مال ہی نہیں ہے تو خرید لازم نہیں ہے۔

یا پانی کے استعمال سے عاجز ومجبوری دشمن کے خوف کی وجہ سے ہو جس سے اس کی جان کو خطرہ لاحق ہو، خواہ یہ دشمن انسان ہو یا انسان کے علاوہ سانپ یا آگ کا پانی کے پاس ہونا، یا عورت کو کسی فاسق کا خوف ہو، یا آدمی کو قرض خواہ کی طرف سے گرفتاری کا خوف ہو، یا اپنے مال کا خوف ہو، خواہ وہ مال اس کے پاس بطور امانت ہی کیوں نہ ہو (اگر قرض خواہ کا خوف کسی مفلس کے لیے ہے تو ٹھیک ہے لیکن غنی اور مالدار کے لیے عذر قابل قبول نہ ہوگا بلکہ اس پر قرض ادا کرنا لازم ہوگا اور وضو کرنا ہی ضروری ہوگا) پھر اگر یہ خوف کسی بندے کے ڈرانے کی وجہ سے پیدا ہوا تو تیمم کر کے نماز پڑھنے والا دوبارہ نماز ادا کرے گا اور اگر یہ خوف وڈر کسی انسان وآدمی کی طرف سے نہیں ہے تو پھر اس نماز کا اعادہ لازم نہیں ہے جو تیمم کے ساتھ ادا کی ہے اس لیے کہ یہ خوف آسمانی اور من جانب اللہ ہے۔

یا وہ پانی کے استعمال سے عاجز ومجبور پیاس کی وجہ سے ہو، خواہ یہ مجبوری فی الحال ہو یا آئندہ پیش آنے کی امید ہو، اور خوف

خود اپنے لیے ہو یا اپنے کتے کے لیے یا رفیق سفر کے لیے ہو، یعنی ان میں سے کسی کے لیے بھی پیاس کا خطرہ ہو تو اس کے لیے تیمم کرنا جائز نہ ہوگا۔ اور اسی حکم میں آٹا گوندھنا یا بدن اور کپڑے سے نجاست دور کرنا ہے (یعنی اگر پانی آٹا گوندھنے کے لیے یا بدن اور کپڑے سے نجاست دور کرنے کے لیے رکھا گیا ہو تو تیمم کرنا جائز ہے اس لیے کہ یہ پانی نہ ہونے کے درجہ میں ہے) جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آ رہا ہے۔

اور شیخ ابن الکمال نے جانوروں کی پیاس کے ساتھ مقید کیا ہے جب کہ غسالہ کو محفوظ رکھنے کے لیے برتن نہ ہونے کی وجہ سے دشواری ہو ورنہ نہیں (یعنی اگر غسالہ محفوظ رکھنے کے لیے برتن ہو تو اس میں غسالہ جمع کرے اور جانور کو پلانے کے لیے رکھے اس انتظام کی موجودگی میں جانوروں کے پیاس کا خوف تیمم کے لیے عذر نہیں مانا جائے گا اور اگر یہ انتظام نہ ہو تو ایسی صورت میں پانی محفوظ رکھے اور جانوروں کو پلائے اور خود تیمم کر کے نماز ادا کرلے)۔

اور سراج الوہاج میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ جو شخص پیاس کی شدت کی وجہ سے جاں بلب ہو تو اس کے لیے دوسرے شخص سے زبردستی پانی لینا جائز ہے اور نہ دیوے تو اس سے قتال کرنا جائز ہے (بشرطیکہ پانی کا مالک خود پیاس کی وجہ سے محتاج نہ ہو اور اگر وہ محتاج ہے تو وہ خود مقدم ہوگا) اگر اس لڑائی میں پانی کا مالک مارا گیا تو اس کا خون شرعاً ہدر ہوگا، یعنی اس میں شرعی اعتبار سے قصاص لازم نہ ہوگا اور اگر وہ مضطر شخص اس لڑائی میں مارا گیا تو پانی کا مالک قصاص یا دیت کا ضامن ہوگا (یعنی اگر عمداً قتل پایا گیا تو قصاص واجب ہے اور اگر شبہ عمد وغیرہ ہے تو دیت و کفارہ لازم ہے)۔

یا وہ پانی کے استعمال سے عاجز و مجبوری اس پاک آلہ کے نہ ہونے کی وجہ سے ہو جس سے پانی کنواں وغیرہ سے نکالا جاتا ہے (مثلاً کنواں تو موجود ہے مگر ڈول اور رسّی نہیں ہے تو یہ بھی عذر ہوگا اور تیمم درست ہوگا۔ اور تیمم اس وقت تک درست نہ ہوگا جب تک تھوڑا تھوڑا پانی بھی نکل سکتا ہو (کپڑا ڈال کر بھیگنے دے پھر اس کو نچوڑ کر وضو کرے) اور اگر اس کپڑے کو لٹکانے یا دو حصوں میں پھاڑ دینے سے اس کی قیمت اتنی کم ہو جائے جتنی میں پانی خریدا جا سکتا ہے (تو اس صورت میں تیمم جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر اس کی وجہ سے کپڑے کی قیمت اس سے زیادہ کم ہو جاتی ہے جتنی مقدار میں پانی کو خریدا جا سکتا ہے تو ایسی صورت میں تیمم جائز ہے) جس طرح اگر کوئی شخص ایسا آدمی پائے جو کنویں میں اُتر کر مروجہ اُجرت کے بدلے پانی نکال دے تو تیمم جائز نہیں ہے۔ ان تمام مذکورہ اعذار کی وجہ سے تیمم کرنا جائز ہے۔

مختصر تشریح صاحب درمختار نے مذکورہ بالا عبارت میں ان اعذار شرعیہ کو بیان فرمایا ہے جن کی وجہ سے تیمم کرنے کی اجازت ہے اور کتب فقہ میں ایسے اعذار متعدد بیان کئے گئے ہیں جن کو ہم یہاں پر نمبر وار بیان کرتے ہیں۔

جن اعذار کی وجہ سے تیمم جائز ہے

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اعذار کی دو قسمیں ہیں: (۱) عذر صوری و معنوی۔ (۲) صرف عذر معنوی۔ عذر صوری و معنوی کو مصنف

نے "لِبُعدِہٖ مِیلاً" سے بیان کیا ہے۔اور عذر معنوی کی جانب "لِمرضٍ" سے اشارہ فرمایا ہے۔اور اس سے مصنف علیہ الرحمہ نے درحقیقت ان صورتوں کی جانب اشارہ فرمایا ہے جن میں پانی کے استعمال سے آدمی معذور قرار دیا جاتا ہے،ایسی کل گیارہ صورتیں ہیں:

۱- اتنا پانی جو وضو اور غسل کے لیے کافی ہو، وہاں موجود نہ ہو بلکہ ایک میل دور ہونا۔

۲- پانی تو موجود ہو لیکن کسی کی امانت ہو یا غصب کردہ پانی ہو۔

۳- پانی موجود ہو لیکن اس کی قیمت اس قدر زیادہ ہو کہ خرید لینے کی گنجائش نہ ہو۔

۴- پانی کی قیمت تو معمول سے زیادہ نہیں ہے لیکن اس کے پاس خریدنے کے لیے بالکل رقم نہیں ہے، ہاں اگر اس کی ملک میں رقم ہو لیکن فی الحال نہ ہو اور پانی اُدھار مل سکتا ہو تو اُدھار لے کر وضو کرنا لازم ہے۔

۵- پانی کے استعمال سے کسی مرض کے پیدا ہونے یا مرض کے بڑھ جانے کا یقین اور ظن غالب ہو۔

۶- سردی اس قدر شدید ہو کہ پانی استعمال کرنے سے کسی عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو یا کسی مرض کے پیدا ہونے کا خوف ہو اور گرم پانی نہ مل سکتا ہو یا گرم پانی خریدنے کے لیے قیمت نہ ہو تو ایسی صورت میں تیمم کرنا جائز ہے۔

۷- پانی تک پہنچنے میں کسی دشمن یا درندہ کا خوف ہو تو ایسی صورت میں تیمم کرنے کی اجازت ہے۔

۸- پانی تو موجود ہو لیکن پانی کھانے پینے کے لیے رکھا ہو اور اس سے زائد پانی نہ ہو اگر پانی وضو یا غسل میں خرچ کر دیا جائے تو ایسی صورت میں حرج لازم آئے گا، مثلاً پانی آٹا گوندھنے یا گوشت وغیرہ پکانے کے لیے رکھا گیا ہو تو ایسی صورت میں تیمم کرنے کی اجازت ہے۔

۹- پانی تو موجود ہو اور استعمال کرنے سے کوئی نقصان بھی نہ ہوتا ہو لیکن کنواں سے پانی نکالنے کے لیے رسّی اور ڈول موجود نہ ہو اور نہ ہی کوئی کپڑا ہو کہ کنویں میں ڈال کر بھگو دیا جائے اور اس کو نچوڑ کر وضو کیا جائے تو ایسی صورت میں شرعی اعتبار سے تیمم کرنے کی اجازت ہے۔

۱۰- وضو یا غسل کرنے میں ایسی نماز کے فوت ہو جانے کا خوف ہو جس کی قضاء الگ سے نہ ہو جیسے عیدین کی نماز یا جنازہ کی نماز۔

۱۱- پانی کا بھول جانا۔یعنی کسی کے پاس پانی تو موجود ہو لیکن پانی بھول گیا ہو اور اس کے خیال میں یہ ہو کہ ہمارے پاس پانی موجود نہیں ہے تو اس کے لیے ایسی صورت میں تیمم کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: اگر جنبی شخص کے پاس اتنا پانی ہو کہ وہ صرف بعض اعضائے غسل کو دھو سکتا ہے یا اس سے صرف وضو کر سکتا ہے تو اس کے لیے تیمم کرنا جائز ہے اور اس پانی کو وضو میں خرچ کرنا واجب نہیں ہے، ہاں اگر جنابت کے تیمم کرنے کے بعد حدث لاحق کر دیا تو اب اس پر اس پانی سے وضو کرنا لازم ہوگا اس لیے کہ وہ ماء کافی کے استعمال کرنے پر قادر ہے۔(شامی:۱/ ۳۹۵)

سوال: اگر کسی کے پاس اتنا پانی ہے کہ یا تو صرف وضو کر سکتا ہے یا صرف نجاست کو دھو سکتا ہے جو غسل کے لیے مانع ہے تو ایسی صورت میں وہ شخص کیا کرے گا؟

جواب: ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ نجاست کو پانی سے دھو کر وضو کی جگہ تیمم کر لے، عامۃ العلماء کا یہی مسلک ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور اگر اس نے ایسا کیا کہ اس پانی سے وضو کر لیا اور ناپاک کپڑے میں نماز ادا کی تو اس کی نماز تو ہو جائے گی مگر وہ شخص برا کیا۔ اور اگر اس نے اولاً تیمم کیا پھر نجاست کو دھویا تو دوبارہ تیمم کرے اس لیے کہ اس نے اس حالت میں تیمم کیا جب کہ وضو پر قادر تھا۔ (شامی: ۱/ ۳۹۵)

قولہ لصلاۃ: مصنف علیہ الرحمہ نے اس قید کو بڑھا کر درحقیقت نیند اور سلام کا جواب دینے سے احتراز کیا ہے یعنی نیند سے اُٹھنے کے بعد اور سلام کا جواب دینے کے لیے تیمم کرنا جائز ہے خواہ پانی پر قادر ہی کیوں نہ ہو، اس کے واسطے جواز تیمم کے لیے عجز کا تحقق ضروری نہیں ہے۔ اور تفوتُ إلیٰ خلف سے ان نمازوں سے احتراز کیا ہے جو لا إلی خلف فوت ہوتی ہے جیسے: نمازِ جنازہ، نمازِ عیدین، نمازِ کسوف وغیرہ۔

مسئلہ: فتاویٰ خلاصہ اور فتاویٰ قاضی خاں میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ اگر کسی مسلمان قیدی کو کافر نے وضو اور غسل سے روک دیا تو تیمم کر کے نماز ادا کر لے یا نماز ہی سے روک دیا تو اشارہ سے نماز ادا کر لے، لیکن جب رہائی حاصل ہو جائے تو ان تمام پڑھی ہوئی نمازوں کو باقاعدہ وضو کر کے اعادہ کرے۔ اسی طرح اگر کوئی آقا اپنے غلام سے کہے کہ اگر تو نے وضو کیا تو تجھ کو قید میں ڈال دوں گا یا قتل کر دوں گا تو اس کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ تیمم کر کے نماز ادا کر لے لیکن جب یہ قید و بند ختم ہو جائے تو پڑھی ہوئی ساری نمازوں کو وضو کر کے دوبارہ پڑھے۔ (شامی: ۱/ ۳۹۹)

مسئلہ: اگر پانی کنواں کے اندر ہے اور کنواں سے پانی نکالنے پر خود قادر نہیں ہے، ہاں وہاں ایک شخص ہے جو اجرت مثل پر کنواں میں اُتر کر پانی نکال سکتا ہے اور اس کے پاس اُجرت کی ادائیگی کے لیے رقم بھی ہے تو ایسی صورت میں تیمم جائز نہ ہوگا بلکہ اجیر سے پانی نکلوا کر وضو کرے۔

حَتّٰی لَوْ تَیَمَّمَ لِعَدَمِ الْمَاءِ ثُمَّ مَرِضَ مَرَضًا یُبِیحُ التَّیَمُّمَ لَمْ یُصَلِّ بِذٰلِكَ التَّیَمُّمِ ؛ لِأَنَّ اخْتِلَافَ أَسْبَابِ الرُّخْصَةِ یَمْنَعُ الِاحْتِسَابَ بِالرُّخْصَةِ الْأُولٰی وَتَصِیرُ الْأُولٰی كَأَنْ لَمْ تَكُنْ، جَامِعُ الْفُصُولَیْنِ فَلْیُحْفَظْ (مُسْتَوْعِبًا وَجْهَهُ) حَتّٰی لَوْ تَرَكَ شَعْرَةً أَوْ وَتَرَةَ مَنْخَرِهِ لَمْ یَجُزْ (وَیَدَیْهِ) فَیَنْزِعُ الْخَاتَمَ وَالسِّوَارَ أَوْ یُحَرِّكُ بِهِ یُفْتٰی (مَعَ مِرْفَقَیْهِ) فَیَمْسَحُهُ الْأَقْطَعُ (بِضَرْبَتَیْنِ) وَلَوْ مِنْ غَیْرِهِ أَوْ مَا یَقُومُ مَقَامَهُمَا، لِمَا فِی الْخُلَاصَةِ وَغَیْرِهَا لَوْ حَرَّكَ رَأْسَهُ أَوْ أَدْخَلَهُ فِی مَوْضِعِ الْغُبَارِ بِنِیَّةِ التَّیَمُّمِ جَازَ وَالشَّرْطُ وُجُودُ الْفِعْلِ مِنْهُ (وَلَوْ جُنُبًا أَوْ حَائِضًا) طَهُرَتْ لِعَادَتِهَا (أَوْ نُفَسَاءَ بِمُطَهِّرٍ مِنْ جِنْسِ الْأَرْضِ وَإِنْ لَمْ یَكُنْ عَلَیْهِ نَقْعٌ) أَیْ غُبَارٌ، فَلَوْ لَمْ یَدْخُلْ بَیْنَ أَصَابِعِهِ لَمْ یَحْتَجْ إِلٰی ضَرْبَةٍ ثَالِثَةٍ لِلتَّخَلُّلِ. وَعَنْ مُحَمَّدٍ یَحْتَاجُ إِلَیْهَا، نَعَمْ لَوْ یَمَّمَ غَیْرَهُ یَضْرِبُ ثَلَاثًا لِلْوَجْهِ وَالْیُمْنٰی وَالْیُسْرٰی

قُهُسْتَانِيٌّ (وَبِهِ مُطْلَقًا) عَجَزَ عَنِ التُّرَابِ أَوْ لَا، لِأَنَّهُ تُرَابٌ رَقِيقٌ.

ترجمہ: یہاں تک کہ اگر کسی نے پانی کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے تیمم کیا پھر اس کے بعد ایسی بیماری میں مبتلا ہو گیا جو تیمم کو اس کے لیے مباح کر دے تو اب وہ شخص اس تیمم سے نماز ادا نہ کرے اس لیے کہ رخصت شرعی کے اسباب کا بدل جانا پہلی اجازت کے حساب وشمار کو روک دے گا، اور پہلی رخصت اس درجہ میں ہو جائے گی کہ گویا وہ رخصت موجود ہی نہ تھی، جامع الفصولین میں یہ مسئلہ ایسا ہی مذکور ہے پس اس کو خوب اچھی طرح محفوظ کر لو۔

اور تیمم اس طرح کرے کہ مسح کرتے وقت اپنے چہرہ کو گھیر لینے والا ہو، یہاں تک کہ اگر ایک بال کے برابر یا نتھنے کے کنارے کو چھوڑ دیا تو اس کا تیمم درست نہ ہوگا۔ اور تیمم میں اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت گھیرنے والا ہو، پس مسح کرتے وقت انگوٹھی اور کنگن کو نکال دے یا اس کو حرکت دے، اسی قول پر فتویٰ ہے۔ اگر کسی شخص کی کہنی کٹی ہوئی ہو تو جتنی باقی ہے اس کا مسح کرے۔ تیمم دو مرتبہ زمین پر ہاتھ مار کر ہو اگر چہ یہ دو دفعہ مارنا دوسرے سے واقع ہو (یعنی کوئی دوسرا شخص کسی کو تیمم کرائے تو ایک دفعہ مٹی پر ہاتھ مار کر چہرہ پر ہاتھ پھیر دے اور دوسری دفعہ مٹی پر ہاتھ مار کر دونوں ہاتھ کا مسح کرا دے) یا تیمم اس طرح کرے کہ جو دو دفعہ مٹی پر ہاتھ مارنے کے قائم مقام ہو جیسا کہ خلاصہ وغیرہ میں ہے کہ کسی نے اپنے سر کو ہلایا یا اپنے سر کو غبار کی جگہ میں تیمم کی نیت سے داخل کیا تو تیمم درست ہو جائے گا۔ اور تیمم کے جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس سے فعل پایا جائے، خواہ تیمم کرنے والا جنبی ہو یا حائضہ عورت ہو جو اپنی عادت کے مطابق پاک ہو چکی ہو، یا نفاس والی عورت ہو، تیمم اس پاک کرنے والی چیز سے کرے جو زمین کے جنس سے ہو اگر چہ اس پر گرد وغبار نہ ہو، پس اگر اس کی انگلیوں کے درمیان گرد وغبار داخل نہ ہو تو خلال کرنے کے واسطے تیسری مرتبہ ہاتھ زمین پر مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن حضرت امام اعظمؒ سے روایت ہے کہ اگر انگلیوں کے بیچ میں گرد وغبار داخل نہ ہو تو تیسری مرتبہ ہاتھ زمین پر مار کر انگلیوں کے درمیان میں گرد وغبار پہنچانے کی ضرورت ہے۔ ہاں اگر وہ کسی دوسرے کو تیمم کرائے تو وہ تین بار ہاتھ زمین پر مارے، ایک مرتبہ چہرہ کے لیے، دوسری مرتبہ داہنے ہاتھ کے لیے اور تیسری مرتبہ بائیں ہاتھ کے لیے۔ قہستانی میں ایسا ہی مذکور ہے اور غبار سے تیمم مطلقاً جائز ہے خواہ مٹی کے استعمال سے عاجز ہو یا عاجز نہ ہو، اس لیے کہ غبار بھی باریک مٹی ہی ہے۔

مختصر تشریح: علامہ علاء الدین حصکفی نے عبارت مذکورہ سے درحقیقت تیمم کرنے کا شرعی طریقہ بتایا ہے، چناں چہ علامہ موصوف نے فرمایا کہ تیمم اس طرح کیا جائے کہ دو ضربہ ہوں ایک ضربہ سے چہرہ کا مسح اس طرح کیا جائے کہ ایک بال کے برابر بھی کہیں ایسی جگہ باقی نہ رہے جہاں مسح نہ ہوا ہو۔ اور دوسرے ضربہ سے دونوں ہاتھ کا مسح کہنیوں سمیت کیا جائے۔ اور اگر کہنیاں کٹی ہوئی ہوں تو جہاں سے باقی ہوں وہاں سے مسح کرے۔ تیمم میں عند الجمہور دو ہی ضربہ مشروع ہیں۔

حدیث شریف میں ہے حضرت ابو امامہؓ رسولِ اکرم ﷺ کا پاک ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: ضربة

لِلوجهِ وضربةٌ لِليَدَينِ إلىَ المِرفقَينِ۔ کہ تیمم میں دو ضربہ مشروع ہیں ایک ضربہ تو چہرہ کے لیے اور دوسرا ضربہ دونوں ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: التیمُّمُ ضربتانِ: ضربةٌ للوَجهِ، وضربةٌ للیَدَینِ إلی المِرفقَینِ۔ یعنی تیمم میں دو ضربہ مشروع ہیں ایک ضربہ چہرہ کے لیے اور دوسرا ضربہ دونوں ہاتھوں کے لیے کہنیوں سمیت۔

قولہ وما یقوم مقامھا: اس جملہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ضرب تیمم کا رکن نہیں ہے، حالانکہ فقہ کی اکثر کتابوں میں ضرب کو تیمم کا رکن قرار دیا ہے۔ اور حضرت امام محمدؒ نے اپنی کتاب مبسوط میں ضرب کے بجائے وضع کا لفظ ذکر کیا ہے۔ ابن شجاع فرماتے ہیں کہ ضرب تیمم میں رکن ہے اور علامہ اسبیجابی فرماتے ہیں کہ ضرب رکن نہیں ہے۔ جن لوگوں نے ضرب کو تیمم میں رکن قرار دیا ہے ان کے نزدیک اگر ضرب کے بعد حدث لاحق ہو یا ضرب کے بعد نیت کی تو یہ ضرب کافی نہ ہوگا۔ اور جن حضرات نے ضرب کو رکن قرار نہیں دیا ہے اگر ضرب کے بعد حدث لاحق ہوا یا ضرب کے بعد نیت کی ہے تو یہ ضرب بھی کافی ہوجائے گا۔

مسئلہ: اگر کسی نے اپنے سر کو موضع غبار میں داخل کیا، یا موضع غبار میں تیمم کی نیت سے سر کو ہلایا تو اس کا شرعی اعتبار سے تیمم ہوجائے گا۔ اسی طرح اگر دیوار گری اور اس کے گرد وغبار جسم پر پڑے اور اس نے نیت تیمم سے مسح کرلیا تو تیمم درست ہوجائے گا۔ (شامی:۱/ ۴۰۲)

قولہ بمطھر من جنس الأرض: اصل تو یہ ہے کہ تیمم مٹی سے کیا جائے لیکن اگر مٹی نہ ملے تو جنس الارض سے تیمم کرنا جائز ہے۔ اور جنس الارض سے مراد یہ ہے کہ جو گلانے سے نہ گلے اور آگ میں پگھلانے سے نہ پگھلے۔ اور نہ جل کر بالکل راکھ ہوجائے جیسے: پتھر، گچ، چونا، سرمہ، ہڑتال، گندھک، یاقوت، زبرجد، فیروزہ، عقیق اور پختہ اینٹ وغیرہ، یہ تمام کی تمام چیزیں جنس الارض میں داخل ہیں، لہٰذا ان سے تیمم کرنا درست ہے۔ (مستفاد شامی:۱/ ۴۰۴)

مسئلہ: اگر کوئی شخص جنس الارض سے تیمم کرے اور اس پر گرد وغبار بالکل نہ ہو پھر بھی اس سے تیمم جائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مٹی پر قدرت رکھنے کے باوجود گرد وغبار سے تیمم کرے تو بلا کراہت درست ہے، اس لیے کہ گرد وغبار بھی درحقیقت مٹی ہے یہ اور بات ہے کہ یہ باریک مٹی ہے البتہ حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ گرد وغبار سے تیمم مٹی کے استعمال سے عاجز ہونے کے وقت جائز ہے، مٹی کے استعمال پر قدرت کے باوجود گرد وغبار سے تیمم درست نہیں ہے ان کے نزدیک صرف مٹی اور ریت سے تیمم درست ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ کا یہ قول ظاہر متون کے خلاف ہے۔ (شامی:۱/ ۴۰۵)

مسئلہ: اگر تیمم کرتے وقت غبار انگلیوں کے درمیان نہ پہنچ سکے تو بغیر ضربہ کے انگلیوں کا خلال کرنا بقول علامہ زیلعی کے واجب ہے، اس لیے کہ مسح میں استیعاب فرض ہے۔ (شامی:۱/ ۴۰۴)

تیمم کرنے کا مسنون طریقہ

تیمم کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر حدث وضو یا حدث اکبر سے پاکی حاصل

کرنے کی نیت کرے، پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو ہتھیلیوں کی طرف سے کشادہ کر کے کسی پاک مٹی پر دونوں ہاتھ کو مارے، اور ان کو آگے کی جانب اور پیچھے کی جانب لے جائے، پھر دونوں ہاتھوں کے گرد کو جھاڑ دے، اس کے بعد دونوں ہاتھوں سے چہرہ کا مسح کرے، اس طرح کہ کوئی جگہ ایسی باقی نہ رہے جہاں ہاتھ نہ پہنچے۔ پھر اس کے بعد دونوں ہاتھوں کو پاک مٹی پر انگلیوں کو کشادہ کر کے مارے اور ان کو آگے کی جانب لائے، پھر پیچھے کی طرف لے جائے، پھر اس کے بعد اگر اس میں کوئی گرد یا مٹی لگی ہے تو اس کو جھاڑ دے، پھر بائیں ہاتھ کی تین انگلیاں شہادت اور ابہام کو چھوڑ کر داہنے ہاتھ کی انگلیوں کے سرے پر پشت کی جانب رکھ کر کہنیوں تک اس طرح کھینچے کہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بھی لگ جائے اور کہنیوں کا مسح بھی ہو جائے، پھر باقی انگلیوں کو اور ہاتھ کی ہتھیلی کو دوسری جانب رکھ کر انگلیوں تک کھینچے اسی طرح بائیں ہاتھ کا بھی مسح کرے۔ وضو اور غسل دونوں کے تیمم کا یہی طریقہ ہے، البتہ نیت میں فرق ہوگا۔ (البحر الرائق/۱/ ۲۵۴)

(فَلَا يَجُوزُ) بِلُؤْلُؤٍ وَلَوْ مَسْحُوقًا لِتَوَلُّدِهِ مِنْ حَيَوَانِ الْبَحْرِ، وَلَا بِمَرْجَانَ لِشَبَهِهِ بِالنَّبَاتِ لِكَوْنِهِ أَشْجَارًا نَابِتَةً فِي قَعْرِ الْبَحْرِ عَلَى مَا حَرَّرَهُ الْمُصَنِّفُ، وَلَا (بِمُنْطَبِعٍ) كَفِضَّةٍ وَزُجَاجٍ (وَمُتَرَمِّدٍ) بِالِاحْتِرَاقِ إِلَّا رَمَادَ الْحَجَرِ فَيَجُوزُ كَحَجَرٍ مَدْقُوقٍ أَوْ مَغْسُولٍ، وَحَائِطٍ مُطَيَّنٍ أَوْ مُجَصَّصٍ، وَأَوَانٍ مِنْ طِينٍ غَيْرِ مَدْهُونَةٍ، وَطِينٍ غَيْرِ مَغْلُوبٍ بِمَاءٍ لَكِنْ، لَا يَنْبَغِي التَّيَمُّمُ بِهِ قَبْلَ خَوْفِ فَوَاتِ وَقْتٍ لِئَلَّا يَصِيرَ مُثْلَةً بِلَا ضَرُورَةٍ (وَمَعَادِنَ) فِي مَحَالِّهَا فَيَجُوزُ التُّرَابُ عَلَيْهَا، وَقَيَّدَهُ الْإِسْبِيجَابِيُّ بِأَنْ يَسْتَبِينَ أَثَرُ التُّرَابِ بِمَدِّ يَدِهِ عَلَيْهِ، وَإِنْ لَمْ يَسْتَبِنْ لَمْ يَجُزْ؛ وَكَذَا كُلُّ مَا لَا يَجُوزُ التَّيَمُّمُ عَلَيْهِ كَحِنْطَةٍ وَجُوخَةٍ فَلْيُحْفَظْ. (وَالْحُكْمُ لِلْغَالِبِ) لَوِ اخْتَلَطَ تُرَابٌ بِغَيْرِهِ كَذَهَبٍ وَفِضَّةٍ وَلَوْ مَسْبُوكَيْنِ وَأَرْضٍ مُحْتَرِقَةٍ، فَلَوِ الْغَلَبَةُ لِتُرَابٍ جَازَ وَإِلَّا لَا خَانِيَّةٌ، وَمِنْهُ عُلِمَ حُكْمُ التَّسَاوِي.

ترجمہ (یہ بات پہلے آچکی ہے کہ تیمم کے جواز کے لیے جنس الارض ہونا شرط ہے) لہٰذا موتی سے تیمم جائز نہ ہوگا، اگرچہ موتی پسا ہوا ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ موتی کی پیدائش سمندر کے جانور سے ہوتا ہے اور نہ مونگے سے تیمم کرنا جائز ہوگا اس لیے کہ وہ پودے کے مشابہ ہوتا ہے اس وجہ سے کہ مونگا ان درختوں میں سے ہے جو سمندر کی گہرائی میں اُگتا ہے، جیسا کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اپنی شرح میں تحریر فرمایا ہے۔ اور اس چیز سے بھی تیمم جائز نہیں ہوتا ہے جو آگ سے پگھل جاتی ہو جیسے چاندی اور کانچ۔ اور اس چیز سے بھی تیمم جائز نہیں ہوتا ہے جو آگ میں جل کر راکھ ہو جائے جیسے لکڑی وغیرہ۔ مگر ہاں پتھر کی راکھ سے تیمم اسی طرح جائز ہوتا ہے جس طرح کوٹے ہوئے پتھر سے تیمم جائز ہوتا ہے یا دھلے ہوئے پتھر سے تیمم جائز ہوتا ہے (خواہ اس پر گرد و غبار نہ ہو) اور تیمم پسی ہوئی اور سیمنٹ لگائی ہوئی دیوار سے اور مٹی کے برتنوں سے جن پر روغن چڑھا ہوا نہ ہو جائز ہے۔ اور اس گیلی مٹی سے تیمم جائز ہے جس پر پانی غالب نہ ہو، مگر گیلی مٹی سے تیمم اس وقت کرنا چاہئے جب نماز کے وقت فوت ہو جانے کا خوف ہو تا کہ

بلاضرورت بدشکل بننے کی نوبت نہ آئے اور کان کی چیزوں میں تیمم جائز ہے جب کہ وہ اپنی اصلی جگہ ہوں، یعنی جب تک اس پر مٹی لگی ہوئی ہو اس مٹی سے تیمم کرنا جائز ہوتا ہے۔ اور شیخ اسبیجابی نے کان کی چیزوں سے تیمم کے جواز پر یہ قید لگائی ہے کہ مٹی کا اثر ان پر ظاہر ہو اور اگر ان پر مٹی کا اثر ظاہر نہ ہو تو تیمم درست نہ ہوگا۔ اور ایسے ہی ہر وہ چیز ہے جس پر تیمم جائز نہیں ہوتا ہے جیسے گندم اور نباتات ہے پس اس کو یاد رکھنا چاہئے۔

اگر مٹی کسی دوسری ایسی چیز کے ساتھ ملی ہے کہ اس سے تیمم جائز نہیں ہوتا ہے جیسے سونا اور چاندی اگرچہ دونوں پگھلے ہوئے ہوں اور جلی ہوئی مٹی تو اس صورت میں غالب کا اعتبار ہوگا، یعنی اگر مٹی غالب ہوگی تو اس سے تیمم جائز ہوگا اور اگر مٹی غالب نہ ہو بلکہ وہ چیز غالب ہو جس سے تیمم درست نہ ہو تو پھر تیمم درست نہ ہوگا۔ یہ مسئلہ فتاویٰ قاضی خاں میں مذکور ہے اسی سے اس کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ اگر دونوں برابر ہوں تو بھی تیمم جائز نہ ہوگا۔

مختصر تشریح اس عبارت سے علامہ حصکفی نے یہ بیان فرمایا ہے کہ کن چیزوں سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے، چناں چہ فرمایا کہ جنس الارض سے تیمم تو جائز ہے لیکن جنس الارض کے علاوہ سے تیمم جائز نہیں ہے، مثلاً موتی، اس سے تیمم جائز نہیں ہے، گو موتی پسا ہوا کیوں نہ ہو اس لیے کہ موتی جنس الارض کے قبیل سے نہیں ہے بلکہ موتی سمندر کے ایک حیوان سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح مونگا سے بھی تیمم جائز نہ ہوگا اس لیے کہ اس کی مشابہت نبات سے ہے، جنس الارض میں داخل نہیں ہے۔ صاحب درمختار نے فرمایا کہ مرجان یعنی مونگا سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے لیکن اس مسئلہ میں علامہ موصوف سے سہو ہو گیا ہے صحیح یہ ہے کہ مرجان سے تیمم درست ہے، فقہ کی عام کتابوں میں یہی مذکور ہے۔ (شامی: ۱/ ۴۰۵)

مسئلہ: جو چیز پگھلانے سے پگھل جائے جیسے سونا، چاندی، کانچ، لوہا وغیرہ، یا جلانے سے جل کر راکھ ہو جائے جیسے لکڑی وغیرہ تو اس سے تیمم کرنا شرعاً درست نہیں ہے، ہاں اگر پتھر کی راکھ ہے تو اس پر تیمم کرنا اسی طرح درست ہے جس طرح پسے ہوئے پتھر سے تیمم کرنا درست ہے۔

مسئلہ: مٹی کے برتنوں سے تیمم کرنا جائز ہے، بشرطیکہ مٹی کے برتن میں روغن کیا ہوا نہ ہو اور مٹی کا برتن روغن کیا ہوا ہو تو اس سے تیمم جائز نہیں ہے۔ اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ چینی کے برتن سے بھی تیمم جائز نہ ہوگا اس لیے کہ اس پر کانچ کا روغن چڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اگر اس کی پالش جنس الارض کی کسی چیز سے ہو تو بلاشبہ اس سے تیمم جائز ہوگا جیسے کہ اگر برتن پر گیرو ملمع ہو تو تیمم جائز ہوگا۔ (شامی: ۱/ ۴۰۶)

مسئلہ: اگر مٹی گیلی ہو اور اس قدر گیلی ہو کہ پانی اس پر غالب ہو تو اس سے تیمم کرنا جائز نہ ہوگا بلکہ اگر وہ سیال اور پتلا ہے تو اس سے وضو کرے اور اگر پانی مغلوب ہے اور مٹی غالب ہے تو تیمم کرنا اس سے جائز ہوگا اور اگر مٹی اور پانی دونوں برابر ہوں تو ایسی صورت میں تیمم درست نہ ہوگا۔ (شامی: ۱/ ۴۰۶)

مسئلہ: اگر گیہوں یا اناج کے ڈھیر پر اس قدر گرد و غبار ہے کہ ہاتھ مارنے سے گرد و غبار کا اثر ہاتھ پر ظاہر ہو جاتا ہو تو اس

سے تیمم کرنا جائز ہوگا اور اگر اس قدر گردوغبار نہیں ہے بلکہ معمولی گرد ہے تو پھر تیمم جائز نہ ہوگا۔ (شامی: ۱/ ۴۰۷)

مسئلہ: اگر کوئی شخص ایسی جگہ ہو جہاں مٹی نہ ہو یا گیلی مٹی ہو یا صرف گارا ہو تو وہ اپنا کپڑا جھاڑ لے اور اگر اس سے گردوغبار نکلے تو اس سے تیمم کرلے اور اگر کپڑا جھاڑنے سے کوئی گردوغبار نہ نکلے تو اسی گیلی مٹی کو ہلکی سی کپڑے میں لگائے تاکہ جلدی خشک ہو جائے اور اس سے تیمم کرے۔

مسئلہ: جو چیز کان میں پیدا ہو اس سے تیمم اس وقت تک جائز ہوتا ہے جب تک اس پر مٹی لگی ہو اور اگر اس چیز سے مٹی بالکل جھڑ جائے اور وہ بالکل صاف ہو جائے تو پھر اس سے تیمم درست نہ ہوگا۔ مثلاً سونا، چاندی اور لوہا ہے جب تک ان پر مٹی لگی ہے ان سے تیمم درست ہے اور جب مٹی دھل جائے اور صاف ہو جائے تو پھر ان سے تیمم درست نہ ہوگا۔

مسئلہ: اگر مٹی میں کوئی ایسی چیز مل جائے جس سے شرعی اعتبار سے تیمم جائز نہیں ہے تو ایسی صورت میں غالب کا اعتبار ہوگا، اگر مٹی غالب ہے اور جس چیز سے تیمم جائز نہیں ہے وہ مغلوب ہے تو غالب کا اعتبار کرتے ہوئے تیمم جائز ہوگا اور اگر مٹی مغلوب ہے اور جس سے تیمم جائز نہیں ہے وہ غالب ہے تو ایسی صورت میں تیمم جائز نہ ہوگا۔

(وَجَازَ قَبْلَ الْوَقْتِ وَلِأَكْثَرَ مِنْ فَرْضٍ، وَ) جَازَ (لِغَيْرِهِ) كَالنَّفْلِ؛ لِأَنَّهُ بَدَلٌ مُطْلَقٌ عِنْدَنَا لَا ضَرُورِيٌّ. (وَ) جَازَ (لِخَوْفِ فَوْتِ صَلَاةِ جِنَازَةٍ) أَيْ كُلِّ تَكْبِيرَاتِهَا وَلَوْ جُنُبًا أَوْ حَائِضًا، وَلَوْ جِيءَ بِأُخْرَى إِنْ أَمْكَنَهُ التَّوَضُّؤُ بَيْنَهُمَا ثُمَّ زَالَ تَمَكُّنُهُ أَعَادَ التَّيَمُّمَ وَإِلَّا لَا بِهِ يُفْتَى (أَوْ) فَوْتِ (عِيدٍ) بِفَرَاغِ إِمَامٍ أَوْ زَوَالِ شَمْسٍ (وَلَوْ) كَانَ يَبْنِي (بِنَاءً) بَعْدَ شُرُوعِهِ مُتَوَضِّئًا وَسَبَقَ حَدَثُهُ (بِلَا فَرْقٍ بَيْنَ كَوْنِهِ إِمَامًا أَوْ لَا) فِي الْأَصَحِّ؛ لِأَنَّ الْمَنَاطَ خَوْفُ الْفَوْتِ لَا إِلَى بَدَلٍ فَجَازَ لِكُسُوفٍ وَسُنَنٍ رَوَاتِبَ وَلَوْ سُنَّةَ فَجْرٍ خَافَ فَوْتَهَا وَحْدَهَا، وَلِنَوْمٍ وَسَلَامٍ وَرَدِّهِ وَإِنْ لَمْ تَجُزْ الصَّلَاةُ بِهِ. قَالَ فِي الْبَحْرِ: وَكَذَا لِكُلِّ مَا لَا تُشْتَرَطُ لَهُ الطَّهَارَةُ؛ لِمَا فِي الْمُبْتَغَى. وَجَازَ لِدُخُولِ مَسْجِدٍ مَعَ وُجُودِ الْمَاءِ وَلِلنَّوْمِ فِيهِ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ، لَكِنْ فِي النَّهْرِ: الظَّاهِرُ أَنَّ مُرَادَ الْمُبْتَغَى لِلْجُنُبِ فَسَقَطَ الدَّلِيلُ. قُلْت: وَفِي الْمُنْيَةِ وَشَرْحِهَا: تَيَمُّمُهُ لِدُخُولِ مَسْجِدٍ وَمَسِّ مُصْحَفٍ مَعَ وُجُودِ الْمَاءِ لَيْسَ بِشَيْءٍ بَلْ هُوَ عَدَمٌ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ لِعِبَادَةٍ يَخَافُ فَوْتَهَا، لَكِنْ فِي الْقُهُسْتَانِيِّ عَنْ الْمُخْتَارِ: الْمُخْتَارُ جَوَازُهُ مَعَ الْمَاءِ لِسَجْدَةِ التِّلَاوَةِ، لَكِنْ سَيَجِيءُ تَقْيِيدُهُ بِالسَّفَرِ لَا الْحَضَرِ. ثُمَّ رَأَيْت فِي الشِّرْعَةِ وَشُرُوحِهَا مَا يُؤَيِّدُ كَلَامَ الْبَحْرِ، قَالَ: فَظَاهِرُ الْبَزَّازِيَّةِ جَوَازُهُ لِتِسْعٍ مَعَ وُجُودِ الْمَاءِ وَإِنْ لَمْ تَجُزْ الصَّلَاةُ بِهِ. قُلْت: بَلْ لِعَشْرٍ بَلْ أَكْثَرَ، لِمَا مَرَّ مِنْ الضَّابِطِ أَنَّهُ يَجُوزُ لِكُلِّ مَا لَا تُشْتَرَطُ الطَّهَارَةُ لَهُ وَلَوْ مَعَ وُجُودِ الْمَاءِ؛ وَأَمَّا مَا تُشْتَرَطُ لَهُ فَيُشْتَرَطُ فَقْدُ الْمَاءِ كَتَيَمُّمٍ لِمَسِّ

مُصْحَفٍ فَلَا يَجُوزُ لِوَاجِدِ الْمَاءِ. وَأَمَّا لِلْقِرَاءَةِ، فَإِنْ مُحْدِثًا فَكَالْأَوَّلِ أَوْ جُنُبًا فَكَالثَّانِي. وَقَالُوا: لَوْ تَيَمَّمَ لِدُخُولِ مَسْجِدٍ أَوْ لِقِرَاءَةٍ وَلَوْ مِنْ مُصْحَفٍ أَوْ مَسِّهِ أَوْ كِتَابَتِهِ أَوْ تَعْلِيمِهِ أَوْ لِزِيَارَةِ قُبُورٍ أَوْ عِيَادَةِ مَرِيضٍ أَوْ دَفْنِ مَيِّتٍ أَوْ أَذَانٍ أَوْ إِقَامَةٍ أَوْ إِسْلَامٍ أَوْ سَلَامٍ أَوْ رَدِّهِ لَمْ تَجُزِ الصَّلَاةُ بِهِ عِنْدَ الْعَامَّةِ، بِخِلَافِ صَلَاةِ جِنَازَةٍ أَوْ سَجْدَةِ تِلَاوَةٍ فَتَاوَى شَيْخِنَا خَيْرِ الدِّينِ الرَّمْلِيِّ قُلْتُ: وَظَاهِرُهُ أَنَّهُ يَجُوزُ فِعْلُ ذَلِكَ فَتَأَمَّلْ.

ترجمہ اور تیمم کرنا نماز کے وقت سے پہلے ایک سے زیادہ فرض کے لیے اور فرض کے علاوہ نفل کے لیے جائز ہے اس لیے کہ تیمم احناف علماء کے نزدیک وضو کا مطلق بدل ہے، ضروری بدل نہیں ہے (یعنی پانی کی عدم موجودگی میں تیمم وضو کا مطلق بدل ہے اور طہارت کاملہ ہے نہ کہ طہارت ضروریہ اس کے برخلاف حضرت امام شافعی کے نزدیک تیمم طہارت ضروریہ ہے لہٰذا وقت سے پہلے ان حضرات کے نزدیک تیمم جائز نہ ہوگا اور نہ ہی ایک فرض سے زیادہ کے لیے تیمم درست ہوگا یعنی ایک تیمم سے صرف ایک ہی فرض ادا کرسکتا ہے، اور ہمارے نزدیک ایک تیمم سے جس قدر چاہے فرض اور نفل پڑھ سکتا ہے) اور نمازِ جنازہ یعنی اس کی تمام تکبیرات کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کرنا جائز ہے اگرچہ تیمم کرنے والا اجنبی مرد وعورت ہو یا حائضہ عورت ہو۔ اگر ایک جنازہ تیمم کر کے پڑھ چکا تھا کہ دوسرا جنازہ لایا گیا اگر اس تیمم کرنے والے کو ان دونوں جنازوں کے درمیان وضو کرنا ممکن ہوا تھا پھر یہ امکان وقدرت زائل ہوگئی تو دوسرا جنازہ پڑھنے کے لیے دوبارہ تیمم کرے۔ اور اگر دونوں جنازوں کے درمیان وضو کی قدرت نہیں پیدا ہوئی تھی تو دوبارہ تیمم کی ضرورت نہیں ہے بلکہ پہلے ہی تیمم سے دوسرا جنازہ بھی پڑھے گا، اسی قول پر حضرات علماء کرام کا فتویٰ بھی ہے۔

اسی طرح اگر عید کی نماز فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو اس طور پر کہ اگر یہ وضو میں مشغول ہوگا تو امام نماز سے فارغ ہو جائے گا یا سورج ڈھل جائے گا اور عید کی نماز کا وقت ختم ہو جائے گا تو تیمم کرنا جائز ہے (لیکن اگر عید کی نماز کے کسی حصہ میں ملنے کی امید ہو تو تیمم درست نہ ہوگا بلکہ وضو کرنا پڑے گا) اور یہ تیمم بناء کے واسطے بھی درست ہے بایں طور کہ نمازِ جنازہ یا نماز عید وضو کر کے شروع کی تھی درمیان نماز میں حدث لاحق ہو گیا اب یہ خوف ہے کہ اگر وضو کرتا ہے تو اس کی نماز فوت ہو جائے گی، تو ایسی صورت میں تیمم کر کے بنا کرنا درست ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ بنا کرنے والا امام ہے یا امام نہیں ہے (یعنی امام ومقتدی دونوں کے لیے بناء کے واسطے تیمم کرنا جائز ہے) اصح قول کے مطابق، اس لیے کہ جواز تیمم کا مدار ایسی نماز کا فوت ہو جانا ہے جس کا کوئی بدل اور خلیفہ نہیں ہے، پس جب جواز تیمم کا مدار ایسی نماز کا فوت ہونا ہے جس کا کوئی خلیفہ نہیں ہے تو نمازِ کسوف، نمازِ خسوف اور سنت مؤکدہ کے واسطے اگرچہ فجر ہی کی سنت کیوں نہ ہو اور صرف اسی سنت کے چھوٹ جانے کا خوف ہو ان سب کے لیے تیمم کرنا جائز ہے۔ سونے کے واسطے، سلام کرنے اور سلام کا جواب دینے کے واسطے، پانی کے موجود ہونے کے باوجود تیمم کرنا جائز ہے لیکن اس تیمم سے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے (اس لیے کہ نماز کے واسطے تیمم پانی کے فقدان یا استعمال پر قدرت نہ ہونے کے وقت جائز ہے

ایسی عبادت مقصودہ کی نیت کرے جو بغیر طہارت کے جائز نہ ہو) البحر الرائق میں علامہ ابن نجیم نے فرمایا کہ پانی کے موجود ہونے کے باوجود ان تمام اعمال کے تیمم کرنا جائز ہے جن کی ادائیگی کے لیے طہارت شرط نہیں ہے جیسا کہ مبتغی نامی کتاب میں یہ مسئلہ موجود ہے۔ اور مسجد میں داخل ہونے کے واسطے اور اس میں سونے کے واسطے پانی کے موجود ہونے کے باوجود تیمم کرنا جائز ہے۔ مصنف علیہ الرحمہ اپنی شرح میں اس کو برقرار رکھا ہے کوئی رد نہیں فرمایا ہے، لیکن کنز کی شرح النہر الفائق میں ہے کہ مبتغی کی اس عبارت کا ظاہر مراد یہ ہے کہ یہ حکم جنبی کے لیے ہے، پس اس طرح البحر الرائق کی دلیل ساقط ہو جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ منیۃ المصلی اور اس کی شرح میں ہے کہ مسجد میں داخل ہونے کے واسطے اور قرآن کریم کو چھونے کے واسطے پانی کی موجودگی میں تیمم کرنا کوئی چیز نہیں ہے بلکہ وہ معدوم کے درجہ میں ہے (یعنی تیمم کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں) اس لیے کہ مسجد میں داخل ہونا یا قرآن کریم کو ہاتھ لگانا کوئی ایسی عبادت نہیں ہے جس کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ لیکن قہستانی میں مختار سے نقل کیا گیا ہے کہ مختار یہ ہے کہ پانی کے موجود ہونے کے باوجود سجدہ تلاوت کے واسطے تیمم کرنا جائز ہے لیکن عنقریب یہ حکم آرہا ہے کہ سجدۂ تلاوت کے لیے تیمم کے جائز ہونے کا حکم حالت سفر کے لیے ہے نہ کہ حالت اقامت کے واسطے (یعنی سفر میں ایسا کرنا جائز ہے حضر میں نہیں)

پھر میں نے شرعۃ الاسلام اور اس کی شرحوں میں جو کچھ مطالعہ کیا اس سے البحر الرائق کے کلام کی تائید ہوتی ہے اس میں کہا کہ فتاویٰ بزازیہ کا ظاہر یہ ہے کہ پانی کے موجود ہوتے ہوئے نو چیزوں کے واسطے تیمم کرنا جائز ہے اگر چہ اس تیمم سے نماز ادا کرنا درست نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ نو ہی چیزوں کے لیے نہیں بلکہ دس یا اس سے بھی زیادہ چیزوں کے لیے پانی کے موجود ہوتے ہوئے تیمم کرنا درست ہے کیونکہ یہ قاعدہ اس سے پہلے گذر چکا ہے کہ "یجوزُ لکُلِّ مالا تشترط الطھارۃُ ولو معَ وُجُودِ المَاءِ"۔ یعنی ایسے کام کے واسطے تیمم جائز ہے جن کے لیے طہارت شرط نہیں ہے اگر چہ پانی موجود ہی کیوں نہ ہو، اور جس کام کی ادائیگی کے لیے طہارت شرط ہے وہاں تیمم کے جائز ہونے کے لیے پانی کا موجود نہ ہونا شرط ہے جیسے کہ قرآن کریم کو ہاتھ لگانے کے واسطے تیمم کرنا اس شخص کے لیے جائز نہیں ہے جو پانی پار رہا ہو۔ رہا قرآنِ کریم کے پڑھنے کے واسطے تیمم کرنے کا مسئلہ تو اگر وہ بے وضو ہے تو وہ پہلی صورت کے مانند ہے (یعنی پانی کے موجود ہونے کے باوجود بھی تیمم کرنا جائز ہے) اور اگر وہ شخص جنبی ہے اور اس پر غسل فرض ہے تو وہ دوسری صورت کی مانند ہے (یعنی پانی کی موجودگی میں اس کے لیے تیمم جائز نہیں ہے)۔

اور حضرات فقہاءِ کرام نے فرمایا کہ اگر کسی نے مسجد میں داخل ہونے کے لیے یا قرآنِ مجید تلاوت کرنے کے واسطے تیمم کیا گو وہ قرآن کو دیکھ کر تلاوت کرے یا کسی نے قرآنِ مجید چھونے یا اس کے لکھنے یا اس کی تعلیم کے واسطے، یا قبروں کی زیارت کرنے کے واسطے، یا مریض کی عیادت کرنے کے واسطے یا میت کو دفن کرنے کے واسطے، یا اذان دینے کے واسطے یا اقامت کہنے کے واسطے، یا سلام کرنے کے واسطے، یا سلام کا جواب دینے کے واسطے، تیمم کیا تو اس تیمم سے عام فقہاءِ کرام کے نزدیک نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

اس کے برخلاف اگر کسی نے نمازِ جنازہ یا سجدۂ تلاوت کے واسطے تیمم کیا تو اس تیمم سے نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ پانی

موجود نہ ہو، یہ مسئلہ ہمارے استاذ محترم شیخ خیر الدین رملی کے فتاویٰ میں موجود ہے۔ میں کہتا ہوں کہ: فتاویٰ رملی میں جو کچھ ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے لیے سجدۂ تلاوت کے واسطے تیمم کرنا جائز ہے لہٰذا اس مسئلہ میں غور وفکر کرلو۔

مختصر تشریح اس عبارت میں علامہ علاء الدین حصکفی نے متعدد مسائل بیان کئے ہیں سب سے پہلا مسئلہ یہ بیان فرمایا ہے کہ تیمم علمائے احناف کے نزدیک طہارتِ مطلقہ ہے اور طہارتِ کاملہ ہے، لہٰذا جس طرح وضو کو وقت سے پہلے کرنا جائز ہے اور ایک وضو سے متعدد فرائض ونوافل درست ہیں، اسی طرح وقت سے قبل تیمم کرنا بھی جائز ہے اور ایک تیمم سے متعدد فرض ونفل کی ادائیگی بھی درست ہے۔ اس لیے کہ تیمم سے اسی طرح طہارت حاصل ہوتی ہے جس طرح وضو سے طہارت حاصل ہوتی ہے لیکن حضراتِ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تیمم طہارتِ کاملہ مطلقہ نہیں ہے بلکہ طہارتِ ضروریہ ہے یعنی تیمم سے حدث دور نہیں ہوتا ہے بلکہ حدث رہتے ہوئے ضرورۃً طہارت کا حکم دیا گیا اور نماز پڑھنے کو مباح قرار دیا ہے، لہٰذا حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دخولِ وقت سے پہلے تیمم جائز نہ ہوگا، اس لیے جب تیمم طہارتِ ضروریہ ہے تو عند الضرورۃ تیمم مشروع ہوگا اور ضرورت کا تحقق دخولِ وقت کے بعد ہوتا ہے لہٰذا وقت کے داخل ہونے کے بعد تیمم کیا جائے گا نہ کہ پہلے، نیز قاعدہ ہے کہ **الضرورۃ تتقدّر بقدر الضرورۃ** لہٰذا اس کے پیش نظر ایک تیمم سے ایک ہی فرض پڑھ سکتے ہیں، دوسرا فرض ادا کرنے کے لیے دوسرا تیمم کرنا لازم ہوگا۔

مسئلہ: اگر نمازِ عید میں امام کے فارغ ہوجانے کا اندیشہ ہو، یا سورج ڈھل جانے کا خوف ہو یا جنازہ کی نماز میں تمام تکبیرات کے فوت ہوجانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں تیمم کرنا جائز ہوگا اس لیے کہ وضو کرنے کی صورت میں اگر یہ نمازیں فوت ہوگئیں تو اس کا بدل موجود نہیں ہے۔

مسئلہ: جس طرح نمازِ عیدین اور نمازِ جنازہ کے فوت ہونے کے خطرہ سے تیمم کرنا جائز ہے، اسی طرح نمازِ کسوف، نمازِ خسوف، اور سنن مؤکدہ کی ادائیگی کے واسطے تیمم کرنا جائز ہے بشرطیکہ ان سب کے فوت ہونے کا غالب گمان ہو یعنی یہ خوف ہو کہ وضو کرنے کے واسطے جب تک پانی تک پہنچا جائے گا سورج کا گہن ختم ہوجائے گا یا ظہر اور مغرب کی نماز فرض ادا کرلینے کے بعد کسی کا وضو ٹوٹ گیا اور پانی سے وضو کرنے میں یہ ڈر ہے کہ وقت نکل جائے گا تو اس کے لیے تیمم کرکے سنتیں پڑھ لینا جائز ہے۔ اسی طرح اگر کسی کو صرف فجر کی سنت فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کے لیے تیمم کرنا جائز ہے لیکن اگر سنت کے ساتھ ساتھ فرض بھی چھوٹ رہا ہو تو تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔ (شامی: ۱/۴۰۹)

مسئلہ: اگر کسی نے سونے کے واسطے، یا سلام کرنے کے واسطے، سلام کا جواب دینے کے واسطے، یا دخولِ مسجد کے واسطے، یا میت کو دفنانے کے واسطے، یا عیادت مریض کے واسطے، یا قبروں کی زیارت کے واسطے، یا ان کے علاوہ ایسے کام کے لیے تیمم کیا جن کی ادائیگی کے لیے طہارت شرط نہیں ہے بلکہ بغیر طہارت کے بھی وہ کام انجام دیا جاسکتا ہے تو اس تیمم سے نماز ادا کرنا درست نہیں ہے، ہاں اگر کسی نے سجدۂ تلاوت کے واسطے یا نمازِ جنازہ کے واسطے تیمم کیا تو اس تیمم سے نماز بھی ادا کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ

پانی کی عدم موجودگی میں تیمم کیا ہو اور اگر جنازہ کی نماز فوت ہونے کے ڈر سے پانی کی موجودگی میں تیمم کرلیا تو اس تیمم سے دوسرا جنازہ پڑھنا تو جائز ہے لیکن اس تیمم سے جنازہ کے علاوہ دوسری نمازیں پڑھنا جائز نہیں ہے۔(شامی:۱/ ۴۱۳)

مسئلہ: جن کاموں کی ادائیگی کے لیے طہارت شرعی اعتبار سے ضروری نہیں ہے ان کاموں کو بجالانے کے لیے پانی کی موجودگی میں تیمم کرنا غیر معتبر ہے، چناں چہ اگر کسی بے وضو شخص نے سونے کے واسطے یا مسجد میں داخل ہونے کے لیے پانی کی موجودگی میں تیمم کیا تو اس کا فعل لغو ہے اس تیمم کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔(شامی:۱/ ۴۱۱)

وَ(لَا) يَتَيَمَّمُ (لِفَوْتِ جُمُعَةٍ وَوَقْتٍ) وَلَوْ وِتْرًا لِفَوَاتِهَا إلَى بَدَلٍ، وَقِيلَ يَتَيَمَّمُ لِفَوَاتِ الْوَقْتِ. قَالَ الْحَلَبِيُّ: فَالْأَحْوَطُ أَنْ يَتَيَمَّمَ وَيُصَلِّيَ ثُمَّ يُعِيدَهُ. (وَيَجِبُ) أَيْ يُفْتَرَضُ (طَلَبُهُ) وَلَوْ بِرَسُولِهِ (قَدْرَ غَلْوَةٍ) ثَلَثِمِائَةِ ذِرَاعٍ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ، ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ. وَفِي الْبَدَائِعِ: الْأَصَحُّ طَلَبُهُ قَدْرَ مَا لَا يَضُرُّ بِنَفْسِهِ وَرُفْقَتِهِ بِالِانْتِظَارِ (إنْ ظَنَّ) ظَنًّا قَوِيًّا (قُرْبَهُ) دُونَ مِيلٍ بِأَمَارَةٍ أَوْ إخْبَارِ عَدْلٍ (وَإِلَّا) يَغْلِبْ عَلَى ظَنِّهِ قُرْبُهُ (لَا) يَجِبُ بَلْ يُنْدَبُ إنْ رَجَا وَإِلَّا لَا؛ وَلَوْ صَلَّى بِتَيَمُّمٍ وَثَمَّةَ مَنْ يَسْأَلُهُ ثُمَّ أَخْبَرَهُ بِالْمَاءِ أَعَادَ وَإِلَّا لَا. . (وَشَرْطُ لَهُ) أَيْ لِلتَّيَمُّمِ فِي حَقِّ جَوَازِ الصَّلَاةِ بِهِ (نِيَّةُ عِبَادَةٍ) وَلَوْ صَلَاةَ جِنَازَةٍ أَوْ سَجْدَةَ تِلَاوَةٍ لَا شُكْرٍ فِي الْأَصَحِّ (مَقْصُودَةٍ) خَرَجَ دُخُولُ مَسْجِدٍ وَمَسُّ مُصْحَفٍ (لَا تَصِحُّ) أَيْ لَا تَحِلُّ لِيَعُمَّ قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ لِلْجُنُبِ (بِدُونِ طَهَارَةٍ) خَرَجَ السَّلَامُ وَرَدُّهُ (فَلَغَا تَيَمُّمُ كَافِرٍ لَا وُضُوءُهُ) ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِلنِّيَّةِ، فَمَا يَفْتَقِرُ إلَيْهَا لَا يَصِحُّ مِنْهُ: وَصَحَّ تَيَمُّمُ جُنُبٍ بِنِيَّةِ الْوُضُوءِ بِهِ يُفْتَى. . (وَنُدِبَ لِرَاجِيهِ) رَجَاءً قَوِيًّا (آخِرُ الْوَقْتِ) الْمُسْتَحَبِّ، وَلَوْ لَمْ يُؤَخِّرْ وَتَيَمَّمَ وَصَلَّى جَازَ إنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمَاءِ مِيلٌ وَإِلَّالَا.(صَلَّى) مَنْ لَيْسَ فِي الْعُمْرَانِ بِالتَّيَمُّمِ - (وَنَسِيَ الْمَاءَ فِي رَحْلِهِ) وَهُوَ مِمَّا يُنْسَى عَادَةً (لَا إعَادَةَ عَلَيْهِ) وَلَوْ ظَنَّ فَنَاءَ الْمَاءِ أَعَادَ اتِّفَاقًا كَمَا لَوْ نَسِيَهُ فِي عُنُقِهِ أَوْظَهْرِهِ أَوْفِي مُقَدَّمِهِ رَاكِبًاأَوْ مُؤَخَّرِهِ سَائِقًا أَوْ نَسِيَ ثَوْبَهُ وَصَلَّى عُرْيَانًا أَوْ فِي ثَوْبٍ نَجِسٍ أَوْ مَعَ نَجَسٍ وَمَعَهُ مَا تُزِيلُهُ أَوْ تَوَضَّأَ بِمَاءٍ نَجِسٍ أَوْ صَلَّى مُحْدِثًا ثُمَّ ذَكَرَ أَعَادَ إجْمَاعًا.

ترجمہ: نماز جمعہ اور وقتیہ نماز اگر چہ وتر ہی کیوں نہ ہو کے فوت ہونے کی وجہ سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ نمازیں اپنے بدل کی طرف فوت ہوتی ہیں، یعنی ان نمازوں کی قضاء موجود ہے اور بعض علماء کا کہنا ہے کہ ان نمازوں کے وقت فوت ہونے کی وجہ سے تیمم کرنا جائز ہے۔ امام حلبی نے فرمایا کہ زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ تیمم کر کے نماز ادا کرلے، پھر ان نمازوں کو دوبارہ ادا کرے۔ اور پانی کو چاروں طرف اتنی دوری تک تلاش کرنا فرض ہے جتنی دوری پر تیر جا کر عموماً گرتا ہے اور تیر تین سو گز کی دوسری پر جا کر گرتا ہے۔ اور خود نہ تلاش کرنے جائے تو اپنے قاصد ہی کو بھیج کر تلاش کروائے۔ اس مسئلہ کو شیخ حلبی نے ذکر کیا ہے۔ اور بدائع الصنائع

میں مذکور ہے کہ پانی اتنی دوری تک تلاش کرے جہاں جا کر انتظار کرنے سے نہ خود اس کو نقصان پہنچے اور نہ رفیق سفر کو نقصان پہنچے (اگر پانی کی تلاش میں خود اس کو یا اس کے رفیق سفر کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو پانی کی تلاش کو چھوڑ دینا شرعی اعتبار سے جائز ہے) اور پانی کا تلاش کرنا اس وقت فرض ہوتا ہے جب کہ ایک میل سے کم کی دوری پر پانی ملنے کا قوی امکان ہو اور یہ امکان کسی خاص علامت کی وجہ سے ہو یا کسی عادل شخص کے خبر دینے کی وجہ سے ہو۔ اور اگر قریب میں پانی ملنے کا غالب گمان نہ ہو تو اس وقت پانی کی تلاش واجب نہیں ہوتی ہے بلکہ صرف مستحب ہوتی ہے بشرطیکہ پانی ملنے کی توقع ہو اور توقع نہ ہونے کی صورت میں تلاش کرنا نہ واجب ہے اور نہ ہی مستحب۔

اگر کسی شخص نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی اور وہاں جو شخص موجود تھا اس سے کچھ نہیں پوچھا حالانکہ اس سے پوچھ سکتا تھا، پھر نماز پڑھ لینے کے بعد اس شخص نے پانی کے موجود ہونے کی خبر دی تو اب اس نماز کو دوبارہ پڑھے، یعنی وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھے اور اگر اس موجود شخص نے کچھ بھی نہیں بتایا تو دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور جس تیمم سے نماز جائز ہوتی ہے اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اس تیمم سے ایسی عبادت مقصودہ کی ادائیگی کی نیت کرے جو بغیر طہارت کے ادا نہیں ہوتی ہے اگرچہ نمازِ جنازہ یا سجدۂ تلاوت ہی کی نیت کیوں نہ ہو، ہاں سجدۂ شکر کی ادائیگی کی نیت سے جو تیمم کیا جائے گا اس سے نماز جائز نہ ہوگی اصح قول کے مطابق۔ اور مصنفؒ نے عبادتِ مقصودہ کی قید لگائی اس سے عبادتِ غیر مقصودہ مثلاً دخولِ مسجد اور قرآن کو ہاتھ لگانے کے واسطے جو تیمم کیا جائے گا اس سے نماز جائز نہ ہوگی، اس لیے کہ دخولِ مسجد اور قرآن کا چھونا عبادتِ مقصودہ نہیں ہے۔ شارح علیہ الرحمہ نے "لاتصح" کی شرح لاتحل سے کی ہے تا کہ عبادتِ مقصودہ میں جنبی کا قرآن کی تلاوت کرنا شامل ہو جائے، یعنی اگر جنبی شخص تلاوتِ قرآن کی غرض سے جو تیمم کرے گا اس تیمم سے نماز درست ہوگی اور بلا طہارت جائز نہ ہونے والی شرط سے سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا خارج ہو گیا اس لیے کہ یہ دونوں بغیر طہارت کے بھی درست ہیں۔

پس جب تیمم میں عبادتِ مقصودہ کی نیت شرط ہے تو کافر کا تیمم لغو ہوگا نہ کہ اس کا وضو، اس لیے کہ کافر نیت کا اہل ہی نہیں ہے لہٰذا جو عمل اپنی صحت میں نیت کا محتاج ہو وہ کافر سے درست نہ ہوگا (اس لیے کہ کافر کے اندر نیت کرنے کی اہلیت ہی نہیں ہے اور یہ مسلّم ہے کہ تیمم میں نیت فرض ہے اور کافر کا وضو اس لیے درست ہے کہ وضو میں نیت شرط نہیں ہے)۔ اور جنبی شخص کا تیمم کرنا وضو کی نیت سے درست ہے، اسی قول پر فتویٰ ہے (اس وضو والے تیمم کرنے سے جنابت سے بھی پاک ہو جائے گا) اور جس شخص کو پانی ملنے کی قوی امید ہو اس کے لیے مندوب ہے کہ مستحب وقت کے اخیر میں نماز ادا کرے۔ اور اگر اس نے اس قدر تاخیر نہ کی بلکہ تیمم کر کے اوّل وقت میں نماز پڑھ لی تو بھی جائز ہے بشرطیکہ پانی اور اس کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہو۔ اور اگر پانی اور اس کے درمیان ایک میل سے کم کا فاصلہ ہے اور نماز پڑھ لی تو نماز نہ ہوگی۔ وہ شخص جو آبادی کے اندر نہیں تھا تیمم کر کے نماز پڑھی اور پانی اپنے کجاوئی میں بھول گیا اور کجاوئی اس قبیل سے ہے کہ عام طور پر اس کی چیز بھول جاتی ہے تو ایسی صورت میں اس شخص پر نماز

کا اعادہ نہیں ہے۔ اور اگر کسی نے اس خیال سے وضو نہیں کیا کہ پانی ختم ہو جائے گا اور تیمم کر کے نماز ادا کر لی تو اب جب وہ پانی دیکھے گا تو بالاتفاق نماز کا اعادہ کرے گا۔ اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جو شخص پانی کو بھول جائے حالانکہ پانی اس کی گردن میں لگا ہوا تھا یا اس کی پیٹھ پر رکھا ہوا تھا یا پانی اس کے سامنے تھا اس حال میں کہ وہ سوار تھا یا پانی اونٹ کے پیچھے رکھا ہوا تھا اس حال میں کہ وہ اونٹ کو پیچھے ہانک رہا تھا یا جیسے کوئی اپنا کپڑا بھول گیا اور اس نے برہنہ حالت میں نماز پڑھ لی، یا ناپاک کپڑے میں نماز پڑھ لی، یا نجاست کے ساتھ نماز پڑھ لی حالانکہ اس کی پاس ایسی چیز تھی جس سے وہ نجاست کو دور کر سکتا تھا، یا کسی نے ناپاک پانی سے وضو کیا، یا حالتِ حدث ہی میں نماز پڑھ لی، پھر اس کو پانی یا کپڑا یا نجاست یا بے وضو ہونا یاد آیا تو ان تمام صورتوں میں بالاتفاق نماز وضو کے، نجاست دھو کر کے، اور کپڑا پہن کر کے دوبارہ ادا کرے گا۔

مختصر تشریح مذکورہ بالا عبارت میں شارح موصوف نے متعدد احکام تیمم کو بیان فرمایا ہے، چناں چہ سب سے پہلا حکم اور مسئلہ جو اس عبارت میں بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی کو نمازِ جمعہ فوت ہونے کا ڈر ہو یا نمازِ پنج گانہ فوت ہونے کا اندیشہ ہو خواہ وتر کی نماز ہی کیوں نہ ہو تو ایسی صورت میں ان کے فوت ہونے کی وجہ سے تیمم کرنا جائز نہ ہوگا اس لیے کہ ان نمازوں کا بدل قضاء کی شکل میں موجود ہے، چناں چہ جمعہ فوت ہونے کی صورت میں ظہر اس کا بدل موجود ہے اور پنج گانہ فوت ہونے کی صورت میں اس کی قضاء موجود ہے، اسی طرح وتر کی نماز بھی اپنا بدل چھوڑ کر فوت ہوتی ہے، اس لیے ان سب کے واسطے تیمم جائز نہ ہوگا۔

مسئلہ: دوسرا مسئلہ اس عبارت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر پانی کے قریب ہونے کا ظن غالب ہو اور یہ امید ہو کہ پانی ایک میل کے اندر اندر مل جائے گا اور یہ امید یا تو کسی عادل شخص کے بتلانے سے ہو، یعنی خاص علامت سے ہوئی ہو تو ایسی صورت میں ہر چہار جانب تین سو گز پانی تلاش کرنا واجب ہے اس سے پہلے تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر پانی ملنے کی قوی امید نہ ہو تو ایسی صورت میں تلاش کرنا واجب نہیں ہے بلکہ صرف مستحب ہے۔

ظن اور ظن غالب میں فرق

اگر شئی کے متعلق دو خیال ہوں اور ان میں سے ایک خیال دوسرے خیال پر قوی اور راجح ہو مگر ان میں سے کسی پر بھی دل نہ جمے تو اس کو اصطلاح میں ظن اور گمان کہا جاتا ہے۔ اور اگر راجح اور قوی پہلو پر دل جم جائے اور مرجوح قول کو ترک کر دینے پر دل آمادہ ہو جائے تو اس کو ظن غالب کہا جاتا ہے۔ (شامی: ۱/ ۴۱۵)

حضراتِ فقہاءِ کرام کی اصطلاح میں ایک میل سے کم دوری کو نزدیک کہا جاتا ہے جو ایک میل سے زیادہ دوری پر ہو اس کی بعید کہا جاتا ہے، جیسا کہ علامہ شامی نے ردالمحتار میں بیان فرمایا ہے۔ (شامی: ۱/ ۴۱۵)

اور کسی جگہ پانی کی موجودگی کی علامت کبھی تو سبزہ زار سے ہوتی ہے اور کبھی اس طرف پرندوں کی آمد کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور اگر پانی کی موجودگی کی خبر کوئی عادل دے تو ضروری ہے کہ وہ احکام شرع کا مکلف ہو۔ البحر الرائق میں ایک مسئلہ لکھا ہے کہ

ایک شخص پر پانی کی تلاش وجستجو واجب تھی اس نے پانی کی تلاش وجستجو کے بغیر تیمم کر کے نماز پڑھ لی، پھر نماز پڑھ لینے کے بعد اس کو تنبہ ہوا اور اس نے پانی کی تلاش وجستجو کی مگر پانی نہیں پایا تو حضرات طرفین کے نزدیک اس نماز کا اعادہ واجب ہے۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اعادہ واجب نہیں ہے۔ (شامی: ۱/ ۴۱۵)

کافر کے تیمم اور وضو کا حکم

تیمم میں چونکہ نیت شرط ہے اور کافر کے اندر نیت کی اہلیت ہی نہیں ہے اس لیے حضرات فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر کسی کافر نے تیمم کیا ہے تو اسکا کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ لغو ہوگا۔ ہاں کافر شخص کا وضو معتبر ہے اس لیے کہ وضو میں نیت شرط نہیں ہے۔ ا ۔ اگر کسی کافر نے زمانۂ کفر میں وضو کیا پھر اسلام قبول کیا اور ابھی زمانۂ کفر والا وضو باقی ہے تو اس وضو سے یہ نومسلم شخص نماز پڑھ سکتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر کسی کافر نے زمانۂ کفر میں تیمم کیا، پھر بعد میں مسلمان ہوا تو اس تیمم سے نماز ادا نہیں کر سکتا ہے اس لیے جو تیمم کافر نے کفر کی حالت میں کیا ہے وہ لغو اور بیکار ہے اس کا اعتبار شریعت نے کیا ہی نہیں ہے۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے پانی کے موجود رہتے ہوئے نماز جنازہ کے فوت ہونے کے خوف سے تیمم کر لیا اور نماز جنازہ میں شریک ہو گیا تو اس تیمم سے نماز درست نہ ہوگی اس لیے کہ وہ تیمم نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد فوراً ختم ہو گیا۔ ہاں اگر کوئی دوسرا جنازہ آجائے اور تیمم کرنے کا وقت بالکل نہیں ملا تو اس تیمم سے یہ دوسرا جنازہ پڑھنا بھی جائز ہے۔ (شامی: ۱/ ۴۱۶)

مسئلہ: اگر کسی شخص کو یہ قوی امید ہو کہ کچھ دیر کے بعد پانی مل جائے گا یا انتظار کرنے کی صورت میں پانی کوئی لا کر دے سکتا ہے اور اس کا گمانِ غالب ہے تو اب اس کے لیے اخیر وقت مستحب تک انتظار کرنا مستحب ہے، لیکن اگر کسی نے انتظار نہ کیا بلکہ تیمم کر کے وقت ہوتے ہی نماز ادا کر لی تو یہ بھی جائز ہے۔ (شامی: ۱/ ۴۱۸)

مسئلہ: اگر کوئی شخص جنگل اور غیر آباد جگہ میں ہو خواہ وہ شخص مقیم ہو یا مسافر اس نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی اور پانی اپنے کجاوئی میں بھول گیا، پانی کے موجود ہونے کا خیال بالکل نہ رہا تو پڑھی گئی نماز کو لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اگر یہ صورت حال آبادی اور بستی کے اندر پیش آئی اور اس نے تیمم کر کے نماز ادا کر لی تو ایسی صورت میں پڑھی گئی نماز کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے، اس لیے کہ آبادی میں عام طور پر پانی ملتا ہے پس تلاش کرنا واجب تھا اور خانہ بدوش لوگوں کا خیمہ بھی آبادی کے حکم میں ہے اس لیے کہ خیمہ میں عام طور پر پانی موجود ہوتا ہے۔ (شامی: ۱/ ۴۱۸)

مسئلہ: اگر کوئی شخص کپڑا بھول گیا اور برہنہ نماز پڑھ لی، یا نجس کپڑے میں نماز ادا کر لی یا نجاست کے ساتھ نماز پڑھ لی حالانکہ اس کے پاس نجاست دور کرنے کے لیے پانی موجود ہے یا نجس پانی سے وضو کر لیا یا کسی نے بے وضو نماز پڑھ لی پھر نماز کے بعد خیال آیا تو ان تمام صورتوں میں بالاجماع نماز دوبارہ پڑھنی پڑے گی۔ یعنی باقاعدہ وضو کر کے یا نجاست زائل کر کے یا کپڑا پہن کر نماز ادا کرنی ہوگی، پہلی نماز باطل ہو جائے گی۔ (شامی: ۱/ ۴۱۹)

مسئلہ: پانی کے انتظار میں اتنی دیر نہ کرے کہ وقت مکروہ داخل ہوجائے بلکہ مستحب وقت کے اندر ہی اندر انتظار کرے اس کے بعد اگر پانی نہ ملے تو تیمم کر کے نماز ادا کر لے۔

(وَيَطْلُبُهُ) وُجُوبًا عَلَى الظَّاهِرِمِنْ رَفِيقِهِ (مِمَّنْ هُوَ مَعَهُ، فَإِنْ مَنَعَهُ) وَلَوْ دَلَالَةً بِأَنْ اسْتَهْلَكَهُ (تَيَمَّمَ) لِتَحَقُّقِ عِجْزِهِ. (وَإِنْ لَمْ يُعْطِهِ إِلَّا بِثَمَنِ مِثْلِهِ) أَوْ بِغَبْنٍ يَسِيرٍ (وَلَهُ ذَلِكَ) فَاضِلًا عَنْ حَاجَتِهِ (لَا يَتَيَمَّمُ وَلَوْ أَعْطَاهُ بِأَكْثَرَ) يَعْنِي بِغَبْنٍ فَاحِشٍ وَهُوَ ضِعْفُ قِيمَتِهِ فِي ذَلِكَ الْمَكَانِ (أَوْ لَيْسَ لَهُ) ثَمَنُ (ذَلِكَ تَيَمَّمَ) . وَأَمَّا لِلْعَطَشِ فَيَجِبُ عَلَى الْقَادِرِ شِرَاؤُهُ بِأَضْعَافِ قِيمَتِهِ إِحْيَاءً لِنَفْسِهِ، وَإِنَّمَا يُعْتَبَرُ الْمِثْلُ فِي تِسْعَةَ عَشَرَ مَوْضِعًا مَذْكُورَةً فِي الْأَشْبَاهِ، وَقَبْلَ طَلَبِهِ الْمَاءَ (لَا يَتَيَمَّمُ عَلَى الظَّاهِرِ) أَيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ عَنْ أَصْحَابِنَا؛ لِأَنَّهُ مَبْذُولٌ عَادَةً كَمَا فِي الْبَحْرِ عَنِ الْمَبْسُوطِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى؛ فَيَجِبُ طَلَبُ الدَّلْوِ وَالرِّشَاءِ، وَكَذَا الِانْتِظَارُ لَوْ قَالَ لَهُ حَتَّى أَسْتَقِي، وَإِنْ خَرَجَ الْوَقْتُ، وَلَوْ كَانَ فِي الصَّلَاةِ إِنْ ظَنَّ الْإِعْطَاءَ قَطَعَ، وَإِلَّا لَا، لَكِنْ فِي الْقُهُسْتَانِيِّ عَنِ الْمُحِيطِ: إِنْ ظَنَّ إِعْطَاءَ الْمَاءِ أَوْ الْآلَةِ وَجَبَ الطَّلَبُ وَإِلَّا لَا. (وَالْمَحْصُورُ فَاقِدُ) الْمَاءِ وَالتُّرَابِ (الطَّهُورَيْنِ) بِأَنْ حُبِسَ فِي مَكَانٍ نَجِسٍ وَلَا يُمْكِنُهُ إِخْرَاجُ تُرَابٍ مُطَهِّرٍ، وَكَذَا الْعَاجِزُ عَنْهُمَا لِمَرَضٍ (يُؤَخِّرُهَا عِنْدَهُ: وَقَالَا: يَتَشَبَّهُ) بِالْمُصَلِّينَ وُجُوبًا، فَيَرْكَعُ وَيَسْجُدُ إِنْ وَجَدَ مَكَانًا يَابِسًا وَإِلَّا يُومِئُ قَائِمًا ثُمَّ يُعِيدُ كَالصَّوْمِ (بِهِ يُفْتَى وَإِلَيْهِ صَحَّ رُجُوعُهُ) أَيْ الْإِمَامِ كَمَا فِي الْفَيْضِ، وَفِيهِ أَيْضًا (مَقْطُوعُ الْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ إِذَا كَانَ بِوَجْهِهِ جِرَاحَةٌ يُصَلِّي بِغَيْرِ طَهَارَةٍ) وَلَا يَتَيَمَّمُ (وَلَا يُعِيدُ عَلَى الْأَصَحِّ) وَبِهَذَا ظَهَرَ أَنَّ تَعَمُّدَ الصَّلَاةِ بِلَا طُهْرٍ غَيْرُ مُكَفِّرٍ فَلْيُحْفَظْ وَقَدْ مَرَّ وَسَيَجِيءُ فِي صَلَاةِ الْمَرِيضِ.

ترجمہ اور ظاہر الروایہ کے مطابق اپنے رفیق سفر سے پانی مانگنا واجب ہے، پس اگر رفیق سفر پانی مانگنے کے باوجود نہ دے بلکہ منع کر دے اگرچہ ان کا منع کرنا ذلالت حال کی وجہ سے ہو، بایں طور کہ پانی ضائع کر دے تو اس صورت میں مجبوری کے تحقق کی وجہ سے تیمم کرے گا۔ اور اگر رفیق سفر مناسب قیمت لے کر یا کچھ زائد قیمت لے کر پانی دے اور اس کے پاس اس کی ضرورت سے زیادہ رقم موجود ہے تو تیمم نہ کرے۔ اور اگر رفیق سفر پانی مناسب قیمت پر نہ دے بلکہ غیر معمولی زیادہ قیمت میں دے جس کو غبن فاحش کہتے ہیں یا وہاں کی عام قیمت سے دوگنی لے کر دے یا اس کے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ پانی کو قیمتاً خرید سکے تو اس صورت میں تیمم کرنا جائز ہے۔ ہاں اگر پیاس کی وجہ سے پانی خریدنا پڑے تو جو شخص خریدنے کی استطاعت رکھتا ہو تو اس پر دوگنی قیمت دے کر خریدنا بھی واجب ہے اپنی جان بچانے کے لیے۔ اور مناسب قیمت کا اعتبار انیس جگہوں پر ہے جس کی تفصیل الاشباہ والنظائر میں موجود ہے۔ اور پانی مانگنے سے قبل ظاہر الروایہ کے مطابق تیمم نہ کرے اس لیے کہ عادۃً عام طور پر پانی میں بخل نہیں ہوتا ہے لوگ

اس کو خرچ کر دیتے ہیں جیسا کہ البحر الرائق میں مبسوط سے منقول ہے اسی قول پر فتویٰ بھی ہے، اور چونکہ پانی مانگنا واجب ہے اس لیے ڈول اور رسّی مانگنا بھی واجب ہے، اسی طرح اس وقت تک انتظار کرنا بھی واجب ہے جب ڈول رسّی کے مالک نے کہا رک جاؤ یہاں تک کہ میں پانی بھر لو، خواہ اس انتظار میں وقت کیوں نہ نکل جائے۔ اور اگر کوئی شخص نماز میں ہو اور وہ تیمم کر کے نماز پڑھ رہا ہو اس نے دوسرے کے پاس پانی دیکھا اور اس کو یہ گمان ہے کہ پانی مانگنے سے مل جائے گا تو ایسی صورت میں نماز توڑ دے۔ اور اگر دینے کا غالب گمان نہ ہو تو نماز نہ توڑے، بلکہ نماز پوری کرلے لیکن قہستانی میں محیط سے منقول ہے کہ اگر گمان غالب ہو کہ پانی یا ڈول ورسّی دے دیگا تو مانگنا واجب ہے ورنہ نہیں۔ اور اگر وہ گھرا ہوا شخص جو پانی ومٹی دونوں پاک کرنے والی چیزوں میں سے کسی ایک پر قادر نہ ہو بایں طور کہ اس کو ناپاک مکان میں قید کر دیا گیا ہو اور وہاں پاک مٹی نکالنا اس کے لیے ممکن نہ ہو، اسی طرح وہ شخص جو پاک پانی اور پاک مٹی بیماری کی وجہ سے استعمال کرنے سے عاجز ہو امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز مؤخر کرے گا۔ اور حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ جو شخص پاک پانی اور پاک مٹی نہ پائے تو اس پر واجب ہے کہ نمازیوں کی طرح تشبہ اختیار کرے اور اگر جگہ خشک ہو تو رکوع وسجدہ کرے، لیکن اگر جگہ خشک نہ ہو تو کھڑے کھڑے اشارہ ہی سے نماز کی طرح کی حرکت کرے، پھر جب اس کو مٹی یا پانی کے استعمال پر قدرت حاصل ہو جائے تو ان تمام نمازوں کا اعادہ کرے جس طرح روزہ کا اعادہ کیا جاتا ہے (یعنی مثلاً مسافر پر روزہ فرض نہیں ہے اس نے حالت سفر میں روزہ نہیں رکھا پھر وطن واپس آ گیا تو بقیہ دن روزہ داروں کی طرح بھوکا پیاسا رہے اور بعد میں اس روزہ کی قضا بھی کرے) حضرات صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا صاحبین کے قول کی جانب رجوع کرنا صحیح روایت سے ثابت ہے جیسا کہ فیض القدیر میں اس کی صراحت ہے۔ اور فیض القدیر ہی کے اندر یہ مسئلہ مذکور ہے کہ وہ شخص جس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہوں اور چہرہ میں زخم ہو تو ایسا شخص بغیر طہارت کے نماز پڑھے گا اور تیمم نہیں کرے گا۔ اور اصح قول یہ ہے کہ وہ اس نماز کا اعادہ بھی نہیں کرے گا۔ اسی سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ جو شخص جان بوجھ کر بلا طہارت کے نماز پڑھے گا اس کا یہ فعل اس کو کافر نہیں بنائے گا لہٰذا اس مسئلہ کو خوب یاد کرلو۔ اور تحقیق کہ یہ مسئلہ کتاب الطہارۃ میں گذر چکا ہے اور آئندہ بھی باب صلوٰۃ المریض میں آنے والا ہے۔

مختصر تشریح عبارت مذکورہ میں شیخ علاء الدین حصکفی نے بنیادی طور پر چار مسئلے بیان کئے ہیں۔ پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کے پاس وضو کرنے کے واسطے پانی نہ ہو اور اسکے رفیق سفر کے پاس پانی موجود ہو تو ظاہر الروایۃ کے مطابق حضرات ائمہ ثلاثہ، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کے نزدیک رفیق سے پانی مانگنا واجب ہے اس سے پہلے تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر رفیق سفر پانی مفت میں دینے سے منع کرے بلکہ قیمتاً دے اور اس کے پاس قیمت ادا کرنے کے واسطے رقم موجود ہو تو تیمم کر کے نماز درست نہیں ہے بلکہ پانی خرید کر وضو کرنا واجب ہے۔ اور اگر پانی نہایت مہنگا دے یا اس شخص کے پاس قیمت ادا کرنے کے واسطے رقم موجود نہ ہو تو اس کے لیے تیمم کر کے نماز پڑھنا جائز ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ پانی مانگنے سے پہلے تیمم کر کے نماز ادا نہ کرے اس لیے کہ پانی ایسی چیز ہے جس کو دینے میں لوگ عام طور پر بخل نہیں کرتے ہیں بلکہ مانگنے پر پانی دے دیتے ہیں اس لیے مانگنے سے پہلے تیمم نہ کرے، اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایسی جگہ ہو جہاں کے بارے میں معلوم ہے یا ظن غالب ہے کہ لوگ پانی مانگنے کے بعد بھی نہیں دیں گے بلکہ منع کر دیں گے تو اس جگہ مانگے بغیر تیمم کرنا جائز ہے۔ (شامی:۱/ ۴۲۱)

مسئلہ: اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ آپ رُک کے رہئے یہاں تک کہ میں پانی بھر لوں تو اب اس کے لیے تیمم کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اس شخص کا انتظار کرنا واجب ہے چاہے انتظار کرتے وقت نماز کیوں نہ نکل جائے، پھر جب پانی دے تو وضو کر کے نماز پڑھنا واجب ہے۔

مسئلہ: نہر الفائق میں لکھا ہے کہ اگر تیمم کرنے والا شخص نماز میں مشغول ہو اور اس کو غالب گمان ہو کہ جس کے پاس پانی دیکھ رہا ہے وہ وضو کرنے کے واسطے پانی دے گا تو ایسی صورت میں وہ نماز توڑ دے اور پانی طلب کر کے وضو کرے اور پھر نماز ادا کرے۔ لیکن اگر مانگنے کے بعد وہ شخص پانی نہ دے تو اس کا سابق تیمم باقی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے نماز توڑی نہیں ہے بلکہ نماز پوری کر لی اس کے بعد پانی والے سے پانی مانگا تو اگر اس نے پانی عطا کر دیا تو وضو کر کے دوبارہ نماز ادا کرے اور اگر نہیں دیا تو سابقہ نماز اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (شامی:۱/ ۴۲۲)

جو شخص مٹی اور پانی نہ پائے اس کا حکم

اگر کوئی شخص ایسی جگہ قید ہو گیا جہاں نہ پانی موجود ہے وضو کرنے کے لیے۔ اور نہ تیمم کرنے کے واسطے پاک مٹی موجود ہے تو ایسے شخص کے لیے شرعی حکم یہ ہے کہ وہ نمازیوں کی طرح مشابہت اختیار کر کے نماز ادا کرتا رہے اور اس میں قرأت وغیرہ کچھ نہ کرے بلکہ صرف قیام، رکوع، وسجدہ دوسرے نمازیوں کی طرح ادا کرتا رہے اور جب وہ اس مصیبت سے چھٹکارہ پالے تو باقاعدہ وضو کر کے تمام نمازوں کو دوبارہ ادا کرے۔ جس طرح اگر کوئی شخص رمضان کے دن میں بالغ ہوا تو وہ دن کے بقیہ حصہ میں روزہ دار کی طرح بھوکا پیاسا رہے اور بعد میں اس کی قضاء کرے۔ (شامی:۱/ ۴۲۳)

جس کے دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہوں اس کا حکم

جس شخص کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہوں اور چہرہ میں زخم ہو تو اس کے لیے بلا طہارت نماز ادا کرنا جائز ہے اور ٹھیک ہونے کے بعد ان نمازوں کو دوبارہ پڑھنا بھی اصح قول کے مطابق ضروری نہیں ہے۔ (شامی:۱/ ۴۲۳)

[فُرُوْعٌ] صَلَّى الْمَحْبُوْسُ بِالتَّيَمُّمِ، إِنْ فِي الْمِصْرِ أَعَادَ وَإِلَّا لَا. هَلْ يَتَيَمَّمُ لِسَجْدَةِ التِّلَاوَةِ؟ إِنْ فِي السَّفَرِ نَعَمْ وَإِلَّا لَا.. الْمَاءُ الْمُسَبَّلُ فِي الْفَلَاةِ لَا يَمْنَعُ التَّيَمُّمَ مَا لَمْ يَكُنْ كَثِيْرًا، فَيُعْلَمُ أَنَّهُ لِلْوُضُوْءِ أَيْضًا وَيَشْرَبُ مَا لِلْوُضُوْءِ. الْجُنُبُ أَوْلَى بِمُبَاحٍ مِنْ حَائِضٍ أَوْ مُحْدِثٍ وَمَيِّتٍ، وَلَوْ

لِأَحَدِهِمْ فَهُوَ أَوْلَى وَلَوْ مُشْتَرَكًا يَنْبَغِي صَرْفُهُ لِلْمَيِّتِ. جَازَ تَيَمُّمُ جَمَاعَةٍ مِنْ مَحَلٍّ وَاحِدٍ. حِيلَةُ جَوَازِ تَيَمُّمِ مَنْ مَعَهُ مَاءُ زَمْزَمَ وَلَا يَخَافُ الْعَطَشَ أَنْ يَخْلِطَهُ بِمَا يَغْلِبُهُ أَوْ يَهَبُهُ عَلَى وَجْهٍ يَمْنَعُ الرُّجُوعَ.

ترجمہ: وہ شخص جو قید میں پڑا ہے اس نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی، لہٰذا اگر وہ قیدی شہر میں ہے تو قید سے رہائی کے بعد وضو کر کے ان نمازوں کو دوبارہ پڑھے اور اگر وہ قیدی شہر میں نہیں تھا بلکہ کسی جنگل وغیرہ میں تھا تو رہائی کے بعد ان نمازوں کو دوبارہ نہیں پڑھے گا۔ کیا سجدۂ تلاوت کے واسطے تیمم کرنا جائز ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سفر کی حالت میں ہو تو اس کے واسطے سجدۂ تلاوت کے لیے تیمم کرنا جائز ہے۔ اور اگر سفر کی حالت میں نہیں ہے تو سجدۂ تلاوت کے واسطے تیمم کرنا جائز نہیں ہے (لیکن اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ پانی کی موجودگی میں سجدۂ تلاوت کے لیے نہ سفر میں تیمم جائز ہے اور نہ اقامت میں اور پانی کی عدم موجودگی میں سجدۂ تلاوت کے لیے سفر وحضر دونوں میں تیمم کرنا جائز ہے)۔ اور وہ پانی جو جنگل میں سبیل وقف کے طور پر رکھا ہو جب تک زیادہ نہ ہو تیمم کے لیے مانع نہیں ہے، تھوڑا پانی ہو تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ پینے کے لیے ہے اور کثیر مقدار میں پانی ہے تو سمجھا جائے گا کہ وضو کے واسطے ہے۔ اور جو پانی وضو کرنے کے واسطے وقف ہو اس پانی کو پینا جائز ہے اور جو پانی بطور مباح رکھا ہو اس کو جنبی شخص جس پر غسل فرض ہے استعمال کرنے کا زیادہ حقدار ہے، حائضہ عورت یا بے وضو شخص یا میت کو غسل دینے کے مقابلہ میں۔ اور اگر پانی ان میں سے کسی ایک کی ملکیت ہو تو مالک پانی کے استعمال کرنے کا زیادہ حقدار ہے۔ اور اگر پانی تینوں میں مشترک ہے تو اس پانی کو میت کو غسل دینے میں خرچ کرنا زیادہ مناسب ہے۔

اور ایک جگہ سے ایک جماعت کا تیمم کرنا جائز ہے (یعنی ایک مٹی سے جس قدر لوگ چاہیں تیمم کر سکتے ہیں مٹی کے استعمال کرنے سے مٹی مستعمل نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر تیمم کرنے والوں کے ہاتھ کی جھاڑی ہوئی مٹی جمع ہو جائے تو اس سے بھی تیمم کرنا جائز ہے اس میں کوئی کراہت نہیں ہے)۔

جس شخص کے پاس زمزم کا پانی ہو اور اس کو پیاس کا خوف نہ ہو تو اس کی لیے تیمم کے جواز کا حیلہ یہ ہے کہ زمزم میں کوئی ایسی پتلی چیز ملا دے جو اس پر غالب ہو جائے، یا پھر اس کو اس طرح ہبہ کر دے کہ اس کو واپسی کا حق بالکل باقی نہ رہے تو ایسی صورت میں اس کے لیے تیمم کرنا جائز ہے، اس لیے کہ کسی پتلی چیز کے ملانے سے جو غالب ہو گئی ہو اس سے وضو جائز نہیں ہے اور ہبہ کرنے کی صورت میں وہ اس کا مالک ہی نہیں ہے اس لیے اس کے واسطے تیمم کرنا جائز ہے۔

مختصر تشریح: قولہ الماء المسبل: ماء مسبل وہ پانی ہے جو مسافروں کے واسطے جنگلوں یا راستوں میں لوگ رکھ دیتے ہیں۔ اس پانی کی موجودگی میں تیمم کر کے نماز پڑھنا جائز ہے اس لیے کہ یہ پانی وضو کرنے کے واسطے نہیں رکھا جاتا ہے بلکہ پینے کے لیے رکھا جاتا ہے لہٰذا اس پانی سے وضو کرنا شرعاً درست نہیں ہے اگرچہ وضو کرنے سے وضو ہو جائے گا۔ (شامی: ۱/ ۴۲۴)

مسئلہ: جو پانی لوگوں کے وضو کرنے کے واسطے رکھا جائے اس کو پینے میں استعمال کرنا جائز ہے اس لیے کہ جان بچانے کے لیے پانی پینا نہایت ضروری ہے لہٰذا وضو کے مقابلہ میں شرب زیادہ اہم ہوا ہے اس لیے پینا درست ہے۔
مسئلہ: اگر ایک جماعت کسی ایک جگہ سے یا کسی مخصوص ڈھیلے سے تیمم کرلے تو یہ جائز ہے اس لیے کہ مٹی استعمال کرنے کے بعد مستعمل نہیں ہوتی ہے لہٰذا ایک ہی ڈھیلے سے متعدد آدمی کا تیمم کرنا جائز ہے۔ (الدر المختار: ۱/ ۴۲۴)
مسئلہ: اگر پانی جنبی، حائضہ اور محدث تینوں کی مشترکہ ملکیت ہے تو ان سب کے لیے مناسب یہ ہے کہ اپنے حصہ کے پانی کو غسل میت میں خرچ کرنے کی اجازت دیدیں اس لیے کہ اتنا پانی نہیں ہے کہ ہر ایک کے لیے الگ الگ کافی ہوجائے۔ (شامی: ۱/ ۴۲۴)

(وَنَاقِضُهُ نَاقِضُ الْأَصْلِ) وَلَوْ غُسْلًا، فَلَوْ تَيَمَّمَ لِلْجَنَابَةِ ثُمَّ أَحْدَثَ صَارَ مُحْدِثًا لَا جُنُبًا، فَيَتَوَضَّأُ وَيَنْزِعُ خُفَّيْهِ ثُمَّ بَعْدَهُ يَمْسَحُ عَلَيْهِ مَا لَمْ يَمُرَّ بِالْمَاءِ، فَمَعَ فِي عِبَارَةِ صَدْرِ الشَّرِيعَةِ بِمَعْنَى بَعْدُ كَمَا فِي ﴿إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ فَافْهَمْ. (وَقُدْرَةُ مَاءٍ) وَلَوْ إِبَاحَةً فِي صَلَاةٍ (كَافٍ لِطُهْرِهِ) وَلَوْ مَرَّةً مَرَّةً (فَضَلَ عَنْ حَاجَتِهِ) كَعَطَشٍ وَعَجْنٍ وَغَسْلِ نَجَسٍ مَانِعٍ وَلُمْعَةِ جَنَابَةٍ؛ لِأَنَّ الْمَشْغُولَ بِالْحَاجَةِ وَغَيْرَ الْكَافِي كَالْمَعْدُومِ. (لَا) تَنْقُضُهُ (رِدَّةٌ وَكَذَا) يَنْقُضُهُ (كُلُّ مَا يَمْنَعُ وُجُودُهُ التَّيَمُّمَ إِذَا وُجِدَ بَعْدَهُ) ؛ لِأَنَّ مَا جَازَ بِعُذْرٍ بَطَلَ بِزَوَالِهِ، فَلَوْ تَيَمَّمَ لِمَرَضٍ بَطَلَ بِبُرْئِهِ أَوْ لِبَرْدٍ بَطَلَ بِزَوَالِهِ وَالْحَاصِلُ أَنَّ كُلَّ مَا يَمْنَعُ وُجُودُهُ التَّيَمُّمَ نَقَضَ وُجُودُهُ التَّيَمُّمَ (وَمَا لَا) يَمْنَعُ وُجُودُهُ التَّيَمُّمَ فِي الْإِبْتِدَاءِ (فَلَا) يَنْقُضُ وُجُودُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ التَّيَمُّمَ؛ وَلَوْ قَالَ وَكَذَا زَوَالُ مَا أَبَاحَهُ: أَيِ التَّيَمُّمَ لَكَانَ أَظْهَرَ وَأَخْصَرَ، وَعَلَيْهِ فَلَوْ تَيَمَّمَ لِبُعْدِ مِيلٍ فَسَارَ فَانْتَقَصَ انْتَقَضَ فَلْيُحْفَظْ. (وَمُرُورُ نَاعِسٍ) مُتَيَمِّمٍ عَنْ حَدَثٍ أَوْ نَائِمٍ غَيْرِ مُتَمَكِّنٍ مُتَيَمِّمٍ عَنْ جَنَابَةٍ (عَلَى مَاءٍ) كَافٍ كَمُسْتَيْقِظٍ) فَيَنْتَقِضُ، وَأَبْقَيَا تَيَمُّمَهُ وَهُوَ الرِّوَايَةُ الْمُصَحَّحَةُ عَنْهُ الْمُخْتَارَةُ لِلْفَتْوَى؛ كَمَا لَوْ تَيَمَّمَ وَبِقُرْبِهِ مَاءٌ لَا يَعْلَمُ بِهِ كَمَا فِي الْبَحْرِ وَغَيْرِهِ، وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ (تَيَمَّمَ لَوْ) كَانَ (أَكْثَرُهُ) أَيْ أَكْثَرُ أَعْضَاءِ الْوُضُوءِ عَدَدًا وَفِي الْغُسْلِ مِسَاحَةً (مَجْرُوحًا) أَوْ بِهِ جُدَرِيٌّ اعْتِبَارًا لِلْأَكْثَرِ (وَبِعَكْسِهِ يَغْسِلُ) الصَّحِيحَ وَيَمْسَحُ الْجَرِيحَ (وَ) كَذَا (إِنِ اسْتَوَيَا غَسَلَ الصَّحِيحَ) مِنْ أَعْضَاءِ الْوُضُوءِ، وَلَا رِوَايَةَ فِي الْغُسْلِ (وَمَسَحَ الْبَاقِيَ) مِنْهَا (وَهُوَ الْأَصَحُّ؛ لِأَنَّهُ (أَحْوَطُ) فَكَانَ أَوْلَى وَصَحَّحَ فِي الْفَيْضِ وَغَيْرِهِ التَّيَمُّمَ، كَمَا يَتَيَمَّمُ لَوِ الْجُرْحُ بِيَدَيْهِ وَإِنْ وَجَدَ مَنْ يُوَضِّئُهُ خِلَافًا لَهُمَا.

ترجمہ: اور تیمم کو توڑنے والی وہ تمام چیزیں ہیں جو اصل یعنی وضو کو توڑنے والی ہیں، اگر چہ وہ غسل ہی کیوں نہ ہو، پس اگر کسی نے جنابت کی ناپاکی کو دور کرنے کے واسطے تیمم کیا، پھر اس کو حدث اصغر لاحق ہوا تو وہ شخص محدث ہوگا یعنی بے وضو ہوگا، وہ شخص جنبی نہ

ہوگا (یعنی حدثِ اصغر کے لاحق ہونے سے اس کا غسل نہیں ٹوٹے گا) پس جب بقدر وضو پانی کے استعمال پر قادر ہو تو وضو کرے گا اور خفین پہنے ہوں تو خفین اُتار کر پاؤں دھوئے گا، پھر وضو کرنے کے بعد خفین پر مسح کرے گا، جب تک کہ وہ پانی پر سے نہ گذرے (یعنی اتنا پانی نہ ملے کہ وہ غسل کرسکتا ہو) پس صدر الشریعہ کی عبارت میں لفظ مع بعد کے معنی میں آیا ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم کی آیت ﴿اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ میں لفظ ''مع'' بعد کے معنی میں آیا ہے، لہٰذا اس کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

اور نماز میں اتنے پانی پر قادر ہونا جو طہارت کے لیے کافی ہو اگر چہ اس پانی سے صرف ایک ایک مرتبہ ہی وضو یا غسل کیا جاسکتا ہو اور یہ قدرت خواہ بطور اباحت ہو اور وہ کافی پانی اس کی ضرورت سے زائد ہو (جیسے پیاس، آٹا گوندھنا، اور اس نجاست کا دھونا جو نماز کے لیے مانع ہو، اور جنابت میں جو اعضاء خشک رہ گئے ہوں اس کا دھونا) تو اس سے تیمم ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر پانی ضرورت کے واسطے ہے یا پانی غیر کافی ہے تو وہ نہ ہونے کے درجہ میں ہے۔ تیمم مرتد ہونے سے نہیں ٹوٹتا ہے۔ اور اسی طرح تیمم ہر اس چیز سے ٹوٹ جاتی ہے جس کا وجود تیمم کو روک دیتا ہے جب کہ وہ چیز تیمم کے بعد پائی جائے اس لیے کہ جو شئی عذر کی وجہ سے جائز ہوتی ہے وہ شئی عذر کے ختم ہونے کے بعد باطل ہو جاتی ہے، پس اگر کسی نے کسی بیماری کی وجہ سے تیمم کیا پھر وہ اس بیماری سے ٹھیک ہو گیا تو اس کا تیمم بیماری کے ٹھیک ہونے کی وجہ سے باطل ہو جائے گا، یا کسی نے سردی کی وجہ سے تیمم کیا پھر سردی ختم ہو گئی تو تیمم باطل ہو جائے گا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس چیز کے وجود کی وجہ سے تیمم درست نہیں ہوتا ہے اگر وہ چیز تیمم کے بعد پائی تو اس سے تیمم ٹوٹ جاتا ہے۔ اور جس چیز کا وجود ابتداء میں تیمم کے جواز کو نہیں روکتا ہے اگر وہ چیز تیمم کے بعد پائی جائے تو اس سے تیمم نہیں ٹوٹے گا۔ اور اگر مصنف علیہ الرحمہ اس کو اس طرح کہتے کہ تیمم کو اس چیز کا زائل ہونا توڑ دیتی ہے جس چیز کے ہونے کی وجہ سے تیمم مباح ہوا تھا تو یہ عبارت متن کی عبارت سے زیادہ ظاہر اور مختصر ہوتی۔ اور اس قاعدہ کے پیش نظر یہ درست ہے کہ اگر کسی نے ایک میل پانی دور ہونے کی وجہ سے تیمم کیا پھر اس طرح چلا یہاں تک کہ پانی کے قریب ہو گیا اور ایک میل سے کم مقدار باقی رہ گئی تو تیمم ٹوٹ جائے گا، اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے۔

اور وضو نہ ہونے کی وجہ سے تیمم کرنے والے شخص کا اونگھنے کی حالت میں اتنے مقدار پانی پر سے گذر جانا جو وضو کے لیے کافی ہو یا جس نے جنابت کی وجہ سے تیمم کیا تھا اس کا ایسے سونے کی حالت میں کافی پانی پر سے گذر ہوا کہ وہ مضبوطی کے ساتھ زمین کو تھامنے والا نہیں تھا تو یہ ایسا ہے گویا جاگتے ہوئے پانی پر گذرا، لہٰذا ان دونوں صورتوں میں ان دونوں کا تیمم ٹوٹ جائے گا۔ اور حضرات صاحبین نے ان دونوں کے تیمم کو پانی پر سے گذرنے کے باوجود برقرار رکھا ہے اور اسی روایت کو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی طرف سے صحیح کہا گیا ہے فتویٰ دینے کے لیے، جیسا کہ وہ شخص جس کے قریب میں پانی ہے اور اس کو معلوم نہیں ہے تو اس کا تیمم درست ہے جیسا کہ یہ مسئلہ البحر الرائق وغیرہ میں مذکور ہے۔ اور مصنف علیہ الرحمہ نے اس کو برقرار رکھا ہے۔

اور جس شخص کے اکثر اعضائے وضو باعتبار عدد کے یا اکثر اعضائے غسل باعتبار پیمائش کے زخمی ہوں یا اس کے بدن میں

چیچک نکلی ہو تو اکثر بدن کا اعتبار کرتے ہوئے وہ شخص تیمم کر کے نماز ادا کرے گا۔ اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو یعنی اکثر اعضائے وضو باعتبار گنتی کے یا اکثر اعضائے غسل باعتبار پیمائش کے صحیح ہوں تو جو اعضاء صحیح ہوں ان کو دھوئے گا اور زخم خوردہ اعضاء پر مسح کرے گا۔ اسی طرح اگر تندرست حصہ اور زخمی حصے دونوں برابر ہوں تو اعضائے وضو میں جو حصہ تندرست ہے اس کو دھوئے گا اور جو حصہ زخمی ہے اس پر مسح کرے گا اور غسل کے متعلق اس صورت میں کوئی روایت منقول نہیں ہے۔ اور تندرست حصہ کا دھونا اور زخمی حصہ کے مسح کرنے کی روایت اصح تر ہے اس لیے کہ اس میں زیادہ احتیاط ہے، لہٰذا یہی روایت اولیٰ ہوگی۔ اور فیض وغیرہ کتاب میں تندرست اور زخمی حصوں کے برابر ہونے کی صورت میں تیمم کرنے کو صحیح قرار دیا ہے، جیسا کہ تیمم کرے گا وہ شخص جس کے دونوں ہاتھ زخمی ہوں اور اس کے پاس ایسا شخص موجود ہو جو اس کو وضو کرا سکتا ہے اس میں حضرات صاحبین کا اختلاف ہے (ان دونوں کے یہاں مدد لینا فرض ہے اور ان کے نزدیک اگر وضو کرانے والا موجود ہو تو وضو کرائے گا)۔

نواقض تیمم کا بیان

حضرت علامہ حصکفیؒ اس عبارت سے نواقض تیمم کو بیان فرما رہے ہیں یعنی وہ کون کون سی چیزیں ہیں جن سے تیمم ٹوٹ جاتا ہے؟ تو اس سلسلے میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے ایک اصول اور ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ جن جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جو کہ اصل ہے ان تمام چیزوں سے تیمم بھی ٹوٹ جائے گا جو کہ خلیفہ ہے۔ اسی طرح جن عذروں کی وجہ سے تیمم کرنا جائز ہوا تھا اگر وہ عذر تیمم کے بعد زائل ہو جائے تو اس سے بھی تیمم ٹوٹ جائے گا، چناں چہ اگر کسی نے بیماری کی وجہ سے یا سردی کی وجہ سے، یا پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کیا تھا پھر بیماری ختم ہوگئی، سردی دور ہوگئی اور پانی مل گیا تو اب وہ تیمم باطل ہو جائے گا اور وضو کر کے نماز ادا کرنا لازم ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی تیمم کر کے نماز پڑھ رہا تھا اور دورانِ نماز بقدر کفایت پانی کے استعمال پر قادر ہو گیا جو پانی ضرورت سے زائد ہے تو اس کا تیمم ٹوٹ جائے گا اور اب دوبارہ وضو کر کے نماز پڑھنا لازم ہوگا۔ اور اگر پانی ضرورت کے لیے رکھا ہو یا پانی بقدر کفایت نہ ہو تو اس کا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہے اس سے تیمم باطل نہ ہوگا۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص تیمم کرنے کے بعد مرتد ہو گیا تو ارتداد کی وجہ سے تیمم باطل نہ ہوگا چناں چہ اگر وہ شخص دوبارہ مسلمان ہو گیا اور اس کو کوئی حدث وغیرہ پیش نہیں آیا تو اس تیمم سے نماز پڑھ سکتا ہے الگ سے دوبارہ تیمم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (شامی ۱:/۴۲۸)

قولہ ولو غسلا: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے جنابت سے پاکی حاصل کرنے کے لیے تیمم کیا تو جو چیز غسل کو توڑ دیتی ہے وہی چیز غسل کے قائم مقام تیمم کو بھی توڑ دے گی۔ (شامی ۱:/۴۲۶)

مسئلہ: ایک شخص نے پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کر کے نماز ادا کر لیا، جب نماز پڑھ چکا تو اس کو وقت کے اندر اندر پانی

مل گیا تو اب اس کے لیے وہی نماز کافی ہے نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے۔ (شامی: ۱/ ۴۲۷)

مسئلہ: اگر کسی شخص کے کپڑے میں نجاست لگی ہو اور اسی حالت میں اس نے تیمم کرلیا پھر اس کے بعد کپڑے سے نجاست کو دھویا تو بالاتفاق اس شخص پر دوبارہ تیمم کرنا لازم ہے، اس لیے کہ اس نے وضو پر قدرت کے باوجود تیمم کیا ہے، حالانکہ پانی پر قدرت کے باوجود تیمم کرنا درست نہیں ہے۔ (شامی: ۱/ ۴۲۸)

مسئلہ: اگر کسی شخص نے حدث کی وجہ سے تیمم کیا یا جنابت کی وجہ سے تیمم کیا پھر وہ شخص اونگھتے ہوئے اتنی مقدار پانی پر سے گذرا جو وضو اور غسل کے لیے کافی ہوسکتا تھا تو اس شخص کا تیمم باطل ہوجائے گا جس طرح کہ اگر کوئی شخص بیداری کی حالت میں کافی پانی کے پاس سے گذرے تو اس کا تیمم باطل ہوجائے گا۔ (شامی: ۱/ ۴۲۹)

مسئلہ: اگر وضو کے اکثر اعضاء عدد کے اعتبار سے یا بدن کے اکثر حصہ غسل کے لیے پیمائش کے اعتبار سے زخمی ہوں تو ایسی صورت میں تیمم کر کے نماز ادا کرنا درست ہے۔ اور اگر اکثر اعضائے وضو عدد کے اعتبار سے یا اکثر حصہ بدن پیمائش کے اعتبار سے تندرست ہوں تو جو اعضاء تندرست ہوں ان کو دھونا لازم ہے اور جو اعضاء زخمی ہوں ان پر مسح کافی ہوگا۔ اگر زخمی حصہ اور تندرست حصہ دونوں برابر ہوں تو تندرست حصہ کو دھوئے گا اور زخمی حصہ پر مسح کرے گا اور یہی روایت سب سے احوط اور اصح تر ہے۔

(وَلَا يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا) أَيْ تَيَمُّمٍ وَغُسْلٍ كَمَا لَا يَجْمَعُ بَيْنَ حَيْضٍ وَحَبَلٍ أَوْ اسْتِحَاضَةٍ أَوْ نِفَاسٍ، وَلَا بَيْنَ نِفَاسٍ وَاسْتِحَاضَةٍ أَوْ حَيْضٍ، وَلَا زَكَاةٍ وَعُشْرٍ أَوْ خَرَاجٍ أَوْ فِطْرَةٍ، وَلَا عُشْرٍ مَعَ خَرَاجٍ، وَلَا فِدْيَةٍ وَصَوْمٍ أَوْ قِصَاصٍ، وَلَا ضَمَانٍ وَقَطْعٍ أَوْ أَجْرٍ، وَلَا جَلْدٍ مَعَ رَجْمٍ أَوْ نَفْيٍ، وَلَا مَهْرٍ وَمُتْعَةٍ وَحَدٍّ أَوْ ضَمَانِ إِفْضَائِهَا أَوْ مَوْتِهَا مِنْ جِمَاعِهِ، وَلَا مَهْرِ مِثْلٍ وَتَسْمِيَةٍ، وَلَا وَصِيَّةٍ وَمِيرَاثٍ وَغَيْرِهَا مِمَّا سَيَجِيءُ فِي مَحَلِّهِ-إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى.(مَنْ بِهِ وَجَعُ رَأْسٍ لَا يَسْتَطِيعُ مَعَهُ مَسْحَهُ)مُحْدِثًا وَلَا غَسْلَهُ جُنُبًا فَفِي الْفَيْضِ عَنْ غَرِيبِ الرِّوَايَةِ يَتَيَمَّمُ، وَأَفْتَى قَارِئُ الْهِدَايَةِ أَنَّهُ (يَسْقُطُ) عَنْهُ (فَرْضُ مَسْحِهِ) وَلَوْ عَلَيْهِ جَبِيرَةٌ، فَفِي مَسْحِهَا قَوْلَانِ، وَكَذَا يَسْقُطُ غَسْلُهُ فَيَمْسَحُهُ وَلَوْ عَلَى جَبِيرَةٍ إِنْ لَمْ يَضُرَّهُ، وَإِلَّا سَقَطَ أَصْلًا وَجُعِلَ عَادِمًا لِذَلِكَ الْعُضْوِ حُكْمًا كَمَا فِي الْمَعْدُومِ حَقِيقَةً.

ترجمہ: اور جس کے اعضائے وضو اور اعضائے غسل کے تندرست حصے اور زخمی حصے دونوں برابر ہوں وہ بہر صورت تیمم اور دھونے کو جمع نہ کرے، جیسا کہ حیض اور حمل یا استحاضہ اور نفاس کے درمیان اجتماع نہیں ہوتا ہے، اسی طرح زکوٰۃ اور عشر کے درمیان یا خراج اور فطرہ کے درمیان، یا زکوٰۃ اور فطرہ کے درمیان، اور عشر اور خراج کے درمیان جمع نہیں ہوتا ہے۔ اور نہ فدیہ کو روزہ کے ساتھ اور نہ قصاص کو کفارے کے ساتھ جمع کیا جاتا ہے۔ اسی طرح نہ تاوان اور قطع ید کے درمیان اجتماع ہوتا ہے اور نہ تاوان اور اُجرت کے درمیان، نہ کوڑے مارنے اور سنگساری کے درمیان، یا جلاوطنی کرنے کے درمیان جمع ہوتا ہے اور نہ مہر اور متعہ میں یا

مہر اور حد میں اجتماع ہوتا ہے، یا عورت کی ضمان اس کی افضاء اور موت میں جو شوہر کے جماع کرنے کی وجہ سے ہوا ہو، اسی طرح نہ مہر مثل اور مہر متعین میں اجتماع ہے وصیت اور میراث میں اجتماع نہیں ہوتا ہے (یعنی وارثین کے واسطے وصیت کرنا مرنے والوں کے لیے جائز نہیں ہے ہاں جب تمام وارثین بخوشی اجازت دیدیں تو جائز ہے) اور ان چیزوں کے علاوہ بہت سی چیزیں ہیں جن میں اجتماع نہیں ہوتا ہے جو اپنی اپنی جگہ پر انشاء اللہ آئے گی۔

اور جس شخص کے سر میں اس قدر درد ہو رہا ہو کہ وضو کرنے کی حالت میں سر کے مسح کرنے پر قادر نہیں ہے اور غسل کرنے کی حالت میں اس کو دھونے پر قادر نہیں ہے تو اس مسئلہ کے متعلق فیض میں غریب الروایہ سے نقل کیا ہے کہ وہ وضو اور غسل کے بدلہ میں تیمم کرے گا اور قاری ہدایہ علامہ سراج الدین شیخ المحقق ابن الہمام نے فتویٰ دیا ہے کہ اس سے سر کے مسح کی فرضیت ساقط ہوجائے گی۔ اور اگر اس کے سر پہ پٹی بندھی ہے تو اس پر جوازِ مسح کے متعلق دو روایتیں ہیں (ایک روایت ہے کہ اس پر مسح کرلے دوسری روایت ہے کہ مسح نہ کرے) اسی طرح غسل میں سر کے دھونے پر قادر نہ ہو تو سر دھونے کی فرضیت ساقط ہوجائے گی، پس سر کا مسح کرے، اگر چہ پٹی پر ہی کیوں نہ ہو، اور یہ حکم مسح اس صورت میں ہے جب کہ مسح کرنا نقصان نہ دے اور اگر مسح کرنا نقصان دہ ہو تو دھونے کے ساتھ ساتھ مسح کرنا بھی ساقط ہوجائے گا۔ یہ اس شخص کے حکم میں داخل ہوجائے گا جس کا گویا سر ہی نہیں ہے جیسا کہ اس شخص سے مسح ساقط ہوجاتا ہے جس کا حقیقتاً عضو نہ ہو۔

مختصر تشریح حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ تیمم اور دھونا دونوں ایک ساتھ درست نہیں ہے، اس لیے کہ تیمم دھونے کا بدل ہے اور بدل مبدل منہ دونوں کا اجتماع ایک ساتھ نہیں ہوگا، جس طرح حیض اور حمل دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوتے ہیں، یعنی جب عورت حمل سے ہوتی ہے تو حیض کا خون نہیں آتا ہے اور جب حیض کا خون آتا ہے تو حمل سے نہیں ہوتی ہے، اسی طرح جب حیض کا خون آرہا ہو تو اس وقت استحاضہ کا خون نہیں آتا ہے اور جب استحاضہ کا خون آئے گا تو حیض کا نہیں آئے گا۔ اسی طرح جب نفاس کا خون ہوگا تو حیض کا نہ ہوگا اور جب حیض کا ہوگا تو نفاس کا نہ ہوگا۔ اسی طرح زکوٰۃ اور عشر و خراج جمع نہیں ہوتے ہیں یعنی جس مال میں زکوٰۃ واجب ہوگی اس مال میں عشر اور خراج نہ ہوگا اور جس مال میں خراج و عشر واجب ہوگا اس میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ (شامی: ۱/ ۴۳۱)

مسئلہ: اگر کسی نے عشری زمین کی پیداوار سے عشر ادا کردیا یا خراجی زمین کی پیداوار سے خراج ادا کردیا اور بقیہ مال میں تجارت کی نیت کرلی اور اس مال پر پورا سال گذر گیا تو اس پر کسی طرح کی کوئی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے عشری یا خراجی زمین خریدی اور اس سے تجارت کی نیت کرلی اور اس زمین پر ایک سال مکمل گذر گیا تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ (شامی: ۱/ ۴۳۱)

مسئلہ: جو غلام خدمت کے لیے خریدا گیا ہے اس کا فطرہ مالک پر واجب ہے، البتہ اس غلام میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور جو غلام تجارت کی غرض سے خریدا گیا اگر اس پر ایک سال مکمل گذر جائے تو اس کی قیمت کا حساب لگا کر اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی، اس میں فطرہ واجب نہیں ہوگا، پس معلوم ہوا کہ فطرہ اور زکوٰۃ دونوں بیک وقت جمع نہ ہوں گے۔ (شامی: ۱/ ۴۳۱)

مسئلہ: چور کا اگر اولاً ہاتھ کاٹ دیا جائے تو پھر اس کو ضامن نہیں بنایا جائے گا اور اگر چور کو سب سے پہلے ضامن بنا دیا گیا تو پھر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، لہٰذا قطع ید اور ضمان دونوں میں سے ایک ہی نافذ ہوگا دونوں ایک ساتھ نافذ نہ ہوگا۔ (ایضاً)

نہ اُجرت اور ضمان دونوں ایک ساتھ جمع ہو سکتے ہیں مثلاً کسی نے جانور اُجرت پر سواری کے لیے لیا پس اس نے اس پر سواری کی تو اُجرت واجب ہوگئی، اگر جانور بلا تعدی ہلاک ہو جائے تو اس پر کوئی تاوان واجب نہیں ہے لیکن اگر جانور پر کسی دوسرے شخص کو سوار کیا اور جانور ہلاک ہو گیا تو تاوان واجب ہوگا؛ اُجرت واجب نہ ہوگی۔ (شامی: ۱/ ۴۳۲)

مسئلہ: اگر کسی نے جانور کو کرایہ پر لیا متعین مقدار بوجھ لادنے کے لیے، پس متعینہ مقدار سے زیادہ لاد دیا اور جانور میں اس قدر بوجھ اُٹھانے کی طاقت نہ ہو پس جانور ہلاک ہو گیا تو ایسی صورت میں اُجرت اور تاوان دونوں واجب ہوں گے، اُجرت تو بوجھ لادنے کی وجہ سے واجب ہوگی اور تاوان متعینہ مقدار سے زیاد بوجھ لادنے کی وجہ سے واجب ہوگا۔ (ایضاً)

مسئلہ: زانی پر کوڑا اور سنگساری دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے ہیں اس لیے کہ کوڑا تو غیر شادی شدہ کے حق میں ہے اور رجم و سنگساری شادی شدہ زانی کے حق میں ہے لہٰذا دونوں کا ایک ساتھ جمع کرنا ممکن نہیں ہے۔ (ایضاً)

مسئلہ: مہر مثل اور متعین مہر دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے ہیں، مثلاً ایک آدمی کا نکاح مہر متعین کر کے ہوا، اب اس نے خلوت صحیحہ یا موت کے بعد طلاق دی تو جب شوہر مہر ادا کرے گا تو پورا مہر متعین کرے گا، یہی اس پر لازم ہوگا۔ اور اگر خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق کی نوبت آئی تو نصف مہر لازم ہوگا۔ اور اگر نکاح کے وقت مہر متعین نہیں ہوا اور خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق دیدی تو متعہ واجب ہوگا مہر نہیں۔ اور اگر خلوتِ صحیحہ کے بعد طلاق واقع ہوئی تو پھر مہر مثل واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر وطی جائز طریقہ سے ہوئی تو اس پر مہر واجب ہے اور زنا کی شکل میں ہوئی تو حد لازم ہے، پھر اگر وہ زانی شادی شدہ ہے تو رجم ہوگا اور اگر غیر شادی شدہ ہے تو سو کوڑے لگیں گے۔ (شامی: ۱/ ۴۳۲)

مسئلہ: اگر کسی نے اپنی بیوی سے جماع کیا اور بیوی کو مفضاۃ بنا دیا جس کی وجہ سے بیوی مر گئی تو اس صورت میں شوہر پر مفضاۃ بنانے کا تاوان واجب نہ ہوگا بلکہ صرف مہر واجب ہوگا، بشرطیکہ بیوی بالغہ اور قدرت دینے والی ہو، اور اگر بیوی نابالغہ ہے اور جماع پر قدرت نہیں دی ہے بلکہ زبردستی جماع کیا گیا پھر وہ مر گئی تو اس صورت میں شوہر پر کامل دیت ادا کرنی لازم ہوگی، جیسا کہ اس مسئلہ کو شیخ شرنبلالی نے شرح الوہبانیہ میں نقل کیا ہے۔ (شامی: ۱/ ۴۳۲)

قوله أفتى قارئ الهداية: قاری الہدایہ سے مراد علامہ سراج الدین شیخ المحقق ابن الہمام صاحب فتح القدیر ہیں۔ اور ابن الہمام نے جو فتویٰ صادر کیا ہے اس کو البحر الرائق میں جلابی سے نقل کیا ہے۔ اور علامہ ابن شحنہ نے اپنی شرح الوہبانیہ میں اس کو نظم کر دیا ہے اور اس کے متعلق انھوں نے فرمایا کہ یہ نہایت اہم ہے جس کو میں نے نظم کیا ہے، اس لیے کہ اکثر کتابوں میں اس کی غرابت کی وجہ سے موجود نہیں ہے۔ (شامی: ۱/ ۴۳۳)

قوله وعليه جبيرة ففي مسحها قولان: اگر کسی شخص نے سر پر پٹی باندھ رکھی ہو تو اس صورت میں جوازِ مسح اور عدم جوازِ مسح کے متعلق دو قول مروی ہیں، ایک قول یہ ہے کہ مسح کرنا واجب ہے۔ صاحب بدائع الصنائع علامہ کاسانی نے وجوب ہی کے قول کو ترجیح دیا ہے اور صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیم مصری نے وجوب کے قول کو صواب قرار دیا ہے۔ (شامی: ۱/ ۴۳۴)

دوسرا قول یہ ہے کہ اگر سر پر پٹی بندھی ہو تو مسح کرنا واجب نہیں ہے۔ اگر کسی کو غسل جنابت کی ضرورت ہو لیکن سر میں اس قدر شدید درد ہے کہ غسل میں سر دھونے کی بالکل ہمت نہیں ہے تو ایسی صورت میں غسل میں سر دھونا شرعی اعتبار سے ساقط ہو جائے گا اور صرف مسح کر لینا کافی ہوگا۔ اور اگر سر کا مسح کرنا بھی نقصان پہنچاتا ہو تو غسل اور مسح دونوں ہی بالکل ساقط ہو جائیں گے۔ درحقیقت یہ سب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لیے سہولت اور آسانی ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے عظیم انعام واحسان ہے اس کا جس قدر بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے، لیکن بندے کو اپنی بساط کے مطابق ہر وقت شکر الٰہی اور حمد باری میں رطب اللسان رہنا چاہیے۔

واللہ الموفق وھو المعین۔ قد تم بعون اللہ تعالیٰ ترجمۃ باب التیمم والیہ ترجمۃ باب المسح علی الخفین، نسأل اللہ العونَ والتوفیق والسدادَ والھدیٰ۔

بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

جب مصنف علیہ الرحمہ احکامِ وضو، احکامِ غسل اور احکامِ تیمم کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے موزوں پر مسح کرنے کے احکام ومسائل کو بیان فرما رہے ہیں۔ وضو اور تیمم کا ثبوت چونکہ نص قطعی قرآنِ کریم کی آیت شریفہ سے تھا اس لیے اس کے بیان کو مقدم فرمایا اور موزوں پر مسح کرنے کا ثبوت رسول اللہ ﷺ کی متواتر احادیث اور اخبارِ مشہورہ سے ہے اس لیے حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے موزوں پر مسح کرنے کے بیان کو مؤخر فرمایا۔

مسح علی الخفین کی مشروعیت وثبوت

روضۃ المحتاجین میں لکھا ہے کہ ۹ھ میں غزوۂ تبوک کے موقعہ پر خفین پر مسح کی مشروعیت ہوئی ہے۔ مسح علی الخفین کے جواز کا حکم درحقیقت اس امت کی خصائص میں سے ہے، جیسا کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: صَلُّوا فِي خِفَافِكُمْ فَإِنَّ الْيَهُودَ لَا يُصَلُّونَ فِي خِفَافِهِمْ۔ اے مسلمانو! تم اپنے موزوں کے ساتھ نماز پڑھو اس لیے کہ یہود اپنے موزوں میں نماز نہیں ادا کرتے ہیں۔

مسح علی الخفین کا ثبوت احادیث متواترہ، اخبارِ مشہورہ اور اجماعِ امت سے ہے، چناں چہ صاحب ہدایہ برہان الدین مرغینانی فرماتے ہیں کہ مسح علی الخفین کا منکر بدعتی اور فاسق ہے اور اعتقاد کے باوجود عزیمت پر عمل کرتے ہوئے پاؤں کا دھونا باعث اجر وثواب ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے منقول ہے: ما قلتُ بالمسح حتی جاءنی فیہ مثلُ ضوءِ النَّهارِ۔ میں مسح علی الخفین کے جواز کا اس وقت تک قائل نہ ہوا جب تک میرے پاس آفتاب نصف النہار کی طرح واضح دلائل نہ آ گئے۔ نیز حضرت امام

اعظم ابوحنیفہؒ ہی سے منقول ہے کہ جو شخص مسح علی الخفین کے جواز کا قائل نہ ہو میں اس کے بارے میں کفر کا اندیشہ رکھتا ہوں۔ مسح علی الخفین کے جواز وثبوت کو بیان کرتے ہوئے حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ لَيسَ فِي قلبي من المسح شيئ فيه أربعونَ حديثا من أصحاب رسولِ اللّٰہ ﷺ ما رفعوا و مَا وقفوا۔ مسح علی الخفین کے جواز کے بارے میں میرے دل میں ذرہ برابر بھی تردد نہیں ہے اس لیے کہ اس کے جواز پر مرفوع اور غیر مرفوع چالیس روایتیں رسول اللہ ﷺ کے مقدس صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں۔ حضرت امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ستر بدری صحابہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ خفین پر مسح کیا کرتے تھے۔ حضرت امام اعظم کے جلیل القدر تلمیذ رشید اور مایۂ ناز شاگرد حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ يجوز به نسخ الكتابِ لِشهرته۔ یعنی مسح علی الخفین کے متعلق روایتیں اس درجہ مشہور و مستفیض ہیں کہ ان سے کتاب اللہ کے حکم کو منسوخ کیا جا سکتا ہے۔

مسح علی الخفین کے جواز کا اعتقاد رکھنا ایک زمانہ میں اہل السنۃ والجماعۃ کی علامت اور شعار بن گیا تھا۔ چناں چہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مہاجر مدنی نے اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالکؒ میں لکھا ہے کہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے اہل سنت والجماعت کی علامت کے بارے میں معلوم کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا أن تفضل الشيخين شیخین، یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر بن الخطابؓ کی فضیلت کا قائل ہو۔ و تحبُّ الختنين حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ سے عقیدت ومحبت رکھتا ہو۔ و تمسح على الخفين اور خفین پر مسح کرتا ہو۔ (تکمیل الحاجہ: ۲/ ۵۱۴)

أَخَّرَهُ لِثُبُوتِهِ بِالسُّنَّةِ. وَهُوَ لُغَةً إِمْرَارُ الْيَدِ عَلَى الشَّيْءِ. وَشَرْعًا إِصَابَةُ الْبِلَّةِ لِخُفٍّ مَخْصُوصٍ فِي زَمَنٍ مَخْصُوصٍ وَالْخُفُّ شَرْعًا: السَّاتِرُ لِلْكَعْبَيْنِ فَأَكْثَرَ مِنْ جِلْدٍ وَنَحْوِهِ.

ترجمہ مسح علی الخفین کے بیان کو حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے مؤخر اس لیے فرمایا کہ اس کا ثبوت سنت رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ اور مسح کے لغوی معنی کسی چیز پر ہاتھ پھیرنا ہے۔ اور شریعت کی اصطلاح میں تری کو مخصوص موزے پر مخصوص زمانے میں پہنچانا ہے۔ اور شریعت کی اصطلاح میں موزہ اس کو کہتے ہیں جس کا اکثر حصہ چمڑے یا اس جیسی چیز سے بنا ہوا ہو جو دونوں ٹخنوں کو ڈھانکنے والا ہو۔

مختصر تشریح شیخ علامہ علاء الدین حصکفی نے مذکورہ عبارت میں چار باتیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) باب المسح علی الخفین کو بعد میں ذکر کرنے کی وجہ۔ (۲) مسح کی لغوی تعریف۔

(۳) مسح کی شرعی اور اصطلاحی تعریف۔ (۴) خف کی شرعی تعریف۔

(۱) باب المسح على الخفين کو مؤخر کرنے کی وجہ بیان ہو چکی ہے، یعنی وضو اور تیمم کا حکم، چونکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے دونوں ہے اور خفین کا ثبوت صرف سنت رسول اللہ سے ہے اس لیے "الأهم فالأهم" کے قبیل سے مسح علی الخفین کے بیان کو مؤخر فرمایا۔

(۲) مسح کی لغوی تعریف

مَسَحَ یَمْسَحُ (ف) مَسْحًا: مصدر ہے۔ اس کے لغوی معنی امرار الید علی الشیء یعنی کسی بھی چیز پر ہاتھ کو پھیرنا ہے۔

(۳) مسح کی شرعی تعریف

شریعت کی اصطلاح میں مخصوص موزے پر مخصوص زمانہ میں تری کو پہنچانا مسح کہلاتا ہے۔ مخصوص موزہ کی قید لگا کر درحقیقت ان شرائط کی جانب اشارہ فرمایا ہے جو آئندہ آنے والی ہیں، اور فقہ کی جملہ کتابوں میں موجود ہے۔ اور زمن مخصوص کی قید لگا کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ خفین پر مسح مقیم کے لیے ایک دن ایک رات مشروع ہے حدث کے وقت سے۔ اور مسافر کے لیے خفین پہننے کے بعد جب سے حدث لاحق ہوا ہے اس وقت سے تین دن اور تین رات تک مشروع ہے۔

(۴) خف کی شرعی تعریف

شریعت کی اصطلاح میں "خف" اس کو کہا جاتا ہے جو ٹخنوں کو ڈھانکنے والا ہو اور اس کا اکثر چمڑے یا اس کی مانند کسی اور چیز کا ہو، جو پاؤں پر بغیر باندھے رُک جائے اور اس کے ساتھ پیدل کم از کم ایک میل چلنا ممکن ہو اور اس قدر دبیز ہو کہ پانی اندر پیوست نہ ہو سکے، لہٰذا جس چیز کے اندر بھی یہ شرطیں پائی جائیں گی اس کے ساتھ مسح جائز ہے خواہ چمڑا نہ ہو۔

(شَرْطُ مَسْحِهِ) ثَلَاثَةُ أُمُورٍ: الْأَوَّلُ (كَوْنُهُ سَاتِرَ) مَحَلِّ فَرْضِ الْغَسْلِ (الْقَدَمِ مَعَ الْكَعْبِ) أَوْ يَكُونَ نُقْصَانُهُ أَقَلَّ مِنَ الْخَرْقِ الْمَانِعِ، فَيَجُوزُ عَلَى الزَّرْبُولِ لَوْ مَشْدُودًا إِلَّا أَنْ يَظْهَرَ قَدْرُ ثَلَاثَةِ أَصَابِعَ، وَجَوَّزَ مَشَايِخُ سَمَرْقَنْدَ سَتْرَ الْكَعْبَيْنِ بِاللِّفَافَةِ. (وَ) الثَّانِي (كَوْنُهُ مَشْغُولًا بِالرِّجْلِ) لِيَمْنَعَ سِرَايَةَ الْحَدَثِ، فَلَوْ وَاسِعًا فَمَسَحَ عَلَى الزَّائِدِ وَلَمْ يُقَدِّمْ قَدَمَهُ إِلَيْهِ لَمْ يَجُزْ وَلَا يَضُرُّ رُؤْيَةُ رِجْلِهِ مِنْ أَعْلَاهُ. (وَ) الثَّالِثُ (كَوْنُهُ مِمَّا يُمْكِنُ مُتَابَعَةُ الْمَشْيِ) الْمُعْتَادِ (فِيهِ) فَرْسَخًا فَأَكْثَرَ فَلَمْ يَجُزْ عَلَى مُتَّخَذٍ مِنْ زُجَاجٍ وَخَشَبٍ أَوْ حَدِيدٍ (وَهُوَ جَائِزٌ) فَالْغَسْلُ أَفْضَلُ إِلَّا لِتُهْمَةٍ فَهُوَ أَفْضَلُ، بَلْ يَنْبَغِي وُجُوبُهُ عَلَى مَنْ لَيْسَ مَعَهُ إِلَّا مَا يَكْفِيهِ، أَوْ خَافَ فَوْتَ وَقْتٍ أَوْ وُقُوفِ عَرَفَةَ بَحْرٌ. وَفِي الْقُهُسْتَانِيِّ أَنَّهُ رُخْصَةٌ مُسْقِطَةٌ لِلْعَزِيمَةِ، وَلِهَذَا لَوْ صَبَّ الْمَاءَ فِي خُفِّهِ بِنِيَّةِ الْغُسْلِ يَنْبَغِي أَنْ يَصِيرَ آثِمًا

ترجمہ اور موزہ پر مسح کے جائز ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ موزہ قدم کو ٹخنے کے ساتھ چھپانے والا ہو، یعنی جس حصہ کا وضو میں دھونا فرض ہے اس کو ڈھانپ لینے والا ہو، یا اس کی کمی اس سوراخ سے کم ہو جو موزہ پر مسح کو روک دیتا ہو، پس اس جراب پر مسح کرنا جائز ہے جو تاگے یا گھنڈی کا بنا ہوا ہو، اگر وہ باندھا ہوا ہو، البتہ اگر موزہ پاؤں کی چھوٹی تین انگلیوں کے بقدر کھلا ہو تو پھر مسح جائز نہیں ہے اور مشائخ سمرقند نے اس کپڑے پر مسح کو جائز قرار دیا ہے جو پاؤں کے دونوں ٹخنوں کو ڈھانپ لے۔

موزہ پر مسح کے جائز ہونے کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ پورا موزہ پاؤں سے بھرا ہوا ہو تا کہ حدث کے سرایت کرنے سے روکے، چناں چہ اگر موزہ کشادہ اور لمبا ہو اور مسح کرنے والے نے زائد حصہ پر مسح کیا جس کی جانب پاؤں نہیں پہنچا ہے تو اس پر مسح جائز نہ ہوگا، اور موزہ کے اوپر سے پاؤں کا نظر آجانا مسح کے جائز ہونے میں نقصان دہ نہیں ہے۔

موزہ پر مسح کے جائز ہونے کے لیے تیسری شرط یہ ہے کہ وہ موزہ ایسا ہو کہ اس کو پہن کر عادت کے مطابق ایک فرسخ یعنی تین کوس یا اس سے زیادہ چلنا ممکن ہو، لہٰذا اس موزہ پر مسح شرعی اعتبار سے جائز نہیں ہے جو کانچ یا لکڑی یا لوہے کا بنا ہوا ہو، (اس لیے کہ ان چیزوں کے جو موزے ہوں گے ان کو پہن کر آدمی بلا تکلف نہیں چل سکتا ہے) اور جس موزے میں مذکورہ بالا تینوں شرطیں پائی جائیں ان پر مسح کرنا صرف جائز ہے (فرض یا واجب نہیں ہے) لہٰذا موزے پر مسح کرنے کے بجائے پاؤں کا دھونا افضل ہے، لیکن اگر تہمت کا اندیشہ ہو تو مسح کرنا افضل ہے۔ (یعنی مسح نہ کرنے کی صورت میں لوگ رافضی یا خارجی ہونے کی تہمت لگائیں تو پھر خفین پر مسح کرنا ہی افضل ہے، کیونکہ ان دونوں فرقوں کے یہاں مسح علی الخفین مشروع نہیں ہے) ہاں اس شخص کے لیے خفین پر مسح کرنا واجب ہونا چاہئے جس کے پاس اتنا پانی ہے کہ جو مسح کے لیے تو کافی ہے لیکن دونوں پاؤں دھونے کے لیے کافی نہیں ہے، یا اس بات کا ڈر ہے کہ اگر پاؤں دھوئیں گے تو نماز کا وقت نکل جائے گا یا پاؤں دھونے سے وقوف عرفہ فوت ہو جائے گا تو ان کے لیے خفین پر مسح کرنا واجب ہونا چاہئے جیسا کہ یہ مسئلہ البحر الرائق میں مذکور ہے۔ اور قہستانی میں ہے کہ خفین پر مسح کرنا رخصت ہے عزیمت کو ساقط کر دینے والی ہے اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے خف پر دھونے کی نیت سے پانی ڈال لے گا تو اس کو گناہ گار ہونا چاہئے۔

مختصر تشریح حضرت علامہ حصکفیؒ نے عبارتِ مذکورہ میں دو باتیں بیان فرمائی ہیں: (۱) خفین پر مسح کے درست ہونے کی شرطیں۔ (۲) مسح کرنے کا حکم (یعنی خفین پر مسح کرنا صرف اجازت ہے یا واجب ہے یا فرض ہے)۔

خفین پر مسح کے جائز ہونے کی شرطیں

حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے خفین پر مسح کے جائز ہونے کے لیے کل تین شرطیں بیان فرمائی ہیں لیکن کتب فقہ میں حضرات فقہائے کرام نے دس شرطیں لکھی ہیں جو نمبر وار ذیل میں درج ہیں:

۱- خفین ایسے ہوں کہ ٹخنوں سمیت پورے قدم کو چھپالیں۔

۲- خفین قدم کی ہیئت پر بنے ہوئے ہوں اور پیر سے ملے ہوئے ہوں۔

۳- خفین اس قدر مضبوط ہوں کہ ان کو پہن کر جوتے کے بغیر تین میل پیدل چلا جا سکتا ہو۔

۴- خفین ایسے ہوں کہ وہ پیروں پر بغیر باندھے رُک سکیں۔

۵- خفین اتنے موٹے ہوں کہ پیروں تک پانی پہنچنے نہ دیں۔

۶- خفین میں اتنی پھٹن نہ ہو جو مانع مسح ہو۔
۷- خفین کو طہارت کاملہ پر یعنی باقاعدہ وضو کر کے پہنا ہو۔
۸- وہ طہارت تیمم سے حاصل نہ کی گئی ہو۔
۹- مسح کرنے والا شخص جنبی نہ ہو۔
۱۰- اگر پیر کٹا ہوا شخص خفین پر مسح کرنا چاہے تو اس کے لیے شرط یہ ہے کہ کم از کم ہاتھ کی تین چھوٹی انگلی کے بقدر اس کی قدم کے اوپر حصہ باقی ہو۔ (تکمیل الحاجہ: ۲/۵۱۹)

مسئلہ: اگر خفین کشادہ ہیں اور پھیلے ہوئے ہیں کہ اس کے اوپر سے پاؤں نظر آتا ہے تو اس سے کوئی نقصان نہیں ہے اس پر مسح کرنا بالکل جائز ہے۔ ہاں اگر موزہ پاؤں سے بڑا ہے اور لمبا ہے اور مسح زائد حصہ پر کیا جو پاؤں سے متصل نہیں ہے تو مسح جائز نہ ہوگا اس لیے کہ اس نے خالی جگہ پر مسح کیا ہے قدم کی پشت پر مسح نہیں کیا ہے۔ (شامی: ۱/۴۳۹)

مسئلہ: اگر کوئی شخص لکڑی یا کانچ یا لوہے یا کسی اور چیز کا موزہ بنا کر پہن لے جس کو پہن کر بلا تکلف چلا نہ جاسکتا ہو تو اس پر مسح کرنا شرعی اعتبار سے جائز نہیں ہے، اس لیے کہ خفین اس طرح کے ہوں کہ جن کو پہن کر آدمی بلا تکلف تین میل چل سکے۔ اور یہاں ایسا ممکن نہیں ہے اس لیے مسح درست نہیں ہے۔ (شامی: ۱/۴۴۱)

زربول: شام میں ایک قسم کی جراب اور موزہ کو کہتے ہیں جو دونوں ٹخنوں کی جانب سے کھلا ہوا بنتا ہے اور اس میں گھنڈی لگی ہوتی ہے پہننے کے بعد اس کو کس کر باندھ دیتے ہیں، باندھنے کے بعد کھلا ہوا حصہ چھپ جاتا ہے۔ تو اگر زربول پاؤں میں بندھا ہوا ہو تو اس پر مسح کرنا جائز ہے۔ (شامی: ۱/۴۳۷)

خفین پر مسح کرنے کا حکم شرعی

اب یہاں ایک مسئلہ یہ رہ جاتا ہے کہ خفین پر مسح کرنا افضل ہے یا رجلین کو دھونا افضل ہے؟ اس بارے میں سب سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ خفین پر مسح کرنا صرف جائز ہے سنت رسول ﷺ سے ثابت ہے، کوئی فرض اور واجب نہیں ہے۔ اسی لیے احناف کے نزدیک خفین پر مسح کرنے کے بجائے غسل افضل ہے، بشرطیکہ خفین پر مسح کے جائز ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو اور عزیمت پر عمل کرنے کا ثواب ملے گا اس لیے کہ پاؤں کے دھونے میں مشقت زیادہ ہے، مسح کرنے کے مقابلہ میں۔ (شامی: ۱/۴۴۱)

لیکن حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابن المنذرؒ کے نزدیک مسح علی الخفین ہی افضل ہے غسل کے مقابلہ میں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ سب کے سب فضل و کمال کے طالب تھے اس کے باوجود ان حضرات نے غسل کے بجائے مسح کو اختیار فرمایا ہے جو افضلیت کی دلیل ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور اسحٰق بن راہویہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ نیز مسح علی الخفین کی صورت میں روافض اور خوارج کی تردید بھی ہوتی ہے اس لیے مسح ہی افضل ہے، خوارج و روافض کے نزدیک مسح علی الخفین ثابت نہیں ہے۔

(مستفاد تکمیل الحاجہ: ۲/۵۱۷)
مسئلہ: اگر کوئی شخص ایسی جگہ پہنچ گیا ہے کہ مسح علی الخفین نہ کرنے کی صورت میں اس پر روافض یا خوارج ہونے کے بارے میں تہمت لگ سکتی ہے تو ایسی صورت میں اس کے لیے مسح کرنا ہی افضل ہے۔ اور اگر کسی آدمی کے پاس اتنا پانی ہے کہ اگر وہ خفین پر مسح کرے گا تو بقیہ اعضاء کے لیے کافی ہو جائے گا اور اگر پاؤں کو دھوئے گا تو پانی وضو کے لیے کافی نہ ہوگا تو ایسی صورت میں بقیہ اعضاء وضو کو دھوئے اور خفین پر واجبی طور پر مسح کرلے، یا پاؤں دھونے کی صورت میں نماز کا وقت ختم ہوجانے کا اندیشہ ہے تو خفین پر مسح کرنا ہی افضل ہے۔ (شامی: ۱/۴۴۲)
عزیمت: حکم اصلی کا نام عزیمت ہے اس کی بنیاد اعذار پر نہیں ہوتی ہے۔
رُخصت: اس کو کہتے ہیں کہ جس کی بنیاد اعذار پر ہو اور بندوں کی سہولت کے لیے حکم لگایا گیا ہو۔

(بِسُنَّةٍ مَشْهُورَةٍ) فَمُنْكِرُهُ مُبْتَدِعٌ، وَعَلَى رَأْيِ الثَّانِي كَافِرٌ. وَفِي التُّحْفَةِ ثُبُوتُهُ بِالْإِجْمَاعِ، بَلْ بِالتَّوَاتُرِ رُوَاتُهُ أَكْثَرُ مِنْ ثَمَانِينَ مِنْهُمُ الْعَشَرَةُ قُهُسْتَانِيٌّ. وَقِيلَ بِالْكِتَابِ وَرُدَّ بِأَنَّهُ غَيْرُ مُغَيًّا بِالْكَعْبَيْنِ إجْمَاعًا فَالْجَرُّ بِالْجِوَارِ (لِمُحْدِثٍ) ظَاهِرُهُ عَدَمُ جَوَازِهِ لِمُجَدِّدِ الْوُضُوءِ، إلَّا أَنْ يُقَالَ لَمَّا حَصَلَ لَهُ الْقُرْبَةُ بِذَلِكَ صَارَ كَأَنَّهُ مُحْدِثٌ (لَا لِجُنُبٍ) وَحَائِضٍ، وَالْمَنْفِيُّ لَا يَلْزَمُ تَصْوِيرُهُ، وَفِيهِ أَنَّ النَّفْيَ الشَّرْعِيَّ يَفْتَقِرُ إلَى إثْبَاتٍ عَقْلِيٍّ، ثُمَّ ظَاهِرُهُ جَوَازُ مَسْحِ مُغْتَسِلِ جُمُعَةٍ وَنَحْوِهِ، وَلَيْسَ كَذَلِكَ عَلَى مَا فِي الْمَبْسُوطِ، وَلَا يَبْعُدُ أَنْ يُجْعَلَ فِي حُكْمِهِ فَالْأَحْسَنُ لِمُتَوَضِّئٍ لَا لِمُغْتَسِلٍ.

ترجمہ: مسح علی الخفین کے جواز کا ثبوت سنت مشہورہ سے ہے، پس مسح علی الخفین کے جواز کا انکار کرنے والا بدعتی ہوگا۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کی رائے کے مطابق ایسا شخص کافر ہوگا۔ اور تحفہ میں ہے کہ مسح علی الخفین کے جواز کا ثبوت اجماع امت سے بلکہ تواتر سے ہے۔ مسح علی الخفین کے بیان کرنے والے صحابی اسّی سے زیادہ ہیں ان میں عشرہ مبشرہ بھی داخل ہیں۔ یہ بات قہستانی میں مذکور ہے۔ اور ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ مسح علی الخفین کا ثبوت کتاب اللہ سے بھی ہے اور اس قول کا رد اس طرح کیا گیا ہے کہ مسح علی الخفین کی غایت بالاتفاق ٹخنے نہیں ہیں لہٰذا قرآن شریف میں "أرجلكم" پر جو زیر ہے وہ زیر جوار ہے۔
مسح علی الخفین بے وضو شخص کے لیے جائز ہے۔ اس عبارت کا ظاہری تقاضہ یہ ہے کہ وضو رہتے ہوئے نیا وضو کرنے والے کے لیے مسح علی الخفین جائز نہیں ہے مگر یہ کہ کہا جائے کہ وضو پر وضو کرنے والے کو چونکہ ثواب حاصل ہوا ہے اس لیے وہ اس شخص کی درجہ میں ہو گیا جس کا وضو نہ ہو۔ جنبی مرد و عورت اور حائضہ عورت کے لیے خفین پر مسح کرنا جائز نہیں ہے (جن لوگوں پر غسل حیض، نفاس یا جنابت کی وجہ سے فرض ہے ان کے لیے خفین پر مسح کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ غسل فرض میں پورے بدن کا دھونا لازم ہے اور مسح میں یہ بات حاصل نہیں ہوتی ہے) اور جن چیزوں کی نفی ہوگئی ہو (یعنی جن صورتوں میں خفین پر مسح کرنا جائز نہیں) ان کو بیان کرنا لازم نہیں ہے

اور اس میں یہ بات ہے کہ شرعی نفی اثبات عقل کی محتاج ہوتی ہے۔ شارح کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ اور اس جیسے غسل کرنے والے کے لیے خفین پر مسح کرنا جائز ہے، حالانکہ مبسوط میں جو کچھ مذکور ہے اس سے ایسا معلوم نہیں ہوتا ہے اور جمعہ وغیرہ کے واسطے غسل کرنے والے کو جنابت سے غسل کرنے والے کے حکم میں ٹھہرانا کوئی بعید نہیں ہے، پس بہتر عبارت یہ ہے کہ لمتوضیء لا لمغتسل کہا جائے۔ یعنی لِمحدث لا لجنب کی جگہ اگر لمتوضئ لا لمغتسل کہا جائے تو یہ زیادہ بہتر عبارت ہوگی۔

مختصر تشریح عبارتِ مذکورہ میں علامہ حصکفی نے یہ بیان فرمایا ہے کہ مسح علی الخفین کا ثبوت کہاں سے ہے؟ دوسرا مسئلہ یہ بیان فرمایا ہے کہ کن لوگوں کے لیے مسح علی الخفین جائز ہے اور کن لوگوں کے واسطے مسح علی الخفین ناجائز ہے۔ تو پہلے مسئلے کے متعلق باب کے شروع میں کلام آچکا ہے کہ مسح علی الخفین کی مشروعیت کن دلائل سے ہے۔ بعض حضرات نے قرآنِ کریم سے بھی مسح علی الخفین کے جواز کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، چناں چہ فرمایا کہ اَرجلکم میں بکسر اللام اور فتح اللام دونوں قرأتیں ہیں، تو اگر اس کو ارجلِکم لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھیں تو اس صورت میں اس کا عطف برؤسکم پر ہوگا۔ لہٰذا جس طرح رؤس پر مسح جائز ہوگا اسی طرح خفین پہنے کی حالت میں رجلین پر بھی مسح جائز ہوگا مگر یہ قول ضعیف ہے۔ علماء نے اس قول کا یہ کہہ کر رد فرمادیا ہے کہ اگر آیتِ کریمہ سے خفین پر مسح کا جائز ہونا ثابت ہوتا تو مغیا ٹخنے نہ ہوتے اس لیے کہ خفین پر مسح ٹخنے تک نہیں ہوتا ہے لہٰذا زیر والی قرأت کا صحیح جواب یہ ہے کہ یہاں جر، جر جوار ہے، یعنی پڑوس میں ہونے کی وجہ سے اس پر جر آ گیا ہے۔ اور اس کا عطف اعضاء مغسولہ وُجوھَکُمْ وَ اَیدِیَکُمْ پر ہے۔

حدیث مشہور کی تعریف

فن اصولِ حدیث میں حدیث مشہور اس کو کہتے ہیں کہ جس کے روایت کرنے والے ہر زمانے میں یا ہر طبقہ میں دو یا دو سے زیادہ ہوں مگر وہ تواتر کی حد تک نہ پہنچے ہوں۔ (شامی: ۱/ ۴۴۶)

اور علمائے اصولِ فقہ کے نزدیک حدیث مشہور کی تعریف یہ ہے کہ جس کے روایت کرنے والے قرنِ اوّل یعنی صحابہؓ کے دور میں ایک یا دو ہوں پھر صحابہ کے بعد اس کو روایت کرنے والی اتنی بڑی قوم ہو کہ ان کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا محال ہو۔ اور اگر روایت کرنے والوں کی تعداد صحابہ کے دور میں اس درجہ کثرت سے ہو کہ ان کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا محال ہو تو اس کو حدیث متواتر کہتے ہیں۔ اور قرنِ اوّل اور قرنِ ثانی میں روایت کرنے والے لوگ ایک دو ہوں تو وہ خبر واحد کہلاتی ہے۔ (شامی: ۱/ ۴۴۶)

قولہ بالاجماع: یعنی مسح علی الخفین کا ثبوت اجماع امت سے بھی ہے، لیکن یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسح علی الخفین کے جواز پر اجماع کا دعویٰ کرنا درست نہیں ہے اس لیے کہ روافض اور خوارج مسح کا انکار کرتے ہیں۔ نیز حضرات صحابہ کرام میں حضرت ابن عباس، ابوہریرہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم مسح علی الخفین کے قائل نہ تھے لہٰذا اجماع کا دعویٰ کس قدر درست ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس بارے میں روافض اور خوارج کا اختلاف ہے تو ان کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور

اس کی وجہ سے اجماعِ صحابہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ رہا حضراتِ صحابہ کرامؓ میں سے چند صحابہ کا قائل نہ ہونا تو ان حضرات سے بسند صحیح رجوع ثابت ہے، لہٰذا ان کو استدلال میں پیش کرنا درست نہیں ہے۔ (شامی: ۱/۴۴۶)

قولہ لمحدث: بے وضو مرد اور عورت کے لیے مسح علی الخفین جائز ہے، یعنی اگر کسی شخص نے باقاعدہ وضو کر کے طہارت کاملہ پر خفین پہنا ہو پھر حدث لاحق ہو جائے تو اس کے لیے خفین پر مسح کرنا جائز ہے، لیکن اگر کسی کو جنابت پیش آ جائے خواہ مرد ہو یا عورت، یا عورت حیض ونفاس سے پاک ہونے کے لیے غسل کرنے جا رہی ہو تو اس کے لیے خفین پر مسح کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ غسل فرض میں جسم کے تمام حصوں کو دھونا فرض ہے اور مسح کرنے کی صورت میں تمام بدن کا دھونا نہیں پایا جا رہا ہے اس لیے جنبی کے لیے خفین پر مسح کرنا درست نہیں ہے۔

قولہ ثم ظاهره جواز مسح مغتسل جمعة الخ: اس عبارت سے علامہ حصکفی بیان فرماتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے جو "لا لجنب" فرمایا، یعنی جنابت کے غسل کرنے والے کے لیے خفین پر مسح کرنا درست نہیں ہے تو اس کلام کا ظاہری تقاضہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جنابت کے علاوہ جمعہ، عیدین کا غسل کرے یا غسل تبرید کرے تو اس کے لیے مسح کرنا موزہ پر درست ہو حالانکہ یہ بات امام محمد کی کتاب مبسوط سے معلوم نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی یہ بات بعید ہے کہ جمعہ وعیدین کے غسل کرنے والوں کو جنابت کے غسل کرنے والوں کے ساتھ لاحق کر دیا جائے اس لیے بہتر یہ تھا کہ مصنف لِمُحدث لا لجنب کے بجائے لِمتوضئ لا لِمغتسل فرماتے، تاکہ یہ اشکال وارد نہ ہوتا اور جدید وضو کرنے والوں کے لیے بھی یہ حکم شامل ہو جاتا ورنہ بظاہر محدث کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ تازہ وضو کرنے والوں کے لیے خفین پر مسح جائز نہ ہوگا، حالانکہ ایسی بات نہیں ہے بلکہ تازہ وضو کرنے والوں کے لیے بھی بلا کسی روک ٹوک کے مسح علی الخفین درست ہے۔ (شامی: ۱/۴۴۸)

وَالسُّنَّةُ أَنْ يَخُطَّهُ (خُطُوطًا بِأَصَابِعِ) يَدٍ (مُفَرَّجَةٍ) قَلِيلًا (يَبْدَأُ مِنْ) قِبَلِ (أَصَابِعِ رِجْلِهِ) مُتَوَجِّهًا (إِلَى) أَصْلِ (السَّاقِ) وَمَحَلُّهُ (عَلَى ظَاهِرِ خُفَّيْهِ) مِنْ رُءُوسِ أَصَابِعِهِ إِلَى مَعْقِدِ الشِّرَاكِ؛ وَيُسْتَحَبُّ الْجَمْعُ بَيْنَ ظَاهِرٍ وَبَاطِنٍ طَاهِرٍ (أَوْ جُرْمُوقَيْهِ) وَلَوْ فَوْقَ خُفٍّ أَوْ لِفَافَةٍ، وَلَا اعْتِبَارَ بِمَا فِي فَتَاوَى الشَّافِيِّ؛ لِأَنَّهُ رَجُلٌ مَجْهُولٌ لَا يُقَلَّدُ فِيمَا خَالَفَ النُّقُولَ (أَوْ جَوْرَبَيْهِ) وَلَوْ مِنْ غَزْلٍ أَوْ شَعْرٍ (الثَّخِينَيْنِ) بِحَيْثُ يَمْشِي فَرْسَخًا وَيَثْبُتُ عَلَى السَّاقِ وَلَا يُرَى مَا تَحْتَهُ وَلَا يَشِفُّ إِلَّا أَنْ يَنْفُذَ إِلَى الْخُفِّ قَدْرَ الْفَرْضِ. وَلَوْ نَزَعَ مُوقَيْهِ أَعَادَ مَسْحَ خُفَّيْهِ. وَلَوْ نَزَعَ أَحَدَهُمَا مَسَحَ الْخُفَّ وَالْمُوقَ الْبَاقِيَ. وَلَوْ أَدْخَلَ يَدَهُ تَحْتَهُمَا وَمَسَحَ خُفَّيْهِ لَمْ يَجُزْ. (وَالْمُنْعَلَيْنِ) بِسُكُونِ النُّونِ: مَا جُعِلَ عَلَى أَسْفَلِهِ جِلْدَةٌ (وَالْمُجَلَّدَيْنِ مَرَّةً وَلَوْ امْرَأَةً) أَوْ خُنْثَى (مَلْبُوسَيْنِ عَلَى طُهْرٍ) فَلَوْ أَحْدَثَ وَمَسَحَ بِخُفَّيْهِ أَوْ لَمْ يَمْسَحْ فَلَبِسَ مُوقَهُ لَا يَمْسَحُ عَلَيْهِ (تَامٍّ) خَرَجَ النَّاقِصُ حَقِيقَةً كَلُمْعَةٍ، أَوْ مَعْنًى كَتَيَمُّمٍ

وَمَعْذُورٌ فَإِنَّهُ يَمْسَحُ فِي الْوَقْتِ فَقَطْ إِلَّا إِذَا تَوَضَّأَ وَلَبِسَ عَلَى الْإِنْقِطَاعِ الصَّحِيحِ (عِنْدَ الْحَدَثِ) فَلَوْ تَخَفَّفَ الْمُحْدِثُ ثُمَّ خَاضَ الْمَاءَ فَابْتَلَّ قَدَمَاهُ ثُمَّ تَمَّمَ وُضُوءَهُ ثُمَّ أَحْدَثَ جَازَ أَنْ يَمْسَحَ (يَوْمًا وَلَيْلَةً لِمُقِيمٍ، وَثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهَا لِمُسَافِرٍ) وَابْتِدَاءُ الْمُدَّةِ (مِنْ وَقْتِ الْحَدَثِ) فَقَدْ يَمْسَحُ الْمُقِيمُ سِتًّا، وَقَدْ لَا يَتَمَكَّنُ إِلَّا مِنْ أَرْبَعٍ كَمَنْ تَوَضَّأَ وَتَخَفَّفَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَمَّا طَلَعَ صَلَّى فَلَمَّا تَشَهَّدَ أَحْدَثَ. (لَا) يَجُوزُ (عَلَى عِمَامَةٍ وَقَلَنْسُوَةٍ وَبُرْقُعٍ وَقُفَّازَيْنِ) لِعَدَمِ الْحَرَجِ.

ترجمہ: اور خفین پر مسح کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ کی انگلیوں کو تھوڑا کھول کر پاؤں کی انگلیوں کے سرے کی جانب سے پنڈلیوں تک کھینچے۔ اور مسح کرنے کا محل خفین کا ظاہری حصہ ہے انگلیوں کے سرے سے لے کر تسمہ باندھنے تک۔ اور مستحب یہ ہے کہ خفین کے اوپر اور اندر دونوں حصہ مسح میں جمع کرلے (یعنی خفین کے تلوے کی جانب بھی مسح کرے) جس طرح خفین کے اوپری حصہ پر مسح کرنا جائز ہے اسی طرح جرموقین پر بھی مسح جائز ہے، اگرچہ یہ جرموق خفین کے اوپر یا اس کپڑے پر ہوں جو پاؤں پر لپٹا ہوا ہو۔ اور فتاویٰ شاذیہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ لائق اعتبار نہیں ہے اس لیے کہ شاذی ایک مجہول شخص ہے جس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا ہے، لہٰذا اس کی جو بات منقولات مذہب کے مخالف ہو وہ تسلیم نہیں کی جائے گی۔

اور مسح جوربین پر جائز ہے بشرطیکہ وہ اس قدر گاڑھے ہوں کہ ان کو پہن کر تین میل پیدل چل سکے۔ اور خود بخود پاؤں پر بغیر باندھے رُکے رہیں۔ اور اس کے نیچے جو کچھ ہے وہ نظر نہ آئے۔ اور نہ اس میں پانی اندر تک جذب کرے اگرچہ وہ سوت یا بال کے کیوں نہ بنے ہوں۔ ہاں اگر جورب کے اندر پانی بقدر فرض چلا جائے تو اس وقت بھی جورب پر مسح جائز ہے۔ اگر کسی نے اپنے دونوں جرموق کو موزے پر سے اُتار دیا تو اب اس پر لازم ہے کہ اپنے خف پر دوبارہ مسح کرے (پہلا جرموق والا مسح کافی نہ ہوگا) اور اگر دونوں جرموق میں سے ایک جرموق اتارا تو اس صورت میں دونوں خف کا مسح جاتا رہے گا، لہٰذا خف اور باقی رہنے والے جرموق کا مسح کرے۔ اور اگر کسی نے اپنا ہاتھ دونوں جرموقوں کے اندر داخل کیا اور اپنے دونوں خف کا مسح کیا تو یہ جائز نہ ہوگا (اس لیے کہ اس صورت میں حدث کی جگہ جرموق کا ظاہری حصہ ہے نہ کہ موزہ کے اندر کا حصہ) اور منعل پیتابوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ منعل: نون کے سکون کے ساتھ منقول ہے۔ اور منعل اس پیتابہ کو کہتے ہیں جس کے صرف تلوے والے حصہ میں چمڑا لگا ہو، اوپر کی جانب چمڑا لگا نہ ہو، اور چمڑے والے پیتابوں پر مسح جائز ہے (مجلد اس پیتابہ کو کہا جاتا ہے جس کے اوپر اور نیچے دونوں جانب چمڑا لگا ہوا ہو)۔

خفین پر مسح صرف ایک بار مشروع ہے اور محدث کے لیے مشروع ہے خواہ محدث عورت یا خنثیٰ ہی کیوں نہ ہو، بشرطیکہ خفین کو طہارت کاملہ پر پہنا گیا ہو، پس اگر خفین پہننے والا شخص حدث لاحق کیا اور اس کا وضو ٹوٹ گیا پھر اس نے اپنے خفین پر مسح کیا، یا مسح نہ کیا لیکن اس نے دونوں جرموق پہنے تو اس صورت میں جرموقین پر مسح نہ کرے (اس لیے کہ اس نے جرموقین کو طہارت پر نہیں پہنا ہے اس صورت میں وہ خفین ہی پر مسح کرے) اس لیے کہ خفین طہارت کاملہ پر پہنے گئے تھے، اور طہارت میں تام کی

شرط لگانے سے طہارت ناقص حقیقی جیسے اعضاءِ وضو میں کوئی حصہ خشک رہ گیا اور طہارت ناقص معنوی جیسے تیمم کرنے والے اور معذور کی طہارت دونوں خارج ہو گئے، اس لیے کہ معذور شخص صرف وقت میں مسح کرے گا۔ لیکن جب معذور عذر کے ختم ہو جانے کے بعد وضو کرے اور پھر خفین پہنے تو وہ تندرست شخص کے حکم میں ہے۔ اور کامل طہارت کی جو شرط لگائی ہے وہ حدث کے وقت ہونی چاہئے، لہٰذا اگر محدث شخص نے خفین پہنا پھر وہ پانی کے اندر گھسا جس کی وجہ سے اس کے دونوں پاؤں بھیگ گئے، پھر اس نے بقیہ اعضاءِ وضو کو مکمل کیا پھر اس کے بعد حدث لاحق کر دیا تو اس کے لیے اب خفین پر مسح کرنا جائز ہے اس لیے کہ حدث کے وقت کامل طہارت موجود ہے اور یہی شرط ہے اگرچہ خفین کے پہنتے وقت یہاں کامل طہارت نہیں ہے۔

مقیم شخص ایک دن اور ایک رات مسح کرے گا اور مسافر شخص تین دن اور تین رات مسح کرے گا۔ اور خفین پر مسح کرنے کی مدت کا آغاز حدث کے وقت سے ہوگا، پس مقیم شخص کبھی چھ نمازوں میں خفین پر مسح کرے گا اور کبھی چار نمازوں سے زیادہ پر قادر نہیں ہوگا، مثلاً کسی نے وضو کیا اور فجر سے پہلے خفین پہنا پھر جب صبح ہو چکی تو اس نے صبح کی نماز پڑھنی شروع کی، پس جب وہ شخص دو رکعت پڑھ کر تشہد میں بیٹھا اور التحیات پڑھ لیا تو وضو ٹوٹ گیا تو اب وہ شخص صرف چار نمازوں ہی میں خفین پر مسح کر پائے گا۔

عمامہ، ٹوپی، برقعہ اور دستانوں پر مسح جائز نہیں ہے اس لیے کہ اس میں کوئی حرج اور مشقت نہیں ہے کہ مسح کی اجازت دی جائے۔

مختصر تشریح مذکورہ بالا عبارت میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ سات باتیں بیان فرما رہے ہیں: (۱) مسح علی الخفین کا مسنون طریقہ۔ (۲) مسح علی الخفین کا محل۔ (۳) کن کن چیزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ (۴) مسح علی الخفین کے درست ہونے کے لیے خفین کا طہارتِ کاملہ پر پہننا شرط ہے۔ (۵) طہارتِ کاملہ کا اعتبار حدث کے وقت سے ہے۔ (۶) مسافر اور مقیم کے لیے مسح علی الخفین کی مدت۔ (۷) مدت کا اعتبار کب سے ہوگا۔ اب ہم ان میں سے ہر ایک کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

مسح علی الخفین کا مسنون طریقہ

خفین پر مسح کرنے کا مسنون طریقہ کیا ہے اس کے متعلق علامہ شامیؒ نے شرح جامع صغیر کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیاں اپنے داہنے موزے کی انگلیوں کے سرے پر رکھے اور اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں موزے کے سرے پر رکھے، پھر انگلیوں کی طرف سے ان دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو کھینچتا ہوا پنڈلی کی جڑ تک لائے ٹخنوں کے اوپر سے، اس لیے کہ ٹخنوں کو وضو میں دھونا فرض ہے، لیکن یہاں ٹخنوں کا مسح کرنا سنت ہے۔ اور اگر انگلیوں کے ساتھ کسی نے مسح کرتے وقت دونوں ہتھیلیوں کو بھی رکھا تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے بلکہ افضل ہے محمد بن حسن سے اسی طرح مروی ہے۔ (شامی: ۱/ ۴۴۸)

مسئلہ: مسح علی الخفین میں داہنے کی جانب سے ابتداء کرنا مسنون نہیں ہے جیسا کہ دونوں کانوں کے مسح کرتے وقت تیامن مسنون نہیں ہے البتہ مستحب ہے کہ مسح ہاتھ کے اندرون حصہ کی جانب سے کیا جائے نہ کہ اوپر کی جانب سے۔ (شامی: ۱/ ۴۴۸)

مسح علی الخفین کا محل

قولہ ویستحب الجمع: اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خفین کے ظاہر و باطن دونوں حصوں کو مسح میں شریک کر لینا مستحب ہے اور احناف کا یہ مذہب ہے، حالانکہ علامہ شامی کی تحقیق کے مطابق احناف کے نزدیک خفین کے ظاہر و باطن کا مسح نہ مستحب ہے نہ مسنون، بلکہ احناف اور حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک صرف خفین کے ظاہری حصہ پر مشروع ہے نہ کہ خفین کے نچلے حصہ میں، اس سلسلے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشادِ گرامی ہے: لَوْ كَانَ الدِّينُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ أَسْفَلُ الخُفِّ أَوْلَى بِالمَسْحِ عَلَيْهِ مِنْ ظَاهِرِهِ وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَمْسَحُ عَلَى الخُفَّيْنِ عَلَى ظَاهِرِهِمَا۔ اگر دین کی بنیاد رائے اور عقل پر ہوتی تو بلاشبہ موزے کے نچلے حصہ پر مسح اس کے اوپری حصہ سے مقدم ہوتا، حالانکہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ کو دیکھا کہ موزے کے ظاہری حصہ پر مسح فرمایا کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد، امام احمد بن حنبلؒ اور امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کے متعلق "حسن صحیح" فرمایا ہے۔ (شامی: ۱/۴۵۰)

شارح علیہ الرحمہ نے ظاہر و باطن کے جمع کرنے کو مستحب لکھا ہے یہ درحقیقت حضرت امام شافعیؒ کا مذہب ہے اور یَستحبُ کے اندر جو ضمیر غائب ہے اس کا مرجع درحقیقت حضرت امام شافعیؒ ہیں۔ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ایسا ہی مذکور ہے۔ اور حلیہ میں لکھا ہے کہ ہمارے احناف علماء کے نزدیک خفین کے اوپری حصہ کے علاوہ باطنی حصہ مسح کا محل ہی نہیں ہے نہ فرض مسح میں اور نہ مسنون مسح میں۔ اور حضرت امام شافعیؒ نے جس روایت سے استدلال فرمایا ہے وہ درحقیقت شاذ ہے، محدثین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، پس خلاصۂ بحث یہ ہے کہ ظاہر و باطن میں جمع کا مستحب ہونا ہمارے بعض مشائخ کا قول ہے احناف کا مذہب نہیں ہے۔ (شامی: ۱/۴۴۹-۴۵۰)

کن کن چیزوں پر مسح کرنا جائز ہے

قولہ أو جرموقیہ: اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جرموق، جورب، مُجَنَّین، منعل اور مجلد پر مسح کرنا شرعاً جائز ہے۔ جرموق درحقیقت چمڑے کا تھیلا ہوتا ہے جو موزے کے اوپر موزے کی حفاظت کے لئے پہنا جاتا ہے تاکہ موزے میں کیچڑ وغیرہ نہ لگے۔

مسئلہ: جرموق اگر چمڑے کا ہے یا اسی طرح کسی گاڑھی مضبوط چیز کا ہے تو اس پر مسح کرنا جائز ہے، خواہ اس کو کسی نے موزے پر پہن رکھا ہو یا صرف اسی کو بغیر موزے کے پہن رکھا ہو۔ دونوں صورت میں جرموق پر مسح کرنا جائز ہے، اور اگر جرموق کپڑے کا ہے اور صرف اسی کو پہن رکھا ہے تو اس صورت میں مسح جائز ہی نہیں ہے۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جائز نہیں ہے جب اس کو موزے پر پہن رکھا ہو اور مسح کی تری موزے تک نہ پہنچ سکے۔ ہاں اگر مسح کی تری خفین تک پہنچ جائے تو پھر مسح کرنا درست ہے۔ (شامی: ۱/۴۵۰)

مسئلہ: جورب ثخین پر مسح کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس کو پہن کر تین میل پیدل چلنا ممکن ہو اور وہ جراب پنڈلی پر بغیر باندھے خود بخود رکا ہو، اور وہ ایسا ہو کہ اس کے اندر کی چیز نظر نہ آئے اور نہ اس میں پانی سرایت کر کے اندر چلا جائے اور نفوذ بقدر فرض مقدار موزے تک پہنچے، ان چار شرطوں کے ساتھ جراب پر مسح کرنا جائز ہے، اگر یہ چاروں شرطیں موجود نہ ہوں تو پھر مسح جورب پر جائز نہیں ہے۔ (شامی: ۱/ ۴۵۱)

مسئلہ: منعل جرابوں پر بھی مسح جائز ہے۔ منعل جراب اس کو کہتے ہیں جس کے صرف تلوے والے حصہ پر چمڑا لگا یا گیا ہو، ٹخنوں پر چمڑا لگا نہ ہو۔ منعل جراب نعل قدم کی طرح ہوتا ہے، ظاہر روایہ بھی یہی ہے۔ اور حضرت حسن بن زیاد کے قول کے مطابق منعل اس جراب کو کہتے ہیں جس میں ٹخنوں تک چمڑا لگا ہوا ہو۔ (شامی: ۱/ ۴۵۲)

مسئلہ: مجلد جراب پر بھی شرعی اعتبار سے مسح کرنا جائز ہے۔ اور مجلد اس جراب کو کہتے ہیں جس کے اوپر اور نیچے دونوں جانب چمڑا لگا ہوا ہو۔ مجلد اور منعل جراب پر عندالاحناف تو بالاتفاق مسح کرنا جائز ہے، البتہ جورب ثخین پر حضرات صاحبین کے نزدیک مسح جائز ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک جورث ثخین پر مسح جائز نہیں ہے، لیکن یہ بات صحیح طور پر ثابت ہے کہ حضرت امام اعظمؒ نے اپنے قول سے رجوع فرمالیا ہے اور اب اس بات پر فتویٰ ہے کہ جورب ثخین پر مسح کرنا بالاتفاق جائز ہے۔ (شامی: ۱/ ۴۵۲)

قولہ مرۃ: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ خفین پر مسح کرنا صرف ایک مرتبہ سنت ہے، سر کے مسح کی طرح تین مرتبہ تکرار کرنا مسنون نہیں ہے۔ لہٰذا خفین پر ایک سے زیادہ مرتبہ مسح کرنا سنت نہیں ہے بلکہ خلاف سنت ہے اس لیے تکرار مسح علی الخفین سے احتراز کرنا چاہئے۔ (شامی: ۱/ ۴۵۳)

خفین پر مسح کے جائز ہونے کے لیے طہارتِ کاملہ شرط ہے

قولہ ملبوسین علی طُهر: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ خفین پر مسح اس وقت درست اور شرعی اعتبار سے جائز ہوگا جب خفین کو طہارت پر پہنا گیا ہو، لہٰذا اگر کوئی شخص خفین کو طہارتِ ناقصہ حقیقیہ جیسے وضو کرتے وقت اعضائے وضو میں سے کوئی حصہ خشک رہ گیا، یا طہارت ناقصہ معنویہ جیسے تیمم کرنے والے اور معذور کی طہارت یہ ناقصہ معنویہ ہے، لہٰذا اس طہارت کے ساتھ خفین پر مسح کرنا جائز نہ ہوگا، یعنی اگر کسی شخص نے تیمم کرنے کے بعد خفین پہنا، اس کے بعد وہ شخص پانی کو پالیا تو اب اس کے لیے خفین پر مسح کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ پیر کا دھونا لازم ہے۔ (شامی: ۱/ ۴۵۳)

مسئلہ: موزہ پہنتے وقت طہارتِ کاملہ ضروری نہیں ہے، بلکہ حدث کے وقت طہارتِ کاملہ ضروری ہے، اگر حدث کے وقت طہارتِ کاملہ موجود نہیں ہے تو پھر اس پر مسح کرنا درست نہیں ہے۔ اب اگر کسی شخص نے بے وضو ہونے کی حالت میں خفین پہنا پھر اس کے بعد وہ پانی کے اندر گھسا جس سے اسکے دونوں پاؤں تر ہو گئے، پھر اس نے اپنا وضو مکمل کیا اس کے بعد حدث لاحق کر دیا تو اب اس کے واسطے خفین پر مسح کرنا جائز ہے، اس لیے کہ حدث کے وقت کامل طہارت پائی گئی ہے اگر چہ خفین پہنتے وقت

کامل طہارت موجود نہ تھی۔ (شامی:۱/۴۵۶)

مسافر اور مقیم کے لیے مدتِ مسح کا بیان

مقیم شخص خفین پر ایک دن اور ایک رات تک مسح کر سکتا ہے۔ اور ایک دن اور ایک رات کا شمار حدث کے وقت سے ہوگا، مثلاً ایک شخص نے ظہر کے وقت طہارت کے ساتھ خفین پہنا اور عصر کے بعد حدث لاحق ہوا تو اب یہ شخص کل عصر کی نماز کو بھی خفین پر مسح کر کے ادا کر سکتا ہے۔

مسئلہ: جو شخص سفر کی حالت میں ہے تو وہ اپنے خفین پر تین دن اور تین رات تک مسح کر سکتا ہے۔ اور یہاں بھی وقت کا شمار حدث کے وقت سے ہوگا، خفین کے پہننے کے وقت سے نہ ہوگا جیسا کہ کتب فقہ میں لکھا ہوا موجود ہے۔

قولہ ستا: کبھی مقیم شخص چھ نمازوں کے لیے بھی خفین پر مسح کر سکتا ہے جس کی صورت یہ ہوگی کہ ایک شخص نے طہارت کے بعد صبح میں خفین پہنا جب فجر خوب روشن ہوئی تو اس کا وضو ٹوٹ گیا، چناں چہ اس شخص نے نماز فجر ادا کرنے کے لیے وضو کیا اور پاؤں دھونے کے بجائے مسح کر لیا اور آفتاب طلوع ہونے سے کچھ قبل نماز فجر ادا کی، اب اس مقیم شخص کی مدت مسح دوسرے دن اسی وقت پر ہوگی، پھر اس نے دوسرے فجر کی نماز فجر کے طلوع کے بعد فوراً ادا کر لی تو اس طرح سے چھ نمازیں ہو جاتی ہیں۔ (شامی:۱/۴۵۷)

عمامہ اور دستانے وغیرہ پر مسح کرنے کا حکم شرعی

عمامہ، برقعہ، دستانہ اور ٹوپی وغیرہ پر مسح کرنا درست نہیں ہے، بلکہ اس کو اُتار کر اعضاء کو دھونا ہی لازم ہے اس لیے کہ اس کے اتارنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان چیزوں پر مسح شارع علیہ السلام سے ثابت ہی نہیں ہے حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ابتداءِ اسلام میں عمامہ پر مسح کرنا مشروع تھا پھر اس کو ترک کر دیا گیا ہے اور اب یہ مشروع نہیں ہے۔ (شامی:۱/۴۵۷)

(وَفَرْضُهُ) عَمَلًا (قَدْرُ ثَلَاثِ أَصَابِعِ الْيَدِ) أَصْغَرِهَا طُولًا وَعَرْضًا مِنْ كُلِّ رِجْلٍ لَا مِنَ الْخُفِّ فَمَنَعُوا فِيهِ مَدَّ الْأُصْبُعِ فَلَوْ مَسَحَ بِرُءُوسِ أَصَابِعِهِ وَجَافَى أُصُولَهَا لَمْ يَجُزْ إِلَّا أَنْ يَبْتَلَّ مِنَ الْخُفِّ عِنْدَ الْوَضْعِ قَدْرُ الْفَرْضِ، قَالَهُ الْمُصَنِّفُ. ثُمَّ قَالَ: وَفِي الذَّخِيرَةِ إِنَّ الْمَاءَ مُتَقَاطِرًا جَازَ وَإِلَّا لَا وَلَوْ قَطَعَ قَدَمَهُ، إِنْ بَقِيَ مِنْ ظَهْرِهِ قَدْرُ الْفَرْضِ مَسَحَ وَإِلَّا غَسَلَ كَمَنْ كَعْبَهُ، وَلَوْ لَهُ رِجْلٌ وَاحِدَةٌ مَسَحَهَا. وَجَازَ مَسْحُ خُفٍّ مَغْصُوبٍ خِلَافًا لِلْحَنَابِلَةِ، كَمَا جَازَ غَسْلُ رِجْلٍ مَغْصُوبَةٍ إِجْمَاعًا. (وَالْخَرْقُ الْكَبِيرُ) بِمُوَحَّدَةٍ أَوْ مُثَلَّثَةٍ (وَهُوَ قَدْرُ ثَلَاثِ أَصَابِعِ الْقَدَمِ الْأَصَاغِرِ) بِكَمَالِهَا وَمَقْطُوعُهَا يُعْتَبَرُ بِأَصَابِعَ مُمَاثِلَةٍ (يَمْنَعُهُ) إِلَّا أَنْ يَكُونَ فَوْقَهُ خُفٌّ آخَرُ أَوْ جُرْمُوقٌ فَيَمْسَحُ عَلَيْهِ، وَهَذَا لَوِ الْخَرْقُ عَلَى غَيْرِ أَصَابِعِهِ وَعَقِبِهِ وَيُرَى مَا تَحْتَهُ، فَلَوْ اعْتُبِرَ الثَّلَاثُ وَلَوْ كِبَارًا، وَلَوْ

عَلَيْهِ أُعْتُبِرَ بُدُوُّ أَكْثَرِهِ، وَلَوْ لَمْ يُرَ الْقَدْرُ الْمَانِعُ عِنْدَ الْمَشْيِ لِصَلَابَتِهِ لَمْ يُمْنَعْ وَإِنْ كَثُرَ كَمَا لَوْ انْفَتَقَتْ الظِّهَارَةُ دُونَ الْبِطَانَةِ (وَتُجْمَعُ الْخُرُوقُ فِي خُفٍّ) وَاحِدٍ (لَا فِيهِمَا) بِشَرْطِ أَنْ يَقَعَ قَدْرُهُ عَلَى الْخُفِّ نَفْسِهِ لَا عَلَى مَا ظَهَرَ مِنْ خَرْقٍ يَسِيرٍ.

ترجمہ اور مسح علی الخفین کا عملی فرض مقدار ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلیوں سے تین انگلیوں کے برابر ہے طول میں بھی اور عرض میں بھی، اور یہ مقدار ہر پاؤں سے ہے نہ کہ ہر خف سے (مطلب یہ ہے کہ مسح علی الخفین کا فرض مقدار ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی ہے خواہ مسح کی ابتداء جس طرف سے بھی ہو البتہ مسنون اور مستحب یہ ہے کہ مسح علی الخفین پاؤں کی انگلی کے سرے کی طرف سے کیا جائے، اور دونوں پاؤں میں الگ الگ تین تین انگلی کے بقدر مسح کرنا فرض ہے، اگر کسی پاؤں میں اس مقدار سے کم کا مسح کیا تو مسح درست نہ ہوگا) حضرات فقہاء کرام نے مسح میں ایک انگلی کو کھینچنے سے منع فرمایا ہے۔ پس اگر کسی نے انگلیوں کے سرے سے مسح کیا اور ان کی جڑوں کو موزوں سے جدا رکھا تو اس صورت میں مسح جائز نہ ہوگا مگر یہ کہ انگلیوں کے رکھنے کے وقت فرض مقدار موزہ تر ہو گیا تو مسح جائز ہوگا۔ حضرت مصنف نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ پھر مصنف علیہ الرحمہ نے شرح میں لکھا ہے اور ذخیرہ میں موجود ہے کہ اگر پانی انگلیوں کے سروں سے ٹپکتا ہے تو مسح جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور اگر کسی شخص کا پاؤں کاٹا گیا تو اگر اس کے قدم کی پشت کی طرف سے بقدر فرض تین انگلیوں کے برابر باقی ہے تو خفین پر مسح کرے اور اگر بقدر فرض پشت قدم باقی نہیں ہے تو وہ شخص دونوں پاؤں کو اس شخص کی طرح دھوئے جس کا پاؤں ٹخنوں سے کاٹ دیا گیا ہو۔ اور اگر کسی شخص کا ایک ہی پاؤں ہے (خواہ پیدائشی طور پر ایک پاؤں ہو یا ایک پاؤں کاٹ دیا گیا) تو اس صورت میں اس کے لیے اس ایک پاؤں پر مسح کرنا جائز ہے۔ اور جو موزہ غصب کر کے پہنا گیا اس پر مسح کرنا جائز ہے جس طرح وضو میں اس پیر کا دھونا فرض ہے جو پیر قصاص کی وجہ سے مستحق قطع ہو چکا ہے (اس کو رجل مغصوب یعنی مغصوب پیر اس لیے کہا گیا ہے کہ جب شرعی طور پر پاؤں کاٹنے کا حکم قاضی کی جانب سے ہو چکا ہے پھر وہ شخص فرار ہو گیا تو گویا اس نے پاؤں کو زبردستی غصب کر لیا ہے، یہ شخص نماز کے واسطے یا کسی اور کام کے واسطے جب بھی وضو کرے گا تو وضو میں پاؤں دھوئے گا)۔

اور خفین میں بہت بڑا پھٹن کا ہو جانا مسح کے جواز کے لیے مانع ہے جس کی مقدار قدم کی چھوٹی انگلیوں سے تین انگلی ہے اور جس شخص کی ساری انگلیاں کٹی ہوئی ہوں تو اس کے لیے دوسرے کی انگلیوں کا اعتبار ہوگا جس کی انگلیاں اس کی انگلیوں کے مماثل اور برابر ہوں۔ اور الخرق الکبیر میں لفظ کبیر باء کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ اور کثیر، ثاء کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ پھٹے ہوئے موزے پر مسح درست نہیں ہے، ہاں مگر جب اس پھٹے ہوئے موزے پر کوئی دوسرا موزہ یا جرموق پہنے ہوئے ہو تو وہ اس پر مسح کرے گا۔ (اس لیے کہ اوپر والے کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ نیچے والے کا)۔ اور انگلیوں میں قدم کی چھوٹی انگلی کا اعتبار اس وقت ہے جب کہ پھٹن اور سوراخ اس کی انگلیوں اور ایڑی کے علاوہ میں ہو اور پھٹن کے نیچے پاؤں نظر آتا ہو۔ اور اگر وہ پھٹن انگلیوں کے اوپر ہو تو مسح کے اس پر جائز

نہ ہونے میں تین انگلیوں کا اعتبار ہے اگر چہ وہ انگلیاں بڑی کیوں نہ ہوں۔ اور اگر وہ موزہ کا پھٹن ایڑی کے اوپر ہوتو اس صورت میں ایڑی کے اکثر حصہ کا کھل جانا معتبر ہے۔ اور اگر موزے کی سختی کی وجہ سے چلتے وقت اس قدر پاؤں کا حصہ نظر نہ آئے جو مسح کے لیے مانع ہے تو وہ پھٹن مسح کے لیے مانع نہ ہوگا گو وہ پھٹن زیادہ ہی کیوں نہ ہو، مسح کے ناجائز ہونے کا سبب نہ بنے گا، جیسا کہ اگر موزہ اوپر کی جانب سے پھٹا ہو کہ اندر کی جانب سے مسح کے لیے مانع نہ ہوگا بلکہ مسح کرنا جائز ہوگا (خواہ استر چمڑے کا ہو یا کپڑے کا موزے میں سلا ہوا)۔ اور اگر ایک موزہ میں مختلف جگہ سے پھٹن ہو تو ان سب کو ایک موزہ میں جمع کیا جائے گا نہ کہ دونوں میں اگر وہ پھٹا ہوا مل کر تین انگلیوں کے بقدر ہو جاتا ہے تو مسح جائز نہیں ہے، لیکن اگر ایک پاؤں کے موزہ میں تین انگلیوں سے کم مقدار میں پھٹا ہوا ہو تو مسح جائز ہے۔ اور اگر یہ تین انگلیوں کی مقدار دونوں موزوں میں ملا کر ہوتی ہے تو بھی مسح جائز ہے۔ اور مسح دونوں موزوں پر اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ مسح کا فرض نفس موزہ پر واقع ہو، اس جگہ پر واقع نہ ہو جو تھوڑا سا پھٹا ہوا ظاہر ہے۔

مختصر تشریح عبارت مذکورہ بالا سے حضرت علامہ حصکفیؒ بنیادی طور پر دو باتیں بیان فرما رہے ہیں: (۱) خفین پر کتنی مقدار میں مسح کرنا فرض ہے۔ (۲) خفین اگر پھٹ جائے تو اس پر مسح کا کیا حکم ہے؟ یہ دو باتیں حضرت شارح علیہ الرحمہ بیان فرما رہے ہیں۔

چناں چہ موصوف فرماتے ہیں کہ ہاتھ کی چھوٹی تین انگلیوں کے بقدر خفین پر مسح کرنا عملاً فرض ہے اگر کوئی شخص تین انگلی سے کم مقدار میں خفین پر مسح کرے تو مسح درست نہ ہوگا، بلکہ دونوں پاؤں میں علیحدہ علیحدہ تین تین انگلیوں کے بقدر مسح فرض ہے اگر کسی پاؤں میں اس مقدار سے کم پر مسح ہوا تو مسح جائز نہ ہوگا، خواہ مجموعی اعتبار سے مسح پورا کیوں نہ ہو جائے، مثلاً اگر کوئی شخص ایک پاؤں کے موزے پر دو انگلی کے برابر مسح کرے اور دوسرے پاؤں کے موزے پر چار انگلی کے بقدر مسح کرے تو مسح شرعی اعتبار سے درست نہ ہوگا۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص ایک انگلی کو تر کر کے اس سے تین انگلی کی بقدر مسح کرے تو یہ مسح جائز نہیں ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایک انگلی سے تین بار اس طرح مسح کرے کہ ہر بار نیا پانی لیا اور الگ الگ مسح کیا تو یہ مسح جائز ہے۔ (شامی: ۱/ ۴۵۸)

مسئلہ: اگر کسی شخص کا ایک پاؤں کٹا ہوا ہے اور دوسرے پاؤں میں موزہ پہن رکھا ہے تو صرف ایک خف پر بھی مسح جائز ہے۔ اور اگر کسی شخص کے دونوں پاؤں کٹ گئے لیکن قدم کی پشت بقدر فرض باقی ہے تو بقدر فرض حصہ پر مسح کرے۔ اور اگر دونوں پاؤں موجود نہیں ہیں تو ایسی صورت میں غسل واجب ہے۔ (شامی: ۱/ ۴۵۹)

پھٹن کی وہ مقدار جو مانع مسح علی الخفین ہے

قولہ والخرق الکبیر: اگر خفین میں خرقِ کبیر ہے تو پھر اس پر شرعی اعتبار سے مسح درست نہیں ہے۔ اور خرقِ کبیر کی مقدار حضراتِ فقہاءِ کرام نے قدم کی چھوٹی انگلی سے پوری تین انگلیوں کے برابر قرار دیا ہے۔ یعنی اگر کسی کا موزہ تین انگلیوں کی مقدار پھٹا ہوا ہے تو شرعی اعتبار سے اس پر مسح جائز نہ ہوگا۔ اور حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے لفظ قدر ثلاث اصابع لا کر اس بات کی

طرف اشارہ فرمایا ہے کہ انگلیوں کا اعتبار نہیں ہے بلکہ انگلیوں کی مقدار کا اعتبار اور شرط ہے۔

قوله بموحدة أو مثلثة: اس جملہ کا اضافہ فرما کر حضرت شارح علیہ الرحمہ نے اس بات کی جانب اشارہ فرمایا ہے کہ یہاں دو طرح کی عبارت منقول ہے ایک تو کبیر باء کے ساتھ ہے اور یہاں لفظ کبیر کو کثیر بھی ثاء کے ساتھ پڑھا گیا ہے، دونوں طرح سے پڑھنا جائز ہے تاہم صاحب النہر الفائق وغیرہ نے شیخ الاسلام خواہر زادہ سے نقل فرمایا ہے کہ الخرق الکبیر ہی اصح ہے، اگر چہ تاویل وغیرہ کے ذریعہ کثیر بھی درست ہو جائے گا۔ (شامی:۱/ ۴۵۹)

مسئلہ: اگر موزے میں پھٹن ایڑی پر ہو اور ایڑی کا اکثر حصہ کھل جائے تو اس صورت میں مسح جائز نہ ہوگا اور اگر خفین کی سختی کی وجہ سے خفین پہن کر چلتے وقت اتنی مقدار ظاہر نہیں ہوتی ہے جو مسح کے جواز کے لیے مانع ہے تو اس پر مسح جائز ہے اگر چہ خفین بہت زیادہ ہی کیوں نہ پھٹا ہو۔ (الدر المختار علی ہامش الشامی:۱/ ۴۶۰)

مسئلہ: اگر کسی ایک موزے میں مختلف جگہ سے پھٹن ہو تو ان سب کو یکجا کیا جائے گا، اگر وہ پھٹی ہوئی مقدار مختلف جگہوں سے مل کر تین انگلیوں کے برابر ہو جاتی ہے تو اس صورت میں اس پر مسح درست نہ ہوگا۔ اور اگر دونوں موزوں میں سے ہر ایک میں کچھ کچھ پھٹن ہو لیکن پھٹن اتنی ہو کہ مسح کے لیے مانع نہ ہو، ہاں اگر دونوں موزوں کے پھٹن کو جمع کیا جائے تو پھٹن اتنی ہو جاتی ہے کہ اس پر شرعی اعتبار سے مسح جائز نہ ہوا گر چہ الگ الگ اعتبار کرنے میں نہ ہوتا ہو تو اس پر مسح جائز اور درست ہوگا۔ (شامی:۱/ ۴۶۰)

(وَأَقَلُّ خَرْقٍ يُجْمَعُ لِيَمْنَعَ) الْمَسْحَ الْحَالِيَّ وَالِاسْتِقْبَالِيَّ كَمَا يَنْقُضُ الْمَاضَوِيَّ قُهُسْتَانِيٌّ. قُلْت: مَرَّ أَنَّ نَاقِضَ التَّيَمُّمِ يَمْنَعُ وَيَرْفَعُ كَنَجَاسَةٍ وَانْكِشَافٍ حَتَّى انْعِقَادَهَا كَمَا سَيَجِيءُ فَلْيُحْفَظْ (مَا تَدْخُلُ فِي الْمِسَلَّةِ لَا مَا دُونَهُ) إلْحَاقًا لَهُ بِمَوَاضِعِ الْخَرْزِ (بِخِلَافِ نَجَاسَةٍ) مُتَفَرِّقَةٍ (وَانْكِشَافِ عَوْرَةٍ) وَطِيبِ مُحْرِمٍ (وَأَعْلَامِ ثَوْبٍ مِنْ حَرِيرٍ) فَإِنَّهَا تُجْمَعُ مُطْلَقًا. (قَوْلُهُ وَاخْتُلِفَ فِي) جَمْعِ خُرُوقِ (أُذُنَيْ أُضْحِيَّةٍ) وَيَنْبَغِي تَرْجِيحُ الْجَمْعِ احْتِيَاطًا

ترجمہ: اور کم پھٹن کو جمع کیا جاتا ہے تا کہ وہ فی الحال مسح اور آئندہ مسح کو روک دے، جس طرح وہ پھٹن گذشتہ مسح کو توڑ ڈالتا ہے، قہستانی میں اسی طرح مذکور ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بات باب التیمم کے تحت گذر چکی ہے کہ جو چیز تیمم کو توڑ ڈالتی ہے وہ ابتدائے تیمم کے لیے بھی مانع ہے اور وہ موجود تیمم کو ختم کر دیتا ہے جس طرح نجاست اور ستر عورت کا کھل جانا ابتدائے نماز کے لیے مانع ہے، اسی طرح دورانِ نماز نجاست کا لگ جانا یا ستر عورت کا کھل جانا بھی نماز کے لیے مانع ہے۔ اور یہ نجاست نماز کے انعقاد کے لیے بھی مانع ہے، جیسا کہ اس کے متعلق آئندہ کلام آئے گا، پس اس کو خوب محفوظ کر لو۔

اور کم پھٹن جو مسح کے ناجائز ہونے کے لیے جمع کیا جاتا ہے اس سے مراد وہ پھٹن ہے جس میں ٹاٹ وغیرہ سینے کے لیے سوا داخل ہو جائے اور جو پھٹن اس سے کم ہے تو وہ معاف ہے، اس لیے کہ یہ سینے کی جگہ کے ساتھ لاحق ہے (اور اگر موزہ میں پھٹن ہو

اور ایک خف میں مختلف جگہ ہوتو اس کو جمع کیا جاتا ہے) باقی متفرق نجاست اور ستر عورت کا کھلنا اور محرم کی خوشبو اور ریشم کے بنے ہوئے نقش ونگار مطلقاً جمع کیا جاتا ہے، خواہ ایک مقام میں ہو یا چند مقامات میں تھوڑے تھوڑے ہوں، نیز نمازی کے بدن کے جس حصہ میں بھی ہو اس کو جمع کیا جائے گا۔

اور قربانی کے جانور کے دونوں کان کے سوراخوں کے جمع کرنے میں حضرات فقہاء کرام کا اختلاف ہے (ایک قول یہ ہے کہ دونوں سوراخوں کو جمع کیا جائے گا، چناں چہ اگر وہ سوراخ ایک کان کے تہائی سے زیادہ ہو تو اس کی قربانی جائز نہ ہوگی۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں کانوں کے سوراخوں کو ایک ساتھ جمع نہ کیا جائے گا ہاں اگر ایک کان میں مختلف جگہ سوراخ ہے تو جمع کیا جائے گا اگر تہائی کان سے زیادہ سوراخ ہونا معلوم ہو جائے تو اس کی قربانی جائز نہ ہوگی، جس طرح موزوں میں صرف ایک موزہ میں جمع کیا جاتا ہے) لیکن مناسب یہ ہے کہ احتیاطاً جمع کرنے کے قول کو ترجیح دی جائے۔

مختصر تشریح المسح الحالي والاستقبالي: مسح حالی سے مراد وہ مسح ہے جو فی الحال کرنے کا ارادہ کر رہا ہے اور مسح استقبالی کا مطلب یہ ہے کہ جو آئندہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور مسح ماضی کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے خف پر مسح کیا پھر وہ خف تین انگلیوں کے برابر یا اس سے زیادہ پھٹ گیا تو یہ مسح کی لیے مانع ہے گذشتہ مسح ٹوٹ جائے گا۔ (شامی: ۱/۴۶۱)

قوله يمنع ويرفع الخ: اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز تیمم کو توڑ ڈالتی ہے وہ ابتداء تیمم کے لیے بھی مانع ہے اور اگر کسی نے پہلے سے تیمم کر رکھا ہے تو وہ تیمم بھی ختم ہو جائے گا۔ جس طرح اگر نماز شروع کرنے سے قبل یا دوران نماز نجاست کپڑے یا بدن پر لگ جائے جو مانع نماز ہے، یا ستر عورت کھل جائے تو اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے، اسی طرح اگر خفین میں پھٹن شروع مسح میں ہو یا مسح کرنے کے بعد پھٹن پیدا ہو جائے تو تیمم کے لیے مانع ہے۔ (شامی: ۱/۴۶۱)

قوله المِسلة: یہ لفظ میم کے کسرہ کے ساتھ ہے اسکے معنی بڑی سوئی کے ہیں۔

(وَنَاقِضُهُ نَاقِضُ الْوُضُوءِ) ؛ لِأَنَّهُ بَعْضُهُ (وَنَزْعُ خُفٍّ) وَلَوْ وَاحِدًا (وَمُضِيُّ) الْمُدَّةِ وَإِنْ لَمْ يَمْسَحْ (إِنْ لَمْ يَخْشَ) بِغَلَبَةِ الظَّنِّ (وَذَهَابُ رِجْلِهِ مِنْ بَرْدٍ) لِلضَّرُورَةِ، فَيَصِيرُ كَالْجَبِيرَةِ فَيَسْتَوْعِبُهُ بِالْمَسْحِ وَلَا يَتَوَقَّفُ، وَلِذَا قَالُوا: لَوْ تَمَّتْ الْمُدَّةُ وَهُوَ فِي صَلَاتِهِ وَلَا مَاءَ مَضَى فِي الْأَصَحِّ، وَقِيلَ تَفْسُدُ وَيَتَيَمَّمُ وَهُوَ الْأَشْبَهُ (وَبَعْدَهُمَا) أَيْ النَّزْعِ وَالْمُضِيِّ (غَسَلَ الْمُتَوَضِّئُ رِجْلَيْهِ لَا غَيْرُ) لِحُلُولِ الْحَدَثِ السَّابِقِ قَدَمَيْهِ إِلَّا لِمَانِعٍ كَبَرْدٍ فَيَتَيَمَّمُ حِينَئِذٍ (وَخُرُوجُ أَكْثَرِ قَدَمَيْهِ) مِنْ الْخُفِّ الشَّرْعِيِّ وَكَذَا إِخْرَاجُهُ (نَزْعٌ) فِي الْأَصَحِّ اعْتِبَارًا لِلْأَكْثَرِ وَلَا عِبْرَةَ بِخُرُوجِ عَقِبِهِ وَدُخُولِهِ؛ وَمَا رُوِيَ مِنْ النَّقْضِ بِزَوَالِ عَقِبِهِ فَمُقَيَّدٌ بِمَا إِذَا كَانَ بِنِيَّةِ نَزْعِ الْخُفِّ؛ أَمَّا إِذَا لَمْ يَكُنْ: أَيْ زَوَالُ عَقِبِهِ بِنِيَّتِهِ بَلْ لِسَعَةٍ أَوْ غَيْرِهَا فَلَا يَنْقُضُ بِالْإِجْمَاعِ كَمَا يُعْلَمُ مِنْ الْبُرْجَنْدِيِّ مَعْزِيًّا لِلنِّهَايَةِ وَكَذَا

الْقُهُسْتَانِيُّ. لٰكِنْ بِاخْتِصَارٍ، حَتّٰى زَعَمَ بَعْضُهُمْ أَنَّهُ خَرْقُ الْإِجْمَاعِ فَتَنَبَّهْ. (وَيَنْتَقِضُ) أَيْضًا (بِغَسْلِ أَكْثَرِ الرِّجْلِ فِيهِ) لَوْ دَخَلَ الْمَاءُ خُفَّهُ وَصَحَّحَهُ غَيْرُ وَاحِدٍ. (وَقِيلَ لَا) يَنْتَقِضُ وَإِنْ بَلَغَ الْمَاءُ الرُّكْبَةَ (وَهُوَ الْأَظْهَرُ) كَمَا فِي الْبَحْرِ عَنِ السِّرَاجِ؛ لِأَنَّ اسْتِتَارَ الْقَدَمِ بِالْخُفِّ يَمْنَعُ سِرَايَةَ الْحَدَثِ إِلَى الرِّجْلِ، فَلَا يَقَعُ هٰذَا غَسْلًا مُعْتَبَرًا، فَلَا يُوجِبُ بُطْلَانَ الْمَسْحِ نَهْرٌ. فَيَغْسِلُهُمَا ثَانِيًا بَعْدَ الْمُدَّةِ أَوِ النَّزْعِ كَمَا مَرَّ. وَبَقِيَ مِنْ نَوَاقِضِهِ الْخَرْقُ، وَخُرُوجُ الْوَقْتِ لِلْمَعْذُورِ.

ترجمہ جو چیزیں وضو کو توڑ ڈالتی ہیں وہی تمام چیزیں مسح علی الخفین کو بھی توڑ ڈالتی ہیں، اس لیے کہ مسح درحقیقت وضو ہی کا ایک حصہ ہے۔ اور موزے کا اُتار دینا اگرچہ ایک ہی پاؤں کا موزہ کیوں نہ اُتارا ہو۔ اور مسح کی مدت کا گذر جانا بھی مسح کو توڑنے والا ہے، اگرچہ اس نے مدت کے اندر مسح نہ کیا ہو، مگر اس وقت جب کہ سردی کی وجہ سے اس کے پاؤں کے ہلاک ہوجانے کا اندیشہ ہو۔ اور یہ شرط ضرورت کے پیش نظر لگائی گئی ہے، لہٰذا مذکورہ اندیشہ کے وقت خف پٹی کے مانند ہوجائے گا، چناں چہ جب خف پٹی کے مانند میں ہوگیا تو پورے خف پر مسح کرے اور یہ مسح مدت کے ساتھ متعین نہ ہوگا، جس طرح پٹی پر مسح کرنے کے لیے شریعت کی جانب سے کسی مدت کی تعیین نہیں ہے جب تک خوف باقی رہے گا اس پر مسح کرنا جائز ہوگا۔ اور اسی ضرورت کے پیش نظر حضرات فقہاء کرام نے فرمایا کہ اگر مسح کی مدت نماز پڑھتے ہوئے مکمل ہوجائے اور وہاں پانی موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں اصح قول کے مطابق حکم یہ ہے کہ وہ علی حالہٖ نماز پڑھتا رہے (اس لیے کہ جب پانی نہیں ہے تو موزہ اُتارنے کا کیا فائدہ ہوگا) اور بعض فقہاء کرام نے فرمایا اس شخص کی نماز مسح کی مدت پوری ہوتے ہی فاسد ہوجائے گی لہٰذا اگر پانی موجود نہیں ہے تو تیمم کرکے نماز ادا کرے اور یہ قول روایت کی رو سے مناسب تر ہے۔ اور ان دونوں کے بعد یعنی موزہ اُتارنے والا شخص اور مدت مسح گذرنے سے وضو کرنے والا شخص صرف اپنے پاؤں کو دھوئے دوسرے اعضاء وضو کو دھونے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ حدث سابق اس کے دونوں پاؤں میں سرایت کرچکا ہے، ہاں اگر کوئی مانع موجود ہو جس کی وجہ سے پاؤں نہیں دھوسکتا ہے جیسے سردی ہے تو اس وقت تیمم کرلے۔

اور شرعی خف سے اکثر پاؤں کا نکلنا یا جان بوجھ کر اکثر پاؤں کا خفین سے نکالنا مسح کو توڑ دیتا ہے اصح قول کے مطابق اکثر کا اعتبار کرتے ہوئے۔ اور ایڑی کے نکلنے اور اس کے داخل ہونے کا اعتبار نہیں ہے اور ایڑی کے ٹل جانے سے مسح کے ٹوٹ جانے کے متعلق جو فقہ کی کتابوں میں مروی ہے یہ اس صورت کے ساتھ مقید ہے جب اس کا ٹلنا موزے کے اُتارنے کی نیت سے ہو، لیکن جب ایڑی کا اپنے محل سے ٹل جانا موزے کے اُتارنے کی نیت سے نہ ہو بلکہ موزہ کے ڈھیلا ہوجانے کی وجہ سے ہو یا اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے ہو تو اس سے بالاتفاق مسح نہیں ٹوٹے گا جیسا کہ یہ بات برجندی سے معلوم ہوتی ہے جو نہایہ کی طرف منسوب ہے۔ اور اسی طرح قہستانی میں بھی مذکور ہے، لیکن قہستانی میں عبارت مختصر کرکے لکھی گئی ہے حتیٰ کہ بعض علماء نے اس سے یہ سمجھا کہ یہ اجماعِ امت کو توڑنے والا ہے، سو یہاں متنبہ ہوجاؤ۔

اور خفین کا مسح اس صورت میں بھی ٹوٹ جاتا ہے کہ پاؤں کا اکثر حصہ موزے میں ڈھل جائے جب اس کے موزہ میں پانی داخل ہو جائے، اور اس قول کو متعدد فقہاء کرام نے صحیح بتایا ہے۔ اور بعض علماء کرام نے فرمایا کہ موزے میں پانی داخل ہونے سے موزے کا مسح نہیں ٹوٹتا ہے اگر چہ پانی گھٹنے تک کیوں نہ پہنچ جائے اور یہی قول زیادہ ظاہر ہے، جیسا کہ البحر الرائق میں فتاویٰ سراجیہ سے نقل کیا گیا ہے اس لیے کہ پاؤں کا موزے میں چھپا رہنا پاؤں تک حدث کے سرایت کرنے سے مانع ہے، پس خود بخود پانی کے موزے میں چلے جانے سے پاؤں کا ڈھل جانا معتبر نہیں ہے، لہٰذا اس سے مسح کا بطلان ثابت نہ ہوگا، جیسا کہ النہر الفائق میں ہے، چناں چہ مسح کی مدت مکمل ہو جانے کے بعد یا موزے کو پاؤں سے نکالنے کے بعد پاؤں دوبارہ دھویا جائے گا، جیسا کہ یہ بات پہلے بھی گذر چکی ہے، اب مسح کے نواقض میں سے موزہ کا تین انگلیوں کے بقدر پھٹنا اور معذور کے لیے وقت کا نکلنا باقی رہ گیا ہے۔

نواقض مسح خفین کا بیان

حضرت مصنف علیہ الرحمہ مذکورہ بالا عبارت سے نواقض مسح کو بیان فرما رہے ہیں، چناں چہ فرماتے ہیں کہ جن جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان تمام چیزوں سے خفین کا مسح بھی ٹوٹ جاتا ہے، اس لیے کہ مسح وضو ہی کا ایک حصہ اور جزء ہے، لہٰذا جب کل کا ناقض ہوگا تو جزء کا تو بدرجۂ اولیٰ ناقض ہوگا۔

مسئلہ: نواقض وضو کے علاوہ بھی چند چیزوں سے موزے کا مسح ٹوٹ جاتا ہے جیسے خفین کا پاؤں سے اُتارنا، مسح کی مدت کا گذر جانا، قدم کے اکثر حصہ کا موزے شرعی سے نکل جانا، یا اس کو جان بوجھ کر نکالنا۔ اور موزے کا پاؤں کی چھوٹی انگلی سے تین انگلیوں کے بقدر پھٹ جانا ہے ان تمام صورتوں میں موزے کا مسح ختم ہو جائے گا اور دوبارہ پاؤں کو دھو کر خفین کو پہننا لازم ہوگا، بقیہ اعضاء وضو دھونا لازم نہیں ہے۔ (شامی: ۱/ ۴۶۲)

مسئلہ: اگر کسی مسافر کی مدت مسح پوری ہو جائے اور سردی سخت ہونے کی وجہ سے یہ خطرہ لاحق ہے کہ اگر موزے سے پاؤں نکال کر دھوئے گا تو پاؤں ضائع ہو جائے گا تو ایسی صورت میں اب یہ موزہ پٹی کے مانند ہو جائے گا اور مدت مسح گذرنے کے بعد بھی اس پر مسح کرنا جائز ہوگا۔ اور اب تین انگلیوں سے مسح کرنا کافی نہ ہوگا بلکہ پورے موزے پر مسح کرنا لازم ہوگا۔ اور اب یہ مسح وقت کے ساتھ موقت نہ ہوگا بلکہ جب تک عذر باقی رہے گا اس پر مسح کرنا درست اور جائز ہوگا۔ (شامی: ۱/ ۴۶۲)

مسئلہ: اگر کوئی شخص خفین پر مسح کر کے نماز ادا کر رہا ہے اور دورانِ نماز مسح کی مدت مکمل ہو جائے اور وہاں پاؤں دھونے کے لیے پانی بالکل موجود نہیں ہے کہ خفین اُتار کر پاؤں دھو لیا جائے تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ نماز پڑھتا رہے، نماز توڑنے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ موزہ کا اُتارنا دھونے کے لیے تھا اور یہاں دھونے کے واسطے پانی ہی نہیں ہے پھر موزہ اُتارنے سے کیا فائدہ ہے۔ اور بعض دوسرے علماء کرام کی یہ رائے ہے کہ مدتِ مسح پوری ہوتے ہی مسح ٹوٹ جائے گا، لہٰذا اب باقاعدہ تیمم کر کے نماز ادا کرے۔ علامہ زیلعی نے اسی قول کو اشبہ قرار دیا ہے۔ اور محقق ابن الہمام صاحب فتح القدیر نے فرمایا کہ مسح کی مدت

پوری ہوجانے کے بعد پانی کا موجود نہ ہونا حدث کو سرایت کرنے سے نہیں روکتا ہے بلکہ حدث سرایت کرجاتا ہے اس لیے تیمم کرکے نماز ادا کرے۔ (شامی: ۱/ ۴۶۳)

(مَسَحَ مُقِيمٌ) بَعْدَ حَدَثِهِ (فَسَافَرَ قَبْلَ تَمَامِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ) فَلَوْ بَعْدَهُ نَزَعَ (مَسَحَ ثَلَاثًا، وَلَوْ أَقَامَ مُسَافِرٌ بَعْدَ مُضِيِّ مُدَّةِ مُقِيمٍ نَزَعَ وَإِلَّا أَتَمَّهَا) ؛ لِأَنَّهُ صَارَ مُقِيمًا. (وَحُكْمُ مَسْحِ جَبِيرَةٍ) هِيَ عِيدَانٌ يُجْبَرُ بِهَا الْكَسْرُ (وَخِرْقَةُ قُرْحَةٍ وَمَوْضِعُ فَصْدٍ) وَكَيٍّ (وَنَحْوِ ذَلِكَ) كَعِصَابَةِ جِرَاحَةٍ وَلَوْ بِرَأْسِهِ (كَغَسْلٍ لِمَا تَحْتَهَا) فَيَكُونُ فَرْضًا يَعْنِي عَمَلِيًّا لِثُبُوتِهِ بِظَنِّيٍّ، وَهَذَا قَوْلُهُمَا، وَإِلَيْهِ رَجَعَ الْإِمَامُ خُلَاصَةٌ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى شَرْحُ مَجْمَعٍ. وَقَدَّمْنَا أَنَّ لَفْظَ الْفَتْوَى آكَدُ فِي التَّصْحِيحِ مِنَ الْمُخْتَارِ وَالْأَصَحِّ وَالصَّحِيحِ. ثُمَّ إِنَّهُ يُخَالِفُ مَسْحَ الْخُفِّ مِنْ وُجُوهٍ ذَكَرَ مِنْهَا ثَلَاثَةَ عَشَرَ، فَقَالَ (فَلَا يَتَوَقَّفُ) ؛ لِأَنَّهُ كَالْغَسْلِ حَتَّى يَؤُمَّ الْأَصِحَّاءَ، وَلَوْ بَدَّلَهَا بِأُخْرَى أَوْ سَقَطَتِ الْعُلْيَا لَمْ يَجِبْ إِعَادَةُ الْمَسْحِ بَلْ يُنْدَبُ (وَيُجْمَعُ) مَسْحُ جَبِيرَةِ رِجْلٍ (مَعَهُ) أَيْ مَعَ غَسْلِ الْأُخْرَى لَا مَسْحِ خُفِّهَا بَلْ خُفَّيْهِ. (وَيَجُوزُ) أَيْ يَصِحُّ مَسْحُهَا (وَلَوْ شُدَّتْ بِلَا وُضُوءٍ) وَغُسْلٍ دَفْعًا لِلْحَرَجِ (وَيُتْرَكُ) الْمَسْحُ كَالْغَسْلِ (إِنْ ضَرَّ وَإِلَّا لَا) يُتْرَكُ (وَهُوَ) أَيْ مَسْحُهَا (مَشْرُوطٌ بِالْعَجْزِ عَنْ مَسْحِ) نَفْسِ الْمَوْضِعِ (فَإِنْ قَدَرَ عَلَيْهِ فَلَا مَسْحَ) عَلَيْهَا. وَالْحَاصِلُ لُزُومُ غَسْلِ الْمَحَلِّ وَلَوْ بِمَاءٍ حَارٍّ، فَإِنْ ضَرَّ مَسَحَهُ، فَإِنْ ضَرَّ مَسَحَهَا، فَإِنْ ضَرَّ سَقَطَ أَصْلًا.

ترجمہ: ایک مقیم شخص نے حدث کے بعد موزے پر مسح کیا، پھر اس نے ایک دن اور رات کی مدت پوری کرنے سے پہلے سفر کیا تو اب (وہ شخص چونکہ مسافر ہوگیا ہے اس لیے) تین دن اور تین رات تک مسح کرے گا (اس لیے کہ مسافر کے لیے مدتِ مسح تین دن اور تین رات ہے) اور اگر اقامت کی مدت پوری کرنے کے بعد سفر شروع کیا تو موزہ اُتار دے اور پاؤں دھوکر وضو کرے۔ اور اگر کوئی مسافر شخص مقیم والی مدت گذر جانے کے بعد اقامت کی نیت کرے تو موزہ اُتار دے گا اور پاؤں دھوکر پہنے گا۔ اور اگر مقیم والی مدت یعنی ایک دن اور ایک رات مکمل نہیں ہوئی ہے تو وہ ایک دن اور ایک رات کی مدت پوری کرے گا، اس لیے کہ وہ مقیم ہوچکا ہے۔

"جبیرہ" یعنی پٹی پر مسح کرنے کا حکم اور زخم کا پھایہ، پچھنا لگنے کی جگہ اور اس کے علاوہ داغ لگنے کی جگہ پر مسح کرنے کا حکم ایسا ہے جیسے کہ اس کے نیچے دھونے کا حکم ہے۔ اور "جبیرہ" اس لکڑی کو کہا جاتا ہے جو ٹوٹی ہوئی ہڈی پر اوپر نیچے کرکے باندھی جاتی ہے۔ شارح نے یہ بیان فرمایا کہ جبیرہ پر مسح کرنے کا طریقہ نیچے والے حصہ کے دھونے کی طرح ہے تو یہ مسح کرنا فرضِ عملی ہوگا (فرضِ اعتقادی نہ ہوگا) اس لیے کہ اس کا ثبوت ظنی الدلالہ سے ہے۔ اور یہ حضرات صاحبینؒ کا قول ہے۔ اور اسی قول کی جانب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے رجوع فرمایا ہے جیسا کہ خلاصہ میں مذکور ہے اور اسی قول پر فتویٰ بھی ہے جیسا کہ شرح مجمع میں ہے۔

اور ہم نے یہ بات پہلے بیان کی ہے کہ تصحیح کے باب میں لفظ فتویٰ، مختار، اصح اور صحیح کے لفظ سے زیادہ مؤکد ہے۔

پھر جبیرہ وغیرہ پر مسح خفین پر مسح کے چند چیزوں میں مخالف ہے، چند وجوہ کی وجہ سے۔ ان وجوہات میں سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے چند وجوہ یہاں بیان کی ہیں، چناں چہ انھوں نے فرمایا کہ: جبیرہ پر مسح کی مدت مقرر نہیں ہے اس لیے کہ جبیرہ پر مسح درحقیقت دھونے کے درجہ میں ہے، یہاں تک کہ جبیرہ پر مسح کرنے والا شخص تندرستوں کی امامت کرسکتا ہے اور اگر اس نے ایک جبیرہ کو بدل دیا اور دوسرا جبیرہ باندھ دیا، یا اوپر والا جبیرہ گر گیا تو اس صورت میں دوبارہ مسح کا لوٹانا واجب نہیں ہے بلکہ دوبارہ مسح کرنا صرف مستحب ہے۔ اور ایک پاؤں کے جبیرہ پر مسح کے ساتھ ساتھ دوسرے پاؤں کے غسل کو جمع کیا جاسکتا ہے (یعنی ایک پاؤں میں جبیرہ پر مسح کیا جاسکتا ہے اور دوسرے پاؤں کو دھویا جاسکتا ہے) ہاں ایک پاؤں کے جبیرہ کا مسح دوسرے پاؤں کے خف کے مسح کے ساتھ جمع نہیں کیا جاسکتا ہے، بلکہ دونوں پیر کے موزوں کا مسح جمع کیا جاتا ہے۔

اور جبیرہ پر مسح کرنا درست ہے اگر چہ اس کو بلا وضو اور بلا غسل ہی باندھا گیا ہو۔ اور یہ جواز مشقت اور حرج کو دور کرنے کے لیے ہے۔ اور جس نقصان کے وقت پاؤں کے دھونے کو چھوڑ دینا جائز ہے اسی طرح جبیرہ پر مسح کو ترک کرنا بھی نقصان کے وقت جائز ہے۔ اور اگر مسح کرنا نقصان نہ دیتا ہو تو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ اور جبیرہ پر مسح کا جواز اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ اس جگہ پر مسح کرنے سے عاجز ہو پس اگر اس خاص زخم کی جگہ پر مسح کرنے پر قدرت حاصل ہو اور اس پر مسح کرنا نقصان دہ نہ ہو تو پھر ایسی صورت میں جبیرہ پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اسی خاص زخمی جگہ اور ٹوٹی ہوئی جگہ کو دھونا لازم ہے اگر چہ گرم پانی سے ہو، لیکن اگر زخم کی جگہ کو دھونا نقصان دیتا ہو تو اس زخم پر جو پٹی بندھی ہوئی ہے اس پر مسح کرے۔ اور اگر پٹی پر مسح کرنا بھی نقصان دیتا ہو تو پھر بالکلیہ طور سے مسح ساقط ہو جائے گا۔

مختصر تشریح عبارتِ مذکورہ میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے تین باتیں بیان فرمائی ہیں: (۱) اگر مقیم و مسافر اپنی اپنی مدت مسح کو مکمل کرنے سے پہلے مسافر ہو جائیں یا مقیم ہو جائیں تو کیا حکم ہے؟ (۲) جبیرہ پر مسح کرنے کا شرعی حکم کیا ہے؟ (۳) مسح علی الخف اور مسح علی الجبیرہ کے درمیان کیا فرق ہے؟

مدتِ مسح کی تکمیل سے پہلے مقیم مسافر ہو گیا تو کیا حکم ہے؟

اس عبارت میں پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مقیم شخص نے حدث کے لاحق ہونے کے بعد خفین پر مسح کیا اور ابھی مسح کی مدت ایک دن اور ایک رات مکمل نہ ہوئی تھی کہ اس سے پہلے پہلے سفر کر لیا تو اب چونکہ یہ مسافر ہو چکا ہے اس لیے مسافر کی مدتِ مسح تین دن اور تین رات مکمل کرے گا۔ اسی طرح اگر کوئی مسافر شخص ایک دن اور ایک رات مدتِ مسح کرنے کے بعد اقامت کی نیت کرلے اور مقیم ہو جائے تو اب وہ شخص خفین اتار دے گا پھر پاؤں کو دھو کر خفین پہننا لازم ہوگا اور مدتِ مسح جو مقیم کی شریعت کی جانب سے

متعین ہے اس کے مکمل ہونے سے پہلے پہلے مقیم ہوگیا تو بقیہ مدت پوری کرے اس لیے کہ اوقات متعینہ کا اعتبار آخر وقت ہوتا ہے۔

مسئلہ: اگر مقیم شخص نے اپنی مدتِ مسح پوری کرنے کے بعد سفر کیا تو اب اس پر مسح جائز نہیں ہے بلکہ لازم ہے کہ موزہ اُتار دے۔ اور اگر بے وضو ہے تو باقاعدہ وضو کر کے موزہ پہنے۔ اور اگر بے وضو نہیں ہے تو صرف پاؤں دھو کر موزہ پہن لے، پھر اس پر تین دن اور تین رات تک مسح کرتا رہے۔ (شامی: ۱/ ۴۶۸)

جبیرہ پر مسح کرنے کا شرعی حکم

جبیرہ ایسی دو لکڑی کو کہا جاتا ہے جو ٹوٹی ہوئی ہڈی پر اوپر نیچے کر کے باندھی جاتی ہے۔ اگر کسی شخص کی ہڈی ٹوٹ جائے اور پٹی باندھ دی جائے اور ٹوٹی ہوئی ہڈی پر مسح کرنا نقصان دہ ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ اس پٹی پر مسح کرے۔ اور اگر پٹی پر مسح کرنا بھی نقصان دہ ہو تو پٹی سے بھی مسح ساقط ہو جاتا ہے۔ اور پٹی پر مسح کرنا درحقیقت اس کے نیچے کے حصہ میں دھونے کے مانند ہے، اس لیے اس مسح کو فقہاء نے فرضِ عملی قرار دیا ہے، حضرات صاحبین کا یہی قول ہے۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اسی قول کی طرف رجوع فرمالیا ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔ مسح علی الجبیرہ کو فرضِ عملی اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ اس کا ثبوت ظنی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ غزوۂ اُحد یا غزوۂ خیبر کے موقع پر حضرت علی بن ابی طالبؓ کے ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی تو انھوں نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت فرمایا کہ یارسول اللہ میں کس طرح وضو کروں؟ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: آپ ان پٹیوں پر مسح کرلیں جو آپ نے ٹوٹی ہوئی ہڈیوں پر باندھ رکھی ہے۔ یہ حدیث شریف ابن ماجہ میں ہے اور ضعیف ہے۔ لیکن چونکہ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے اس لیے یہ حدیث قوی کے حکم میں آگئی ہے۔ نیز حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بسند صحیح مروی ہے کہ انھوں نے پٹیوں پر مسح فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ کا یہ عمل حدیث مرفوع کے حکم میں ہے، لہٰذا اس طرح کی حدیثوں سے جو حکم ثابت ہوگا وہ فرضِ عملی ہوگا۔ (شامی: ۱/ ۴۶۸)

مسح علی الخف اور مسح علی الجبیرہ کے درمیان فرق

صاحب درمختار علامہ علاء الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ پٹی پر مسح کرنا اور موزہ پر مسح کرنا ان دونوں کے درمیان تیرہ چیزوں میں فرق ہے، یعنی مسح علی الخف اور مسح علی الجبیرہ کے درمیان تیرہ چیزوں میں فرق ہے۔

۱- بینڈج، پٹی اور پلاسٹر پر مسح کرنے کے لیے کوئی وقت کی تحدید نہیں ہے، بلکہ جب تک عذر باقی رہے گا ان چیزوں پر مسح کرنا جائز ہے، اس کے برخلاف موزے پر مسح کی مدت اور وقت متعین ہے۔

۲- اگر بینڈج اور پٹی کو بدلا ہے، یا اوپر کی پٹی گر گئی ہے تو دوبارہ مسح کرنا واجب نہیں ہے، اس کے برخلاف موزے میں اگر ایک پاؤں سے موزہ نکل گیا یا پاؤں کا اکثر حصہ موزہ سے باہر آگیا تو مسح ٹوٹ جاتا ہے۔

۳- مسح علی الجبیرہ اور پاؤں کے دھونے کو جمع کیا جاسکتا ہے، بایں طور کہ ایک پاؤں صحیح سالم ہو اور دوسرے پاؤں میں پٹی بندھی ہوئی ہو تو جس پاؤں میں پٹی بندھی ہے اس پر مسح کرنا اور جس پر پٹی بندھی نہیں ہے اس کو دھونا جائز ہے۔ مسح علی الخف اس طرح درست نہیں ہے بلکہ دونوں پر مسح کرنا ہوگا، غسل اور مسح کا اجتماع درست نہیں ہوگا۔

۴- اگر پٹی کو بلا وضو اور بلا غسل باندھا گیا ہو پھر بھی اس پر مسح جائز ہے لیکن اگر موزہ بلا وضو اور بلا غسل پہن لیا تو اس پر مسح جائز نہ ہوگا۔

۵- اگر پٹی پر مسح کرنا نقصان دہ ہو تو مسح کو ترک کر دینا جائز ہے جس طرح اگر زخم کے نیچے کے حصہ کو دھونا نقصان دہ ہو تو اس کو ترک کر دینا جائز ہے، موزے پر مسح کرنے کو ترک کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے۔

۶- پٹی پر مسح کا جواز اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس خاص حصہ زخم پر مسح کرنے سے عاجز و مجبور ہو، اگر اس خاص حصہ زخم پر مسح کرنا ممکن ہو تو اس پر مسح کرنا ہوگا۔ موزے پر مسح کرنے کے لیے یہ شرط نہیں ہے بلکہ بہر صورت خف پر مسح جائز ہے، خواہ کوئی مجبوری ہو یا نہ ہو۔ (شامی: ۱/ ۴۷۰)

قوله إن ضرّ: یہاں ضرر اور نقصان سے مراد ایسا نقصان ہے جو شرعی اعتبار سے قابل قبول ہو، مطلق نقصان مراد نہیں ہے اس لیے کہ معمولی نقصان سے بچنا تو مشکل ہے اور اس طرح کے معمولی نقصان سے حکم نہیں بدلا کرتا۔ (شامی: ۱/ ۴۷۰)

(وَيَمْسَحُ) نَحْوُ (مُفْتَصِدٍ وَجَرِيحٍ عَلَى كُلِّ عِصَابَةٍ) مَعَ فُرْجَتِهَا فِي الْأَصَحِّ (إِنْ ضَرَّهُ) الْمَاءُ (أَوْ حَلُّهَا) وَمِنْهُ أَنْ لَا يُمْكِنَهُ رَبْطُهَا بِنَفْسِهِ وَلَا يَجِدُ مَنْ يَرْبِطُهَا. (انْكَسَرَ ظُفْرُهُ فَجَعَلَ عَلَيْهِ دَوَاءً أَوْ وَضَعَهُ عَلَى شُقُوقِ رِجْلِهِ أَجْرَى الْمَاءَ عَلَيْهِ) وَإِنْ قَدَرَ وَإِلَّا مَسَحَهُ وَإِلَّا تَرَكَهُ. (وَ) الْمَسْحُ (يَبْطُلُهُ سُقُوطُهَا عَنْ بُرْءٍ) وَإِلَّا لَا (فَإِنْ) سَقَطَتْ (فِي الصَّلَاةِ اسْتَأْنَفَهَا، وَكَذَا) الْحُكْمُ (لَوْ سَقَطَ الدَّوَاءُ أَوْ (بَرِئَ مَوْضِعُهَا وَلَمْ تَسْقُطْ) مُجْتَبَى، وَيَنْبَغِي تَقْيِيدُهُ بِمَا إِذَا لَمْ يَضُرَّ إِزَالَتُهَا، فَإِنْ ضَرَّهُ فَلَا بُطْلَانَ. (وَالرَّجُلُ وَالْمَرْأَةُ وَالْمُحْدِثُ وَالْجُنُبُ فِي الْمَسْحِ عَلَيْهَا وَعَلَى تَوَابِعِهِمَا سَوَاءٌ) اتِّفَاقًا. (وَلَا يُشْتَرَطُ) فِي مَسْحِهَا (اسْتِيعَابٌ وَتَكْرَارٌ فِي الْأَصَحِّ، فَيَكْفِي مَسْحُ أَكْثَرِهَا) مَرَّةً بِهِ يُفْتَى (وَكَذَا لَا يُشْتَرَطُ فِيهَا نِيَّةٌ) اتِّفَاقًا بِخِلَافِ الْخُفِّ فِي قَوْلٍ، وَمَا فِي نُسَخِ الْمَتْنِ رَجَعَ عَنْهُ الْمُصَنِّفُ فِي شَرْحِهِ.

ترجمہ اور پچھنا لگانے والا اور زخمی شخص پوری پٹی پر اس طرح مسح کرے گا کہ اس پٹی کی تمام کشادگی مسح کے اندر آجائے اصح قول کے مطابق، اور پٹی پر مسح کرنا اس وقت جائز ہے جب پانی اس زخم کے لیے نقصان دیتا ہو یا پٹی کا کھولنا نقصان دیتا ہو۔ اور اسی نقصان میں یہ بھی داخل ہے کہ زخم والا شخص از خود پٹی باندھنے پر قادر نہ ہو اور وہاں نہ کوئی ایسا شخص ہے جو اس کی پٹی کو باندھ دے

تواس کے لیے پٹی پر مسح کرنا جائز ہے۔

اگر کسی شخص کا ناخن ٹوٹ گیا اس نے اپنے ٹوٹے ہوئے ناخن پر دوا رکھی یا اپنے پاؤں کے پھٹن میں دوا لگائی تو اس شخص کے لیے شرعی حکم یہ ہے کہ اگر وہ اس پر پانی بہانے پر قادر ہو تو پانی بہائے اور اگر پانی کے بہانے پر قادر نہ ہو تو اس حصہ کا مسح کرلے۔ اور اگر مسح کرنے کی بھی طاقت نہ ہو تو چھوڑ دے۔ (یعنی نہ دھونا ہی ضروری ہے اور نہ مسح کرنا، بلکہ عذر شرعی کی وجہ سے دونوں ساقط ہو جائیں گے)

اور پٹی اگر زخم کے ٹھیک ہونے کی وجہ سے گری ہے تو اس سے مسح باطل ہو جائے گا اور اگر زخم کے ٹھیک ہونے کی وجہ سے نہیں گری بلکہ پٹی ڈھیلی ہونے کی وجہ سے گری تو اس صورت میں مسح باطل نہ ہوگا۔ پس اگر پٹی نماز پڑھتے ہوئے گر جائے تو پھر از سر نو دوبارہ نماز پڑھے۔ اور اسی طرح کا حکم ہے اگر دوا گر گئی یا پٹی کی جگہ ٹھیک ہوگئی مگر پٹی نہ گری ہو، جیسا کہ مجتبیٰ میں ہے۔ (یعنی اگر دوا تندرست ہونے کے بعد اور صحت کے بعد نماز کے اندر گری ہے، یا پٹی والی جگہ اچھی ہوگئی تو ان دونوں صورتوں میں دوبارہ نماز ادا کرے گا)۔

پٹی پر مسح کرنے اور اس کے علاوہ دوسرے مسائل میں مرد، عورت، محدث اور جنبی شخص سب کے سب بالاتفاق برابر ہیں۔ اور اصح قول کے مطابق پٹی پر مسح کرنے میں نہ استیعاب شرط ہے اور نہ ہی تکرار شرط ہے، چناں چہ پٹی کے اکثر حصہ کا ایک مرتبہ مسح کرلینا کافی ہوگا، اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔ اسی طرح پٹی پر مسح کے صحیح ہونے کے لیے بالاتفاق نیت شرط نہیں ہے، بخلاف موزوں پر مسح کرنے میں ایک قول کے مطابق نیت شرط ہے، لیکن صحیح قول اس بارے میں یہ ہے کہ موزوں پر مسح کرنے میں بھی نیت شرط نہیں ہے۔ اور متن میں جو قول مذکور ہے مصنف علیہ الرحمہ نے اس سے اپنی شرح میں رجوع فرمالیا ہے۔

مختصر تشریح حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ پٹی پر اس طرح مسح کیا جائے کہ پٹی کی تمام کشادگی مسح کے اندر آجائے اور پٹی پر مسح کرنا اسی صورت میں جائز ہے جب زخم کو دھونا نقصان دیتا ہو، یا پانی نقصان تو نہ دیتا ہو لیکن پٹی کھول دینے کے بعد از خود باندھنے پر قادر نہ ہو اور نہ وہاں کوئی اور شخص ہے جو پٹی باندھ دے تو مسح جائز ہے ورنہ نہیں۔

۷- اگر پٹی زخم کے ٹھیک ہونے سے گر جائے تو مسح باطل ہو جائے گا ورنہ نہیں۔ یہ قید مسح علی الخف میں نہیں ہے بلکہ مطلق موزے کا گرنا مسح کو باطل کر دیتا ہے۔

۸- اگر پٹی زخم ٹھیک ہوئے بغیر گر جائے تو مسح باطل نہ ہوگا اور موزہ میں مطلق گرنا ہی مسح کو باطل کر دیتا ہے۔

۹- اگر زخم ٹھیک ہوگیا اور پٹی نہ گری پھر بھی مسح علی الجبیرہ باطل ہو جائے گا، برخلاف موزہ کے اس میں بالفعل موزہ کے اُتارنے کا اعتبار ہے۔

۱۰- جبیرہ پر مسح محدث، جنبی ہر ایک کرسکتا ہے، لیکن خفین پر مسح جنبی شخص نہیں کرسکتا ہے۔

۱۱- مسح علی الجبیرہ میں اصح قول کے مطابق استیعاب اور تکرار شرط نہیں ہے اور اصح کی قید اس لیے لگائی ہے کہ خفین میں بالاتفاق اور بالاجماع تکرار واستیعاب شرط نہیں ہے۔

۱۲- اکثر پٹی کا مسح کرنا کافی ہے اس سے کم مسح کرنا کافی نہ ہوگا، اسکے برخلاف خف کے مطلق تین انگلی کے بقدر مسح فرض ہے۔

۱۳- پٹی پر مسح کرنے میں نیت شرط نہیں ہے اور خفین پر مسح کرنے کے لیے بعض علماء کے قول کے مطابق نیت شرط ہے، اگرچہ یہ قول درست نہیں ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی فرق ہیں جو شامی میں موجود ہیں۔ (شامی: ۱/ ۴۷۳)

بَابُ الْحَيْضِ

مسائل حیض ونفاس واستحاضہ اور ان کے احکام کا بیان

عَنْوَنَ بِهِ لِكَثْرَتِهِ وَإِصَالَتِهِ، وَإِلَّا فَهِيَ ثَلَاثَةٌ: حَيْضٌ، وَنِفَاسٌ، وَاسْتِحَاضَةٌ. (هُوَ) لُغَةً: السَّيَلَانُ. وَشَرْعًا: عَلَى الْقَوْلِ بِأَنَّهُ مِنَ الْأَحْدَاثِ: مَانِعِيَّةٌ شَرْعِيَّةٌ بِسَبَبِ الدَّمِ الْمَذْكُورِ. وَعَلَى الْقَوْلِ بِأَنَّهُ مِنَ الْأَنْجَاسِ (دَمٌ مِنْ رَحِمٍ) خَرَجَ الِاسْتِحَاضَةُ، وَمِنْهُ مَا تَرَاهُ صَغِيرَةٌ وَآيِسَةٌ وَمُشْكِلٌ (لَا لِوِلَادَةٍ) خَرَجَ النِّفَاسُ. وَسَبَبُهُ ابْتِدَاءً ابْتِلَاءُ اللّٰهِ لِحَوَّاءَ لِأَكْلِ الشَّجَرَةِ. وَرُكْنُهُ بُرُوزُ الدَّمِ مِنَ الرَّحِمِ. وَشَرْطُهُ تَقَدُّمُ نِصَابِ الطُّهْرِ وَلَوْ حُكْمًا، وَعَدَمُ نَقْصِهِ عَنْ أَقَلِّهِ وَأَوَانُهُ بَعْدَ التِّسْعِ. وَوَقْتُ ثُبُوتِهِ بِالْبُرُوزِ، فِيهِ تُتْرَكُ الصَّلَاةُ وَلَوْ مُبْتَدَأَةً فِي الْأَصَحِّ؛ لِأَنَّ الْأَصْلَ الصِّحَّةُ، وَالْحَيْضُ دَمُ صِحَّةٍ شَمْنِيٌّ.

ترجمہ حضرت مصنفؒ نے یہاں حیض کا عنوان دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حیض کثرت کے ساتھ آتا ہے اور اس باب میں حیض ہی اصل ہے، ورنہ تو خون کی تین قسمیں ہیں: (۱) حیض کا خون۔ (۲) نفاس کا خون۔ (۳) استحاضہ کا خون۔ حیض کے لغوی معنی سیلان یعنی بہنے کے ہیں۔ اور حیض کے شرعی معنی اس قول کی بنیاد پر کہ حیض منجملہ حدثوں میں سے ایک حدث ہے ایک شرعی مانع ہے جو مذکورہ خون کی وجہ سے پیش آیا ہے (یعنی جن عبادت کی بجا آوری کے لیے طہارت شرط ہے، جیسے نماز، قرآن کریم کو ہاتھ لگانا اور مسجد میں داخل ہونا۔ ان عبادات میں شارح نے حیض کو طہارت کے لیے مانع شرعی قرار دیا ہے) اور حیض کے شرعی معنی اس قول کی بنیاد پر کہ حیض منجملہ نجاستوں میں سے ایک نجاست ہے، وہ خون ہے جو عورت کی بچہ دانی سے نکلتا ہے وہ خون نہیں ہے جو ولادت کے سبب سے نکلتا ہے۔ "من رحم" کی قید لگانے سے استحاضہ کا خون حیض کی تعریف سے نکل گیا (اس لیے کہ استحاضہ کا خون بچہ دانی سے نہیں آتا ہے بلکہ خاص رگ کے پھٹ جانے کی وجہ سے آتا ہے، نیز لفظ رحم کی قید سے نکسیر اور دوسرے زخموں کا خون بھی خارج ہو گیا ہے) اور استحاضہ وہ خون ہے جو نابالغہ لڑکی دیکھتی ہے یا آیسہ اور خنثیٰ مشکل دیکھتی ہے۔ ولادت کی قید لگانے سے نفاس کا خون حیض کی تعریف سے نکل گیا ہے (اس لیے کہ یہ خون تو بچہ دانی ہی سے نکلتا ہے، مگر بچہ ہونے کے بعد نکلتا ہے)۔

اور حیض ہونے کا پہلا سبب حضرت حواء علیہا السلام کا شجرۂ ممنوعہ کے پھل کو کھانا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ماں حواء کو حیض میں مبتلا کیا۔ اور حیض کا رکن بچہ دانی سے خون کا نکلنا ہے۔ اور حیض کی شرط طہر کی نصاب کا پہلے پایا جانا ہے اگر چہ حکماً ہی کیوں نہ ہو۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ حیض کی جو کم از کم مدت شریعت کی جانب سے متعین ہے اس سے کم حیض نہ ہو۔ اور حیض کا وقت نو برس عمر کے بعد ہے۔ اور حیض کے ثابت ہونے کا وقت حیض کا ظاہر ہونا ہے۔ اور حیض کا خون جب آنا شروع ہو جائے تو عورت نماز چھوڑے گی اگر چہ عورت کو پہلے پہل حیض آ رہا ہو۔ اس مسئلہ میں اصح تر قول یہی ہے، اس لیے کہ اصل یہ ہے کہ بدن تندرست اور صحت مند رہے اور حیض کا خون درحقیقت صحت کا خون ہے، جیسا کہ شمنی میں مذکور ہے۔

مختصر تشریح حیض و استحاضہ اور نفاس کے مسائل و احکام نہایت پیچیدہ اور مشکل ترین ہیں انکی بحث نہایت معرکۃ الآراء بحث ہے، اسی لیے ہر زمانے کے علماءِ کرام اور فقہاءِ امت نے ان کی گرہ کشائی اور حل کرنے کی سعی جمیل کی ہے اور اس مسئلہ پر مفصل کتابیں لکھی ہیں۔ صاحب ردالمحتار علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمدؒ نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جو اپنے موضوع پر سب سے پہلی تصنیف اور انوکھا رسالہ ہے۔ حضرت امام طحاویؒ نے اس موضوع پر پانچ سو صفحات پر مشتمل ایک کتاب لکھی ہے۔ ابن العربی نے بھی اسی موضوع پر ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے۔ نیز علامہ دارمی شافعی نے بھی اس مسئلہ پر قلم اُٹھایا ہے۔ اور علامہ نوویؒ نے جب مہذب کی شرح کرتے ہوئے مسائل حیض و استحاضہ لکھنے شروع کیے تو ایک ضخیم جلد ہوگئی۔ اور فقہاءِ احناف میں سب سے پہلے علامہ ابن نجیم المصری نے اس موضوع پر نہایت مفصل کلام کیا ہے اور اپنے زمانے میں قلت علم اور کثرت جہل کی شکایت کی ہے اور فرمایا کہ مسائل حیض پر جس قدر توجہ ہونی چاہیے تھی اب ممکن نہ رہی۔

مسائل حیض اور احکام حیض کی معرفت حاصل کرنا نہایت اہم اور ضروری ہے، اس لیے کہ ان گنت احکام کا ترتب اسی مسائل حیض کی معرفت پر ہے، جیسے: طہارت، نماز، قرأت قرآن، روزہ، اعتکاف، حج، بلوغ، وطی، طلاق، عدت اور استبراء وغیرہ ان تمام مسائل کی بنیاد حیض کے مسائل کی معرفت پر ہے۔ (مستفاد شامی: ۱/ ۴۷۴، تکمیل الحاجہ/ ۲/ ۶۲۱)

مذکورہ بالا عبارت میں حضرت شارح علیہ الرحمہ نے کل دس باتیں بیان فرمائی ہیں:

۱- باب الحیض کا عنوان قائم کرنے کی وجہ۔ ۲- خون کے اقسام۔ ۳- حیض کی لغوی تعریف۔

۴- حیض کی شرعی و اصطلاحی تعریف۔ ۵- حیض کے جاری ہونے کا سبب اور ابتداء۔ ۶- حیض کا رکن۔

۷- حیض کی شرط۔ ۸- حیض کے آنے کا وقت۔ ۹- حیض کے ثابت ہونے کا وقت۔ ۱۰- حیض کا حکم۔

اب ہم ان دسوں باتوں کو بالترتیب بیان کرتے ہیں، واللہ ولی التوفیق۔

باب الحیض کا عنوان قائم کرنے کی وجہ

اس باب کے تحت حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے تینوں طرح کے خون کا ذکر فرمایا ہے، یعنی حیض کا بھی، نفاس کا بھی اور

استحاضہ کا بھی۔ لیکن عنوان میں صرف حیض کا نام لیا ہے، بقیہ دو خونوں کا نام کیوں نہیں لیا؟

تو اس کا جواب حضرت شارح علیہ الرحمہ نے یہ دیا ہے کہ ان تینوں قسم کے خون میں حیض بکثرت اور مستقل ہوتا ہے اسی لیے حیض ہی کے ساتھ عنوان قائم فرمایا ہے، نفاس واستحاضہ کا خون مستقل اور بکثرت نہیں ہوتا ہے، اس لیے ''باب النفاس'' یا ''باب الاستحاضۃ'' کا عنوان نہیں دیا ہے۔

خون کی قسمیں

خون کی درحقیقت تین قسمیں ہیں: (۱) حیض کا خون۔ یہ خون عورتوں کو جو صحت منداور تندرست ہوں، ہر ماہ کم از کم تین یوم نکلتا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ دس یوم رحم سے جاری ہوتا ہے۔ (۲) نفاس کا خون۔ یہ وہ خون کہلاتا ہے جو عورتوں کی بچہ دانی سے بچہ پیدا ہونے کے بعد جاری ہوتا ہے جس کی اقل مدت شریعت میں کچھ بھی متعین نہیں ہے، البتہ اکثر مدت عندالاحناف چالیس یوم ہے۔ (۳) استحاضہ کا خون۔ یہ وہ خون کہلاتا ہے جو عورتوں کو بیماری کی وجہ سے شرمگاہ کی رگ کے پھٹ جانے کی وجہ سے جب چاہتا ہے نکلتا ہے، اس کے نکلنے کے لیے کوئی وقت متعین نہیں ہوتا ہے۔

حیض کی لغوی تعریف

لفظ ''حیض''، حاض، یحیض، حیضًا (ض) سے بنا ہے۔ اس کے معنی لغت میں سیلان اور بہنے کے ہیں۔ اہل عرب کہتے ہیں: حاض الوادی کہ وادی بہہ پڑی۔ اور حیض کا نام حیض اس لیے رکھا جاتا ہے کہ وہ خون اپنے اوقات مقررہ پر بہتا ہے اور عورت کی شرمگاہ سے جاری ہوتا ہے۔ (شامی:۱/۴۷۴)

حیض کی شرعی تعریف

حیض کی شرعی تعریف شارح نے دو کی ہیں: (۱) اس قول کی بنیاد پر تعریف کی گئی ہے جس میں حیض کو منجملہ احداث میں سے ایک حدث شمار کیا گیا ہے کہ حیض وہ شرعی مانع ہے جو خون مذکور کی وجہ سے پیش آتا ہے، یعنی جن عبادتوں کی ادائیگی کے لیے طہارت شرط ہے وہ عبادت حیض کی موجودگی میں درست نہ ہوگی، جیسے نماز، مس مصحف، دخول مسجد وغیرہ۔ (۲) حیض کی تعریف اس قول کی بنیاد پر جو حیض کو منجملہ نجاستوں میں سے ایک نجاست قرار دیتے ہیں وہ خون ہے جو بالغہ عورت کے رحم سے وقت متعینہ پر نکلتا ہے نہ کہ ولادت کے سبب سے۔ اس تعریف کی وجہ سے نفاس واستحاضہ دونوں حیض کی تعریف سے نکل گئے ہیں۔

حیض کی ابتداء اور اس کا سبب

حیض کی ابتداء حضرت حواء علیہا السلام سے ہوئی، جب ماں حواء نے اس درخت کے پھل کو شیطان کے بہکاوے میں آکر کھالیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں حیض میں مبتلا کر دیا، پھر اس کو اس کی تمام بیٹیوں کے لیے قیامت تک جاری کر دیا۔ اور یہ جو کہا جاتا

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حیض کا خون سب سے پہلے بنی اسرائیل کی عورتوں میں جاری کیا ہے حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس قول کی تردید فرمائی ہے۔ (شامی: ۱/ ۴۷۵)

حیض کا رکن

حیض کا رکن بچہ دانی سے خون کا باہر یعنی فرج خارج کی جانب نکل آنا ہے۔ پس اگر خون صرف فرج داخل میں اُترا تو ظاہر الروایہ کے مطابق وہ حیض کا خون نہ ہوگا۔ اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔ اور حضرت امام محمدؒ حیض کا رکن احساس کو قرار دیتے ہیں۔ ان دو قولوں کے درمیان اختلاف اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ ایک عورت نے وضو کیا، پھر اس نے کرسف کو اندر رکھ لیا، پھر اس کو آفتاب غروب ہونے سے قبل خون آنے کا احساس ہوا، چناں چہ اس کرسف کو وہاں سے ہٹا لیا تو اس صورت مذکورہ میں حضرت امام محمدؒ کے نزدیک عورت کا روزہ ٹوٹ جائے گا، اس لیے کہ خروجِ دم کا احساس پایا گیا ہے۔ اور حضرات شیخین کے نزدیک اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا اس لیے کہ خون فرجِ خارج کی طرف نہیں نکلا ہے، البتہ اگر خون فرجِ خارج تک پہنچ جائے تو بالاتفاق روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (شامی: ۱/ ۴۷۵)

حیض کی شرطیں

حیض کی شرطیں دو ہیں: (۱) نصابِ طہر کا پہلے پایا جانا، اگر چہ طہر حکمی ہی کیوں نہ ہو۔ اور طہر حکمی کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ ہے کہ مستحاضہ عورت ایام حیض گذرنے کے بعد حکما پاک ہے اگر چہ خون استحاضہ اس کو آتا رہے۔ دوسری وہ عورت جس کو زندگی میں پہلی مرتبہ خون آیا ہے وہ اس سے پہلے حکما ایام طہر میں شمار ہوگی۔ (۲) حیض کی جو کم از کم مدت تین دن ہے اس سے کم نہ ہو۔ (شامی: ۱/ ۴۷۶)

حیض کے آنے کی عمر

جب لڑکی بالغ ہو جاتی ہے تو حیض آنا شروع ہو جاتا ہے اور حیض کے آنے کی عمر کم از کم حضرات فقہاء کرام نے نو برس لکھی ہے، اگر نو برس سے کم عمر والی لڑکی کو حیض آئے تو وہ شریعت میں حیض کا خون شمار نہ ہوگا، بلکہ استحاضہ کا خون شمار ہوگا، جب تک لڑکی نو برس کی عمر کو نہ پہنچے قولِ معتمد کے مطابق وہ صغیرہ کہلاتی ہے۔

ثبوتِ حیض کا وقت

ثبوتِ حیض کا وقت، خونِ حیض کا باہر نکل آنا ہے۔ یعنی فرجِ خارج کی طرف ظاہر ہونا ہے، جب تک خون رحم میں یا فرج داخل کے اندر ہے اس پر حیض کا اطلاق نہ ہوگا تا آں کہ وہ خون ظاہر نہ ہو جائے۔

حیض کے احکام و مسائل

جب عورت شرعی اعتبار سے حائضہ ہو جائے تو خواہ اس کو اوّل اوّل مرتبہ حیض کیوں نہ آئے وہ نماز، روزہ چھوڑ دے گی، البتہ بعد

میں روزہ کی قضاء کرے گی، لیکن نماز کی قضاء واجب نہیں ہے۔ اسی طرح جب عورت حالت حیض میں ہے، شوہر کے لیے اس سے استمتاع بماتحت الازار اور جماع حرام ہے۔ نیز حائضہ نہ مسجد میں داخل ہوگی نہ قرأت قرآن کرے گی، ہاں اگر حائضہ معلمہ ہے تو اس کے لیے شرعی اعتبار سے گنجائش ہے کہ ایک ایک کلمہ ہجے کر کے پڑھائے۔ اس کے علاوہ بھی جو دیگر احکام ہیں سب مرتب ہوں گے۔ لیکن اگر خون تین یوم سے پہلے رُک جائے تو پھر حیض نہ ہوگا لہٰذا عورت وضو کر کے گذشتہ ایام کی نماز قضاء کرے گی۔ (شامی: ۱/ ۴۷۶)

دمِ حیض کے خروج کی حکمت

خروجِ دمِ حیض کی حکمت یہ ہے کہ ہر ماہ جو فاسد خون رحم میں جمع ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ عورت کی صحت و تندرستی کو برقرار رکھنے کے لیے اس کو باہر نکال دیتے ہیں، اس لیے ایام مقررہ پر خون حیض کا آنا صحت و تندرستی کی علامت ہے اور ایام مقررہ پر خون نہ آنا مرض کی علامت ہے۔ علامہ شمنی نے دمِ حیض کو صحت کا خون قرار دیا ہے۔ (الدر المختار ۱/ ۴۷۶)

وَ (أَقَلُّهُ ثَلَاثَةٌ بِلَيَالِيهَا) الثَّلَاثِ، فَالْإِضَافَةُ لِبَيَانِ الْعَدَدِ الْمُقَدَّرِ بِالسَّاعَاتِ الْفَلَكِيَّةِ لَا لِلِاخْتِصَاصِ، فَلَا يَلْزَمُ كَوْنُهَا لَيَالِيَ تِلْكَ الْأَيَّامِ؛ وَكَذَا قَوْلُهُ (وَأَكْثَرُهُ عَشَرَةٌ) بِعَشْرِ لَيَالٍ، كَذَا رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَغَيْرُهُ. (وَالنَّاقِصُ) عَنْ أَقَلِّهِ (وَالزَّائِدُ) عَلَى أَكْثَرِهِ أَوْ أَكْثَرِ النِّفَاسِ أَوْ عَلَى الْعَادَةِ وَجَاوَزَ أَكْثَرَهُمَا. (وَمَا تَرَاهُ) صَغِيرَةٌ دُونَ تِسْعٍ عَلَى الْمُعْتَمَدِ وَآيِسَةٌ عَلَى ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ (حَامِلٌ) وَلَوْ قَبْلَ خُرُوجِ أَكْثَرِ الْوَلَدِ (اسْتِحَاضَةٌ.) (وَأَقَلُّ الطُّهْرِ) بَيْنَ الْحَيْضَتَيْنِ أَوْ النِّفَاسِ وَالْحَيْضِ (خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا) وَلَيَالِيهَا إجْمَاعًا (وَلَا حَدَّ لِأَكْثَرِهِ) ، إنْ اسْتَغْرَقَ الْعُمُرَ (إلَّا عِنْدَ) الِاحْتِيَاجِ إلَى (نَصْبِ عَادَةٍ لَهَا إذَا اسْتَمَرَّ) بِهَا (الدَّمُ) فَيُحَدُّ لِأَجْلِ الْعِدَّةِ بِشَهْرَيْنِ بِهِ يُفْتَى، وَعَمَّ كَلَامُهُ الْمُبْتَدَأَةَ وَالْمُعْتَادَةَ. وَمَنْ نَسِيَتْ عَادَتَهَا وَتُسَمَّى الْمُحَيِّرَةَ وَالْمُضِلَّةَ؛ وَإِضْلَالُهَا إمَّا بِعَدَدٍ أَوْ بِمَكَانٍ أَوْ بِهِمَا، كَمَا بُسِطَ فِي الْبَحْرِ وَالْحَاوِي

ترجمہ اور حیض کی کم سے کم مدت تین دن مع اس کی راتوں کے ہے، پس "لیالی" کی اضافت ایام کی جانب اس عدد کو بیان کرنے کے لیے ہے جو ساعاتِ فلکیہ سے اندازہ کیا گیا ہے۔ یہ اضافت خصوصیت کو بیان کرنے کے واسطے نہیں ہے پس اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ راتیں ان ہی مخصوص دنوں کی ہوں۔ اور حضرت مصنف علیہ الرحمہ کا یہ قول بھی اسی معنی میں ہے جس میں کہا گیا ہے کہ حیض کی اکثر مدت دس دن ہے دس راتوں کے ساتھ مطلقاً خواہ ان ہی دنوں کی راتیں ہوں خواہ ان کی نہ ہوں، دارقطنی وغیرہ نے ایسا ہی روایت کیا ہے۔

اور وہ خون جو اقل مدت حیض سے کم ہو، یا اکثر مدت سے زائد ہو، یا اکثر نفاس سے زیادہ ہو یا عادت متعینہ سے زیادہ ہو جو حیض

ونفاس میں اس کی متعین ہے اور وہ خون جو حیض ونفاس کے اکثر مدت سے تجاوز کر گیا اور وہ خون جو نو برس سے کم عمر میں صغیرہ لڑکی دیکھے معتمد قول کے مطابق، اور وہ خون جو بوڑھی عورت دیکھے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہو ظاہر مذہب کے مطاق اور وہ خون جو حاملہ عورت دیکھے اگر اس کا دیکھنا بچہ کے اکثر حصہ نکلنے سے پہلے کا ہو یہ تمام خون استحاضہ کا خون کہلاتا ہے۔

اور دو حیضوں کے درمیان یا حیض ونفاس کے درمیان کم از کم طہر کی مدت بالاتفاق پندرہ دن رات ہے۔ اور طہر کی اکثر مدت کچھ متعین نہیں ہے اگرچہ پوری عمر طہر کیوں نہ احاطہ کر لے۔ مگر اس وقت جب عورت کو اس کی عادت متعین کرنے کی ضرورت پیش ہو جب کہ اس کا خون مسلسل بلاڑکے جاری رہے تو عدت کے واسطے اس وقت کی زیادہ سے زیادہ متعین کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ اور دو مہینے کے ذریعہ اکثر مدت طہر متعین کریں گے، اسی قول پر فتویٰ ہے۔ اور حضرت مصنفؒ کا کلام مبتدأہ (یعنی جس کو پہلی مرتبہ حیض آیا ہو) معتادہ (یعنی وہ عورت جس کے ایام حیض مقرر ہوں) اور محیرہ مضلہ (یعنی جس کی عادت تو متعین ہو لیکن وہ اپنی عادت کو بھول گئی ہو) ان سب کو شامل ہے۔ اور عورت کا بھولنا یا تو عدد کا بھولنا ہوگا یعنی یہ یاد نہیں ہے کہ حیض کتنے روز آیا تھا، یا جگہ کا بھولنا ہوگا (یعنی دنوں کی تعداد تو یاد ہے لیکن یہ یاد نہیں کہ اوّل عشرہ میں حیض آیا تھا یا دوسرے عشرہ میں آیا تھا یا تیسرے عشرہ میں آیا تھا) یا عورت ایسی ہو کہ ایام حیض کی تعداد اور مکان دونوں ہی بھول جائے، جیسا کہ البحر الرائق میں اور حاوی میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

مختصر تشریح مصنف علیہ الرحمہ نے مذکورہ بالا عبارت میں اصولی طور پر پانچ باتیں بیان فرمائی ہیں: (۱) حیض کی اقل مدت۔ (۲) اکثر مدت حیض۔ (۳) دم استحاضہ کی تعریف۔ (۴) اقل مدت طہر۔ (۵) مستحاضہ عورتوں کی قسمیں۔ اب ہم ان پانچوں باتوں کو ترتیب کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں، واللّٰہ المُوَفِّقُ وَهُوَ المُعِین۔

اقل واکثر مدتِ حیض کا بیان

حیض کی کم سے کم مدت حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تین دن اور تین رات ہے۔ اور حیض کی اکثر مدت حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دس دن اور اس کی راتیں ہیں۔ یعنی ایک عورت کو زیادہ سے زیادہ دس دن اور دس رات حیض آسکتا ہے، اس سے زیادہ جو خون آئے گا وہ حیض کا خون نہیں کہلائے گا۔ یہاں حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے "لیالی" کی اضافت ایام کی ضمیر کی طرف کی ہے، اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ یہاں مطلقاً تین رات مراد ہے ان ایام کی تین رات مراد نہیں ہے۔

قولہ بالساعات: ساعت کی دو قسمیں ہیں: ایک ساعت فلکی، دوسری ساعت زمانی۔ ساعت فلکی وہ ساعت ہے جس کی ہر ساعت میں پندرہ درجے ہوتے ہیں۔ اس کا دوسرا نام ساعت معتدلہ بھی ہے۔ ایک دن اور ایک رات میں مجموعی اعتبار سے ۲۴ رگھنٹے ہوتے ہیں تو گھنٹوں کے اعتبار سے حیض کی کم از کم مدت ۷۲ رگھنٹے ہوئی۔

حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے ساعاتِ فلکیہ بول کر ساعت لغویہ سے احتراز کیا ہے۔ ساعات لغویہ کے معنی قلیل زمانہ ہے، نیز حضرت مصنف نے ساعاتِ زمانیہ سے بھی احتراز کیا ہے، ساعت زمانیہ کا دوسرا نام معوجہ ہے اور یہ وہ ساعت ہے جس کے ہر گھنٹے میں بارہ درجے ہوتے ہیں، یعنی طلوعِ شمس سے غروبِ شمس تک، یا رات میں غروبِ شمس سے طلوعِ شمس تک بارہ درجے ہوتے ہیں۔ (شامی: ۱/ ۴۷۶)

مسئلہ: تین دن اور تین رات خون بلا رُکے مسلسل ہو کر آنا ضروری نہیں ہے بلکہ ان تین دنوں میں اگر خون رُک رُک کر بھی آئے گا تو شرعی اعتبار سے حیض ہی کہلائے گا، اس لیے تین دن تک لگا تار مسلسل خون آنا جس میں بالکل نہ رکے نادر الوجود ہے، اس لیے رُک رُک کر آئے تو بھی حیض ہی ہوگا۔ (شامی: ۱/ ۴۷۶)

خونِ استحاضہ کا بیان

جو خون عورت تین دن اور تین رات سے کم دیکھے، یا دس دن اور دس راتوں سے زیادہ دیکھے، یا اکثر مدت نفاس سے زیادہ خون دیکھے، یعنی چالیس دن سے زیادہ خون دیکھے، یا عورت اس عادت سے زیادہ خون دیکھے جو حیض و نفاس میں اس کی مقرر ہے۔ اسی طرح جو خون حیض و نفاس کی اکثر مدت سے تجاوز کر گیا ہو، یا وہ خون جو عورت حالت حمل میں دیکھے یا حیض سے مایوس ہو چکنے کے بعد دیکھے، یا لڑکی نو برس کی عمر سے پہلے خون دیکھے تو یہ تمام خون در حقیقت استحاضہ کا خون ہے اس کو حیض کا خون شرعی اعتبار سے نہ کہا جائے گا۔

مسئلہ: اگر کسی عورت کی عادت حیض میں متعین ہے، مثلاً تین دن حیض آتا ہے لیکن اس ماہ میں تین دن سے زیادہ حیض آ گیا تو اکثر مدت کے اندر خون بند ہو گیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ عورت کی عادت بدل گئی ہے لیکن اکثر مدت حیض سے بھی تجاوز کر گیا تو اب مقررہ سے زائد جو بھی خون آیا سب استحاضہ کا خون قرار پائے گا اور عادت کے بعد دنوں کی نماز قضاء کرے گی۔ (شامی: ۱/ ۴۷۷)

اقل مدتِ طہر کا بیان

ایک عورت دو حیضوں کے درمیان، یا حیض و نفاس کے درمیان کم از کم پندرہ دن پاکی کی حالت میں رہ سکتی ہے، یعنی طہر کی اقل مدت کم از کم پندرہ دن ہے اس میں کسی بھی امام کا اختلاف نہیں ہے، بلکہ اجماعی مسئلہ ہے اور طہر کی اکثر مدت شریعت کی جانب سے کوئی متعین نہیں ہے، عورت پوری زندگی طہر کی حالت میں رہ سکتی ہے۔

قولہ وإن استغرق العمر الخ: حضرات فقہاء کرامؒ نے فرمایا کہ طہر کے استغراق کی تین صورتیں ہیں: (۱) لڑکی عمر کی وجہ سے بالغہ ہو جائے اور اس کے ساری عمر خون نہ آئے تو ایسی عورت نماز روزہ ادا کرتی رہے گی اور شوہر سے ہمبستر بھی ہوگی اور اس کی عدت مہینوں کے ذریعہ پوری ہوگی۔

(۲) عورت بلوغ کے وقت یا بلوغ کے بعد تین دن سے کم خون دیکھے، پھر خون ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے تو اس کا حکم پہلی صورت کی طرح ہے یعنی عورت نماز روزہ ادا کرتی رہے گی اور شوہر سے ہم بستر بھی ہوگی۔

(۳) عورت ایسا خون دیکھے جو حیض ہو سکتا ہے پھر وہ خون ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے تو اس کا بھی وہی حکم ہے جو پہلی صورت کا ہے مگر اس عورت کی عدت حیض سے ہوگی اگر سن ایاس پہنچنے سے پہلے حیض آیا ورنہ مہینے سے عدت گذارے گی۔ (شامی: ۱/ ۴۷۷)

مستحاضہ عورتوں کی قسمیں

حضرات فقہاء کرام نے مستحاضہ عورتوں کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں: (۱) مبتدأہ۔ (۲) معتادہ۔ (۳) متحیرہ و مضلّہ۔

مبتدأہ: وہ عورت جس کو زندگی میں پہلی بار خون آیا ہو اور مسلسل خون آنا شروع ہو گیا خون بند نہ ہو، تو اس عورت کا حکم یہ ہے کہ وہ اکثر مدت حیض گذرنے تک حیض شمار کرے گی اور اس درمیان نماز روزہ سب معاف ہیں۔ اور اکثر مدت حیض گذرنے کے بعد غسل کر کے نماز روزہ شروع کر دے گی اس لیے کہ استحاضہ کی حالت میں نماز روزہ کچھ بھی معاف نہیں ہے، پھر جب بیس ایام گذر جائیں تو دوبارہ حیض شمار کرے گی۔ (شامی: ۱/ ۴۷۸)

معتادہ: یعنی وہ عورت جس کو پہلے حیض آچکا تھا اور اس کی عادت بھی متعین تھی پھر وہ مرض استحاضہ میں مبتلا ہو گئی تو عند الاحناف اس عورت کا حکم یہ ہے کہ اگر ایام عادت مکمل ہونے کے بعد بھی خون جاری رہے تو دس دن مکمل ہونے تک رکی رہے گی اگر دس یوم قبل خون بند ہو گیا تو پورا خون حیض ہی قرار پائے گا اور شرعاً یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی عادت اس ماہ سے بدل گئی ہے، چناں چہ ان دنوں کی نماز واجب نہ ہوگی اور اگر دس دن کے بعد بھی خون جاری رہا تو ایام عادت کے بعد جتنے دن بھی زائد خون آیا سب کا سب استحاضہ کا خون شمار کیا جائے گا، لہٰذا ایام عادت کے بعد جتنی بھی نمازیں چھوڑی گئیں ان سب کی قضاء لازم ہوگی البتہ قضاء کرنے کا گناہ نہ ہوگا۔ (درس ترمذی: ۱/ ۳۶۲-۳۶۳)

متحیرہ و مضلّہ: اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کو پہلے دم حیض آچکا تھا اور ایام حیض بھی متعین تھے پھر اس کو مسلسل خون آنا شروع ہوا اور وہ اپنی سابقہ عادت بھول گئی اور یہ یاد نہ رہا کہ خون کتنے ایام آتا تھا۔ علامہ شامی علیہ الرحمہ نے متحیرہ کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں:

۱- متحیرہ بالعدد:

یعنی وہ عورت جس کو یہ یاد نہیں ہے کہ اس کو کتنے دن حیض آیا کرتا تھا، یعنی پانچ دن یا سات دن یا تین دن، یا اس کے علاوہ، کچھ بھی یاد نہیں ہے۔

۲- متحیرہ بالزمان:

یعنی وہ عورت جس کو یہ یاد نہیں ہے کہ اوّل مہینے میں حیض آتا تھا یا وسط مہینے میں یا اخیر مہینے میں، کچھ بھی یاد نہیں ہے تو ایسی

صورت کو متحیرہ بالزمان کہا جاتا ہے۔

۳- متحیرہ بالعدد والزمان:

یعنی وہ عورت جس کو نہ ایام حیض کی تعداد یاد رہی اور نہ ہی یہ یاد ہو کہ اوّل شہر میں حیض آتا تھا یا وسط شہر میں یا اخیر شہر میں تو ایسی عورت کو متحیرہ بالعدد والزمان کہتے ہیں۔ اب ہم متحیرہ اور اس کی اقسام ثلاثہ کا حکم آئندہ عبارت کے ذیل میں بیان کریں گے۔

وَحَاصِلُهُ أَنَّهَا تَتَحَرَّى، وَمَتَى تَرَدَّدَتْ بَيْنَ حَيْضٍ وَدُخُولٍ فِيهِ وَطُهْرٍ تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ، وَإِنْ بَيْنَهُمَا وَالدُّخُولِ فِيهِ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلَاةٍ وَتَتْرُكُ غَيْرَ مُؤَكَّدَةٍ وَمَسْجِدًا جِمَاعًا وَتَصُومُ رَمَضَانَ، ثُمَّ تَقْضِي عِشْرِينَ يَوْمًا إِنْ عَلِمَتْ بِدَايَتَهُ لَيْلًا وَإِلَّا فَاثْنَيْنِ وَعِشْرِينَ وَتَطُوفُ لِرُكْنٍ ثُمَّ تُعِيدُهُ بَعْدَ عَشَرَةٍ وَلِصَدَرٍ وَلَا تُعِيدُهُ، وَتَعْتَدُّ لِطَلَاقٍ بِسَبْعَةِ أَشْهُرٍ عَلَى الْمُفْتَى بِهِ (وَمَا تَرَاهُ) مِنْ لَوْنٍ كَكُدْرَةٍ وَتَرْبِيَةٍ (فِي مُدَّتِهِ) الْمُعْتَادَةِ (سِوَى بَيَاضٍ خَالِصٍ) قِيلَ هُوَ شَيْءٌ يُشْبِهُ الْخَيْطَ الْأَبْيَضَ (وَلَوْ) الْمَرْئِيُّ (طُهْرًا مُتَخَلِّلًا) بَيْنَ الدَّمَيْنِ (فِيهَا حَيْضٌ) ؛ لِأَنَّ الْعِبْرَةَ لِأَوَّلِهِ وَآخِرِهِ وَعَلَيْهِ الْمُتُونُ فَلْيُحْفَظْ.

ترجمہ اور اس کا خلاصۂ کلام یہ ہے کہ متحیرہ عورت تحری کرے اور خوب غور وفکر کرے اور ظن غالب پر عمل کرے اور جن دنوں میں عورت کو حیض کے پائے جانے، حیض میں داخل ہونے اور پاک ہونے میں تردد ہو ان دنوں میں ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرے گی۔ اور اگر اس کو حیض اور طہر میں اور طہر کے داخل ہونے میں تردّد ہو تو وہ ہر نماز کے واسطے غسل کرے۔ اور اس وقت نماز سنت غیر مؤکدہ، اور مسجد میں داخل ہونے اور ہم بستر ہونے کو چھوڑ دے (کیونکہ ممکن ہو کہ حیض کا دن ہو اور حالت حیض میں جماع جائز نہیں ہے) اور پورے رمضان شریف کے روزے رکھے گی، پھر بعد میں بیس دن روزہ قضاء کرے گی، لیکن قضاء اس وقت ہے جب کہ اس کو معلوم ہوا کہ حیض کی ابتداء رات سے ہوئی ہے ورنہ صرف بائیس دن کے روزے قضاء کرے گی اور حج فرض میں طواف رکن ادا کرے گی پھر دس دن کے بعد اس طواف کا قضاء کرے گی (اس احتمال کی وجہ سے کہ وہ حالت حیض میں ادا ہوا ہو، حالانکہ طواف زیارت میں طہارت واجب ہے) اور طواف صدر کرے گی اور بعد میں اس کا اعادہ نہ کرے گی (اس وجہ سے کہ حائضہ عورت سے طواف صدر ساقط ہے)۔

اور متحیرہ اور معتادہ مستمرۃ الدم طلاق کی عدت سات ماہ گذارے گی، اسی قول پر فتویٰ ہے (اس لیے کہ یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ ایسی عورت کا اکثر طہر دو ماہ ہے تو اب تین حیض اور تین طہر کی مجموعی مدت سات ماہ ہوگی، تین حیض کے تیس دن یعنی ایک مہینہ اور تین طہر کے تین دونا چھ مہینہ، تو اس طرح سات ماہ پورے ہوئے)۔

اور معتادہ عورت اپنی مدت میں خالص سفیدی کے علاوہ جس رنگ کے بھی خون دیکھے گی جیسے گدلے رنگ، یا مٹیالہ رنگ وہ

حیض کا خون شمار ہوگا۔ اور بعض لوگوں نے سفید خون کے متعلق کہا ہے کہ وہ سفید دھاگہ کے مشابہ ہوتا ہے جو حیض کے ختم ہونے کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ اور دو خونوں کے درمیان جو طہر پایا گیا وہ بھی در حقیقت حیض ہی میں شمار ہوگا، اس لیے کہ اس کے اوّل و آخر کا اعتبار ہے، اس پر اصحاب متون کا اتفاق ہے۔ لہٰذا اس کو خوب اچھی طرح یاد رکھا جائے۔ (جس طرح وجوب زکوٰۃ میں اوّل سال اور آخر سال میں مالِ نصاب کا پایا جانا کافی ہے اگرچہ درمیان سال میں مالِ نصاب کی مقدار سے کم ہو گیا ہو، اسی طرح حیض میں بھی اوّل و آخر کا اعتبار ہے)۔

مختصر تشریح اس عبارت میں حضرت شارح علیہ الرحمہ متحیرہ کے احکام کو بیان فرما رہے ہیں، نیز یہ بھی بیان فرما رہے ہیں کہ اگر معتادہ عورت مدت کے درمیان خالص سفیدی کے علاوہ جو خون دیکھے وہ استحاضہ کا خون ہوگا یا حیض کا خون شمار ہوگا؟

متحیرہ عورت کا حکم

متحیرہ عورت کا حکم یہ ہے کہ وہ تحری کرے، اگر اسے اپنے ایام عادت یاد آجائیں یا کسی جانب ظن غالب قائم ہو جائے تو وہ اس کے مطابق معتادہ کی طرح عمل کرے گی۔ اور اگر کسی جانب ظن غالب قائم نہ ہو بلکہ شک باقی رہے تو اگر یہ شک ہو کہ یہ حیض کے ایام ہیں یا طہر کے ایام ہیں یا دخول فی الحیض کے ایام ہیں تو ان تمام صورتوں میں نماز کے لیے تازہ وضو کرتی رہے گی جب تک کہ یہ شک باقی رہے۔ اور اگر شک اس طرح ہو کہ یہ طہر ہے یا حیض ہے یا خروج من الحیض ہے تو ان صورتوں میں ہر نماز کے لیے غسل کرے گی جب تک کہ اس طرح کا شک باقی رہے۔

متحیرہ بالعدد کا حکم

متحیرہ بالعدد عورت کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے ابتداءِ حیض سے تین یوم تک نماز روزہ چھوڑ دے کیونکہ ان میں یقین ہے کہ یہ ایام حیض ہی ہیں، اس کے بعد سات دن تک ہر نماز کے لیے غسل کرے گی کیونکہ اب ہر دن اور ہر وقت یہ احتمال ہے کہ اس وقت حیض بند ہو رہا ہے، پھر اس کے بعد حیض آنے تک یعنی بیس دن تک ہر نماز کے لیے وضو کرے گی کیونکہ ان دنوں یقینی طور پر پاک ہے۔

متحیرہ بالزمان کا حکم

متحیرہ بالزمان عورت کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے ہر ماہ کی ابتداء میں اپنے ایام عادت مکمل ہونے تک ہر نماز کے لیے وضو کرے۔ مثال کے طور پر ایک عورت کی عادت پانچ دن کی تھی تو وہ حیض کے آنے کے پہلے دن سے پانچویں دن تک ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرے، کیونکہ اسے طاہرہ ہونے اور حائضہ ہونے میں تردد ہے اس کے پچیس دن ہر نماز کے لیے غسل کرے کیونکہ ان میں سے ہر دن میں خروج من الحیض (حیض سے نکلنے) کا احتمال اور امکان ہے۔

متحیرہ بالزمان والعدد کا حکم

جس عورت کو نہ ایام عادت یاد ہوں اور نہ ہی اس کو زمانہ حیض یاد ہو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ ہر ماہ کے اوّل تین دن میں

ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرے گی اور نماز ادا کرے گی، اس لیے کہ تین دن کا ایام حیض ہونا بالکل یقینی ہے، باقی ستائیس دن ہر نماز کے لیے غسل کرے گی اس لیے کہ ہر دن خروج من الحیض کا احتمال اور امکان ہے۔

قولہ وتترک غیر مؤکدة الخ: اس عبارت میں حضرت علامہ حصکفیؒ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ متحیرہ عورت سنت غیر مؤکدہ اور مسجد میں داخل ہونے اور جماع کو چھوڑ دے گی، اس لیے کہ ممکن ہے کہ وہ حیض کا دن ہو اور حیض کے دنوں میں جماع حرام ہے۔ لیکن متحیرہ عورت سنت مؤکدہ اور واجب نماز نہ چھوڑے گی اس لیے کہ سنن مؤکدہ کی مشروعیت اس لیے ہوئی ہے کہ اگر فرائض میں کوئی کمی رہ گئی تو ان سے تکمیل ہو جائے۔ (شامی: ۱/۴۸۱)

مسئلہ: متحیرہ عورت رمضان شریف میں روزہ رکھے گی، پھر رمضان شریف ختم ہو جانے کے بعد بیس دن کے روزہ قضاء کرے گی اس لیے کہ یہ امکان ہے کہ حیض کا خون رمضان میں دس دن آیا ہو، اس لیے بعد بیس دن کے روزے قضاء کرے، بشرطیکہ یہ معلوم ہو کہ حیض کی ابتداء رات سے ہوئی ہے اس لیے کہ حیض کی اکثر مدت دس دن ہے، لہٰذا پورے رمضان میں صرف دس دن کا روزہ فاسد ہوگا۔ پھر اس نے بیس دن قضا کے روزے رکھے تو ان بیس دن کے روزے بالیقین طہر کے ہوں گے، کیونکہ مدت حیض زیادہ سے زیادہ دس دن ہوگی، اس نے کل پچاس دن کے روزے رکھے، اب دس روزے رمضان میں احتمالِ حیض کی وجہ سے ختم ہو گئے اور دس دن قضاء کے احتمال حیض میں ختم ہو گئے گویا بیس دن نکل گئے، اب بچ گئے تیس دن، اسی طرح گویا پورا رمضان روزہ کی حالت میں حکماً گذر گیا۔

اور اگر یہ معلوم ہو کہ حیض کی ابتداء دن سے ہوئی تو اس صورت میں گیارہویں تاریخ کے دن کا کچھ حصہ بھی دس دن پورے کرنے میں شامل ہو جائے گا، تو اس طرح گیارہ روزے حیض کی وجہ سے قضاء ہوں گے، تو اس صورت میں کل بائیس دن کے روزے قضاء کرے گی۔

متحیرہ کی عدتِ طلاق

متحیرہ اور اسی طرح معتادہ مستمرۃ الدم طلاق کی عدت مفتیٰ بہ قول کے مطابق سات ماہ سے گذارے گی جیسا کہ اس کی تفصیل ہم ترجمہ کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں کہ ایسی عورت کا اکثر طہر دو ماہ ہے تو اب تین طہر اور تین حیض کی مجموعی مدت سات ماہ ہوگی۔

ثُمَّ ذَكَرَ أَحْكَامَهُ بِقَوْلِهِ (يَمْنَعُ صَلَاةً) مُطْلَقًا وَلَوْ سَجْدَةَ شُكْرٍ (وَصَوْمًا) وَجِمَاعًا (وَتَقْضِيهِ) لُزُومًا دُونَهَا لِلْحَرَجِ. وَلَوْ شَرَعَتْ تَطَوُّعًا فِيهِمَا فَحَاضَتْ قَضَتْهُمَا خِلَافًا لِمَا زَعَمَهُ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ بَحْرٌ. وَفِي الْفَيْضِ: لَوْ نَامَتْ طَاهِرَةً وَقَامَتْ حَائِضَةً حُكِمَ بِحَيْضِهَا مُنْذُ قَامَتْ وَبِعَكْسِهِ مُنْذُ نَامَتْ احْتِيَاطًا. (وَ) حِلُّ (الطَّوَافِ) وَلَوْ بَعْدَ دُخُولِهَا الْمَسْجِدَ وَشُرُوعِهَا فِيهِ (وَقُرْبَانُ مَا تَحْتَ إِزَارٍ) يَعْنِي مَا بَيْنَ سُرَّةٍ وَرُكْبَةٍ وَلَوْ بِلَا شَهْوَةٍ، وَحَلَّ مَا عَدَاهُ مُطْلَقًا. وَهَلْ يَحِلُّ النَّظَرُ وَمُبَاشَرَتُهَا

لَهُ؟ فِيهِ تَرَدُّدٌ (وَقِرَاءَةُ قُرْآنٍ) بِقَصْدِهِ (وَمَسُّهُ) وَلَوْ مَكْتُوبًا بِالْفَارِسِيَّةِ فِي الْأَصَحِّ (وَإِلَّا بِغِلَافِهِ) الْمُنْفَصِلِ كَمَا مَرَّ (وَكَذَا) يُمْنَعُ (حَمْلُهُ) كَلَوْحٍ وَوَرَقٍ فِيهِ آيَةٌ. (وَلَا بَأْسَ) لِحَائِضٍ وَجُنُبٍ (بِقِرَاءَةِ أَدْعِيَةٍ وَمَسِّهَا وَحَمْلِهَا وَذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالَى، وَتَسْبِيحٍ) وَزِيَارَةِ قُبُورٍ، وَدُخُولِ مُصَلَّى عِيدٍ (وَأَكْلٍ وَشُرْبٍ بَعْدَ مَضْمَضَةٍ، وَغَسْلِ يَدٍ) وَأَمَّا قَبْلَهُمَا فَيُكْرَهُ لِجُنُبٍ لَا حَائِضٍ مَا لَمْ تُخَاطَبْ بِغُسْلٍ، ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ. (وَلَا يُكْرَهُ) تَحْرِيمًا (مَسُّ قُرْآنٍ بِكُمٍّ) عِنْدَ الْجُمْهُورِ تَيْسِيرًا، وَصَحَّحَ فِي الْهِدَايَةِ الْكَرَاهَةَ، وَهُوَ أَحْوَطُ.

ترجمہ | پھر حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے اپنے قول یمنع صلاۃ الخ سے حائضہ عورت کے بعض احکام کو بیان فرمایا ہے، یعنی حیض نماز، روزہ اور جماع کو مطلقاً روک دیتا ہے، خواہ سجدۂ شکر ہی کیوں نہ ہو، اور حائضہ عورت روزہ کی قضاء واجبی طور پر کرے گی؛ البتہ نماز کی قضاء نہیں کرے گی حرج کی وجہ سے۔ اور اگر کسی عورت نے نفلی نماز یا نفلی روزہ شروع کیا پھر وہ اس میں حیض کے اندر مبتلا ہوگئی تو اس صورت میں وہ ان دونوں کی قضاء کرے گی، اس کے خلاف ہے جو صدر الشریعہ نے خیال کیا ہے (کہ روزہ قضاء کرے گی اور نماز قضاء نہیں کرے گی) جیسا کہ البحر الرائق میں مذکور ہے۔

اور فیض میں ہے کہ ایک عورت پاکی کی حالت میں سوئی تھی اور جب اُٹھی تو حائضہ تھی تو اس عورت کے لیے اٹھنے کے وقت سے حیض کا حکم لگایا جائے گا۔ اور اگر اس کے برعکس معاملہ ہے بایں طور کہ جب سوئی تھی تو حائضہ تھی لیکن جب سو کر اٹھی تو حیض سے پاک ہوچکی تھی تو اس صورت میں احتیاطاً جس وقت سے سوئی ہے اسی وقت سے طہارت کا حکم لگایا جائے گا۔

اور حیض مسجد میں دخول کو روک دیتا ہے یعنی حائضہ عورت کے لیے مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے۔ اور حیض کی حالت میں طواف کرنا بھی حلال نہیں ہے، اگرچہ حیض مسجد حرام میں داخل ہونے کے بعد اور طواف شروع کرنے کے بعد شروع ہوا ہو۔ اور حیض بدن کے اس حصہ سے قربت کو روک دیتا ہے جو ازار کے نیچے ہے، یعنی حیض کی حالت میں ناف اور گھٹنے کے درمیان سے استمتاع جائز نہیں ہے اگرچہ بغیر شہوت کے قربت کیوں نہ ہو۔ اور جو اس کے علاوہ حائضہ کا بدن ہے اس سے استمتاع مطلقاً حلال ہے۔

اور کیا شوہر کے لیے حائضہ عورت کے ناف سے لے کر گھٹنے تک کا جو حصہ ہے اس کو دیکھنا اور اس کے بدن سے بدن ملانا جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں تردد ہے (لیکن اس بارے میں قول محقق یہ ہے کہ صرف دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس کی حرمت پر کوئی نص موجود نہیں ہے) اور قرآنِ کریم کو قرآن کی نیت سے پڑھنے کو حیض روک دیتا ہے۔ اسی طرح قرآنِ کریم کا چھونا بھی حالت حیض میں جائز نہیں ہے اصح قول کے مطابق، اگرچہ فارسی زبان ہی میں کیوں نہ لکھا ہوا ہو۔ ہاں اگر قرآن شریف ایسے غلاف میں لپٹا ہو جو اس کے ساتھ سلا نہ ہو بلکہ اس سے جدا ہو تو چھونا جائز ہے جیسا کہ اس سے پہلے گذر رہا۔ اور اسی طرح حائضہ عورت کے لیے قرآنِ کریم کو اٹھانا بھی جائز نہیں ہے جس طرح اسی تختی اور ورق کو اُٹھانا جائز نہیں جس پر قرآنِ کریم

کی آیت لکھی ہوئی ہو۔

اور حائضہ عورت اور جنبی مرد وعورت کے لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ قرآنی دعائیں پڑھیں، ان کو چھوئیں، ان کو اُٹھائیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں۔ نیز تسبیح وتہلیل کرنے میں اور قبروں کی زیارت کرنے میں عیدگاہ میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے (البتہ ان چیزوں کے لیے وضو کرلینا مستحب ہے)

اور حائضہ عورت کے لیے ہاتھ دھوکر اور کلی کرکے کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ بغیر ہاتھ دھوئے اور بغیر کلی کئے جنبی شخص کے لیے کھانا پینا مکروہ ہے، لیکن حائضہ عورت کے لیے اس میں کوئی کراہت نہیں ہے جب تک کہ اس کے نہانے کا وقت نہ آجائے، اس کو امام حلبی نے ذکر فرمایا ہے۔

اور جمہور فقہاء کرام کے نزدیک جنبی شخص کے لیے قرآن کریم کو آستین سے چھونا مکروہ تحریمی نہیں ہے یہ حکم جنبی کی سہولت کے پیش نظر ہے، لیکن ہدایہ میں کراہت کے قول کی تصحیح کی گئی ہے اور اسی میں زیادہ احتیاط بھی ہے۔

مختصر تشریح حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے مذکورہ بالا عبارت سے حائضہ عورت کے کچھ احکام کو بیان فرمایا ہے کہ حائضہ عورت حالت حیض میں کیا کیا کرسکتی ہے؟ اور کیا کیا نہیں کرسکتی ہے؟ چناں چہ مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

مسئلہ: حیض کی حالت میں عورت نہ نماز پڑھے گی، نہ روزہ رکھے گی اور نہ سجدۂ تلاوت ادا کرے گی اور نہ ہی سجدۂ شکر ادا کرسکتی ہے۔ اسی طرح نماز جنازہ بھی حیض کی حالت میں پڑھنا جائز نہیں ہے۔ حیض کے زمانہ کی نماز عورت سے بالکلیہ طور پر ساقط ہوجاتی ہے بعد میں قضاء کرنا لازم نہیں ہے، البتہ حیض کی حالت میں جو روزہ نہیں رکھے گی اس کو پاک ہونے کے بعد قضاء کرے گی اس لیے کہ اس کی قضاء کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کے برخلاف نماز کی قضاء کرنے میں حرج ہے، بایں طور کہ ایک دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں اور ہر ماہ حیض آئے گا تو اس طرح ہر ماہ ادا کرنا مشکل اور دشوار ہے اس لیے شریعت نے نماز کو بالکل معاف کردیا ہے۔ اور روزہ سال میں ایک ماہ کا ہوتا ہے تو اس کی ادائیگی میں کوئی حرج اور مشقت نہیں ہے۔ (شامی: ۱/ ۴۸۵)

مسئلہ: حیض کی حالت میں مسجد میں داخل ہونا، بیت اللہ شریف کا طواف کرنا، اگرچہ مسجد حرام میں داخل ہونے اور طواف شروع کرنے کے بعد حیض کیوں نہ شروع ہوا ہو، جائز نہیں ہے۔ اسی طرح حیض کی حالت میں جماع کرنا یا ناف سے لے کر گھٹنہ تک کے حصۂ بدن سے بلا کسی حائل کے قریب ہونا اور قرآن کریم کی تلاوت قرآن پڑھنے کی نیت سے کرنا یہ سب ناجائز اور حرام ہیں۔

مسئلہ: حائضہ عورت کے لیے کھانا پکانا، آٹا گوندھنا، روٹی پکانا جائز ہے کسی چیز کو چھودینے سے وہ چیز ناپاک نہیں ہوتی ہے۔ (شامی: ۱/ ۴۸۶)

مسئلہ: حائضہ عورت کو بالکل الگ تھلگ کردینا اس کے بستر کو الگ کردینا، اس سے بات چیت بند کردینا، مکروہ تحریمی ہے، اس لیے کہ اس میں یہودیوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے، یہودی اپنی عورتوں کو حیض کی حالت میں بالکل علیحدہ کردیتے

ہیں۔(شامی:۱/۴۸۶)

مسئلہ: اگر کسی مسافر یا معتکف یا کسی اور کو مسجد میں احتلام ہوگیا تو اس کو چاہئے کہ فوراً تیمم کر کے مسجد سے نکل جائے اور غسل کرے۔ اور اگر کسی خوف کی وجہ سے مسجد سے نہ نکلنا چاہے تو تیمم کر کے مسجد میں رہ سکتا ہے اور اس وقت اس کے لیے تیمم کرنا واجب ہوگا۔(شامی:۱/۴۸۶)

مسئلہ: اگر قرآنِ کریم کی آیت کسی تختی یا درہم ودنانیر یا دیوار یا روپیہ وغیرہ پر لکھی ہو تو جنبی اور حائضہ کے لیے اس کو چھونا جائز نہیں ہے یعنی جس جگہ آیت لکھی ہے اس جگہ کو چھونا جائز نہیں ہے، البتہ خالی جگہوں کا چھونا جائز ہے۔ اسکے برخلاف قرآنِ کریم کو حالت حیض وجنابت میں نہ جلد کو چھونا جائز ہے اور نہ ہی سفید جگہ کو ہاتھ لگانا جائز ہے۔(شامی:۱/۴۸۸)

مسئلہ: اگر قرآنِ کریم اٹیچی یا صندوق یا بیگ میں رکھا ہو تو جنبی وحائضہ کے لیے اس کے اُٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس قرآن کی توہین بھی نہیں ہے۔(شامی:۱/۴۸۸)

مسئلہ: جنبی اور حائضہ کے لیے ادعیہ ماثورہ پڑھنا، اس کو چھونا، اس کو اٹھانا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، سبحان اللہ، الحمد للہ پڑھنا، قبروں کی زیارت کرنا اور عیدگاہ میں داخل ہونا جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ وضو کر کے ان تمام امور کو بجالانا مستحب ہے۔(شامی:۱/۴۸۸)

مسئلہ: حائضہ عورت ہاتھ دھونے اور کلی کرنے کے بعد کھا، پی سکتی ہے البتہ ہاتھ دھونے اور کلی کرنے سے پہلے جنبی کے لیے کھانا پینا مکروہ ہے اور حائضہ عورت کے لیے کوئی مکروہ نہیں ہے۔(شامی:۱/۴۸۸)

مسئلہ: جنبی شخص کے لیے آستین سے قرآنِ کریم کو چھونا اسی طرح اس کپڑے سے چھونا جو جنبی کے بدن سے متصل ہے مکروہ تحریمی ہے۔ اسی قول کو صاحب ہدایہ وغیرہ نے راجح قرار دیا ہے۔ اگرچہ بعض فقہاء سے عدم جواز کا قول بھی مروی ہے۔(شامی:۱/۴۸۹)

(وَيَحِلُّ وَطْؤُهَا إِذَا انْقَطَعَ حَيْضُهَا لِأَكْثَرِهِ) بِلَا غُسْلٍ وُجُوبًا بَلْ نَدْبًا. (وَإِنْ) انْقَطَعَ لِدُونِ أَقَلِّهِ تَتَوَضَّأُ وَتُصَلِّي فِي آخِرِ الْوَقْتِ، وَإِنْ (لِأَقَلِّهِ) فَإِنْ لِدُونِ عَادَتِهَا لَمْ يَحِلَّ، وَتَغْتَسِلُ وَتُصَلِّي وَتَصُومُ احْتِيَاطًا، وَإِنْ لِعَادَتِهَا، فَإِنْ كِتَابِيَّةً حَلَّ فِي الْحَالِ وَإِلَّا (لَا) يَحِلُّ (حَتَّى تَغْتَسِلَ) أَوْ تَتَيَمَّمَ بِشَرْطِهِ (أَوْ يَمْضِيَ عَلَيْهَا زَمَنٌ يَسَعُ الْغُسْلَ) وَلُبْسَ الثِّيَابِ (وَالتَّحْرِيمَةَ) يَعْنِي مِنْ آخِرِ وَقْتِ الصَّلَاةِ لِتَعْلِيلِهِمْ بِوُجُوبِهَا فِي ذِمَّتِهَا، حَتَّى لَوْ طَهُرَتْ فِي وَقْتِ الْعِيدِ لَا بُدَّ أَنْ يَمْضِيَ وَقْتُ الظُّهْرِ كَمَا فِي السِّرَاجِ، وَهَلْ تُعْتَبَرُ التَّحْرِيمَةُ فِي الصَّوْمِ؟ الْأَصَحُّ لَا، وَهِيَ مِنَ الطُّهْرِ مُطْلَقًا، وَكَذَا الْغُسْلُ لَوْ لِأَكْثَرِهِ وَإِلَّا فَمِنَ الْحَيْضِ فَتَقْضِي إِنْ بَقِيَ بَعْدَ الْغُسْلِ وَالتَّحْرِيمَةِ وَلَوْ لِعَشَرَةٍ فَقَدْرُ التَّحْرِيمَةِ فَقَطْ لِئَلَّا تَزِيدَ أَيَّامُهُ عَلَى عَشَرَةٍ فَلْيُحْفَظْ (وَ) وَطْؤُهَا (يُكَفَّرُ مُسْتَحِلُّهُ)

كَمَا جَزَمَ بِهِ غَيْرُ وَاحِدٍ، وَكَذَا مُسْتَحِلُّ وَطْءِ الدُّبُرِ عِنْدَ الْجُمْهُورِ مُجْتَبٰى (وَقِيلَ لَا) يَكْفُرُ فِي الْمَسْأَلَتَيْنِ، وَهُوَ الصَّحِيحُ خُلَاصَةٌ (وَعَلَيْهِ الْمُعَوَّلُ) ؛ لِأَنَّهُ حَرَامٌ لِغَيْرِهِ وَلِمَا يَجِيءُ فِي الْمُرْتَدِّ أَنَّهُ لَا يُفْتٰى بِتَكْفِيرِ مُسْلِمٍ كَانَ فِي كُفْرِهِ خِلَافٌ، وَلَوْ رِوَايَةٌ ضَعِيفَةٌ، ثُمَّ هُوَ كَبِيرَةٌ لَوْ عَامِدًا مُخْتَارًا عَالِمًا بِالْحُرْمَةِ لَا جَاهِلًا أَوْ مُكْرَهًا أَوْ نَاسِيًا فَتَلْزَمُهُ التَّوْبَةُ؛ وَيُنْدَبُ تَصَدُّقُهُ بِدِينَارٍ أَوْ نِصْفِهِ. وَمَصْرِفُهُ كَزَكَاةٍ وَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ تَصَدُّقٌ؟ قَالَ فِي الضِّيَاءِ: الظَّاهِرُ لَا.

ترجمہ اور جب حائضہ عورت کا خون اکثر مدت کے بعد بند ہوا تو اس سے غسل کرنے سے پہلے وطی کرنا جائز اور حلال ہوتا ہے اس لیے کہ عورت پر غسل واجب نہیں بلکہ صرف مستحب ہے۔ اور اگر عورت کا خون اقل مدت تین دن اور تین رات سے کم میں بند ہو گیا ہے تو عورت وضو کرے گی اور نماز کے اخیر وقت نماز ادا کرے گی۔ (اس لیے کہ تین یوم سے کم خون کا آنا اس بات کی علامت ہے کہ یہ خون حیض کا نہیں ہے لیکن اس صورت میں بھی شوہر کے لیے جماع کرنا حلال نہیں ہے) اور اگر عورت کا خون اس کی عادتِ متعینہ سے کم میں بند ہو گیا ہے تو اس عورت سے جماع جائز نہیں ہے (اگر چہ عورت نے غسل کیوں نہ کر لیا ہو) اور عورت اس حالت میں غسل کرے گی اور احتیاطاً نماز، روزہ سب ادا کرے گی۔ اور اگر عورت کا خون حیض اقل مدت کے بعد اور عادت کے مطابق بند ہوا ہے اور وہ عورت کتابیہ ہے تو اس سے فی الحال بھی جماع کرنا حلال ہوگا (اس واسطے کہ اس پر غسل کرنا واجب نہیں ہے، کیونکہ غیر مسلم احکامِ شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں) اور اگر وہ عورت مسلمان ہے تو شوہر کے لیے اس وقت تک اس سے جماع کرنا حلال نہ ہوگا جب تک کہ عورت غسل نہ کر لے یا اگر کوئی شرعی مجبوری ہے تو غسل کے بدلہ میں تیمم کے جملہ شرائط کے ساتھ تیمم نہ کر لے، یا اس عورت پر اتنا وقت گذر جائے کہ اس میں وہ غسل کر کے کپڑا پہن کر تحریمہ باندھ سکتی تھی، نماز کے اخیر وقت سے اس لیے کہ حضرات فقہاءِ کرام نے عورت کے ذمہ وجوبِ نماز کی علت اسی کو بیان فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی عورت عید کے وقت میں حیض سے پاک ہوئی تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ظہر کا پورا وقت گذر جائے تب شوہر کے لیے اس سے وطی کرنا حلال ہوگا، جیسا کہ سراج الوہاج میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔

اور کیا روزے میں بھی تحریمہ کی گنجائش کا اعتبار ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اصح قول کے مطابق روزے میں اس کا اعتبار نہیں ہے، اس میں صرف غسل کرنے اور کپڑا بدلنے کا اعتبار ہے۔ اور تحریمہ کا زمانہ مطلقاً طہر میں داخل ہے (خواہ حیض کا خون دس دن بعد بند ہوا ہو یا اس سے کم مدت میں) اسی طرح غسل بھی تحریمہ کی طرح طہر میں داخل ہے مگر اس وقت جب کہ خون اکثر مدت میں بند ہوا ہو۔ اور اگر خون دس دن سے پہلے بند ہوا ہے تو غسل کا زمانہ حیض میں داخل ہوگا۔ پس اگر غسل اور تحریمہ کے بعد وقت میں گنجائش ہے تو وہ عورت نماز کو قضاء کرے گی۔ اور اگر خون دس دن کے بعد بند ہوا ہے تو اگر صرف بقدرِ تحریمہ بھی وقت میں گنجائش ہو تو بھی وہ اس نماز کی قضاء کرے گی تاکہ حیض کے دن دس دن سے زیادہ نہ ہو جائیں، پس اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔

اور حائضہ عورت سے وطی کو حلال ہونے کا عقیدہ رکھنے والا شخص کافر ہوتا ہے جیسا کہ متعدد فقہاء کرام نے اس پر یقین کیا ہے (ان فقہاء کرام میں صاحب مبسوط، صاحب اختیار اور صاحب فتح القدیر بھی سرفہرست ہیں) اسی طرح جو شخص بیوی کے پچھلے راستہ میں وطی کرنے کو حلال سمجھے وہ بھی جمہور فقہاء کرام کے نزدیک کافر ہے۔ جیسا کہ مجتبیٰ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اور بعض علماء کرام نے فرمایا کہ ان دونوں مسئلوں میں حلال سمجھنے والے کی تکفیر نہ کی جائے گی۔ صاحب خلاصہ نے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور اسی پر اعتماد اور بھروسہ کیا ہے اس لیے کہ اس کی حرمت لغیرہ ہے (اور وہ حیض اور پائخانہ کا موجود ہونا ہے اور علامہ شامی فرماتے ہیں کہ لڑکے کے ساتھ اس فعل کو حلال سمجھنے والا شخص بالاتفاق کافر ہے، اس میں کسی کا اختلاف منقول نہیں ہے۔ حضرات فقہاء کرام نے اس کی صراحت کی ہے کہ لواطت کا گناہ زناء سے بڑھ کر ہے اس لیے کہ یہ کسی بھی طرح مباح نہیں ہے۔ اور اس کی قباحت عقلاً بھی ثابت ہے، اسی وجہ سے جنت میں لواطت کا نام ونشان تک بھی نہیں رہے گا)۔ (شامی: ۱/ ۴۹۴)

اور باب المرتد میں یہ حکم آئے گا کہ اگر کسی مسلمان کے کفر میں اختلاف ہو اگر چہ وہ ضعیف روایت ہی کی وجہ سے کیوں نہ ہو تو اس مسلمان پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا۔ پھر اگر کوئی شخص حالت حیض میں وطی کی حرمت کو جانتے ہوئے جان بوجھ کر اپنے اختیار سے وطی کرے تو یہ گناہِ کبیرہ کا ارتکاب ہوگا، البتہ اگر کوئی شخص اس کی حرمت نہیں جانتا ہے یا بے اختیاری کے عالم میں کسی کے دباؤ میں آکر یا بھول کر ایسا کرتا ہو تو اس پر توبہ واستغفار لازم ہے، لیکن گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا نہ ہوگا۔ (ہاں فعل حرام کا ارتکاب کرنے والا ضرور ہوگا) اور اس کے لیے مندوب ہے کہ ایک دنیار یا آدھا دینار صدقہ کردے۔ (اگر اوّل زمانہ حیض میں وطی کی تو ایک دنیار صدقہ کرے اور حیض کے آخری زمانہ میں وطی کی تو نصف دینار صدقہ کرے) اور اس کا مصرف وہی ہے جو زکاۃ کا مصرف ہے یعنی زکوٰۃ کا مال جن لوگوں کو دینا جائز ہے ان ہی لوگوں کو اس صدقہ کے مال کو دینا بھی جائز ہے۔ اب رہی یہ بات کہ کیا عورت پر بھی صدقہ مستحب ہے یا صرف مردوں کے لیے مستحب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ الضیاء المعنوی میں ہے کہ بظاہر یہ حکم استحباب عورت کے لیے نہیں ہے۔

مختصر تشریح ماقبل میں جو عبارت لکھی گئی ہے اس میں شارح علیہ الرحمہ نے تین طرح کی باتیں بیان فرمائی ہیں: (۱) حائضہ عورت کے مختلف احکام ومسائل۔ (۲) حالت حیض میں وطی کو حلال سمجھنے والے کا حکم۔ (۳) اگر کسی نے حالت حیض میں وطی کرلی تو کیا کرنا چاہیے۔

اب ہم ان تینوں باتوں کو الگ الگ بالترتیب بیان کرتے ہیں:

حیض کے مختلف احکام ومسائل

مسئلہ: ایک عورت کو حیض آرہا تھا اور دس دن مکمل ہونے کے بعد خون آنا بند ہوا تو اب اس عورت کے لیے مستحب ہے کہ پہلے غسل کرے اس کے بعد شوہر کے ساتھ ہم بستر ہو، لیکن اگر شوہر نے عورت کے غسل کرنے سے پہلے اس سے وطی کرلی تو جائز ہے۔

مسئلہ: اگر خون دس دن مکمل ہونے سے پہلے آنا بند ہوگیا ہے مثلاً سات دن میں خون بند ہوگیا تو اب یہ دیکھا جائے گا

کہ اس عورت کو حیض میں عمومی عادت کیا تھی، اگر اس کی عادت سے پہلے خون بند ہو گیا ہے تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ احتیاطاً غسل کرے اور نماز، روزہ ادا کرے، لیکن اس عورت سے شوہر کے لیے جماع حلال نہیں ہے، نہ غسل سے پہلے جماع حلال ہے اور نہ ہی غسل کرنے کے بعد جماع حلال ہے۔

مسئلہ: اگر عورت کا خون تین دن کے بعد اور دس دن سے پہلے بند ہو گیا ہے لیکن عورت کی جو عمومی عادت تھی اسی کے مطابق بند ہوا ہے تو اب اس عورت سے اس وقت تک جماع کرنا درست نہیں ہے جب تک وہ عورت غسل نہ کر لے۔ اور اگر کسی وجہ سے غسل پر قادر نہ ہو تو تیمم کی شرائط کے مطابق تیمم نہ کر لے اور جب غسل یا بوقت مجبوری تیمم کر لے گی تو اس سے جماع درست ہوگا۔ اور جماع کے حلال ہونے کے لیے دوسری صورت یہ ہے کہ عادت کے مطابق خون بند ہونے کے بعد اتنا وقت گذر جائے کہ اگر وہ چاہتی تو غسل کر کے کپڑا بدل سکتی تھی اور تحریمہ باندھ سکتی تھی یا اسی طرح عورت اپنے ذمہ ایک نماز قضاء یا دین چڑھالی تو خواہ اس نے غسل کیا ہو یا نہ کیا ہو اس سے وطی کرنا حلال اور جائز ہے۔

مسئلہ: اگر عورت کا خون تین دن سے پہلے بند ہوا لیکن اس عورت کی جو ہر ماہ عادت متعین تھی اسی کے مطابق بند ہوا ہے تو اس صورت میں ایک نماز کا ذمہ میں دین ہو جانا ضروری ہے۔ اور وقت میں اتنی گنجائش باقی ہے کہ غسل کر کے اور کپڑا بدل کر تحریمہ کہہ سکتی ہے خواہ یہ خون وقت سے پہلے بند ہوا ہو یا وقت کے شروع میں یا اخیر وقت سے کچھ پہلے، مثلاً کسی عورت کا حیض ظہر کے وقت شروع ہونے سے پہلے بند ہوا یا ظہر کے اوّل وقت میں بند ہوا تو اس عورت سے اس وقت تک بلا غسل جماع حلال نہیں ہے جب تک عصر کا وقت داخل نہ ہو جائے اور عورت کے ذمہ ایک نماز دین واجب نہ ہو جائے۔ ایک نماز کا عورت کے ذمہ میں واجب ہو جانا حکماً طہارت ہے لہٰذا اب اس سے جماع کرنا حلال ہوگا۔ (شامی: ۱/۴۹۱)

مسئلہ: اگر کسی عورت کا خون ظہر کے اخیر وقت میں بند ہوا لیکن اس وقت ظہر اور عصر کے درمیان اتنا وقت باقی تھا کہ عورت غسل کر کے کپڑے بدل سکتی تھی اور تحریمہ باندھ سکتی تھی تو جب عصر کا وقت داخل ہو جائے تو اس عورت کے بلا غسل کئے جماع درست ہے لیکن اگر عورت ایسے وقت میں پاک ہوئی کہ ظہر اور عصر کے درمیان اتنا وقت باقی نہیں تھا تو محض عصر کے وقت داخل ہو جانے سے اس کے بغیر غسل کئے جماع درست نہ ہوگا، ہاں جب آفتاب غروب ہو جائے اور اس کے ذمہ عصر کی نماز واجب ہو جائے اس کے باوجود عورت غسل نہ کرے تو اسکے غسل کئے بغیر بھی جماع درست ہے۔ (شامی: ۱/۴۹۱)

مسئلہ: اگر کوئی حائضہ عورت کا خون عید کی نماز کے وقت بند ہوا تو اس کے بغیر غسل کئے جماع درست نہ ہوگا، ہاں اگر عورت کے ذمہ ظہر کی نماز واجب ہو گئی اور ظہر کا سارا وقت گذر گیا پھر بھی عورت نے غسل نہ کیا تو ایسی صورت میں شوہر کے لیے جائز ہے کہ اس کے غسل کے بغیر ہی اس سے جماع کر لے۔

حالت حیض میں جماع کو حلال سمجھنے والے کا حکم

یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ حیض کی حالت میں عورت سے وطی کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ اور اس کی حرمت قرآن کریم کی آیت سے ثابت ہے اس میں کسی بھی طرح کا کوئی خفاء نہیں ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حیض کی حالت میں بیوی سے وطی کو حلال سمجھے، یا بیوی کے پچھلے راستہ میں جماع کو حلال سمجھے تو از روئے شرع اس شخص کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ شخص کافر ہو جاتا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس شخص کے بارے میں حضرات فقہاء کرام کی دو جماعت ہے ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ حالت حیض میں وطی کو حلال سمجھنے والا شخص نیز بیوی کے دُبر میں جماع کو حلال جاننے والا شخص کافر ہو جاتا ہے اور اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے اور جو حرمت نص قطعی سے ثابت ہو اس کو حلال سمجھنا در حقیقت اس کا انکار کرنا ہے اور نصوص قطعیہ کا منکر کافر ہوتا ہے اس لیے وطی فی حالۃ الحیض کو حلال سمجھنا یا وطی فی الدبر کو حلال سمجھنا بھی موجب کفر ہوگا۔

علماء کرام اور حضرات فقہاء کرام کی دوسری جماعت کا یہ کہنا ہے کہ ان دونوں مسئلوں میں حلال سمجھنے والے کی تکفیر نہ کی جائے گی۔ اس لیے کہ یہ حرام لغیرہ ہے اور عدم تکفیر کا قول ہی راجح اور عند الفقہاء معتمد ہے۔ صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیم المصری نے خلاصہ سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شئی حرام لعینہٖ ہو اور اس کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو تو اس کے بارے میں حلال ہونے کا عقیدہ رکھنا بلا شبہ موجب کفر ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شئی شرعی اعتبار سے حلال ہو اور اس کی حلت دلیل قطعی سے ثابت ہو تو اگر کوئی شخص اس کے بارے میں حرام ہونے کا عقیدہ رکھے تو یہ بھی موجب کفر ہے۔ البتہ اگر کسی شئی کی حرمت دلیل قطعی سے تو ثابت ہو لیکن حرام لعینہٖ نہ ہو بلکہ حرام لغیرہ ہو یا وہ شئی حرام لعینہٖ ہو لیکن اس کی حرمت اخبار آحاد سے ثابت ہو تو اس کو حلال سمجھنے سے آدمی کی تکفیر نہ کی جائے گی۔ (شامی: ۱/ ۴۹۴)

حالت حیض میں وطی کرنے والا کیا کرے؟

حیض کی حالت میں وطی کرنا یا اس کو حلال سمجھنا تو موجب تکفیر نہیں ہے لیکن گناہ کبیرہ اور حرام کا ارتکاب ضرور ہے، بشرطیکہ اس کام کو جان بوجھ کر اور اپنے اختیار سے کیا جائے۔ اور اگر کسی کو کسی کی حرمت معلوم نہیں ہے یا زور زبردستی سے حیض میں جماع کیا تو گناہ کبیرہ تو نہیں ہے، تاہم اس پر توبہ واستغفار لازم ہے اور اس کے لیے مستحب ہے کہ ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ کرے۔ بعض علماء کرام نے فرمایا کہ اگر اوّل حیض میں جماع کرے تو ایک دینار صدقہ کرے اور اگر حیض کے اخیر میں جماع کرے تو نصف دینار صدقہ کرے۔ اور بعض نے فرمایا کہ اگر خون سیاہ آ رہا ہو تو ایک دینار صدقہ کرے اور زرد خون آنے کی حالت میں جماع کرے تو نصف دینار صدقہ کرے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص حیض کی حالت میں بیوی سے جماع کر بیٹھے تو ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ کرے۔ اور حاکم کی روایت میں ہے کہ جب مرد

اپنی بیوی سے حالت حیض میں وطی کرے اور خون سرخ ہو تو ایک دینار صدقہ کرنا چاہئے۔ اور اگر خون زرد ہو تو آدھا دینار صدقہ کرنا چاہئے۔ (شامی: ۱/ ۴۹۴)

(وَدَمُ اسْتِحَاضَةٍ) حُكْمُهُ (كَرُعَافٍ دَائِمٍ) وَقْتًا كَامِلًا (لَا يَمْنَعُ صَوْمًا وَصَلَاةً) وَلَوْ نَفْلًا (وَجِمَاعًا) لِحَدِيثِ «تَوَضَّئِي وَصَلِّي وَإِنْ قَطَرَ الدَّمُ عَلَى الْحَصِيرِ» . (وَالنِّفَاسُ) لُغَةً: وِلَادَةُ الْمَرْأَةِ. وَشَرْعًا (دَمٌ) فَلَوْ لَمْ تَرَهُ هَلْ تَكُونُ نُفَسَاءَ؟ الْمُعْتَمَدُ نَعَمْ (وَيَخْرُجُ) مِنْ رَحِمِهَا فَلَوْ وَلَدَتْهُ مِنْ سُرَّتِهَا إِنْ سَالَ الدَّمُ مِنَ الرَّحِمِ فَنُفَسَاءُ وَإِلَّا فَذَاتُ جُرْحٍ وَإِنْ ثَبَتَ لَهُ أَحْكَامُ الْوَلَدِ (عَقِبَ وَلَدٍ) أَوْ أَكْثَرِهِ وَلَوْ مُتَقَطِّعًا عُضْوًا عُضْوًا لَا أَقَلِّهِ، فَتَتَوَضَّأُ إِنْ قَدَرَتْ أَوْ تَتَيَمَّمُ وَتُومِئُ بِصَلَاةٍ وَلَا تُؤَخِّرُ، فَمَا عُذْرُ الصَّحِيحِ الْقَادِرِ؟ . وَحُكْمُهُ كَالْحَيْضِ فِي كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا فِي سَبْعَةٍ ذَكَرْتُهَا فِي الْخَزَائِنِ وَشَرْحِي لِلْمُلْتَقَى: مِنْهَا أَنَّهُ (لَاحَدَّ لِأَقَلِّهِ) إِلَّا إِذَا أُحْتِيجَ إِلَيْهِ لِعِدَّةٍ كَقَوْلِهِ إِذَا وَلَدْتِ فَأَنْتِ طَالِقٌ، فَقَالَتْ مَضَتْ عِدَّتِي، فَقَدَّرَهُ الْإِمَامُ بِخَمْسَةٍ وَعِشْرِينَ مَعَ ثَلَاثِ حِيَضٍ وَالثَّانِي بِأَحَدَ عَشَرَ وَالثَّالِثُ بِسَاعَةٍ (وَأَكْثَرُهُ أَرْبَعُونَ يَوْمًا) كَذَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَغَيْرُهُ وَلِأَنَّ أَكْثَرَهُ أَرْبَعَةُ أَمْثَالِ أَكْثَرِ الْحَيْضِ. (وَالزَّائِدُ) عَلَى أَكْثَرِهِ (اسْتِحَاضَةٌ) لَوْ مُبْتَدَأَةً؛ أَمَّا الْمُعْتَادَةُ فَتُرَدُّ لِعَادَتِهَا وَكَذَا الْحَيْضُ، فَإِنِ انْقَطَعَ عَلَى أَكْثَرِهِمَا أَوْ قَبْلَهُ فَالْكُلُّ نِفَاسٌ. وَكَذَا حَيْضٌ إِنْ وَلِيَهُ طُهْرٌ تَامٌّ وَإِلَّا فَعَادَتُهَا وَهِيَ تَثْبُتُ وَتَنْتَقِلُ بِمَرَّةٍ بِهِ يُفْتَى، وَتَمَامُهُ فِيمَا عَلَّقْنَاهُ عَلَى الْمُلْتَقَى (وَالنِّفَاسُ لِأُمِّ تَوْأَمَيْنِ مِنَ الْأَوَّلِ) هُمَا وَلَدَانِ بَيْنَهُمَا دُونَ نِصْفِ حَوْلٍ وَكَذَا الثَّلَاثَةُ وَلَوْ بَيْنَ الْأَوَّلِ وَالثَّالِثِ أَكْثَرُ مِنْهُ فِي الْأَصَحِّ (وَ) انْقِضَاءُ (الْعِدَّةِ مِنَ الْأَخِيرِ وِفَاقًا) لِتَعَلُّقِهِ بِالْفَرَاغِ (وَسِقْطٌ) مُثَلَّثُ السِّينِ: أَيْ مَسْقُوطٌ (ظَهَرَ بَعْضُ خَلْقِهِ كَيَدٍ أَوْ رِجْلٍ أَوْ أُصْبُعٍ أَوْ ظُفُرٍ أَوْ شَعْرٍ، وَلَا يَسْتَبِينُ خَلْقُهُ إِلَّا بَعْدَ مِائَةٍ وَعِشْرِينَ يَوْمًا (وَلَدٌ) حُكْمًا (فَتَصِيرُ) الْمَرْأَةُ (بِهِ نُفَسَاءَ وَالْأَمَةُ أُمَّ وَلَدٍ وَيَحْنَثُ بِهِ) فِي تَعْلِيقِهِ وَتَنْقَضِي بِهِ الْعِدَّةُ، فَإِنْ لَمْ يَظْهَرْ لَهُ شَيْءٌ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ، وَالْمَرْئِيُّ حَيْضٌ إِنْ دَامَ ثَلَاثًا وَتَقَدَّمَهُ طُهْرٌ تَامٌّ وَإِلَّا اسْتِحَاضَةٌ، وَلَوْ لَمْ يُدْرَ حَالُهُ وَلَا عَدَدُ أَيَّامِ حَمْلِهَا وَدَامَ الدَّمُ تَدَعُ الصَّلَاةَ أَيَّامَ حَيْضِهَا بِيَقِينٍ ثُمَّ تَغْتَسِلُ ثُمَّ تُصَلِّي كَمَعْذُورٍ.

ترجمہ اور استحاضہ کا حکم اس دائمی نکسیر کی طرح ہے جو نماز کے پورے وقت میں جاری رہے۔ یہ خون روزہ، نماز خواہ نفل ہی کیوں نہ ہو اور جماع کو نہیں روکتا ہے (یعنی عورت استحاضہ کی حالت میں نماز، روزہ ادا کرتی رہے گی اور شوہر کے لیے جماع کرنا اس سے جائز ہوگا) اس حدیث کی وجہ سے جو ابن ماجہ وغیرہ میں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائی کہ تم وضو کیا کرو اور نماز پڑھا کرو اگرچہ خون چٹائی پر ٹپکتا رہے (نماز کے جواز کا حکم تو عبارت النص سے معلوم ہوا اور روزہ اور جماع کے جواز کا حکم دلالۃ النص سے معلوم

ہوتا ہے کہ جب نماز کی ادائیگی جائز ہے تو روزہ اور جماع تو بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا)۔

اور نفاس کے معنی لغت میں اہل عرب کے یہاں عورت کے جننے کے ہیں۔ اور شریعت کی اصطلاح میں نفاس اس خون کو کہتے ہیں جو ولادت کے بعد عورت کے رحم سے نکلتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی عورت بچہ پیدا ہونے کے بعد خون بالکل نہ دیکھے تو اس کو نفاس والی شرعی اعتبار سے کہیں گے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ معتمد قول کے مطابق ایسی عورت بھی نفاس والی ہوگی (اور احتیاط کے طور پر غسل کرنا اس پر واجب ہوگا، کیونکہ ولادت کے بعد کچھ نہ کچھ خون کا آنا ضروری ہے خواہ دیکھنے میں نہ آئے)۔

پس اگر کسی عورت کے بچہ اس کے ناف سے پیدا ہوا (بایں طور کہ ناف میں زخم تھا، ولادت کے وقت وہ زخم پھٹ پڑا اور بچہ اس سے نکل آیا) تو اس وقت یہ غور کیا جائے گا کہ خون رحم سے نکلا ہے یا نہیں؟ اگر خون رحم سے بہا ہے تو عورت نفاس والی کہلائے گی اور اگر بچہ دانی سے خون نہیں بہا تو نفاس والی نہ کہلائے گی، بلکہ وہ زخم والی کہلائے گی، اگرچہ اس کے لیے بچہ کے احکام ثابت ہوں گے۔ (یعنی اگر عورت عدت میں تھی تو عدت گذر جائے گی اور عورت باندی تھی تو ام ولد ہو جائے گی۔ اور اگر شوہر نے طلاق کے وقوع کو ولادت پر معلق کیا تھا تو شرط کے وجود کی وجہ سے طلاق ہو جائے گی) اور یہ نفاس پورا بچہ یا بچہ کا اکثر حصہ باہر آجانے کے بعد ثابت ہوتا ہے، اگرچہ بچہ کا پورا حصہ یا اکثر حصہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے نکالا گیا ہو۔ اور بچہ کے کم حصہ نکلنے سے نفاس ثابت نہ ہوگا۔ لہٰذا اگر ولادت کے وقت بچہ آدھے سے کم باہر نکلا ہوا اور نماز کا وقت ختم ہو رہا ہو تو اگر عورت وضو پر قدرت رکھتی ہے تو وضو کرے گی ورنہ تیمم کرے گی اور اشارہ سے نماز ادا کرے گی۔ اور نماز کو مؤخر نہ کرے گی۔ پس جب عورت کو اس جاں کنی کے عالم میں شریعت نے معذور نہیں سمجھا ہے تو وہ مرد جو تندرست و توانا ہے اس کے لیے کون سا عذر ترک نماز کے متعلق قابل قبول ہو سکتا ہے۔

اور دم نفاس کا حکم دم حیض کی طرح تمام چیزوں میں ہے البتہ سات چیزوں میں نفاس اور حیض کے خون کے درمیان فرق ہے جس کو میں نے خزائن الاسرار اور ملتقی الابحر کی شرح میں ذکر کیا ہے۔ ان سات چیزوں میں سے ایک یہ ہے کہ نفاس کی اقل مدت کی کوئی حد شریعت کی جانب سے مقرر نہیں ہے مگر اس وقت جب عدت کے واسطہ اس کی ضرورت ہو جیسے کہ شوہر کا قول اپنی بیوی سے کہ: جب تو بچہ جنے گی تو تجھ کو طلاق ہے، پس اس عورت نے کہا کہ میری عدت گذر گئی تو اس صورت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے نفاس کی کم سے کم مدت پچیس دن تین حیضوں کے ساتھ ٹھہرائی ہے۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ نے نفاس کی کم سے کم مدت گیارہ دن قرار دی ہے۔ اور حضرت امام محمدؒ نے کم سے کم مدت نفاس ایک ساعت قرار دیا ہے۔

اور نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اس لیے بھی کہ نفاس کی اکثر مدت حیض کی اکثر مدت کی چوگنی ہے۔ اور نفاس میں جو خون چالیس دن سے زیادہ آئے وہ استحاضہ کا خون ہوگا، بشرطیکہ عورت مبتدءہ ہو (یعنی پہلے پہل بچہ پیدا ہوا ہو، اس کی کوئی عادت متعین نہیں ہے لہٰذا چالیس دن تک تو نفاس کا خون قرار دیں گے اور چالیس دن کے بعد جو زائد خون آرہا ہے وہ استحاضہ قرار دیا جائے گا) اور اگر وہ معتادہ عورت ہے تو اس کو عادت کی طرف پھیر دیا جائے گا (یعنی کسی

عورت کا یہ دوسرا یا تیسرا بچہ پیدا ہوا ہے، پہلے اور دوسرے بچہ میں ۲۰ ریوم تک نفاس آتا رہا، اب کی بار خون مسلسل ۴۷/۴۸ دن آگیا تو ۲۰ ردن تو نفاس کا خون شمار ہوگا اور بقیہ ایام جو خون آیا ہے وہ استحاضہ کا ہوگا) اور یہی حکم حیض کا بھی ہے (یعنی اگر عورت مبتدءَ ہے تو دس یوم کے بعد جو خون آئے گا وہ سب استحاضہ کا خون ہوگا۔ اور اگر عورت معتادہ ہے تو ایام عادت کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ اور اگر دس دن کے بعد خون رُک گیا تو سمجھا جائے گا کہ عورت کی عادت بدل گئی ہے) اور اگر حیض اور نفاس کا خون اکثر مدت میں یا اکثر مدت سے پہلے بند ہوگیا تو نفاس میں سارا خون نفاس کا ہوگا۔ اور حیض میں سارا خون حیض کا ہوگا بشرطیکہ حیض ونفاس کے متصل مکمل طہر پایا جائے۔ اور اگر ایسا نہیں ہوا (یعنی خون کے بعد طہر تام نہ پایا گیا) تو پھر اس کی جو عادت تھی اس کے مطابق حیض ونفاس شمار ہوگا (جو زائد خون آیا ہوگا وہ سب کا سب استحاضہ کا خون ہوگا) اور عادت ایک مرتبہ میں ثابت ہوجاتی ہے اور ایک مرتبہ میں بدل بھی جاتی ہے، اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔ اور اس کی تفصیلی بحث ملتقی الابحر کی شرح میں ہے جو ہم نے لکھی ہی۔ اور جڑواں بچوں کی ماں کے نفاس کی ابتداء پہلے بچہ سے ہوجاتی ہے۔ اور ''توامین'' ان دو جڑواں بچوں کو کہتے ہیں جن کے درمیان آدھے سال سے کم کا فاصلہ ہو۔ اور اسی طرح تین بچوں کا بھی حکم ہے اگر چہ پہلے بچہ اور تیسرے بچہ کے درمیان نصف سال سے زیادہ فاصلہ کیوں نہ ہو، اصح قول کے مطابق۔ اور عدت کے ختم ہونے کا تعلق بالاتفاق اخیر بچہ سے ہے، اس لیے کہ عدت کے مکمل ہونے کا تعلق فراغ الم سے ہے اور یہ آخری بچہ کے پیدا ہونے کے بعد ہوگا، اس لیے عدت گذرنے کے سلسلے میں آخری بچہ کا اعتبار ہوگا۔

اور ناقص الخلقت بچہ جس کے بعض اعضاءِ جسم ظاہر ہو چکے ہوں جیسے ہاتھ، پاؤں، انگلی اور بال وغیرہ تو یہ ناتمام بچہ شریعت کی نظر میں بچہ ہے اور شکم مادر میں بچہ کی خلقت ظاہر ایک سو بیس دن کے بعد ہی ہوتی ہے، اس سے پہلے ظاہر نہیں ہوتی ہے۔ اس ناقص الخلقت بچہ کو فقہاءِ کرام کے یہاں ''سقط'' کہتے ہیں۔ اور لفظ ''سقط'' کے سین میں تینوں اعراب یعنی زبر، زیر اور پیش جائز ہیں۔ اور یہ لفظ ''سقط'' درحقیقت مسقوط کے معنی میں آتا ہے (علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق میں لکھا ہے کہ سقط کی تعبیر ساقط کے ساتھ مناسب ہے لفظ کے اعتبار سے بھی اور معنی کے اعتبار سے بھی، اس لیے کہ لفظ سقط لازم ہے جس کا مفعول نہیں آتا ہے۔ پھر مقصود بچہ کا باہر آجانا ہے خواہ وہ خود گرا ہو یا اس کو گرایا جائے)۔

پس ناتمام بچہ شریعت کی نظر میں حکماً بچہ ہے، تو اس کی پیدائش کے بعد عورت نفاس والی ہوجائے گی اور اگر وہ باندی ہے تو اس کی ولادت سے ام ولد ہوجائے گی۔ اور اگر کسی نے قسم کھا رکھی تھی تو اس سے حانث ہوجائے گا۔ اور عدت کا تعلق وضع حمل سے ہے تو عدت بھی گذر جائے گی۔ البتہ اگر اس ناتمام بچہ کے کوئی عضو ظاہر نہ ہوا ہو تو وہ کوئی شئی نہیں ہے اور اس کے بعد جو خون آئے گا وہ نفاس نہ کہلائے گا بلکہ حیض کا خون ہوگا، بشرطیکہ حیض تین دن جاری رہا ہو اور اس سے پہلے طہر تام گذر چکا ہو، ورنہ استحاضہ کا خون ہوگا۔ اور اگر اس ناقص الخلقت بچہ کے احوال معلوم نہ ہوسکیں کہ اس کے کچھ اعضاء ظاہر ہوئے یا نہیں؟ بایں طور کہ بچہ اندھیرے میں گرا اور اس کو بلا دیکھے پھینک دیا گیا اور نہ اس کو ایام حمل کی تعداد معلوم ہے اور خون مسلسل جاری ہے تو عورت ان

دنوں میں نماز ترک کردے گی جن دنوں میں بالیقین حیض ہے پھر وہ غسل کرے گی اور معذور کی طرح نماز ادا کرے گی۔

مختصر تشریح **قولہ تؤمی بصلاۃ و لاتؤخر**: جب عورت دردِ زہ میں مبتلا ہو اور بچہ کا کچھ حصہ باہر بھی آچکا ہو تو ایسی حالت میں بھی عورت سے نماز ساقط نہیں ہے، بلکہ عورت پر ایسی حالت میں بھی نماز ادا کرنا فرض ہے، اس طرح کہ عورت وہاں ایک گڈھا کھود لے گی یا وہاں کوئی ہانڈی رکھ لے گی تاکہ پیدا ہونے والے بچہ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور عورت ایسی حالت میں اشارہ سے نماز ادا کرے گی، بشرطیکہ رکوع و سجود پر قادر نہ ہو، اور ایسی حالت میں بھی عورت نماز کو مؤخر نہ کرے ورنہ گناہ گار ہوگی۔ (شامی: ۱/ ۴۹۶)

مسئلہ: اگر کوئی عورت استحاضہ میں مبتلا ہے تو اس عورت سے نہ نماز معاف ہے نہ روزہ، بلکہ وہ تمام عبادات بجالائے گی اگرچہ خون حصیر پر کیوں نہ گرتا رہے۔ اور مستحاضہ عورت سے جماع کرنا بھی جائز ہے، مستحاضہ کا خون شریعت میں دائمی نکسیر کی طرح ہے، لہٰذا دائمی نکسیر والا شخص معذور ہوتا ہے اسی طرح مستحاضہ بھی معذور ہوگی اور تمام عبادت معذور کی طرح ادا کرے گی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت ابی حبیشؓ سے فرمایا کہ اپنے حیض کے دنوں میں نماز کو چھوڑ دو، اس کے بعد غسل کرو اور نماز کے لیے وضو کرو اور نماز پڑھتی رہو، اگرچہ خون چٹائی یعنی جانماز پر کیوں نہ آتا رہے۔ پس معلوم ہوا کہ مستحاضہ کے ذمہ سے نماز ساقط نہیں ہوتی ہے۔ اور جب نماز ساقط نہیں ہوتی ہے تو روزہ بھی ساقط نہ ہوگا اور اس سے جماع بھی جائز ہوگا۔

قولہ حکمہ کالحیض الخ: نفاس کا حکم تمام مسائل میں حیض ہی کی طرح ہے، ہاں سات مسائل ایسے ہیں جہاں نفاس اور حیض کے مسائل میں فرق ہے اور وہ سات مسائل ذیل میں نمبروار درج ہیں:

۱- حیض سے بلوغ ثابت ہوتا ہے، نفاس سے بلوغ ثابت نہیں ہوتا ہے۔
۲- استبراءِ رحم حیض سے ہوتا ہے، نفاس سے استبراءِ رحم نہیں ہوتا ہے۔
۳- عدت حیض سے ثابت ہوتی ہے، نفاس سے ثابت نہیں ہوتی ہے۔
۴- حیض کی اقل مدت متعین ہے اور نفاس کی اقل مدت متعین نہیں ہے۔
۵- نفاس صوم کفارہ کے تسلسل کو توڑ دیتا ہے اور حیض صوم کفارہ کے تسلسل کو توڑنے والا نہیں ہوتا ہے۔
۶- نفاس سے طلاقِ سنت اور طلاقِ بدعت میں فصل حاصل نہیں ہوتا ہے اور حیض سے ہوتا ہے۔
۷- حیض کی اکثر مدت دس یوم ہے اور نفاس کی اکثر مدت چالیس یوم ہے۔ (شامی: ۱/ ۴۹۶)

استبراء کی صورت

ایک شخص نے حاملہ باندی کو خریدا اور اس پر قبضہ کرلیا، چناں چہ اس باندی نے اسکے رہتے ہوئے ایک بچہ جنا اور ایک بچہ ابھی اس کے پیٹ میں باقی ہے تو ان دونوں بچوں کے درمیان میں جو خون آئے گا وہ نفاس کا خون ہوگا اور استبراءِ رحم دوسرے بچہ کی ولادت کے بعد ہی حاصل ہوگا، اس سے پہلے استبراء حاصل نہ ہوگا اور سارا خون نفاس کا ہوگا۔ (شامی: ۱/ ۴۹۷)

عدت کی صورت

اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ جب تو بچہ جنے گی تو تجھ کو طلاق ہے، پس اس نے بچہ جنا اور شوہر سے یہ کہا کہ میری طلاق کی عدت گذر گئی تو اس صورت میں نفاس کے علاوہ عدت کے گذرنے کے واسطے تین حیض کا پایا جانا ضروری ہے، بچہ کی ولادت کے بعد جو نفاس آیا اس کا کوئی شمار نہیں ہے۔ (شامی:۱/ ۴۹۷)

عدت کے واسطے اقل مدتِ نفاس کی تعیین

اگر عورت بچہ کی ولادت کے بعد عدت کے گذر جانے کا دعویٰ کرے اور یہ کہے کہ میری عدت گذر چکی ہے تو اس صورت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے نفاس کی اقل مدت پچیس یوم مع تین حیض کے قرار دیا ہے، چناں چہ اگر عورت ولادت کے پچاسی (۸۵) دن کے بعد کہے کہ میری عدت گذر چکی ہے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عورت کی بات مان لی جائے گی (کیونکہ ۲۵ ؍دن نفاس کے ہوں گے، طہر کے نفاس وحیض کے درمیان) اور تین حیضوں کے پانچ پانچ دن کے اعتبار سے پندرہ دن ہوں گے۔ اور تین حیضوں کے درمیان دو طہر کے تیس دن ہوں گے۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ صورت میں نفاس کی اقل مدت گیارہ دن ہے، لہٰذا عورت کی بات کی تصدیق کے لیے کم از کم ۶۵ ؍دن ہیں، یعنی اگر ولادت کے ۶۵ ؍دن بعد عورت انقضائے عدت کا دعویٰ کرتی ہے تو اس کی بات مان لی جائے گی، اس لیے کہ گیارہ دن نفاس کے ۱۵ ؍دن طہر کے، اور تین حیض ۹/۹ ؍دن کے ہوں گے اور ان حیضوں کے درمیان دو طہر تیس دن، کل میزان ۶۵ ؍دن ہوئے۔

اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اقل مدت نفاس ایک ساعت ہے، لہٰذا ان کے نزدیک عورت کی بات ماننے کے لیے ۵۴ ؍دن ہیں، یعنی اگر عورت ولادت کے ۵۴ ؍دن بعد انقضائے عدت کا دعویٰ کرے تو اس کی تصدیق کرلی جائے گی ایک ساعت نفاس کی ہوگی، ۱۵ ؍دن طہر کے اور تین حیض کے ۹ ؍دن اور ان کے دو طہر تیس دن ہیں، مجموعی تعداد ۵۴ ؍دن ہوئے۔ النہر الفائق میں مذکور ہے کہ اس باب میں فتویٰ حضرت امام اعظمؒ کے قول پر ہے۔

نفاس کی اکثر مدت چالیس دن کی دلیل نقلی وعقلی

ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے زمانے میں نفاس والی عورتیں چالیس دن تک بیٹھی رہتی تھیں۔ اس حدیث کو امام نوویؒ نے "حسن" کہا ہے۔ اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور امام دارقطنی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نفاس والی عورتوں کے لیے چالیس دن متعین فرمایا، مگر یہ کہ اس کے پہلے طہر دیکھ لے۔ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے لہٰذا یہ حسن کے درجہ کی حدیث ہے، جو قابل استدلال ہے۔

اور عقلی دلیل یہ ہے کہ حیض کی اکثر مدت دس دن ہے اور اکثر مدت حیض کا چوگنا نفاس کی مدت ہوتی ہے اس اعتبار سے بھی

نفاس کی اکثر مدت چالیس دن ہی ٹھہری۔ (شامی: ۱/ ۴۹۷-۴۹۸)

قولہ وإلا فعادتها: اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک عورت کی عادت حیض میں ہر مہینہ پانچ دن تھی، اب اس ماہ اس عورت کو چھ دن خون آیا تو اگر اس کے بعد پندرہ دن طہر کا رہا ہے تو چھ کا چھ دن سب حیض کا خون شمار ہوگا، اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس ماہ سے عورت کی عادت سابقہ بدل گئی ہے، لیکن اگر طہر پندرہ دن نہیں رہا ہے بلکہ صرف چودہ دن رہا ہے پھر عورت کو خون آ گیا ہے تو اب اس صورت میں اس حیض کو عادت کی طرف لوٹایا جائے گا، یعنی پانچ دن حیض کے شمار ہوں گے اور ایک دن جو زائد خون آیا وہ استحاضہ کا خون ہوگا۔

اسی طرح اگر نفاس میں اس کی عادت ہر ولادت میں تیس دن تھی مگر کسی ایک ولادت میں ۳۱ر دن نفاس آ گیا ہے تو اگر اس کے بعد پندرہ دن طہر رہا ہے تو سارا خون نفاس قرار پائے گا، لیکن اگر طہر پندرہ دن نہ رہا بلکہ صرف چودہ دن کے بعد خون آ گیا تو تیس دن نفاس کے شمار ہوں گے اور ایک دن استحاضہ کا خون قرار پائے گا۔ (شامی: ۱/ ۴۹۹)

(وَلَا يُحَدُّ إِيَاسٌ بِمُدَّةٍ، بَلْ هُوَ أَنْ تَبْلُغَ مِنَ السِّنِّ مَا لَا تَحِيضُ مِثْلُهَا فِيهِ) فَإِذَا بَلَغَتْهُ وَانْقَطَعَ دَمُهَا حُكِمَ بِإِيَاسِهَا (فَمَا رَأَتْهُ بَعْدَ الِانْقِطَاعِ حَيْضٌ) فَيَبْطُلُ الِاعْتِدَادُ بِالْأَشْهُرِ وَتَفْسُدُ الْأَنْكِحَةُ. (وَقِيلَ: يُحَدُّ بِخَمْسِينَ سَنَةً وَعَلَيْهِ الْمُعَوَّلُ) وَالْفَتْوَى فِي زَمَانِنَا مُجْتَبَى وَغَيْرُهُ (تَيْسِيرًا) وَحَدُّهُ فِي الْعِدَّةِ بِخَمْسٍ وَخَمْسِينَ. قَالَ فِي الضِّيَاءِ: وَعَلَيْهِ الِاعْتِمَادُ (وَمَا رَأَتْهُ بَعْدَهَا) أَيْ: الْمُدَّةِ الْمَذْكُورَةِ (فَلَيْسَ بِحَيْضٍ فِي ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ) إِلَّا إِذَا كَانَ دَمًا خَالِصًا فَحَيْضٌ حَتَّى يَبْطُلَ بِهِ الِاعْتِدَادُ بِالْأَشْهُرِ، لَكِنْ قَبْلَ تَمَامِهَا لَا بَعْدُ حَتَّى لَا تَفْسُدَ الْأَنْكِحَةُ. وَهُوَ الْمُخْتَارُ لِلْفَتْوَى جَوْهَرَةٌ وَغَيْرُهَا وَسَنُحَقِّقُهُ فِي الْعِدَّةِ.

ترجمہ اور سن ایاس کی کوئی حد مقرر نہیں ہے بلکہ سن ایاس یہ ہے کہ عورت اس عمر تک پہنچ جائے کہ اس جیسی عورت کو اس عمر میں حیض نہ آتا ہو، پس جب عورت اس عمر کو پہنچ جائے اور اس کا خون آنا بند ہو جائے تو اس عورت کے آئسہ ہونے کا حکم کر دیا جائے گا۔ پس جب سن ایاس میں پہنچنے کے بعد خون بند ہو گیا تھا اس کے بعد خون نظر آیا تو وہ حیض ہی کا خون قرار پائے گا اور اگر وہ آئسہ مہینوں سے عدت گذار رہی تھی تو عدت باطل ہو جائے گی اور اس والی عدت کی بنیاد پر جو نکاح ہوا تھا فاسد ہو جائے گی (کیونکہ وہ نکاح عدت کے زمانہ میں سمجھا جائے گا)۔

اور بعض فقہاء کرام نے فرمایا کہ سن ایاس کی تحدید پچاس برس کی عمر کے ساتھ ہے، اسی قول پر اعتماد ہے اور ہمارے زمانے میں اسی قول پر فتویٰ بھی ہے، (یعنی جب عورت پچاس برس کی ہو جائے گی تو وہ سن ایاس کو پہنچ جائے گی اور اس کا حیض آنا بند ہو جائے گا) جیسا کہ مجتبیٰ نامی وغیرہ کتاب میں مذکور ہے۔ حضرات فقہاء کرام نے یہ تحدید آسانی کے لیے کی ہے۔ اور حضرت

مصنف علیہ الرحمہ نے سن ایاس کی تحدید باب العدة میں پچپن سال سے کی ہے۔ صاحب "الضیاء المعنوی" نے فرمایا کہ اسی قول پر اعتماد ہے۔ اور آئسہ عورت مدتِ مذکورہ یعنی ۵۰ / یا ۵۵ سال کے بعد جو خون دیکھے گی وہ ظاہر مذہب کے مطابق حیض کا خون نہ ہوگا مگر ہاں جب خالص خون ہو تو حیض ہی ہوگا اور مہینوں سے جو عدت شمار ہو رہی تھی وہ باطل ہو جائے گی (اور اب حیض کے ذریعہ عدت کا شمار ہوگا) لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب خون عدت پورا ہونے سے پہلے نظر آئے، اگر عدت مکمل ہو جانے کے بعد خالص خون دیکھے گی تو اس سے مہینوں سے عدت کا شمار باطل نہ ہوگا اور نہ نکاح فاسد ہوگا۔ فتویٰ دینے کے لیے یہی قول مختار اور پسندیدہ ہے جیسا کہ جوہرہ وغیرہ میں مذکورہ ہے اور ان شاء اللہ ہم اس کی مزید تحقیق باب العدة میں کریں گے۔

سن ایاس کا بیان

"آئسہ" اس عورت کو کہا جاتا ہے جو اپنی عمر کے اعتبار سے اتنی بڑی ہو چکی ہو کہ عام طور پر اتنی بڑی عمر والی عورت کو حیض نہیں آتا ہے جس کی تحدید بعض فقہاءِ کرام نے پچاس سال اور بعض فقہاء نے پچپن سال سے کی ہے۔ یعنی جب عورت کی عمر پچاس یا پچپن سال کی ہو جاتی ہے تو اس کو حیض آنا بند ہو جاتا ہے ایسی عورت اپنی عدت مہینوں سے گذارے گی۔

مسئلہ: اگر کوئی عورت حیض سے مایوس ہو چکی ہے اور مہینوں کے ذریعہ عدت گذار رہی ہے کہ دورانِ عدت دوبارہ خون آنا شروع ہو گیا اور عادت سابقہ کے مطابق خون جاری رہا، یا حیض سے مایوس عورت شوہر ثانی سے حاملہ ہو گئی تو اس صورت میں مفتی بہ قول یہ ہے کہ نکاح جائز ہو جائے گا اور آئندہ وہ عورت حیض سے عدت گذارے گی۔ صاحب خلاصہ وغیرہ نے اسی قول کی تصحیح کی ہے۔ مجتبیٰ اور جوہرہ میں ہے کہ یہی قول پسندیدہ ہے اور اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔ (شامی: ۱/ ۵۰۳)

(وَصَاحِبُ عُذْرٍ مَنْ بِهِ سَلَسُ) بَوْلٍ لَا يُمْكِنُهُ إِمْسَاكُهُ (أَوْ اسْتِطْلَاقُ بَطْنٍ أَوْ انْفِلَاتُ رِيحٍ أَوْ اسْتِحَاضَةٌ) أَوْ بِعَيْنِهِ رَمَدٌ أَوْ عَمَشٌ أَوْ غَرَبٌ، وَكَذَا كُلُّ مَا يَخْرُجُ بِوَجَعٍ وَلَوْ مِنْ أُذُنٍ وَثَدْيٍ وَسُرَّةٍ (إِنْ اسْتَوْعَبَ عُذْرُهُ تَمَامَ وَقْتِ صَلَاةٍ مَفْرُوضَةٍ) بِأَنْ لَا يَجِدَ فِي جَمِيعِ وَقْتِهَا زَمَنًا يَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّي فِيهِ خَالِيًا عَنْ الْحَدَثِ (وَلَوْ حُكْمًا) لِأَنَّ الِانْقِطَاعَ الْيَسِيرَ مُلْحَقٌ بِالْعَدَمِ (وَهَذَا شَرْطُ) الْعُذْرِ (فِي حَقِّ الِابْتِدَاءِ، وَفِي) حَقِّ (الْبَقَاءِ كَفَى وُجُودُهُ فِي جُزْءٍ مِنْ الْوَقْتِ) وَلَوْ مَرَّةً (وَفِي) حَقِّ الزَّوَالِ يُشْتَرَطُ (اسْتِيعَابُ الِانْقِطَاعِ) تَمَامَ الْوَقْتِ (حَقِيقَةً) لِأَنَّهُ الِانْقِطَاعُ الْكَامِلُ. (وَحُكْمُهُ الْوُضُوءُ) لَا غَسْلُ ثَوْبِهِ وَنَحْوِهِ (لِكُلِّ فَرْضٍ) اللَّامُ لِلْوَقْتِ كَمَا فِي - {لِدُلُوكِ الشَّمْسِ} - (ثُمَّ يُصَلِّي) بِهِ (فِيهِ فَرْضًا وَنَفْلًا) فَدَخَلَ الْوَاجِبُ بِالْأَوْلَى (فَإِذَا خَرَجَ الْوَقْتُ بَطَلَ) أَيْ: ظَهَرَ حَدَثُهُ السَّابِقُ، حَتَّى لَوْ تَوَضَّأَ عَلَى الِانْقِطَاعِ وَدَامَ إِلَى خُرُوجِهِ لَمْ يَبْطُلْ بِالْخُرُوجِ مَا لَمْ يَطْرَأْ حَدَثٌ آخَرُ أَوْ يَسِيلُ كَمَسْأَلَةِ مَسْحِ خُفِّهِ. وَأَفَادَ أَنَّهُ لَوْ تَوَضَّأَ بَعْدَ الطُّلُوعِ وَلَوْ لِعِيدٍ أَوْ ضُحًى لَمْ يَبْطُلْ إِلَّا بِخُرُوجِ وَقْتِ الظُّهْرِ.

(وَإِنْ سَالَ عَلَى ثَوْبِهِ) فَوْقَ الدِّرْهَمِ (جَازَ لَهُ أَنْ لَا يَغْسِلَهُ إِنْ كَانَ لَوْ غَسَلَهُ تَنَجَّسَ قَبْلَ الْفَرَاغِ مِنْهَا) أَيْ: الصَّلَاةِ (وَإِلَّا) يَتَنَجَّسْ قَبْلَ فَرَاغِهِ (فَلَا) يَجُوزُ تَرْكُ غَسْلِهِ، هُوَ الْمُخْتَارُ لِلْفَتْوَى، وَكَذَا مَرِيضٌ لَا يَبْسُطُ ثَوْبَهُ إِلَّا تَنَجَّسَ فَوْرًا لَهُ تَرْكُهُ(وَ)الْمَعْذُورُ(إِنَّمَا تَبْقَى طَهَارَتُهُ فِي الْوَقْتِ) بِشَرْطَيْنِ (إِذَا) تَوَضَّأَ لِعُذْرِهِ وَ (لَمْ يَطْرَأْ عَلَيْهِ حَدَثٌ آخَرُ، أَمَّا إِذَا) تَوَضَّأَ لِحَدَثٍ آخَرَ وَعُذْرُهُ مُنْقَطِعٌ ثُمَّ سَالَ أَوْ تَوَضَّأَ لِعُذْرِهِ ثُمَّ (طَرَأَ) عَلَيْهِ حَدَثٌ آخَرُ، بِأَنْ سَالَ أَحَدُ مَنْخِرَيْهِ أَوْ جُرْحَيْهِ أَوْ قُرْحَتَيْهِ وَلَوْ مِنْ جُدَرِيٍّ ثُمَّ سَالَ الْآخَرُ (فَلَا) تَبْقَى طَهَارَتُهُ. (فُرُوعٌ) يَجِبُ رَدُّ عُذْرِهِ أَوْ تَقْلِيلُهُ بِقَدْرِ قُدْرَتِهِ وَلَوْ بِصَلَاتِهِ مُومِيًا، وَبِرَدِّهِ لَا يَبْقَى ذَا عُذْرٍ بِخِلَافِ الْحَائِضِ. وَلَا يُصَلِّي مَنْ بِهِ انْفِلَاتُ رِيحٍ خَلْفَ مَنْ بِهِ سَلَسُ بَوْلٍ؛ لِأَنَّ مَعَهُ حَدَثًا وَنَجَسًا.

ترجمہ اور شریعت کی نظر میں معذور وہ شخص ہے جس کو مسلسل پیشاب کے قطرات آنے کی بیماری ہو، اس طرح کہ وہ اس کو روکنے پر بالکل قادر نہ ہو، یا اس کو برابر دست کی شکایت ہو، یا مسلسل خروج ریح کی بیماری ہو کہ وہ کبھی بھی نہ رُکتی ہو، یا عورت کو استحاضہ کا خون جاری ہو، یا اس کی آنکھوں میں آشوبِ چشم کی بیماری ہو، یا آنکھیں چوندھیا ہوں، یا آنکھوں کے گوشہ میں ورم ہو، اسی طرح ہر وہ پانی جو درد کی وجہ سے نکلے اگرچہ کان سے ہو یا پستان سے ہو یا ناف سے ہو، ان تمام چیزوں کی وجہ سے وہ معذور کہلائے گا، بشرطیکہ اس کا یہ عذر فرض نماز کے پورے وقت کو گھیر لے کہ نماز کے پورے اوقات میں اتنا وقت نہ پائے کہ اس میں وضو کر کے اس طرح نماز ادا کر سکے کہ حدث نہ پایا جائے اگرچہ اس عذر کا پورے وقت کو گھیر لینا حکمی ہو، اس لیے کہ تھوڑی دیر کے واسطے عذر کا منقطع ہونا نہ ہونے کے درجہ میں ہے۔

اور عذر کا نماز فرض کے پورے وقت میں پایا جانا در حقیقت عذر کی ابتداء کے حق میں شرط ہے (یعنی آدمی شرعی اعتبار سے معذور اسی وقت سمجھا جائے گا جب عذر پورے وقت میں پایا جائے اور اتنا وقت بھی نہ ملے کہ فرض نماز وضو کر کے بغیر حدث کے ادا کر سکے تو اب وہ شخص معذور ہو جائے گا) اور عذر کے باقی رہنے کے حق میں عذر کا وقت کسی بھی جزء میں پایا جانا کافی ہے، خواہ ایک مرتبہ ہی کیوں نہ ہو، پورے وقت میں عذر کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور عذر کے زوال کے حق میں یہ شرط ہے کہ وہ عذر پورے وقت میں بالکل نہ پایا جائے اس لیے کہ انقطاع کامل اسی کو کہتے ہیں۔

اور معذور شخص کا حکم یہ ہے کہ وہ ہر فرض نماز کے وقت کے لیے وضو کرے، پھر اس میں جس قدر چاہے فرض اور نفل نماز ادا کرے اس میں واجب نماز بدرجہ اولیٰ داخل ہے، معذور شخص کو یہ حکم نہیں ہے کہ وہ اپنے کپڑے یا بدن وغیرہ ہر وقت دھوئے۔ اور لِكُلِّ فَرْضٍ میں جو لام ہے وہ لام وقت کے لیے ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ﴿لِدُلُوكِ الشَّمْسِ﴾ کے اندر لام وقتیہ ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ آفتاب کے ڈھلنے کے وقت نماز قائم کرو۔

پس جب وقت نکل جائے گا تو معذور کا وضوخود بخود باطل ہوجائے گا، یعنی حدث سابق جو تھا وہ ظاہر ہوجائے گا، یہاں تک کہ اگر اس نے عذر کے منقطع ہونے کے بعد وضو کیا اور عذر کا منقطع ہونا نماز کے وقت نکل جانے تک مسلسل قائم رہا تو محض وقت کے نکلنے سے اس کا وضو باطل نہیں ہوگا جب تک کہ دوسرا حدث پیش نہ آجائے، یا عذر سابق پایا نہ جائے۔ اور یہ مسئلہ موزوں پر معذور کے لیے مسح کرنے کی مانند ہے۔ اور یہ جو قید لگائی گئی ہے کہ خروجِ وقت سے معذور کا وضو باطل ہوگا اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی معذور شخص نے آفتاب طلوع ہونے کے بعد وضو کیا اگرچہ اس کا یہ وضو کرنا نماز عید کے لیے ہو، یا چاشت کی نماز کے لیے ہو تو اس کا یہ وضو اس وقت تک باطل نہ ہوگا جب تک کہ ظہر کی نماز کا وقت نہ نکل جائے (خلاصہ کلام یہ ہے کہ وقت سے مراد نماز پنج گانہ کا وقت ہے اور سورج کے طلوع ہونے سے لے کر نصف النہار کسی بھی فرض نماز کا وقت نہیں ہے اس لیے وضو باطل نہ ہوگا اور خروجِ وقت ظہر کا وقت مکمل نکل جانے کے بعد پایا جائے گا)۔

اور اگر معذور شخص کے کپڑے پر ایک درم سے زیادہ بھی نجاست لگی ہو اور صورتِ حال یہ ہے کہ کپڑے کو دھونے کے باوجود نماز سے فارغ ہونے سے پہلے پہلے کپڑا ناپاک ہوجاتا ہے تو اس کے لیے جائز ہے کپڑے کو نہ دھوئے (اور اسی حالت میں نماز ادا کرے) ہاں اگر صورتِ حال یہ ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد کپڑا ناپاک ہوتا ہے تو پھر ایسی صورت میں معذور کو چاہئے کہ کپڑا دھو کر نماز ادا کرے، کپڑے کو دھونے کو ترک کرنا اس صورت میں جائز نہیں ہے، یہی قول فتویٰ کے واسطے پسندیدہ ہے۔

اسی طرح اس مریض کا حکم ہے جو جب بھی کپڑا بچھاتا ہے فوراً ناپاک ہوجاتا ہے تو اس کے لیے فرش بچھانے کو ترک کرنا جائز ہے اور معذور شخص کی طہارت وقت کے اندر اندر دو شرطوں کے ساتھ باقی رہتی ہے، پہلی شرط یہ ہے کہ اس نے عذر کی وجہ سے وضو کیا ہو۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس پر اس کے علاوہ کوئی اور حدث طاری نہ ہوا ہو۔

بہر حال جب معذور شخص کسی اور حدث کی وجہ سے وضو کرے اور اس کا عذر سابق ختم ہو چکا تھا پھر وہ عذر لوٹ آیا یا اس نے کسی عذر کی وجہ سے وضو کیا پھر اس کے بعد اس پر دوسرا حدث طاری ہو گیا بایں طور کہ اس کو نکسیر آگئی، یا اس کا زخم بہہ پڑا، یا اس کا پھوڑا بہہ پڑا اگرچہ وہ پھوڑا چیچک کا کیوں نہ ہو، پھر اس کے بعد دوسرا حدث طاری ہو گیا تو اس صورت میں اس کی طہارت باقی نہ رہے گی۔

فروع: صاحب عذر پر واجب ہے کہ وہ اپنی قدرت و وسعت کے بقدر عذر کو دور کرے اور اس کو کم کرے اگرچہ اس کو اشارہ سے نماز پڑھنا پڑھے (یعنی اگر اشارہ سے نماز پڑھنے کی وجہ سے عذر ختم ہو رہا ہو یا عذر میں کمی آرہی ہو تو اس پر اشارہ سے نماز پڑھ کر عذر کو دفع کرنا یا کم کرنا واجب ہے) اور عذر کے رُک جانے کی وجہ سے وہ شخص معذور باقی نہیں رہے گا، بلکہ تندرست وصحت مند کے حکم میں ہوجائے گا بخلاف حائضہ عورت کے، یعنی اگر حائضہ عورت کسی تدبیر کی وجہ سے حیض کو روک بھی دے تو وہ حائضہ کے حکم میں رہے گی۔

جس شخص کو برابر خروجِ ریح کی شکایت ہو وہ اس شخص کے پیچھے نماز ادا نہ کرے جس کو برابر پیشاب کے قطرات ٹپکنے کی

بیماری ہو اس لیے کہ امام میں دو حدث پائے گئے ایک حدث وضو کا نہ ہونا ہے اور دوسرا حدث نجاست کا پایا جانا ہے۔ اور مقتدی میں صرف ایک عذر ہے یعنی وضو کا باقی نہ رہنا، اس لیے مقتدی قوی ہوا اور اعلیٰ طہارت پر ہوا امام کے مقابلہ میں، حالانکہ امام کو اعلیٰ طہارت پر ہونا چاہئے۔

معذور کے مسائل واحکام کا بیان

مذکورہ عبارت میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے معذورں کے احکام کو بیان فرمایا ہے، چناں چہ حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے سب سے پہلے معذور کی تعریف کی ہے، یعنی معذور کس کو کہتے ہیں اور آدمی معذور کب بنتا ہے تو اس بارے میں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اگر کسی شخص کو مسلسل پیشاب ٹپکنے کی بیماری ہو، یا برابر دست آنے کی شکایت ہو، یا بار بار خروج ریح کی شکایت ہو یا عورت کو مسلسل استحاضہ کا خون آرہا ہو، فرض نماز کے پورے وقت میں یہ اعذار پائے جارہے ہیں، اس شخص کو اتنا وقت نہیں مل پارہا ہے کہ وضو کرکے بغیر عذر کے ساتھ اس میں فرض نماز ادا کرسکے تو اب یہ شخص شرعی اعتبار سے معذور ہوگا۔ اور ہر فرض نماز کے لیے وضو کرے گا اور اس وضو سے وقت کے اندر جس قدر چاہے فرض، واجب اور سنن ادا کرے، ہر ایک کے لیے الگ الگ وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

بقاءِ عذر کی شرط

بقاء عذر کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ عذر نماز کے وقت میں سے کسی بھی جزء میں ایک مرتبہ پایا جائے، پورے وقت میں عذر کا پایا جانا ضروری نہیں ہے، بلکہ وقت کے کسی بھی حصہ میں ایک لحہ کے لیے عذر کا وجود ہوگیا تو وہ شخص معذور ہی کہلائے گا اور اس پر معذور ہی کے احکام جاری ہوں گے۔

زوالِ عذر کی شرط

زوالِ عذر کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ عذر نماز کے پورے وقت میں کسی بھی حصہ میں ایک لحہ کے لیے بھی نہ پایا جائے، نماز کا کامل وقت عذر سے خالی گذر جائے تو اب عذر ختم ہوجائے گا اور آدمی کو معذور قرار نہیں دیا جائے گا، بلکہ اب تندرست اور صحت مند مان کر اس پر اسی کے احکام لاگو ہوں گے۔

معذور کا وضو خروجِ وقت سے باطل ہوجاتا ہے

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک معذور شخص کا وضو خروج وقت سے باطل ہوتا ہے نہ کہ دخولِ وقت سے۔ حضرت امام زفرؒ کے نزدیک معذور کا وضو دخولِ وقت سے باطل ہوتا ہے۔ اور حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک معذور کا وضو خروجِ وقت اور دخولِ وقت دونوں سے باطل ہوجاتا ہے۔ (شامی: ۱/ ۵۰۵)

بَابُ الْأَنْجَاسِ

نجاست اور اس سے پاکی حاصل کرنے کا بیان

جَمْعُ نَجَسٍ بِفَتْحَتَيْنِ. وَهُوَ لُغَةً: يَعُمُّ الْحَقِيقِيَّ وَالْحُكْمِيَّ. وَعُرْفًا يَخْتَصُّ بِالْأَوَّلِ. (يَجُوزُ رَفْعُ نَجَاسَةٍ حَقِيقِيَّةٍ عَنْ مَحَلِّهَا) وَلَوْ إِنَاءً أَوْ مَأْكُولًا عُلِمَ مَحَلُّهَا أَوْ لَا (بِمَاءٍ لَوْ مُسْتَعْمَلًا) بِهِ يُفْتَى (وَبِكُلِّ مَائِعٍ طَاهِرٍ قَالِعٍ) لِلنَّجَاسَةِ يَنْعَصِرُ بِالْعَصْرِ (كَخَلٍّ وَمَاءِ وَرْدٍ) حَتَّى الرِّيقُ، فَتَطْهُرُ أُصْبُعٌ وَثَدْيٌ تَنَجَّسَ بِلَحْسٍ ثَلَاثًا (بِخِلَافِ نَحْوِ لَبَنٍ) كَزَيْتٍ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ قَالِعٍ، وَمَا قِيلَ إِنَّ اللَّبَنَ وَبَوْلَ مَا يُؤْكَلُ مُزِيلٌ فَخِلَافُ الْمُخْتَارِ.

ترجمہ حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ انجاس، نجس کی جمع ہے اور نجس کو بفتح النون والجیم پڑھا گیا ہے۔ اور نجس اہل عرب کی لغت میں حقیقی اور حکمی دونوں قسم کی نجاستوں کو شامل ہے، البتہ عرف عام میں نجس کا لفظ نجاست حقیقیہ کے ساتھ خاص ہے، جیسے پیشاب و پائخانہ وغیرہ۔ نجاست حقیقیہ کو اس کے محل سے پانی کے ذریعہ سے دور کرنا جائز ہے، خواہ پانی مستعمل ہی کیوں نہ ہو، اسی قول پر فتویٰ ہے۔ اسی طرح ہر بہنے والی چیز سے جو نجاست کو دور کرنے والی ہو اور نچوڑنے سے نچڑ جائے نجاست دور کرنا جائز ہے، جہاں نجاست لگی ہے وہ جگہ برتن ہو یا کھانے کی کوئی چیز ہو، خواہ اس کا محل معلوم ہو خواہ معلوم نہ ہو۔ اور ہر بہنے والی چیز سے نجاست کا دور کرنا جائز ہے، جیسے سرکہ اور گلاب کا پانی، یہاں تک کہ تھوک سے بھی نجاست کو دور کرنا جائز ہے، چنانچہ انگلی اور پستان جو ناپاک ہو گئی ہو تین مرتبہ چاٹ لینے سے وہ پاک ہو جاتی ہے، بخلاف دودھ جیسی چیزوں کے کہ ان سے نجاست پاک نہیں ہوتی ہے جیسے تیل ہے، یہ نجاست کو چکنائی کی وجہ سے دور نہیں کرتا ہے اور یہ بات جو کہی گئی ہے کہ بلاشبہ دودھ اور ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے نجاست کو دور کرنے والا ہے، یہ قول مختار قول کے مخالف اور متضاد ہے۔

مختصر تشریح اس سے پہلے مصنف علیہ الرحمہ نجاست حکمیہ اور اس سے پاکی حاصل کرنے کا طریقہ بیان فرما رہے تھے۔ اب اس کے بعد نجاست سے پاکی حاصل کرنے کا طریقہ بیان فرما رہے ہیں۔ نجاست حکمیہ کا بیان حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے مقدم فرمایا ہے اس لیے کہ وہ قوی اور مضبوط ہوتی ہے۔ اس لیے کہ نجاست حکمیہ کا ذرا حصہ بھی نماز کے جواز کے لیے مانع ہے پھر یہ کہ بہر صورت نجاست حکمیہ کو دور کرنا واجب ہوتا ہے اور نجاست حقیقیہ میں یہ بات نہیں ہے اس لیے نجاست حقیقیہ کو نجاست حکمیہ کے بعد بیان فرمایا ہے۔ (شامی: ۱/ ۵۰۹)

قولہ بفتحتین الخ: عنایہ میں ہے کہ "انجاس" نجس کی جمع ہے، جو نون اور جیم کے فتحہ کے ساتھ منقول ہے۔ نَجَس ہر قسم کی گندگی کو کہتے ہیں۔ لیکن شیخ تاج الشریعہ فرماتے ہیں کہ "انجاس" نجس بکسر الجیم کی جمع ہے، نجس۔ طاہر کی ضد ہے اور نجاست طہارت کی ضد ہے اور باب سَمِعَ اور كَرُمَ دونوں سے آتا ہے۔ اگر "نجس" کو جیم کے کسرے کے ساتھ پڑھا جائے تو اس صورت میں اس کی جمع اور تثنیہ بھی آتی ہے، لیکن اگر اس لفظ کو جیم کے فتحہ کے ساتھ پڑھا جائے تو اس وقت اس کی تثنیہ اور جمع نہیں آتی ہے۔ اس پوری تحقیقی بحث کو معلوم کرنے کے لیے ہدایہ کی شرح عینی کا مطالعہ کیجئے۔ (شامی: ۱/ ۵۰۹)

قولہ یعم الحقیقی و الحکمی: لفظ "نجس" نجاست حقیقیہ اور حکمیہ دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اور لفظ "خبث" کا اطلاق صرف نجاست حقیقیہ پر ہوتا ہے۔ اور "حدث" کا لفظ نجاست حکمیہ پر بولا جاتا ہے، چناں چہ مصنف علیہ الرحمہ "رفع نجاسة حقيقية" کے بجائے "رفع خبث" کہتے تو عبارت زیادہ مختصر ہوتی۔ (شامی: ۱/ ۵۰۹)

قولہ بہ یفتی: یعنی نجاست حقیقیہ کو اس کی جگہ سے دور کرنا خواہ وہ نجاست برتن میں لگی ہو یا اور شئی میں، مستعمل پانی سے جائز ہے۔ اسی قول پر فتویٰ ہے، البتہ حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ مستعمل پانی سے ازالۂ نجاست حقیقیہ جائز نہیں ہے بلکہ نجاست حقیقیہ کے ازالہ کے لیے مطلق پانی ہونا ضروری ہے۔ (شامی: ۱/ ۵۱۰)

مسئلہ: اگر بفرضِ محال کسی نے نجاست کو تین مرتبہ زبان سے چاٹ لیا تو وہ جگہ پاک ہو جائے گی البتہ ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ (شامی: ۱/ ۵۱۰)

قولہ علم محلها أو لا: حضرت شارح علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ نجاست کے لگنے کی جگہ معلوم ہو یا نہ ہو، بہر صورت اس کو دھونا چاہئے۔ اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کسی کے کپڑے کا ایک کنارہ ناپاک ہو گیا ہے جیسے کہ پیشاب لگ گیا تھا پھر خشک ہو گیا اور یہ یاد نہ رہا ہے کہ کون سا کنارہ ناپاک ہوا تھا اور کوئی علامت بھی نہیں ہے تو مختار قول کے مطابق جو بھی کنارہ دھوئے گا کپڑا حکماً پاک ہو جائے گا۔ (شامی: ۱/ ۵۱۰)

مسئلہ: ہر ایسی بہنے والی چیز جو پاک ہو اور اس میں نجاست کے دور کرنے کی صلاحیت ہو اس سے پاکی حاصل کرنا شرعاً جائز ہے، جیسے سرکہ، گلاب کا پانی، درخت کا پانی، پھل کا پانی اور تربوزہ وغیرہ کا پانی، ان تمام پانیوں سے نجاست دور کرنا جائز ہے۔ اگر ان سے کپڑا یا برتن صاف کیا جائے تو پاک ہو جائے گا۔ (شامی: ۱/ ۵۱۰)

مسئلہ: اگر شیر خوار بچہ نے ماں کے پستان پر قے کر دیا تو اس سے پستان ناپاک ہو جائے گا لیکن اگر بچہ نے اس کو تین بار چاٹ لیا اور نجاست کا اثر ختم ہو گیا تو اس سے پستان پاک ہو جائے گا، لیکن بچہ کو اس کے چاٹنے سے بچانا چاہئے اور نجاست کو دھو لینا چاہئے۔ (کشف الاسرار: ۱/ ۲۵۴)

(وَيَطْهُرُ خُفٌّ وَنَحْوُهُ) كَنَعْلٍ (تَنَجَّسَ بِذِي جِرْمٍ) هُوَ كُلُّ مَا يُرَى بَعْدَ الْجَفَافِ وَلَوْ مِنْ غَيْرِهَا

كَخَمْرٍ وَبَوْلٍ أَصَابَهُ تُرَابٌ بِهِ يُفْتَى بِذَلِكَ يَزُولُ بِهِ أَثَرُهَا (وَإِلَّا) جِرْمَ لَهَا كَبَوْلٍ (فَيُغْسَلُ وَ) يَطْهُرُ (صَقِيلٌ) لَا مَسَامَّ لَهُ (كَمِرْآةٍ) وَظُفْرٍ وَعَظْمٍ وَزُجَاجٍ وَآنِيَةٍ مَدْهُونَةٍ أَوْ خِرَاطِيٍّ وَصَفَائِحَ فِضَّةٍ غَيْرِ مَنْقُوشَةٍ بِمَسْحٍ يَزُولُ بِهِ أَثَرُهَا مُطْلَقًا بِهِ يُفْتَى. (وَ) تَطْهُرُ (أَرْضٌ) بِخِلَافِ نَحْوِ بِسَاطٍ (بِيُبْسِهَا) أَيْ: جَفَافِهَا وَلَوْ بِرِيحٍ (وَذَهَابِ أَثَرِهَا كَلَوْنٍ) وَرِيحٍ لِأَجْلِ (صَلَاةٍ) عَلَيْهَا (لَا لِتَيَمُّمٍ) بِهَا؛ لِأَنَّ الْمَشْرُوطَ لَهَا الطَّهَارَةُ وَلَهُ الطَّهُورِيَّةُ. (وَ) حُكْمُ (آجُرٍّ) وَنَحْوِهِ كَلَبِنٍ (مَفْرُوشٍ وَخُصٍّ) بِالْخَاءِ تَحْجِيرَةُ سَطْحٍ (وَشَجَرٍ وَكَلَإٍ قَائِمَيْنِ فِي أَرْضٍ كَذَلِكَ) أَيْ: كَأَرْضٍ، فَيَطْهُرُ بِجَفَافٍ وَكَذَا كُلُّ مَا كَانَ ثَابِتًا فِيهَا لِأَخْذِهِ حُكْمَهَا بِاتِّصَالِهِ بِهَا فَالْمُنْفَصِلُ يُغْسَلُ لَا غَيْرُ، إِلَّا حَجَرًا خَشِنًا كَرَحًى فَكَأَرْضٍ. (وَيَطْهُرُ مَنِيٌّ) أَيْ: مَحَلُّهُ (يَابِسٌ بِفَرْكٍ) وَلَا يَضُرُّ بَقَاءُ أَثَرِهِ (إِنْ طَهُرَ رَأْسُ حَشَفَةٍ) كَأَنْ كَانَ مُسْتَنْجِيًا بِمَاءٍ. وَفِي الْمُجْتَبَى أَوْلَجَ فَنَزَعَ فَأَنْزَلَ لَمْ يَطْهُرْ إِلَّا بِغَسْلِهِ لِتَلَوُّثِهِ بِالنَّجَسِ انْتَهَى أَيْ: بِرُطُوبَةِ الْفَرْجِ، فَيَكُونُ مُفَرَّعًا عَلَى قَوْلِهِمَا بِنَجَاسَتِهَا، أَمَّا عِنْدَهُ فَهِيَ طَاهِرَةٌ كَسَائِرِ رُطُوبَاتِ الْبَدَنِ جَوْهَرَةٌ (وَإِلَّا) يَكُنْ يَابِسًا أَوْ لَا رَأْسُهَا طَاهِرًا (فَيُغْسَلُ) كَسَائِرِ النَّجَاسَاتِ وَلَوْ دَمًا عَبِيطًا عَلَى الْمَشْهُورِ (بِلَا فَرْقٍ بَيْنَ مَنِيِّهِ) وَلَوْ رَقِيقًا لِمَرَضٍ بِهِ (وَمَنِيِّهَا) وَلَا بَيْنَ مَنِيِّ آدَمِيٍّ وَغَيْرِهِ كَمَا بَحَثَهُ الْبَاقَانِيُّ (وَلَا بَيْنَ ثَوْبٍ) وَلَوْ جَدِيدًا أَوْ مُبَطَّنًا فِي الْأَصَحِّ (وَبَدَنٍ عَلَى الظَّاهِرِ) مِنَ الْمَذْهَبِ، ثُمَّ هَلْ يَعُودُ نَجِسًا بِبَلِّهِ بَعْدَ فَرْكِهِ؟ الْمُعْتَمَدُ لَا، وَكَذَا كُلُّ مَا حُكِمَ بِطَهَارَتِهِ بِغَيْرِ مَائِعٍ. وَقَدْ أَنْهَيْتُ فِي الْخَزَائِنِ الْمُطَهِّرَاتِ إِلَى نَيِّفٍ وَثَلَاثِينَ، وَغَيَّرْتُ نَظْمَ ابْنِ وَهْبَانَ فَقُلْتُ:

ترجمہ موزہ اور اس جیسی چیز جیسے جوتا، چپل وغیرہ میں اگر جسم والی نجاست لگ جائے تو اس کے رگڑ جانے سے مطلقاً وہ پاک ہوجاتا ہے، بشرطیکہ اس رگڑ سے نجاست کا اثر زائل ہوجائے۔ اور جسم دار نجاست اس کو کہتے ہیں کہ جو خشک ہوجانے کے بعد بھی دکھائی دے، اگرچہ اس کا دکھائی دینا کسی اور چیز کے ملنے کی وجہ سے ہو، جیسے شراب اور پیشاب ہے جس کو مٹی لگ گئی ہو، اور موزہ وغیرہ محض رگڑ جانے سے پاک ہونا مفتی بہ قول ہے۔ اور اگر ایسی نجاست لگی ہو جو جسم دار نہیں ہے جیسے پیشاب تو اس کو دھویا جائے اس کے بعد ہی پاک ہوگا۔ اور جو صیقل دار چیز ہو یعنی اس میں مسامات نہ ہوں کہ اس کے ذریعہ اس میں نجاست جذب کر جائے جیسے آئینہ، ناخن، ہڈی، شیشہ، روغن شدہ برتن، چینی کی پیالی، رکابی، خرادی ہوئی سخت لکڑی اور بے نقش ونگار کئے چاندی کا پتھر، یہ تمام چیزیں اس طرح پونچھ دینے سے پاک ہوجاتی ہیں کہ نجاست کا کوئی اثر باقی نہ رہے، اس قول پر فتویٰ بھی ہے۔

اور زمین سوکھ جانے سے پاک ہوجاتی ہے، خواہ اس کا سوکھنا ہوا کے ذریعہ کیوں نہ ہو، بخلاف بستر وغیرہ کے، جب اس میں نجاست لگ جائے تو دھوئے بغیر پاک نہ ہوگا۔ اور نجاست کے اثر کے ختم ہوجانے سے زمین نماز ادا کرنے کے حق میں پاک

ہوجاتی ہے، البتہ اس زمین سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ نماز کے لیے زمین کا پاک ہونا شرط ہے اور تیمم کے لیے زمین کے پاک کرنے کی صلاحیت ہونا بھی شرط ہے۔ اور نجاست کا اثر رنگ، بو ہے۔ اور بچھے ہوئے فرش کی پختہ اینٹ اور اسی طرح دوسری چیز جیسے پکی اینٹ، درخت اور زمین پر کھڑی گھاس کا حکم زمین کی طرح ہے، یعنی خشک ہوجانے سے یہ ساری چیزیں پاک ہوجائیں گی، جیسا کہ خشک ہوجانے سے زمین پاک ہوجاتی ہے۔ اور لفظ ''خص'' خاء کے ساتھ ہے، چھت کے اوٹ کو کہتے ہیں، جو بانس یا لکڑی کے ذریعہ بناتے ہیں، اسی طرح ہر وہ چیز جو زمین پر قائم اور ثابت ہو پاک ہوجاتی ہے، متصل ہونے کی وجہ سے اس کا بھی وہی حکم ہوتا ہے جو زمین کا ہوتا ہے، پس ہر وہ چیز جو زمین سے منفصل ہو اور اس پر نجاست لگ جائے وہ صرف خشک ہونے سے پاک نہ ہوگی بلکہ اس کو دھونا پڑے گا اس کے بغیر پاک نہ ہوگی۔ مگر کھردرا پتھر جیسے کہ چکی یہ زمین کی طرح ہے لہٰذا اس میں اگر نجاست لگ جائے تو یہ خشک ہوجانے سے پاک ہوجائے گی۔

اور خشک منی جہاں لگی ہو وہاں کھرچ دینے سے وہ جگہ پاک ہوجاتی ہے اور منی کے اثر کا باقی رہ جانا کوئی نقصان نہیں دیتا ہے (یعنی اگر منی کا اثر کھرچنے کے بعد باقی رہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے) مگر شرط یہ ہے کہ شرمگاہ کا سرا اس طرح پاک ہو کہ پیشاب کے بعد پانی سے استنجاء کیا ہو، اور شرمگاہ کو پانی سے دھویا ہو (گویا خشک منی کھرچنے سے اس وقت پاک ہوگی جب ذکر کا سرا پانی سے دھویا گیا ہو)۔

اور مجتبیٰ میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ ایک شخص نے اپنی شرمگاہ کو عورت کی شرمگاہ میں داخل کیا پھر نکال لیا اس کے بعد اس کو انزال ہوا تو ایسی صورت میں محض کھرچنے سے منی پاک نہ ہوگی بلکہ دھونا پڑے گا، اس لیے کہ مرد کی شرمگاہ نجاست کے ساتھ ملوث ہوچکی ہے، یعنی عورت کی شرمگاہ کی رطوبت کے ساتھ ملوث ہوچکی ہے، پس مجتبیٰ کا یہ قول صاحبینؒ کے قول پر متفرع ہے جو عورت کی شرمگاہ کی رطوبت کو ناپاک قرار دیتے ہیں۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اس رطوبت کو بدن کی تمام رطوبتوں کی طرح پاک قرار دیتے ہیں، جیسا کہ جوہرہ میں ہے۔

اور اگر منی خشک نہ ہو یا ذکر کا سرا پاک نہ ہو تو ایسی صورت میں خشک منی محض کھرچنے سے پاک نہ ہوگی بلکہ تمام نجاستوں کی طرح اس کو بھی دھوکر پاک کرنا پڑے گا، اگرچہ تازہ خون ہی کیوں نہ ہو، مشہور قول کے مطابق۔ (اور غیر مشہور قول یہ ہے کہ اگر تازہ خون لگنے کے بعد خشک ہوجائے پھر اس کو کپڑے سے رگڑ کر یا چھیل کر دور کردیا جائے تو اس سے وہ پاک ہوجاتا ہے۔ اور مشہور قول یہ ہے کہ بغیر دھوئے پاک نہیں ہوتا ہے)۔

اور یہ مسئلہ جو بیان کیا گیا ہے کہ خشک منی کھرچنے سے اور تر منی دھونے سے پاک ہوتی ہے اس حکم میں مرد و عورت کی منی میں کوئی فرق نہیں ہے، خواہ مرد کی منی بیماری کی وجہ سے پتلی کیوں نہ ہوگئی ہو، (بعض علماء فرماتے ہیں کہ آج کل مردوں کی منی عام طور پر پتلی ہوگئی ہے لہٰذا محض کھرچنے سے پاک نہ ہوگی بلکہ دھوکر ہی پاک کرنے سے پاک ہوگی) اور آدمی اور غیر آدمی کی منی میں

بھی کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ اس مسئلہ پر علامہ باقانی نے بحث کی ہے۔ اور نہ کپڑے اور بدن میں ظاہر مذہب کے مطابق کوئی فرق ہے، خواہ کپڑا نیا ہو یا دہرا ہی کیوں نہ ہو اس باب میں صحیح ترین قول یہی ہے۔ یعنی ہر ایک کا حکم یکساں ہے کہ خشک منی کھرچنے سے پاک ہو جاتی ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ جس کپڑے میں خشک منی لگی تھی اس کو کھرچ کر پاک کر دیا گیا اس کے بعد وہ کپڑا بھیگ گیا تو وہ نجاست دوبارہ لوٹ آئے گی اور کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ معتمد قول کے مطابق کپڑا بھیگنے کے بعد دوبارہ ناپاک نہیں ہوتا ہے اور یہی حکم ہر اس شئی کا ہے جس کی طہارت کا حکم نہ بہنے والی چیز سے کیا گیا ہے، بھیگنے سے دوبارہ ناپاک نہیں ہوتی ہے۔ اور میں نے خزائن الاسرار نامی کتاب میں ان چیزوں کی تعداد جو پاک کرتی ہیں تیس سے کچھ اوپر پہنچادی ہے۔ اور ابن وھبان کے نظم کو میں نے بدل دیا ہے اور کہا ہے۔

مختصر تشریح اس عبارت میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے نجاست سے طہارت حاصل کرنے کے متعلق کچھ مسائل بیان فرمائے ہیں، چناں چہ مصنفؒ نے فرمایا کہ اگر جسم دار نجاست موزہ، چپل، جوتا وغیرہ میں لگ جائے اور نجاست زمین سے اس طرح رگڑ جائے کہ نجاست کا اثر بالکل ختم ہو جائے تو ایسی صورت میں موزہ، جوتا اور چپل وغیرہ محض رگڑنے سے پاک ہو جائیں گے دھونے کی ضرورت نہیں ہے، اسی قول پر فتویٰ ہے۔

قولہ ویطھر خف ونحوہ: حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے خف کی قید اس لیے لگائی ہے کہ اگر نجاست بدن یا کپڑے میں لگ گئی ہو تو یہ رگڑنے سے پاک نہیں ہوتا ہے بلکہ دھونا لازم ہے۔ ہاں اگر گاڑھی منی کپڑے یا بدن میں لگ جائے تو پھر رگڑ دینے سے کپڑا اور بدن پاک ہو جاتا ہے۔ (شامی: ۱/ ۵۱۰)

مسئلہ: اگر خف اور چپل وغیرہ پر ایسی نجاست لگی ہو جو جسم والی نہیں ہے تو اس کو دھو کر پاک کرنا لازم ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ تین بار دھویا جائے اور دھو کر ہر بار اتنی دیر چھوڑ دیا جائے کہ اس سے پانی کا ٹپکنا بند ہو جائے، یا پھر ہر بار نچوڑ دیا جائے تو اب وہ پاک ہو جائے گا۔ (شامی: ۱/ ۵۱۱)

گیلی زمین پاک کرنے کا طریقہ

اگر ناپاک زمین خشک ہو جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے اس پر نماز پڑھنا درست ہوتا ہے البتہ اس سے تیمم کرنا اور طہارت حاصل کرنا جائز نہیں ہوتا ہے، اس لیے کہ زمین خشک ہونے سے پاک تو ہو گئی لیکن اس میں ابھی پاک کرنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوئی ہے اس لیے تیمم کرنا اس سے درست نہ ہوگا۔ ہاں اگر زمین گیلی ہے تو دھلے بغیر پاک نہیں ہوتی ہے۔ اگر زمین اس قدر نرم ہے کہ اس میں پانی جذب ہو جاتا ہے تو اس گیلی زمین پر اتنا پانی ڈالے کہ اس کو غالب گمان ہو جائے کہ زمین پاک ہو چکی ہے۔ اور اگر ڈھالو زمین ہو تو اس کے نیچے کی جانب ایک گڈھا کھود دے اور ناپاک زمین پر پانی ڈالتا رہے اور وہ پانی آ کر گڈھے میں جمع ہوتا رہے گا جب وہ گڈھا بھر جائے تو اس کو مٹی سے بھر دے۔ اور اگر زمین سخت اور ہموار ہو اس کا دھونا ممکن نہ ہو تو چاہئے

کہ اس زمین کو کھود کر اوپر کی مٹی کو نیچے اور نیچے کی مٹی کو اوپر کردے۔ اور اگر پختہ فرش ہو تو اس پر پانی ڈال کر بہادے اور کپڑے وغیرہ سے اس کو خشک کردے۔ تین بار اسی طرح پانی بہاتا رہے اور خشک کرتا رہے، یا پھر اس پر اتنا پانی بہائے کہ نجاست کا کوئی اثر باقی نہ رہے تو اس سے بھی زمین پاک ہوجائے گی۔ (شامی: ۱/ ۵۱۲)

مسئلہ: اگر نجاست آئینہ، تلوار، شیشہ، ہڈی، ناخن، چینی کے برتن اور ایسی چیز میں لگ جائے جس میں نجاست سرایت کرنے کے لیے مسامات نہ ہوں تو وہ تمام چیزیں محض پونچھ دینے سے پاک ہوجاتی ہیں، انھیں دھو کر پاک کرنے کی ضرورت نہیں ہے، خواہ لگنے والی نجاست جسم والی ہو یا غیر جسم والی ہو، گیلی نجاست ہو یا خشک نجاست ہو، ہر ایک کا حکم یہی ہے، اور اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔ (شامی: ۱/ ۵۱۱)

اور حلیہ کے اندر مذکور ہے کہ آئینہ، شیشہ وغیرہ میں لگنے والی نجاست جسم والی اور خشک ہے تو اس کو کسی بھیگے چیتھڑے سے پونچھ دینا چاہئے کہ نجاست کے عین کے ساتھ ساتھ اس کا اثر بھی ختم ہوجائے۔ اور اگر نجاست خشک ہے لیکن جسم والی نہیں ہے جیسے پیشاب، شراب وغیرہ تو اس کو بھی کسی چیتھڑے وغیرہ سے پونچھ کر پاک کردینا چاہئے اور اگر نجاست تر اور جسم والی ہے تو پھر تر کپڑے ہی سے صاف کرنا چاہئے۔

مسئلہ: زمین ناپاک تھی اس میں نجاست لگی تھی، لیکن اس میں اس قدر بارش کا پانی پڑا کہ پانی جاری ہوگیا اور خوب پانی اس پر بہہ پڑا تو اس سے وہ زمین شرعی اعتبار سے پاک ہوجائے گی، ہاں اگر تھوڑا پانی پڑا کہ اس پر سے بہا نہیں تو پھر پاک نہ ہوگی۔ (شامی: ۱/ ۵۱۲)

مسئلہ: اگر جسم یا کپڑے وغیرہ میں خشک منی لگ جائے تو اس کو کھرچ دینے سے جسم اور کپڑا پاک ہوجاتا ہے، دھونے کی ضرورت نہیں ہے، اگر منی کے کھرچنے یا دھونے کے بعد اس کے دھبے کپڑے پر باقی رہ جائیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، کپڑا بدستور باقی رہے گا۔ (شامی: ۱/ ۵۱۴)

مسئلہ: عورت کی باہری شرمگاہ کی رطوبت بالاتفاق پاک ہے۔ اور امام نوویؒ نے منہاج میں لکھا ہے کہ اصح قول کے مطابق عورت کی شرمگاہ کی رطوبت ناپاک نہیں ہے، لہٰذا جب ناپاک نہیں ہے تو اگر کپڑے وغیرہ میں عورت کی شرمگاہ کی رطوبت لگ جائے تو اس سے کپڑا وغیرہ ناپاک نہ ہوگا۔ (شامی: ۱/ ۵۱۵)

مسئلہ: مرد کی منی ہو یا عورت کی منی، آدمی کی منی ہو یا غیر آدمی کی، پھر وہ کپڑے میں لگے یا بدن میں اور کپڑا خواہ نیا ہو یا پرانا، اکہرا ہو یا دوہرا، ہر حالت میں اگر وہ منی خشک ہے تو وہ کھرچنے اور مل دینے سے پاک ہوجائے گا۔ اور اگر تر ہے تو پھر دھو کر پاک کرنا پڑے گا اس کے بغیر پاک نہ ہوگا۔ (درمختار: ۱/ ۵۴)

مسئلہ: موزہ رگڑنے سے پاک ہوگیا، زمین خشک ہونے سے پاک ہوگئی، چمڑا دباغت دینے سے پاک ہوگیا اور

کنواں پانی کے خشک ہونے سے پاک ہو گیا اور صیقل شدہ چیز پونچھ دینے سے پاک ہو گئی، اب اگر یہ تمام چیزیں اس کے بعد بھیگ جائیں تو معتمد قول کے مطابق وہ نجاست دوبارہ نہیں لوٹے گی۔ (شامی:۱/۵۱۶)

وَغَسْلٌ وَمَسْحٌ وَالْجَفَافُ مُطَهِّرٌ ۔۔۔ وَنَحْتٌ وَقَلْبُ الْعَيْنِ وَالْحَفْرُ يُذْكَرُ
وَدَبْغٌ وَتَخْلِيلٌ ذَكَاةٌ تَخَلُّلٌ ۔۔۔ وَفَرْكٌ وَدَلْكٌ وَالدُّخُولُ التَّغَوُّرُ
تَصَرُّفُهُ فِي الْبَعْضِ نَدْفٌ وَنَزْحُهَا ۔۔۔ وَنَارٌ وَغَلْيٌ غَسْلُ بَعْضٍ تَقَوُّرُ

ترجمہ دھونا، پونچھنا اور خشک کرنا یہ تینوں طریقے پاک کرنے کے ہیں۔ اور چھیلنا اور عین کا بدل جانا اور کھودنا یہ تینوں چیزیں بھی پاک کرنے والی چیزوں میں شمار ہوتی ہیں اور چمڑے کا دباغت دینا، شراب کو نمک وغیرہ میں ڈال کر سرکہ بنانا، جانور کو ذبح کرنا، شراب کا خود بخود سرکہ بن جانا، اور خشک منی کا کھرچنا اور موزہ کا رگڑنا اور ناپاک حوض میں اتنے پانی کا داخل ہو جانا کہ وہ بہنے لگے اور کنویں کے ناپاک پانی کا زمین کے اندر گھسنا اور اندر چلا جانا بھی پاک کرتا ہے۔ اور بعض حصہ میں تصرف کرنا، روئی کا دھنا اور کنوئیں کے پانی کو نکالنا اور ناپاک چیز کا آگ میں جل جانا، ابال کھانا، بعض حصہ کو دھو ڈالنا، اور جمی ہوئی چیز میں نجاست لگے ہوئے حصہ کو نکال کر گڈھا کر دینا، مذکورہ تمام چیزوں سے پاکی حاصل ہو جاتی ہے۔

مختصر تشریح مذکورہ بالا اشعار میں حضرت شارح علیہ الرحمہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ان چیزوں سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے، ان کی تعداد اشعار میں اکیس ہے۔

۱- غسل، یعنی دھونے سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے، جیسے ناپاک کپڑے وغیرہ کا دھونا۔
۲- مسح، یعنی پونچھنا، جیسے ناپاک شیشہ، آئینہ، چینی کا برتن، تلوار وغیرہ کا پونچھنا، اس سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔
۳- جفاف، یعنی خشک ہونا، جیسے ناپاک زمین اگر خشک ہو جائے تو اس سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔
۴- نحت، یعنی چھیلنا، جیسے ناپاک لکڑی ہے تو اگر اس کو چھیل دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔
۵- قلب عین، یعنی ذات کا بدل جانا، جیسے گدھا یا کوئی جانور نمک کے کان میں گر جائے اور نمک بن جائے تو وہ پاک ہے۔
۶- کھودنا، جیسے ناپاک سخت زمین کو کھود کر پاک کرنا بایں طور کہ اوپر کے حصہ کو کھود کر نیچے کر دیا جائے اور نیچے کے حصہ کو اوپر کر دیا جائے۔
۷- دباغت، جیسے چمڑے کو دباغت دے کر پاک کر دیا جائے۔
۸- تخلیل، یعنی شراب میں کوئی کیمیکل وغیرہ ڈال کر اس کو سرکہ بنا دیا جائے تو اب وہ پاک ہے۔
۹- جانور کو ذبح کرنا، اس سے بھی طہارت حاصل ہوتی ہے، یعنی چمڑا پاک ہو جاتا ہے۔
۱۰- شراب کا خود بخود سرکہ بن جانا، اس سے بھی طہارت حاصل ہوتی ہے۔

۱۱- فرک، یعنی گاڑھی اور خشک منی اگر کپڑے یا بدن میں لگ جائے تو اس کو کھرچ دینے سے کپڑا اور بدن پاک ہوجاتا ہے، کپڑے یا بدن کو دھونے کو ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ہے۔

۱۲- دلک، یعنی اگر موزہ یا جوتا وغیرہ میں نجاست لگ جائے اور زمین کی رگڑ سے زائل ہوجائے تو اس سے بھی طہارت حاصل ہوجاتی ہے۔

۱۳- الدخول، یعنی چھوٹے ناپاک حوض میں اگر پاک پانی داخل ہوگیا اور دوسری طرف سے پانی بہنے لگا تو اس سے حوض پاک ہوجائے گا۔

۱۴- التغور، یعنی ناپاک کنویں میں اتنا پانی سوکھ گیا اور زمین کے اندر گھس گیا جتنا نکالنا شرعی اعتبار سے واجب تھا تو اس سے بھی کنواں پاک ہوجائے گا، اور پانی کا گھسنا پانی کے نکالنے کے مانند ہوجائے گا۔

۱۵- بعض میں تصرف کرنا، جیسے دھان، گیہوں وغیرہ کو جانوروں کے ذریعہ بھوسے سے علیحدہ کرتے ہیں تو غلہ کے اوپر جانور گوبر اور پیشاب کردیتا ہے جس سے غلہ ناپاک ہوجاتا ہے لیکن جب اس ڈھیر میں سے کچھ حصہ خرچ کردیا جائے اور غریب میں تقسیم کردیا جائے تو اس سے وہ غلہ پاک ہوجاتا ہے۔

۱۶- ندف، یعنی دھننا۔ ناپاک روئی کو اگر دھن دیا جائے تو اس سے وہ پاک ہوجاتی ہے۔

۱۷- نزحھا، ناپاک کنویں کے پانی کو نکال دیا جائے تو اس سے کنواں پاک ہوجاتا ہے۔

۱۸- نار، یعنی اگر ناپاک چیز آگ میں جل جائے تو اس سے وہ چیز پاک ہوجاتی ہے۔

۱۹- وغلی، جوش دینا، اُبال دینا، یعنی اگر ناپاک چیز کو جوش دیدیا جائے یا اُبال دیا جائے تو اس سے بھی طہارت حاصل ہوجاتی ہے۔

۲۰- بعض حصہ کا دھوڈالنا، مثلاً کپڑے کا کوئی حصہ ناپاک ہوگیا اور یہ معلوم نہیں کہ کون سا کنارہ ناپاک ہوا ہے تو جس کنارے کو بھی دھودیا جائے کپڑا حکماً پاک ہوجائے گا۔

۲۱- تقور، یعنی جمی ہوئی چیز جیسے گھی، ڈالڈہ وغیرہ ناپاک ہوجائے تو اگر ناپاک حصہ کو نکال کر گڈھا کردیا جائے تو اس سے گھی اور ڈالڈہ پاک ہوجائے گا۔

(وَ) يَطْهُرُ (زَيْتٌ) تَنَجَّسَ (بِجَعْلِهِ صَابُونًا) بِهِ يُفْتَى لِلْبَلْوَى. كَتَنُّورٍ رُشَّ بِمَاءٍ نَجِسٍ لَا بَأْسَ بِالْخَبْزِ فِيهِ (كَطِينٍ تَنَجَّسَ فَجُعِلَ مِنْهُ كُوزٌ بَعْدَ جَعْلِهِ عَلَى النَّارِ) يَطْهُرُ إِنْ لَمْ يَظْهَرْ فِيهِ أَثَرُ النَّجَسِ بَعْدَ الطَّبْخِ ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ. (وَعَفَا) الشَّارِعُ (عَنْ قَدْرِ دِرْهَمٍ) وَإِنْ كُرِهَ تَحْرِيمًا، فَيَجِبُ غَسْلُهُ، وَمَا دُونَهُ تَنْزِيهًا فَيُسَنُّ، وَفَوْقَهُ مُبْطِلٌ فَيُفْرَضُ، وَالْعِبْرَةُ لِوَقْتِ الصَّلَاةِ لَا الْإِصَابَةِ عَلَى الْأَكْثَرِ نَهْرٌ (وَهُوَ

مِثْقَالٌ) عِشْرُونَ قِيرَاطًا (فِي) نَجِسٍ (كَثِيفٍ) لَهُ جِرْمٌ (وَعَرْضِ مُقَعَّرِ الْكَفِّ) وَهُوَ دَاخِلُ مَفَاصِلِ أَصَابِعِ الْيَدِ (فِي رَقِيقٍ مِنْ مُغَلَّظَةٍ كَعَذِرَةِ) آدَمِيٍّ، وَكَذَا كُلُّ مَا خَرَجَ مِنْهُ مُوجِبًا لِوُضُوءٍ أَوْ غُسْلٍ مُغَلَّظٌ(وَبَوْلِ غَيْرِمَأْكُولٍ وَلَوْمِنْ صَغِيرٍلَمْ يَطْعَمْ) إِلَّا بَوْلَ الْخُفَّاشِ وَخُرْأَهُ فَطَاهِرٌ، وَكَذَا بَوْلُ الْفَأْرَةِ لِتَعَذُّرِ التَّحَرُّزِ عَنْهُ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى كَمَا فِي التَّاتَارْخَانِيَّةِ وَسَيَجِيءُ آخِرَ الْكِتَابِ أَنَّ خُرْأَهَا لَا يُفْسِدُ مَا لَمْ يَظْهَرْأَثَرُهُ.وَفِي الْأَشْبَاهِ بَوْلُ السِّنَّوْرِ فِي غَيْرِ أَوَانِي الْمَاءِ عَفْوٌ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى (وَدَمٍ) مَسْفُوحٍ مِنْ سَائِرِالْحَيَوَانَاتِ إِلَّادَمَ شَهِيدٍ مَا دَامَ عَلَيْهِ وَمَابَقِيَ فِي لَحْمٍ مَهْزُولٍ وَعُرُوقٍ وَكَبِدٍوَطِحَالٍ وَقَلْبٍ وَمَا لَمْ يَسِلْ، وَدَمِ سَمَكٍ وَقَمْلٍ وَبُرْغُوثٍ وَبَقٍّ. زَادَ فِي السِّرَاجِ وَكَتَّانٍ وَهِيَ كَمَا فِي الْقَامُوسِ كَرُمَّانٍ: وَهِيَ دُوَيْبَةٌ حَمْرَاءُ لَسَّاعَةٌ، فَالْمُسْتَثْنَى اثْنَا عَشَرَ (وَخَمْرٍ) وَفِي بَاقِي الْأَشْرِبَةِ رِوَايَاتٌ التَّغْلِيظِ وَالتَّخْفِيفِ وَالطَّهَارَةِ. وَرَجَّحَ فِي الْبَحْرِ الْأَوَّلَ. فِي النَّهْرِ الْأَوْسَطَ.

ترجمہ اور جو تیل ناپاک ہوگیا ہو اس کو صابون بنا دینے سے وہ پاک ہو جاتا ہے۔ اور عموم بلویٰ کی وجہ سے اسی قول پر فتویٰ ہے (کیونکہ لوگوں کا اس سے بچنا دشوار اور مشکل ہے) جیسے کہ وہ تنور جس میں ناپاک پانی چھڑکا گیا ہو تو اس میں روٹی پکانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جس طرح کہ ایک ناپاک مٹی سے پیالہ بنایا گیا تو یہ کوزے اور پیالے آگ پر پکانے کے بعد پاک ہو جائیں گے، بشرطیکہ پک جانے کے بعد اس میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو، جیسا کہ اس مسئلہ کو حلبی نے ذکر کیا ہے۔

اور شریعت نے ایک درہم کی مقدار نجاست کو معاف کر دیا ہے (یعنی اگر کسی نے بھولے سے اتنی نجاست کے ساتھ نماز ادا کر لی تو نماز ہو جائے گی اور بقدر درہم نجاست لگنے کا علم ہوتے ہوئے اگر کسی نے نماز ادا کر لی تو) مکروہ تحریمی ہوگی، پس اس کا دھونا لازم ہوگا۔ اور اگر قدر درہم سے کم نجاست ہے تو اس کے ساتھ نماز ادا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ اور اس نجاست کو دھونا سنت ہے، فرض اور واجب نہیں ہے۔ اور اگر نجاست ایک درہم سے زیادہ لگی ہو تو پھر نماز باطل ہو جائے گی اور اس کو دھونا فرض ہوگا۔ اور نجاست کی مقدار میں نماز کے وقت کا اعتبار ہے نہ کہ نجاست لگنے کا وقت معتبر ہے۔ اکثر فقہاء کے قول کے مطابق جیسا کہ نہر الفائق میں مذکور ہے۔

اور نجاست مغلظہ جو ایک درہم کے بقدر معاف ہے اس کی مقدار ایک مثقال ہے جو چوبیس قیراط کا ہوتا ہے، گاڑھی جسم والی نجاس میں اسی کا اعتبار ہے، یعنی ایک درہم ایک مثقال کا ہوگا جو چوبیس قیراط کا ہوتا ہے۔ اور اگر نجاست پتلی ہے اور مغلظہ ہے جیسے آدمی کا پاخانہ تو ایسی صورت میں ہتھیلی کی گہرائی کی چوڑائی کا اعتبار ہوگا۔ اور وہ ہاتھ کی انگلیوں کے جوڑوں کا اندرونی حصہ ہے۔ اسی طرح ہر وہ شئی جو آدمی کے بدن سے نکلے اور اس سے وضو یا غسل واجب ہو جائے تو وہ نجاست غلیظہ ہے (جیسے پیشاب، پاخانہ، خون جو بہنے والا ہو، قئے جو منہ بھر ہو) اور ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت حلال نہیں ہے اور نہیں کھایا جاتا ہے نجاست غلیظہ ہے (خواہ وہ آدمی کا پیشاب ہو یا غیر آدمی کا پیشاب ہو، پھر آدمی میں جوان ہو یا شیر خوار بچہ جو ابھی اناج نہ کھاتا ہو ان سب کا

پیشاب نجاست غلیظہ ہے) البتہ چمگادڑ کا پیشاب اور اس کی بیٹ تو یہ پاک ہے، اسی طرح چوہے کا پیشاب معاف ہے اس لیے کہ اس سے بچنا متعذر ہے، اسی قول پر فتویٰ ہے، جیسا کہ فتاویٰ تاتارخانیہ میں مذکور ہے۔ اور کتاب کے اخیر میں یہ بات آئے گی کہ چوہے کی بیٹ پانی کو اس وقت تک فاسد نہیں کرتی ہے جب تک کہ اس کا اثر اس میں ظاہر نہ ہو جائے۔ اور الاشباہ والنظائر میں ہے کہ بلی کا پیشاب اگر پانی کے برتن کے علاوہ میں ہو تو معاف ہے (یعنی اگر پانی کے برتن کے علاوہ کسی اور چیز میں بلی کا پیشاب پڑ جائے تو معاف ہے) اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔

اور تمام جاندار چیزوں کا بہتا ہوا خون نجاست مغلظہ ہے، البتہ شہید کا خون جب تک اس کے جسم پر ہے پاک ہے، اسی طرح وہ خون جو دبے گوشت، رگوں، کلیجی، تلی اور دل میں رہ جاتا ہے پاک ہے، جب تک کہ نہ بہے۔ اسی طرح مچھلی، جوں، مچھر اور پسو کا خون پاک ہے اس لیے کہ اس میں بہنے والا خون نہیں ہوتا ہے (اور مچھلی سے جو خون بظاہر نکلتا ہے وہ حقیقت میں خون ہی نہیں ہے اس لیے کہ خون کی خاصیت دھوپ میں سیاہ ہو جانے کی ہے اور مچھلی کا خون دھوپ میں سیاہ نہیں ہوتا ہے بلکہ سفید ہو جاتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ مچھلی میں خون نہیں ہوتا ہے)۔

اور سراج الوھاج میں اس کا اضافہ فرمایا ہے کہ کتان کا خون بھی پاک ہے، کتان رمان کے وزن پر ہے جیسا کہ قاموس میں ہے یہ ایک قسم کا لال کیڑا ہے جو بہت سختی کے ساتھ جانوروں کے جسم کے ساتھ چپک جاتا ہے، پس اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تمام جانوروں میں بارہ خون مستثنیٰ ہیں اور پاک ہیں۔

اور انگور کی شراب نجاست مغلظہ ہے اور اس کے علاوہ جو دیگر نشہ آور شراب ہیں ان کے بارے میں نجاست غلیظہ، نجاست خفیفہ اور طہارت تینوں کی روایت ہے۔ البحر الرائق میں علامہ ابن نجیم نے نجاست غلیظہ کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ اور کنز الدقائق کی شرح النہر الفائق میں انگور کی شراب کے علاوہ کو نجاست خفیفہ ہونے کا قول راجح قرار دیا ہے (مگر علامہ شامی نے دیگر شرابوں کو نجاست غلیظہ میں داخل کیا ہے اور اس کو مختلف دلائل سے راجح قرار دیا ہے)۔ (شامی: ۱/ ۵۲۵)

مختصر تشریح قولہ ویطھر زیت: حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب کسی بھی چیز کی حقیقت و ماہیت بدل جاتی ہے تو اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے، چناں چہ اگر ناپاک تیل کو صابون بنا دیا جائے تو اب وہ فتویٰ کے اعتبار سے پاک ہوگا اور اس کا استعمال کرنا شرعی اعتبار سے جائز ہوگا، اس لیے کہ اس کے اندر عموم بلویٰ ہے۔ حضرت امام محمدؒ کا یہی قول ہے ان کے نزدیک علت تغیر اور انقلاب ماہیت ہے۔ (شامی: ۱/ ۵۱۹)

مسئلہ: اگر کوئی بچہ تنور میں پیشاب کر دے، یا ناپاک تر کپڑے سے تنور کو صاف کرے پھر تنور گرم کر کے اس میں روٹی پکائی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ آگ کی وجہ سے وہ ناپاکی جل گئی، اس لیے کہ وہ ناپاک پانی جل گیا اور اس کا اثر جاتا رہا، لہٰذا اس میں روٹی پکانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (شامی: ۱/ ۵۲۱)

نجاست غلیظہ و خفیفہ کے احکام اور اس کی تعریف

قولہ عفا الشارع عن قدر درھم: حضرت مصنف علیہ الرحمہ اس عبارت سے نجاست غلیظہ کے احکام کو بیان فرما رہے ہیں لیکن اس کے احکام کو جاننے سے قبل اس کی تعریف کا جان لینا ضروری ہے، چناں چہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نجاست غلیظہ وہ ہے جس میں باہم دو نص متعارض نہ ہوں، بلکہ صرف ایک ہی نص وارد ہوئی ہو، اور نجاست خفیفہ وہ ہے جس کے متعلق نصوص متعارض ہوں جیسے کہ ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت حلال ہے اور کھایا جاتا ہے اس کے متعلق نصوص متعارض ہیں، چناں چہ استنزھوا من البول فإن عامۃ عذاب القبر منہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ماکول اللحم جانور کا پیشاب نجس ہے، اس لیے کہ حکم عام ہے۔ اور حدیث عرنیین اس کی طہارت پر دلالت کر رہی ہے، اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ نے پیشاب اور دودھ پینے کا حکم فرمایا جو اس کی طہارت کی دلیل ہے، لہٰذا متعارض نصوص کی وجہ سے ماکول اللحم کا پیشاب نجس خفیف ہوگا۔ (شامی: ۱/ ۵۲۲)

حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ نجاست غلیظہ وہ ہے جس کے متعلق نہ نصوص متعارض ہوں اور نہ مجتہدین معاصرین اور علماء سابقین کا اختلاف ہو۔ اور نجاست خفیفہ وہ ہے جس میں دو نص متعارض ہوں اور حضرات مجتہدین کا اختلاف بھی ہو، پس گوبر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک نجاست غلیظہ ہے اس لیے کہ حدیث شریف میں اس کو "رکس" یعنی نجس کہا گیا ہے اور اس کے مقابل کوئی نص بھی موجود نہیں ہے۔ اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک گوبر نجاست خفیفہ ہے اس لیے کہ اگر چہ نص متعارض نہیں ہے لیکن مجتہدین کا اس میں اختلاف ہے، چناں چہ حضرت امام مالکؒ عموم بلویٰ کی وجہ سے گوبر کی طہارت کے قائل ہیں، لہٰذا مجتہدین کے اختلاف کی وجہ سے نجاست خفیفہ میں داخل ہو جائے گا۔ (شامی: ۱/ ۵۲۲)

عفا الشارع: علامہ حصکفیؒ نے متن کے لفظ کو بدل دیا ہے اس لیے کہ اصل متن میں "عفی" مجہول کا صیغہ تھا، شارح نے معروف کا صیغہ لا کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نجاست غلیظہ بقدر درم شریعت میں جو معاف ہے وہ حدیث شریف سے ثابت ہے محض قیاس سے اس کو متعین نہیں کیا گیا ہے، چناں چہ ایک درہم کے بقدر معافی کی تعیین کا دخل حضرت عمر، حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ وہ چیز ہے جس میں رائے اور قیاس کا دخل نہیں ہے، بلکہ رسول اکرم ﷺ سے سماع کے بعد ہی ان اجلہ صحابہؓ نے درہم کی مقدار بیان فرمائی ہوگی، لہٰذا یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوگا۔ (شامی: ۱/ ۵۲۰)

مسئلہ: قلیل نجاست بالاتفاق معاف ہے، اس لیے کہ ڈھیلوں سے استنجاء کرنا بالاجماع کافی ہے، پانی استعمال کرنا واجب اور ضروری نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ ڈھیلوں سے استنجاء کرنے میں نجاست بالکلیہ طور سے زائل نہیں ہوتی ہے بلکہ کچھ نہ کچھ ذرات ضرور باقی رہ جاتے ہیں اس کے باوجود نماز درست ہو جاتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ قلیل نجاست معاف ہے۔ (شامی: ۱/ ۵۲۰)

قولہ وان کرہ تحریما: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر نمازی کے بدن یا کپڑے میں ایک درہم کے بقدر نجاست لگی ہے اور اس کو معلوم بھی ہے پھر بھی اس نجاست کے ساتھ نماز ادا کر لی تو نماز تو ادا ہو جائے گی مگر نمازی کا یہ فعل مکروہ تحریمی ہوگا۔ اور اگر

نماز شروع کرنے کے بعد دورانِ نماز یہ معلوم ہوا کہ جسم پر بقدرِ درہم نجاست لگی ہے تو اس کو دھونے کی لیے نماز کو توڑنا جائز ہے، بشرطیکہ نماز کا وقت نکلنے کا خوف نہ ہو، اسی طرح جماعت چھوٹ جانے کا بھی اندیشہ نہ ہو اگر وقت فوت ہونے یا جماعت چھوٹ جانے کا اندیشہ ہے تو اسی نجاست کے ساتھ نماز ادا کرلے۔ (شامی: ۱/۵۲۱)

مسئلہ: اگر نجاست غلیظہ بقدرِ درہم لگی ہے تو اس کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور نجاست کو دھونا واجب ہے۔ اور اگر نجاست غلیظہ درہم سے کم لگی ہے تو اس کے ساتھ نماز مکروہ تنزیہی ہے۔ اور اس کو دھوڈالنا سنت ہے۔ اور اگر درہم کی مقدار سے زیادہ نجاست لگی ہے تو پھر نماز باطل ہوجائے گی اور اس کو دھونا فرض ہے۔

قولہ والعبرة لوقت الصلوة: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ نجاست کی مقدار میں نماز پڑھنے کے وقت کا اعتبار ہے، نجاست لگنے کے وقت کا اعتبار نہیں ہے، یعنی اگر کسی شخص کے کپڑے میں نجاست لگی ہے اور نجاست لگنے کے وقت ایک درہم سے کم تھی، لیکن نماز کے وقت وہ نجاست خود بخود پھیل کر ایک درہم کے مقدار ہوگئی تو نماز پڑھنے کے وقت جتنی مقدار ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا اور نماز نہ ہوگی نجاست لگنے کے وقت کا اعتبار ہوگا۔ (شامی: ۱/۵۲۱)

بعض علماء نے نجاست کے لگنے کے وقت کا اعتبار کرتے ہوئے فرمایا کہ نماز ہوجائے گی اس لیے کہ اس وقت درہم سے کم تھی۔ قہستانی نے اس قول کو مختار کہا ہے اور فرمایا کہ اسی قول پر فتویٰ ہے۔ اور شیخ ابن الہمام صاحب فتح القدیر نے بھی اس قول کو اختیار فرمایا ہے۔ اور حلیہ میں ہے کہ میرے نزدیک روایت سے ہم آہنگ یہی ہے اور اسی قول کی طرف علامہ عبدالغنی نابلسی کا میلان بھی ہے۔ (شامی: ۱/۵۲۱)

مسئلہ: وہ نجاست جو نماز کو روکتی ہے اس میں خود نمازی کے اُٹھانے کا اعتبار ہوتا ہے، مثال کے طور پر ایک نمازی کی پیٹھ یا کندھے پر ایک ایسا بچہ بیٹھ گیا جو خود بخود جم کر بیٹھ سکتا ہے اور اپنے آپ کو تھام سکتا ہے اور وہ بچہ ناپاک ہے یعنی اس کے کپڑے یا بدن میں نجاست لگی ہے تو اس صورت میں نماز ہوجائے گی، اس لیے کہ نمازی بچہ کو اُٹھانے والا نہیں ہے، بلکہ بچہ خود اپنے آپ کو سنبھال کر بیٹھ گیا ہے۔ لیکن اگر وہ بچہ ایسا ہے کہ خود بخود جم کر نہیں بیٹھ سکتا ہے بلکہ اس کو نمازی سنبھالتا ہے جیسے شیر خوار بچہ تو اس صورت میں نماز نہیں ہوگی اس لیے کہ اس صورت میں بچہ کے اُٹھانے کی نسبت نمازی کی طرف ہوگی۔ لیکن بعض فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ اس اضافت ونسبت کا کوئی اثر نہیں پڑتا ہے، نماز دونوں صورت میں نہیں ہوگی۔ علامہ شامی نے اسی قول ثانی کو قوی کہا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ روایت اس کے خلاف ہے اس لیے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ حضرت حسنؓ آپ کی پیٹھ پر سوار ہیں جب آپ سجدہ میں جاتے تو ان کو دور فرمادیا کرتے تھے۔ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد علامہ شامی لکھتے ہیں کہ حضرت حسن بچے تھے اور بچے عام طور پر نجاست سے محفوظ نہیں ہوتے ہیں، پس یہ منقول کے لیے مؤید ہے۔ (شامی: ۱/۵۲۱)

مسئلہ: اگر نجاست غلیظہ کثیف اور جسم والی ہے تو اس میں درہم کی مقدار ایک مثقال کے برابر ہے۔ اور مثقال چوبیس قیراط کا ہوتا ہے اور نجاست غلیظہ پتلی ہے تو اس میں مثقال کا اعتبار نہیں ہے بلکہ مساحت کا اعتبار ہے یعنی ہتھیلی کی گہرائی کی چوڑائی کا اعتبار ہے، ہتھیلی میں پانی رکھیں پس جتنے حصہ میں پانی رکا رہے وہی مقدار معتبر ہوگی۔ (شامی: ۱/ ۵۲۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کا حکم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بول و براز کے متعلق بعض ائمہ شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ آپ کے فضلات پاک ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے جیسا کہ مواہب لدنیہ میں عمدۃ القاری شرح بخاری سے نقل کیا ہے۔ اور علامہ بیری نے الاشباہ کی شرح میں اس کی صراحت کی ہے۔ اور ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کی طہارت کے متعلق دلائل کی بھرمار ہے۔ حضرات ائمہ کرام نے اس کو آپ علیہ السلام کی خصوصیت میں شمار کیا ہے اور اسی کو اکثر احناف نے اختیار کیا ہے۔ (شامی: ۱/ ۵۲۲)

چوہے کی مینگنی کا حکم

مسئلہ: اگر کسی نے چوہے کی مینگنی کو گیہوں کے ساتھ پیس دیا اور اس کا اثر آٹے میں ظاہر نہیں ہوا تو ضرورت کی وجہ سے معاف ہے اس لیے کہ تھوڑی بہت مینگنی تو گیہوں میں ہوتی ہی ہے اس سے بچنا بہت مشکل ہے۔ (شامی: ۱/ ۵۲۳)

مسئلہ: چمگادڑ کا پیشاب اور اس کی بیٹ نجس نہیں ہے اس لیے کہ کپڑے اور برتن کو اس سے بچانا متعذر ہے اس لیے کہ وہ فضاء میں پیشاب کرتا ہے۔ چمگادڑ درحقیقت اڑنے والا چوہا ہے اسی وجہ سے پیشاب کرتا ہے، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ سقوطِ نجاست کی علت ضرورت ہے۔ (شامی: ۱/ ۵۲۳)

مسئلہ: اگر کھٹمل یا جوں وغیرہ کو کپڑے یا بدن میں ماردے اور اس کا خون جسم پر یا کپڑے میں لگ جائے تو وہ معاف ہے اس کو دھونا واجب نہیں ہے۔ اگر کسی نے اسی کپڑے میں نماز ادا کرلی تو نماز ہوجائے گی اور کوئی کراہت بھی نہیں آئے گی۔ (شامی: ۱/ ۵۲۴)

(وَخُرْءِ) كُلِّ طَيْرٍ لَا يَذْرِقُ فِي الْهَوَاءِ كَبَطٍّ أَهْلِيٍّ (وَدَجَاجٍ) أَمَّا مَا يَذْرِقُ فِيهِ، فَإِنْ مَأْكُولًا فَطَاهِرٌ وَإِلَّا فَمُخَفَّفٌ (وَرَوْثٍ وَخِثْيٍ) أَفَادَ بِهِمَا نَجَاسَةَ خُرْءِ كُلِّ حَيَوَانٍ غَيْرِ الطُّيُورِ. وَقَالَا: مُخَفَّفَةٌ. وَفِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ قَوْلُهُمَا أَظْهَرُ، وَطَهَّرَهُمَا مُحَمَّدٌ آخِرًا لِلْبَلْوَى، وَبِهِ قَالَ مَالِكٌ. (وَلَوْ أَصَابَهُ مِنْ) نَجَاسَةٍ (غَلِيظَةٍ وَ) نَجَاسَةٍ (خَفِيفَةٍ جُعِلَتْ الْخَفِيفَةُ تَبَعًا لِلْغَلِيظَةِ) احْتِيَاطًا كَمَا فِي الظَّهِيرِيَّةِ، ثُمَّ مَتَى أَطْلَقُوا النَّجَاسَةَ فَظَاهِرُهُ التَّغْلِيظُ.

ترجمہ: اور ہر وہ پرندے جو ہوا میں نہیں اُڑتے ہیں جیسے پالتو بطخ اور مرغی وغیرہ ان کی بیٹ نجاست غلیظہ ہے۔ اور ہر وہ پرندے جو ہوا میں اُڑتے ہیں اور ان کا کھانا حلال ہے جیسے کبوتر، فاختہ وغیرہ تو ان کی بیٹ پاک ہے۔ اور اگر ان پرندوں کا کھانا شرعی اعتبار

سے حرام ہے تو ان کی بیٹ نجاست خفیفہ ہے جیسے چیل، شکرہ وغیرہ۔ لیکن ان کی بیٹ سے کنواں ناپاک نہ ہوگا اس لیے کہ کنویں کو ان سے بچانا دشوار ہے۔ گوبر اور لید نجاست غلیظہ ہے، ان سے یہ بات معلوم ہوئی کہ پرندوں کے علاوہ تمام حیوانات کے فضلات نجاست غلیظہ ہیں۔ اور حضرات صاحبینؒ نے فرمایا کہ نجاست خفیفہ ہیں۔ اور شرح ملا لیہ میں مذکور ہے کہ حضرات صاحبینؒ کا قول زیادہ ظاہر ہے۔ امام محمدؒ نے آخر حال میں عموم بلویٰ کی وجہ سے ان دونوں کو پاک قرار دیا ہے اس لیے کہ اس میں عام طور پر لوگ مبتلا ہیں، حضرت امام مالکؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

اگر کسی کے کپڑے میں نجاست غلیظہ اور نجاست خفیفہ دونوں لگ گئی ہوں تو اس صورت میں نجاست خفیفہ کو نجاست غلیظہ کے تابع قرار دیا جائے گا اور احتیاطاً نجاست غلیظہ کا حکم دیا جائے گا جیسا کہ فتاویٰ ظہیریہ میں مذکور ہے، پھر جب مطلق نجاست بولی جائے تو فقہاء کے نزدیک اس سے نجاست غلیظہ مراد ہوگی۔

مختصر تشریح قـولہ دجاج: دال میں تینوں اعراب یعنی زیر، زبر اور پیش جائز ہے۔ اس کا اطلاق مذکر اور مؤنث دونوں پر ہوتا ہے۔ (شامی: ۱/۵۲۵)

قـولہ وروث وخثی: "روث" کا اطلاق گھوڑے، گدھے اور خچر کی لید پر ہوتا ہے۔ اور "خثی" گائے، بیل اور ہاتھی کے گوبر کو کہا جاتا ہے۔ اور "بعر" کا اطلاق اونٹ اور بکری کی مینگنی پر ہوتا ہے۔ اور لفظ "خرء" پرندوں کے پاخانہ کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کتوں کے پاخانہ کو عربی میں "نجو" کہتے ہیں اور انسان کے فضلہ کے لیے "عذرہ" کا لفظ آتا ہے۔ (شامی: ۱/۵۲۵)

قـولہ طهرهما محمد آخر: حضرت محمدؒ جب بڑے شہر میں گئے تو وہاں دیکھا کہ تمام راستے اور سرائیں لید اور گوبر سے بھری پڑی ہیں، اور عام لوگ اس میں مبتلا ہیں تو مجبور ہو کر انھوں نے طہارت کا فتویٰ دیا۔ (شامی: ۱/۵۲۵)

(وَعُفِيَ دُونُ رُبُعِ) جَمِيعِ بَدَنٍ وَ (ثَوْبٍ) وَلَوْ كَبِيرًا هُوَ الْمُخْتَارُ، ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ وَرَجَّحَهُ فِي النَّهْرِ عَلَى التَّقْدِيرِ بِرُبُعِ الْمُصَابِ كَيَدٍ وَكُمٍّ وَإِنْ قَالَ فِي الْحَقَائِقِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى (مِنْ) نَجَاسَةٍ (مُخَفَّفَةٍ كَبَوْلِ مَأْكُولٍ) وَمِنْهُ الْفَرَسُ، وَطَهَّرَهُ مُحَمَّدٌ (وَخُرْءِ طَيْرٍ) مِنَ السِّبَاعِ أَوْ غَيْرِهَا (غَيْرِ مَأْكُولٍ) وَقِيلَ: طَاهِرٌ وَصُحِّحَ، ثُمَّ الْخِفَّةُ إِنَّمَا تَظْهَرُ فِي غَيْرِ الْمَاءِ فَلْيُحْفَظْ (وَ) عُفِيَ (دَمُ سَمَكٍ وَلُعَابُ بَغْلٍ وَحِمَارٍ) وَالْمَذْهَبُ طَهَارَتُهَا (وَبَوْلٌ انْتَضَحَ كَرُءُوسِ إِبَرٍ) وَكَذَا جَانِبُهَا الْآخَرُ وَإِنْ كَثُرَ بِإِصَابَةِ الْمَاءِ لِلضَّرُورَةِ، لَكِنْ لَوْ وَقَعَ فِي مَاءٍ قَلِيلٍ نَجَّسَهُ فِي الْأَصَحِّ؛ لِأَنَّ طَهَارَةَ الْمَاءِ آكَدُ جَوْهَرَةٌ. وَفِي الْقُنْيَةِ: لَوْ اتَّصَلَ وَانْبَسَطَ وَزَادَ عَلَى قَدْرِ الدِّرْهَمِ يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ كَالدُّهْنِ النَّجِسِ إِذَا انْبَسَطَ. وَطِينُ شَارِعٍ وَبُخَارُ نَجِسٍ، وَغُبَارُ سِرْقِينٍ، وَمَحَلُّ كِلَابٍ، وَانْتِضَاحُ غُسَالَةٍ لَا تَظْهَرُ مَوَاقِعُ قَطْرِهَا فِي الْإِنَاءِ عَفْوٌ. (وَمَاءٌ) بِالْمَدِّ (وَرَدَ) أَيْ: جَرَى (عَلَى نَجِسٍ نَجِسٌ) إِذَا وَرَدَ كُلُّهُ أَوْ

أَكْثَرُهُ وَلَوْ أَقَلَّهُ، لَا كَجِيفَةٍ فِي نَهْرٍ أَوْ نَجَاسَةٍ عَلَى سَطْحٍ، لَكِنْ قَدَّمْنَا أَنَّ الْعِبْرَةَ لِلْأَثَرِ (كَعَكْسِهِ) أَيْ: إِذَا وَرَدَتِ النَّجَاسَةُ عَلَى الْمَاءِ تَنَجَّسَ الْمَاءُ إِجْمَاعًا، لَكِنْ لَا يُحْكَمُ بِنَجَاسَتِهِ إِذَا لَاقَى الْمُتَنَجِّسَ مَا لَمْ يَنْفَصِلْ فَلْيُحْفَظْ (لَا) يَكُونُ نَجِسًا (رَمَادُ قَذَرٍ) وَإِلَّا لَزِمَ نَجَاسَةُ الْخُبْزِ فِي سَائِرِ الْأَمْصَارِ (وَ) لَا (مِلْحٌ كَانَ حِمَارًا) أَوْ خِنْزِيرًا وَلَا قَذَرٌ وَقَعَ فِي بِئْرٍ فَصَارَ حَمْأَةً لِانْقِلَابِ الْعَيْنِ بِهِ يُفْتَى

ترجمہ اور نجاست خفیفہ پورے بدن اور پورے کپڑے کی چوتھائی حصہ سے کم میں لگ جائے تو معاف ہے، اگر چہ کپڑا بڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اس مسئلہ کو حلبی نے بیان کیا ہے۔ اور صاحب النہر الفائق نے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔ مگر اس حصہ کی چوتھائی کا اندازہ کر کے جس میں نجاست لگی ہے، جیسے کہ دامن اور آستین ہے، اور حقائق میں کہا ہے کہ فتویٰ اسی قول پر ہے۔ (یعنی کپڑے کے جس حصہ میں نجاست لگی اس کی چوتھائی مراد ہے، مثلاً دامن میں لگی ہے تو اس کی چوتھائی آستین میں لگی ہے تو اس کی چوتھائی مراد ہوگی، پورے کپڑے کی چوتھائی مراد نہیں لی ہے)۔

نجاست خفیفہ جیسے ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے گھوڑا بھی اسی میں داخل ہے اور حضرت امام محمدؒ نے ان جانوروں کے پیشاب کو پاک قرار دیا ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے (حضرات شیخین کے نزدیک گھوڑے کا پیشاب نجاست خفیفہ ہے) اور ان پرندوں کی بیٹ جن کا گوشت کھایا نہیں جاتا ہے خواہ وہ درندہ ہو، خواہ درندہ نہ ہو نجاست خفیفہ ہے۔ اور بعض علماء کرام نے کہا کہ ان کی بیٹ پاک ہے اور اسی کی تصحیح بھی کی گئی ہے۔ پھر معلوم ہونا چاہئے کہ خفت کا اثر پانی کے علاوہ میں ظاہر ہوگا، (پانی جس طرح نجاست غلیظہ کے پڑنے سے ناپاک ہوجاتا ہے اسی طرح اگر نجاست خفیفہ پانی میں گر جائے تو بھی پانی ناپاک ہوجائے گا) پس اس مسئلے کو محفوظ کرلو۔

اور مچھلی کا خون، خچر اور گدھے کی رال معاف ہے اور مذہب کی روایت کے مطابق ان دونوں کی رال پاک ہے اور پیشاب کی چھینٹیں جو سوئی کے ناکہ کے برابر اُڑ کر پڑے وہ معاف ہے۔ اور یہی حکم ان تمام چھینٹوں کا ہے جو سوئی کے دوسرے کنارہ کے برابر ہوں جس میں تاگہ ڈالا جاتا ہے، اگر چہ پڑ کر زیادہ ہی کیوں نہ ہوجائے ضرورت کے پیش نظر معاف ہے۔ لیکن اگر یہ پیشاب کی چھینٹیں قلیل پانی میں پڑ جائیں تو پانی ناپاک ہوجائے گا، صحیح تر قول کے مطابق، اس لیے کہ پانی کی طہارت بہت تاکیدی ہے، جیسا کہ جوہرہ میں ہے۔ اور قنیہ میں ہے کہ پیشاب کی چھینٹیں باہم مل گئیں اور پھیل گئیں اور ایک درہم کی مقدار سے زیادہ ہوگئیں تو صورت مذکورہ میں مناسب ہے کہ پیشاب کی چھینٹوں کو اس نجس تیل کی طرح قرار دیا جائے جو پھیل گیا ہے، (یعنی جس طرح یہ ناپاک تیل مانع نماز ہے اسی طرح یہ چھینٹیں بھی مانع نماز ہوں گی) اور شاہراہ کی کیچڑ، ناپاک چیز کے بھاپ، گوبر کا غبار، کتوں کے بیٹھنے کی جگہ، وضو اور غسل کے پانی کی چھینٹیں جن کے قطرات کی جگہ برتن میں ظاہر نہ ہو معاف ہے۔ اور اگر پانی ناپاک چیز پر سے گذرے تو وہ پانی ناپاک ہے بشرطیکہ سارا پانی یا اکثر نجاست پر سے گذرے اور کچھ پانی نجاست پر

سے گذر کر بہے تو پھر پانی ناپاک نہ ہوگا، جیسے کہ کوئی مردار کسی نہر میں پڑا ہوا ہو یا کوئی نجاست چھت پر ہے اور اس پر پانی بہتا ہے تو اس صورت میں پانی ناپاک نہ ہوگا۔

لیکن ہم نے اس سے قبل "باب المیاہ" کے تحت ذکر کیا ہے کہ اس صورت میں نجاست کے اثر کا اعتبار ہے جیسا کہ اس کے برعکس ہے، یعنی اسی طرح جب نجاست پانی پر پڑے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، اس میں کسی بھی اہل علم کا اختلاف نہیں ہے، لیکن یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ناپاک چیز کے پانی سے ملتے ہی اس کے ناپاک ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا، جب تک کہ ناپاک ہونے والی چیز جدا نہ ہو جائے، اور نجاست کی راکھ ناپاک نہیں ہوتی ہے (خواہ گوبر ہو یا آدمی کا پاخانہ) ورنہ بہت سے شہروں میں جہاں گوبر اور لید سے روٹیاں پکتی ہیں وہاں ان روٹیوں کا ناپاک ہونا لازم آئے گا۔ اور نہ نمک ناپاک ہوتا ہے جس میں گدھا یا سور گر کر مر جائے اور نمک بن جائے۔ اور نہ وہ گندگی ناپاک ہوتی ہے جو کسی کنویں میں گر کر کیچڑ بن جائے، اس لیے کہ اس صورت میں ماہیت اور عین بدل جاتی ہے، اسی قول پر فتویٰ بھی دیا جاتا ہے۔

مختصر تشریح اس عبارت سے حضرت مصنف نجاست خفیفہ کے احکام کو بیان فرمارہے ہیں، چناں چہ موصوف فرماتے ہیں کہ اگر نجاست خفیفہ جیسے ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے اور غیر ماکول اللحم پرندوں کی بیٹ وغیرہ اگر بدن یا کپڑے کے چوتھائی حصہ میں لگ جائے تو معاف ہے۔ حضرت علامہ شامیؒ نے چوتھائی حصہ کے اعتبار کرنے میں تین اقوال نقل کئے ہیں:

(۱) بدن یا کپڑے کے جس حصے میں نجاست لگ جائے اس کا چوتھائی حصہ مراد ہے، جیسے آستین، دامن اور کلی وغیرہ۔ یہ تو اس صورت میں ہے جب کہ نجاست خفیفہ کپڑے میں لگی ہو۔ اور اگر نجاست خفیفہ بدن میں لگی ہو تو بدن کے جس حصے میں نجاست لگی ہے اس کا چوتھائی حصہ مراد ہوگا، جیسے ہاتھ، پاؤں وغیرہ۔ اس قول کی تحفہ، محیط، مجتبیٰ اور سراج الوہاج وغیرہ میں تصحیح کی ہے۔ اور کنز الدقائق کی شرح تبیین الحقائق میں ہے کہ اسی قول پر فتویٰ ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۵۶)

(۲) نجاست خفیفہ لگنے میں پورے بدن اور پورے کپڑے کی چوتھائی کا اعتبار ہے، مبسوط میں اسی قول کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔

(۳) نجاست خفیفہ کے لگنے میں بعض علماء کرام نے فرمایا کہ کم از کم نماز کے جائز ہونے کے لیے جس قدر کپڑا ہونا ضروری ہے اس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی ہے اس کا چوتھائی حصہ مراد ہے، جیسے کہ تہبند ہے۔ ان تینوں اقوال میں سے قول اوّل کو علماء کرام نے قابلِ اعتبار اور لائق فتویٰ سمجھا ہے۔ (شامی: ۱/ ۵۲۷)

مسئلہ: گھوڑے کا پیشاب نجاست خفیفہ ہے، اس لیے کہ گھوڑا ماکول اللحم جانور ہے اور اس کا گوشت حلال اور پاک ہے۔ تاہم حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت استعمال کرنا مکروہ ہے اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ گھوڑے کا گوشت ناپاک ہے بلکہ اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ آلۂ جہاد ہے، یہی وجہ ہے کہ گھوڑے کا جھوٹا بالاتفاق پاک ہے، جیسا کہ صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیم المصریؒ نے اس کی صراحت کی ہے۔ (شامی: ۱/ ۵۲۷)

مسئلہ: نجاست خفیفہ کی خفت صرف پانی کے علاوہ میں ظاہر ہوگی اور اگر نجاست خفیفہ پانی میں گر جائے اور پانی قلیل ہو تو اس صورت میں پانی نجس ہو جائے گا، اس میں درہم اور ربع کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ نجاست خفیفہ بدن یا کپڑے میں لگ جائے تو ربع کا اعتبار ہے۔ (شامی: ۱/ ۵۲۷)

مسئلہ: اگر مچھلی کا خون یا خچر اور گدھے کی رال کپڑے میں لگ جائے تو معاف ہے اس لیے کہ مچھلی کا خون دراصل خون ہی نہیں ہے بلکہ صرف صورتاً خون ہے، گدھے اور خچر دونوں کی رال مذہب کی روایت کے مطابق بالیقین پاک ہے، البتہ اس کی طہوریت میں شک ہے۔ (شامی: ۱/ ۵۲۸)

مسئلہ: جس کپڑے پر سوئی کے ناکے کے برابر نجس شئ لگ جائے یا پیشاب لگ جائے اور وہ کپڑا قلیل پانی میں گر جائے تو اس سے پانی ناپاک ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں دو قول مروی ہیں، بعض نے پانی کو ناپاک قرار دیا ہے اور بعض علماء اس سے پانی کو ناپاک نہیں قرار دیتے ہیں۔ (شامی: ۱/ ۵۲۹)

مسئلہ: برسات کے موسم میں چلتے ہوئے جو کیچڑ دامن اور کپڑے میں لگ جاتے ہیں اور اس سے بچنا نہایت مشکل ہوتا ہے ضرورت اور عمومِ بلویٰ کے پیش نظر علماء نے اس کو معاف قرار دیا ہے اور اس کپڑے کے ساتھ نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے۔ (شامی: ۱/ ۵۳۰)

مسئلہ: جو شخص برسات میں ان راستوں سے نہ گذرتا ہو جن میں کیچڑ ہوتی ہے تو اس کے لیے اس کے ساتھ نماز جائز نہیں ہے بلکہ کپڑا بدل کر نماز پڑھنا ضروری ہے۔ (شامی: ۱/ ۵۳۱)

(وَغَسْلُ طَرَفِ ثَوْبٍ) أَوْ بَدَنٍ (أَصَابَتْ نَجَاسَةٌ مَحَلًّا مِنْهُ وَنُسِيَ) الْمَحَلُّ (مُطَهِّرٌ لَهُ وَإِنْ) وَقَعَ الْغَسْلُ (بِغَيْرِ تَحَرٍّ) وَهُوَ الْمُخْتَارُ. ثُمَّ لَوْ ظَهَرَ وَأَنَّهَا فِي طَرَفٍ آخَرَ هَلْ يُعِيدُ؟ فِي الْخُلَاصَةِ نَعَمْ، وَفِي الظَّهِيرِيَّةِ الْمُخْتَارُ أَنَّهُ لَا يُعِيدُ إِلَّا الصَّلَاةَ الَّتِي هُوَ فِيهَا (كَمَا لَوْ بَالَ حُمُرٌ) خَصَّهَا لِتَغْلِيظِ بَوْلِهَا اتِّفَاقًا (عَلَى) نَحْوِ (حِنْطَةٍ تَدُوسُهَا فَقُسِمَ أَوْ غُسِلَ بَعْضُهُ) أَوْ ذَهَبَ بِهِبَةٍ أَوْ أَكْلٍ أَوْ بَيْعٍ كَمَا مَرَّ (حَيْثُ يَطْهُرُ الْبَاقِي) وَكَذَا الذَّاهِبُ لِاحْتِمَالِ وُقُوعِ النَّجَسِ فِي كُلِّ طَرَفٍ كَمَسْأَلَةِ الثَّوْبِ (وَكَذَا يَطْهُرُ مَحَلُّ نَجَاسَةٍ) أَمَّا عَيْنُهَا فَلَا تَقْبَلُ الطَّهَارَةَ (مَرْئِيَّةٍ) بَعْدَ جَفَافٍ كَدَمٍ (بِقَلْعِهَا) أَيْ: بِزَوَالِ عَيْنِهَا وَأَثَرِهَا وَلَوْ بِمَرَّةٍ أَوْ بِمَا فَوْقَ ثَلَاثٍ فِي الْأَصَحِّ، وَلَمْ يَقُلْ بِغَسْلِهَا لِيَعُمَّ نَحْوَ دَلْكٍ وَفَرْكٍ. (وَلَا يَضُرُّ بَقَاءُ أَثَرٍ) كَلَوْنٍ وَرِيحٍ (لَازِمٍ) فَلَا يُكَلَّفُ فِي إِزَالَتِهِ إِلَى مَاءٍ حَارٍّ أَوْ صَابُونٍ وَنَحْوِهِ، بَلْ يَطْهُرُ مَا صُبِغَ أَوْ خُضِّبَ بِنَجِسٍ بِغَسْلِهِ ثَلَاثًا وَالْأَوْلَى غَسْلُهُ إِلَى أَنْ تَصْفُوَ الْمَاءُ وَلَا يَضُرُّ أَثَرُ دُهْنٍ إِلَّا دُهْنَ وَدَكِ مَيْتَةٍ؛ لِأَنَّهُ عَيْنُ النَّجَاسَةِ حَتَّى لَا يُدْبَغَ بِهِ جِلْدٌ بَلْ

يُسْتَصْبَحُ بِهِ فِي غَيْرِ مَسْجِدٍ -. (وَ) يَطْهُرُ مَحَلُّ (غَيْرِهَا) أَيْ: غَيْرِ مَرْئِيَّةٍ (بِغَلَبَةِ ظَنِّ غَاسِلٍ) لَوْ مُكَلَّفًا وَإِلَّا فَمُسْتَعْمَلٌ (طَهَارَةَ مَحَلِّهَا) بِلَا عَدَدٍ بِهِ يُفْتَى. (وَقُدِّرَ) ذَلِكَ لِمُوَسْوِسٍ (بِغَسْلٍ وَعَصْرٍ ثَلَاثًا) أَوْ سَبْعًا (فِيمَا يَنْعَصِرُ) مُبَالِغًا بِحَيْثُ لَا يَقْطُرُ، وَلَوْ كَانَ لَوْ عَصَرَهُ غَيْرُهُ قَطَرَ طَهُرَ بِالنِّسْبَةِ إلَيْهِ دُونَ ذَلِكَ الْغَيْرِ، وَلَوْ لَمْ يُبَالِغْ لِرِقَّتِهِ هَلْ يَطْهُرُ؟ الْأَظْهَرُ نَعَمْ لِلضَّرُورَةِ.

ترجمہ: کپڑے کا وہ کنارہ اور بدن کا وہ حصہ جس میں نجاست لگ گئی ہو اور وہ اس نجاست کے لگنے کی جگہ کو بھول گیا ہو تو اس کے کسی بھی کنارے کو دھو دینا اس کو پاک کرنے والا ہے، اگر چہ دھونا بغیر غور وفکر کے پایا گیا ہو، یہی قول راجح اور مختار ہے۔ (لفظ "بغیر تحرٍ" کا اضافہ فرما کر حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے درحقیقت ان لوگوں کا رد فرمایا ہے جو پورے کپڑے کو دھونا واجب کہتے ہیں یا غور وفکر کے بعد دھونا واجب قرار دیتے ہیں) پھر اگر دھونے کے بعد یہ ظاہر ہوا کہ نجاست دوسرے کنارے میں لگی تھی جہاں دھویا نہیں گیا ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا اس جگہ کو دوبارہ دھونا پڑے گا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں اس جگہ کو دوبارہ دھونا پڑے گا۔ اور فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ مختار قول یہ ہے کہ کسی بھی نماز کو نہ لوٹائے گا سوائے اس نماز کے جس میں نجاست نظر آئی ہے، جیسا کہ اگر گدھا گیہوں پر پیشاب کر دے جس کو گاہا جا رہا تھا پس اس گیہوں کو تقسیم کیا گیا، یا اس میں سے کچھ حصہ کو دھو دیا گیا، یا اس میں سے کچھ حصہ ہبہ کرنے، یا کھانے یا بیچنے کے ذریعہ نکل گیا تو بقیہ تمام گیہوں پاک ہو جائے گا جیسا کہ یہ بات پہلے بھی گذر چکی ہے۔ اسی طرح اگر غلہ یا گیہوں میں سے کچھ لے گیا اس سے بھی بقیہ گیہوں پاک ہو جائے گا۔ اس احتمال کی وجہ سے کہ ناپاک حصہ ادھر بھی ہو سکتا ہے جو چلا گیا ہے یا صرف ہو گیا ہے۔ جیسے اس ناپاک کپڑے کا مسئلہ جس کا کوئی ایک کنارہ ناپاک ہو گیا ہو اور وہ معلوم نہ ہو سکے تو کسی ایک کنارہ کے دھونے سے پاک ہو جاتا ہے۔ حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے مثال دیتے وقت گدھے کی مثال اس لیے دی ہے کہ گدھے کا پیشاب بالاتفاق نجاست غلیظہ ہے۔

اسی طرح محل نجاست خشک ہونے کے بعد یا اکھیڑ دینے کے بعد بالکل پاک ہو جاتا ہے، بشرطیکہ نجاست دیکھنے میں آتی ہو، جب عین نجاست ختم ہو جائے یا اس کا اثر زائل ہو جائے، اگر چہ یہ نجاست ایک مرتبہ سے دور ہو جائے یا ایک مرتبہ سے زیادہ تین مرتبہ سے دور ہو، اس باب میں اصح قول یہی ہے۔ اور حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے محل نجاست کی قید اس لیے لگائی ہے کہ عین نجاست طہارت کو قبول نہیں کرتی ہے۔ اور نجاست مرئیہ سے مراد وہ نجاست ہے جو سوکھنے کے بعد نظر آئے، جیسے خون ہے، پاخانہ ہے، کہ سوکھنے کے بعد نظر بھی آتا ہے۔ اور حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے "بقلعها" فرمایا "بغسلها" نہیں فرمایا، تا کہ اس میں رگڑنا اور کھرچنا بھی شامل ہو جائے۔ اور اس سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ پاک کرنے کا طریقہ صرف غسل یعنی دھونا ہی نہیں ہے بلکہ رگڑنے اور ملنے سے بھی نجاست پاک ہو جاتی ہے جیسا کہ اس سے پہلے منی سے پاکی حاصل کرنے کے باب کے تحت گذرا ہے۔ اور نجاست کے عین ختم ہو جانے کے بعد اگر اس کا اثر لازم باقی رہ جائے

جیسے نجاست کا رنگ، اس کی بو، تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، پس اس کے دور کرنے کے لیے گرم پانی یا صابون اس کے مانند شئی کا استعمال کرنے کا مسلمان مکلف نہیں ہے (مثال کے طور پر شراب کا برتن ہے خوب اچھی طرح دھو دیا لیکن اس کے باوجود برتن میں شراب کی بو اور اس کا رنگ باقی رہ گیا ہے تو اس کی وجہ سے پاک ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑے گا بلکہ وہ پاک ہو جائے گا اور یہ بات ضروری نہیں ہوگی کہ مسلمان اس بو کو دور کرنے کے لیے صابن وغیرہ کا استعمال کرے)۔

بلکہ ہر وہ شئی جو ناپاک چیز سے رنگی گئی، یا ناپاک چیز کا خضاب لگایا گیا تو وہ تین مرتبہ دھو دینے کے بعد پاک ہو جاتا ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ اس کو اتنی بار دھوئے یا اس طرح دھوئے کہ صاف پانی گرنے لگے اور ناپاک تیل کی چکنائی کا اثر کا باقی رہنا طہارت کے لیے نقصان دہ نہیں ہے البتہ مردار جانور کی چکنائی کا باقی رہنا طہارت کے لیے نقصان دہ ہے، اس لیے کہ وہ عین نجاست ہے حتی کہ اس سے چمڑے کی دباغت نہیں دی جائے گی اور نہ مسجد میں اس سے روشنی کی جائے گی، ہاں مسجد کے علاوہ دوسری جگہوں میں چراغ میں ڈال کر روشنی کے واسطے جلا سکتے ہیں۔

نجاست غیر مرئیہ کو پاک کرنے کا طریقہ

اور وہ نجاست جو دیکھنے میں نہیں آتی ہے اس کی جگہ دھونے والے کے گمان غالب کے بعد پاک ہو جاتی ہے، بشرطیکہ اس کو دھونے والا شخص مکلف عاقل بالغ اور مسلمان ہو۔ اور اگر نجاست غیر مرئیہ جو دیکھنے میں نہیں آتی ہے اس کا دھونے والا شخص غیر مکلف ہے تو اس وقت استعمال کرنے والے کے ظن غالب کا اعتبار ہوگا، اس میں عدد کی کوئی شرط نہ ہوگی، اسی قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ (یعنی تین مرتبہ دھونا ضروری نہیں ہے اگر ایک مرتبہ دھونے کے بعد ظن غالب حاصل ہو جائے۔ حضرت امام کرخیؒ نے اس بات کی وضاحت کی ہے اور علامہ اسبیجابی نے اسی کو اختیار کیا ہے)۔

وہم میں مبتلا شخص کے لیے طہارت کا طریقہ

جو شخص وہم اور وسوسہ میں مبتلا ہو تو اس کے لیے شریعت نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ وہ تین مرتبہ یا سات مرتبہ دھوئے۔ اور مبالغۃً ہر مرتبہ اس طرح نچوڑے کہ پانی ٹپکنا بند ہو جائے، بشرطیکہ وہ نچوڑے جانے والی چیز ہو، اگر چہ دوسرے کے نچوڑنے سے پانی کیوں نہ ٹپکے۔ (مطلب یہ ہے کہ نجس شئی کے پاک کرنے میں بذات خود نچوڑنے کا اعتبار ہے اگر کسی شخص نے ناپاک کپڑا اس طرح نچوڑ دیا کہ پانی ٹپکنا بند ہو گیا تو اب وہ پاک سمجھا جائے گا اگر چہ کسی دوسرے طاقت ور کے نچوڑنے سے پانی مزید ٹپکنے لگے) تو ایسی صورت میں اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے کپڑا پاک ہوگا نہ کہ دوسرے کی طرف نسبت کرتے ہوئے۔ یہاں ایک سوال یہ ہے کہ اگر کپڑا باریک ہونے کی وجہ سے نچوڑنے میں مبالغہ نہ کرے تو اس سے کپڑا پاک ہوگا یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں ضرورت کی وجہ سے پاک ہو جائے گا۔

وہمی اور وسوسہ میں مبتلا شخص کو کبھی بھی ظن غالب حاصل نہیں ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وسوسہ کی بیماری میں مبتلا شخص دو دو گھنٹے نہاتے رہتے ہیں اور بار بار وضو کرتے رہتے ہیں، اس کے باوجود ان کو تشفی حاصل نہیں ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اس کی ضرورت پڑی کہ اس کی تحدید کردی جائے، چناں چہ ایسے لوگوں کے واسطے شریعت نے تین مرتبہ دھونے کو مقرر کردیا ہے اور اگر خوب زیادہ وسوسہ ہو تو اس کے لیے سات مرتبہ متعین فرمایا ہے، اس سے زیادہ مشروع نہیں ہے۔ علماءِ عراق نے فرمایا کہ جب ظن غالب حاصل ہو جائے تو طہارت ہو جائے گی۔ اور علماءِ بخارا نے ایسے شخص کے لیے تین بار دھونے کی قید لگائی ہے۔ صاحب سراج الوہاج نے ان دونوں قولوں کے درمیان اس طرح تطبیق دی ہے کہ اگر وسوسہ کی بیماری میں مبتلا نہیں ہے تو ظن غالب کا اعتبار کیا جائے اور اگر وسوسہ کی بیماری میں مبتلا ہے تو تین مرتبہ دھونا کافی ہے اور اگر تین مرتبہ کے بعد اطمینان حاصل نہ ہو تو سات مرتبہ تک دھو سکتا ہے اس سے زیادہ دھونا مشروع نہیں ہے۔ صاحب النہر الفائق نے اس تطبیق کو عمدہ اور حسن قرار دیا ہے۔ (شامی: ۱/ ۵۴۰)

صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیم مصری شارح کنز نے حاوی قدسی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ برتن کی تین قسمیں ہیں: (۱) مٹی کے برتن۔ (۲) لکڑی کے برتن۔ (۳) لوہے وغیرہ کے برتن۔ اور ان برتنوں کے پاک کرنے کے چار طریقے ہیں: (۱) جلادینا۔ (۲) چھیلنا۔ (۳) دھونا۔ (۴) پونچھنا۔ اگر برتن مٹی یا پتھر کا ہے اور نجاست اس کے اندر سرایت کر چکی ہے تو اس کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو جلادیا جائے۔ اور اگر برتن خوب پرانا ہے تو اس کو دھودینا ہی کافی ہے۔ اور اگر نئی لکڑی کا برتن ہے اور اس میں نجاست لگ جائے تو اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو چھیل دیا جائے اور اگر پرانی لکڑی کا برتن بنا ہے تو اس کو صرف دھودینا کافی ہے۔ اور اگر برتن لوہے یا کانچ کا ہے جس میں نجاست سرایت نہیں کرتی ہے تو اس کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو خوب اچھی طرح پونچھ دیا جائے۔ اور اگر برتن کھردرا ہے تو پھر دھونا چاہئے۔ صاحب البحر الرائق نے فرمایا کہ اگر نجاست بدن میں لگ جائے تو تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا اس لیے کہ بدن کا نچوڑنا یا برتنوں کا نچوڑنا دشوار ہے، لہٰذا دھونا ہی نچوڑنے کے قائم مقام ہو جائے گا۔ (شامی: ۱/)

(وَ) قُدِّرَ (بِتَثْلِيثِ جَفَافٍ) أَيْ: انْقِطَاعِ تَقَاطُرٍ (فِي غَيْرِهِ) أَيْ: غَيْرِ مُنْعَصِرٍ مِمَّا يَتَشَرَّبُ النَّجَاسَةَ وَإِلَّا فَبِقَلْعِهَا كَمَا مَرَّ، وَهَذَا كُلُّهُ إِذَا غُسِلَ فِي إِجَّانَةٍ، أَمَّا لَوْ غُسِلَ فِي غَدِيرٍ أَوْ صُبَّ عَلَيْهِ مَاءٌ كَثِيرٌ، أَوْ جَرَى عَلَيْهِ الْمَاءُ طَهُرَ مُطْلَقًا بِلَا شَرْطِ عَصْرٍ وَتَجْفِيفٍ وَتَكْرَارِ غَمْسٍ هُوَ الْمُخْتَارُ. وَيَطْهُرُ لَبَنٌ وَعَسَلٌ وَدِبْسٌ وَدُهْنٌ يُغْلَى ثَلَاثًا وَلَحْمٌ طُبِخَ بِخَمْرٍ يُغْلَى وَتَبْرِيدٌ ثَلَاثًا، وَكَذَا دَجَاجَةٌ مُلْقَاةٌ حَالَةَ غَلْيِ الْمَاءِ لِلنَّتْفِ قَبْلَ شَقِّهَا فَتْحٌ. وَفِي التَّجْنِيسِ: حِنْطَةٌ طُبِخَتْ فِي خَمْرٍ لَا تَطْهُرُ أَبَدًا بِهِ يُفْتَى. وَلَوْ انْتَفَخَتْ مِنْ بَوْلٍ نُقِعَتْ وَجُفِّفَتْ ثَلَاثًا. وَلَوْ عُجِنَ خُبْزٌ بِخَمْرٍ صُبَّ فِيهِ خَلٌّ حَتَّى يَذْهَبَ أَثَرُهُ فَيَطْهُرُ.

لحاف اور گدے وغیرہ کو پاک کرنے کا طریقہ

ترجمہ اور جو چیز نہ نچوڑی جا سکے اور وہ اپنے اندر نجاست کو جذب کرنے والی ہو تو اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو تین مرتبہ دھویا جائے اور ہر مرتبہ اس طرح خشک کیا جائے کہ پانی ٹپکنا بند ہو جائے۔ اور اگر وہ شئی ایسی ہو کہ اپنے اندر نجاست کو جذب کرنے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو تو صرف نجاست کو اس سے ہٹا دینے سے پاک ہو جاتی ہے، جیسا کہ اس سے پہلے بھی یہ مسئلہ گذر چکا ہے۔ اور یہ تمام کے تمام اس صورت میں ہیں جب کہ کسی برتن میں دھویا جائے، لیکن اگر اس کو کسی تالاب میں دھویا جائے، یا اس پر بہت زیادہ پانی بہایا جائے، یا اس پر بہت سارا پانی بہہ گیا تو مطلقاً وہ شئی پاک ہو جائے گی اس میں نچوڑنے، خشک کرنے اور متعدد بار غوطہ لگانے کی شرط نہ ہوگی، مذہب مختار اور پسندیدہ یہی ہے۔

ناپاک دودھ اور شہد وغیرہ کو پاک کرنے طریقہ

ناپاک دودھ، ناپاک شہد، ناپاک شیرہ اور ناپاک تیل کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو تین مرتبہ پانی میں ڈال کر جوش دیا جائے (اور اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ ناپاک گھی یا ناپاک شہد وغیرہ میں جتنا شہد ہو اسی کے مثل پانی ڈالا جائے اور جوش دیا جائے، جب وہ پانی جل کر خشک ہو جائے تو پھر اتنا ہی پانی ڈالا جائے۔ اور اسی طرح جوش دیا جائے پھر جب خشک ہو جائے تو تیسری مرتبہ پانی ڈالا جائے۔ اور اسی طرح جوش دے کر پانی کو خشک کر لیا جائے، اب وہ شہد پاک ہو جائے گا)۔

اور وہ گوشت جس کو شراب میں پکایا گیا ہو اس کو تین مرتبہ جوش دینے اور ٹھنڈا کرنے سے پاک ہو جاتا ہے (لیکن اس طرح سے پاک ہونے کا قول حضرت ابو یوسفؒ کا ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک جس گوشت کو شراب میں پکایا گیا ہو وہ گوشت کبھی بھی پاک نہ ہوگا۔ اور فتویٰ بھی اسی قول پر ہے۔ اور شارح کا قول جو اوپر مذکور ہوا وہ ضعیف ہے)

اسی طرح وہ مرغی تین مرتبہ دھونے اور خشک کرنے سے پاک ہو جاتی ہے جس کو پیٹ پھاڑنے سے پہلے پر اُکھیڑنے کے لیے پانی میں ڈال دیا گیا ہو۔ یہ مسئلہ فتح القدیر میں مذکور ہے۔ (لیکن یہ طہارت حضرت ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق ہوگی اور حضرت امام اعظمؒ کے قول کے مطابق ایسی مرغی کسی صورت میں بھی پاک نہ ہوگی)۔

اور تجنیس میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ جس گیہوں کو شراب میں پکایا گیا ہو وہ گیہوں کبھی بھی پاک نہ ہوگا، اسی قول پر فتویٰ بھی ہے (یہ قول درحقیقت حضرت امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے)۔

اور وہ گیہوں جو پیشاب میں بھیگ کر پھول گیا ہو اس کو پانی میں تین بار بھگو دیا جائے، پھر تین بار خشک کیا جائے تو پاک ہو جائے گا۔ اور جس آٹے کو شراب میں گوندھا گیا ہو اگر اس میں سرکہ ڈال دیا جائے یہاں تک کہ شراب کا اثر بالکل ختم ہو جائے تو اس سے آٹا پاک ہو جائے گا (اس لیے کہ اس میں جو شراب کے اجزاء تھے سب سرکہ میں بدل گئے ہیں اور سرکہ پاک ہے اس

لیے آٹا بھی پاک ہوجائے گا۔ (شامی:۱/۵۴۵)

حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے مذکورہ بالا عبارت میں متعدد مسائل بیان کئے ہیں، جن میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر گدا یا لحاف ناپاک ہوجائے اور اس کو نچوڑ کر پاک کرنا ممکن نہ ہو تو اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو تین مرتبہ پانی میں بھگو کر خشک کر دیا جائے تو اس سے لحاف اور گدا پاک ہوجائے گا۔ اور صاحب فتاویٰ تاتارخانیہ نے خشک کرنے کی حد یہ لکھی ہے کہ اس میں ہاتھ لگانے سے ہاتھ نہ بھیگے، بالکل خشک ہونا شرط نہیں ہے۔ (شامی:۱/۵۴۱)

قوله مما يتشرب النجاسة: صاحب بدائع الصنائع علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں کہ ناپاک ہونے والی چیزیں تین طرح کی ہوتی ہیں، ایک تو یہ ہے کہ اس میں نجاست کے اجزاء بالکل سرایت نہ کریں جیسے لوہا، پیتل، تانبا، کانچ وغیرہ کے برتن ہیں۔ ان میں نجاست بالکل سرایت نہیں کرتی ہے۔ دوسرے یہ ہے کہ اس میں نجاست تھوڑی بہت جذب کر جائے، جیسے بدن، خف اور جوتا چپل وغیرہ۔ تیسرے یہ کہ نجاست بہت زیادہ سرایت کرے اور بہت زیادہ اس میں نجاست جذب کرنے کی صلاحیت ہو۔ پہلی شکل میں تو محض نجاست مرئیہ کے عین کے زائل ہونے سے پاک ہوجائے گا۔ یا تین مرتبہ دھو دینے سے پاک ہوجائے گا۔ اور دوسری صورت میں بھی اس طرح پاک ہوجائے گا اس لیے کہ پانی اس قلیل نجاست کو نکال دے گا، لہٰذا طہارت کا حکم لگا دیا جائے گا۔ اور تیسری صورت میں پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر ناپاک ہونے والی چیز نچوڑی جاسکتی ہو جیسے کپڑا وغیرہ تو نجاست مرئیہ میں اس کی طہارت یہ ہے کہ یہاں تک دھویا جائے کہ اس کا عین زائل ہوجائے۔ اور اگر نجاست غیر مرئیہ ہے تو تین مرتبہ دھونے سے پاک ہوجائے گا۔ اور اگر جس میں نجاست لگی ہے ایسی چیز ہے کہ اس کو نچوڑا نہیں جاسکتا ہے جیسے لحاف، گدا وغیرہ تو اس کو تین مرتبہ پانی میں ڈال کر خشک کر دینے سے پاک ہوجاتا ہے۔ (شامی:۱/۵۴۱)

قوله هذا كله: یعنی تین مرتبہ دھونا اور نچوڑنا اس میں ہے جس کو نچوڑا جاسکتا ہو۔ اور تین مرتبہ خشک کر کے پاک کرنا اس کے متعلق ہے جس کو نچوڑا نہ جاسکتا ہو۔

قوله إجانة: ہمزہ کے کسرہ اور جیم کی تشدید کے ساتھ ہے۔ اجانہ دراصل اس برتن کو کہا جاتا ہے جس میں عام طور پر کپڑا دھویا جاتا ہے، جس کو اُردو میں "ٹب" کہا جاتا ہے، اس کی جمع "أجاجین" آتی ہے۔ (شامی:۱/۵۴۲)

قوله وفي التجنيس: صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین مرغینانی کی کتاب کا نام ہے۔ اس کتاب میں صاحب ہدایہ نے ان مسائل کو ذکر فرمایا ہے جو متاخرین فقہاء نے استنباط واستخراج کیا ہے اور ان کے بارے میں متقدمین فقہاءِ کرام سے کوئی صراحت منقول نہیں ہے۔ (شامی:۱/۵۴۴)

ذبح شدہ مرغیوں کو گرم پانی میں ڈالنے کا حکم شرعی

مرغیوں کو ذبح کر کے پیٹ چاک کر کے گندگی نکالنے سے پہلے گرم پانی میں ڈالنا تاکہ کھال اور بال اُکھیڑنے میں آسانی ہو، ناجائز ہے۔ اگر گرم پانی میں مرغی کو اتنی دیر تک چھوڑ دیا جائے کہ اندر کی نجاست اور گندگی گوشت میں سرایت کر جائے تو ایسی

صورت میں اس مرغی کو کھانا جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے اس لیے کہ نجاست گوشت میں سرایت کرجانے کی وجہ سے گوشت حرام ہوگیا ہے۔ (شامی: ۱/ ۵۴۴)

مسئلہ: فتاویٰ ظہیریہ میں مذکور ہے کہ جس ہانڈی میں گوشت ہو اگر اس میں شراب ڈال دی جائے اور گوشت میں اُبال آنے سے قبل قبل شراب ڈالی گئی ہو تو تین مرتبہ گوشت کے دھودینے سے پاک ہوجائے گا اور اگر گوشت میں اُبال آنے کے بعد شراب ڈالی گئی تو ایسی صورت میں گوشت کبھی پاک نہ ہوگا۔ بعض لوگوں نے فرمایا کہ تین مرتبہ پاک پانی سے اُبال دینے اور خشک کرنے سے پاک ہوجائے گا۔ (شامی: ۱/ ۵۴۴)

فَصْلُ الْاِسْتِنْجَاءِ

یہ فصل استنجاء کے احکام ومسائل کے بیان میں ہے

إِزَالَةُ نَجَسٍ عَنْ سَبِيلٍ فَلَا يُسَنُّ مِنْ رِيحٍ وَحَصَاةٍ وَنَوْمٍ وَفَصْدٍ (وَهُوَ سُنَّةٌ) مُؤَكَّدَةٌ مُطْلَقًا، وَمَا قِيلَ مِنْ افْتِرَاضِهِ لِنَحْوِ حَيْضٍ وَمُجَاوَزَةِ مَخْرَجٍ فَتَسَامُحٌ (وَأَرْكَانُهُ) أَرْبَعَةٌ شَخْصٌ(مُسْتَنْجٍ، وَ) شَيْءٌ (مُسْتَنْجًى بِهِ) كَمَاءٍ وَحَجَرٍ (وَ) نَجَسٌ (خَارِجٌ) مِنْ أَحَدِ السَّبِيلَيْنِ، وَكَذَا لَوْ أَصَابَهُ مِنْ خَارِجٍ وَإِنْ قَامَ مِنْ مَوْضِعِهِ عَلَى الْمُعْتَمَدِ (وَمَخْرَجٌ) دُبُرٌ أَوْ قُبُلٌ (بِنَحْوِ حَجَرٍ) مِمَّا هُوَ عَيْنٌ طَاهِرَةٌ قَالِعَةٌ لَا قِيمَةَ لَهَا كَمَدَرٍ (مُنَقٍّ) ؛ لِأَنَّهُ الْمَقْصُودُ، فَيَخْتَارُ الْأَبْلَغَ وَالْأَسْلَمَ عَنْ التَّلْوِيثِ، وَلَا يَتَقَيَّدُ بِإِقْبَالٍ وَإِدْبَارٍ شِتَاءً وَصَيْفًا (وَلَيْسَ الْعَدَدُ) ثَلَاثًا (بِمَسْنُونٍ فِيهِ) بَلْ مُسْتَحَبٌّ (وَالْغَسْلُ) بِالْمَاءِ إِلَى أَنْ يَقَعَ فِي قَلْبِهِ أَنَّهُ طَهُرَ مَا لَمْ يَكُنْ مُوَسْوِسًا فَيُقَدِّرُ بِثَلَاثٍ كَمَا مَرَّ (بَعْدَهُ) أَيْ: الْحَجَرِ (بِلَا كَشْفِ عَوْرَةٍ) عِنْدَ أَحَدٍ، أَمَّا مَعَهُ فَيَتْرُكُهُ كَمَا مَرَّ؛ فَلَوْ كَشَفَ لَهُ صَارَ فَاسِقًا لَا لَوْ كَشَفَ لِاغْتِسَالٍ أَوْ تَغَوُّطٍ كَمَا بَحَثَهُ ابْنُ الشِّحْنَةِ (سُنَّةٌ) مُطْلَقًا بِهِ يُفْتَى سِرَاجٌ (وَيَجِبُ) أَيْ: يُفْرَضُ غَسْلُهُ (إِنْ جَاوَزَ الْمَخْرَجَ نَجَسٌ) مَائِعٌ وَيُعْتَبَرُ الْقَدْرُ الْمَانِعُ لِصَلَاةٍ (فِيمَا وَرَاءَ مَوْضِعِ الِاسْتِنْجَاءِ) ؛ لِأَنَّ مَا عَلَى الْمَخْرَجِ سَاقِطٌ شَرْعًا وَإِنْ كَثُرَ، وَلِهَذَا لَا تُكْرَهُ الصَّلَاةُ مَعَهُ.

ترجمہ: استنجاء درحقیقت نجاست کا نجاست کی جگہ سے دور کرنا ہے، پس خروج ریح، خروج کنکری، نیند اور پچھنا لگوانے کی وجہ سے استنجاء مسنون نہ ہوگا، اس لیے کہ مذکورہ چیزیں نجاست نہیں ہیں۔ اور استنجاء حاصل کرنا ہر حال میں سنت مؤکدہ ہے اور یہ بات جو کہی گئی ہے کہ حیض کے مانند کوئی شئی نکلنے کی صورت میں اور نجاست مخرج سے تجاوز کرنے کی صورت میں استنجاء کرنا فرض ہے، جنھوں نے یہ بات کہی ہے ان سے تسامح ہوا ہے۔ اور استنجاء کے چار ارکان ہیں: (۱) استنجاء کرنے والا شخص۔ (۲) جس چیز سے

استنجاء کیا جائے، جیسے پانی اور ڈھیلا۔(۳)اور پیشاب و پاخانہ کے راستوں میں سے کسی ایک راستہ سے نجاست کا خروج ہونا۔ (۴) نجاست کے نکلنے کی جگہ انسان کا اگلا یا پچھلا راستہ ہے۔اسی طرح اگر نجاست خارج سے لگ جائے تو استنجاء کرنا مسنون ہے، اگر چہ وہ اپنی قضائے حاجت کی جگہ سے اُٹھ چکا ہو۔یہی قول قابل اعتماد ہے۔اور استنجاء کرنا پتھر یا اس کی مانند چیزوں سے مسنون ہے، جب کہ وہ بذاتِ خود ہو اور نجاست دور کرنے والی ہو، جس کی عام طور سے کوئی قیمت نہیں ہوتی ہے، جیسے صاف ستھرا مٹی کا ڈھیلا، اور صاف ستھرا ہونے کی قید اس لیے لگائی ہے کہ اس سے مقصود صفائی ستھرائی حاصل کرنا ہے، لہٰذا استنجاء کے لیے ایسی چیز استعمال کرے جو خوب اچھی طرح پاک وصاف کرنے والی ہو اور گندہ کرنے سے محفوظ رکھنے والی ہو۔سردی اور گرمی کے موسم میں آگے سے پیچھے لے جانا یا پیچھے سے آگے کی طرف لانا، اس کی کوئی قید نہیں ہے اس لیے کہ اصل مقصود نجاست کو دور کرنا ہے خواہ آگے سے دور ہو جائے یا پیچھے سے۔اور استنجاء میں تین ڈھیلے کا استعمال کرنا مسنون نہیں ہے بلکہ یہ صرف مستحب ہے، اصل مقصد پاکی حاصل کرنا ہے خواہ ایک ڈھیلے سے ہو، یا ایک سے زائد ڈھیلے سے ہو اس میں کوئی خاص عدد مسنون نہیں ہے۔اور پانی سے اس طرح دھوئے کہ خود اس کو یقین ہو جائے کہ وہ پاک ہو گیا اور یہ حکم در حقیقت ان لوگوں کے واسطے ہے جن کو وسوسہ کی بیماری نہ ہو۔اور جو لوگ مرض وسوسہ میں مبتلا ہوں ان کے لیے تین مرتبہ دھونے کو مقرر کیا جاتا ہے، جیسا کہ یہ مسئلہ اس سے پہلے بھی گذرا ہے۔اور یہ پانی سے دھونا ڈھیلے سے استنجاء کے بعد ہے اور اس طرح استنجاء کرے کہ کسی کے سامنے ستر نہ کھلنے پائے۔اور اگر ستر کھولے بغیر استنجاء کرنا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں دھونا ترک کردے، جیسا کہ اس سے پہلے بھی یہ مسئلہ گذر چکا ہے۔اور اگر لوگوں کے سامنے استنجاء کے واسطے ستر کھولا تو فاسق ہو جائے گا۔البتہ جو شخص غسل واجب کی ادائیگی کے لیے یا پاخانہ کے واسطے ستر کھولے تو گناہ گار نہ ہوگا، جیسا کہ ابن الشحنہ نے بیان کیا ہے۔اور اگر نماز سے مانع نجاست اپنے مخرج سے تجاوز کرگئی تو اس کا استنجاء میں دھونا فرض ہے۔اور نجاست کی جو مقدار نماز کے لیے مانع ہے اس سے مراد وہ ہے کہ استنجاء کی جگہ کے علاوہ ادھر ادھر لگی ہو اس لیے کہ جو نجاست مخرج پر ہوتی ہے شریعت میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اگر چہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ اس کے ساتھ نماز پڑھ لینا مکروہ نہیں ہے۔

مختصر تشریح حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے فصل الاستنجاء کو باب الانجاس کے تحت ذکر فرمایا ہے، حالانکہ استنجاء تو حقیقت میں وضو کی سنت ہے جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے، پھر یہاں کیوں بیان فرمایا؟ اس کا جواب علامہ شامیؒ نے یہ دیا ہے کہ اس میں ازالہ نجاست ہوتی ہے اسی لیے باب الانجاس میں اس کو بیان فرمایا ہے۔استنجاء کے معنی ہیں گندگی کی جگہ صاف کرنا خواہ پونچھ کر صاف کیا جائے یا دھو کر صاف کیا جائے؛ یا دونوں طرح سے صاف کیا جائے۔(شامی:۱/۵۴۵)

خروجِ ریح، خروج کنکری اور نیند کی وجہ سے استنجاء مسنون نہیں ہے، اس لیے کہ عین ریح نجس نہیں ہے؛ بلکہ پاک ہے، موضع نجاست سے خروج کرنے کی وجہ سے وضو ٹوٹتا ہے، خروج ریح کے بعد پاخانہ کے راستہ میں کوئی چیز لگی نہیں رہتی ہے اس

لیے خروجِ ریح کے بعد استنجاء مسنون نہ ہوگا بلکہ بعض علماء نے تو بدعت لکھا ہے جیسا کہ ابن نجیمؒ نے البحر الرائق میں مجتبیٰ سے نقل کیا ہے۔ (شامی: ۱/ ۵۴۵)

قولہ مطلقاً: استنجاء کرنا مطلقاً سنت مؤکدہ ہے، خواہ نکلنے والی چیز معتاد ہو یا غیر معتاد، پھر وہ شئی تر ہو یا خشک، خواہ استنجاء پانی سے کیا جائے یا ڈھیلے سے، خواہ استنجاء جنبی شخص کرے یا محدث کرے، حائضہ کرے یا نفاس والی عورت استنجاء کرے ہر ایک کے لیے سنت ہے۔ (شامی: ۱/ ۵۴۶)

استنجاء کی قسمیں

حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ استنجاء کی پانچ قسمیں ہیں جن میں سے دو قسمیں واجب اور فرض ہیں اور وہ دو قسمیں درج ذیل ہیں:

۱- جنابت، حیض اور نفاس کے انقطاع پر غسل کرتے وقت نجاست کو مخرج سے دھونا واجب ہے، تاکہ نجاست بدن میں مزید پھیل نہ جائے۔

۲- جب نجاست اپنے مخرج سے تجاوز کر جائے تو حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اسکا دھونا واجب ہے، خواہ نجاست قلیل ہو یا کثیر، اس میں زیادہ احتیاط بھی ہے اس لیے کہ قدر درہم سے زیادہ ہونے کا اندیشہ ہے اور شیخین کے نزدیک جب نجاست قدر درہم سے زیادہ متجاوز ہو جائے تو دھونا واجب ہے، اس سے پہلے جو نجاست مخرج میں ہے وہ معاف ہے اس کا اعتبار شریعت نے نہیں کیا ہے۔

۳- استنجاء کرنا سنت ہے، جب کہ نجاست اپنے مخرج سے تجاوز نہ کی ہو۔

۴- استنجاء کرنا مستحب ہے، یہ اس وقت ہے جب آدمی پیشاب کرے اور پاخانہ کرے تو اس وقت استنجاء کرنا مستحب ہے۔

۵- استنجاء کرنا بدعت ہے، یعنی خروجِ ریح کی وجہ سے استنجاء کرنا بدعت ہے۔ (شامی: ۱/ ۵۴۶)

مسئلہ: اگر کھڑے ہونے کی وجہ سے نجاست موضع استنجاء سے تجاوز کر گئی اور درہم کی مقدار سے زیادہ ہوگئی یا نجاست خشک ہوگئی بایں طور کہ ڈھیلے سے اس کو دور کرنا اب ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں نجاست کو دور کرنے کے لیے پانی کا استعمال کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر طہارت حاصل نہ ہوگی۔ (شامی: ۱/ ۵۴۷)

مسئلہ: استنجاء کرنے والا شخص قلیل پانی میں داخل ہو جائے تو اصح قول کے مطابق پانی ناپاک نہ ہوگا، بلکہ پانی پاک ہی رہے گا۔ علماء متاخرین نے اس پر اجماع کیا ہے کہ استنجاء کرنے والے کا پسینہ پاک ہے، حتیٰ کہ اگر وہ پسینہ بہہ کر کپڑے یا بدن میں لگ جائے تو اس سے کپڑا ناپاک نہ ہوگا، خواہ ایک درہم سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو اور اس کے ساتھ نماز پڑھنا درست ہوگی، اس لیے کہ شریعت نے ڈھیلے سے استنجاء کرنے والے کو پاک قرار دیا ہے۔ (شامی: ۱/ ۵۴۸)

مسئلہ: استنجاء کرنے کا اصل مقصد انقاء حاصل ہونا ہے، خواہ ایک ڈھیلے سے ہو یا چند ڈھیلوں سے ہو، استنجاء کرنے میں

ڈھیلے کی کوئی تعداد مسنون نہیں ہے، البتہ تین ڈھیلوں سے استنجاء کرنا مستحب ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص استنجاء کرے تو اس کو چاہئے کہ طاق مرتبہ کرے جس نے ایسا کیا بہت اچھا کیا اور جس نے ایسا نہیں کیا اس پر کوئی گناہ اور حرج نہیں۔ (شامی:۱/۵۴۹)

مسئلہ: ڈھیلوں سے استنجاء کرنے کے بعد پانی کا استعمال کرنا افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ قباء کی تعریف قرآنِ مجید میں اسی لیے فرمائی ہے کہ وہ لوگ ڈھیلوں سے استنجاء کرنے کے بعد پانی بھی استعمال کرتے تھے، دونوں کو جمع کرنا ہر زمانے میں افضل ہے اگرچہ ان دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفاء کرنا بھی جائز ہے۔ (شامی:۱/۵۵۰)

(وَكُرِهَ) تَحْرِيمًا (بِعَظْمٍ وَطَعَامٍ وَرَوْثٍ) يَابِسٍ كَعَذِرَةٍ يَابِسَةٍ وَحَجَرٍ أُسْتُنْجِيَ بِهِ إِلَّا بِحَرْفٍ آخَرَ (وَآجُرٍّ وَخَزَفٍ وَزُجَاجٍ وَ) شَيْءٍ مُحْتَرَمٍ (كَخِرْقَةِ دِيبَاجٍ وَيَمِينٍ) وَلَا عُذْرَ بِيُسْرَاهُ، فَلَوْ مَشْلُولَةً وَلَمْ يَجِدْ مَاءً جَارِيًا وَلَا صَابًّا تَرَكَ الْمَاءَ، وَلَوْ شُلَّتَا سَقَطَ أَصْلًا كَمَرِيضٍ وَمَرِيضَةٍ لَمْ يَجِدَا مَنْ يَحِلُّ جِمَاعُهُ (وَفَحْمٍ وَعَلَفِ حَيَوَانٍ) وَحَقِّ غَيْرٍ وَكُلِّ مَا يُنْتَفَعُ بِهِ (فَلَوْ فَعَلَ أَجْزَأَهُ) مَعَ الْكَرَاهَةِ لِحُصُولِ الْإِنْقَاءِ، وَفِيهِ نَظَرٌ لِمَا مَرَّ أَنَّهُ سُنَّةٌ لَا غَيْرُ، فَيَنْبَغِي أَنْ لَا يَكُونَ مُقِيمًا لَهَا بِالْمَنْهِيِّ عَنْهُ (كَمَا كُرِهَ) تَحْرِيمًا (اسْتِقْبَالُ قِبْلَةٍ وَاسْتِدْبَارُهَا لِأَجْلِ (بَوْلٍ أَوْ غَائِطٍ) فَلَوْ لِلِاسْتِنْجَاءِ لَمْ يُكْرَهْ (وَلَوْ فِي بُنْيَانٍ) لِإِطْلَاقِ النَّهْيِ (فَإِنْ جَلَسَ مُسْتَقْبِلًا لَهَا) غَافِلًا (ثُمَّ ذَكَرَهُ انْحَرَفَ) نَدْبًا لِحَدِيثِ الطَّبَرِيِّ «مَنْ جَلَسَ يَبُولُ قُبَالَةَ الْقِبْلَةِ فَذَكَرَهَا فَانْحَرَفَ عَنْهَا إِجْلَالًا لَهَا لَمْ يَقُمْ مِنْ مَجْلِسِهِ حَتَّى يُغْفَرَ لَهُ» (إِنْ أَمْكَنَهُ وَإِلَّا فَلَا) بَأْسَ. (وَكَذَا يُكْرَهُ) هَذِهِ تَعُمُّ التَّحْرِيمِيَّةَ وَالتَّنْزِيهِيَّةَ (لِلْمَرْأَةِ إِمْسَاكُ صَغِيرٍ لِبَوْلٍ أَوْ غَائِطٍ نَحْوَ الْقِبْلَةِ) وَكَذَا مَدُّ رِجْلِهِ إِلَيْهَا (وَاسْتِقْبَالُ شَمْسٍ وَقَمَرٍ لَهُمَا) أَيْ: لِأَجْلِ بَوْلٍ أَوْ غَائِطٍ (وَبَوْلٌ وَغَائِطٌ فِي مَاءٍ وَلَوْ جَارِيًا) فِي الْأَصَحِّ وَفِي الْبَحْرِ أَنَّهَا فِي الرَّاكِدِ تَحْرِيمِيَّةٌ، وَفِي الْجَارِي تَنْزِيهِيَّةٌ (وَعَلَى طَرَفِ نَهْرٍ أَوْ بِئْرٍ أَوْ حَوْضٍ أَوْ عَيْنٍ أَوْ تَحْتَ شَجَرَةٍ مُثْمِرَةٍ أَوْ فِي زَرْعٍ أَوْ فِي ظِلٍّ) يُنْتَفَعُ بِالْجُلُوسِ فِيهِ (وَبِجَنْبِ مَسْجِدٍ وَمُصَلَّى عِيدٍ، وَفِي مَقَابِرَ، وَبَيْنَ دَوَابَّ، وَفِي طَرِيقِ) النَّاسِ (وَ) فِي (مَهَبِّ رِيحٍ وَجُحْرِ فَأْرَةٍ أَوْ حَيَّةٍ أَوْ نَمْلَةٍ وَثَقْبٍ) زَادَ الْعَيْنِيُّ: وَفِي مَوْضِعٍ يَعْبُرُ عَلَيْهِ أَحَدٌ أَوْ يَقْعُدُ عَلَيْهِ، وَبِجَنْبِ طَرِيقٍ أَوْ قَافِلَةٍ أَوْ خَيْمَةٍ وَفِي أَسْفَلِ الْأَرْضِ إِلَى أَعْلَاهَا، وَالتَّكَلُّمُ عَلَيْهِمَا (وَأَنْ يَبُولَ قَائِمًا أَوْ مُضْطَجِعًا أَوْ مُجَرَّدًا مِنْ ثَوْبِهِ بِلَا عُذْرٍ أَوْ) يَبُولَ (فِي مَوْضِعِ يَتَوَضَّأُ) هُوَ (أَوْ يَغْتَسِلُ فِيهِ) لِحَدِيثِ «لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي مُسْتَحَمِّهِ فَإِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ» .

ترجمہ ہڈی، کھانے کی چیز اور خشک گوبر سے استنجاء کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اسی طرح جس طرح آدمی کے خشک پاخانہ سے مکروہ تحریمی ہے اور اس ڈھیلے سے بھی استنجاء کرنا مکروہ تحریمی ہے جس سے ایک مرتبہ استنجاء کیا جاچکا ہو، ہاں اگر اس ڈھیلے کے دوسرے کنارے سے استنجاء کرے تو مکروہ نہیں ہے۔ اسی طرح پختہ اینٹ، ٹھیکرے، شیشہ اور ہر اس چیز سے استنجاء کرنا مکروہ تحریمی ہے جو قابل احترام اور لائق حرمت ہے، جیسے کہ ریشمی کپڑا اور دایاں ہاتھ جب کہ بائیں ہاتھ میں کوئی عذر نہ ہو، (ان چیزوں سے استنجاء کرنے میں خراش آنے کا خطرہ ہے اور شئ محترم سے استنجاء کرنا اس کے ضائع کرنے کے مترادف ہے اور دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا حدیث شریف میں منع ہے، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی شخص پیشاب کرے تو اپنی شرمگاہ کو دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے اور دائیں ہاتھ سے استنجاء نہ کرے)۔ (شامی:۱/۵۵۱)

اگر بایاں ہاتھ لنجا ہو اور وہ جاری پانی نہ پائے اور نہ وہاں کوئی ایسا شخص پائے جو اس پر پانی بہائے تو ایسی مجبوری میں پانی سے استنجاء ترک کردے (لیکن اگر وہاں پانی جاری موجود ہے یا کوئی ایسا شخص پانی ڈالنے والا موجود ہے جس سے شرعاً پردہ نہیں ہے تو اس صورت میں دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے گا) اور اگر کسی شخص کے دونوں ہاتھ شل یعنی لنجے ہوں تو اس سے استنجاء مطلقاً ساقط ہوگا، یعنی نہ ڈھیلوں سے استنجاء کرنا ضروری ہوگا اور نہ پانی سے استنجاء ضروری ہوگا (البتہ ایسا شخص اگر دیوار وغیرہ سے استنجاء کرنے پر قادر ہے تو دیوار سے استنجاء کرے) جیسے کہ بیمار مرد اور بیمار عورت ایسے شخص کو نہ پائے جس سے جماع اس کے لیے جائز ہو تو اس سے بھی استنجاء ساقط ہے۔

گھاس، کوئلہ سے استنجاء کا حکم

کوئلہ اور جانور کے چارہ نیز غیر آدمی کے حق سے اور ہر اس شئ سے استنجاء کرنا مکروہ تحریمی ہے جس سے نفع اُٹھانا ممکن ہو جیسے کاغذ، پتا، نرکل، بانس، روئی، کپڑا وغیرہ ان سب چیزوں سے استنجاء کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر کسی نے ان ہی چیزوں سے استنجاء کرلیا تو کراہت تحریمی کے ساتھ استنجاء ہوجائے گا، اس لیے کہ اصل مقصد صفائی تھی وہ حاصل ہوگئی ہے۔ حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مصنف کا یہ فرمانا کہ اگر کوئی ہڈی، گوبر سے استنجاء کرے گا تو کراہت کے ساتھ کافی ہوجائے گا۔ قابل غور ہے اس لیے کہ یہ بات پہلے گذری ہے کہ استنجاء سنت ہے کوئی اور چیز نہیں ہے، پس مناسب یہ ہے کہ آدمی سنت کی ادائیگی ان چیزوں سے نہ کرے جن سے روکا گیا ہے۔

قبلہ کی طرف رُخ کرکے پیشاب کرنے کا حکم

پیشاب و پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف رُخ کرنا یا اس کی طرف پیٹھ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اگرچہ عمارت کے اندر کیوں نہ ہو اس لیے کہ حدیث شریف میں ممانعت عام ہے (اس میں میدان یا عمارت کی قید مذکور نہیں ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا

کہ جب تم پاخانہ کے لیے آؤ تو قبلہ کی طرف رُخ نہ کرو اور نہ اس کی طرف پیٹھ کرو، البتہ تم پورب یا پچھم کی طرف رُخ کرو۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اہل مدینہ کا قبلہ چونکہ شمال کی جانب پڑتا تھا اس لیے ان کو پورب یا پچھم کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا ہے، ہندوستان والوں کے لیے یہ حکم نہ ہوگا بلکہ یہاں والوں کے لیے یہ ہوگا کہ شمال یا جنوب کی طرف رُخ کرو)۔

اگر کسی نے بول وبراز کے لیے نہیں بلکہ استنجاء حاصل کرنے کے لیے قبلہ کی طرف رُخ کرلیا یا اُدھر پیٹھ کرلی تو مکروہ نہیں ہے اس لیے کہ ممانعت بول وبراز کے واسطے رُخ کرنے میں ہے، پس اگر کوئی شخص غفلت میں قبلہ کی طرف رُخ کرکے بیٹھ گیا پھر اس کو یاد آگیا کہ وہ غلط بیٹھا ہے تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ ذرا مڑ جائے اگر اس کے لیے مڑنا ممکن ہو ورنہ کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لیے کہ طبرانی شریف کی حدیث ہے، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص پیشاب وپاخانہ کرنے کے واسطے قبلہ کی جانب رُخ کرکے غفلت میں بیٹھ گیا پھر اس کو یاد آگیا اور یاد آتے ہی وہ قبلہ کی تعظیم وتکریم کی وجہ سے اس رُخ سے ہٹ گیا تو ایسا شخص اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے پہلے بخش دیا جاتا ہے (اس کے گناہ صغیرہ اس عظمت واحترام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے)۔

بچوں کو پیشاب وپاخانہ کراتے وقت بھی احترام قبلہ کا خیال کرنے کا حکم

اور اسی طرح یہ کراہت تحریمی یا تنزیہی عورتوں کے لیے بھی عام ہے کہ وہ چھوٹے بچوں کو پیشاب وپاخانہ کراتے وقت قبلہ کی طرف رُخ کرکے دکھے (یعنی عورتوں پر لازم ہے کہ جب وہ اپنے چھوٹے بچوں کو پیشاب وپاخانہ کرائیں تو اس کا خوب خوب خیال رکھیں کہ قبلہ کی جانب بچہ کا رُخ نہ ہونے پائے اور بچے کی پیٹھ اس طرف نہ ہونے پائے اس لیے کہ جس طرح خود استقبال قبلہ واستدبار قبلہ مکروہ تحریمی ہے اسی طرح بچوں کا رُخ کرانا بھی اس جانب مکروہ تحریمی ہے)۔

قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا مکروہِ تحریمی ہے

جس طرح پیشاب وپاخانہ کرتے وقت قبلہ کی جانب استقبال واستدبار کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح قبلہ کی جانب سوتے وقت پاؤں بھی مکروہ ہے، لیکن اس کراہت کے بارے میں بعض علماء نے فرمایا کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ قبلہ کی جانب پاؤں پھیلانے والے کی شہادت مقبول نہ ہوگی بلکہ مردود ہوگی اس کا تقاضہ یہ ہے کہ مکروہِ تحریمی ہو۔ (شامی: ۱/ ۵۵۵)

آفتاب وماہتاب کی جانب رُخ کرنا

پیشاب وپاخانہ کرتے وقت چاند سورج کی جانب منہ کرنا بھی مکروہ ہے، اس لیے کہ چاند وسورج دونوں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے عظیم الشان نشانی ہیں۔ اور بعض علماء کرام نے فرمایا کہ اس کی کراہت کی وجہ یہ ہے کہ چاند وسورج کے ساتھ اللہ کے ملائکہ رہتے ہیں۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ یہ کراہت تحریمی نہیں ہے بلکہ تنزیہی ہے جب تک کہ کوئی صریح نہی وارد نہ ہو۔ (شامی: ۱/ ۵۵۵)

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ہمارے استاذ عبدالغنی نے مفتاح سے نقل کیا ہے کہ آفتاب وماہتاب کی جانب استقبال کرکے نہ

بیٹھے اور نہ اس کی جانب پیٹھ کر کے بیٹھے اس لیے کہ یہ عظمت و تعظیم کے خلاف ہے۔

پانی میں پیشاب کرنے کا حکم

پانی میں پیشاب و پاخانہ کرنا بھی مکروہ تحریمی ہے، خواہ پانی جاری ہی کیوں نہ ہو، اس باب میں اصح تر قول یہی ہے۔ اور البحر الرائق میں مذکور ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا تو مکروہ تحریمی ہے اور رواں پانی میں پیشاب کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ (حضرت جابر بن عبداللہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور دوسری حدیث کی کتابوں میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رواں پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس حدیث کو طبرانی نے اوسط میں سند جید کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اگر ٹھہرا ہوا پانی قلیل ہے تو اس میں پیشاب کرنا تو بالکل حرام ہے اس لیے کہ اس سے پانی ناپاک ہوجائے گا اور اس کی مالیت ختم ہوجائے گی، اور اس میں پاخانہ کرنا تو نہایت ہی بری بات اور پیشاب کرنے سے بھی زیادہ گندہ فعل ہے)۔ (شامی: ۱/ ۵۵۵)

پھل دار درخت کے نیچے پیشاب کرنا مکروہِ تحریمی ہے

نہر، کنواں، حوض، چشمہ کے کنارے اور پھل دار درخت کے نیچے، کھیت میں اور ایسے سائے میں جہاں لوگ آرام کرنے کے واسطے بیٹھتے ہوں پیشاب کرنا مکروہ تحریمی ہے (حدیث شریف میں رسولِ اکرم ﷺ نے ایسی جگہوں میں پیشاب کرنے سے روکا ہے، ہاں اگر کوئی ایسی جگہ ہے جہاں لوگ اُٹھتے بیٹھتے نہ ہوں تو وہاں پیشاب کرنا مکروہ نہیں ہے۔ اگر کوئی ایسی جگہ ہو جہاں لوگ سردیوں میں دھوپ کھاتے ہیں اور دھوپ سے گرمی حاصل کرتے ہیں تو ایسی جگہ پیشاب و پاخانہ کرنا بھی مکروہ ہے)۔ (شامی: ۱/ ۵۵۶)

قبرستان، عیدگاہ کے آس پاس پیشاب کرنے کا حکم

مسجد اور عیدگاہ کے آس پاس اور قبرستانوں کے اندر اور جانوروں کے درمیان میں اور لوگ جس راستے سے عام طور پر چلتے ہیں ان میں پیشاب کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (قبرستان میں پیشاب و پاخانہ کرنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ جن چیزوں سے زندوں کو تکلیف ہوتی ہے ان سے مردے بھی تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس کراہت سے کراہت تحریمی مراد ہوگی۔ حضرات فقہاءِ کرام نے صراحت کی ہے کہ قبرستان میں جو نیا راستہ بنایا گیا اس سے گذرنا حرام ہے تو پیشاب و پاخانہ کرنا تو بدرجۂ اولیٰ حرام ہوگا۔ اور جانوروں کے درمیان پیشاب و پاخانہ سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ اس سے اذیت پہنچنے کا اندیشہ ہے)۔ (شامی: ۱/ ۵۵۶)

سوراخ میں اور ہوا کی طرف رُخ کر کے پیشاب کرنے کا حکم

اور جس جانب ہوا چل رہی ہو اس طرف رُخ کر کے پیشاب کرنا مکروہ ہے۔ (اس لیے کہ اس میں پیشاب کی چھینٹ ہوا

سے اُڑ کر کپڑے پر پڑنے کا اندیشہ ہے)۔ اور چوہے، سانپ اور چیونٹی کے سوراخ میں پیشاب کرنا بھی مکروہ ہے، اسی طرح کسی بھی سوراخ میں پیشاب کرنا مکروہ ہے (اس لیے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ راویٔ حدیث حضرت قتادہؓ سے لوگوں نے معلوم کیا کہ سوراخ اور بلوں میں پیشاب کرنے سے کیوں منع کیا گیا ہے تو حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ کہا جاتا ہے کہ وہ جناتوں کے رہنے کی جگہ ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سوراخ سے کوئی زہریلا جانور نکل کر ڈس لیتا ہے۔ نیز یہ واقعہ بھی منقول ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ خزرجی نے سوراخ میں پیشاب کر دیا تو جناتوں نے ان کو مار ڈالا)۔ (شامی:۱/۵۵۶)

اور عینی میں زیادہ کیا کہ اس جگہ بھی پیشاب و پاخانہ کرنا مکروہ ہے جہاں سے کوئی گذرتا ہو، یا کوئی بیٹھتا ہو اور راستہ کے کنارے میں قافلہ اور خیمے کے برابر یا زمین کے نیچے کی جانب بیٹھ کر اوپر کی طرف پیشاب و پاخانہ بھی مکروہ ہے (اس لیے کہ نجاست پلٹ کر خود کرنے والے پر آئے گی) نیز پیشاب و پاخانہ کے وقت بلاضرورت بات چیت کرنا بھی مکروہ ہے (اس لیے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب دو آدمی پیشاب و پاخانہ کے لیے ستر عورت کھولے نکلتے ہیں اور آپس میں بات چیت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوتا ہے، اسی لیے علماء نے فرمایا کہ بلاضرورت بیت الخلاء میں گفتگو کرنا مکروہ ہے)۔ (شامی:۱/۵۵۷)

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا حکم شرعی

اور بلا عذر شرعی کھڑے ہو کر، چت لیٹ کر، یا سارے کپڑے اُتار کر پیشاب کرنا مکروہ ہے)۔ ہاں اگر کوئی عذر شرعی ہو تو ایسی صورت میں کھڑے ہو کر، چت لیٹ کر، اور ننگے ہو کر پیشاب کرنا درست ہے۔ اس لیے کہ خود رسول اللہ ﷺ سے بھی بوقت مجبوری کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ثابت ہے، جیسا کہ حدیث مغیرہ بن شعبہؓ میں مذکور ہے۔ اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی کراہت، کراہت تنزیہی ہے، تحریمی نہیں ہے)۔ (شامی:۱/۵۵۷)

وضو خانہ اور حمام میں پیشاب کرنے کا حکم شرعی

جس جگہ وضو کیا جاتا ہے، یعنی وضو خانہ اور جس جگہ غسل کیا جاتا ہے، یعنی غسل خانہ۔ ان دونوں جگہوں میں استنجاء کرنا مکروہ ہے حدیث شریف کی وجہ سے۔ تم میں سے کوئی شخص اپنے غسل خانہ میں پیشاب نہ کرے اس لیے کہ عام طور پر وسوسہ اسی سے پیدا ہوا ہوتا ہے، لیکن یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ غسل خانہ یا وضو خانہ میں کوئی راستہ پیشاب نکلنے کے لیے نہ ہو اور پیشاب نکلنے کے واسطے راستہ بنا ہے تو ایسی صورت میں مکروہ نہیں ہے، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے اس کو ذکر فرمایا ہے)۔ (شامی:۱/۵۵۸)

[فُرُوعٌ] يَجِبُ الِاسْتِبْرَاءُ بِمَشْيٍ أَوْ تَنَحْنُحٍ أَوْ نَوْمٍ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْسَرِ، وَيَخْتَلِفُ بِطِبَاعِ النَّاسِ. وَمَعَ طَهَارَةِ الْمَغْسُولِ تَطْهُرُ الْيَدُ، وَيُشْتَرَطُ إِزَالَةُ الرَّائِحَةِ عَنْهَا وَعَنِ الْمَخْرَجِ إِلَّا إِذَا عَجَزَ، وَالنَّاسُ عَنْهُ غَافِلُونَ، اسْتَنْجَى الْمُتَوَضِّئُ، إِنْ عَلَى وَجْهِ السُّنَّةِ بِأَنْ أَرْخَى انْتَقَضَ وَإِلَّا لَا. نَامَ أَوْ

مَشَى عَلَى نَجَاسَةٍ، إِنْ ظَهَرَ عَيْنُهَا تَنَجَّسَ وَإِلَّا لَا. وَلَوْ وَقَعَتْ فِي نَهْرٍ فَأَصَابَ ثَوْبَهُ، إِنْ ظَهَرَ أَثَرُهَا تَنَجَّسَ وَإِلَّا لَا. لُفَّ طَاهِرٌ فِي نَجِسٍ مُبْتَلٍّ بِمَاءٍ إِنْ بِحَيْثُ لَوْ عُصِرَ قَطَرَ تَنَجَّسَ وَإِلَّا لَا. وَلَوْ لُفَّ فِي مُبْتَلٍّ بِنَحْوِ بَوْلٍ، إِنْ ظَهَرَ نَدَاوَتُهُ أَوْ أَثَرُهُ تَنَجَّسَ وَإِلَّا لَا. فَأْرَةٌ وُجِدَتْ فِي خَمْرٍ فَرُمِيَتْ فَتَخَلَّلَ، إِنْ مُتَفَسِّخَةٌ تَنَجَّسَ وَإِلَّا لَا وَقَعَ خَمْرٌ فِي خَلٍّ، إِنْ قَطْرَةٌ لَمْ يَحِلَّ إِلَّا بَعْدَ سَاعَةٍ، وَإِنْ كُوزًا حَلَّ فِي الْحَالِ إِنْ لَمْ يَظْهَرْ أَثَرُهُ. فَأْرَةٌ وُجِدَتْ فِي قُمْقُمَةٍ وَلَمْ يَدْرِ هَلْ مَاتَتْ فِيهَا أَوْ فِي جَرَّةٍ أَوْ فِي بِئْرٍ يُحْمَلُ عَلَى الْقُمْقُمَةِ. ثَلَاثُ قِرَبٍ مِنْ سَمْنٍ وَعَسَلٍ وَدِبْسٍ أُخِذَ مِنْ كُلٍّ حِصَّةٌ وَخُلِطَ فَوُجِدَ فِيهِ فَأْرَةٌ نَضَعُهَا فِي الشَّمْسِ، فَإِنْ خَرَجَ مِنْهَا الدُّهْنُ فَسَمْنٌ، وَإِلَّا فَإِنْ بَقِيَ بِحَالِ الْجَمَدِ فَالْعَسَلُ أَوْ مُتَلَطِّخًا فَالدِّبْسُ. يُعْمَلُ بِخَبَرِ الْحُرْمَةِ فِي الذَّبِيحَةِ، وَبِخَبَرِ الْحِلِّ فِي مَاءٍ وَطَعَامٍ. يُتَحَرَّى فِي ثِيَابٍ أَقَلُّهَا طَاهِرٌ وَفِي أَوَانٍ أَكْثَرُهَا طَاهِرٌ لَا أَقَلُّهَا، بَلْ يُحْكَمُ بِالْأَغْلَبِ إِلَّا لِضَرُورَةِ شُرْبٍ. يَحْرُمُ أَكْلُ لَحْمٍ أَنْتَنَ لَا نَحْوِ سَمْنٍ وَلَبَنٍ. شَعِيرٌ فِي بَعْرٍ أَوْ رَوْثٍ صُلْبٌ يُؤْكَلُ بَعْدَ غَسْلِهِ، وَفِي خِثْيٍ لَا. مَرَارَةُ كُلِّ حَيَوَانٍ كَبَوْلِهِ وَجِرَّتُهُ كَزِبْلِهِ. حُكْمُ الْعَصِيرِ حُكْمُ الْمَاءِ. رُطُوبَةُ الْفَرْجِ طَاهِرَةٌ خِلَافًا لَهُمَا الْعِبْرَةُ لِلطَّاهِرِ مِنْ تُرَابٍ أَوْ مَاءٍ اخْتَلَطَا بِهِ يُفْتَى. مَشَى فِي حَمَّامٍ وَنَحْوِهِ لَا يَنْجُسُ مَا لَمْ يَعْلَمْ أَنَّهُ غُسَالَةُ نَجِسٍ. لَا يَنْبَغِي أَخْذُ الْمَاءِ مِنَ الْأَنْبُوبَةِ؛ لِأَنَّهُ يُصَيِّرُ الْمَاءَ رَاكِدًا. التَّبْكِيرُ إِلَى الْحَمَّامِ لَيْسَ مِنَ الْمُرُوءَةِ؛ لِأَنَّ فِيهِ إِظْهَارَ مَقْلُوبِ الْكِنَايَةِ. ثِيَابُ الْفَسَقَةِ وَأَهْلِ الذِّمَّةِ طَاهِرَةٌ. دِيبَاجُ أَهْلِ فَارِسَ نَجِسٌ، لِجَعْلِهِمْ فِي الْبَوْلِ لِبَرِيقِهِ. رَأَى فِي ثَوْبِ غَيْرِهِ نَجَسًا مَانِعًا، إِنْ غَلَبَ عَلَى ظَنِّهِ أَنَّهُ لَوْ أَخْبَرَهُ أَزَالَهَا وَجَبَ وَإِلَّا لَا، فَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ عَلَى هَذَا. حَمْلُ السَّجَّادَةِ فِي زَمَانِنَا أَوْلَى احْتِيَاطًا، لِمَا وَرَدَ «أَوَّلُ مَا يُسْأَلُ عَنْهُ فِي الْقَبْرِ الطَّهَارَةُ وَفِي الْمَوْقِفِ الصَّلَاةُ».

استبراء کا حکم

ترجمہ پیشاب کرنے کے بعد پیدل چل کر، کھنکھار کر اور بائیں پہلو پر لیٹ کر استبراء کرنا یعنی خوب اچھی طرح پاکی حاصل کرنا واجب ہے (حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں تین چیزیں ہیں: (۱) استبراء۔ (۲) استنقاء۔ (۳) استنجاء۔ استبراء کہتے ہیں کہ باہر نکلنے والی چیزوں سے برأت طلب کرنا، ان طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے جس کو شارع نے بیان فرمایا ہے۔ اور استنقاء صفائی و پاکیزگی طلب کرنے کا نام ہے، یعنی پانی سے صفائی کرتے وقت مقعد کو ڈھیلوں یا انگلیوں سے رگڑے۔ اور استنجاء کہتے ہیں پاخانہ و پیشاب کرنے کے بعد ڈھیلا یا پانی استعمال کرنا۔ (شامی: ۱/ ۵۵۸)

اور استبراء یعنی نجاست کے اثر کے زائل ہونے کا اطمینان لوگوں کی طبیعت کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے (چناں چہ کسی کو پاکیزگی جلدی حاصل ہوجاتی ہے کسی کو دیر سے حاصل ہوتی ہے، کسی کو چلنے سے حاصل ہوتی ہے، کسی کو کھنکھارنے سے حاصل ہوتی ہے، جب دل میں اطمینان ہوجائے کہ اثر زائل ہوگیا تو اس کے لیے استنجاء کرنا جائز ہے)۔ (شامی:۱/۵۵۸)

اور جس عضو کو دھویا جاتا ہے اس کی طہارت کے ساتھ ساتھ ہاتھ بھی پاک ہوجاتا ہے (حضرت فقیہ ابوجعفر کا یہی پسندیدہ مذہب ہے، یعنی ہاتھ دوبارہ الگ سے دھونے کی ضرورت نہیں ہے) اور بعض علماء نے فرمایا کہ الگ سے ہاتھ دھونا واجب ہے اس لیے کہ استنجاء کی وجہ سے ہاتھ ناپاک ہوگیا ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ ہاتھ کو الگ سے دھونا سنت ہے، یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ (شامی:۱/۵۵۸)

اور طہارت حاصل کرنے میں ہاتھ سے بدبو کو دور کرنا اور مخرج سے نجاست کو دور کرنا شرط ہے، ہاں اگر آدمی بدبو کے دور کرنے سے عاجز ہے، یعنی متعدد بار دھونے کے بعد بھی بدبو زائل نہیں ہوتی ہے تو وہ معاف ہے اور لوگ اس شرط سے ناواقف اور غافل ہیں۔

ہاتھ پاک ہونے کے لیے بدبو کا زائل ہونا شرط ہے؟

علامہ شامیؒ نے سراج الوھاج سے نقل کیا ہے کہ کیا ہاتھ کی طہارت کے لیے بدبو کا بالکلیہ طور پر ختم ہونا شرط ہے؟ تو اس بارے میں بعض علماء کا کہنا ہے کہ جی ہاں بدبو کا زائل ہونا شرط ہے اور جب تک بدبو زائل نہ ہوجائے دھونا لازم ہے، دھونے کے لیے کوئی خاص عدد متعین نہیں ہے۔ اور بعض علماء کا کہنا ہے کہ ہاتھ کی طہارت کے لیے بدبو ختم ہونا شرط نہیں ہے بلکہ جب ظن غالب ہوجائے تو سمجھا جائے گا کہ ہاتھ پاک ہوگیا ہے۔ اور حصولِ ظن غالب کے لیے علماء نے تین مرتبہ دھونے کو کہا ہے، اوّل صورت میں ہاتھ سونگھ کر معلوم کرنا پڑے گا کہ بدبو ختم ہوئی یا نہیں۔ اور دوسری مرتبہ میں ہاتھ سونگھنا لازم نہیں ہے، غلبۂ ظن کا حاصل ہوجانا ہی کافی ہے۔ (شامی:۱/۵۵۹)

مسئلہ: اگر کسی نے وضو کرنے کے بعد استنجاء کیا بایں طور کہ پہلے پاخانہ کیا پھر وضو کیا اس کے بعد پانی سے استنجاء کیا تو اگر استنجاء سنت کے مطابق کیا بایں طور کہ مقعد کو ڈھیلا کیا تھا تو اس صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر سنت کے مطابق استنجاء نہیں کیا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس صورت میں نجاست کی رطوبت نہیں نکلے گی۔ اور سنت کے مطابق استنجاء کرنے کی صورت میں مقعد سے نجاست کی رطوبت ضرور نکلے گی اس لیے وضو ٹوٹ جائے گا۔

نجاست پر سونے اور چلنے کا حکم

اگر کوئی شخص نجاست پر سو گیا یا نجاست پر چلا تو اگر نجاست کا عین اس کے بدن یا کپڑے میں ظاہر ہوا تو وہ ناپاک ہوجائے گا۔ اور اگر نجاست کا عین اس کے اوپر ظاہر نہیں ہوا تو ایسی صورت میں وہ ناپاک نہ ہوگا۔ اور یہاں عین نجاست کے ظہور

سے مراد نجاست کے اثر کا ظاہر ہونا ہے اس لیے نورالایضاح میں عین کے بجائے اثر کا لفظ لائے ہیں۔ (شامی: ۱/ ۵۶۰)

مسئلہ: اگر نجاست نہر میں یعنی جاری پانی میں گری اور اس کے کپڑے کو لگ گئی تو اگر اس میں نجاست کا اثر ظاہر ہو رہا ہے تو ایسی صورت میں کپڑا ناپاک ہو جائے گا اور اگر نجاست کا اثر ظاہر نہیں ہو رہا ہے تو پھر ناپاک نہ ہوگا (اگر کسی نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کر دیا اور اس پانی کا چھینٹا ایک درہم سے زیادہ کپڑے یا بدن میں لگ گیا تو اس میں نماز درست نہ ہوگی) (شامی: ۱/ ۵۶۰)

پاک کپڑے کو ناپاک کپڑے میں لپیٹنے کا حکم

پاک کپڑے کو ناپاک تر کپڑے میں لپیٹا گیا تو اگر اس لپیٹنے کی وجہ سے پاک کپڑا اس طرح تر ہو گیا کہ نچوڑنے سے پانی ٹپکنے لگا تو ایسی صورت میں وہ پاک کپڑا بھی ناپاک ہو جائے گا۔ اور اگر وہ پاک کپڑا اس قدر نہیں بھیگا ہے تو وہ ناپاک نہ ہوگا۔ خلاصہ وغیرہ میں اسی قول کو اصح قرار دیا گیا ہے۔ اور مذہب کی کتابوں اور متون میں یہی مذکور بھی ہے۔ امام حلوانی وغیرہ نے اسی قول کی تصحیح بھی کی ہے۔

مسئلہ: اگر پیشاب یا اس کے مانند نجس العین شئ سے کپڑا تر ہو گیا ہے اس میں کوئی پاک کپڑا لپیٹا گیا تو یہ دیکھا جائے گا کہ اس کی تراوٹ یا اسکا اثر اس میں ظاہر ہوا ہے یا نہیں؟ اگر تراوٹ یا اثر ظاہر ہو گیا تو اس صورت میں وہ پاک کپڑا بھی ناپاک ہو جائے گا ورنہ ناپاک نہ ہوگا۔

مرا ہوا چوہا شراب میں پایا گیا تو کیا حکم ہے؟

ایک چوہا مرا ہوا شراب میں پایا گیا، اس کو اس سے نکال پھینک دیا گیا، پھر وہ شراب سرکہ بن گئی تو اگر وہ چوہا پھولا اور پھٹا تھا تو ایسی صورت میں سرکہ ناپاک ہے۔ اور اگر شراب میں چوہا پھولا پھٹا نہیں تھا تو سرکہ ناپاک نہ ہوگا۔ اس لیے کہ چوہے کے پھولنے اور پھٹنے کی وجہ سے اس کے ناپاک اجزاء شراب میں مل گئے ہیں، لہٰذا اب سرکہ میں تبدیل ہونے کے بعد بھی وہ اجزاء باقی رہیں گے اس لیے کہ سرکہ بننے کے بعد بھی وہ ناپاک ہی رہے گا۔

مسئلہ: اگر شراب سرکہ میں گر جائے اور شراب صرف ایک قطرہ ہے تو اس وقت اس کو کھانا جائز نہیں ہے، البتہ ایک گھنٹہ کے بعد اس کو استعمال کرنا جائز ہے۔ اور اگر شراب ایک کوزہ بھر گری ہے تو وہ سرکہ اسی وقت استعمال کرنا جائز ہے، بشرطیکہ شراب کا کوئی اثر اس میں ظاہر نہ ہو۔

مسئلہ: ایک چوہا لوٹے میں پایا گیا لیکن یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ لوٹے میں گر کر مرا ہے یا گھڑے میں گر کر مرا ہے اور گھڑے سے لوٹے میں آیا ہے یا کنویں میں گر کر مرا ہے اور کنویں سے گھڑے میں آیا ہے تو اس صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ چوہا لوٹے ہی میں مرا ہے اس لیے کہ جو سب سے زیادہ قریب وقت ہے وہ لوٹے سے ہی متعلق ہے اور عام طور پر واقعہ کی

اضافت قریب تر اوقات کی طرف کی جاتی ہے۔(شامی:۱/ ۵۶۲)

مسئلہ: گھی، شہد اور شیرۂ خرما کی تین مشکیں تھیں، ان تینوں مشکوں سے تھوڑا تھوڑا لے کر ایک میں ملا دیا گیا اس کے بعد اس میں ایک چوہیا نظر آئی تو اب سوال یہ ہے کہ ان تینوں مشکوں میں سے کس کو ناپاک قرار دیا جائے؟ گھی کی مشک کو یا شہد کی مشک کو یا شیرۂ خرما کی مشک کو؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں اس مردہ چوہے کو نکال کر دھوپ میں رکھو اگر اس سے چکنائی نکلے تو گھی کے مشک کے ناپاک ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ اور اگر اس مردہ چوہے کو دھوپ میں رکھنے سے چکنائی نہیں نکلی بلکہ وہ اپنی حالت میں جما ہوا باقی رہا تو اس صورت میں شہد کی مشک کو ناپاک قرار دیا جائے گا۔ اور اگر چوہا چپ چپا تا لتھڑا ہوا ہے تو اس صورت میں شیرۂ خرما کی مشک کو ناپاک قرار دیا جائے گا۔ اس لیے کہ گھی دھوپ میں پگھلتا ہے اور شہد سمٹتا ہے اور شیرۂ خرما نرم ہوتا ہے۔(شامی:۱/ ۵۶۳)

ذبیحہ میں حرمت کی خبر پر اور کھانے پینے کی اشیاء میں حلت کی خبر پر عمل کیا جائے گا (اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ذبیحہ کے متعلق ایک مسلمان عادل کہتا ہے کہ حلال ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ حرام ہے تو ایسی صورت میں حرمت کی خبر کو ترجیح ہوگی اور وہی قابل عمل قرار پائے گی۔ اور اگر کسی کھانے پینے اور غذا کے سامان کے متعلق ایک حرام کہے اور دوسرا حلال کہے تو حلت والی خبر قابل عمل ہوگی اس لیے کہ پانی اور غذا میں اصل حلت ہے)۔

اور جن کپڑوں میں آدھے کم پاک ہوں اور آدھے زیادہ ناپاک ہوں تو ان میں غور و فکر کرے اور اس کے بعد جدھر جی جمے اس کو استعمال کرے اور اسی میں نماز ادا کرے۔ اور بہت سارے برتنوں میں زیادہ تر پاک ہوں نہ کہ کم تو غور و فکر کے بعد جس پر جی جمے کہ یہ پاک ہے اس کو استعمال کرے، لیکن اگر ان برتنوں میں سے کم پاک ہوں تو پھر تحری کرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ سارے برتن ناپاک قرار پائیں گے، اس لیے کہ اغلب پر فیصلہ کیا جاتا ہے ہاں اگر پینے کی ضرورت ہو تو کم پاک ہونے کی صورت میں بھی غور و فکر اور تحری کی اجازت ہوگی۔

سڑے ہوئے گوشت کو کھانے کا حکم

سڑا ہوا گوشت کھانا حرام ہے، لیکن اگر دودھ اور گھی سڑی ہوئی ہو تو حرام نہیں ہوتی ہے۔ سڑا ہوا گوشت کھانا حرام اس کے نجس ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ نقصان دینے کی وجہ سے حرام ہے۔ اور چونکہ سڑا ہوا گھی اور دودھ نقصان نہیں دیتا ہے اس لیے وہ حرام نہیں ہے۔(شامی:۱/ ۵۶۳)

مسئلہ: لید اور سوکھی مینگنی میں جو جو نکلے اس کو دھونے کے بعد استعمال کرنا جائز ہے اور جو جو یا گیہوں گوبر میں نکلے وہ دھونے کے بعد بھی کھانا جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ نجاست جو کے دانوں میں سرایت کر گئی ہے لہٰذا دھونے سے جو پاک نہ ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اگر جو کا دانہ پھول گیا تو کسی بھی صورت میں کھانا جائز نہیں ہے خواہ سوکھی مینگنی سے نکلے خواہ گوبر سے نکلے اور

اگر دانہ پھولا نہیں ہے تو کھانا بہر حال جائز ہے۔(شامی:۱/ ۵۶۴)

مسئلہ: ہر جانور کے پتہ کا حکم اس کے پیشاب کی طرح ہے اور ہر جانور کی جگالی اس کے گوبر اور لید کے حکم میں ہے یعنی جن جانوروں کا پیشاب پاک ہوگا ان کا پتہ بھی پاک ہوگا اور جن جانوروں کا پیشاب ناپاک ہے ان کا پتہ بھی ناپاک ہے۔

مسئلہ: پھل وغیرہ کے جوس کا حکم پانی کی طرح ہے، یعنی جس طرح پانی سے نجاست دور کرنا جائز ہے اور نجاست دور ہو جاتی ہے، اس سے بھی نجاست دور ہو جاتی ہے۔ اور جس طرح اگر زیادہ پانی میں نجاست گر جائے تو ناپاک نہیں ہوتا ہے جب تک کہ اوصاف نہ بدل جائیں اسی طرح اگر رس دہ در دہ ہے اور اس میں نجاست گر جائے تو رس ناپاک نہ ہوگا۔

عورت کی شرمگاہ کی رطوبت وتری حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک پاک ہے، لیکن حضرات صاحبینؒ کے نزدیک پاک نہیں ہے۔ صاحبین کا قول مبنی براحتیاط ہے، تاتر خانیہ میں مذکور ہے کہ ولادت کے وقت بچہ کے جسم پر جو رطوبت رہتی ہے وہ پاک ہے، اسی طرح انڈے میں جو رطوبت رہتی ہے وہ بھی پاک ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر انڈا پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک نہ ہوگا۔(شامی:۱/ ۵۶۴)

مٹی اور پانی جو مل گئے ہوں تو ان میں جو پاک ہوگا اس کا اعتبار ہوگا، اسی قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ یعنی اگر مثال کے طور پر گارا، پانی اور مٹی سے مل کر تیار ہوا ان میں سے ایک پاک ہے دوسرا ناپاک تو پاک کا اعتبار کر کے گارا کو پاک قرار دیا جائے گا، اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔ اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ پانی کا اعتبار ہوگا، اگر پانی ناپاک ہوگا تو گارا بھی ناپاک ہوگا اور پانی پاک ہے تو گارا بھی پاک ہوگا۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مٹی کا اعتبار ہوگا۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ غالب کا اعتبار ہوگا۔(شامی:۱/ ۵۶۵)

مسئلہ: اگر کوئی شخص غسل خانہ یا اس جیسی جگہ چلا تو پاؤں کو اس وقت تک ناپاک نہیں قرار دیا جائے گا جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ یہ نجاست کا دھوون ہے (اگر پاؤں میں جوتا یا چپل ہے تو اس صورت میں پاؤں کے ناپاک ہونے کا سوال ہی نہیں ہے، لیکن اگر ننگے پاؤں چلا ہے اور نجاست کا دھوون تھا تو پاؤں دھلے بغیر نماز جائز نہ ہوگی۔ اور اگر کوئی شخص کیچڑ میں چل کر کے آیا یا کیچڑ اس کے کپڑے یا بدن میں لگ گیا اور دھوئے بغیر نماز ادا کر لی تو نماز ہو جائے گی، بشرطیکہ نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو، اس لیے نجاست کا اثر مانع نماز ہے مگر دھولینا افضل اور بہتر ہے)۔(شامی:۱/ ۵۶۵)

اور مناسب نہیں ہے پانی نل سے لینا اس لیے کہ اس صورت میں پانی کا بہاؤ رُک جائے گا اور جمے ہوئے پانی کے حکم میں ہو جائے گا (اگر پانی لینا ہی ہو تو حوض سے لے، تاکہ پانی کا بہاؤ بدستور جاری رہے)

صبح سویرے غسل خانہ کی طرف جانا مروّت نہیں ہے بلکہ مروت کے خلاف ہے، اس لیے کہ اس میں رات کے جماع کا اظہار ہے (اور جس طرح جماع کو ظاہر کرنا ممنوع ہے اسی طرح ان چیزوں کو ظاہر کرنا بھی ممنوع ہے جن سے جماع کرنا معلوم ہو، یہ پردہ کی چیز ہے لہٰذا غسل بھی پردہ ہی میں ہونا چاہئے۔ رسول اکرم ﷺ نے میاں بیوی کے آپسی تعلقات کے اظہار سے منع فرمایا)۔

فاسقوں اور ذمیوں کے کپڑے پاک ہیں، لہٰذا ان کپڑوں میں نماز ادا کرنا جائز ہے جب تک کہ ان کے ناپاک ہونے کا یقین نہ ہو جائے۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ فاسقوں کے کپڑوں میں نماز مکروہ ہے اس لیے کہ فاسق لوگ شراب وغیرہ سے نہیں بچتے ہیں۔ (شامی: ۱/ ۵۶۵)

اور اہل فارس کا ریشمی کپڑا ناپاک ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کپڑے میں چمک پیدا کرنے کے واسطے وہ لوگ پیشاب ڈالتے ہیں لہٰذا اگر واقعةً صورتِ حال یہی ہے کہ اس میں پیشاب ڈالا جاتا ہے تو اس کے ناپاک ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ (شامی: ۱/ ۵۶۵)

ایک شخص نے دوسرے کے کپڑے میں نجاست دیکھی جو نماز کے لیے مانع تھی تو اگر اس کو غالب گمان ہو کہ بتلانے سے اس کو دور کرے گا تو اس وقت اس کو خبر کرنا واجب ہے اور اگر یہ یقین ہو کہ بتلانے کے بعد بھی نجاست دور نہیں کرے گا تو ایسی صورت میں اطلاع کرنا واجب نہیں ہے۔ اس جزئیہ سے یہ معلوم ہوا کہ امر بالمعروف کا فرض ہونا بھی اسی تفصیل کے ساتھ ہے، یعنی اگر یقین ہو کہ بھلی بات اور خیر کی بات بتانے سے وہ عمل کرے گا تو بتانا فرض ہے اور اگر یہ یقین اور گمان غالب ہے کہ میری بات نہیں مانے گا تو اس صورت میں بتانا فرض نہیں ہے۔ نیز اگر اپنی جان کا خطرہ ہے تو بھی امر بالمعروف فرض نہیں ہے لیکن نفس پر خطرہ کے باوجود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا افضل ہے اس لیے کہ اگر اس میں مارا گیا تو شہید کہلائے گا۔ (شامی: ۱/ ۵۶۶)

اور ہمارے زمانے میں جانماز کو احتیاطاً لیے رہنا افضل اور بہتر ہے اس واسطے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قبر میں جو پہلا سوال ہوگا وہ طہارت سے متعلق سوال ہوگا اور قیامت میں پہلا سوال نماز سے متعلق ہوگا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پیشاب سے بچا کر اس لیے کہ قبر میں سب سے پہلا حساب بندے سے اسی کے متعلق ہوگا۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن بندے سے اعمال میں سب سے پہلے نماز کے متعلق سوال ہوگا۔ (شامی: ۱/ ۵۶۶)

كِتَابُ الصَّلَاةِ

یہ کتاب نماز کے احکام اور اس کے مسائل کے بیان میں

شُرُوعٌ فِي الْمَقْصُودِ بَعْدَ بَيَانِ الْوَسِيلَةِ، وَلَمْ تَخْلُ عَنْهَا شَرِيعَةُ مُرْسَلٍ. وَلَمَّا صَارَتْ قُرْبَةً بِوَاسِطَةِ الْكَعْبَةِ كَانَتْ دُونَ الْإِيمَانِ لَا مِنْهُ، بَلْ مِنْ فُرُوعِهِ. وَهِيَ لُغَةً الدُّعَاءُ، فَنُقِلَتْ شَرْعًا إِلَى الْأَفْعَالِ الْمَعْلُومَةِ وَهُوَ الظَّاهِرُ، لِوُجُودِهَا بِدُونِ الدُّعَاءِ فِي الْأُمِّيِّ وَالْأَخْرَسِ (هِيَ فَرْضُ عَيْنٍ عَلَى كُلِّ مُكَلَّفٍ) بِالْإِجْمَاعِ. فُرِضَتْ فِي الْإِسْرَاءِ لَيْلَةَ السَّبْتِ سَابِعَ عَشَرَ رَمَضَانَ قَبْلَ الْهِجْرَةِ بِسَنَةٍ وَنِصْفٍ، وَكَانَتْ قَبْلَهُ صَلَاتَيْنِ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا شُمُنِّيٌّ. (وَإِنْ وَجَبَ ضَرْبُ ابْنِ عَشْرٍ عَلَيْهَا بِيَدٍ لَا بِخَشَبَةٍ) لِحَدِيثِ «مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعٍ، وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ» قُلْتُ وَالصَّوْمُ كَالصَّلَاةِ عَلَى الصَّحِيحِ كَمَا فِي صَوْمِ الْقُهُسْتَانِيِّ مَعْزِيًّا لِلزَّاهِدِيِّ وَفِي حَظْرِ الِاخْتِيَارِ أَنَّهُ يُؤْمَرُ بِالصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ وَيُنْهَى عَنْ شُرْبِ الْخَمْرِ لِيَأْلَفَ الْخَيْرَ وَيَتْرُكَ الشَّرَّ

ترجمہ وتشریح مذکورہ بالا عبارت میں حضرت شارح علامہ حصکفیؒ نے تقریباً نو باتیں بیان فرمائی ہیں: (۱) کتاب الطہارت کے بعد کتاب الصلوٰۃ لانے کی وجہ۔ (۲) نماز ہر امت پر فرض رہی ہے۔ (۳) نماز کا درجہ ایمان کے بعد ہے۔ (۴) صلوٰۃ کے لغوی معنی۔ (۵) صلوٰۃ کے شرعی معنی۔ (۶) نماز کن لوگوں پر فرض ہے۔ (۷) نماز کب فرض ہوئی۔ (۸) نماز کے فرض ہونے سے قبل کتنی نمازیں پڑھی جاتی تھیں۔ (۹) بچوں کو نماز کا عادی بنانے کا حکم۔

کتاب الصلوٰۃ کو بعد میں لانے کی علت

وسیلہ کے بیان کرنے کے بعد اب مقصودِ اصلی کی تفصیل کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نماز کی صحت کے لیے طہارت چونکہ وسیلہ اور ذریعہ تھی اور قاعدہ ہے کہ پہلے وسیلہ اور ذریعہ کو ذکر کیا جاتا ہے اس لیے مصنف نے پہلے کتاب الطہارۃ کو ذکر فرمایا ہے، اس کے بعد کتاب الصلوٰۃ کو ذکر فرما رہے ہیں۔ نیز طہارت چونکہ صحت نماز کے لیے شرط ہے اور شرط مقدم ہوتی ہے مشروط پر اس لیے طہارت کو پہلے اور صلوٰۃ کو بعد میں ذکر فرما رہے ہیں۔

نماز کا وجود شریعتِ سابقہ میں

اصل نماز سے کسی بھی رسول کی شریعت خالی نہیں رہی ہے، گو کہ اس کے طریقے الگ الگ تھے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ صبح کی نماز آدم علیہ السلام نے، ظہر کی نماز داؤد علیہ السلام نے، عصر کی نماز سلیمان علیہ السلام نے، مغرب کی نماز یعقوب علیہ السلام

نے اور عشاء کی نماز حضرت یونس علیہ السلام نے ادا فرمائی ہے اور یہ ساری نمازیں اس امت پر فرض ہیں۔ (شامی: ۲/ ۳)

بنایہ شرح ہدایہ میں علامہ عینی فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے اس وقت پڑھی جب آپ جنت سے نکل کر باہر آئے۔ اور رات کی تاریکی کے بعد صبح ہوئی اور ظہر کی نماز سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زوالِ آفتاب کے بعد اس وقت پڑھی جب آپ کو اپنے لختِ جگر نورِ نظر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم ملا تھا۔ اور عصر کی نماز سب سے پہلے حضرت یونس علیہ السلام نے اس وقت پڑھی جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مچھلی کے پیٹ سے نجات دی۔ اور مغرب کی نماز سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بطور شکر یہ ادا فرمائی۔ اور عشاء کی نماز سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت ادا فرمائی جب آپ شہر مدین سے نکلے تھے۔ (البنایہ شرح الہدایہ/ ۲)

نماز، حقیقت ایمان میں داخل نہیں ہے

اور یہ نماز کعبہ کی جانب رُخ کرنے کے واسطے سے عبادت بن گئی اس لیے نماز کا درجہ ایمان سے کم ہے اور نماز ایمان کے جز میں داخل نہیں ہے؛ بلکہ نماز ایمان کے فروع وجزئیات میں داخل ہے (مطلب یہ ہے کہ نماز فعل کے اعتبار سے ایمان کے جزء میں داخل نہیں ہے، البتہ حکم کے اعتبار سے ایمان میں داخل ہے، کیونکہ ایمان نام ہے رسولِ اکرم ﷺ کے تمام ارشادات وفرمودات کی تصدیق کرنے کا۔ اور نماز بھی آپ ﷺ ہی کے حکم وارشاد سے معلوم ہوئی، اس لیے اس کی تصدیق بھی ایمان میں داخل ہوگی۔ (شامی: ۲/ ۳)

صلوٰۃ کے لغوی واصطلاحی معنی

صلوٰۃ کے لغوی معنی دعاء کے ہیں۔ اور اب یہ لفظ شرعی اعتبار سے افعالِ مخصوصہ کے لیے مستعمل ہونے لگا ہے۔ لغوی معنی متروک ہوگیا ہے اور یہی شرعی معنی ظاہر ہے اس لیے کہ نماز کی صحت کے لیے دعاء لازم نہیں ہے بلکہ دعاء کے بغیر بھی نماز ہوجاتی ہے جیسا کہ جاہل اور گونگے کی نماز درست ہوجاتی ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ صلوٰۃ کی حقیقت لغویہ تحریک صلوین یعنی دونوں چوتڑ کو حرکت دینا ہے، پھر لفظ صلوٰۃ مجاز لغوی کے طور پر افعالِ مخصوصہ کے لیے مستعمل ہونے لگا، اس لیے کہ نمازی نماز پڑھتے وقت رکوع وسجدے میں چوتڑ کو حرکت دیتا ہے۔ (شامی: ۲/ ۴)

نماز کن لوگوں پر فرض ہے

یہ متفق علیہ اور اجماعی مسئلہ ہے کہ نماز ہر مکلف مسلمان پر فرضِ عین ہے۔ یعنی ہر عاقل وبالغ مسلمان پر نماز فرضِ عین ہے، خواہ مسلمان مرد ہو یا مسلمان عورت، ہر ایک پر نماز یکساں طور پر فرض ہے اور اس کی فرضیت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور اجماعِ امت سے ثابت ہے، یہاں اجماع سے مراد اجماعِ صحابہؓ نہیں ہے بلکہ اجماع سے مراد کتاب وسنت ہے۔ (شامی: ۲/ ۴)

نماز کی فرضیت کب اور کس طرح ہوئی؟

یہ نماز پنج گانہ ۱۷/ رمضان المبارک سنیچر کی رات ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے معراج میں فرض ہوئی ہے، لیکن واقعہ معراج کب پیش آیا؟ اس میں علماءِ کرام کا اختلاف ہے، مشہور قول یہ ہے کہ معراج کا واقعہ ۲۷/ رجب المرجب کو ہجرت سے ڈیڑھ سال قبل پیش آیا ہے۔ حافظ عبدالغنی المقدسی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ علامہ ابن الاثیر جزری اور امام نوویؒ نے اپنے فتاویٰ میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ معراج کا واقعہ ماہِ ربیع الاوّل میں پیش آیا ہے۔ اور ۲۷/ تاریخ کو پیش آیا۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ ربیع الآخر میں معراج کا واقعہ ہوا ہے۔ اور بعض نے فرمایا کہ معراج کا واقعہ شوال کے مہینے میں پیش آیا ہے۔ الغرض واقعہ معراج کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ راجح قول ۲۷/ رجب کا ہے، لیکن شارح رمضان کے قول کو لیا ہے۔ (شامی: ۲/ ۴)

نمازِ پنج گانہ کے فرض ہونے سے پہلے کتنی نمازیں تھیں؟

نمازِ پنج گانہ کے فرض ہونے کے پہلے صرف دو نمازیں پڑھی جاتی تھیں ایک نماز آفتاب طلوع ہونے سے پہلے، یعنی فجر کی نماز پڑھی جاتی تھی۔ اور دوسری آفتاب غروب ہونے سے پہلے، یعنی عصر کی نماز پڑھی جاتی تھی، شمنی میں ایسا ہی مذکور ہے۔

اولاد کو نماز کی تاکید کرنے کا حکم

اگر دس سال کا بچہ نماز فرض ترک کردے تو اس کی پٹائی کرنا واجب ہے، لیکن یہ پٹائی ہاتھ سے کی جائے گی نہ کہ چھڑی اور ڈنڈے سے، اس کی دلیل حدیث شریف ہے، رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی اولاد کو نماز پڑھنے کا حکم کرو جب وہ سات برس کے ہوجائیں اور جب وہ دس برس کے ہوجائیں اور نماز کو ترک کردیں تو ان کی پٹائی کرو۔

علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ روزہ کا حکم بھی یہی ہے جو نماز کا حکم ہے اس باب میں صحیح قول یہی ہے جیسا کہ قہستانی نے کتاب الصوم میں زاہدی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ اور اختیار شرح المختار نامی کتاب کے کتاب الحظر والاباحہ میں مذکور ہے کہ بچوں کو نماز پڑھنے، روزہ رکھنے کا حکم کیا جائے اور شراب پینے سے روکنا چاہیے تاکہ ان کو نیکی کی عادت پڑے اور برائی سے رکے رہیں۔

اولاد کی اسلامی تربیت کا حکم

نماز تو عاقل و بالغ مسلمان پر فرضِ عین ہے، لیکن والدین اور ذمہ دار پر واجب ہے کہ اپنی اولاد کی اسلامی اور دینی تربیت کریں اور نماز پڑھنے کے لیے کہیں تاکہ نماز پڑھنے کی عادت ہوجائے، چناں چہ جب بچہ سات سال کی عمر کا ہوجائے تو والدین پر واجب ہے کہ اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کی تاکید کریں تاکہ سن بلوغ تک پہنچتے پہنچتے نماز کا مکمل عادی ہوجائے۔ اور جب دس سال کی عمر کے ہوجائیں تو نماز چھوڑنے پر والدین کو چاہیے کہ ان کی ہاتھ سے پٹائی بھی کردیں اور ایک سے تین طمانچہ تک ماریں اس سے زیادہ نہ ماریں۔ اور یہ مارنے کا حکم صرف بچوں کو عادی بنانے کے لیے ہے اس لیے نہیں ہے کہ ان پر نماز فرض ہے اور

یہاں وجوب بمعنی فرض اصطلاحی نہیں ہے بلکہ ضروری کے معنی میں ہے۔ (شامی: ۲/۵)

استاذ طالب علم کی ادباً پٹائی کر سکتا ہے

علامہ شامیؒ نے اس حدیث پاک سے یہ مسئلہ استنباط فرمایا ہے کہ استاذ بھی اپنے شاگرد کو ادب دینے اور غلطی پر تنبیہ کرنے کے لیے پٹائی کر سکتا ہے، لیکن استاذ کو چاہئے کہ تین چھڑی سے زیادہ پٹائی نہ کرے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے مرداس معلم سے فرمایا کہ دیکھو تم تین مرتبہ سے زیادہ مارنے سے بچو، اس لیے کہ اگر تم تین چھڑی سے زیادہ مارو گے تو اللہ تعالیٰ اس کی جانب سے تجھ سے بدلہ لے گا۔ (شامی: ۲/۵)

بچوں کے بستر کب الگ کئے جائیں

حدیث شریف میں ہے رسولِ اکرم سرورِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بچہ دس برس کا ہو جائے تو اس کا بستر الگ کر دو۔ اس عمر کے دو بچے آپس میں ایک ساتھ نہ سوئیں اور نہ اس عمر کا کوئی بچہ کسی بڑے آدمی کے ساتھ سوئے، یہاں تک کہ حضرات فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اس عمر کا بچہ اپنی ماں کے پاس بھی نہ سوئے۔ (شامی: ۲/۵)

مسئلہ: اگر نابالغ بچہ بلا وضو نماز پڑھ لے تو دوبارہ نماز پڑھنے کے لیے کیا حکم کیا جائے گا اور اگر جماع کرلے تو غسل کا حکم کیا جائے گا، لیکن اگر نابالغ بچہ روزہ رکھ کر توڑ دے تو دوبارہ زبردستی نہیں رکھوایا جائے گا اس لیے کہ اس میں مشقت اور پریشانی ہے اور شریعت میں اعتدال کو پسند کیا گیا ہے۔ (شامی: ۲/۵)

(وَيَكْفُرُ جَاحِدُهَا) لِثُبُوتِهَا بِدَلِيلٍ قَطْعِيٍّ (وَتَارِكُهَا عَمْدًا مَجَانَةً) أَيْ تَكَاسُلًا فَاسِقٌ (يُحْبَسُ حَتَّى يُصَلِّيَ) لِأَنَّهُ يُحْبَسُ لِحَقِّ الْعَبْدِ فَحَقُّ الْحَقِّ أَحَقُّ، وَقِيلَ يُضْرَبُ حَتَّى يَسِيلَ مِنْهُ الدَّمُ. وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ يُقْتَلُ بِصَلَاةٍ وَاحِدَةٍ حَدًّا، وَقِيلَ كُفْرًا (وَيُحْكَمُ بِإِسْلَامِ فَاعِلِهَا) بِشُرُوطٍ أَرْبَعَةٍ أَنْ يُصَلِّيَ فِي الْوَقْتِ (مَعَ جَمَاعَةٍ) مُؤْتَمًّا مُتِمًّا وَكَذَا لَوْ أَذَّنَ فِي الْوَقْتِ أَوْ سَجَدَ لِلتِّلَاوَةِ أَوْ زَكَّى السَّائِمَةَ صَارَ مُسْلِمًا، لَا لَوْ صَلَّى فِي غَيْرِ الْوَقْتِ أَوْ مُنْفَرِدًا أَوْ إِمَامًا، أَوْ أَفْسَدَهَا أَوْ فَعَلَ بَقِيَّةَ الْعِبَادَاتِ؛ لِأَنَّهَا لَا تَخْتَصُّ بِشَرِيعَتِنَا، وَنَظَمَهَا صَاحِبُ النَّهْرِ فَقَالَ

وَكَافِرٌ فِي الْوَقْتِ صَلَّى بِاقْتِدَا	مُتَمِّمًا صَلَاتَهُ لَا مُفْسِدَا
وَأَذَّنَ أَيْضًا مُعْلِنًا أَوْ زَكَّى	سَوَائِمًا كَأَنْ سَجَدْ، تَزَكَّى
فَمُسْلِمٌ لَا بِالصَّلَاةِ مُنْفَرِدْ	وَلَا الزَّكَاةِ وَالصِّيَامِ الْحَجَّ زِدْ

(وَهِيَ عِبَادَةٌ بَدَنِيَّةٌ مَحْضَةٌ، فَلَا نِيَابَةَ فِيهَا أَصْلًا) أَيْ لَا بِالنَّفْسِ كَمَا صَحَّتْ فِي الصَّوْمِ بِالْفِدْيَةِ

لِلْفَانِي، لِأَنَّهَا إِنَّمَا تَجُوزُ بِإِذْنِ الشَّرْعِ وَلَمْ يُوجَدْ (سَبَبُهَا) تَرَادُفُ النِّعَمِ ثُمَّ الْخِطَابِ ثُمَّ الْوَقْتِ أَيْ (الْجُزْءِ) (الْأَوَّلُ) مِنْهُ إِنْ (اتَّصَلَ بِهِ الْأَدَاءُ وَإِلَّا فَمَا) أَيْ جُزْءٍ مِنَ الْوَقْتِ (يَتَّصِلُ بِهِ) الْأَدَاءُ (وَإِلَّا) يَتَّصِلُ الْأَدَاءُ بِجُزْءٍ (فَالسَّبَبُ) هُوَ (الْجُزْءُ الْأَخِيرُ) وَلَوْ نَاقِصًا، حَتَّى تَجِبَ عَلَى مَجْنُونٍ وَمُغْمًى عَلَيْهِ أَفَاقَا، وَحَائِضٍ وَنُفَسَاءَ طَهُرَتَا وَصَبِيٍّ بَلَغَ، وَمُرْتَدٍّ أَسْلَمَ وَإِنْ صَلَّيَا فِي أَوَّلِ الْوَقْتِ (وَبَعْدَ خُرُوجِهِ يُضَافُ) السَّبَبُ (إِلَى جُمْلَتِهِ) لِيَثْبُتَ الْوَاجِبُ بِصِفَةِ الْكَمَالِ وَإِنَّهُ الْأَصْلُ حَتَّى يَلْزَمَهُمُ الْقَضَاءُ فِي كَامِلٍ هُوَ الصَّحِيحُ.

ترجمہ وتشریح مذکورہ بالا عبارت میں حضرت علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد مسائل بیان کیے ہیں:

(۱) فرضیت نماز کے انکار کا حکم۔ (۲) قصداً نماز چھوڑنے والے کا حکم۔ (۳) نماز پڑھنے پر مسلمان شمار ہونا۔ (۴) نماز میں نیابت کا حکم۔ (۵) نماز کے فرض ہونے کا سبب۔ یہ پانچ چیزیں حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے مذکورہ بالا عبارت میں بیان فرمائی ہیں۔

منکرین فرضیت نماز کا حکم شرعی

نماز پنج گانہ کا ثبوت قرآنِ کریم کی آیت، حدیث نبوی ﷺ اور اجماعِ امت سے ہے۔ اس لیے اس کی فرضیت کا انکار کرنے والا شخص بالاتفاق کافر ہوگا، اس لیے کہ اس نے قرآنِ کریم کی آیت کا انکار کیا۔ اور منح الغفار نامی کتاب میں مذکور ہے کہ نماز کے منکر کا وہی حکم ہے جو ایک مرتد شخص کا حکم ہے، یعنی اس پر اسلام دوبارہ پیش کیا جائے گا، اگر اسلام قبول نہ کرے تو اسے قتل کردیا جائے گا اور مسلمان کے لیے اس سے کسی بھی طرح کا تعلق رکھنا جائز نہ ہوگا۔

جان بوجھ کر کاہلی سے نماز ترک کرنے والے کا حکم

جو شخص سستی اور کاہلی کی وجہ سے جان بوجھ کر نماز ترک کردے وہ گناہ گار ہے۔ اور شریعت کی نظر میں ایسا شخص فاسق ہے، کافر نہیں ہے۔ اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو اس وقت تک جیل میں بند رکھا جائے جب تک نماز نہ پڑھنے لگے، جب انسان کسی انسان کے حق کی وجہ سے قید ہوسکتا ہے اور اس کو جیل میں ڈالا جاسکتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حق کے واسطے قید ہونا بدرجۂ اولیٰ مناسب ہوگا۔ امام محبوبی نے فرمایا کہ قصداً نماز چھوڑنے والے کی اس قدر پٹائی کی جائے کہ اس کے بدن سے خون بہنے لگے۔ اور حضرت امام شافعی کے نزدیک قصداً ایک وقت کی نماز چھوڑنے والا شخص حد میں قتل کردیا جائے گا۔ حضرت امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ قصداً نماز چھوڑنے والے کو کافر ہونے کی وجہ سے قتل کردیا جائے۔ حضرت امام احمد کی بھی ایک روایت یہی ہے جو ان کے اصحاب کے نزدیک پسندیدہ مذہب ہے۔ (شامی: ۲/۶)

نماز پڑھنے کی وجہ سے مسلمان ہونے کا حکم

نماز پڑھنے والے میں اگر چار شرطیں پائی جائیں تو ان کو مسلمان کہا جائے گا: (۱) شرط اوّل یہ ہے کہ وقت پر وہ جماعت کے ساتھ امام کی اقتداء میں پوری نماز ادا کرے۔ (۲) دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اسی طرح نماز کے وقت اذان پکارے۔ (۳) تیسری شرط یہ ہے کہ وہ سجدۂ تلاوت کرے، یعنی جب سجدہ والی آیت کی خود تلاوت کرے یا دوسرے سے سنے تو سجدہ ادا کرے۔ (۴) اور چوتھی شرط یہ ہے کہ ان جانوروں کی زکوٰۃ ادا کرے جن میں زکوٰۃ واجب ہے۔ جس شخص کے اندر یہ چار شرطیں پائی جائیں گی وہ مسلمان ہوگا، لیکن اگر کسی شخص نے نماز غیر وقت میں پڑھی، یا جماعت کے ساتھ نہیں بلکہ تنہا نماز پڑھی یا مقتدی بن کر نہیں بلکہ امام بن کر نماز ادا کی، یا نماز شروع کر کے فاسد کر دی، یا نماز کے علاوہ دوسری عبادت ادا کی، نماز نہ پڑھی تو ان تمام صورتوں میں وہ مسلمان نہیں قرار پائے گا۔ اس لیے کہ نماز کی مذکورہ صورتیں ہماری شریعت کے لیے خاص نہیں ہیں اسلام کے ساتھ جو عبادتیں مختص ہیں ان کو صاحب البحر الرائق نے نظم کر دیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

کافر عین وقت میں امام کی اقتداء میں پوری نماز ادا کرے، اس طرح کہ وہ فاسد نہ کرے، یا بلند آواز سے اذان پکارے یا چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ دے۔ اور پاک صاف ہو کر سجدۂ تلاوت ادا کرے، تو کافر اپنے ان افعال کی وجہ سے مسلمان قرار پائے گا البتہ وہ کافر مسلمان نہ ہوگا جس نے تنہا نماز پڑھی ہے، یا سائمہ جانوروں کے علاوہ دوسرے جانور کی زکوٰۃ دی ہے اسی طرح صرف روزہ رکھنے اور ناقص حج کرنے سے مسلمان قرار نہیں پائے گا۔

نماز میں نیابت جائز نہیں

نماز خالص بدنی عبادت ہے، یہ عبادت جان و مال سے مرکب نہیں ہے، لہٰذا اس کی ادائیگی میں نیابت بالکل جائز نہیں ہے، نہ ہی جانی نیابت جائز ہے، جس طرح کہ حج میں جائز ہے اگر خود حج کی صعوبت برداشت کرنے کے قابل نہ ہو اور مجبور ہو تو اس کی جانب سے دوسرا شخص حج کر سکتا ہے، لیکن نماز ایک شخص دوسرے کی جانب سے ادا نہیں کر سکتا ہے اور نہ نماز میں مالی عبادت جائز ہے جیسا کہ روزہ میں جائز ہے۔ شیخ فانی جو روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو وہ فدیہ ادا کر کے بری ہو سکتا ہے لیکن نماز میں فدیہ دینا بھی جائز نہیں ہے۔ اور اس کی علت یہ ہے کہ نیابت اور فدیہ شریعت میں محض شارع کی اجازت سے مشروع ہے اور نماز میں شارع کی جانب سے کوئی نیابت اور کوئی فدیہ مشروع نہیں ہے کہ نماز میں فدیہ ادا کر کے دامن چھڑا لے، یا دوسرے شخص کو قائم مقام بنا کر بری الذمہ ہو جائے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ روزہ بھی عبادت بدنیہ ہے اور نماز بھی عبادت بدنیہ ہے تو آخر کیا وجہ ہے کہ روزہ میں فدیہ

درست ہے اور نماز میں فدیہ درست نہیں ہے؟ دونوں ہی میں فدیہ درست ہونا چاہئے تھا یا دونوں ہی میں درست نہ ہونا چاہئے تھا؟

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ روزہ میں فدیہ کا ثبوت چونکہ نص قرآنی سے ہے اس لیے ہم نے خلاف قیاس روزہ میں فدیہ کو ثابت مانا ہے۔ اسی لیے حضرات علماء اصول فقہ نے اس کا نام قضاء بمثل غیر معقول رکھا ہے، اور چونکہ نماز کے ترک پر فدیہ ادا کرنے سے متعلق کوئی نص وارد نہیں ہے اس لیے ہم نے نماز میں فدیہ کو مشروع قرار نہیں دیا ہے۔ (شامی: ۲/۱۰)

اس پر دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ آپ نماز کی ادائیگی سے لاچار و مجبور شخص کی وصیت کی صورت میں اس کے مرنے کے بعد فدیہ واجب قرار دیتے ہیں، حالانکہ بقول آپ کے اس بارے میں کوئی نص موجود نہیں ہے تو عدم نص کے باوجود آپ نے نیابت بالمال کیوں جائز کہا ہے اور روزہ پر بھی قیاس کر کے اس کو ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے اس لیے کہ روزہ کا فدیہ خود خلاف قیاس نص سے ثابت ہے اور جو چیز خلاف قیاس ثابت ہو اس پر دوسرے کو قیاس نہیں کیا جاتا ہے؟

علامہ ابن عابدین شامیؒ اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ روزہ میں فدیہ کا ثبوت جو نص سے ثابت ہے اس میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ ہے کہ ثبوت فدیہ معلّل بالعجز ہو، یعنی علت عجز کی وجہ سے فدیہ مشروع ہو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ خلاف قیاس فدیہ کا ثبوت ہو۔ اگر ثبوت فدیہ کی علت عجز کو قرار دیا جائے تو ایسی صورت میں وہ عجز چونکہ نماز کے اندر بھی موجود ہے اس لیے نماز میں بھی فدیہ وصیت کی صورت میں مشروع ہوا ہے۔ اور عدم علت عجز کی صورت میں فدیہ درست نہ ہوگا، چناں چہ جب شک واقع ہو گیا تو اب ہم نے احتیاطاً نماز میں فدیہ کو واجب کہا ہے اگر یہ فدیہ نماز کی جانب سے کافی نہ ہوگا تو کم از کم نیکی اور اس کے گناہ کے مٹنے کا سبب ضرور ہوگا، پس وجوب کا قول مبنی بر احوط ہے۔ (شامی: ۲/۱۰)

فرضیت نماز کا سبب

نماز کے فرض ہونے کا سبب نعمت خداوندی کا مسلسل پایا جانا ہے، پھر اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے لیے خطاب کا پایا جانا ہے، پھر نماز کے وقت کا پایا جانا ہے۔ اور نماز کا سبب ظاہری وقت کا اوّل حصہ ہے جس سے ادا متصل ہو، یعنی اگر اوّل وقت میں نماز ادا کرے تو وقت کا جزء اوّل سبب ہے اور اگر کوئی شخص نماز اوّل وقت میں ادا نہ کرے تو پھر وقت کے جس جزء میں نماز ادا کرے گا وہی جزء اس نماز کا سبب ہو جائے گا۔ اور اگر وقت کے کسی حصہ میں بھی ادائیگی نماز نہیں پائی گئی تو پھر نماز کے فرض ہونے کا سبب نماز کا اخیر حصہ ہوگا۔ اگر چہ وہ اخیر حصہ وقت ناقص ہی کیوں نہ ہو (جیسے عصر کے وقت میں سورج کا زرد ہو جانا، یہ ناقص وقت ہے لیکن اگر کسی نے اس وقت میں عصر کی نماز ادا کی تو نماز ہو جائے گی) لہٰذا اگر کوئی مجنون شخص یا غشی میں مبتلا شخص اخیر وقت میں ٹھیک ہوا یا حائضہ اور نفاس والی عورت اخیر وقت میں پاک ہوئی یا بچہ اخیر وقت میں بالغ ہوا یا کوئی مرتد اخیر وقت میں مسلمان ہو جائے ان سب پر نماز اس وقت کی واجب ہوگی اور اس کا ادا کرنا ضروری ہوگا اگر چہ مرتد اور بچہ اوّل وقت میں نماز ادا کر چکے ہوں۔

اور اگر کسی نے پورے وقت میں نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ نماز کا وقت جاتا رہا تو اب نماز کے فرض ہونے کے سبب کی

نسبت پورے وقت کی جانب ہوگی، تا کہ واجب کا ثبوت صفت کمال کے ساتھ ہو۔اور واجب کا صفت کمال کے ساتھ ثابت ہونا ہی اصل ہے، یہی وجہ ہے کہ مجنون اور غشی میں مبتلا شخص پر ٹھیک ہونے کے بعد کامل وقت میں ہی ادا کرنا لازم ہے، اس باب میں صحیح مذہب یہی ہے، وقت ناقص میں وہ اپنی قضاء نماز ادا نہ کرے گا (اگر نماز کے فرض ہونے کا سبب پورے وقت کو نہ قرار دیا جائے تو ایسی صورت میں واجب کا ثبوت صفت نقص کے ساتھ لازم آئے گا)۔

مسئلہ: اگر کوئی نابالغ بچہ عشاء کی نماز پڑھ کر سو گیا پھر اس کو احتلام ہو گیا اور بیدار نہ ہوسکا یہاں تک کہ فجر کا وقت ہو گیا تو اس پر عشاء کی نماز کا اعادہ کرنا واجب ہے، یہی مختار مذہب ہے۔ اور اگر فجر طلوع ہونے سے قبل بیدار ہو گیا تو بالاتفاق اس پر عشاء کی قضاء واجب ہے۔ حضرت امام محمدؒ کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا تو انھوں نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے مسئلہ معلوم فرمایا تو امام صاحب نے ایسا ہی جواب دیا۔ (شامی: ۲/۱۱)

مسئلہ: روزہ کے بدلے میں شیخ فانی کے لیے فدیہ کا صحیح ہونا اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس کا عجز و مجبوری موت تک باقی رہے اگر فدیہ ادا کرنے کے بعد وہ تندرست ہو گیا اور روزہ رکھنے پر قادر ہو گیا تو اس پر روزے کی قضاء لازم ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل کتاب الصوم میں آئے گی۔ (شامی: ۲/۱۰)

(وَقْتُ) صَلَاةِ (الْفَجْرِ) قَدَّمَهُ لِأَنَّهُ لَا خِلَافَ فِي طَرَفَيْهِ، وَأَوَّلُ مَنْ صَلَّاهُ آدَم وَأَوَّلُ الْخَمْسِ وُجُوبًا، وَقَدَّمَ مُحَمَّدٌ الظُّهْرَ؛ لِأَنَّهُ أَوَّلُهَا ظُهُورًا وَبَيَانًا، وَلَا يَخْفَى تَوَقُّفُ وُجُوبِ الْأَدَاءِ عَلَى الْعِلْمِ بِالْكَيْفِيَّةِ فَلِذَا لَمْ يَقْضِ نَبِيُّنَا -ﷺ- الْفَجْرَ صَبِيحَةَ لَيْلَةِ الْإِسْرَاءِ، ثُمَّ هَلْ كَانَ قَبْلَ الْبَعْثَةِ مُتَعَبِّدًا بِشَرْعِ أَحَدٍ؟ الْمُخْتَارُ عِنْدَنَا لَا، بَلْ كَانَ يَعْمَلُ بِمَا ظَهَرَ لَهُ مِنَ الْكَشْفِ الصَّادِقِ مِنْ شَرِيعَةِ إِبْرَاهِيمَ وَغَيْرِهِ. وَصَحَّ تَعَبُّدُهُ فِي حِرَاءٍ بِحْرٍ (مِنْ) أَوَّلِ (طُلُوعِ الْفَجْرِ الثَّانِي) وَهُوَ الْبَيَاضُ الْمُنْتَشِرُ الْمُسْتَطِيرُ لَا الْمُسْتَطِيلُ (إِلَى) قُبَيْلِ (طُلُوعِ ذُكَاءَ) بِالضَّمِّ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ اسْمُ الشَّمْسِ. (وَوَقْتُ الظُّهْرِ مِنْ زَوَالِهِ) أَيْ مَيْلِ ذُكَاءَ عَنْ كَبِدِ السَّمَاءِ (إِلَى بُلُوغِ الظِّلِّ مِثْلَيْهِ) وَعَنْهُ مِثْلَهُ، وَهُوَ قَوْلُهُمَا وَزُفَرَ وَالْأَئِمَّةِ الثَّلَاثَةِ. قَالَ الْإِمَامُ الطَّحَاوِيُّ: وَبِهِ نَأْخُذُ. وَفِي غُرَرِ الْأَذْكَارِ: وَهُوَ الْمَأْخُوذُ بِهِ. وَفِي الْبُرْهَانِ: وَهُوَ الْأَظْهَرُ. لِبَيَانِ جِبْرِيلَ. وَهُوَ نَصٌّ فِي الْبَابِ. وَفِي الْفَيْضِ: وَعَلَيْهِ عَمَلُ النَّاسِ الْيَوْمَ وَبِهِ يُفْتَى (سِوَى فَيْءٍ) يَكُونُ لِلْأَشْيَاءِ قُبَيْلَ (الزَّوَالِ) وَيَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ، وَلَوْ لَمْ يَجِدْ مَا يَغْرِزُ اعْتَبَرَ بِقَامَتِهِ وَهِيَ سِتَّةُ أَقْدَامٍ بِقَدَمِهِ مِنْ طَرَفِ إِبْهَامِهِ. (وَوَقْتُ الْعَصْرِ مِنْهُ إِلَى) قُبَيْلِ (الْغُرُوبِ) فَلَوْ غَرَبَتْ ثُمَّ عَادَتْ هَلْ يَعُودُ الْوَقْتُ بِالظَّاهِرِ، نَعَمْ وَهِيَ الْوُسْطَى عَلَى الْمَذْهَبِ (وَ) وَقْتُ (الْمَغْرِبِ مِنْهُ إِلَى) غُرُوبِ (الشَّفَقِ وَهُوَ الْحُمْرَةُ) عِنْدَهُمَا، وَبِهِ قَالَتِ الثَّلَاثَةُ

وَإِلَيْهِ رَجَعَ الْإِمَامُ كَمَا فِي شُرُوحِ الْمَجْمَعِ وَغَيْرِهَا، فَكَانَ هُوَ الْمَذْهَبَ.

اوقاتِ نماز کا بیان

مذکورہ بالا عبارت میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے چار نمازوں کے وقت کو بیان فرمایا ہے: (۱) فجر کی نماز کا وقت۔ (۲) ظہر کی نماز کا وقت۔ (۳) عصر کی نماز کا وقت۔ (۴) مغرب کی نماز کا وقت۔ باقی عشاء اور وتر کی نماز کا وقت اس کے بعد والی عبارت میں بیان کیا جائے گا۔

نمازِ فجر کا وقت کب سے کب تک؟

اوقاتِ نماز کو بیان کرتے وقت حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے فجر کے وقت کو مقدم فرمایا ہے اس کی تین وجہ مصنفؒ نے بیان فرمائی ہے: (۱) اس نماز کے دونوں طرف میں یعنی اوّل وقت اور آخر وقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے اس کے برخلاف دیگر نمازو کے وقت میں اختلاف ہے۔ (۲) نمازِ فجر کے وقت کی تقدیم کی دوسری وجہ یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے فجر کی نماز پڑھی ہے۔ (۳) پنج وقتہ نماز میں وجوب کے اعتبار سے سب سے پہلی نماز یہی ہے (یعنی رسول اکرم ﷺ نے نماز پنج گانہ میں سے سب سے پہلے فجر ہی کی نماز ادا فرمائی تھی۔ اور حضرت امام محمدؒ نے جامع صغیر میں اوقاتِ نماز کے بیان میں سب سے پہلے ظہر کے وقت کو بیان فرمایا ہے اور اسی کو مقدم فرمایا ہے اس لیے کہ ظہر کی نماز ظہور و بیان کے اعتبار سے پہلی نماز ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سب سے پہلے ظہر کی نماز کی امامت فرمائی تھی (جیسا کہ مشہور تر حدیث شریف میں موجود ہے) اب یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب پانچ نمازیں معراج کی رات میں فرض ہوئیں اور اوّل وقت فجر کا آیا تو قاعدہ کے مطابق آپ ﷺ فجر کی نماز کی ادائیگی ضروری تھی پھر آپ نے اس نماز کو کیوں نہیں ادا فرمائی؟ مشہور روایت کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے آپ نے ظہر کی نماز ادا فرمائی ہے جیسا کہ حضرت امام کا بیان ہے؟ اس اشکال کا یہ جواب دیا جائے گا کہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ادائیگی کا وجوب اس وقت لازم ہوتا ہے جب ادائیگی کا طریقہ اور کیفیت بھی معلوم ہو اس وقت تک چونکہ آپ کو نماز کا طریقہ معلوم نہ تھا اس لیے آپ نے توقف فرمایا اور صبح کی نماز ادا نہیں فرمائی۔ (شامی: ۲/ ۱۳)

سوئے ہوئے شخص کو نماز کے لیے کب بیدار کرنا چاہیے؟

علامہ ابن عابدین شامی نے یہاں ایک مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ سونے والے شخص کو اوّل وقت میں بیدار کرنا واجب نہیں ہے۔ ہاں اگر نماز کا وقت تنگ ہونے لگے تو پھر بیدار کرنا واجب ہے۔ اس مسئلہ کو علامہ بیری نے شرح اشباہ میں، بدائع سے نقل کیا ہے۔ احتیاط اور مستحب یہ ہے کہ جماعت سے پہلے بیدار کیا جائے تا کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کر سکے۔ (شامی: ۲/ ۱۳)

نبوت ملنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی عبادت

پھر اس کے بعد سوال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بعثت سے پہلے کسی نبی کے دین کے مطابق عبادت کرتے تھے یا نہیں؟ اس

کا پسندیدہ جواب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ بعثت سے قبل کسی مخصوص شریعت پر عمل نہیں کرتے تھے، بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں سے جو کشف صادق کے ذریعہ ظاہر ہوتا تھا اسی پر عمل فرماتے تھے، باقی یہ بات بالکل صحیح ہے کہ آپ غارِ حراء میں نبوت ملنے سے قبل عبادت کیا کرتے تھے۔

''حراء'' درحقیقت ایک پہاڑی کا نام ہے جو مکۃ المکرمہ سے تین میل کی دوری پر واقع ہے۔ حدیث اور تاریخ کی کتابوں سے یہ ثابت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ عبادت الٰہی کے لیے غارِ حراء تشریف لے جایا کرتے تھے اور کئی کئی دن تک وہاں رہ کر عبادتِ الٰہی اور غور وفکر میں مشغول رہا کرتے تے۔ (شامی: ۲/ ۱۴)

نمازِ فجر کا وقت

نمازِ فجر کا وقت صبح صادق کے طلوع سے آفتاب نکلنے سے کچھ پہلے تک ہے۔ فجر ثانی سے یہاں مراد وہ سفیدی ہے جو آسمان کے کنارے چوڑائی میں پھیلی ہوتی ہے، وہ سفیدی مراد نہیں ہے جو لمبائی میں پھیلی ہوتی ہے۔ لفظ ''ذکاء'' ذال کے ضمہ کے ساتھ ہے اور یہ لفظ غیر منصرف ہے اور ذکاء آفتاب کا نام ہے۔

فجر ثانی سے کہہ کر مصنفؒ نے اس بات کی جانب اشارہ فرمایا ہے کہ فجر کی دو قسمیں ہیں ایک فجر کاذب، دوسرا فجر صادق۔ فجر کاذب رات میں داخل ہے اور اس وقت عشاء کی نماز درست ہے اور روزہ رکھنے کا ارادہ کرنے والا شخص اس وقت سحری کھا سکتا ہے۔ فجر کاذب میں فجر کی نماز جائز نہیں ہے، بلکہ نمازِ فجر کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور آفتاب کے نکلنے تک باقی رہتا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کی امامت پہلی مرتبہ صبح صادق کے طلوع ہوتے ہی فرمائی اور دوسری مرتبہ دوسرے دن طلوعِ آفتاب سے ذرا پہلے امامت فرمائی اور فرمایا: اے نبی! اس کے درمیان کا وقت آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے نماز کا وقت ہے۔

نمازِ ظہر کا وقت

اور نمازِ ظہر کا وقت آفتاب ڈھلنے کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور سایہ کے دو مثل پہنچنے تک باقی رہتا ہے۔ یہاں آفتاب کے ڈھلنے سے مراد یہ ہے کہ آفتاب کا آسمان کے وسط سے نیچے کی طرف جھکنا۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ نمازِ ظہر کا وقت آفتاب کے ڈھلنے کے بعد شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک کہ ہر چیز کا سایہ اس کے مثل نہ ہو جائے سایۂ اصلی کے علاوہ، حضرات صاحبینؒ کا بھی یہی قول ہے۔ اور حضرت امام زفرؒ اور حضرات ائمہ ثلاثہ یعنی حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی قول ہے اور حضرت امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ہم اسی قول کو لیتے ہیں۔ اور غرر الاذکار میں مذکور ہے کہ اسی قول پر عمل کیا گیا ہے۔ اور برہان جو کتاب کا نام ہے اس میں مذکور ہے کہ یہی قول زیادہ سے زیادہ ظاہر ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بیان کی وجہ سے۔ اور

اوقات کے باب میں حضرت جبرئیلؑ کا بیان درحقیقت نص صریح کے درجہ میں ہے اور فیض میں مذکور ہے کہ اسی قول پر آج کل لوگوں کا عمل ہے اور یہی قول مفتیٰ بہ بھی ہے۔

اوپر جس سایہ کا تذکرہ کیا گیا ہے اس میں وہ سایہ داخل نہیں ہے جو آفتاب کے ڈھلنے سے پہلے ہر چیز کا ہوتا ہے جس کو "فئی الزوال" اور سایہ اصلی کہتے ہیں، جو زمان ومکان کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ اور اگر نمازی کوئی ایسی چیز نہ پائے جس کو گاڑ کر وقت کا اندازہ لگا سکے تو ایسی صورت میں مجبوری کے وقت میں اپنے قد کا اعتبار کرے اور ہر آدمی کا قد اس کے انگوٹھے کے کنارے سے سر تک ساڑھے چھ قدم کا ہوتا ہے۔

نمازِ ظہر کے آخری وقت کے متعلق اقوالِ ائمہ

ظہر کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے اس میں کسی کا اختلاف منقول نہیں ہے بلکہ یہ تو اجماعی اور اتفاقی مسئلہ ہے، البتہ ظہر کا وقت باقی کب تک رہتا ہے؟ اس بارے میں حضرات فقہاء مجتہدین سے بنیادی طور پر دو قول منقول ہیں:

قول نمبر ۱:

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ظہر کا وقت اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک کہ ہر شئی کا سایہ، سایہ اصلی کے علاوہ دو مثل نہ ہو جائے۔ یہی قول حضرت امام صاحب سے زیادہ مشہور ہے اور ظاہر الروایہ ہے۔ اس قول کے بارے میں بدائع، محیط اور ینابیع میں "هو الصحيح" کہا گیا ہے۔ اور غیاثیہ میں اس قول کو "هو المختار" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی قول کو امام محبوبی نے اختیار فرمایا ہے۔ اور امام نفی اور صدر الشریعہ نے اسی پر اعتماد کیا ہے، قاسم نے اسی کی تصحیح کی ہے۔ اور اصحاب المتون نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ اور حضرات شراحِ کرام نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ لہٰذا حضرت امام طحاویؒ کا یہ فرمانا کہ "وبه نأخذ" اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہی مذہب کی روایت ہے۔ اور فیض میں وبه يفتى جو مذکور ہے تو صرف عشاء کے بارے میں تسلیم نہیں اس کی پوری تحقیق وتفصیل البحر الرائق میں ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ ابن نجیم نے شرح وبسط کے ساتھ کلام کیا ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۴)

قول نمبر ۲:

ظہر کا آخری وقت کب تک باقی رہتا ہے؟ اس کے متعلق حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل تک باقی رہتا ہے۔ حضرات صاحبینؒ کا یہی قول ہے۔ نیز حضرت امام زفرؒ اور حضرات ائمہ ثلاثہ امام شافعیؒ، امام مالک اور امام احمدؒ کے نزدیک ظہر کا آخری وقت اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک سایہ اصلی کے علاوہ ایک مثل نہ ہو جائے۔ ایک مثل کے بعد ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ بہت سے علماء نے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔ اور سراج الوهاج میں احتیاط کا پہلو اپناتے ہوئے فرمایا کہ ظہر کی نماز مثل اوّل تک پڑھ لی جائے، مثلین تک موخر نہ کی جائے اور عصر کی نماز مثلین کے بعد ادا کی جائے تاکہ اختلاف

سے نکل کر اتفاقی طور پر نماز ادا ہوجائے۔ (شامی:۲/۱۵)

سایہ اصلی معلوم کرنے کا طریقہ

سایہ اصلی معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک سیدھی لکڑی چاشت کے وقت برابر زمین پر گاڑ دی جائے اور اس وقت جو سایہ ہو اس کے کنارے نشان لگا دیا جائے۔ اب سایہ گھٹتے گھٹتے ایک وقت ایسا آئے گا کہ سایہ گھٹنا بند ہوجائے گا اور سایہ بڑھنا شروع ہوجائے گا، جب سایہ گھٹنا رُک جائے اور پھر وہاں سے بڑھنا شروع ہوجائے تو سمجھ لیا جائے کہ جہاں سے سایہ بڑھنا شروع ہوا وہ سایہ اصلی ہے اس پر نشان لگا دیا جائے اور جوں ہی سایہ بڑھنا شروع ہوجائے سمجھ لیا جائے کہ آفتاب ڈھلنا شروع ہوگیا ہے، اب ایک مثل یا دو مثل ناپتے وقت سایہ اصلی کا اعتبار نہ ہوگا۔ (شامی:۲/۱۵)

نمازِ عصر کے وقت کا بیان

نمازِ عصر کا وقت اس وقت شروع ہوجاتا ہے جب ہر شئی کا سایہ، سایہ اصلی کے علاوہ دو چند ہوجائے اور یہ وقت آفتاب کے غروب ہونے تک باقی رہتا ہے، پس اگر سورج غروب ہوکر پھر پلٹ آئے تو دوبارہ عصر کا وقت لوٹے گا یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں دوبارہ عصر کا وقت لوٹ آئے گا۔ اور صحیح مذہب کی روایت کے مطابق صلوٰۃ وسطیٰ عصر ہی کی نماز ہے، چناں چہ ائمہ ثلاثہ کا یہی مذہب ہے۔ اور حضرت امام ترمذیؒ وغیرہ نے فرمایا کہ اکثر صحابہ کا یہی قول ہے اور نمازِ عصر کو وسطیٰ نماز اس لیے کہا جاتا ہے اس لیے کہ دونوں کے بیچ میں ہے۔ (شامی:۲/۱۷)

سورج غروب ہونے کے بعد اگر دوبارہ پلٹ آئے تو عصر کا وقت دوبارہ لوٹ آئے گا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ حضرت علیؓ کی گود میں آرام فرمارہے تھے، یہاں تک کہ حضرت علیؓ کی نمازِ عصر فوت ہوگئی اور سورج غروب ہوگیا، جب رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے تو حضرت علیؓ نے سارا واقعہ بیان فرمایا، تو رسول اللہ ﷺ نے دعاء فرمائی: اَللّٰهُمَّ إِنَّهٗ كَانَ فِي طَاعَتِكَ وَطَاعَةِ رَسُوْلِكَ فَارْدُدْهَا عَلَيْهِ۔ اے اللہ! یقیناً حضرت علیؓ آپ کی اور آپ کے رسول کی اطاعت پر مامور تھے، لہٰذا اے اللہ! سورج واپس کردیجیے۔ چناں چہ ڈوبا سورج دوبارہ پلٹ آیا اور حضرت علیؓ نے عصر کی نماز ادا فرمائی اور یہ واقعہ غزوۂ خیبر میں پیش آیا ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ نماز کا وقت دوبارہ لوٹ آئے گا۔ (شامی:۲/۱۶)

نمازِ مغرب کے وقت کا بیان

مغرب کی نماز کا وقت غروبِ آفتاب سے شروع ہوجاتا ہے اور شفق کے ڈوبنے تک باقی رہتا ہے۔ اور شفق حضرات صاحبین کے نزدیک وہ سرخی ہے جو سورج غروب ہوجانے کے بعد پچھم کی جانب آسمان میں رہتی ہے، اسی کے قائل حضرات ائمہ ثلاثہ بھی ہیں۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا رجوع بھی ان حضرات کی جانب ثابت ہے۔ جیسا کہ مجمع الانہر کی شرح وغیرہ میں

اس کی صراحت موجود ہے، لہٰذا شفق کی یہی تعریف مذہب قرار پائے گی۔

امام صاحب سے رجوع کی حقیقت

شارح علیہ الرحمہ نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے قول کی جانب رجوع فرمالیا ہے۔ محقق ابن الہمام نے اس کی تردید فتح القدیر میں کی ہے، نیز محقق ابن الہمام کے شاگرد رشید علامہ قاسم نے تصحیح القدوری میں فرمایا کہ حضرت امام صاحب کا رجوع ثابت نہیں ہے، اس لیے کہ سارے فقہاء کرام ائمہ ثلاثہ کے زمانہ سے لے کر آج تک دو قول نقل کرتے چلے آرہے ہیں اور یہ دعویٰ کرنا کہ عام صحابہ کرام کا معمول شفق احمر کے متعلق تھا یہ خلاف منقول ہے۔ اختیار نامی کتاب میں لکھا ہے کہ شفق وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد آسمان میں ظاہر ہوتی ہے، حضرت صدیق اکبرؓ، معاذ بن جبلؓ اور حضرت عائشہؓ کا یہی مذہب ہے۔ دلائل کی روشنی میں صاحب فتح القدیر اور ان کے شاگرد علامہ قاسم نے تصحیح القدوری میں حضرت امام صاحب کے قول کو اصح قرار دیا ہے اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔ (شامی: ۲/۱۷)

(وَ) وَقْتُ (الْعِشَاءِ وَالْوِتْرِ مِنْهُ إِلَى الصُّبْحِ، (وَ) لَكِنْ (لَا) يَصِحُّ أَنْ (يُقَدِّمَ عَلَيْهَا الْوِتْرَ) إِلَّا نَاسِيًا (لِوُجُوبِ التَّرْتِيبِ) لِأَنَّهُمَا فَرْضَانِ عِنْدَ الْإِمَامِ. (وَفَاقِدُ وَقْتِهِمَا) كَبُلْغَارَ، فَإِنَّ فِيهَا يَطْلُعُ الْفَجْرُ قَبْلَ غُرُوبِ الشَّفَقِ فِي أَرْبَعِينِيَّةِ الشِّتَاءِ (مُكَلَّفٌ بِهِمَا فَيُقَدِّرُ لَهُمَا) وَلَا يَنْوِي الْقَضَاءَ لِفَقْدِ وَقْتِ الْأَدَاءِ بِهِ أَفْتَى الْبُرْهَانُ الْكَبِيرُ وَاخْتَارَهُ الْكَمَالُ، وَتَبِعَهُ ابْنُ الشِّحْنَةِ فِي أَلْغَازِهِ فَصَحَّحَهُ، فَزَعَمَ الْمُصَنِّفُ أَنَّهُ الْمَذْهَبُ (وَقِيلَ لَا) يُكَلَّفُ بِهِمَا لِعَدَمِ سَبَبِهِمَا، وَبِهِ جَزَمَ فِي الْكَنْزِ وَالدُّرَرِ وَالْمُلْتَقَى وَبِهِ أَفْتَى الْبَقَّالِيُّ، وَوَافَقَهُ الْحَلْوَانِيُّ والمرغيناني وَرَجَّحَهُ الشُّرُنْبُلَالِيُّ وَالْحَلَبِيُّ، وَأَوْسَعَا الْمَقَالَ وَمَنَعَا مَا ذَكَرَهُ الْكَمَالُ قُلْتُ: وَلَا يُسَاعِدُهُ حَدِيثُ الدَّجَّالِ، لِأَنَّهُ وَإِنْ وَجَبَ أَكْثَرُ مِنْ ثَلَثِمِائَةِ ظُهْرٍ مَثَلًا قَبْلَ الزَّوَالِ لَيْسَ كَمَسْأَلَتِنَا؛ لِأَنَّ الْمَفْقُودَ فِيهِ الْعَلَامَةُ لَا الزَّمَانُ، وَأَمَّا فِيهَا فَفُقِدَ الْأَمْرَانِ.

عشاء اور وتر کے وقت کا بیان

ترجمہ وتشریح عشاء اور وتر کی نماز کا وقت غروب شفق کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور صبح صادق تک باقی رہتا ہے، لیکن یہ بات جائز نہیں ہے کہ وتر کی نماز کو عشاء کی نماز سے پہلے ادا کرے اس لیے ان دونوں کے درمیان ترتیب واجب ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر اور عشاء دونوں عملاً فرض ہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص بھول کر وتر عشاء سے پہلے پڑھ لے تو الگ بات ہے۔

جہاں عشاء اور وتر کا وقت نہ ملے

اور جس شخص کو عشاء اور وتر کا وقت نہ ملے جیسے بلغار ہے، اس لیے کہ بلغار میں فجر شفق کے غروب سے پہلے طلوع ہوتا ہے موسم سرما کے چلّے میں، تو جو وقت نہ پائے اسکے لیے حکم یہ ہے کہ وہ ان دونوں نمازوں کے لیے وقت کا اندازہ کر کے نماز ادا کرے، اور ادائیگی کے وقت کے فوت ہونے کی وجہ سے قضاء کی نیت نہیں کی جائے گی۔ برہان الدین کبیری نے یہی فتویٰ دیا ہے اور کمال نے اسی کو اختیار کیا ہے اور ابن شحنہ نے اپنی چیستاں میں اسی کی پیروی کی ہے۔ اور اسی قول کی تصحیح بھی کی گئی ہے، چناں چہ مصنف نے گمان کیا کہ یہی مذہب کی روایت ہے۔

اور بعض علماء کرام نے فرمایا کہ جن لوگوں کو یہ دونوں وقت نہ ملے وہ ان کی ادائیگی کے مکلف نہیں ہوں گے کیونکہ ان دونوں کی فرضیت کا سبب نہیں پایا گیا ہے اور وہ سبب وقت ہے۔ اور اسی قول کی توثیق متون کی تین مشہور کتاب کنز الدقائق، الدرر، اور ملتقی الابحر میں کی گئی ہے۔ اور اسی قول پر علامہ بقالی نے فتویٰ دیا ہے۔ اور امام حلوانی، امام مرغینانی نے اس باب میں ان کی موافقت کی ہے۔ اور شرنبلالی، اور حلبی نے عدم وجوب عشاء و وتر کو راجح قرار دیا ہے اور ان دونوں حضرات نے اس مسئلہ میں نہایت طویل کلام کیا ہے۔ اور صاحب فتح القدیر علامہ ابن الہمام نے اس بارے میں جو کچھ فرمایا ہے انھوں نے تسلیم نہیں کیا ہے۔

علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ حدیث دجال کمال ابن الہمام کی موافقت نہیں کرتی ہے، اس لیے کہ اگرچہ زوال سے پہلے پہلے تین سو سے زیادہ ظہر کی نمازیں واجب ہوں گی، لیکن اس دن میں نماز کا مسئلہ ہمارے نزدیک اس مسئلہ کی مانند نہیں ہے اس لیے کہ دجال کے دنوں میں صرف علامت مفقود نہ ہوگی۔ اور بلغار جیسے شہر میں تو عشاء وتر علامت اوقات اور زمانہ دونوں ہی مفقود ہوتا ہے، یعنی وہاں نہ تو عشاء کی علامت پائی جاتی ہے اور نہ ہی اتنا وقت ہے کہ اس میں دوسری نمازوں کے ساتھ عشاء کی گنجائش نکلے۔

جس ملک میں عشاء کا وقت نہ ملے اس کا حکم

جس ملک میں عشاء کا وقت نہ ملے بلکہ مغرب کے بعد فوراً فجر کا وقت شروع ہو جائے تو اس ملک میں بسنے والے مسلمان پر عشاء کی نماز فرض ہوتی ہے یا نہیں؟ ایسے ملک میں عشاء و وتر کا شرعاً کیا حکم ہے ان کا پڑھنا ذمہ میں لازم ہوگا یا نہیں؟ تو اس بارے میں یاد رکھنا چاہئے کہ حضرات فقہاء کرام کی دو جماعت ہے۔

ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ عشاء و وتر کا وقت ملے نہ ملے، بہر صورت یہ نمازیں ذمہ میں ادا کرنی لازم ہوں گی، اس لیے کہ لیلۃ المعراج میں دن رات کی پانچ نمازیں فرض ہوئی ہیں، لہٰذا ان میں سے کسی بھی نماز کا ترک کرنا کسی صورت میں جائز نہ ہوگا، ہاں ایسا تو ہو سکتا ہے کہ وقت کا اندازہ لگا کر نماز ادا کی جائے، یعنی مغرب کی نماز کے جتنی دیر بعد عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے

اتنے ہی فاصلہ سے عشاء کی نماز بلا وقت ادا کرے گا۔

علماء کرام کی دوسری جماعت کی رائے اس بارے میں یہ ہے کہ نماز کی فرضیت کا سبب وقت ہے اور جب عشاء کی نماز کا وقت ہی نہیں آیا تو یہ نماز ذمہ میں فرض نہ ہوگی کیونکہ وجوب نماز کا سبب وقت ہے اور وہ یہاں مفقود ہے، عند المحققین دوسرا قول ضعیف ہے، اسی وجہ سے مصنف نے اس قول کو لفظ ''قیل'' سے بیان فرمایا ہے۔ وجوب نماز کا سبب وہ تمام حدیثیں ہیں جن میں نماز پنج گانہ کی تاکید ہے، لہٰذا صرف وقت کا مفقود ہونا عدم وجوب کی دلیل نہیں ہو سکتی ہے وقت درحقیقت ایک علامت ہے اور علامت کا وجود کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں بھی ہوتا ہے۔

پہلی جماعت کے لوگوں میں صاحب فتح القدیر علامہ ابن الہمام، برہان الدین الکبیر اور ابن الشحنہ وغیرہ جیسے نامور فقیہ ہیں اور دوسری جماعت کے لوگوں میں علامہ نسفی، علامہ ابراہیم حلبی، شیخ حلوانی اور امام برہان الدین مرغینانی اہل علم حضرات ہیں۔

ایک دلچسپ واقعہ

علامہ برہان الائمہ کے دور میں ایک استفتاء آیا کہ ہم لوگ اپنے شہر میں عشاء کا وقت نہیں پاتے ہیں تو اس صورت میں ہم لوگوں پر عشاء کی نماز فرض ہے یا نہیں؟ علامہ برہان الائمہ نے اس استفتاء کا یہ جواب دیا کہ تم لوگوں پر عشاء کی نماز فرض نہیں ہے۔ ایسا ہی جواب ظہیر الدین مرغینانی نے دیا ہے، پھر ایسا ہی سوال بلغار سے شمس الائمہ حلوانی کی خدمت میں آیا، انھوں نے فتویٰ دیا کہ آپ لوگوں پر عشاء کی نماز فرض ہے۔ پھر اس کے بعد ٹھیک یہی سوال خوارزم بقالی سے ہوا انھوں نے فتویٰ دیا کہ تم لوگوں پر عشاء کی نماز واجب نہیں ہے۔ جب شیخ حلوانی کو اس جواب کی خبر ملی تو انھوں نے شیخ بقالی کی خدمت میں ایک شخص کو بھیجا اور ان کو خوب تاکید کردی کہ تم وہاں جاکر مجمع عام میں یہ سوال کرنا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو پانچوں نمازوں میں سے ایک کا انکار کردے وہ مسلمان رہے گا یا کافر ہو جائے گا، چناں چہ اس شخص نے جاکر ایسا ہی کیا، بقالی سوال سنتے ہی سمجھ گئے کہ یہ کیا کہنا چاہتا ہے، چناں چہ بقالی نے جواب دینے کے بجائے اُلٹا اس سے سوال کردیا کہ اچھا تم اس شخص کے بارے میں کیا کہوگے جس کے دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت کٹے ہوئے ہوں، یا جس کے دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت کٹ گئے ہوں، اس کے لیے وضو میں کتنے فرض ہیں؟ سوال کرنے والے نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ صرف تین فرض ہیں، کیونکہ چوتھے فرض کا محل اس کے پاس نہیں ہے۔ شیخ بقالی نے اب اس کے سوال کا جواب دیا کہ اسی طرح جہاں عشاء کا وقت نہیں آتا ہے وہاں صرف چار وقت کی نماز فرض ہوگی، پانچویں وقت کی نماز اس کے ذمہ فرض نہ ہوگی۔ علامہ بقالی کا یہ جواب جب شمس الائمہ حلوانی کے پاس پہنچا تو ان کو یہ جواب بے حد پسند آیا اور شیخ بقالی کے ساتھ ہو گئے۔

علامہ ابن الہمامؒ کا فیصلہ

لیکن علامہ ابن الہمامؒ نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ جس شخص کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں اس پر یقیناً اعضاءِ وضو کا دھونا

فرض نہیں ہے، لیکن اس مسئلہ کو بلغار والے مسئلہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کہ جہاں عشاء کا وقت نہیں آتا ہے وہاں عشاء کی نماز فرض ہی نہیں ہے، اس لیے کہ باب وضو میں ہاتھ پاؤں موجود نہ ہونے کی صورت میں حقیقتاً محل وضو مفقود ہے اس لیے ان کا دھونا وضو میں ساقط ہو جائے گا، اس کے برخلاف باب نماز میں وقت درحقیقت محل نہیں ہے اور نہ ہی وجوب نماز کے لیے سبب حقیقی ہے، سبب حقیقی تو درحقیقت حکم خداوندی اور ارشاد نبوی ہے، وقت تو صرف اس کی علامت ہے، پھر یہ کہ لیلۃ المعراج میں پانچ وقت کی نمازوں کی فرضیت علی الاطلاق تمام خطوں کے لیے ہوئی ہے، خواہ وہ دنیا کا کوئی بھی گوشہ ہو، وہاں رات آتی ہو یا نہ آتی ہو، اس لیے اس کو کسی بھی حال میں ترک نہیں کیا جا سکتا ہے۔ نیز حدیث دجال جو مسلم شریف میں موجود ہے اس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ حضرات صحابہ کرام نے سوال کیا یا رسول اللہ! جو دن سال بھر کے برابر ہوگا اس میں صرف پانچ وقت کی نماز کافی ہوگی یا کیا کرنا پڑے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ صرف پانچ وقت کی نماز کافی نہ ہوگی بلکہ اندازہ کر کے ہر چوبیس گھنٹے میں پانچ وقت کی نماز پڑھنی ہوگی، اس سے معلوم ہوا کہ وقت آئے یا نہ آئے بہرحال پانچ وقت کی نماز فرض ادا کرنی ہوگی۔

خلاصۂ بحث

مذکورہ بالا دلائل سے معلوم ہوا کہ جن ملکوں میں شفق غائب ہونے سے پہلے فجر آ جاتی ہے اور عشاء کا وقت سرے سے نہیں آتا ہے وہاں بھی عشاء کی ادائیگی ضروری ہوگی اس لیے کہ حکم خداوندی اقیموا الصلوٰۃ اور ارشاد نبوی ﷺ ہر ملک کے لیے عام ہے، لہٰذا وجوبِ نماز کا قول ہی عند المحققین راجح اور قابل عمل ہے۔ (کشف الاسرار/ ۲۹۳)

(وَالْمُسْتَحَبُّ) لِلرَّجُلِ (الِابْتِدَاءُ) فِي الْفَجْرِ (بِإِسْفَارٍ وَالْخَتْمُ بِهِ) هُوَ الْمُخْتَارُ بِحَيْثُ يُرَتِّلُ أَرْبَعِينَ آيَةً ثُمَّ يُعِيدُهُ بِطَهَارَةٍ لَوْ فَسَدَ. وَقِيلَ يُؤَخِّرُ جِدًّا، لِأَنَّ الْفَسَادَ مَوْهُومٌ (إِلَّا لِحَاجٍّ بِمُزْدَلِفَةَ) فَالتَّغْلِيسُ أَفْضَلُ كَمَرْأَةٍ مُطْلَقًا. وَفِي غَيْرِ الْفَجْرِ الْأَفْضَلُ لَهَا انْتِظَارُ فَرَاغِ الْجَمَاعَةِ (وَتَأْخِيرُ ظُهْرِ الصَّيْفِ) بِحَيْثُ يَمْشِي فِي الظِّلِّ (مُطْلَقًا) كَذَا فِي الْمَجْمَعِ وَغَيْرِهِ: أَيْ بِلَا اشْتِرَاطِ شِدَّةِ حَرٍّ وَحَرَارَةِ بَلَدٍ وَقَصْدِ جَمَاعَةٍ، وَمَا فِي الْجَوْهَرَةِ وَغَيْرِهَا مِنِ اشْتِرَاطِ ذَلِكَ مَنْظُورٌ فِيهِ (وَجُمُعَةٍ كَظُهْرٍ أَصْلًا وَاسْتِحْبَابًا) فِي الزَّمَانَيْنِ، لِأَنَّهَا خَلَفُهُ (وَ) تَأْخِيرُ (عَصْرٍ) صَيْفًا وَشِتَاءً تَوْسِعَةً لِلنَّوَافِلِ (مَا لَمْ يَتَغَيَّرْ ذُكَاءُ) بِأَنْ لَا تَحَارَ الْعَيْنُ فِيهَا فِي الْأَصَحِّ (وَ) تَأْخِيرُ (عِشَاءٍ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ) قَيَّدَهُ فِي الْخَانِيَّةِ وَغَيْرِهَا بِالشِّتَاءِ، أَمَّا الصَّيْفُ فَيُنْدَبُ تَعْجِيلُهَا (فَإِنْ أَخَّرَهَا إِلَى مَا زَادَ عَلَى النِّصْفِ) كُرِهَ لِتَقْلِيلِ الْجَمَاعَةِ، أَمَّا إِلَيْهِ فَمُبَاحٌ. (وَ) أَخَّرَ (الْعَصْرَ إِلَى اصْفِرَارِ ذُكَاءَ) فَلَوْ شَرَعَ فِيهِ قَبْلَ التَّغَيُّرِ فَمَدَّهُ إِلَيْهِ لَا يُكْرَهُ. (وَ) أَخَّرَ (الْمَغْرِبَ إِلَى اشْتِبَاكِ النُّجُومِ) أَيْ كَثْرَتِهَا (كُرِهَ) أَيِ التَّأْخِيرُ لَا الْفِعْلُ لِأَنَّهُ مَأْمُورٌ بِهِ (تَحْرِيمًا) إِلَّا بِعُذْرٍ كَسَفَرٍ، وَكَوْنِهِ عَلَى أَكْلٍ. (وَ) تَأْخِيرُ (الْوِتْرِ إِلَى آخِرِ

اللَّيْلِ لِوَاثِقٍ بِالْإِنْتِبَاهِ) وَإِلَّا فَقَبْلَ النَّوْمِ، فَإِنْ فَاقَ وَصَلَّى نَوَافِلَ وَالْحَالُ أَنَّهُ صَلَّى الْوِتْرَ أَوَّلَ اللَّيْلِ فَإِنَّهُ الْأَفْضَلُ. (وَالْمُسْتَحَبُّ تَعْجِيلُ ظُهْرِ شِتَاءٍ) يَلْحَقُ بِهِ الرَّبِيعُ، وَبِالصَّيْفِ الْخَرِيفُ (وَ) تَعْجِيلُ (عَصْرٍ وَعِشَاءِ يَوْمِ غَيْمٍ، وَ) تَعْجِيلُ (مَغْرِبٍ مُطْلَقًا) وَتَأْخِيرُهُ قَدْرَ رَكْعَتَيْنِ يُكْرَهُ تَنْزِيهًا (وَتَأْخِيرُ غَيْرِهِمَا فِيهِ) هَذَا فِي دِيَارٍ يَكْثُرُ شِتَاؤُهَا وَيَقِلُّ رِعَايَةُ أَوْقَاتِهَا، أَمَّا فِي دِيَارِنَا فَيُرَاعَى الْحُكْمُ الْأَوَّلُ وَحُكْمُ الْأَذَانِ كَالصَّلَاةِ تَعْجِيلًا وَتَأْخِيرًا.

نماز کے اوقاتِ مستحبات کا بیان

اس عبارت میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ نماز کے اوقاتِ مستحبہ کو بیان فرمارہے ہیں کہ کب نماز تاخیر کر کے پڑھنا مستحب ہے اور کب تعجیل کر کے پڑھنا مستحب ہے؟ چناں چہ فرماتے ہیں کہ مرد کے لیے مستحب یہ ہے کہ فجر کی نماز صبح روشن ہونے کے بعد شروع اور اسی میں ختم بھی کرے۔ اس باب میں یہی قول پسندیدہ اور مختار ہے اور خوب روشن کر کے شروع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ طلوعِ آفتاب سے اتنا وقت پہلے نماز شروع کرے کہ اس میں ترتیل کے ساتھ چالیس آیتیں پڑھ سکے۔ اور اگر کسی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے تو پھر وہ باضابطہ وضو کر کے اسی طرح دونوں رکعتوں کا اعادہ بھی کر سکے۔ اور اس باب میں ایک ضعیف قول یہ ہے کہ فجر کی نماز خوب تاخیر کر کے پڑھے، اس لیے کہ نماز کا فاسد ہو جانا ایک امر موہوم ہے۔

حجاج کرام کے واسطے مزدلفہ میں غلس ہی میں فجر پڑھنا افضل ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حجاجِ کرام کے لیے فجر کی نماز مزدلفہ میں خوب تاخیر کر کے پڑھنا مستحب نہیں ہے بلکہ ان حضرات کے واسطے غلس یعنی اوّل وقت میں فجر پڑھنا افضل ہے۔ جس طرح کہ عورتوں کے لیے مستحب ہے کہ فجر کی نماز ہر حال میں غلس یعنی اندھیرے میں ادا کریں، اس لیے کہ عورتوں کے متعلق یہی صورت حال بہتر ہے۔ ہاں فجر کی نماز کے علاوہ میں افضل یہ ہے کہ عورتیں مردوں کی جماعت کے ختم ہونے کا انتظار کریں اور جب جماعت ختم ہو جائے تو نماز ادا کریں۔

گرمی کے موسم میں ظہر کو تاخیر کر کے ادا کرنا مستحب ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ گرمی کے موسم میں نماز ظہر اس قدر تاخیر کر کے ادا کرنا افضل ہے کہ لوگوں کی دیواروں کے سایہ میں چل کر مسجد جاسکیں۔ گرمی کے موسم میں تاخیر ظہر کا حکم مطلقاً ہے اس میں کوئی شرط نہیں ہے کہ گرمی کی شدت ہو اور شہر کی گرمی ہو اور جماعت کا قصد ہو، جیسا کہ مجمع وغیرہ میں ہے۔ اور جوہرہ وغیرہ میں شدتِ حرارت کی شرط جو ذکر کی گئی ہے وہ قابل غور ہے بالکلیہ طور پر تسلیم نہیں ہے۔

نمازِ جمعہ کا مستحب وقت

اور نمازِ جمعہ کا مستحب وقت وہی ہے جو ظہر کا وقت ہے خواہ گرمی کا موسم ہو خواہ سردی کا موسم ہو۔ اس لیے کہ جمعہ درحقیقت ظہر کا خلیفہ ہے، لہٰذا جو وقت ظہر کا ہوگا وہی وقت جمعہ کا بھی ہوگا۔ اور گرمی، سردی میں جو مستحب وقت ظہر کے لیے ہوگا وہی وقت مستحب جمعہ کے لیے ہوگا، یعنی گرمیوں کے موسم میں تاخیر افضل اور سردیوں کے موسم میں تعجیل افضل ہے۔

مسئلہ: جمعہ کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ جمعہ ظہر کا خلیفہ نہیں ہے بلکہ جمعہ مستقل فرض ہے اور ظہر کی نماز سے زیادہ مؤکد ہے۔ (شامی: ۲/۲۶)

مسئلہ: جمہور علماءِ امت کے نزدیک جمعہ میں تعجیل ہی افضل ہے، کسی بھی موسم میں تاخیر افضل نہیں ہے، اس لیے کہ جمعہ کو ایک جم غفیر ادا کرتی ہے، لہٰذا اس کی تاخیر کرنے میں حرج لازم آئے گا اور ظہر میں ایسی بات نہیں ہے اس لیے ظہر کو مؤخر کرنا گرمیوں میں مستحب ہوگا نہ کہ جمعہ کو۔ (شامی: ۲/۲۵)

نمازِ عصر اور نمازِ عشاء کا مستحب وقت

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عصر کی نماز گرمی اور سردی دونوں موسموں میں تاخیر کر کے ادا کرنا افضل ہے اور تاخیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تاکہ نوافل پڑھنے کا زیادہ سے زیادہ موقع مل سکے، اور خوب نوافل پڑھنے کی گنجائش رہے، لیکن یہ تاخیر عصر اس وقت تک مستحب ہے جب تک کہ آفتاب میں اس قدر تغیر نہ ہو کہ اس میں آنکھیں اس کی طرف کرنے سے چکاچوند نہ ہوں۔ اس باب میں اصح قول یہی ہے۔ اور صاحب ہدایہ نے اسی کی تصحیح کی ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ تغیر آفتاب کی حد یہ ہے کہ غروب ہونے میں صرف ایک نیزہ کے بقدر باقی رہ گیا ہو۔ اور بعض نے فرمایا کہ شعاع دیواروں پر بدل جائیں تو سمجھا جائے گا کہ سورج میں تغیر آگیا ہے۔ (شامی: ۲/۲۶)

اور عشاء کی نماز تہائی رات تک تاخیر کر کے پڑھنا افضل ہے۔ اور فتاویٰ تاتارخانیہ میں اس تاخیر کو موسم سرما کے ساتھ مقید کیا ہے اور گرمی کے موسم میں عشاء کی نماز جلدی ادا کرنا مستحب لکھا ہے، پس اگر عشاء کی نماز آدھی رات سے زیادہ دیر کر کے ادا کرے تو یہ مکروہ تحریمی ہے، اس لیے کہ اس قدر تاخیر کرنے میں جماعت کے اندر کمی ہوگی، ہاں آدھی رات تک مؤخر کرنا مباح ہے۔ اس لیے کہ مذہب کے سلسلے میں دلائل متعارض ہیں، لیکن علامہ شامی فرماتے ہیں کہ حلیہ میں خزانۃ الاکمل سے نقل کیا گیا ہے کہ عشاء کی نماز نصف شب تک مؤخر کرنا مستحب ہے اور دلائل کی روشنی میں یہی قول زیادہ اوجہ ہے اور اکثر اہل علم نے اسی کو اختیار فرمایا ہے، نیز صحابۂ کرام اور تابعین کی جماعت اسی کی قائل ہے۔ (شامی: ۲/۲۶)

عصر کو آفتاب زرد ہونے تک مؤخر کرنے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عصر کی نماز کو آفتاب کے زرد ہونے تک مؤخر کرنا مکروہ ہے۔ ہاں اگر کسی نے عصر

کی نماز سورج کے زرد ہونے سے پہلے شروع کی اور نماز اتنی لمبی کر دی کہ سورج زرد ہو گیا تو یہ صورت مکروہ نہیں ہے (اس لیے کہ نماز میں مشغول رہتے ہوئے کراہت سے بچنا مشکل ہے، اس لیے شریعت نے اس طرح کی کراہت کو معاف فرما دیا ہے۔

مغرب کی نماز بہت زیادہ ستاروں کے نمودار ہونے تک مؤخر کرنے کا حکم

مغرب کی نماز کو بکثرت ستاروں کے نکل آنے تک مؤخر کرے تو اس طرح کی تاخیر بھی مکروہ تحریمی ہے، لیکن اس وقت میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے، کیونکہ اس وقت نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، ہاں اگر مذکورہ بالا تاخیر (یعنی عشاء میں نصف شب سے زائد، عصر میں آفتاب کے زرد ہونے تک۔ اور مغرب میں ستاروں کے بکثرت ظہور تک مؤخر کرنا) سفر کے عذر کی وجہ سے ہو یا کھانا کھانے کے عذر کی وجہ سے ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اصل سنت یہ ہے کہ مغرب کی نماز سورج کے غروب ہو جانے کے بعد فوراً ادا کر لی جائے اور بکثرت ستاروں کے نکلنے تک مغرب کی نماز ادا کرنا مباح ہے، لہٰذا خواہ مخواہ بلا عذر مؤخر کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (شامی: ۲/۲۷)

اخیر رات میں وتر ادا کرنا افضل ہے

جو شخص اخیر رات میں اُٹھنے پر قادر ہو اور پورا یقین ہو کہ اخیر رات میں آنکھ کھل جائیگی تو اس کے لیے نماز وتر کو اخیر رات میں ادا کرنا افضل ہے۔ اور وتر کو اخیر رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔ اور جس شخص کو جاگنے پر اعتماد نہ ہو تو اس کے لیے سونے سے پہلے پہلے وتر پڑھ لینا افضل ہے، پس اگر کوئی شخص اوّل وقت میں وتر پڑھ کر سو گیا، پھر بیدار ہوا اور نوافل وغیرہ پڑھا تو اس میں کوئی بات نہیں ہے، البتہ افضل فوت ہو گیا ہے اس لیے کہ حدیث شریف میں اخیر رات میں وتر پڑھنے کی فضیلت آئی ہے۔

سردی کے موسم میں ظہر کو جلدی پڑھنا افضل ہے

سردی کے موسم میں ظہر کی نماز جلدی پڑھنا مستحب ہے۔ اور موسم ربیع موسم سردی کے ساتھ ہی ملا ہے، یعنی دونوں کا حکم ایک ہے، یعنی تعجیل ظہر جس طرح سردی کے موسم میں مستحب ہے موسم ربیع میں بھی تعجیل ظہر افضل اور مستحب ہے۔ اور موسم بت جھڑ موسم گرما کے ساتھ ملحق ہے اور بدلیوں کے دنوں میں عصر کی نماز اور عشاء کی نماز جلدی پڑھنا افضل ہے۔ اور مغرب کی نماز تو مطلقاً جلدی پڑھنا مستحب ہے، خواہ بدلی کے دن ہوں خواہ بدلی کے دن نہ ہوں۔ اس لیے کہ غروب آفتاب کے بعد دو رکعت کے برابر تاخیر کرنا صاف دنوں میں بھی مکروہ تنزیہی ہے۔ اور نماز عصر و عشاء کے علاوہ بدلی کے دنوں میں تاخیر کرنا افضل ہے اور یہ حکم ان ملکوں کے واسطے ہے جہاں سخت کڑاکے کی سردی پڑتی ہے اور بدلی کی وجہ سے اوقات کی رعایت کا اہتمام نہیں ہو پاتا ہے لیکن ہمارے ملک میں حکم اوّل یعنی عصر و عشاء میں تاخیر اور سردی کے دنوں میں ظہر میں تعجیل پر عمل ہوتا ہے اور تعجیل و تاخیر کے اعتبار سے اذان کا حکم نماز کی طرح ہے۔

مسئلہ: علامہ شامیؒ اس جگہ ایک مسئلہ بیان کرتے ہیں کہ نماز کی صحت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ نماز کے وقت ہو جانے پر کامل یقین ہو اس لیے کہ اگر دخولِ وقت کے متعلق شک رہا اور نماز ادا کر لی تو نماز نہ ہوگی، خواہ وقت کے اندر کیوں نہ ادا کی ہو۔ اور دخولِ وقت پر کامل یقین کرنے کے لیے ایک عادل شخص کی اذان کافی ہے اور دخولِ وقت معلوم کرنے کے لیے کوئی ذریعہ نہ ہو تو ایسی صورت میں تحری کرے اور غور و فکر کے بعد اپنے ظن غالب پر عمل کرے۔

دیانات میں ایک عادل شخص کی خبر معتبر ہے

حضرات فقہاء کرام نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ دیانات میں ایک عادل شخص کی خبر کافی ہے، جیسے سمت قبلہ، طہارت، نجاست، حلال اور حرام وغیرہ۔ ان میں ایک عادل شخص کی خبر معتبر ہے، خواہ وہ غلام ہو یا آزاد، مرد ہو یا عورت، یا ایسا شخص ہو جو تہمت لگانے کے جرم میں حد کھا چکا ہو۔ اور معین الحکام میں صراحت ہے کہ ایک اذان دینے والے کی اطلاع اوقات نماز کے سلسلے میں قابل اعتماد ہوگی، بشرطیکہ وہ شخص عاقل و بالغ اور اوقات نماز سے واقف ہو، البتہ قہستانی میں ہے کہ روزے کے افطار میں ایک شخص کی خبر معتبر نہ ہوگی بلکہ دو آدمی کی خبر ضروری ہے لیکن بعض علماء نے فرمایا کہ اگر وہ خبر دینے والا شخص عادل ہو تو اس کی خبر بھی معتبر ہوگی اور اس کی خبر سے بھی افطار کرنا جائز ہوگا۔ (شامی: ۲/۳۰)

(وَكُرِهَ) تَحْرِيمًا، وَكُلُّ مَا لَا يَجُوزُ مَكْرُوهٌ (صَلَاةٌ) مُطْلَقًا (وَلَوْ) قَضَاءً أَوْ وَاجِبَةً أَوْ نَفْلًا أَوْ (عَلَى جِنَازَةٍ وَسَجْدَةَ تِلَاوَةٍ وَسَهْوٍ) لَا شُكْرٍ قُنْيَةٌ (مَعَ شُرُوقٍ) إلَّا الْعَوَامَّ فَلَا يُمْنَعُونَ مِنْ فِعْلِهَا؛ لِأَنَّهُمْ يَتْرُكُونَهَا، وَالْأَدَاءُ الْجَائِزُ عِنْدَ الْبَعْضِ أَوْلَى مِنَ التَّرْكِ كَمَا فِي الْقُنْيَةِ وَغَيْرِهَا (وَاسْتِوَاءٍ) إلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى قَوْلِ الثَّانِي الْمُصَحَّحِ الْمُعْتَمَدِ، كَذَا فِي الْأَشْبَاهِ. وَنَقَلَ الْحَلَبِيُّ عَنِ الْحَاوِي أَنَّ عَلَيْهِ الْفَتْوَى (وَغُرُوبٍ، إلَّا عَصْرَ يَوْمِهِ) فَلَا يُكْرَهُ فِعْلُهُ لِأَدَائِهِ كَمَا وَجَبَ بِخِلَافِ الْفَجْرِ، وَالْأَحَادِيثُ تَعَارَضَتْ فَتَسَاقَطَتْ كَمَا بَسَطَهُ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ. (وَيَنْعَقِدُ نَفْلٌ بِشُرُوعٍ فِيهَا) بِكَرَاهَةِ التَّحْرِيمِ (لَا) يَنْعَقِدُ (الْفَرْضُ) وَمَا هُوَ مُلْحَقٌ بِهِ كَوَاجِبٍ لِعَيْنِهِ كَوِتْرٍ (وَسَجْدَةِ تِلَاوَةٍ، وَصَلَاةِ جِنَازَةٍ تُلِيَتْ) الْآيَةُ (فِي كَامِلٍ وَحَضَرَتْ) الْجِنَازَةُ (قَبْلُ) لِوُجُوبِهِ كَامِلًا فَلَا يَتَأَدَّى نَاقِصًا، فَلَوْ وَجَبَتَا فِيهَا لَمْ يُكْرَهْ فِعْلُهُمَا: أَيْ تَحْرِيمًا. وَفِي التُّحْفَةِ: الْأَفْضَلُ أَنْ لَا تُؤَخَّرَ الْجِنَازَةُ. (وَصَحَّ) مَعَ الْكَرَاهَةِ (تَطَوُّعٌ بَدَأَ بِهِ فِيهَا وَنَذَرَ أَدَاءَ فِيهَا) وَقَدْ نَذَرَهُ فِيهَا (وَقَضَاءُ تَطَوُّعٍ بَدَأَ بِهِ فِيهَا فَأَفْسَدَهُ لِوُجُوبِهِ نَاقِصًا) ثُمَّ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ وُجُوبُ الْقَطْعِ وَالْقَضَاءِ فِي كَامِلٍ كَمَا فِي الْبَحْرِ. وَفِيهِ عَنِ الْبُغْيَةِ: الصَّلَاةُ فِيهَا عَلَى النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَفْضَلُ مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَكَأَنَّهُ لِأَنَّهَا مِنْ أَرْكَانِ الصَّلَاةِ، فَالْأَوْلَى تَرْكُ مَا كَانَ رُكْنًا لَهَا.

نماز کے اوقاتِ مکروہہ کا بیان

مذکورہ بالا عبارت میں حضرت علامہ حصکفیؒ ان اوقات کی تفصیل کو بیان فرمارہے ہیں جن میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، چناں چہ حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ آفتاب نکلتے ہی فوراً نماز پڑھنا مطلقاً مکروہ تحریمی ہے، خواہ وہ قضاء نماز ہو یا واجب نماز ہو، یا نفل نماز، یا نمازِ جنازہ ہو، سجدۂ تلاوت یا سجدۂ سہو، البتہ سجدۂ شکرادا کرنا طلوعِ آفتاب کے وقت مکروہ نہیں ہے، مگر عوام الناس کو اس وقت نماز پڑھنے سے روکا نہ جائے اس لیے کہ اگر ان کو روک دیا گیا تو نماز ہی چھوڑ دیں گے۔ اور قنیہ وغیرہ میں ہے کہ وہ نماز جس کا ادا کرنا بعض کے نزدیک جائز ہے اس کو چھوڑنے سے بہتر ادا کرنا ہے۔ اور حضرت علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ شئی جو ناجائز ہو اس کو مکروہ کہا جاتا ہے۔

استواءِ شمس کے وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے

جس طرح طلوعِ شمس کے وقت نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اسی طرح جب سورج بالکل سر پر آجائے جس کو استواء کہا جاتا ہے اس وقت بھی مطلقاً نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے تصحیح شدہ اور معتمد قول کے مطابق جمعہ کے روز اس وقت نفل پڑھنا مکروہ نہیں ہے، جیسا کہ یہ مسئلہ الاشباہ والنظائر میں ہے اور امام حلبی نے حاوی سے نقل فرمایا ہے کہ فتویٰ اسی قول پر ہے۔

قولہ استواء: علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ استواء کی تعبیر وقت الزوال کی تعبیر سے بہتر ہے اس لیے کہ زوال کے وقت نماز ادا کرنا بالاجماع مکروہ نہیں ہے اس لیے کہ زوال ہوتے ہی ظہر کا وقت داخل ہو جاتا ہے جیسا کہ یہ بات پہلے بھی گذر چکی ہے۔ (شامی: ۲/۳۱)

اور قنیہ میں ہے کہ حضرات علماءِ کرام کے درمیان زوال کے وقت نماز کے مکروہ ہونے میں اختلاف ہے، چناں چہ بعض علماء کا کہنا ہے کہ وقت مکروہ نصف النہار سے لے کر زوال تک ہے اور اس کی دلیل حضرت ابو سعید خدری کی حدیث ہے رسول اکرم ﷺ نے نصف النہار میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے۔ اس حدیث کو امام شافعیؒ نے اپنی مسند میں نقل فرمایا ہے۔ (شامی: ۲/۳۱)

سورج غروب ہونے کے وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ سورج کے غروب ہونے کے وقت نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے مگر اس دن کی عصر کی نماز اس وقت ادا کرنا مکروہ تحریمی نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس دن کی عصر کی نماز جس طرح ذمہ میں ناقص واجب ہوئی اسی طرح ناقص ادا بھی ہوئی۔ بخلاف نمازِ فجر کے، اس کا تمام وقت کامل ہے، لہٰذا اس کی ادائیگی بھی وقت کامل میں ہونی چاہئے۔ اور اس مسئلے میں احادیث باہم متعارض ہیں، لہٰذا وہ تمام احادیث ساقط قرار پائیں گی، جیسا کہ صدر الشریعہ نے تفصیل کے ساتھ اس کو بیان فرمایا ہے۔

مذکورہ بالا تینوں اوقات میں ہر قسم کی نماز ادا کرنی مکروہ تحریمی ہے، حتیٰ کہ نمازِ جنازہ، سجدۂ تلاوت، سجدۂ سہو اور نوافل بھی مکروہ

تحریمی ہے۔ ہاں ان اوقات مکروہہ میں سجدۂ شکر ادا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اسی طرح جمعہ کے دن زوال کے وقت حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک نفل پڑھنے کی اجازت ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت اما شافعیؒ نے اپنی مسند میں نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے مگر جمعہ کے دن۔ اس حدیث کے متعلق حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ اس کی سند میں انقطاع ہے۔ (شامی: ۲/۳۱)

قولہ بخلاف الفجر الخ: اس عبارت کے ذریعہ حضرت علامہ حصکفیؒ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ غروب آفتاب کے وقت اس دن کی عصر کی نماز مکروہ تحریمی نہیں ہے؛ بلکہ غروب کے وقت اگر کوئی شخص اس دن کی عصر ادا کرے تو جائز ہے لیکن کوئی شخص طلوع آفتاب کے وقت اس دن کی فجر ادا کرے اور نماز فجر ادا کرتے ہوئے سورج طلوع ہو جائے تو فجر کی نماز ادا نہ ہوگی اس لیے کہ فجر کا سارا وقت کامل ہے، لہٰذا ذمہ میں کامل واجب ہوگی لہٰذا اس کو وقت ناقص میں ادا کرنے سے ادا نہ ہوگی۔ (شامی: ۲/ ۳۳)

ایک اعتراض اور اس کا جواب

یہاں صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیم المصریؒ نے ایک اعتراض پیش کر کے اس کا جواب دیا ہے۔ اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ محدثین کی ایک جماعت نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مَن أدرکَ رکعةً مِن العصرِ قبل أن تغربَ الشمسُ فقد أدرکھا۔ جس نے سورج کے غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی اس نے عصر پالیا۔ ومَن أدرکَ رکعةً من الصبح قبلَ أن تطلُعَ الشمسُ فقد أدرکَ الصُبح۔ جس کسی نے طلوع آفتاب سے قبل ایک رکعت پالی اس نے فجر کی نماز پالی۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ عصر اور فجر دونوں کا حکم یکساں ہے۔ اور جس طرح عصر کی ایک رکعت پانے والا، عصر پانے والا ہوتا ہے اسی طرح فجر کا حکم بھی ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ فجر کی ایک رکعت پڑھنے کے بعد اگر سورج طلوع ہو گیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ یہ تو حدیث شریف کے صراحتاً خلاف معلوم ہوتا ہے؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جب اس حدیث شریف میں اور اس حدیث میں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین وقت میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے تعارض پیدا ہو گیا تو ہم نے قیاس کی جانب رُخ کیا جیسا کہ تعارض کے وقت حکم ہے چناں چہ ہم نے اس حدیث کو ترجیح دی ہے عصر کے متعلق، اور نہی والی حدیث کو فجر کی نماز میں ترجیح دی ہے۔ اور بعض نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث درحقیقت اس کے بارے میں ہے جو ایسے وقت میں بالغ ہو، یا اسلام قبول کیا، یا حیض ونفاس سے پاک ہوئی جب ایک رکعت عصر پڑھنے کا یا ایک رکعت فجر پڑھنے کا وقت باقی تھا تو اس پر اس وقت کی نماز واجب ہو جائے گی۔ (شامی: ۲/ ۳۳)

اوقاتِ مکروہہ میں نماز شروع کر دے تو کیا حکم ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان تین اوقات مکروہہ میں نفل نماز شروع کر دے تو کراہت تحریمی

کے ساتھ نماز منعقد ہو جاتی ہے، لہٰذا اگر ان اوقات میں کسی نے نفل شروع کر دی ہے تو اس کو توڑ ڈالنا اور بعد میں اسکی قضاء کرنا لازم ہے جب وقت کامل آجائے۔

اوقاتِ مکروہہ کی قسمیں

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اوقاتِ مکروہہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) طلوعِ شمس، استواءِ شمس۔ (۲) غروبِ شمس۔ فجر کی نماز اور طلوعِ آفتاب کے مابین کا وقت، عصر کی نماز کے بعد سورج کے زرد ہونے تک کا وقت، پس وقت مکروہ کی پہلی قسم میں کسی طرح کی نماز بھی جائز نہیں ہے اور اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور یہ وقت آجائے تو نماز باطل ہو جائے گی۔ ہاں اگر جنازہ حاضر ہو، یا اسی دن کی عصر کی نماز ہو، یا سجدۂ تلاوت ہو، جو اسی وقت پڑھی گئی ہو، یا نذر مقید ہو تو درست ہے۔ اور کراہت کی دوسرے اوقات میں ہر نماز منعقد ہو جائے گی اور کراہت بھی نہ ہوگی۔ البتہ نوافل اور واجب لغیرہ کراہت کے ساتھ منعقد ہوگی، لہٰذا اس کو اس وقت توڑ کر بعد میں قضاء کرنا جب مکروہ وقت نہ ہو تو واجب ہے۔ (شامی: ۲/۴۴)

اوقاتِ مکروہہ میں فرض شروع کر دے تو کیا حکم ہے؟

اگر کوئی شخص مذکورہ بالا اوقات مکروہہ میں فرض نماز شروع کر دے تو فرض نماز اور فرض نماز کے ساتھ جو نماز ملحق ہے جیسے واجب لعینہٖ مثلاً وتر، وہ سجدۂ تلاوت جو کامل وقت میں تلاوت کی گئی ہو، اور اس جنازہ کی نماز جو وقت مکروہ سے پہلے حاضر ہوا ہے، یہ نماز بھی وقت کامل میں واجب ہوئی ہے، لہٰذا ناقص وقت میں ادا نہ ہوگی۔ اور اگر یہ دونوں کی دونوں اسی وقت مکروہ میں واجب ہوئیں تو ان دونوں کو بجالانا مکروہ نہ ہوگا، یعنی مکروہ تحریمی نہ ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ سجدہ والی آیت وقت مکروہ میں تلاوت کی گئی یا جنازہ وقت مکروہ ہی میں حاضر ہوا تو وقت مکروہ میں سجدۂ تلاوت کرنا، اسی طرح مکروہ وقت میں جنازہ کی نماز پڑھنا بھی مکروہ نہ ہوگا۔ اور تحفہ میں ہے کہ جنازہ کی نماز کو ان اوقات مکروہہ کی جانب مؤخر نہ کیا جائے۔

نذر کی نماز اوقاتِ مکروہہ میں شروع کرے تو کیا حکم ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ نفل نمازیں جو ان ہی اوقات ثلاثہ مکروہہ میں شروع کی گئیں یا وہ نذر کی نماز جن کو ان ہی اوقات میں ادا کیا اور نذر بھی ان ہی اوقات کی تھی اور اس نفل نماز کی قضاء جن کو ان ہی اوقات میں شروع کر کے فاسد کر دیا تھا یہ ساری نمازیں کراہت کے ساتھ درست ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کا وجوب بھی ناقص ہوا تھا، لیکن اس باب میں ظاہر المراد یہ ہے کہ نماز قطع کر کے کامل وقت میں ادا کرنا واجب ہے جیسا کہ البحر الرائق میں ہے۔ اور البحر الرائق میں بغیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ان اوقات مکروہہ میں قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے سے افضل اور بہتر رسولِ اکرم ﷺ پر درود پڑھنا ہے، اور یہ اس وجہ سے ہے کہ تلاوت بھی نماز کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ پس افضل اور بہتر یہ ہے کہ جو بھی نماز کا رکن ہو ان کو ان اوقات میں ترک کر دینا ہی چاہئے۔

(وَكُرِهَ نَفْلٌ) قَصْدًا وَلَوْ تَحِيَّةَ مَسْجِدٍ (وَكُلُّ مَا كَانَ وَاجِبًا) لَا لِعَيْنِهِ بَلْ (لِغَيْرِهِ) وَهُوَ مَا يَتَوَقَّفُ وُجُوبُهُ عَلَى فِعْلِهِ (كَمَنْذُورٍ، وَرَكْعَتَيْ طَوَافٍ) وَسَجْدَتَيْ سَهْوٍ (وَالَّذِي شَرَعَ فِيهِ) فِي وَقْتٍ مُسْتَحَبٍّ أَوْ مَكْرُوهٍ (ثُمَّ أَفْسَدَهُ وَ) لَوْ سُنَّةَ الْفَجْرِ (بَعْدَ صَلَاةِ فَجْرٍ وَ) صَلَاةِ (عَصْرٍ) وَلَوْ الْمَجْمُوعَةَ بِعَرَفَةَ (لَا) يُكْرَهُ (قَضَاءُ فَائِتَةٍ وَ) لَوْ وِتْرًا أَوْ (سَجْدَةُ تِلَاوَةٍ وَصَلَاةُ جِنَازَةٍ وَكَذَا) الْحُكْمُ مِنْ كَرَاهَةِ نَفْلٍ وَوَاجِبٍ لِغَيْرِهِ لَا فَرْضٍ وَوَاجِبٍ لِعَيْنِهِ (بَعْدَ طُلُوعِ فَجْرٍ سِوَى سُنَّتِهِ) لِشُغْلِ الْوَقْتِ بِهِ تَقْدِيرًا، حَتَّى لَوْ نَوَى تَطَوُّعًا كَانَ سُنَّةَ الْفَجْرِ بِلَا تَعْيِينٍ (وَقَبْلَ) صَلَاةِ (مَغْرِبٍ) لِكَرَاهَةِ تَأْخِيرِهِ إِلَّا يَسِيرًا (وَعِنْدَ خُرُوجِ إِمَامٍ) مِنَ الْحُجْرَةِ أَوْ قِيَامِهِ لِلصُّعُودِ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حُجْرَةٌ (لِخُطْبَةٍ) مَا وَسَيَجِيءُ أَنَّهَا عَشْرٌ (إِلَى تَمَامِ صَلَاتِهِ) بِخِلَافِ فَائِتَةٍ فَإِنَّهَا لَا تُكْرَهُ، وَقَيَّدَهَا الْمُصَنِّفُ فِي الْجُمُعَةِ بِوَاجِبَةِ التَّرْتِيبِ وَإِلَّا فَيُكْرَهُ، وَبِهِ يَحْصُلُ التَّوْفِيقُ بَيْنَ كَلَامَيِ النِّهَايَةِ وَالصَّدْرِ (وَكَذَا يُكْرَهُ تَطَوُّعٌ عِنْدَ إِقَامَةِ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ) أَيْ إِقَامَةِ إِمَامِ مَذْهَبِهِ لِحَدِيثِ «إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ» (إِلَّا سُنَّةَ فَجْرٍ إِنْ لَمْ يَخَفْ فَوْتَ جَمَاعَتِهَا) وَلَوْ بِإِدْرَاكِ تَشَهُّدِهَا، فَإِنْ خَافَ تَرَكَهَا أَصْلًا، وَمَا ذُكِرَ مِنَ الْحِيَلِ مَرْدُودٌ، وَكَذَا يُكْرَهُ غَيْرُ الْمَكْتُوبَةِ عِنْدَ ضِيقِ الْوَقْتِ (وَقَبْلَ صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ مُطْلَقًا، وَبَعْدَهَا بِمَسْجِدٍ لَا بِبَيْتٍ) فِي الْأَصَحِّ (وَبَيْنَ صَلَاتَيِ الْجَمْعِ بِعَرَفَةَ وَمُزْدَلِفَةَ) وَكَذَا بَعْدَهُمَا كَمَا مَرَّ (وَعِنْدَ مُدَافَعَةِ الْأَخْبَثَيْنِ) أَوْ أَحَدِهِمَا أَوِ الرِّيحِ وَوَقْتَ حُضُورِ طَعَامٍ تَاقَتْ نَفْسُهُ إِلَيْهِ، (وَ) كَذَا كُلُّ (مَا يَشْغَلُ بَالَهُ عَنْ أَفْعَالِهَا وَيُخِلُّ بِخُشُوعِهَا) كَائِنًا مَا كَانَ. فَهَذِهِ نَيِّفٌ وَثَلَاثُونَ وَقْتًا،

فجر اور عصر کی نمازوں کے بعد نفل کا حکم

ترجمہ وتشریح حضرت مصنف علیہ الرحمہ اس عبارت میں یہ حکم بیان فرمارہے ہیں کہ فجر اور عصر کی فرض نمازوں کے بعد جان بوجھ کر نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے خواہ وہ نماز تحیۃ المسجد ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح اس واجب کا پڑھنا بھی مکروہ ہے جو واجب لغیرہ ہو واجب لعینہ نہ ہو۔ اور واجب لغیرہ وہ نماز ہے جس کا وجوب اس کے فعل پر موقوف ہو، جیسے نذر کی نماز اور طواف کی دو رکعتیں اور سہو کے دو سجدے، اسی طرح وہ نماز بھی مکروہ ہے جس کو کسی نے مستحب وقت میں یا مکروہ وقت میں شروع کر کے فاسد کر دیا ہو، اگرچہ وہ فجر کی سنت ہی کیوں نہ ہو، جس طرح فجر اور عصر کی فرض نمازوں کے بعد نفل وغیرہ مکروہ ہے اسی طرح یہ نفل نماز اس عصر کے بعد بھی مکروہ ہے جو عصر عرفات میں ظہر کے ساتھ جمع کی گئی ہو۔

عصر اور فجر کی فرض نماز کے بعد قضاء نماز پڑھنے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عصر اور فجر کی فرض نماز کے بعد قضاء نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے جو چھوٹ گئی ہو، خواہ وہ فوت شدہ نماز وتر ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح ان دونوں نمازوں کے بعد سجدۂ تلاوت ادا کرنا اور جنازے کی نماز ادا کرنا مکروہ نہیں ہے۔

صبح صادق کے طلوع کے بعد فجر کی سنت کے علاوہ نفل مکروہ ہے

فجر کے طلوع ہو جانے کے بعد فجر کی دو رکعت سنت کے علاوہ دوسری کسی نفل نماز یا واجب لغیرہ نماز اس وقت میں پڑھنا مکروہ ہے، البتہ اس وقت کسی فرض کا ادا کرنا، اسی طرح کسی واجب لعینہ کا ادا کرنا مکروہ نہیں ہے اس لیے کہ شارع علیہ السلام نے تقدیری طور پر فجر کے وقت کو فجر کے ساتھ مشغول کر رکھا ہے یعنی فجر کی دو رکعت سنت کے علاوہ کسی بھی نفل واجب لغیرہ کی گنجائش نہیں رکھی ہے یہاں تک کہ اگر طلوع فجر کے بعد کسی بھی نفل نماز کی نیت کی تو وہ نفل نماز تعیین کے بغیر فجر کی سنت ہی قرار پائے گی۔

مغرب کی فرض نماز سے پہلے نوافل پڑھنے کا حکم

اسی طرح وہ نمازیں جو نفل اور واجب لغیرہ کے قبیل سے ہیں مغرب کی فرض نماز ادا کرنے سے پہلے پڑھنا مکروہ ہے، اس لیے کہ اس صورت میں مغرب کی فرض نماز کی تاخیر لازم آئے گی۔ ہاں اگر تھوڑی سی تاخیر ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ اس کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اگر دو رکعت کی ادائیگی کے بقدر سے کم وقت تاخیر کی جائے تو مکروہ نہیں ہے اور اس سے زیادہ کی تاخیر مکروہ تنزیہی ہے بشرطیکہ ستارے بکثرت نہ نکل آئیں۔ (شامی: ۲/۲۸)

مسئلہ: مغرب کی فرض نماز کی ادائیگی سے قبل چھوٹی نماز کی قضاء کرنا، جنازے کی نماز ادا کرنا، اور سجدۂ تلاوت کرنا بلا کسی کراہت کے جائز ہے، سب سے پہلے مغرب کی نماز ادا کرے اس کے بعد جنازے کی نماز ادا کرے اس کے بعد سنت ادا کرے اور اس ترتیب سے ادا کرنا افضل ہے۔ لیکن حلیہ میں مذکور ہے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ نمازِ جنازہ کو جمعہ کی سنت سے مؤخر کیا جائے گا اسی وجہ سے مغرب کی سنت سے بھی مؤخر کیا جائے گا اس لیے کہ سنت جمعہ و مغرب زیادہ مؤکد ہے۔ (شامی: ۲/۳۸)

جب امام خطبہ کے لیے کمرہ سے باہر نکلے اس وقت نوافل کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب امام خطبہ دینے کے لیے حجرہ سے باہر نکلے اور اگر حجرہ نہ ہو تو جب امام منبر پر چڑھنے کے لیے اپنی جگہ سے اُٹھے تو اس وقت کسی بھی نفل یا واجب لغیرہ کو پڑھنا اس وقت تک مکروہ ہے جب تک امام فرض نماز جمعہ سے فارغ نہ ہو جائے۔ اور باب العیدین میں عنقریب یہ بات آنے والی ہے۔ خطبات کل دس مشروع ہیں۔ ہاں فوت شدہ نمازوں کی قضاء خطبہ کے وقت مکروہ نہیں ہے۔ اور حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے باب الجمعہ میں یہ قید لگائی ہے کہ اگر فوت شدہ نماز واجب الترتیب ہے تب اس کی قضاء خطبہ کے وقت مکروہ نہیں ہے اور اگر واجب الترتیب نہیں ہے تو فوت شدہ نمازوں کی قضاء بھی

مکروہ ہے۔ اور واجب الترتیب کی اس قید کی وجہ سے نہایہ اور صدر الشریعہ کے قول میں تطبیق ہو جاتی ہے (اس لیے کہ صاحب نہایہ تحریر فرماتے ہیں کہ خطبہ کے وقت فوت شدہ نماز کی ادائیگی مکروہ نہیں ہے اور صدر الشریعہ شرح وقایہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ خطبہ کے وقت فوت شدہ نماز بھی مکروہ ہے۔ اب دونوں قول کے درمیان تطبیق کی شکل یہ ہوگی کہ صاحب النہایہ کا قول واجب الترتیب پر محمول کیا جائے اور صدر الشریعہ کا قول غیر لازم الترتیب پر محمول کیا جائے، پھر دونوں کے درمیان کوئی تعارض نہ ہوگا۔ (شامی: ۲/ ۳۹)

اسلام کے دس خطبات جو فی الجملہ مشروع ہیں

حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ کل خطبات جو اسلام میں مشروع ہیں وہ دس ہیں ہم افادۂ عام کے پیش نظر یہاں ان دس خطبوں کی نشاندہی کرتے ہیں:

۱- جمعہ کی نماز سے پہلے دو خطبہ دینا۔
۲- عید الفطر کی نماز کے بعد دو خطبے دینا۔
۳- عید الاضحی کی نماز کے بعد دو خطبے دینا۔
۴- حج کے موسم میں عرفات کے میدان میں امام کا خطبہ دینا۔
۵- ساتویں ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ میں ایک خطبہ دینا۔
۶- دسویں ذی الحجہ کو احکام کی تعلیم کا خطبہ دینا۔
۷- ختم قرآن کے موقعہ پر لوگوں کے سامنے خطبہ دینا۔
۸- نکاح کے وقت خطبہ دینا مسنون ہے۔
۹- نماز استسقاء کے موقعہ پر امام کے لیے خطبہ دینا مسنون ہے (یہ حضرات صاحبین کے نزدیک ہے)۔
۱۰- جب سورج گرہن لگے اور نماز ادا کی جائے تو اس وقت بھی خطبہ مسنون ہے (یہ حضرت امام شافعیؒ کا مذہب ہے)۔

یہ کل دس خطبات ہیں جو فی نفسہ مشروع اور جائز ہیں۔ خطبہ سننا چونکہ واجب ہے اس لیے خطبہ کے وقت کسی طرح کی کوئی بھی نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔ (شامی: ۲/ ۳۹)

اقامت جب شروع ہو جائے اس وقت نفل پڑھنے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب فرض کے لیے اقامت شروع ہو جائے تو اس وقت نفل و سنت پڑھنا مکروہ ہے۔ اور اس اقامت سے مراد یہاں اپنے ہم مذہب امام کی جماعت ہے اور فرض کی جب اقامت شروع ہو جائے اس وقت نفل کے مکروہ ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں تصریح ہے کہ جب فرض نماز کے لیے اقامت کہی جائے تو فرض کے علاوہ کوئی نماز جائز نہیں ہے، یعنی نوافل وغیرہ ادا کرنا مکروہ ہے، ایسے وقت میں فرض نماز میں شرکت لازم ہے۔

اقامت کے وقت فجر کی سنت پڑھنے کی اجازت

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ فرض کی اقامت شروع ہو جانے کے بعد کوئی نفل نماز شروع کرنا جائز نہیں ہے، البتہ صرف فجر کی سنت کی اجازت ہے، یعنی اقامت کے بعد بھی فجر کی سنت پڑھنا جائز ہے، بشرطیکہ جماعت فوت ہونے کا خطرہ

نہ ہو، گو وہ تشہد ہی پالے (لیکن راجح قول یہ ہے کہ ایک رکعت ملنے کی امید ہو تب فجر کی سنت میں مشغول ہونا جائز ہے ورنہ نہیں) پس اگر جماعت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں فجر کی سنت کو بالکلیہ طور پر چھوڑ دے اور جماعت میں شریک ہو جائے، پھر اس سنت کی قضاء اس کے ذمہ میں نہ طلوع سے پہلے ہے اور نہ طلوع آفتاب کے بعد ہے اس لیے کہ سنت کی قضاء تنہا نہیں ہوتی ہے بلکہ فرض کے تابع بنا کر ہوتی ہے۔ (شامی: ۲/ ۴۰)

اور فجر کی سنت کے متعلق جو حیلے مذکور ہیں وہ مردود ہیں مقبول نہیں۔ حیلہ یہ ہے کہ سنت کو شروع کر کے نیت کو توڑ دے تاکہ وہ اس طرح سے ذمہ میں واجب ہو جائے، پھر وہ اس سنت کو طلوع آفتاب سے قبل قضاء کرلے۔ دوسرا حیلہ یہ ہے کہ سنت فجر شروع کردے اور نیت توڑ دے بغیر فرض نماز شروع کردے اور طلوع آفتاب کے بعد سنت کی قضاء کرلے۔ یہ دونوں حیلے مردود ہیں اس لیے کہ کسی بھی نماز کو اس لیے شروع کرنا کہ اس کو توڑ دینا ہے فعل ممنوع ہے، نیز دوسری صورت میں واجب لغیرہ فجر کے وقت میں ادا کرنا لازم آئے گا اور وہ مکروہ ہے جیسا کہ اس سے پہلے بھی یہ بات گذر چکی ہے۔ (شامی: ۲/ ۴۰)

مستحب وقت کی تنگی کے وقت نفل نماز کا حکم

جب نماز پنج گانہ کا مستحب وقت تنگ ہو جائے تو اس وقت فرض نماز کے علاوہ کسی نفل، سنت، واجب اور فوت شدہ نماز کی قضاء پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ وقت مستحب کی تنگی کی وجہ سے بھی ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔ اگر حضرت مصنف علیہ الرحمہ غیر المکتوبۃ کے بجائے غیر الوقتیۃ کہتے یعنی مستحب وقت کے تنگ ہو جانے کے وقت وقتیہ کے علاوہ ادا کرنا مکروہ ہے تو زیادہ بہتر تھا۔ (شامی: ۲/ ۴۰)

عیدین کی نماز سے پہلے اور بعد میں نفل پڑھنے کا حکم

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے نفل پڑھنا مطلقاً مکروہ ہے خواہ گھر میں نفل ادا کی جائے یا عیدگاہ میں۔ اور عیدین کی نماز ہو جانے کے بعد عیدگاہ میں نفل پڑھنا مکروہ ہے، البتہ گھر میں عیدین کی نماز کے بعد نفل ادا کر سکتے ہیں یہ مکروہ نہیں ہے اس مسئلہ میں اصح ترین قول یہی ہے۔

قولہ فی الأصح: اس سے حضرت شارح علیہ الرحمہ نے ان لوگوں پر رد فرمایا ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ گھر میں نفل ادا کرنا علی الاطلاق مکروہ نہیں ہے، خواہ عیدین کی نماز سے پہلے ہو یا بعد میں۔ اسی طرح فی الاصح سے ان لوگوں کی بھی تردید فرمائی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عیدین کی نماز ہو جانے کے بعد مطلقاً نفل مکروہ نہیں ہے خواہ مسجد میں ہو خواہ گھر میں ہو خواہ عیدگاہ میں ہو۔ (شامی: ۲/ ۴۱)

عرفہ اور مزدلفہ میں جمع بین الصلوٰتین کے درمیان نفل کا حکم

عرفہ اور مزدلفہ میں جب دو وقت کی فرض نماز ایک ساتھ جمع کر کے ادا کرتے ہیں ان جمع ہونے والی نمازوں کے درمیان جو وقت ہے اس میں کسی بھی نفل کا پڑھنا مکروہ ہے۔ اسی طرح میدان میں جمع بین الصلوٰتین کے بعد بھی نفل پڑھنا مکروہ ہے جیسا کہ اس کی تفصیل اس

سے پہلے ولو المجموعۃ بعرفۃ کے تحت گذر چکی ہے،البتہ مزدلفہ میں جمع بین الصلوٰتین کے بعد نفل مکروہ نہیں ہے۔(شامی:۲/۴۱)

وہ اوقات جن میں نماز مکروہ ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس وقت پیشاب و پاخانہ یا ان دونوں میں سے ایک، یا ہوا کا دباؤ ہو اس وقت مطلقاً نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اور اس کھانے کے موجود ہو جانے کے بعد نماز مکروہ ہے جس کھانے کی طرف دل راغب ہو، اس طرح وہ تمام چیزیں ہیں جو نمازی کے دل کو نماز کی طرف سے مشغول رکھے اور نماز کے خشوع وخضوع میں دخل انداز ہو تو اس سے نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔ پس تیس سے کچھ اوپر اوقات ہیں جن میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔ علامہ شامیؒ نے ان اوقات کو شمار فرمایا ہے جو افادۂ عام کے لیے ذیل میں درج ہیں:

۱- طلوعِ آفتاب کے وقت نماز مکروہ ہے۔
۲- استواءِ شمس کے وقت بھی نماز مکروہ ہے۔
۳- غروبِ شمس کے وقت نماز مکروہ ہے۔
۴- فجر کی نماز کے بعد نفل نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔
۵- عصر کی نماز کے بعد بھی نفل نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔
۶- فجر کی نماز سے پہلے دو رکعت سنت کے علاوہ نفل ادا کرنا مکروہ ہے۔
۷- مغرب کی نماز سے قبل نفل مکروہ ہے۔
۸- ماسبق میں ذکر کردہ دسوں خطبوں کے وقت نفل ادا کرنا مکروہ ہے۔
۹- اقامت شروع ہو جانے کے بعد نفل وسنن شروع کرنا مکروہ ہے۔
۱۰- وقتِ مستحب کے تنگ ہونے کے وقت بھی سنن ونوافل شروع کرنا مکروہ ہے۔
۱۱- عید الفطر کی نماز سے پہلے اور اس کے بعد مسجد اور عیدگاہ میں نفل پڑھنا مکروہ ہے۔
۱۲- عید الاضحیٰ کی نماز ادا ہونے سے پہلے نفل پڑھنا مکروہ ہے۔
۱۳- عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد عیدگاہ اور مسجد میں نفل نماز شروع کرنا مکروہ ہے۔
۱۴- میدانِ عرفہ میں جمع بین الصلوٰتین کے درمیان نفل پڑھنا مکروہ ہے۔
۱۵- مزدلفہ میں جمع بین الصلوٰتین کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے۔
۱۶- پاخانہ کی ضرورت محسوس ہو تو اس وقت نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔
۱۷- پیشاب کی ضرورت محسوس ہو تو اس وقت مطلقاً نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔

۱۸- یا خروجِ ریح کی ضرورت ہو اور اس کو زبردستی روک کر نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔
۱۹- کھانا موجود ہو اور دل اس کی جانب راغب ہو تو نماز مکروہ ہے۔
۲۰- اس چیز کی موجودگی کے وقت نماز ممنوع ہے جو خشوع وخضوع کے لیے مانع ہو۔
۲۱- آدھی رات کے بعد عشاء کی نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔
۲۲- بکثرت ستاروں کے نکلنے کے بعد مغرب کی نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔ (شامی: ۲/۴۱)

وَكَذَا تُكْرَهُ فِي أَمَاكِنَ كَفَوْقِ كَعْبَةٍ وَفِي طَرِيقٍ وَمَزْبَلَةٍ وَمَجْزَرَةٍ وَمَقْبَرَةٍ وَمُغْتَسَلٍ وَحَمَّامٍ وَبَطْنِ وَادٍ وَمَعَاطِنِ إِبِلٍ وَغَنَمٍ وَبَقَرٍ. زَادَ فِي الْكَافِي: وَمَرَابِطِ دَوَابَّ وَإِصْطَبْلٍ وَطَاحُونٍ وَكَنِيفٍ وَسُطُوحِهَا وَمَسِيلِ وَادٍ وَأَرْضٍ مَغْصُوبَةٍ أَوْ لِلْغَيْرِ لَوْ مَزْرُوعَةً أَوْ مَكْرُوبَةً وَصَحْرَاءَ فَلَا سُتْرَةَ لِمَارٍّ. وَيُكْرَهُ النَّوْمُ قَبْلَ الْعِشَاءِ وَالْكَلَامُ الْمُبَاحُ بَعْدَهَا وَبَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ إِلَى أَدَائِهِ، ثُمَّ لَا بَأْسَ بِمَشْيِهِ لِحَاجَتِهِ، وَقِيلَ يُكْرَهُ إِلَى طُلُوعِ ذُكَاءَ، وَقِيلَ إِلَى ارْتِفَاعِهَا قَيْضٌ. (وَلَا جَمْعَ بَيْنَ فَرْضَيْنِ فِي وَقْتٍ بِعُذْرٍ) سَفَرٍ وَمَطَرٍ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ، وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى الْجَمْعِ فِعْلًا لَا وَقْتًا (فَإِنْ جَمَعَ فَسَدَ لَوْ قَدَّمَ) الْفَرْضَ عَلَى وَقْتِهِ (وَحَرُمَ لَوْ عَكَسَ) أَيْ أَخَّرَهُ عَنْهُ (وَإِنْ صَحَّ) بِطَرِيقِ الْقَضَاءِ (إِلَّا لِحَاجٍّ بِعَرَفَةَ وَمُزْدَلِفَةَ) كَمَا سَيَجِيءُ. وَلَا بَأْسَ بِالتَّقْلِيدِ عِنْدَ الضَّرُورَةِ لَكِنْ بِشَرْطِ أَنْ يَلْتَزِمَ جَمِيعَ مَا يُوجِبُهُ ذَلِكَ الْإِمَامُ لِمَا قَدَّمْنَا أَنَّ الْحُكْمَ الْمُلَفَّقَ بَاطِلٌ بِالْإِجْمَاعِ.

وہ مقامات جہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے

ترجمہ وتشریح مذکورہ عبارت سے حضرت علامہ حصکفیؒ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ چند مقامات ایسے ہیں جہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے اور وہ مقامات تقریباً انیس ہیں۔

۱- کعبہ کے اوپر نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس لیے کہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنے سے ترکِ تعظیم لازم آتی ہے، حالانکہ شعائر اللہ کی تعظیم واجب ہے۔

۲- بیچ راستہ میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے، اس لیے کہ اس سے آنے جانے والوں کو شدید تکلیف ہوگی، نیز راستہ میں نماز پڑھنے سے دل جمعی اور یکسوئی بھی حاصل نہ ہوگی، بلکہ اِدھر اُدھر خیالات بھٹک جائیں گے۔

۳- جہاں کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا ہے اس جگہ نماز مکروہ ہے۔

۴- مذبح میں جہاں جانور ذبح کیے جاتے ہوں وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

۵- مقبرہ یعنی قبرستان میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے، اس لیے کہ اس میں یہودیوں کے ساتھ مشابہت ہے۔ ہاں اگر قبرستان میں نماز کے لیے کوئی خاص جگہ متعین کر دی گئی جہاں قبر نہیں ہے اور نہ وہ جگہ ناپاک ہے تو پھر وہاں نماز ادا کرنے میں شرعی اعتبار سے کوئی قباحت نہیں ہے۔

۶- غسل خانہ میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے، اس لیے کہ غسل خانہ میں عام طور پر گندگی ہوتی ہے۔

۷- حمام میں نماز ادا کرنا بھی مکروہ ہے۔ حمام وہ جگہ ہے جہاں غسل کا پانی جمع ہوتا ہو، یا پھر حمام وہ جگہ ہے جہاں شیطان رہتا ہے اور اس جگہ کو پسند کرتا ہے۔

۸- نالے کے اندر نماز ادا کرنا بھی مکروہ ہے، اس لیے کہ اس میں نجاست وغیرہ پڑنے کا اندیشہ ہے۔

۹- اونٹ، بھیڑ، بیل کے باندھنے کی جگہ میں نماز ادا کرنا بھی مکروہ ہے۔ البتہ بکری باندھنے کی جگہ میں نماز ادا کرنا مکروہ نہیں ہے، بشرطیکہ نجاست سے دور ہو۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: صلّوا في مرابض الغنم ولا تصلّوا في أعطان الإبل۔ بکریوں کے باندھنے کی جگہ نماز پڑھو اور اونٹ باندھنے کی جگہ نماز ادا مت کرو۔ نیز رسول اللہ ﷺ سے صحابہ کرامؓ نے مبارک الابل - اونٹ باندھنے کی جگہ نماز پڑھنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا: اونٹ باندھنے کی جگہ نماز ادا مت کرو اس لیے کہ اس میں شیطان کی خاصیت ہے اور بکریوں کے باندھنے کی جگہ نماز پڑھنے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس میں نماز ادا کر سکتے ہو، اس لیے کہ بکری مسکین اور بابرکت جانور ہے۔ (شامی: ۲/ ۴۳)

۱۰- اور کافی نامی کتاب میں ان جگہوں کا اضافہ اور فرمایا ہے، چوپایوں کے باندھنے کی جگہ بھی نماز مکروہ ہے۔

۱۱- گھوڑوں کے باندھنے کی جگہ اصطبل میں بھی نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔ مرابط دواب کے بعد اصطبل کو ذکر کرنا عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے۔

۱۲- طاحون - چکی کے پاس نماز ادا کرنا مکروہ ہے، شاید اس کی علت یہ ہے کہ اس کی آواز سے نماز کے خشوع وخضوع میں خلل واقع ہوگا اور دل اِدھر اُدھر بھٹک جائے گا۔

۱۳- پاخانوں میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے اس لیے کہ وہ گندگی کی جگہ ہے۔

۱۴- پاخانوں کی چھتوں پر بھی نماز ادا کرنا مکروہ ہے، نیز اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ مرابط دواب، اصطبل، طاحون اور بیت الخلاء چاروں کی طرف ضمیر راجع ہو، اور مطلب یہ ہو کہ ان چاروں کی چھتوں پر نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔

۱۵- اور نالے بہنے کی جگہ نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔

۱۶- غصب کی ہوئی زمین میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔ یہاں حضرت شارح علیہ الرحمہ نے للغیر کا اضافہ فرمایا ہے اس کی ضرورت نہیں تھی اس لیے کہ غصب خود اس کو مستلزم ہے۔ ہاں اگر یہ مراد ہو کہ دوسرے کی اجازت کے بغیر نماز ادا کرنا مکروہ ہے

اگر چہ وہ غاصب نہ ہو تو اس صورت میں للغیر کا اضافہ درست ہو سکتا ہے۔

۱۷- اور دوسرے کی زمین جو بوئی ہوئی ہو اس میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔

۱۸- دوسرے کی زمین جو جوتی ہوئی ہو اس میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔

۱۹- اور جنگل میں بلاسترہ کے نماز ادا کرنا مکروہ ہے، یعنی گذرنے والوں کے لیے کوئی سترہ نہ گاڑنا۔

عشاء کی نماز سے پہلے سونے اور عشاء کے بعد کلام کرنے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عشاء کی نماز سے پہلے سونا مکروہ ہے۔ اور عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد مباح بات چیت، اسی طرح فجر کے طلوع ہونے کے بعد فجر کی نماز ادا کرنے سے پہلے بات چیت کرنا مکروہ ہے، خواہ مباح گفتگو کیوں نہ ہو، البتہ نماز سے فراغت کے بعد اپنی ضروریات کے پیش نظر چلنا پھرنا جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور بعض علماءِ کرام نے فرمایا کہ فجر صادق کے طلوع ہونے کے بعد سے طلوعِ آفتاب تک اور بعض نے کہا آفتاب بلند ہونے تک بے فائدہ بات چیت کرنا مکروہ ہے یہ مسئلہ فیض نامی کتاب میں مذکور ہے۔

کلام مباح سے مراد ایسی گفتگو ہے جو فی نفسہٖ جائز ہو مگر اس کی ضرورت نہ ہو، باقی ضرورت کے پیش نظر بات چیت کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے، فجر کی سنت کے بعد گفتگو کرنے سے سنت باطل نہیں ہوتی ہے البتہ ثواب کے اندر کمی آجاتی ہے۔

سفر اور بارش وغیرہ عذر کی وجہ سے دو فرضوں کو ایک وقت میں جمع کرنے کا حکم شرعی

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ سفر اور بارش کے عذر کی وجہ سے دو فرض نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ سفر اور بارش کی وجہ سے دو فرضوں کو ایک وقت میں جمع کرنا جائز ہے۔ اور اس بارے میں ان کی دلیل حضرت انسؓ کی حدیث ہے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب جلدی سفر در پیش ہوتا تھا تو آپ ظہر کو عصر تک مؤخر کرتے اور دونوں کو ایک ساتھ جمع فرما لیتے تھے اسی طرح مغرب کو عشاء تک مؤخر کرتے تھے اور دونوں کو ایک ساتھ جمع فرما لیا کرتے تھے، اس کے علاوہ بھی دوسری حدیثیں حضرت امام شافعیؒ پیش کرتے ہیں۔

علماءِ احناف کی طرف سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ نے دو فرضوں کو ایک وقت میں جمع کرنے کی جو حدیث بیان فرمائی ہے وہ جمع فعلی پر محمول ہے، جمع وقتی پر محمول نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ایک نماز کو اس کے اخیر وقت میں ادا فرمایا اور دوسری نماز کو اس کے اوّل وقت میں ادا فرمایا جو دیکھنے کے اعتبار سے بظاہر جمع ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت پر ادا ہوئی ہیں، لہٰذا ایسا نہیں ہے کہ آپ نے ایک نماز کے وقت میں دو نمازیں ادا فرمائی ہیں، بلکہ دونوں اپنے اپنے وقت میں ادا فرمائی ہیں۔ ایک نماز کے وقت میں دو فرض نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے، اس کی دلیل وہ حدیث ہے

جو بخاری و مسلم شریف میں ہے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ قسم اس ذات کی جس کے سواء کوئی معبود برحق نہیں، رسولِ اکرم ﷺ نے کوئی بھی نماز اس کے وقت کے علاوہ میں نہیں ادا فرمائی ہے، مگر صرف نمازیں ہیں جن کو آپ نے جمع کر کے پڑھا ہے، ایک آپ نے ظہر اور عصر کو عرفات میں جمع تقدیم فرمایا ہے اور دوسری مغرب اور عشاء کو مزدلفہ میں جمع تاخیر کر کے ادا فرمائی ہے۔

اگر جمع بین الصلوٰتین کرلی تو کیا حکم ہے؟

اگر کسی نے دو فرضوں کو ایک وقت میں جمع کرلیا تو ان میں وہ فرض باطل و فاسد ہو جائے گا جس کو اسکے وقت کی آمد سے پہلے ادا کیا ہے۔ اور اگر اس کے برعکس کیا، یعنی ایک کو اس کے وقت سے مؤخر کر کے ادا کیا تو یہ حرام ہے اس لیے کہ بلاوجہ مؤخر کرنا لازم آیا ہے۔ ہر نماز اپنے اپنے وقت ہی پر فرض ہے، گو کہ اس تاخیر سے وہ فرض بطور قضاء ادا ہو جائے گی۔

حجاج کرام کے لیے جمع بین الصلوٰتین کا حکم

البتہ حجاج کرام کے واسطے عرفہ اور مزدلفہ میں دو نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے جیسا کہ یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ کتاب الحج میں آئے گا۔ عرفہ میں جو دو نمازوں (ظہر، عصر) کو جمع کیا جاتا ہے اس کو جمع تقدیم کہتے ہیں اور اس نماز کے جمع کی صحت کے لیے شرط یہ ہے کہ جمع کرنے والا شخص حالت احرام میں ہو اور امام نماز پڑھانے والا سلطان یا اس کا نائب ہو اور دونوں نماز جماعت کے ساتھ ادا کرے تو جمع درست ہے۔ مزدلفہ میں جو دو نمازوں کو جمع کیا جاتا ہے اس کو جمع تاخیر کہتے ہیں اس لیے کہ مغرب کی نماز کو مؤخر کر کے عشاء کے وقت میں ادا کیا جاتا ہے اور مزدلفہ میں جمع بین الصلوٰتین کے واسطے مذکورہ بالا شرطیں نہیں ہیں۔ (شامی: ۲/۴۶)

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں ایک سوال یہ ہے کہ حنفی مسلک کا پیروکار شخص شافعی المذہب کی تقلید کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ضرورت کے وقت اپنے امام کے علاوہ دوسرے امام کی تقلید کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن دوسرے مسلک کے امام کی تقلید کے لیے شرط یہ ہے کہ ان تمام اُمور کا التزام کرے جن کو اس امام نے لازم قرار دیا ہے، اس لیے کہ یہ بات ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ تلفیق یعنی جو حکم دو مذہب یا اس سے زیادہ سے لے کر مخلوط کیا گیا وہ بالاتفاق حرام اور باطل ہے۔ اس لیے کہ اس میں خواہشات نفسانی کا اتباع ہوگا، شریعت کا اتباع نہ ہوگا۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل انشاء اللہ باب الامامۃ کے تحت مفصل آئے گی۔ (شامی: ۲/۴۶)

مسئلہ: اگر مسافر شخص کو چور یا ڈاکو کا خطرہ ہو اور ہم سفر ساتھی اس کا انتظار نہ کرے بلکہ اس کو چھوڑ کر چل دے تو ایسی صورت میں اس کے لیے نماز کو مؤخر کرنا جائز ہے۔ اور اگر اس عذر کی وجہ سے چلتے ہوئے اشارہ سے نماز ادا کرلے تو بھی جائز ہے اور یہاں ضرورت سے مراد ایسی ضرورت ہے جس میں ایک گونہ مشقت اور پریشانی ہو۔ (شامی: ۲/۴۶)

بَابُ الأَذَانِ

اذان کے مسائل واحکام

(هُوَ) لُغَةً الإِعْلَامُ. وَشَرْعًا (إِعْلَامٌ مَخْصُوصٌ) لَمْ يَقُلْ بِدُخُولِ الوَقْتِ لِيَعُمَّ الفَائِتَةَ وَبَيْنَ يَدَيِ الخَطِيبِ (عَلَى وَجْهٍ مَخْصُوصٍ بِأَلْفَاظٍ كَذَلِكَ) أَيْ مَخْصُوصَةٍ (سَبَبُهُ ابْتِدَاءً أَذَانُ جِبْرِيلَ) لَيْلَةَ الإِسْرَاءِ وَإِقَامَتُهُ حِينَ إِمَامَتِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ –، ثُمَّ رُؤْيَا عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ أَذَانَ المَلَكِ النَّازِلِ مِنَ السَّمَاءِ فِي السَّنَةِ الأُولَى مِنَ الهِجْرَةِ. وَهَلْ هُوَ جِبْرِيلُ؟ قِيلَ وَقِيلَ (وَ) سَبَبُهُ (بَقَاءً دُخُولُ الوَقْتِ وَهُوَ سُنَّةٌ) لِلرِّجَالِ فِي مَكَانٍ عَالٍ (مُؤَكَّدَةٌ) هِيَ كَالوَاجِبِ فِي لُحُوقِ الإِثْمِ (لِلْفَرَائِضِ) الخَمْسِ (فِي وَقْتِهَا وَلَوْ قَضَاءً) لِأَنَّهُ سُنَّةٌ لِلصَّلَاةِ حَتَّى يُبْرِدَ بِهِ لَا لِلْوَقْتِ (لَا) يُسَنُّ (لِغَيْرِهَا) كَعِيدٍ (فَيُعَادُ أَذَانٌ وَقَعَ) بَعْضُهُ (قَبْلَهُ) كَالإِقَامَةِ خِلَافًا لِلثَّانِي فِي الفَجْرِ (بِتَرْبِيعِ تَكْبِيرٍ فِي ابْتِدَائِهِ) وَعَنِ الثَّانِي اثْنَتَيْنِ وَبِفَتْحِ رَاءِ أَكْبَرَ وَالعَوَامُّ يَضُمُّونَهَا رَوْضَةٌ، لَكِنْ فِي الطَّلَبَةِ مَعْنَى قَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – «الأَذَانُ جَزْمٌ» أَيْ مَقْطُوعُ المَدِّ، فَلَا تَقُولُ آللهُ أَكْبَرُ؛ لِأَنَّهُ اسْتِفْهَامٌ وَإِنَّهُ لَحْنٌ شَرْعِيٌّ، أَوْ مَقْطُوعُ حَرَكَةِ الآخِرِ لِلْوَقْفِ، فَلَا يَقِفُ بِالرَّفْعِ؛ لِأَنَّهُ لَحْنٌ لُغَوِيٌّ فَتَاوَى الصَّيْرَفِيَّةِ مِنَ البَابِ السَّادِسِ وَالثَّلَاثِينَ (وَلَا تَرْجِيعَ) فَإِنَّهُ مَكْرُوهٌ مُلْتَقَى (وَلَا لَحْنَ فِيهِ) أَيْ تَغَنِّي بِغَيْرِ كَلِمَاتِهِ فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ فِعْلُهُ وَسَمَاعُهُ كَالتَّغَنِّي بِالقُرْآنِ وَبِلَا تَغْيِيرٍ حَسَنٌ، وَقِيلَ لَا بَأْسَ بِهِ فِي الحَيْعَلَتَيْنِ

ترجمہ وتشریح مذکورہ بالا عبارت میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے اذان کے متعدد احکام ومسائل بیان کئے ہیں۔نماز کے اوقات کو بیان کرنے کے بعد اذان کے باب کو اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ اذان چونکہ دخولِ وقت کا اعلان ہے اس لیے پہلے وقت کی بحث کو مقدم فرمایا اسکے بعد اذان کی بحث ذکر فرما رہے ہیں۔

أذان: زمان کے وزن پر مصدر ہے۔اور بعض علماء نے فرمایا کہ اذان اسم مصدر ہے، اس لیے کہ اس کی ماضی "أذّن" ذال کی تشدید کے ساتھ آتی ہے اور مصدر تاذین ہے۔(شامی:۲/۴۷)

اذان کے لغوی وشرعی معنی

اذان کا معنی لغت میں اعلان کرنا، آگاہ کرنا، خبر دار کرنا، آتا ہے۔اور اذان کے شرعی معنی یہ ہیں کہ مخصوص طور پر مخصوص الفاظ کے ذریعہ اعلان کرنا۔یہاں حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے دخولِ وقت کی قید نہ لگائی ہے تا کہ اس کے اندر فوت شدہ نمازوں

کی اذان اور خطیب کے سامنے جو اذان ہوتی ہے وہ بھی شامل ہو جائے۔

اذان کے آغاز کا سبب

اذان کا سبب در حقیقت حضرت جبرئیل علیہ السلام کا شب معراج میں اذان دینا ہے۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تکبیر اس وقت کہی جب رسول اکرم ﷺ نے شب معراج میں جملہ انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت فرمائی۔ پھر سن ایک ہجری میں حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ نے خواب میں آسمان سے اُترنے والے فرشتے کو اذان پکارتے ہوئے دیکھا۔ اب یہاں سوال یہ ہے کہ جو فرشتہ آسمان سے اذان کے کلمات لے کر آیا تھا وہ جبرئیل علیہ السلام ہی تھے یا کوئی اور فرشتہ؟ اس سوال کے جواب میں دونوں باتیں کہی گئی ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہی تھے اور بعض نے فرمایا کہ کوئی اور فرشتہ تھا اور اذان کے باقی رہنے کا سبب وقت کا داخل ہوتے رہنا ہے۔

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب معراج کی رات میں اوپر تشریف لے گئے اور سراپردۂ عزت تک پہنچے کہ جو کبریائی حق کا خاص محل تھا تو وہاں سے ایک فرشتہ برآمد ہوا، رسول اکرم ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا: یہ فرشتہ کون ہے؟ حضرت جبرئیل نے جواب دیا: قسم رب العزت کی! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، مخلوق میں سے کسی کو بھی بارگاہِ رب العزت میں مجھ سے زیادہ قربت ونزدیکی حاصل نہیں، لیکن اپنے پیدا ہونے کے وقت سے لے کر اب تک میں نے بھی اس فرشتہ کو کبھی نہیں دیکھا، بس اسی وقت دیکھ رہا ہوں، اتنے میں اس فرشتہ نے کہا اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، پردہ کے پیچھے سے جواب آیا: سچ کہا میرے بندے نے۔ أَنَا أَكْبَرُ أَنَا أَكْبَرُ۔ بے شک میں بہت بڑا ہوں، بے شک میں بہت بڑا ہوں۔ اس کے بعد اس فرشتے نے وہ سارے کلمات اذان ادا کئے جو اذان کی رات میں سنی تھی۔

چناں چہ علماء نے لکھا ہے کہ اذان کی مشروعیت کے بارے میں اصل بات یہ ہے کہ اذان کے کلمات رسول اکرم ﷺ نے معراج کی رات ہی میں سن لیے تھے، لیکن آپ کو یہ حکم نہیں ہوا تھا کہ ان کلمات کو نماز کے لیے اذان کے مقصد سے مقرر کر لیا جائے، یہی وجہ ہے کہ آں حضرت ﷺ جب تک مکہ مکرمہ میں رہے اذان کے بغیر ہی نماز ادا کرتے رہے اور جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور اس بارے میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ ہوا کہ نماز کی آگاہی کے لیے کیا طریقہ اور کیا صورت اختیار کی جائے تو بعض صحابہ کرامؓ نے رسول اکرم ﷺ سے بصورتِ اذان ان کلمات کا ذکر کیا جو انھوں نے خواب میں سنے تھے پھر وحی بھی آگئی کہ آپ ﷺ نے جو کلمات آسمان پر سنے تھے وہی کلمات زمین پر نماز کے لیے بطور اذان مقرر ہوں۔ اور اس طرح ۱ھ میں مدینہ منورہ میں اذان کی مشروعیت ہوئی۔ (مظاہر حق جدید: ۱/ ۵۵۶)

نماز پنج گانہ کے لیے اذان کا حکم شرعی

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اذان پانچوں فرض نمازوں کے وقت کے واسطے مردوں کے لیے اونچی جگہ سے

دینا سنت مؤکدہ ہے، خواہ قضاء نماز کیوں نہ ہو۔ اور اذان چھوڑ دینے کی صورت میں ویسا ہی گناہ ہوتا ہے جیسا کہ واجب کے چھوڑنے کی صورت میں ہوتا ہے اور یہ اذان نماز کے لیے سنت ہے نہ کہ وقت کے لیے، یہی وجہ ہے کہ اذان نماز کے تابع ہوتی ہے اسی وجہ سے گرمیوں میں ظہر نماز کے واسطے اذان ٹھنڈے وقت میں دی جاتی ہے۔

فرض نماز کے علاوہ کے واسطے اذان مسنون نہیں

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ فرض نمازوں کے علاوہ دوسری نمازوں کے واسطے اذان مسنون نہیں ہے، چناں چہ عید الاضحیٰ، عید الفطر، نمازِ جنازہ، نمازِ استسقاء، نمازِ تراویح اور نمازِ خسوف وغیرہ کے لیے اذان مسنون نہیں ہے۔ اور وتر کے لیے بھی الگ سے اذان مشروع اور ثابت نہیں ہے چونکہ وتر عشاء کے تابع ہے اس لیے عشاء کی اذان ہی اس کے لیے کافی ہے۔ (شامی: ۲/ ۵۰)

دخولِ وقت سے پہلے اذان کا حکم

اگر کسی اذان کے بعض کلمات فرض کے وقت داخل ہونے سے پہلے کہے گئے ہوں تو وہ اذان دخولِ وقت کے بعد دوبارہ کہی جائے گی، جس طرح کہ اقامت میں ہوتا ہے کہ اگر وقت سے پہلے اقامت کہی جائے تو اس کا اعادہ ضروری ہوگا۔ البتہ حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ فجر کی اذان وقت سے پہلے پکار دی جائے تو وقت داخل ہونے کے بعد لوٹائی نہیں جائے گی۔ لیکن حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک وقت کے داخل ہونے سے پہلے اذان دینے سے اذان ہی نہیں ہوتی ہے اس لیے اس کا اعادہ لازم ہے، خواہ فجر کی اذان کیوں نہ ہو۔ (مستفاد شامی: ۲/ ۵۰)

اذان کس طرح کہی جائے؟

اذان میں ابتداءً یعنی شروع میں چار مرتبہ اللہ اکبر کہا جائے گا، اس طور پر کہ اکبر کو زبر کے ساتھ ادا کیا جائے اور عوام الناس اس کو پیش دیتے ہیں۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اذان کے شروع میں تکبیر صرف دو مرتبہ کہی جائے، جیسا کہ روضہ میں ہے لیکن طلبہ نامی کتاب میں لکھا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی الأذانُ جزمٌ کا مطلب یہ ہے کہ اذان کے کلمات بغیر مد کے ہیں، یعنی لفظ اللہ اکبر میں الف کو کھینچا نہ جائے، آللہ اکبر نہ کہا جائے، اس لیے کہ آللہ اکبر کہنے کی صورت میں استفہام ہو جائے گا (اور معنی ہوگا کیا اللہ سب سے بڑا ہے؟) اور اس طرح ادا کرنا شرعی اعتبار سے غلطی ہے۔ یا حدیث بالا الأذان جزمٌ کا مطلب یہ ہے کہ آخری حرکت وقف کے لیے مقطوع ہے، لہٰذا رفع کے ساتھ وقف نہ کرے اس لیے کہ یہ لغوی غلطی ہوگی۔ اور یہ مسئلہ فتاویٰ صیرفیہ کے چھتیسویں باب میں مذکور ہے۔

اذان میں ترجیع کا حکم

اذان میں ترجیع مسنون نہیں ہے بلکہ ترجیع مکروہ ہے، جیسا کہ ملتقی میں ہے۔ ترجیع کا مطلب یہ ہے کہ أشهدُ أن لا إلٰهَ إلاَّ

اللہ اور أشهد أن محمدرسول اللہ کو پہلے دومرتبہ آہستہ آہستہ ادا کیا جائے، پھران دونوں کلمات کو بلند آواز سے ادا کرے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ترجیع اذان میں مسنون ہے، لیکن عندالاحناف ترجیع مکروہ تنزیہی ہے۔اور صاحب البحرالرائق علامہ ابن نجیم المصری نے لکھا ہے کہ ترجیع امر مباح ہے نہ مسنون ہے، نہ مکروہ ہے۔اور النہر الفائق میں یہ بات کہی گئی ہے کہ ترجیع خلاف اولی ہے اور رہا ترجیع تغنی کے معنی میں تو یہ جائز نہیں ہے۔(شامی:۲/ ۵۰)

اذان میں گانے کی آواز پیدا کرنے کا حکم

اور حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اذان میں لحن بھی نہی ہے یعنی کلمات اذان کو اس طور پر گانا کہ کلمات بدل جائیں نہ اس طرح اذان دینا جائز ہے اور نہ اس طرح سننا جائز ہے۔جس طرح قرآن میں تغنی درست نہیں ہے، البتہ الفاظ بدلے بغیر خوش آوازی پیدا کرنا تو یہ اچھی بات ہے۔اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح میں لحن کرنا کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ یہ ذکر نہیں ہے اور لا اٗس بہ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان میں بھی لحن نہ کرنا ہی اولی اور بہتر ہے۔(شامی:۲/ ۵۳)

(وَيَتَرَسَّلُ فِيهِ) بِسَكْتَةٍ بَيْنَ كُلِّ كَلِمَتَيْنِ. وَيُكْرَهُ تَرْكُهُ، وَتُنْدَبُ إِعَادَتُهُ (وَيَلْتَفِتُ فِيهِ) وَكَذَا فِيهَا مُطْلَقًا، وَقِيلَ إِنَّ الْمَحَلَّ مُتَّسِعًا (يَمِينًا وَيَسَارًا) فَقَطْ؛ لِئَلَّا يَسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةَ (بِصَلَاةٍ وَفَلَاحٍ) وَلَوْ وَحْدَهُ أَوْ لِمَوْلُودٍ؛ لِأَنَّهُ سُنَّةُ الْأَذَانِ مُطْلَقًا (وَيَسْتَدِيرُ فِي الْمَنَارَةِ) لَوْ مُتَّسِعَةً وَيُخْرِجُ رَأْسَهُ مِنْهَا (وَيَقُولُ) نَدْبًا (بَعْدَ فَلَاحِ أَذَانِ الْفَجْرِ: الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ مَرَّتَيْنِ) لِأَنَّهُ وَقْتُ نَوْمٍ (وَيَجْعَلُ) نَدْبًا (أُصْبُعَيْهِ فِي) صِمَاخِ (أُذُنَيْهِ) فَأَذَانُهُ بِدُونِهِ حَسَنٌ، وَبِهِ أَحْسَنُ (وَالْإِقَامَةُ كَالْأَذَانِ) فِيمَا مَرَّ (لَكِنْ هِيَ) أَيِ الْإِقَامَةُ وَكَذَا الْإِمَامَةُ (أَفْضَلُ مِنْهُ) فَتْحٌ (وَلَا يَضَعُ) الْمُقِيمُ (أُصْبُعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ) لِأَنَّهَا أَخْفَضُ (وَيَحْدُرُ) بِضَمِّ الدَّالِ: أَيْ يُسْرِعُ فِيهَا، فَلَوْ تَرَسَّلَ لَمْ يُعِدْهَا فِي الْأَصَحِّ (وَيَزِيدُ: قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ بَعْدَ فَلَاحِهَا مَرَّتَيْنِ) وَعِنْدَ الثَّلَاثَةِ هِيَ فُرَادَى. (وَيَسْتَقْبِلُ) غَيْرُ الرَّاكِبِ (الْقِبْلَةَ بِهِمَا) وَيُكْرَهُ تَرْكُهُ تَنْزِيهًا، وَلَوْ قَدَّمَ فِيهِمَا مُؤَخَّرًا أَعَادَ مَا قَدَّمَ فَقَطْ (وَلَا يَتَكَلَّمُ فِيهِمَا) أَصْلًا وَلَوْ رَدَّ سَلَامٍ، فَإِنْ تَكَلَّمَ اسْتَأْنَفَهُ (وَيُثَوِّبُ) بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ فِي الْكُلِّ لِلْكُلِّ بِمَا تَعَارَفُوهُ (وَيَجْلِسُ بَيْنَهُمَا) بِقَدْرِ مَا يَحْضُرُ الْمُلَازِمُونَ مُرَاعِيًا لِوَقْتِ النَّدْبِ (إِلَّا فِي الْمَغْرِبِ) فَيَسْكُتُ قَائِمًا قَدْرَ ثَلَاثِ آيَاتٍ قِصَارٍ، وَيُكْرَهُ الْوَصْلُ إِجْمَاعًا: [فَائِدَةٌ] التَّسْلِيمُ بَعْدَ الْأَذَانِ حَدَثَ فِي رَبِيعٍ الْآخِرِ سَنَةَ سَبْعِمِائَةٍ وَإِحْدَى وَثَمَانِينَ فِي عِشَاءِ لَيْلَةِ الِاثْنَيْنِ، ثُمَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، ثُمَّ بَعْدَ عَشْرِ سِنِينَ حَدَثَ فِي الْكُلِّ إِلَّا الْمَغْرِبَ، ثُمَّ فِيهَا مَرَّتَيْنِ، وَهُوَ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ.

کلماتِ اذان کہنے کی کیفیت

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کلماتِ اذان موذن ٹھہر ٹھہر کر ادا کرے اور ہر دو کلمہ پر سکتہ کرے۔ اور اس سکتہ کو ترک کرنا مکروہ ہے۔ اور اس سکتہ کے چھوڑنے کی وجہ سے دوبارہ اذان کہنا مستحب ہوتا ہے۔ اور حی علی الفلاح اور حی علی الصلوٰۃ پر موذن دائیں جانب اور بائیں جانب منھ پھیر لے گا۔ اور اسی طرح اقامت میں بھی دائیں بائیں جانب رُخ پھیر لے گا۔ اور حکم علی الاطلاق ہے خواہ کسی جگہ بھی ہو، جگہ کشادہ ہو یا نہ ہو۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ جگہ کشادہ ہو تو صرف دائیں بائیں جانب موذن منھ پھیرے، تاکہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح میں قبلہ کی طرف پشت واقع نہ ہو۔ اور دائیں بائیں جانب رُخ کرنے کو موذن ترک نہ کرے گو وہ تنہا ہی کیوں نہ ہو، یا بچہ کی پیدائش پر اذان کیوں نہ دے رہا ہو، اس لیے کہ ان کلمات کی ادائیگی کے وقت دائیں بائیں جانب منھ پھیرنا مطلقاً اذان کی سنت ہے۔

منارہ کے اندر اذان دے تو کیا حکم ہے؟

اگر موذن منارہ کے اندر اذان دے اور وہاں جگہ کشادہ ہو تو وہاں بھی موذن گھومے اور اس کے طاقچہ سے سر نکالے تاکہ اذان کی آواز لوگوں تک پہنچ سکے۔ اگر محض چہرہ گھمانے کی وجہ سے آواز نہ پہنچ سکے تو موذن اذان گاہ میں گھومے۔ البحر الرائق میں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں اذان گاہ نہیں تھی۔

سب سے پہلے اذان دینے کے واسطے منبر کس نے تعمیر کیا؟

اذان دینے کے واسطے باقاعدہ اذان گاہ رسولِ اکرم ﷺ کے زمانہ میں نہ تھی، عہدِ نبوت میں حضرت بلالؓ کسی صحابی کے گھر کی چھت پر سے یا مسجد کی چھت سے اذان پکارتے تھے، منارہ نہ تھا سب سے پہلے منارہ کی تعمیر حضرت سلمہ نے امیر معاویہؓ کی اجازت وحکم سے تعمیر کیا ہے۔ اور حضرت شرحبیل بن عامر مرادی سب سے پہلے منارہ پر اذان دینے کے واسطے چڑھے۔ (شامی: ۲/ ۵۴)

فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کے اضافہ کرنے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ موذن فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم کا دومرتبہ اضافہ کرے۔ اور یہ کلمات دومرتبہ ادا کرے، اس لیے کہ فجر کا وقت سونے اور غفلت کا وقت ہے اگر نوم تحصیل عبادات اور ترکِ معصیت کا ذریعہ بنے تو نوم بھی عبادت ہے نوم در حقیقت دنیاوی آرام کی چیز ہے اور نماز کی ادائیگی سے حقیقت میں راحت اخروی ہے، لہٰذا الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا افضل ہوگا۔ (شامی: ۲/ ۵۴)

اذان پکارتے وقت انگلیوں کو دونوں کانوں میں ڈالنا

اذان پکارتے وقت دونوں کانوں کے سوراخ میں انگلیاں ڈالنا بھی مستحب ہے، کانوں میں انگلیاں ڈالے بغیر اذان دینا

بھی بہتر ہے، لیکن انگلیاں ڈال کر اذان دینا تو بہت ہی بہتر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال حبشیؓ سے فرمایا: اے بلال! اپنے دونوں کانوں کے سوراخ میں اپنی انگلیاں ڈال لو۔ اس لیے کہ اس سے تمہاری آواز میں بلندی آئے گی۔ اور کانوں پر ہاتھ رکھ کر اذان دینا بھی بہتر ہے، اس لیے کہ حضرت ابو محذورہؓ نے اپنی انگلیوں کو ملایا اور اپنے دونوں کانوں پر رکھ لیے، اسی طرح اگر کوئی شخص صرف ایک ہاتھ کان پر رکھ کر اذان دے تب بھی جائز ہے۔ (شامی: ۲/ ۵۴)

عورت کے لیے اذان دینا جائز نہیں

حضرت علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں کہ عورتوں کے لیے اذان دینا جائز نہیں ہے، یعنی عورتیں اذان نہیں دے سکتی ہیں۔ ہاں اقامت وتکبیر کہہ سکتی ہیں۔ اس کی شریعت میں گنجائش ہے، اذان کی سنیت زیادہ مؤکد ہے اقامت کی سنت کے مقابلہ میں۔ (شامی: ۲/ ۵۴)

تکبیر کے احکام ومسائل

مذکورہ بالا تمام احکام میں اقامت بھی اذان ہی کی طرح ہے، لیکن اقامت اور امامت اذان سے افضل ہے۔ جیسا کہ فتح القدیر میں مذکور ہے۔ ہاں اقامت کہنے والا شخص اپنی انگلیوں کو کانوں کے سوراخ میں نہیں ڈالے گا، اس لیے کہ تکبیر اذان کے مقابلہ میں پست آواز میں ہوتی ہے (حالانکہ کان میں انگلیاں ڈالنے کا مقصد آواز کو بلند کرنا ہے) اذان اور اقامت میں دوسرا فرق یہ ہے کہ اقامت کے کلمات جلدی جلدی ادا کیے جائیں گے۔ اس کے اندر ہر دو کلمہ پر سکتہ نہیں ہے۔ حضرت شارح علیہ الرحمہ بیان فرماتے ہیں کہ یحدذ کا لفظ یسرع کے معنی میں ہے، لیکن اگر کوئی شخص کلمات اقامت اذان کی طرح ٹھہر ٹھہر کر کہے تو اصح قول کے مطابق اقامت کے لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اقامت میں قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ کا اضافہ کرنا

اذان اور اقامت میں تیسرا فرق یہ ہے کہ اقامت میں حی علی الفلاح کے بعد دو مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کا اضافہ کیا جائے گا۔ اور حضرات ائمہ ثلاثہ (امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور حضرت احمد بن حنبلؒ) کے نزدیک کلمات اقامت ایک ایک مرتبہ ہے (یعنی جو کلمات اذان میں چار چار مرتبہ کہے جاتے ہیں وہ تکبیر میں دو دو مرتبہ کہے جائیں گے۔ اور جو کلمات اذان میں دو دو مرتبہ کہے جاتے ہیں وہ تکبیر میں ایک ایک مرتبہ کہے جائیں گے)۔

اذان واقامت میں قبلہ کی جانب رُخ کرنے کا حکم

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ سوار کے علاوہ ہر شخص کو چاہیے کہ اذان واقامت کہنے میں قبلہ کی جانب رُخ کرے، غیر قبلہ کی جانب رُخ کر کے اذان دینا یا اقامت پکارنا مکروہ تنزیہی ہے۔ حضرت بلال حبشیؓ نے سواری کی حالت میں اذان پکاری اور

سواری سے اُتر کر زمین پر اقامت کہی ہے۔ ظاہر الروایہ کے مطابق مقیم شخص کے لیے غیر قبلہ کی جانب اذان دینا مکروہ ہے۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے اور محیطؔ میں نقل کیا گیا ہے کہ اذان واقامت میں استقبالِ قبلہ بہتر ہے، پس اس کا ترک مکروہ تنزیہی ہوگا۔ (شامی: ۲/۵۵)

کلماتِ اذان خلافِ ترتیب ہو جائیں تو کیا حکم؟

حضرت علامہ حصکفی شارح تنویر الابصار فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اذان واقامت میں بعد والے کلمات کو پہلے کہہ دے تو اس کا حکم یہ ہے کہ صرف ان الفاظ کو اپنی جگہ میں دوبارہ کہے، پوری اذان واقامت کا دہرانا ضروری نہیں ہے۔ مثلاً اگر کسی نے حی علی الفلاح کو حی علی الصلوٰۃ پر مقدم کر دیا، یعنی پہلے حی علی الصلوٰۃ کہنے کے بجائے حی علی الفلاح کہہ دیا تو صرف اسی کو دوبارہ کہنے کا حکم ہے، شروع سے اذان کا اعادہ کا حکم نہیں ہے۔

اذان واقامت میں بات چیت کرنے کا حکم

اذان واقامت کہتے وقت بات چیت بالکل نہ کرے اگرچہ سلام کا جواب ہی کیوں نہ ہو، یعنی اگر کوئی شخص اس حالت میں سلام کرے تو سلام کا جواب بھی نہ دے۔ اسی طرح چھینکنے والے کا جواب نہ دے، اگر اذان واقامت کے دوران بات چیت کر لی تو پھر از سر نو دوبارہ اذان واقامت پکارے جائیں گے۔ ہاں اگر بالکل تھوڑی سی بات ہو تو اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ فتاویٰ خانیہ میں ایسا ہی مذکور ہے۔ حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ دورانِ اذان واقامت کھنکھارنا بھی نہیں چاہیے ہاں اگر کوئی شخص تحسینِ آواز کے واسطے کھنکھارے تو اس کی گنجائش ہے۔ (شامی: ۲/۵٦)

تثویب کا حکم شرعی

"تثویب" کے معنی ہیں العَوْدُ إلى الإعلام بعد الإعلام اعلان کے بعد دوبارہ اعلان کرنا۔ اذان واقامت کے درمیان تمام نمازوں میں تمام نمازیوں کے لیے ان کلمات کے ذریعہ تثویب کرے جو ان کے یہاں متعارف ہوں، تثویب کا حق صرف مؤذن حضرات کو ہے مؤذن کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے لیے مناسب نہیں ہے، اپنے سے علم وعمل اور جاہ وجلال میں بڑھے ہوئے شخص سے یہ کہے کہ نماز کا ٹائم ہو گیا ہاں مؤذن اپنے سے بڑے علم وفضل والے کو بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ نماز کا ٹائم ہو گیا۔

قوله بين الأذان والاقامة: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اذان کے بعد بیس آیت پڑھنے کے بقدر ٹھہرے، پھر تثویب کرے اس کے بعد پھر بیس آیت پڑھنے کے بقدر رُکے اس کے بعد اقامت شروع کرے۔ (شامی: ۲/۵٦)

قوله للكل: یعنی ہر شخص کے لیے تثویب کی جائے گی، البتہ قاضی ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ تثویب صرف ان لوگوں کے واسطے ہے جو مسلمانوں کے امور میں مشغول ومنہمک ہوں، جیسے قاضی، مفتی، مدرس وغیرہ حضرات ہیں، قاضی خاں نے اسی کو

اختیار فرمایا ہے۔ اور تثویب مختلف طریقے سے کی جاسکتی ہے، مثلاً: قامت، قامت کے ذریعہ اعلان کرے، یا الصلاۃ الصلاۃ کہے، یا اس کے علاوہ مناسب کلمات سے تثویب کرے۔ (شامی: ۲/۵۶)

اذان واقامت کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟

حضرت شارح علیہ الرحمہ بیان فرماتے ہیں کہ اذان اور اقامت کے درمیان اس قدر فاصلہ ہونا چاہئے کہ جماعت کی پابندی کرنے والے لوگ حاضر ہوجائیں اور اس انتظار میں مستحب وقت کی رعایت بھی رکھنی چاہئے۔ ہاں مغرب کی اذان کے بعد تثویب نہیں ہے اور نہ ہی انتظار کا حکم ہے، بلکہ اذان واقامت کے درمیان صرف اس قدر فصل کرے جتنی دیر میں تین چھوٹی آیتیں پڑھی جائیں، اذان وتکبیر کے درمیان بالکل فصل نہ کرنا بلکہ ملادینا بالاجماع مکروہ ہے۔

مسئلہ: مستحب یہ ہے کہ اذان واقامت کہ جگہ الگ الگ ہو۔ اور اقامت اذان کی جگہ کے علاوہ دوسری جگہ منتقل ہوکر کہے اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔ (شامی: ۲/۵۶)

اذانوں کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم شرعی

اذان کے بعد رسولِ اکرم ﷺ کی ذات گرامی پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا ایک نئی چیز ہے، اس کی ایجاد ۷۸۱ھ پیر کی رات عشاء کے وقت ہوا۔ پھر جمعہ کے دن اس کا اضافہ ہوا، پھر دس سال بعد اس سلام کا رواج مغرب کے علاوہ تمام اذانوں میں ہوگیا ہے، پھر کچھ دنوں کے بعد یہ رسم مغرب میں بھی جاری ہوگئی اور اس میں دومرتبہ سلام بھیجا جانے لگا یہ رسم، بدعت حسنہ ہے۔ نہر الفائق میں حسن المحاضرہ للسیوطی سے نقل فرمایا ہے کہ اس بدعت کی ایجاد سلطان ناصر صلاح الدین کے عہد میں ہوا۔ یہ طریقہ بدعت ہے اس سے احتراز کرنا لازم ہے۔ (شامی: ۲/۵۷)

(وَ) يُسَنُّ أَنْ (يُؤَذِّنَ وَيُقِيمَ لِفَائِتَةٍ) رَافِعًا صَوْتَهُ لَوْ بِجَمَاعَةٍ أَوْ صَحْرَاءَ لَا بِبَيْتِهِ مُنْفَرِدًا (وَكَذَا) يُسَنَّانِ (لِأُولَى الْفَوَائِتِ) لَا لِفَاسِدَةٍ (وَيُخَيَّرُ فِيهِ لِلْبَاقِي) لَوْ فِي مَجْلِسٍ وَفِعْلُهُ أَوْلَى، وَيُقِيمُ لِلْكُلِّ (وَلَا يُسَنُّ) ذَلِكَ (فِيمَا تُصَلِّيهِ النِّسَاءُ أَدَاءً وَقَضَاءً) وَلَوْ جَمَاعَةً كَجَمَاعَةِ صِبْيَانٍ وَعَبِيدٍ، وَلَا يُسَنَّانِ أَيْضًا لِظُهْرِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فِي مِصْرٍ (وَلَا فِيمَا يَقْضِي مِنَ الْفَوَائِتِ فِي مَسْجِدٍ) فِيمَا لِأَنَّ فِيهِ تَشْوِيشًا وَتَغْلِيطًا (وَيُكْرَهُ قَضَاؤُهَا فِيهِ) لِأَنَّ التَّأْخِيرَ مَعْصِيَةٌ فَلَا يُظْهِرُهَا بَزَّازِيَّةٌ. (وَيَجُوزُ) بِلَا كَرَاهَةٍ (أَذَانُ صَبِيٍّ مُرَاهِقٍ وَعَبْدٍ) وَلَا يَحِلُّ إِلَّا بِإِذْنٍ كَأَجِيرٍ خَاصٍّ (وَأَعْمَى وَوَلَدِ زِنًى وَأَعْرَابِيٍّ) وَإِنَّمَا يَسْتَحِقُّ ثَوَابَ الْمُؤَذِّنِينَ إِذَا كَانَ عَالِمًا بِالسُّنَّةِ وَالْأَوْقَاتِ وَلَوْ غَيْرَ مُحْتَسِبٍ بَحْرٌ. (وَيُكْرَهُ أَذَانُ جُنُبٍ وَإِقَامَتُهُ وَإِقَامَةُ مُحْدِثٍ لَا أَذَانُهُ) عَلَى الْمَذْهَبِ (وَ) أَذَانُ (امْرَأَةٍ) وَخُنْثَى (وَفَاسِقٍ)

وَلَوْ عَالِمًا، لَكِنَّهُ أَوْلَى بِإِمَامَةٍ وَأَذَانٍ مِنْ جَاهِلٍ تَقِيٍّ (وَسَكْرَانَ) وَلَوْ بِمُبَاحٍ كَمَعْتُوهٍ وَصَبِيٍّ لَا يَعْقِلُ (وَقَاعِدٍ إِلَّا إِذَا أَذَّنَ لِنَفْسِهِ) وَرَاكِبٍ إِلَّا لِمُسَافِرٍ. (وَيُعَادُ أَذَانُ جُنُبٍ) نَدْبًا، وَقِيلَ وُجُوبًا (لَا إِقَامَتُهُ) لِمَشْرُوعِيَّةِ تَكْرَارِهِ فِي الْجُمُعَةِ دُونَ تَكْرَارِهَا (وَكَذَا) يُعَادُ (أَذَانُ امْرَأَةٍ وَمَجْنُونٍ وَمَعْتُوهٍ وَسَكْرَانَ وَصَبِيٍّ لَا يَعْقِلُ) لَا إِقَامَتُهُمْ لِمَا مَرَّ، وَيَجِبُ اسْتِقْبَالُهُمَا لِمَوْتِ مُؤَذِّنٍ وَغُشْيِهِ وَخَرَسِهِ وَحَصَرِهِ، وَلَا مُلَقِّنَ وَذَهَابِهِ لِلْوُضُوءِ لِسَبْقِ حَدَثٍ خُلَاصَةٌ، لَكِنْ عَبَّرَ فِي السِّرَاجِ بِيُنْدَبُ وَجَزَمَ الْمُصَنِّفُ بِعَدَمِ صِحَّةِ أَذَانِ مَجْنُونٍ وَمَعْتُوهٍ وَصَبِيٍّ لَا يَعْقِلُ. قُلْتُ: وَكَافِرٍ وَفَاسِقٍ لِعَدَمِ قَبُولِ قَوْلِهِ فِي الدِّيَانَاتِ۔

قضاء نمازوں کے لیے اذان دینے کا حکم

مذکورہ بالا عبارت میں حضرت مصنف نے متعدد مسائل بیان کئے ہیں، ان ہی میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ قضاء نمازوں کے لیے اذان واقامت مشروع ہے یا نہیں؟ تو حضرت مصنف علیہ الرحمہ بیان فرماتے ہیں کہ قضاء نمازوں کے لیے اذان وتکبیر مسنون ہے، جماعت کے ساتھ ادا کر رہا ہو یا جنگل میں ادا کر رہا ہو، اگر جنگل میں قضاء نماز پڑھے تو ایسی صورت میں اذان بلند آواز سے دے، اور اگر اپنے گھر میں اکیلا ادا کر رہا ہو تو اذان زیادہ بلند آواز سے دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

متعدد نمازیں قضاء ہوں تو صرف پہلی نماز کے لیے اذان کہی جائے گی

اگر ایک سے زیادہ نمازیں قضاء ہوں تو ان نمازوں میں سے صرف پہلی نماز کے لیے اذان وتکبیر مسنون ہے اور بقیہ قضاء نماز کے لیے اس وقت اس کو اختیار ہے جب وہ ان سب کو ایک ہی مجلس میں قضاء کرے اور اولیٰ یہ ہے کہ ہر نماز کے لیے اذان کہے۔ اور تکبیر تو ہر قضاء نماز کے لیے کہے۔ اور اگر ان قضاء شدہ متعدد نمازوں کی قضاء مختلف مجلس میں کرے گا تو ہر مجلس میں اذان اور تکبیر دونوں کہے گا، ہاں جو نماز فاسد ہوگئی ہے اور وہ اس کو وقت میں دوبارہ ادا کرے تو اس کے لیے اذان وتکبیر مسنون نہیں ہے اسی طرح ان نمازوں میں جن کو عورتیں پڑھیں خواہ ادا نماز ہو یا قضاء نماز اذان وتکبیر مسنون نہیں ہے گو بچوں اور غلام کی طرح وہ عورتیں ان نمازوں کو جماعت کے ساتھ ہی کیوں نہ ادا کریں۔

جمعہ کے دن شہر میں ظہر کے لیے اذان دینا

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن شہر میں ظہر کی نماز کے واسطے اذان دینا مسنون نہیں ہے۔ ہاں شہر کے علاوہ دیہاتوں میں جمعہ کے دن ظہر کی نماز کے واسطے علی الاطلاق اذان دینا جائز ہے، خواہ شہر میں جمعہ کی نماز ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، بہر صورت اذان دینا جائز ہے، کسی بھی حال میں مکروہ نہیں ہے۔ (شامی: ۲/ ۵۸)

چھوٹی ہوئی نماز اگر مسجد میں ادا کی جائے تو اذان واقامت مسنون نہیں

جو قضاء نماز مسجد میں ادا کی جائے اس کے لیے بھی اذان وتکبیر مسنون نہیں ہے اس وجہ سے کہ اس میں لوگ تشویش میں مبتلا ہو جائیں گے اور لوگ غلطی میں پڑ جائیں گے اور یہ سمجھ بیٹھیں گے کہ وقتیہ نماز کے لیے اذان ہو رہی ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مسجد میں تنہاء قضاء نماز ادا کرے تو اتنی آواز سے اذان دینا کہ صرف خود سن سکے جائز ہے اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ (شامی: ۲/۵۹)

مسجد میں قضاء نماز ادا کرنا مکروہ ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مسجد میں قضاء شدہ نمازوں کا ادا کرنا مکروہ ہے، اس لیے کہ نماز کو وقت سے مؤخر کرنا گناہ ہے اور اس گناہ کا اظہار کرنا نہیں چاہئے۔ اور مسجد میں قضاء شدہ نمازوں کے ادا کرنے سے اس کا اظہار لازم آئے گا جو درست نہیں ہے، اور اگر نماز کی قضاء کسی امر عام کی وجہ سے ہوئی ہے تو اس صورت میں مسجد میں قضاء نماز کے لیے اذان دینا مکروہ نہیں ہے اس لیے کہ علت تشویش یہاں مفقود ہے، جیسا کہ ایک موقعہ پر رسول اکرم ﷺ کی چار نمازیں قضاء ہو گئی تھیں تو آپ نے ان میں اذان اور تکبیر کا حکم فرمایا تھا۔

نابالغ اور مراہق بچوں کی اذان کا حکم

اور مراہق قریب البلوغ بچہ کی اذان بلا کراہت جائز ہے۔ مراہق سے مراد وہ بچہ ہے جو عقلمند ہو، لہٰذا عقلمند بچہ کی اذان درست ہے۔ بعض حضرات نے بچہ کی اذان کو مکروہ قرار دیا ہے، لیکن یہ بات ظاہر الراویہ کے خلاف ہے۔ اسی طرح غلام کی اذان بھی بلا کراہت درست ہے، بشرطیکہ آقا کی اجازت حاصل ہو ورنہ آقا کی اجازت کے بغیر غلام کے لیے اذان دینا درست نہیں ہے، جیسے کہ مخصوص اجیر کے لیے مالک کی اجازت کے بغیر اذان دینا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر غلام صرف اپنے ہی واسطے اذان دے تو پھر آقا کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اگر اقامت جماعت کے واسطے اذان دینا چاہتا ہے تو مالک کی اجازت کے بغیر درست نہیں ہے۔ (شامی: ۲/۵۹)

اندھے اور ولد الزنا کی اذان کا حکم

جس طرح مراہق اور غلام کی اذان بلا کراہت درست ہے۔ اسی طرح اندھے، ولد الزنا اور دیہاتی شخص کی اذان بھی بلا کراہت درست ہے۔ اور اذان دینے والا شخص اذان کے اجر وثواب کا مستحق اس وقت تک نہیں بنتا ہے جب تک وہ اذان کا مسنون طریقہ نہ جانتا ہو اور نماز کے اوقات سے واقفیت نہ ہو۔ اگر چہ اس کی نیت صرف حصول ثواب کی نہیں ہے بلکہ اذان پر اُجرت بھی لیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اذان دینے والا شخص عالم دین ہو جس کو اذان کا سنت طریقہ اور اوقات نماز کے متعلق

مکمل معلومات ہو۔ اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم اگرچہ نابینا صحابی تھے، لیکن ان کو بتانے والے موجود تھے، جب دوسرے صحابہؓ بتاتے تھے کہ صبح ہوگئی تب اذان دیتے تھے۔ (شامی: ۲/ ۵۹)

کن کن لوگوں کی اذان مکروہ ہے؟

جنبی شخص جس پر شرعی اعتبار سے غسل واجب ہے، اس کی اذان واقامت۔ اور بے وضو شخص کی اقامت مکروہ ہے، البتہ مذہب کی روایت کے مطابق بے وضو شخص کی اذان مکروہ نہیں ہے۔ اسی طرح عورت کی اذان، خنثیٰ کی اذان، فاسق کی اذان مکروہ ہے، اگرچہ وہ فاسق عالم دین ہی کیوں نہ ہو، لیکن فاسق عالم کی امامت اور اذان جاہل متقی سے اولیٰ وبہتر ہے۔ مگر یہ اس وقت ہے کہ جب کہ اس فاسق عالم کے سوا کوئی دوسرا متدین عالم نہ ہو، اور کوئی دین دار عالم موجود ہو تو اس کی امامت اور اذان اولیٰ ہے۔ (شامی: ۵/ ۶۰)

سکران — جو شخص نشہ میں مبتلا ہو اس کی اذان مکروہ ہے، خواہ اس کا یہ نشہ مباح چیز کھانے کی وجہ سے کیوں نہ ہو، جس طرح کم عقل بچہ اور مدہوش کی اذان مکروہ ہے۔ اور بیٹھ کر اذان دینا بھی مکروہ ہے۔ ہاں اگر وہ صرف اپنے واسطے اذان دے تو بیٹھ کر اذان دینا مکروہ نہیں ہے۔ اسی طرح سواری پر سوار کی حالت میں اذان دینا مکروہ ہے البتہ اگر وہ سوار مسافر ہے تو اس کی اذان سوار ہونے کی حالت میں مکروہ نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آٹھ شخص کی اذان مکروہ ہے جو حسب ذیل ہیں:

۱- جس شخص پر غسل فرض ہو اس کی اذان مکروہ ہے۔

۲- عورتوں کی اذان مکروہ ہے، اس لیے کہ عورت کی آواز بھی اسلام میں پردہ ہے۔ فقہاء نے اس کی آواز کو بھی عورت قرار دیا ہے۔

۳- فاسق شخص خواہ عالم ہی کیوں نہ ہو اس کی اذان مکروہ ہے، لیکن متقی جاہل کی موجودگی میں فاسق عالم ہی اذان واقامت کے حقدار ہوں گے اس لیے کہ مسائل سے زیادہ واقف عالم ہی ہوگا۔ ہاں اگر کوئی دوسرا عالم موجود ہے جو متقی اور دیندار ہے تو ایسی صورت میں فاسق عالم کو اذان دینے کے لیے نہ کہا جائے گا۔

۴- خنثیٰ کی اذان بھی مکروہ ہے۔

۵- نشہ میں مبتلا آدمی کی اذان دینا مکروہ ہے خواہ نشہ مباح چیز کے استعمال کرنے کی وجہ سے ہو۔

۶- ایسا بچہ جو ناسمجھ ہو، اس کی اذان بھی مکروہ ہے۔

۷- بیٹھ کر اذان دینا بھی مکروہ ہے، ہاں اگر صرف اپنے لیے اذان دے رہا ہے تو مکروہ نہیں ہے۔

۸- غیر مسافر کے لیے سواری پر سوار ہونے کی حالت میں اذان دینا مکروہ ہے۔

کن کن لوگوں کی اذان وتکبیر لوٹانی چاہئے؟

جو اذان جنبی شخص دے اس کا لوٹانا مستحب ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا لوٹانا واجب ہے۔ البتہ جنبی شخص نے

اگر اقامت کہی تو اس کا لوٹانا واجب نہیں ہے اس لیے کہ جمعہ میں اذان کی تکرار ثابت ہے کہ دوبارہ ہوتی ہے، لہٰذا اس عذر کی وجہ سے اذان دوبارہ ہوسکتی ہے لیکن تکبیر کا ثبوت دوبارہ نہیں ہے اس لیے اس کا اعادہ کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح عورت کی اذان، مجنون شخص کی اذان، مدہوش شخص کی اذان، نشہ میں مبتلا شخص کی اذان، اور ناسمجھ بچہ کی اذان لوٹائی جائے گی، البتہ ان سب کی تکبیر نہیں لوٹائی جائے گی، اس دلیل کی وجہ سے جو گذری ہے یعنی اذان کا تکرار ثابت ہے لیکن تکبیر کا تکرار ثابت نہیں ہے۔

اگر موذن اذان دیتے وقت مرجائے تو کیا حکم ہے؟

اگر مؤذن اذان دیتے ہوئے مرجائے یا اس پر بیہوشی طاری ہوجائے، یا مؤذن اذان دیتے ہوئے گونگا ہوجائے، یا اس کی زبان بند ہوجائے اور وہاں کوئی تلقین کرنے والا موجود نہ ہو تو ان تمام صورتوں میں علی سبیل الوجوب اذان وتکبیر از سر نو لوٹائی جائے گی۔ اور اگر اذان وتکبیر کہتے ہوئے وضو ٹوٹ جائے اور وہ وضو کرنے کے لیے چلا جائے تو بھی اذان وتکبیر کا اعادہ کیا جائے گا۔ خلاصہ میں ایسا ہی مذکور ہے۔ لیکن سراج الوھاج میں ہے کہ مذکورہ صورتوں میں اذان وتکبیر کا لوٹانا مستحب ہے واجب نہیں ہے، اس میں یجب کے بجائے یندب کا لفظ آیا ہے۔

حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے یقین کے ساتھ یہ بات کہی ہے کہ مجنون، مدہوش اور اس بچہ کی اذان درست نہیں ہے جس کو عقل نہیں ہے۔ شارح کتاب علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ کافر اور فاسق کی اذان بھی جائز نہیں ہے اس لیے کہ ان لوگوں کی بات امورِ دینیہ میں مقبول نہیں ہوتی ہے۔ لیکن علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ فاسق کو کافر کے برابر قرار دے کر ان کی اذان کو درست نہ قرار دینا مناسب نہیں ہے، اس لیے کہ کافر اور غیر عاقل کی اذان بالکل درست نہیں ہے، جب کہ فاسق کی اذان درست ہے۔ (شامی: ۲/ ۶۲)

پانچ صورتوں میں اذان کا اعادہ واجب ہے

پانچ صورتوں میں اذان کا اعادہ کرنا ضروری ہے، ورنہ اذان درست نہ ہوگی:

۱- اذان دیتے ہوئے درمیان اذان میں مؤذن مرجائے تو از سر نو اذان کہنا واجب ہے۔

۲- درمیان اذان میں مؤذن کو غشی آجائے تو اس کا اعادہ واجب ہے۔

۳- درمیان اذان میں مؤذن گونگا ہوجائے اور اذان دینے پر قادر نہ رہ سکے۔

۴- درمیان اذان میں مؤذن رُک جائے، زبان اس کی بند ہوجائے تو اذان کا اعادہ واجب ہے۔

۵- اذان دیتے ہوئے مؤذن کا وضو ٹوٹ جائے اور وہ بقیہ اذان چھوڑ کر وضو کرنے کے لیے چلا جائے تو واپس آکر شروع سے اذان کہنا واجب ہے۔

ان پانچ صورتوں میں تکبیر کہنے والے کا حکم بھی وہی ہے جو مؤذن کا ہے، یعنی از سر نو تکبیر کہنا واجب ہے۔ مصنف علیہ الرحمہ

نے اس مؤذن کو یہاں بیان فرمایا اور تکبیر کہنے والے کا ذکر چھوڑ دیا ہے اس لیے کہ تکبیر کہنا بھی درحقیقت مؤذن کا ہی حق ہے۔
(کشف الاسرار:۱/۳۱۱)

مؤذن کے اوصاف کیسے ہوں؟

حاوی القدسی نامی کتاب میں مؤذن کے نو اوصاف بیان کئے گئے ہیں جو افادۂ عام کے پیش نظر ذیل میں درج ہیں:

۱- مؤذن مرد ہو، لہٰذا عورتوں کے لیے مؤذن ہونا درست نہیں ہے۔
۲- مؤذن، عاقل یعنی سمجھ دار ہو، لہٰذا غیر عاقل کا مؤذن ہونا درست نہیں ہے۔
۳- مؤذن نہایت نیک اور صالح ہو، فاسق و فاجر نہ ہو۔
۴- مؤذن ایسا ہو جو سنن سے واقف ہو۔
۵- اوقات کے علم سے پوری طرح باخبر ہو۔
۶- مؤذن کے اندر ایک صفت پابندی کا ہونا چاہئے، پابندی کے ساتھ اذان دے۔
۷- اذان دینے کا مقصد حصولِ ثواب اور رضائے الٰہی ہو، نیت کے اندر خلوص ہو۔
۸- مؤذن صفت عدالت کے ساتھ متصف ہو۔
۹- مؤذن ایسا ہو جو پابندی کا خیال کرتا ہو۔
۱۰- قبلہ کی جانب رُخ کر کے اذان دیتا ہو۔(شامی:۲/۶۰)

(وَكُرِهَ تَرْكُهُمَا) مَعًا (لِمُسَافِرٍ) وَلَوْ مُنْفَرِدًا (وَكَذَا تَرْكُهَا) لَا تَرْكُهُ لِحُضُورِ الرُّفْقَةِ (بِخِلَافِ مُصَلٍّ) وَلَوْ بِجَمَاعَةٍ (وَفِي بَيْتِهِ بِمِصْرٍ) أَوْ قَرْيَةٍ لَهَا مَسْجِدٌ، فَلَا يُكْرَهُ تَرْكُهُمَا إِذْ أَذَانُ الْحَيِّ يَكْفِيهِ (أَوْ) مُصَلٍّ (فِي مَسْجِدٍ بَعْدَ صَلَاةِ جَمَاعَةٍ فِيهِ) بَلْ يُكْرَهُ فِعْلُهُمَا وَتَكْرَارُ الْجَمَاعَةِ إِلَّا فِي مَسْجِدٍ عَلَى طَرِيقٍ فَلَا بَأْسَ بِذَلِكَ جَوْهَرَةٌ. (أَقَامَ غَيْرُ مَنْ أَذَّنَ بِغَيْبَتِهِ) أَيِ الْمُؤَذِّنِ (لَا يُكْرَهُ مُطْلَقًا) وَإِنْ بِحُضُورِهِ كُرِهَ إِنْ لَحِقَهُ وَحْشَةٌ، كَمَا كُرِهَ مَشْيُهُ فِي إِقَامَتِهِ. (وَيُجِيبُ) وُجُوبًا، وَقَالَ الْحَلْوَانِيُّ نَدْبًا، وَالْوَاجِبُ الْإِجَابَةُ بِالْقَدَمِ (مَنْ سَمِعَ الْأَذَانَ) وَلَوْ جُنُبًا لَا حَائِضًا وَنُفَسَاءَ وَسَامِعَ خُطْبَةٍ وَفِي صَلَاةِ جَنَازَةٍ وَجِمَاعٍ، وَمُسْتَرَاحٍ وَأَكْلٍ وَتَعْلِيمِ عِلْمٍ وَتَعَلُّمِهِ، بِخِلَافِ قُرْآنٍ (بِأَنْ يَقُولَ) بِلِسَانِهِ (كَمَقَالَتِهِ) إِنْ سَمِعَ الْمَسْنُونَ مِنْهُ، وَهُوَ مَا كَانَ عَرَبِيًّا لَا لَحْنَ فِيهِ، وَلَوْ تَكَرَّرَ أَجَابَ الْأَوَّلَ (إِلَّا فِي الْحَيْعَلَتَيْنِ) فَيُحَوْقِلُ (وَفِي الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ) فَيَقُولُ: صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ. وَيُنْدَبُ الْقِيَامُ عِنْدَ سَمَاعِ الْأَذَانِ بَزَّازِيَّةٌ، وَلَمْ يَذْكُرْ هَلْ يَسْتَمِرُّ إِلَى فَرَاغِهِ أَوْ يَجْلِسُ، وَلَوْ لَمْ يُجِبْهُ حَتَّى فَرَغَ لَمْ أَرَهُ. وَيَنْبَغِي تَدَارُكُهُ

إنْ قَصُرَ الْفَصْلُ، وَيَدْعُو عِنْدَ فَرَاغِهِ بِالْوَسِيلَةِ لِرَسُولِ اللَّهِ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – (وَلَوْ كَانَ فِي الْمَسْجِدِ حِينَ سَمِعَهُ لَيْسَ عَلَيْهِ الْإِجَابَةُ، وَلَوْ كَانَ خَارِجَهُ أَجَابَ) بِالْمَشْيِ إلَيْهِ (بِالْقَدَمِ، وَلَوْ أَجَابَ بِاللِّسَانِ لَا بِهِ لَا يَكُونُ مُجِيبًا) وَهَذَا (بِنَاءً عَلَى أَنَّ الْإِجَابَةَ الْمَطْلُوبَةَ بِقَدَمِهِ لَا بِلِسَانِهِ) كَمَا هُوَ قَوْلُ الْحَلْوَانِيِّ، وَعَلَيْهِ (فَيَقْطَعُ قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ لَوْ كَانَ يَقْرَأُ (بِمَنْزِلِهِ، وَيُجِيبُ) لَوْ أَذَانَ مَسْجِدِهِ كَمَا يَأْتِي (وَلَوْ بِمَسْجِدٍ لَا) لِأَنَّهُ أَجَابَ بِالْحُضُورِ، وَهَذَا مُتَفَرِّعٌ عَلَى قَوْلِ الْحَلْوَانِيِّ. وَأَمَّا عِنْدَنَا فَيَقْطَعُ وَيُجِيبُ بِلِسَانِهِ مُطْلَقًا، وَالظَّاهِرُ وُجُوبُهَا بِاللِّسَانِ لِظَاهِرِ الْأَمْرِ فِي حَدِيثِ «إذَا سَمِعْتُمْ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ» كَمَا بَسَطَ فِي الْبَحْرِ، وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ، وَقَوَّاهُ فِي النَّهْرِ نَاقِلًا عَنْ الْمُحِيطِ وَغَيْرِهِ بِأَنَّهُ عَلَى الْأَوَّلِ لَا يَرُدُّ السَّلَامَ وَلَا يُسَلِّمُ وَلَا يَقْرَأُ بَلْ يَقْطَعُهَا وَيُجِيبُ، وَلَا يَشْتَغِلُ بِغَيْرِ الْإِجَابَةِ. قَالَ: وَيَنْبَغِي أَنْ لَا يُجِيبَ بِلِسَانِهِ اتِّفَاقًا فِي الْأَذَانِ بَيْنَ يَدَيْ الْخَطِيبِ، وَأَنْ يُجِيبَ بِقَدَمِهِ اتِّفَاقًا فِي الْأَذَانِ الْأَوَّلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ لِوُجُوبِ السَّعْيِ بِالنَّصِّ. وَفِي التَّاتَارْخَانِيَّةِ إنَّمَا يُجِيبُ أَذَانَ مَسْجِدِهِ. وَسُئِلَ ظَهِيرُ الدِّينِ عَمَّنْ سَمِعَهُ فِي آنٍ مِنْ جِهَاتٍ مَاذَا يَجِبُ عَلَيْهِ؟ قَالَ: إجَابَةُ أَذَانِ مَسْجِدِهِ بِالْفِعْلِ. (وَيُجِيبُ الْإِقَامَةَ) نَدْبًا إجْمَاعًا (كَالْأَذَانِ) وَيَقُولُ عِنْدَ: قَدْ قَامَتْ الصَّلَاةُ: أَقَامَهَا اللَّهُ وَأَدَامَهَا (وَقِيلَ لَا) يُجِيبُهَا، وَبِهِ جَزَمَ الشُّمُنِّيُّ.

مسافر کے لیے اذان وتکبیر کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مسافروں کے لیے اذان وتکبیر دونوں کو چھوڑ دینا یا صرف تکبیر چھوڑ دینا مکروہ ہے، خواہ وہ مسافر تنہا ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ مسافر کے واسطے اذان چھوڑ دینا مکروہ نہیں ہے اس لیے کہ اذان کا مقصد لوگوں کو جماعت کے لیے بلانا ہے اور اس کے سارے ساتھی موجود ہیں (علامہ شامی فرماتے ہیں کہ مسافر اگر تنہا نماز ادا کرے تب بھی اذان کہہ لے اس لیے کہ مسافر جب اذان واقامت کہتا ہے تو اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی ایسی مخلوق نماز ادا کرتی ہے جس کو اس کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتی ہیں۔ (شامی:۲/۶۳)

گھر میں نماز ادا کرنے والوں کے لیے شہر کی اذان کافی ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ بیان فرماتے ہیں کہ برخلاف اس نمازی کے جو شہر میں اپنے گھر کے نماز پڑھتا ہے، خواہ جماعت کے ساتھ ہی کیوں نہ پڑھتا ہو، یا اس گاؤں میں نماز ادا کر رہا ہو جہاں مسجد ہے تو ایسی جگہ میں اذان یا تکبیر کا چھوڑ دینا یا دونوں کا چھوڑ دینا مکروہ نہ ہوگا، اس لیے کہ اس کے واسطے محلہ کی اذان کافی ہے۔ (ہاں اگر گاؤں میں مسجد نہ ہو یا مسجد تو ہو لیکن اس

میں اذان اور تکبیر نہ ہو تو اس مسجد کے نمازی کو چاہئے کہ اذان و تکبیر نہ چھوڑیں بلکہ اذان و تکبیر پڑھ کر نماز ادا کریں۔

جس مسجد میں جماعت ہو چکی ہو اس میں نماز پڑھنے والے کے لیے اذان و تکبیر کو چھوڑ دینا مکروہ نہیں ہے، بلکہ اذان و تکبیر کہنا اور اس مسجد میں دوبارہ جماعت کرنا مکروہ ہے ہاں اگر وہ راستہ کی مسجد ہے امام و مؤذن کچھ متعین نہیں ہے تو اس میں اذان و تکبیر کے ساتھ دوبارہ جماعت کرنا مکروہ نہیں ہے، جیسا کہ یہ مسئلہ جوہرۃ النیرہ میں موجود ہے۔ (علامہ شامی فرماتے ہیں کہ لفظ "لا بأس بہ" یہ بتا رہا ہے کہ اذان و تکبیر ایسی مسجد میں نہ دینا ہی بہتر ہے)۔

تکبیر کہنا کس کا حق ہے؟

مؤذن صاحب کی عدم موجودگی میں اگر کوئی دوسرا شخص تکبیر کہے تو یہ مطلقاً مکروہ نہیں ہے، خواہ مؤذن اس کو پسند کرے یا پسند نہ کرے۔ البتہ مؤذن کی موجودگی میں اگر کوئی دوسرا شخص تکبیر کہے اور مؤذن اس کو ناپسند کرے اور مؤذن کو اس سے وحشت ہوتی ہو تو ایسی صورت میں دوسرے شخص کے لیے تکبیر کہنا مکروہ ہے، کیونکہ تکبیر کہنا اذان دینے والے کا حق ہے اور یہ کراہت ایسی ہی ہے جیسی تکبیر میں چلنا مکروہ ہے۔

مسئلہ: بہتر تو یہ ہے کہ جو اذان دے وہی اقامت بھی کہے، اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ أَذَّنَ فَهُوَ يُقِيمُ. جو اذان دے وہی اقامت بھی کہے، لہٰذا اس حدیث کی وجہ سے بہتر یہ ہے کہ جو اذان دے وہی اقامت بھی کہے۔ (شامی: ۲/ ۶۴)

اذان سننے والے پر اذان کا جواب دینے کا حکم

اذان سننے والے پر اذان کا جواب دینا واجب ہے، خواہ اذان سننے والا شخص جنبی ہی کیوں نہ ہو۔ اور امام حلوانی نے کہا کہ اذان سننے والے پر کلماتِ اذان کا جواب دینا مستحب ہے اور پاؤں سے چل کر جواب دینا (یعنی مسجد جا کر نماز ادا کرنا) واجب ہے۔ اور اگر اذان سننے والی حائضہ عورت ہو یا نفاس والی عورت ہو تو اس کے لیے جواب دینا واجب نہیں ہے یا مرد خطبہ سن رہا ہو، یا جنازہ کی نماز میں ہو، یا بیوی کے ساتھ جماع کر رہا ہو، یا بیت الخلاء میں ہو، یا کھانا کھا رہا ہو، یا کوئی علم پڑھ رہا ہو، یا علم سیکھ رہا ہو، مذکورہ تمام حالتوں میں اذان کا جواب دینا سننے والے پر واجب یا مستحب نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص قرآنِ کریم کی تلاوت کر رہا ہو اور اذان کی آواز سنائی دے تو ترک کر اذان کے کلمات کا جواب دے۔

اذان کا جواب دینے کا طریقہ

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کلماتِ اذان کے جواب دینے کا طریقہ یہ ہے کہ مؤذن جس طرح کلمات ادا کر رہا ہے اسی طرح سننے والے بھی اذان کے کلمات اپنی زبان سے دہرائیں، بشرطیکہ مؤذن سنت کے مطابق اذان دے رہا ہو، اور وہ یہ

کہ اذان عربی زبان میں ہو، اس میں لحن نہ ہو، یعنی اذان میں ایسا لحن نہ ہو کہ اس سے اذان کے کلمات بدل جائیں، یا خوب کھینچ تان نہ ہو کہ الفاظ بدل جائیں۔ اور اگر اذان مکرر ہو تو پہلی اذان کا جواب دے گا، خواہ پہلی اذان مسجد کی ہو یا دوسری جگہ کی ہو۔

مؤذن کی اذان کے جواب میں سننے والے وہی کلمات دہرائیں جو مؤذن آدا کر رہا ہے، مگر حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں سننے والا حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح نہیں کہے گا بلکہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھے گا۔ اور الصلوٰۃ خیر من النوم کے جواب میں صدقت وبررت کہے گا (یعنی آپ نے سچ کہا ہے اور آپ نے اچھا کام کیا ہے)۔

اذان سننے کے بعد کھڑا ہونا مستحب ہے

فتاویٰ بزازیہ میں مذکور ہے کہ اذان سننے کے وقت کھڑا ہو جانا مستحب ہے۔ لیکن فتاویٰ بزازیہ میں یہ صراحت نہیں ہے کہ ختم اذان تک کھڑا رہے یا کھڑا ہو کر فوراً بیٹھ جائے۔ اور اگر کوئی شخص اذان سننے کے بعد جواب نہ دے تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ اس کے بارے میں میں نے کسی کتاب میں جزئیہ نہیں دیکھا ہے لیکن مناسب یہ ہے کہ اگر ابھی اذان سے فارغ ہونے زیادہ دیر نہیں ہوئی تو بعد میں جواب دے کر تدارک کر لے۔

اذان سے فارغ ہونے کے بعد دعاء کرنا

جب مؤذن اذان کے کلمات کہہ کر فارغ ہو جائے تو رسولِ اکرم ﷺ کے لیے دعاءِ وسیلہ کرے، مگر افضل یہ ہے کہ وسیلہ کی دعاء رسول اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھنے کے بعد کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے مسلمانو! جب تم مؤذن کو اذان کہتے سنو تو تم ویسا ہی کہو جیسا کہ مؤذن کہتا ہے، پھر میری ذات پر درود شریف پڑھو۔ اس لیے کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، پھر میرے واسطے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کے لیے سوال کرو۔ وسیلہ جنت میں ایک درجہ ہے جو مؤمن بندہ کے لیے تیار کیا گیا ہے اور میں امید کرتا ہوں وہ بندہ میں ہی ہوں، پس جو شخص اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلہ کا سوال کرے گا میری شفاعت اس کے حق میں ثابت ہو جائے گی۔

مسجد میں موجود شخص پر اذان کا جواب دینا واجب نہیں

اذان سنتے وقت اگر کوئی شخص مسجد ہی میں ہو تو اس پر اذان کا جواب دینا واجب نہیں۔ اور اگر کوئی شخص مسجد سے باہر ہے تو قدم سے چل کر مسجد میں آجانا ہی اس کے لیے جواب ہے۔ اگر کسی شخص نے زبان سے کلمات اذان کے جواب دیئے لیکن چل کر مسجد نہیں آیا تو وہ شریعت کی نظر میں جواب دینے والا شخص قرار نہیں پائے گا۔ اور درحقیقت اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ جو جواب شریعت میں مطلوب ہے وہ قدم سے چل کر مسجد حاضر ہونا ہے، زبان سے جواب دینا مقصود نہیں ہے جیسا کہ شیخ حلوانی کا قول نقل ہوا۔

گھر میں تلاوت کرنے والا شخص اذان سن کر تلاوت بند کر دے

اس قول کی بنیاد پر یہ جزئیہ نکلتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہے تو اذان سن کر تلاوت بند کردے اور کلماتِ اذان کا جواب دے اور مسجد آئے۔ اگر وہ اذان اس محلہ کی مسجد کی ہے جیسا کہ یہ مسئلہ آگے بھی آرہا ہے، البتہ اگر کوئی شخص مسجد ہی میں قرآنِ کریم کی تلاوت کر رہا ہے اور اذان ہونے لگی تو قرآن کی تلاوت کرنا بند نہ کرے اس لیے کہ وہ شخص مسجد میں حاضری دے کر جواب دے رہا ہے، لہٰذا اس پر تلاوتِ قرآن بند کرنا ضروری نہیں ہے۔ اور مذکورہ بالا مسئلہ شمس الائمہ حلوانی کے قول پر متفرع ہو رہا ہے۔

اور احناف کے نزدیک ایسا شخص بھی تلاوتِ قرآن کو بند کر کے کلماتِ اذان کا جواب زبان سے مطلقاً دے۔ اور ظاہر قول کے مطابق کلماتِ اذان کا جواب زبان سے دینا بھی واجب ہے۔ اس حدیث شریف کے ظاہری عبارت پر عمل کرتے ہوئے جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو جس طرح مؤذن کہتا ہے اسی طرح تم بھی کہو جیسا کہ صاحب البحر الرائق نے اس مسئلہ کو نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اور حضرت مصنفؒ نے اپنی شرح میں اس کو برقرار رکھا ہے۔ اور صاحب النہر الفائق نے محیط وغیرہ سے نقل کر کے اس کو مضبوط کیا ہے۔ اور قولِ اوّل کے مطابق انھوں نے مسئلہ یہ بتایا ہے کہ اذان سننے والا شخص نہ دوسرے کے سلام کا جواب دے گا اور نہ سلام کرے گا اور نہ قرآنِ کریم کی تلاوت کرے گا بلکہ اگر قرآنِ کریم کی تلاوت کر رہا ہو تو اس کو بند کر دے اور اذان کا جواب دے، جواب دینا چھوڑ کر کسی اور کام میں مشغول نہ ہو۔

جمعہ کے روز خطیب کے سامنے جو اذان دی جائے اسکا جواب زبان سے دینے کا حکم

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو اذان جمعہ کے دن امام کے سامنے دی جاتی ہے اس کا جواب زبان سے نہ دینا مناسب نہیں ہے۔ اور یہ ایک متفقہ مسئلہ ہے اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے اور جمعہ کے دن اذان اوّل سن کر مناسب یہ ہے کہ قدم سے چل کر مسجد آئے اور اس طرح جواب دے اس لیے کہ اذان اوّل کے بعد سعی الی الجمعہ کا واجب ہونا تو قرآنِ کریم سے ثابت ہے۔

مختلف مسجدوں کی اذان ایک مرتبہ سنائی دے تو کیا حکم

سوال: شہر کی مختلف مسجدوں سے اذان کی آواز سنائی دے تو کس مسجد کی اذان کا جواب دینا واجب ہے؟

جواب: اگر شہر میں مختلف مسجدوں سے اذان کی آواز آئے تو صرف اس مسجد کی اذان کا جواب دینا واجب ہے جس میں وہ نماز پڑھتا ہے اور شہر کی دوسری مساجد کی اذان کا جواب دینا شرعی اعتبار سے واجب نہیں ہے۔

شیخ ظہیر الدین سے یہ دریافت کیا گیا ہے کہ جو شخص ایک وقت میں مختلف جہات سے اور متعدد مساجد سے اذان کی آواز سنے وہ کس اذان کا جواب دے اور اس پر کیا واجب ہے؟ اس کے جواب میں شیخ نے فرمایا کہ اس پر اپنی مسجد کی اذان کا جواب

دینا بالفعل واجب ہے، یعنی چل کر مسجد حاضر ہو اور جماعت سے نماز ادا کرے، یہی بالفعل جواب دینے کا مطلب ہے۔

اقامت کے جواب دینے کا شرعی حکم

جس طرح مؤذن کی اذان سن کر اذان کا جواب دینا بقول بعض مستحب ہے اور بقول بعض واجب ہے اسی طرح تکبیر کے کلمات کا جواب دینا بھی واجب یا مستحب ہے، مگر شارح فرماتے ہیں کہ اقامت کے کلمات کا جواب دینا بالاتفاق مستحب ہے اور تکبیر میں جب قَدْ قَامَتِ الصَّلوٰةُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلوٰةُ کہا جائے تو اس کے جواب میں أقامها الله وأدامها الله کہا جائے گا۔ اور بعض علماء کا کہنا ہے کہ اقامت کے کلمات کا جواب نہ دے۔ اسی قول پر علامہ شمنی سے اعتماد اور یقین ظاہر کیا ہے۔ علامہ شامی نے فرمایا کہ جو شخص اقامت سنے وہ جواب نہ دے، اور تکبیر کے وقت دعاء وغیرہ میں مشغول ہونا کوئی حرج نہیں ہے۔ (شامی: ۲/ ۷۰)

قولہ فیقطع قراۃ القرآن: اذان سننے کے بعد تلاوت بند کردے اس کا مقصد یہ ہے کہ اجابت فعلی کی جانب سبقت کرے اور تلاوت قرآن کے لیے نہ بیٹھے اس لیے کہ اس سے سعی واجب میں خلل واقع ہوگا، ہاں مسجد کی جانب چلتے ہوئے تلاوت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (شامی: ۲/ ۶۸)

[فُرُوعٌ] صَلَّى السُّنَّةَ بَعْدَ الْإِقَامَةِ أَوْ حَضَرَ الْإِمَامُ بَعْدَهَا لَا يُعِيدُهَا بَزَّازِيَّةٌ. وَيَنْبَغِي إنْ طَالَ الْفَصْلُ أَوْ وُجِدَ مَا يُعَدُّ قَاطِعًا كَأَكْلٍ أَنْ تُعَادَ. دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالْمُؤَذِّنُ يُقِيمُ قَعَدَ إلَى قِيَامِ الْإِمَامِ فِي مُصَلَّاهُ. رَئِيسُ الْمَحَلَّةِ لَا يَنْتَظِرُ مَا لَمْ يَكُنْ شِرِّيرًا وَالْوَقْتُ مُتَّسِعٌ. يُكْرَهُ لَهُ أَنْ يُؤَذِّنَ فِي مَسْجِدَيْنِ وِلَايَةُ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ لِبَانِي الْمَسْجِدِ مُطْلَقًا وَكَذَا الْإِمَامَةُ لَوْ عَدْلًا. الْأَفْضَلُ كَوْنُ الْإِمَامِ هُوَ الْمُؤَذِّنُ. وَفِي الضِّيَاءِ «أَنَّهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - أَذَّنَ فِي سَفَرٍ بِنَفْسِهِ وَأَقَامَ وَصَلَّى الظُّهْرَ» وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ فِي الْخَزَائِنِ.

تکبیر کہنے کے بعد مکبر نے سنت پڑھی تو تکبیر کا اعادہ نہیں

ترجمہ وتشریح: اگر مکبر نے تکبیر کہنے کے بعد سنت پڑھی یا امام تکبیر ختم ہونے کے بعد آیا تو ان دونوں صورتوں میں تکبیر کا اعادہ نہیں ہے، یعنی دوبارہ تکبیر نہیں کہی جائے گی۔ یہ مسئلہ بزازیہ میں ہے۔ اور اگر تکبیر اور نماز کے درمیان طویل فصل ہوجائے یا ایسی بات پائی جائے جو نماز وتکبیر کے درمیان قاطع ہو جیسے کھانا تناول کرنا تو اس صورت میں تکبیر لوٹا لینا مناسب ہے۔

اگر کوئی شخص اقامت کے وقت مسجد میں داخل ہو تو وہ کیا کرے؟

ایک شخص مسجد میں اس حال میں داخل ہوا کہ مؤذن صاحب جماعت کے لیے تکبیر کہہ رہے تھے تو اس کو چاہئے کہ جب تک امام مصلی پر نہ آجائے اور کھڑا نہ ہوجائے اس وقت تک اپنی جگہ پر بیٹھ جائے۔ اور جماعت کھڑی کرنے میں محلہ کے

چودھری اور رئیس کا انتظار نہ کیا جائے، ہاں اگر وہ شریر ہو اور وقت کے اندر گنجائش بھی ہو تو اس کا انتظار کرنا جائز ہے اور اگر وقت میں وسعت نہیں ہے تو پھر انتظار نہ کیا جائے اگر چہ شریر ہی کیوں نہ ہو۔

ایک مؤذن کا ایک وقت میں دو مسجدوں میں اذان دینے کا حکم

ایک مؤذن کے لیے ایک وقت میں دو مسجدوں میں اذان دینا مکروہ ہے، لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ یہ کراہت اس وقت ہے جب مؤذن پہلی مسجد میں نماز ادا کر چکا ہو۔ اور اگر پہلی مسجد میں اذان دینے کے بعد مؤذن نے نماز نہیں پڑھی ہے تو پھر اس کے لیے دوسری مسجد میں اذان دینا مکروہ بھی نہیں ہے۔ (شامی: ۱/ ۷۱)

اذان وتکبیر کی ولایت کا حق کس کو حاصل ہے؟

اذان اور تکبیر کی ولایت حقیقت میں علی الاطلاق مسجد بنانے والے کو ہوتی ہے، اسی طرح مسجد بنانے والے ہی کو امامت کا بھی حق حاصل ہے، جب کہ مسجد کے بنانے والے لوگ عادل اور نیک ہوں، البتہ ولایت اذان واقامت مسجد بنانے والے کو حاصل ہے خواہ مسجد بنانے والے عادل ہوں یا غیر عادل۔

امام ہی کا مؤذن ہونا افضل ہے

بہتر یہ ہے کہ امام صاحب ہی مؤذن بھی ہوں۔ اور ضیاء المقدسی نامی کتاب میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بذات خود ایک سفر میں اذان دی ہے، اور پھر تکبیر بھی کہی اور ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ اور ہم نے اس کی تحقیق خزائن الاسرار میں کی ہے، لہٰذا وہیں ملاحظہ کر لیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا بنفس نفیس اذان دینا حدیث شریف سے ثابت ہے، چناں چہ ترمذی شریف میں حالت سفر میں آپ سے اذان کہنا مروی ہے اور شارح مسلم امام نوویؒ نے اس کو تسلیم بھی کیا ہے۔ لیکن علامہ شامی کی تحقیق کے مطابق آپ ﷺ سے بذات خود اذان دینا ثابت نہیں ہے بلکہ آپ نے حضرت بلال ؓ کو اذان پکارنے کا حکم فرمایا تھا اور حضرت بلال نے اذان دی تھی اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے اذان نہیں دی ہے۔ (شامی: ۲/ ۷۱)

بَابُ شُرُوطِ الصَّلَاةِ

یہ باب نماز کی شرطوں کے بیان میں

هِيَ ثَلَاثَةُ أَنْوَاعٍ: شَرْطُ انْعِقَادٍ: كَنِيَّةٍ، وَتَحْرِيمَةٍ، وَوَقْتٍ، وَخُطْبَةٍ: وَشُرُوطُ دَوَامٍ، كَطَهَارَةٍ وَسَتْرِ عَوْرَةٍ، وَاسْتِقْبَالِ قِبْلَةٍ. وَشَرْطُ بَقَاءٍ، فَلَا يُشْتَرَطُ فِيهِ تَقَدُّمٌ وَلَا مُقَارَنَةٌ بِابْتِدَاءِ الصَّلَاةِ وَهُوَ الْقِرَاءَةُ، فَإِنَّهُ رُكْنٌ فِي نَفْسِهِ شَرْطٌ فِي غَيْرِهِ لِوُجُودِهِ فِي كُلِّ الْأَرْكَانِ تَقْدِيرًا، وَلِذَا لَمْ يَجُزْ

اسْتِخْلَافُ الْأُمِّيِّ. ثُمَّ الشَّرْطُ لُغَةً الْعَلَامَةُ اللَّازِمَةُ. وَشَرْعًا مَا يَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ الشَّيْءُ وَلَا يَدْخُلُ فِيهِ (هِيَ) سِتَّةٌ (طَهَارَةُ بَدَنِهِ) أَيْ جَسَدِهِ لِدُخُولِ الْأَطْرَافِ فِي الْجَسَدِ دُونَ الْبَدَنِ فَلْيُحْفَظْ (مِنْ حَدَثٍ) بِنَوْعَيْهِ، وَقَدَّمَهُ لِأَنَّهُ أَغْلَظُ (وَخَبَثٍ) مَانِعٍ كَذٰلِكَ (وَثَوْبِهِ) وَكَذَا مَا يَتَحَرَّكُ بِحَرَكَتِهِ أَوْ يُعَدُّ حَامِلًا لَهُ كَصَبِيٍّ عَلَيْهِ نَجَسٌ إِنْ لَمْ يَسْتَمْسِكْ بِنَفْسِهِ مَنَعَ وَإِلَّا لَا كَجُنُبٍ وَكَلْبٍ إِنْ شُدَّ فَمُهُ فِي الْأَصَحِّ (وَمَكَانِهِ) أَيْ مَوْضِعِ قَدَمَيْهِ أَوْ إِحْدَاهُمَا إِنْ رَفَعَ الْأُخْرَى وَمَوْضِعِ سُجُودِهِ اتِّفَاقًا فِي الْأَصَحِّ، لَا مَوْضِعِ يَدَيْهِ وَرُكْبَتَيْهِ عَلَى الظَّاهِرِ إِلَّا إِذَا سَجَدَ عَلَى كَفِّهِ كَمَا سَيَجِيءُ (مِنَ الثَّانِي) أَيِ الْخَبَثِ، - ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ - فَبَدَنُهُ وَمَكَانُهُ أَوْلَى لِأَنَّهُمَا أَلْزَمُ (وَ) الرَّابِعُ (سَتْرُ عَوْرَتِهِ) وَوُجُوبُهُ عَامٌّ وَلَوْ فِي الْخَلْوَةِ عَلَى الصَّحِيحِ إِلَّا لِغَرَضٍ صَحِيحٍ، وَلَهُ لُبْسُ ثَوْبٍ نَجِسٍ فِي غَيْرِ صَلَاةٍ (وَهِيَ لِلرَّجُلِ مَا تَحْتَ سُرَّتِهِ إِلَى مَا تَحْتَ رُكْبَتِهِ) وَشَرَطَ أَحْمَدُ سَتْرَ أَحَدِ مَنْكِبَيْهِ أَيْضًا. وَعَنْ مَالِكٍ هِيَ الْقُبُلُ وَالدُّبُرُ فَقَطْ (وَمَا هُوَ عَوْرَةٌ مِنْهُ عَوْرَةٌ مِنَ الْأَمَةِ) وَلَوْ خُنْثٰى أَوْ مُدَبَّرَةً أَوْ مُكَاتَبَةً أَوْ أُمَّ وَلَدٍ (مَعَ ظَهْرِهَا وَبَطْنِهَا، وَ) أَمَّا (جَنْبُهَا) فَتَبَعٌ لَهُمَا، وَلَوْ أَعْتَقَهَا مُصَلِّيَةً، إِنِ اسْتَتَرَتْ كَمَا قَدَرَتْ صَحَّتْ وَإِلَّا لَا أَعْلَمَتْ بِعِتْقِهِ أَوَّلًا عَلَى الْمَذْهَبِ قَالَ: إِنْ صَلَّيْتِ صَلَاةً صَحِيحَةً فَأَنْتِ حُرَّةٌ قَبْلَهَا فَصَلَّتْ بِلَا قِنَاعٍ يَنْبَغِي إِلْغَاءُ الْقَبْلِيَّةِ وَوُقُوعُ الْعِتْقِ كَمَا رَجَّحُوهُ فِي الطَّلَاقِ الدَّوْرِيِّ (وَلِلْحُرَّةِ) وَلَوْ خُنْثٰى (جَمِيعُ بَدَنِهَا) حَتّٰى شَعْرُهَا النَّازِلُ فِي الْأَصَحِّ (خَلَا الْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ) فَظَهْرُ الْكَفِّ عَوْرَةٌ عَلَى الْمَذْهَبِ (وَالْقَدَمَيْنِ) عَلَى الْمُعْتَمَدِ، وَصَوْتُهَا عَلَى الرَّاجِحِ وَذِرَاعَيْهَا عَلَى الْمَرْجُوحِ

شرطیں تین طرح کی ہوتی ہیں

ترجمہ وتشریح اب اس باب سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ ان شرائط کو بیان فرمارہے ہیں جو نماز کی صحت وجواز کے لیے ضروری ہیں، شرطِ وجوب کو بیان نہیں فرمارہے ہیں جو تکلیف، قدرت اور وقت سے عبارت ہے اور نہ ہی اس باب میں شرط وجود کو بیان فرمارہے ہیں جو اس قدرت سے عبارت ہے جو فعل نماز کے ساتھ متصل ہو۔ نیز علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ شرط کی تین قسمیں ہیں:

(۱) شرطِ عقلی۔ (۲) شرطِ جعلی۔ (۳) شرطِ شرعی۔ شرطِ عقلی کی مثال جیسے بڑھئی کا بسولہ۔ اور شرطِ جعلی کی مثال جیسے کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ إن دخلتِ الدّارَ فأنتِ طالقٌ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھ کو طلاق ہے۔ اور شرطِ شرعی کی مثال نماز کے لیے پاکی وطہارت شرطِ شرعی ہے۔ یہاں جس شرط کو حضرت مصنف علیہ الرحمہ بیان فرمارہے ہیں وہ شرطِ شرعی ہے اس پر نماز کی

صحت وجواز موقوف رہتا ہے، یہاں شرط وجوب اور شرط وجود کو بیان نہیں فرمارہے ہیں۔

حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ شرطیں تین طرح کی ہوتی ہیں:

(۱) شرطِ انعقاد:

یعنی اسی شرط جو نماز کے منعقد ہونے کے لیے شرط اور ضروری ہے، جیسے نماز میں نیت کرنا، تحریمہ باندھنا، وقت کا ہونا۔ اور اگر جمعہ کی نماز ہو تو اس کے لیے خطبہ کا ہونا، جب تک یہ چیزیں نہ پائی جائیں گی نماز منعقد نہ ہوگی۔

(۲) شرطِ دوام:

دوسری قسم وہ شرط ہے جو دوام نماز کے لیے ضروری ہے جیسے جگہ کا پاک ہونا، بدن کا پاک ہونا، کپڑے کا پاک ہونا، ستر کا چھپا ہونا، اور قبلہ کی جانب رُخ کا ہونا۔ ان شرطوں کا نماز میں از اوّل تا آخر پایا جانا ضروری ہے۔ اگر ان شرطوں میں سے کوئی ایک شرط نماز کے درمیان سے فوت ہو جائے تو نماز نہ ہوگی۔

(۳) تیسری قسم کی شرط:

شرطِ بقاء ہے۔ اس شرط کا پہلے سے پایا جانا ضروری نہیں ہے اور نہ یہ شرط ہے کہ وہ ابتدائے نماز کے بالکل متصل پائی جائے، اور ایسی شرط قرأت ہے۔ قرأت فی نفسہٖ نماز کا رکن ہے لیکن غیر کے حق میں شرط ہے اس لیے کہ یہ قرأت تقدیرًا تمام ارکان میں پائی جاتی ہے اسی وجہ سے اَن پڑھ آدمی کو خلیفہ بنانا جائز نہیں ہے (اگرچہ یہ خلیفہ بنانا اخیر تشہد ہی میں کیوں نہ ہو)۔ (شامی: ۲/ ۷۳)

ایک اعتراض اور اس کا جواب

یہاں علامہ ابن عابدین شامیؒ ایک اعتراض کرتے ہیں پھر اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔ اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ رکن اس چیز کو کہا جاتا ہے جو شئی کی حقیقت اور ماہیت میں داخل ہو۔ اور شرط اس کو کہا جاتا ہے جو شئی کی حقیقت وماہیت کے اندر داخل نہ ہو بلکہ حقیقت سے خارج ہو، لہٰذا قرأت کے متعلق یہ کہنا کہ یہ فی نفسہٖ رکن ہے اور دوسرے کے حق میں شرط ہے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے اس لیے کہ جب قرأت رکن ہے تو شرط نہیں بن سکتی ہے اور جب شرط ہوگی تو رکن نہیں بن سکتی ہے، دونوں کے درمیان منافات ہے اور نہ یہ کہنا درست ہے کہ قرأت تمام ارکان میں پائے جانے کی وجہ سے شرط لغیرہٖ ہے تو یہ قرأت کی کوئی خصوصیت نہیں ہے، بلکہ تمام رکن ایسا ہی ہے لہٰذا اس کو خاص کرنے کا کوئی معنی نہیں رکھتا ہے؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ رکن کی دو قسمیں ہیں: (۱) رکن اصلی۔ (۲) رکن زائد۔

رکن اصلی وہ رکن ہے جو کسی صورت میں بھی نمازی سے ساقط نہ ہو۔ اور رکن زائد اس کو کہا جاتا ہے جو کبھی کبھی بلا ضرورت ساقط ہو جاتا ہے، جیسے قرأت ہے، مقتدی سے ساقط ہو جاتی ہے، چناں چہ ایک حالت کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو رکن اصلی قرار

دیا گیا ہے اور دوسری حالت میں اس کو رکن زائد قرار دیا ہے، اس لیے کہ نماز ماہیت اعتباریہ کا نام ہے، پس شارع کبھی ایک شئی کو رکن سمجھتی ہے اور دوسری شئی کو اس سے کم درجہ دیتی ہے۔

شرط کی لغوی اور شرعی تعریف

لغت کے اندر شرط ایسی علامت کو کہتے ہیں جو اس کے لیے لازم ہو۔ اور شریعت کی اصطلاح میں شرط ایسی چیز کو کہتے ہیں جس پر کوئی شئی موقوف ہو اور وہ حقیقت میں داخل نہ ہو، بلکہ حقیقت سے خارج ہو لیکن اس کے لیے لازم ہو۔

نماز کی شرطیں

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نماز کی شرطیں کل چھ ہیں جو یہاں اولاً اجمالاً بیان کی جاتی ہیں پھر ان کو تفصیل کے ساتھ نمبروار بیان کیا جائے گا۔ وہ چھ شرطیں یہ ہیں: (۱) بدن کا پاک ہونا۔ (۲) نمازی کے کپڑے کا پاک ہونا۔ (۳) نماز پڑھنے کی جگہ کا پاک ہونا۔ (۴) ستر کا چھپانا۔ (۵) نیت کرنا۔ (۶) قبلہ کی جانب رُخ کرنا۔ یہ کل چھ شرطیں نماز میں شرط ہیں، ان ان شرطوں کو عبارت کی روشنی میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

شرط نمبر ۱: نمازی کے بدن کا پاک ہونا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نمازی کے بدن کا پاک ہونا حدث کے دونوں قسم (حدث اصغر اور حدث اکبر) سے ضروری ہے۔ حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے بدن کا لفظ ذکر فرمایا اور شارح نے اس کی تفسیر لفظ "جسد" سے فرمائی ہے، اس کی وجہ یہ ہے تاکہ اس کے اندر اعضاء ہاتھ پاؤں بھی داخل ہو جائیں، بدن میں ہاتھ پاؤں داخل نہیں تھے، لہٰذا اس فرق کو خوب اچھی طرح یاد رکھا جائے۔ اور حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے حدث حکمی کو پہلے بیان فرمایا ہے اور حدث حقیقی کو بعد میں ذکر فرمایا ہے اس لیے کہ نجاست حکمی نجاست حقیقی سے زیادہ غلیظ اور زیادہ سخت ہے اور اسی طرح دونوں قسم کی اس نجاست سے پاک ہونا شرط ہے، جو نماز کے لیے مانع ہے۔

نجاست کی قسمیں

نجاست حکمی کی دو قسمیں ہیں: (۱) حدث اصغر، اس سے وضو واجب ہوتا ہے۔ (۲) حدث اکبر، اس سے غسل واجب ہوتا ہے۔ اور نجاست حقیقی کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک نجاست مغلظہ، دوسری نجاست مخففہ ہے۔ نجاست مغلظہ اگر ایک درہم سے کم مقدار میں لگی ہو تو معاف ہے اس کے ساتھ نماز ادا ہو جاتی ہے اور ایک درہم سے زیادہ ہو تو معاف نہیں ہے اور اس کے ساتھ نماز ادا نہ ہوگی۔ اور نجاست خفیفہ چوتھائی کپڑے میں لگ جائے تو معاف ہے اس سے زیادہ معاف نہیں ہے۔

شرط نمبر ۲: نمازی کے کپڑے کا پاک ہونا

صحت نماز کے لیے نمازی کی دوسری شرط یہ ہے کہ نمازی کے کپڑے پاک ہوں اور کپڑے سے مراد یہاں صرف کرتا

پائجامہ نہیں ہے بلکہ اس کے اندر ٹوپی موزہ اور نعل بھی داخل ہے، یعنی ان سب چیزوں کا پاک ہونا بھی شرط ہے۔ اسی طرح اس چیز کا پاک ہونا بھی شرط ہے جو نمازی کے ہلنے سے ہلے، اور نمازی کے بدن سے متصل ہو۔ مثال کے طور پر ایک لمبا رومال ہے جس کا ایک کنارہ گردن پر ہے اور دوسرا کنارہ زمین پر ہے اور اس میں اتنی نجاست لگی ہے جو نماز کے لیے مانع ہے اور اس کے حرکت کرنے سے اس کا کنارہ بھی حرکت کرے تو اس صورت میں نماز نہ ہوگی اور اگر اس کا کنارہ حرکت نہیں کرتا ہے تو نماز ہو جائے گی۔ اور اگر وہ ناپاک شئی ایسی ہے جو نمازی کے بدن سے متصل نہیں ہے جیسے چٹائی، بستر وغیرہ جس کا ایک کنارہ ناپاک ہے اور دوسرا کنارہ پاک ہے اور نماز پڑھنے والا شخص پاک کنارہ پر کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہا ہے تو نماز ہو جائے گی اور اگر کھڑے ہونے کی جگہ پیشانی رکھنے کی جگہ ناپاک ہو تو پھر نماز نہ ہوگی۔ (شامی: ۲/ ۷۴)

یا نمازی اس چیز کا اُٹھانے والا شمار کیا جائے جیسے کہ ایسا بچہ جس پر نجاست لگی ہو اگر وہ بچہ بذاتِ خود نہیں رُک پاتا ہے بلکہ نمازی نے اس کو روک رکھا ہے تو ایسی صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر وہ نجس بچہ بذاتِ خود رُک جاتا ہے اپنے رُکنے میں نمازی کا محتاج نہیں ہے تو ایسی صورت میں نمازی کو اُٹھانے والے قرار نہیں دیا جائے گا اور نماز ہو جائے گی۔

کتا لے کر نماز پڑھنے کا حکم

اگر کوئی شخص کتا جس کا منھ بندھا ہوا ہے اس کو لے کر نماز ادا کرے، یا جنبی آدمی کو لے کر نماز ادا کرے تو اصح قول کے مطابق نماز ادا ہو جائے گی۔ یہاں حضرت علامہ شامی فرماتے ہیں کہ اگر شارح علیہ الرحمہ و کلب إن شد فمہ کے بجائے کلب إن لم یسل منہ ما یمنع الصلاۃ کہتے تو زیادہ اولیٰ تھا، اس لیے کہ اگر مصلّی کو یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ کتے سے رال نہیں ٹپک رہی ہے یا رال اس مقدار سے کم ٹپکی ہے جو نماز کے لیے مانع ہے تو ایسی صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی اگر چہ کتے کا منھ بندھا ہوا نہ ہو۔ (شامی: ۲/ ۷۴)

اگر نمازی پر نجس کبوتر یا کوا اُڑ کر بیٹھ جائے تو کیا حکم ہے؟

ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا، دورانِ نماز اس پر کوئی ناپاک کبوتر یا ناپاک کوا اُڑ کر بیٹھ جائے، یا نمازی پر کوئی ناپاک بچہ بیٹھ جائے اور اس بچے نے اپنے آپ کو بذاتِ خود سنبھال رکھا ہے، نمازی کے پکڑنے کی ضرورت اس کو نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس کی نماز شرعی اعتبار سے ہو جائے گی۔ (شامی: ۲/ ۷۴)

شرط نمبر ۳: نماز پڑھنے کی جگہ کا پاک ہونا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تیسری شرط نماز کی جگہ کا پاک ہونا ہے، یعنی دونوں پاؤں کے رکھنے کی جگہ کا پاک ہونا، بشرطیکہ دونوں پاؤں زمین پر رکھتا ہو۔ اور اگر دونوں پاؤں زمین پر نہ رکھتا ہو بلکہ ایک رکھتا ہو اور دوسرے کو اُٹھائے رکھتا ہو تو ایک پاؤں رکھنے کی جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے۔ اور اصح قول کے مطابق اس کے سجدے کی جگہ کا بالاتفاق پاک ہونا ضروری

ہے۔اور ظاہر الروایہ کے مطابق دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنوں کی جگہ کا پاک ہونا ضروری نہیں ہے، ہاں اگر وہ اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر سجدہ کرتا ہے تو ایسی صورت میں اس جگہ کا پاک ہونا بھی شرط ہوگا، جیسا کہ آئندہ بھی یہ مسئلہ آئے گا۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص ناپاک جگہ پر شیشہ وغیرہ بچھا کر نماز پڑھے اور شیشے کے اوپر سے نجاست ظاہر ہو رہی ہو یعنی اندر کی نجاست شیشے کے اوپر سے دکھائی دے رہی ہو، تو بالاتفاق نماز جائز ہو جائے گی۔اسی طرح اگر کوئی شخص باریک کپڑے کو ناپاک جگہ بچھا کر نماز ادا کرے اور وہ کپڑا ایسا ہے کہ ستر عورت کے لیے ساتر بن سکتا ہے تو اس پر نماز پڑھنا درست ہے جیسا کہ صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیم المصری نے اس مسئلہ کو خلاصہ سے نقل فرمایا ہے۔(شامی: ۲/ ۷۴)

جگہ اور کپڑے کا نجاست حقیقی سے پاک ہونا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جگہ اور کپڑے کا جس طرح نجاست حکمی سے پاک ہونا ضروری ہے اسی طرح نجاست حقیقی سے بھی پاک ہونا شرط ہے۔اس کی دلیل قرآن کریم کی آیت ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: {وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ} اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنے کپڑے کو پاک کر لیجئے۔جب کپڑے کا پاک ہونا ضروری ہوا تو نمازی کے بدن، اس کی نماز پڑھنے کی جگہ کا پاک ہونا تو بدرجۂ اولیٰ ضروری ہوگا۔اس لیے کہ یہ دونوں چیزیں کبھی بھی جدا ہونے والی نہیں ہیں لہٰذا ان دونوں کا پاک ہونا تو بدرجۂ اولیٰ لازم ہوگا۔(شامی: ۲/ ۷۵)

شرط نمبر ۴: ستر کا چھپانا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نمازی کے لیے چوتھی شرط ستر کا چھپانا ہے۔اور اس کے وجوب میں عمومیت ہے۔یعنی ستر کا چھپانا صرف نماز کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ نماز اور نماز سے باہر بھی ستر کا چھپانا واجب ہے، حتیٰ کہ اگر آدمی اکیلا کسی خالی مکان میں ہو وہاں بھی اصح قول کے مطابق ستر چھپانا واجب ہے۔اور مجمع عام میں تو بالاتفاق ستر کا چھپانا واجب ہے۔(شامی: ۲/ ۷۵)

تاریک کوٹھری میں برہنہ نماز پڑھنے کا حکم شرعی

اگر کوئی شخص اندھیری کوٹھری میں جہاں کسی کی بھی نظر نہ پڑے برہنہ ہو کر نماز ادا کرے اور اس کے پاس پاک کپڑا موجود ہو تو اس کی نماز بالاتفاق جائز نہ ہوگی جیسا کہ یہ مسئلہ البحر الرائق میں مذکور ہے۔(شامی: ۲/ ۷۵)

ستر کا چھپانا بہر حال واجب ہے خواہ ایسے کپڑے کے ذریعہ ہو جس کا استعمال شرعی اعتبار سے جائز نہ ہو، جیسے ریشم کا کپڑا جائز نہیں ہے، لیکن ستر چھپانے کے لیے اس کا استعمال جائز ہے۔ہاں اگر بلا عذر ریشم استعمال کرے تو گناہ گار ہوگا۔جس طرح غصب کردہ زمین میں نماز پڑھنے سے گناہ گار ہوگا۔(شامی: ۲/ ۷۵)

اور اس کے واسطے خارج نماز میں ثوب نجس یعنی ناپاک کپڑے کا استعمال کرنا جائز ہے اس لیے کہ ستر کا چھپانا تو بہر حال

واجب ہے۔

مردوں کے ستر کی حد شرعی

مردوں کے لیے ستر کی حد ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے۔ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے نماز میں دونوں مونڈھوں میں سے ایک مونڈھے کا ڈھانکنا بھی شرط قرار دیا ہے۔ اور حضرت امام مالکؒ سے مروی ہے کہ ستر صرف قُبُل اور دُبر ہے، یعنی اگلا اور پچھلا راستہ ہے۔ اور مردوں کا جو حصہ ستر میں داخل ہے وہی حصہ باندی کا بھی ستر میں داخل ہے، خواہ باندی خنثیٰ ہی کیوں نہ ہو، یا مدبرہ یا مکاتبہ یا ام ولد ہی کیوں نہ ہو، البتہ باندی کی پیٹھ اور پیٹ بھی ستر میں داخل ہے۔ رہا باندی کا پہلو تو یہ پیٹھ اور پیٹ کے تابع ہے۔

اگر آقا نے اپنی باندی کو آزاد کر دیا اور نماز پڑھ رہی تھی، آزادی کی خبر سنتے ہی باندی نے فوراً ستر کر لیا اور ما بقیہ بدن کو ڈھانک لیا ہے تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی۔ اور اگر آزادی کی خبر سننے کے بعد اس نے اپنے تمام بدن کو نہیں چھپایا تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی، خواہ اس کو اپنی آزادی کا علم ہو یا نہ ہو صحیح مذہب کی روایت کے مطابق۔ آقا نے اپنی باندی سے یہ کہا کہ اگر تو صحیح نماز ادا کرے گی تو تو آزاد ہے نماز سے پہلے، چناں چہ اس نے بغیر دوپٹے کے نماز پڑھ ڈالی تو اس صورت میں باندی آزاد ہو جائے گی اور قبلیت کا ذکر باطل ہو جائے گا جیسا کہ علامہ دوری نے باب الطلاق میں اس کو راجح قرار دیا ہے۔

مسئلہ: اگر باندی کھلے سر نماز ادا کرے تو اس کی نماز بالاتفاق جائز ہے لیکن اگر باندی سینہ اور پستان کھلے ہونے کی حالت میں نماز ادا کرے تو نماز اکثر مشائخ کے نزدیک نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ باندی کا سینہ نماز کی حالت میں ستر میں داخل ہے، البتہ خارج نماز سینہ ستر میں داخل نہیں ہے لیکن معتمد قول یہ ہے کہ سینہ ستر میں داخل ہیں ہے گو نماز کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔ (شامی: ۲/۷۷)

آزاد عورت کے ستر کی شرعی مقدار

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ آزاد عورت کا پورا بدن ستر میں داخل ہے، یہاں تک کہ عورت کے وہ بال بھی اصح قول کے مطابق ستر میں داخل ہیں جو لٹکے ہوئے ہوتے ہیں، خواہ آزاد عورت خنثیٰ ہی کیوں نہ ہو، البتہ آزاد عورت کا چہرہ اور دونوں ہاتھ کی ہتھیلی اور دونوں پاؤں ستر میں داخل نہیں ہیں۔ اس بارے میں معتمد مذہب یہی ہے۔ اور راجح قول کے مطابق عورت کی آواز بھی عورت ہے۔ اور عورت کی دونوں کلائی بھی مرجوح قول کے مطابق ستر میں داخل ہے۔ لیکن علامہ شامی فرماتے ہیں کہ عورت کی کلائی اصح قول کے مطابق ستر میں داخل ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ کلائی نماز میں عورت ہے اور غیر نماز میں ستر میں داخل نہیں ہے۔ (شامی: ۲/۷۸)

(وَتُمْنَعُ) الْمَرْأَةُ الشَّابَّةُ (مِنْ كَشْفِ الْوَجْهِ بَيْنَ رِجَالٍ) لَا لِأَنَّهُ عَوْرَةٌ بَلْ (لِخَوْفِ الْفِتْنَةِ) كَمَسِّهِ وَإِنْ أَمِنَ الشَّهْوَةَ لِأَنَّهُ أَغْلَظُ، وَلِذَا ثَبَتَ بِهِ حُرْمَةُ الْمُصَاهَرَةِ كَمَا يَأْتِي فِي الْحَظْرِ (وَلَا يَجُوزُ

النَّظَرُ إِلَيْهِ بِشَهْوَةٍ كَوَجْهِ أَمْرَدَ) فَإِنَّهُ يَحْرُمُ النَّظَرُ إِلَى وَجْهِهَا وَوَجْهِ الْأَمْرَدِ إِذَا شَكَّ فِي الشَّهْوَةِ، أَمَّا بِدُونِهَا فَيُبَاحُ وَلَوْ جَمِيلًا كَمَا اعْتَمَدَهُ الْكَمَالُ: قَالَ: فَحِلُّ النَّظَرِ مَنُوطٌ بِعَدَمِ خَشْيَةِ الشَّهْوَةِ مَعَ عَدَمِ الْعَوْرَةِ. وَفِي السِّرَاجِ: لَا عَوْرَةَ لِلصَّغِيرِ جِدًّا، ثُمَّ مَا دَامَ لَمْ يُشْتَهَ فَقُبُلٌ وَدُبُرٌ ثُمَّ تُغَلَّظُ إِلَى عَشْرِ سِنِينَ، ثُمَّ كَبَالِغٍ. وَفِي الْأَشْبَاهِ: يَدْخُلُ عَلَى النِّسَاءِ إِلَى خَمْسَةَ عَشَرَ سَنَةً حُسِبَ (وَيَمْنَعُ) حَتَّى انْعِقَادَهَا (كَشْفُ رُبُعِ عُضْوٍ) قَدْرَ أَدَاءِ رُكْنٍ بِلَا صُنْعِهِ (مِنْ) عَوْرَةٍ غَلِيظَةٍ أَوْ خَفِيفَةٍ عَلَى الْمُعْتَمَدِ (وَالْغَلِيظَةُ قُبُلٌ وَدُبُرٌ وَمَا حَوْلَهُمَا، وَالْخَفِيفَةُ مَا عَدَا ذَلِكَ) مِنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ، وَتُجْمَعُ بِالْأَجْزَاءِ لَوْ فِي عُضْوٍ وَاحِدٍ، وَإِلَّا فَبِالْقَدْرِ، فَإِنْ بَلَغَ رُبُعَ أَدْنَاهَا كَأُذُنٍ مُنِعَ (وَالشَّرْطُ سَتْرُهَا عَنْ غَيْرِهِ) وَلَوْ حُكْمًا كَمَكَانٍ مُظْلِمٍ (لَا) سَتْرُهَا (عَنْ نَفْسِهِ) بِهِ يُفْتَى، فَلَوْ رَآهَا مِنْ زِيقِهِ لَمْ تَفْسُدْ وَإِنْ كُرِهَ. (وَعَادِمُ سَاتِرٍ) لَا يَصِفُ مَا تَحْتَهُ، وَلَا يَضُرُّ الْتِصَاقُهُ وَتَشَكُّلُهُ وَلَوْ حَرِيرًا أَوْ طِينًا يَبْقَى إِلَى تَمَامِ صَلَاةٍ أَوْ مَاءً كَدِرًا إِلَّا صَافِيًا إِنْ وَجَدَ غَيْرَهُ. وَهَلْ تَكْفِيهِ الظُّلْمَةُ؟ فِي مَجْمَعِ الْأَنْهُرِ بَحْثًا، نَعَمْ فِي الِاضْطِرَارِ لَا الِاخْتِيَارِ (يُصَلِّي قَاعِدًا) كَمَا فِي الصَّلَاةِ، وَقِيلَ مَادًّا رِجْلَيْهِ (مُومِيًا بِرُكُوعٍ وَسُجُودٍ، وَهُوَ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهِ) قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ وَ (قَائِمًا) بِإِيمَاءٍ أَوْ (بِرُكُوعٍ وَسُجُودٍ) لِأَنَّ السَّتْرَ أَهَمُّ مِنْ أَدَاءِ الْأَرْكَانِ (وَلَوْ أُبِيحَ لَهُ ثَوْبٌ) وَلَوْ بِإِعَارَةٍ (ثَبَتَتْ قُدْرَتُهُ) هُوَ الْأَصَحُّ، وَلَوْ وُعِدَ بِهِ يَنْتَظِرُ مَا لَمْ يَخَفْ فَوْتَ الْوَقْتِ هُوَ الْأَظْهَرُ كَرَاجِي مَاءٍ وَطَهَارَةِ مَكَانٍ، وَهَلْ يَلْزَمُهُ الشِّرَاءُ بِثَمَنِ مِثْلِهِ؟ يَنْبَغِي ذَلِكَ (وَلَوْ وَجَدَ مَا) أَيْ سَاتِرًا (كُلُّهُ نَجِسٌ) لَيْسَ بِأَصْلِيٍّ كَجِلْدِ مَيْتَةٍ لَمْ يُدْبَغْ (فَإِنَّهُ لَا يَسْتَتِرُ بِهِ فِيهَا) اتِّفَاقًا بَلْ خَارِجَهَا؛ ذَكَرَهُ الْوَانِيُّ (أَوْ أَقَلُّ مِنْ رُبُعِهِ طَاهِرٌ نُدِبَ صَلَاتُهُ فِيهِ) وَجَازَ الْإِيمَاءُ كَمَا مَرَّ، وَحَتَّمَ مُحَمَّدٌ لُبْسَهُ وَاسْتَحْسَنَهُ فِي الْأَسْرَارِ وَبِهِ قَالَتِ الثَّلَاثَةُ (وَلَوْ) كَانَ (رُبُعُهُ طَاهِرًا صَلَّى فِيهِ حَتْمًا) إِذِ الرُّبُعُ كَالْكُلِّ، وَهَذَا إِذَا لَمْ يَجِدْ مَا يُزِيلُ بِهِ النَّجَاسَةَ أَوْ يُقَلِّلُهَا؛ فَيَتَحَتَّمُ لُبْسُ أَقَلِّ ثَوْبَيْهِ نَجَاسَةً. وَالضَّابِطُ أَنَّ مَنِ ابْتُلِيَ بِبَلِيَّتَيْنِ فَإِنْ تَسَاوَيَا خُيِّرَ وَإِنِ اخْتَلَفَا اخْتَارَ الْأَخَفَّ.

مردوں کے درمیان دوشیزاؤں کو چہرہ کھولنے کی ممانعت

ترجمہ وتشریح حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نوجوان عورتوں کو مردوں کے درمیان چہرہ کھولنے سے روکا جائیگا، اس لیے نہیں روکا جائے گا کہ یہ ستر میں داخل ہے بلکہ فتنہ کے اندیشہ کی وجہ سے روکا جائے گا۔ جیسا کہ مرد کو عورتوں کو مس کرنے سے روکا

جائے گا اگر چہ شہوت سے مامون ہو، اس لیے کہ عورت کا چھونا نہایت غلیظ اور بری بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی جیسا کہ یہ مسئلہ کتاب الحظر والاباحۃ کے اندر آئے گی۔

مسئلہ: نوجوان عورتوں کو مردوں کے درمیان، نیز بازاروں میں چلتے ہوئے چہرہ کھول کر چلنے سے منع کیا جائے گا اس لیے کہ ممکن ہے کہ مرد چہرہ دیکھنے کے بعد فتنہ میں مبتلا ہو جائے، کیونکہ کھولے ہوئے چہرہ پر شہوت کے ساتھ نظر پڑنے کا غالب اندیشہ ہے۔ (شامی: ۲/۷۹)

مسئلہ: نوجوان عورتوں سے مصافحہ کرنا، ان کو چھونا، ان کو ہاتھ لگانا حرام ہے، ہاں اگر بوڑھی عورت ہو اور اس میں شہوت نہ ہو بلکہ وہ غیر مشتہاۃ ہو تو اس سے مصافحہ کرنا، اس کے ہاتھ کو چھونا جائز ہے۔ (شامی: ۲/۷۹)

بے ریش خوبصورت لڑکے کو شہوت کے ساتھ دیکھنے کا حکم

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ خوب صورت بے ریش لڑکے کے چہرہ کی جانب شہوت کے ساتھ دیکھنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ عورت کے چہرہ اور امرد لڑکے کے چہرہ کی جانب دیکھنا حرام ہے، بشرطیکہ شہوت کا ڈر ہو، البتہ اگر بغیر شہوت کے دیکھا جائے تو یہ مباح ہے اگر چہ لڑکا خوبصورت ہی کیوں نہ ہو۔ اسی قول پر صاحب فتح القدیر علامہ ابن الکمال نے اعتماد کیا ہے، اور انھوں نے فرمایا کہ دیکھنا اس وقت جائز ہے جب کہ شہوت کا خوف نہ ہو، نہ وہ محل ستر میں داخل ہے اور اگر شہوت کا خوف ہو تو وہ جگہ دیکھنا جائز نہ ہوگا۔

مسئلہ: بے ریش خوبصورت لڑکے کے ساتھ بغیر شہوت کے خلوت میں گفتگو کرنا جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے اسی وجہ سے امرد کو نقاب لگانے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ (شامی: ۲/۸۰)

بچوں کے ستر کا حکم

"سراج الوھاج" میں ہے کہ جو بچہ بہت زیادہ چھوٹا ہو اسکا کوئی ستر نہیں ہے، یعنی اس کے ستر کا چھپانا لازم نہیں ہے، پھر بھی پیشاب و پاخانہ کی جگہ کو چھپا کر رکھنا بہتر ہے، پھر جب بچہ دس برس کا ہو جائے تو یہ حصہ ستر غلیظ میں داخل ہے اور اس حصہ کو چھپایا جائے گا جس طرح بالغوں کا ستر چھپایا جاتا ہے۔ اسی طرح جو بچی بہت زیادہ چھوٹی ہو اس کا بدن ستر میں داخل نہیں ہے اور نہ ہی اس کا چھپانا لازم ہے، بلکہ جب تک بچہ یا بچی چار سال یا اس سے کم عمر کی ہو اس کے ستر کو چھونا اور اس کی طرف دیکھنا جائز ہے، اور صغیر اور صغیرہ کی تفسیر حضرات فقہاء کرام نے چار سال لکھی ہے اور بعض فقہاء کرام نے اس کی تحدید اس طرح فرمائی ہے کہ جب تک بچہ بات چیت نہ کرے وہ صغیر ہے۔

ناشعور لڑکا عورتوں کے پاس جا سکتا ہے

علامہ ابن نجیم نے الاشباہ والنظائر میں یہ بات لکھی ہے کہ پندرہ سال پورے ہونے سے پہلے پہلے لڑکا عورتوں کے پاس جا سکتا ہے، جب کہ اس کا بالغ ہونا کسی اور طرح سے معلوم نہ ہوا ہو۔ اور اگر کسی علامت بلوغ کے ذریعہ یہ معلوم ہو جائے کہ لڑکا

پندرہ سال سے پہلے ہی بالغ ہو چکا ہے تو ایسی صورت میں اس کو عورتوں کے پاس جانے سے روک دیا جائے گا، خواہ اس کی عمر پندرہ سال کی نہ ہو۔

حضرت علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں کہ اصح قول کے مطابق ذمیہ عورت اجنبی مرد کی طرح ہے، لہٰذا ذمیہ عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ مسلمان عورت کا بدن دیکھے۔ اور جسم کا ہر وہ حصہ جس کا دیکھنا جدائی سے پہلے ناجائز ہے جب وہ حصہ جدا ہو جائے تب بھی دیکھنا ناجائز ہے جیسے زیر ناف کے بال، اور عورت کے سر کے بال۔ اور مردہ آزاد عورت کی کلائی کی ہڈی کو دیکھنا جس طرح قبل الانفصال ناجائز ہے اسی طرح بعد الانفصال بھی ناجائز ہے۔ (شامی: ۲/ ۸۱)

نمازی کا ستر کھل جائے تو نماز جائز نہیں

حضرت مصنف علامہ تمرتاشی فرماتے ہیں کہ اگر ایک رکن کی ادائیگی کے بقدر ستر غلیظ یا ستر خفیف میں سے چوتھائی عضو نمازی کے کچھ کئے بغیر کھل جانا نماز کے لیے مانع ہے، یعنی اس صورت میں نماز فاسد ہو جاتی ہے، اس باب میں معتمد قول یہی ہے۔ اسی طرح اگر شروع ہی سے ستر غلیظ اور خفیف میں سے چوتھائی حصہ کھلا رہ جائے تو نماز شروع کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

مسئلہ: اگر نمازی کے فعل سے ستر غلیظ یا ستر خفیف میں سے چوتھائی حصہ کھل جائے تو فوراً نماز ہو جائے گی خواہ یہ کھلنا ایک رکن کی ادائیگی کے مقدار سے کم ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے ناپاک جوتے کو اٹھائے اور اس میں اتنی گندگی لگی ہے جو نماز کے لیے مانع ہے تو اس جوتے کے ساتھ ایک رکن ادا کر لیا تو نماز فاسد ہو جائیگی۔ (شامی: ۲/ ۸۲)

مرد اور عورت کے ستر غلیظ کیا کیا ہیں؟

حضرت مصنف علامہ تمرتاشیؒ فرماتے ہیں کہ مرد اور عورت کا ستر غلیظ قبل اور دُبر یعنی پیشاب و پاخانہ کا مقام اور اس کے آس پاس والا حصہ ہے۔ اور ران دونوں کے علاوہ جو حصہ ہے وہ ستر خفیف میں داخل ہے۔ حضرت علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ستر غلیظہ اور ستر خفیفہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، البتہ ستر غلیظہ کی جانب دیکھنا شدید حرام ہے اور اس میں زیادہ گناہ ہے ستر خفیفہ کے دیکھنے کے مقابلہ میں۔ (شامی: ۲/ ۸۲)

فتاویٰ ظہیریہ میں منقول ہے کہ گھٹنے کا ستر میں داخل ہونا ران کے مقابلہ میں ہلکا ہے، چناں چہ اگر کوئی شخص کسی کا گھٹنہ کھلا دیکھے تو اس کو نرمی سے سمجھائے اور کھولنے سے منع کرے اس کے ساتھ لڑائی نہ کرے، لیکن اگر کسی کی ران کھلی دیکھے تو سختی سے منع کرے، لیکن اس کی پٹائی نہ کرے۔ اور اگر ستر غلیظ کھلا دیکھے تو اس کو سمجھائے اور اس کی پٹائی بھی کرے اور ستر غلیظ کو چھپانے کے لیے کہے۔ (شامی: ۲/ ۸۲)

مرد کے ستر کے حصے آٹھ ہیں

حضرت علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں کہ مرد کے ستر والے حصے آٹھ ہیں، جن کو چھپانا لازم اور ضروری ہے۔ ہم افادۂ

عام کے پیش نظر یہاں سپرد قلم کر رہے ہیں:

۱- مرد کا ستر ذکر، یعنی پیشاب کا راستہ اور اس کے ارد گرد کا حصہ ہے

۲- دونوں فوتے اور اس کے آس پاس والا حصہ بھی ستر میں داخل ہے

۳- دُبر یعنی پاخانہ کا راستہ اور اس کے آس پاس کا حصہ داخل ستر ہے

۴،۵-اِلیتین یعنی دونوں چوتڑ ہیں

۶،۷-دونوں ران، گھٹنوں سمیت ستر میں داخل ہیں

۸- ناف سے لے کر عانہ تک کا جو حصہ ہے وہ بھی ستر میں داخل ہے۔(شامی:۲/۸۲)

باندی کے ستر بھی آٹھ ہیں

حضرت علامہ شامی فرماتے ہیں کہ باندی کے ستر بھی آٹھ ہی ہیں:

۱،۲- دونوں ران دونوں گھٹنوں سمیت

۳،۴-اِلیتین یعنی دونوں چوتڑ کا حصہ

۵- پاخانہ کا راستہ اور اس کے آس پاس کا حصہ

۶- پیشاب کا مقام اور اس کے آس پاس والا حصہ

۷- باندی کا پیٹ بھی ستر میں داخل ہے۔

۸- باندی کی پیٹھ بھی ستر میں داخل ہے اور انکے ساتھ پہلو کا جو حصہ متصل ہے وہ بھی ستر میں داخل ہے۔(شامی:۲/۸۳)

آزاد عورت کا ستر

آزاد عورت کے ستر بھی عند الفقہاء آٹھ ہی ہیں مگر مزید سولہ کا اضافہ کیا گیا ہے جو حسب ذیل ہیں:

(۱-۲) دونوں پنڈلی دونوں ٹخنوں سمیت

(۳-۴) دونوں پستان

(۵-۶) دونوں کان

(۷-۸) دونوں بازو دونوں کہنیوں سمیت ستر میں داخل ہیں

(۹-۱۰) دونوں کلائیاں دونوں گٹوں سمیت

(۱۱) سینہ (۱۲) سر

(۱۳) بال (۱۴) گردن۔

(۱۵-۱۶) دونوں ہتھیلیوں کی پشت۔

مذکورہ تمام اعضاء آزاد عورت کے ستر میں داخل ہیں، بلکہ دونوں مونڈھے بھی داخل ستر ہیں۔ (شامی: ۲/ ۸۳)

ستر کا ایک عضو مختلف جگہ سے کھل جائے تو کیا حکم

حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر ستر کے ایک عضو میں مختلف جگہوں سے تھوڑا تھوڑا حصہ کھل جائے تو ان تمام کو اجزاء کے اعتبار سے یکجا کیا جائے گا اور پھر اس پر شرعی حکم لگایا جائے گا۔ مثال کے طور پر ران ستر کا ایک حصہ ہے اس پر جو لباس اور کپڑا ہے وہ تھوڑا تھوڑا چند جگہ سے پھٹا ہے کہیں تو آٹھواں حصہ پھٹا ہے تو کہیں چھٹا حصہ پھٹا ہے، کہیں دسواں حصہ پھٹا ہے تو اگر یہ سب مل کر چوتھائی حصہ کے برابر ہو جاتا ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر سب مل کر باعتبار اجزاء کے چوتھائی حصہ کے برابر نہیں ہوتا ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ (شامی: ۲/ ۸۳)

اور اگر ستر کے ایک عضو کا مختلف حصہ نہیں کھلا بلکہ مختلف اعضائے ستر میں سے تھوڑا تھوڑا کھلا ہے تو پھر اس کو پیمائش کے اعتبار سے جمع کیا جائے گا، چناں چہ اگر وہ سب سے چھوٹے عضو کے چوتھائی حصہ کو پہنچ جائے، جیسے کان ہے تو نماز کے لیے مانع ہوگا اور اس کے ساتھ نماز درست نہ ہوگی۔

ستر کا حکم اپنے اعتبار سے

اور ستر کا چھپانا اپنے غیر سے شرط ہے، خواہ باعتبار حکم ہو، جیسے کہ اگر کوئی شخص اندھیری کوٹھری میں نماز ادا کرے اور ننگے ہو کر نماز ادا کرے تو تاریکی کی وجہ سے گو وہ چھپا ہوا ہے اور اپنی ستر پر نظر نہیں پڑ رہی ہے، لیکن شریعت کی نظر میں وہ ستر والا قرار نہیں پائے گا بلکہ اس حالت میں بھی کپڑے وغیرہ سے ستر کا چھپانا واجب ہوگا حضرات فقہاء کرام کے یہاں اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔

گریبان سے جھانک کر شرمگاہ دیکھنا

اگر کوئی شخص اپنی گریبان سے جھانک کر شرمگاہ کو دیکھتا ہے تو اس سے اس کی نماز فاسد نہ ہوگی گو کہ اس طرح سے شرمگاہ کو بحالت نماز دیکھنا مکروہ ہے اور مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمہ بن اکوع ؓ سے فرمایا: قمیص کی گھنڈی بند کرلو اگر چہ کانٹا ہی سے کیوں نہ ہو۔ (شامی: ۲/ ۸۴)

برہنہ شخص کس طرح نماز ادا کرے گا؟

اور اگر کوئی شخص ستر چھپانے کے واسطے کوئی ایسی چیز نہ پائے جو اس کا ستر اس طرح چھپا دے جو ظاہر نہ ہو سکے تو ایسا شخص بیٹھ کر رکوع وسجدے کے اشارہ کے ساتھ نماز ادا کرے، تاکہ اس کا برہنہ پن ہونا ظاہر نہ ہو۔ اور بعض حضرات فقہاء کرام نے فرمایا کہ برہنہ شخص اس طرح نماز ادا کرے کہ دونوں پاؤں آگے کی جانب پھیلا دے اور ستر غلیظ پر ہاتھ ڈال لے، لیکن پہلا قول

راجح ہے کہ بیٹھ کر نماز ادا کرے، اس لیے کہ اس صورت میں قبلہ کی جانب پاؤں پھیلانا لازم نہیں آئے گا، لیکن شرح منیہ میں ہے کہ دوسری صورت میں ستر زیادہ ہے اس لیے دوسری صورت اولیٰ ہے، ہدایہ وغیرہ میں اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔ نیز علامہ شامی نے بھی اسی قول کو درست قرار دیا ہے۔ (شامی: ۲/۸۵)

برہنہ شخص کا بیٹھ کر رکوع وسجدے کے اشارہ سے نماز پڑھنا افضل ہے

حضرت مصنفؒ نے فرمایا کہ برہنہ شخص کا بیٹھ کر رکوع وسجدہ کے ساتھ نماز ادا کرنا افضل ہے، اس کے کھڑے ہو کر رکوع وسجدہ کے اشارہ کے ساتھ نماز ادا کرنے سے، یا رکوع وسجدے کے ساتھ اس لیے کہ ستر کا چھپانا ارکان کی ادائیگی کرنے سے زیادہ اہم ہے، اس لیے کہ ستر کا چھپانا نماز اور غیر نماز دونوں حالتوں میں فرض ہے اور ارکان مثلاً رکوع وسجدہ یا قیام صرف نماز کے ساتھ خاص ہے۔

اور کپڑے وغیرہ کا بدن سے چپک کر عضو کی شکل بن جانا صحت نماز کے لیے مانع نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ بھی نماز درست ہے اور ریشمی کپڑے کا استعمال مردوں کے لیے حرام ہے اور اس کو پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، لیکن اگر کوئی شخص ستر چھپانے کے لیے کوئی شئی نہ پائے تو اس کے لیے ریشم کا کپڑا پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو ستر چھپانے کے لیے کوئی چیز نہ پائے تو وہ گیلی مٹی لگا کر اسی طرح گندہ پانی میں جو پوری مدت تک باقی رہ سکے نماز درست ہے، لیکن صاف وشفاف پانی میں بیٹھ کر نماز ادا کرنا درست نہیں ہے اگر اس کے علاوہ ستر چھپانے والا کوئی سامان موجود ہو، ہاں اگر ستر چھپانے کے لیے کوئی سامان وغیرہ موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں صاف وشفاف پانی میں بیٹھ کر نماز ادا کرنا جائز ہے۔ (شامی: ۲/۸۴)

تاریک کمرہ میں برہنہ نماز پڑھنے کا حکم

سوال: اگر کسی شخص کے پاس ستر چھپانے کے لیے کوئی کپڑا نہ ہو اور نہ ہی کوئی دوسری چیز ہو جس سے وہ اپنا ستر چھپا سکے تو کیا ایسے شخص کے لیے بند تاریک کمرہ میں برہنہ نماز ادا کرنے سے نماز ہو جائے گی؟

جواب: صاحب مجمع الانہر نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ مجبوری اور اضطرار کے وقت بند تاریک کمرہ میں برہنہ نماز ادا کرنے سے نماز ادا ہو جائے گی۔ اور بہتر یہ ہے کہ بیٹھ کر نماز ادا کرے خواہ گھر میں ادا کرے یا کسی جنگل میں ادا کرے اور بغیر مجبوری اور اضطرار کے بند کمرہ میں برہنہ نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ اور ادا کرنے سے نماز ادا نہ ہوگی۔ (شامی: ۲/۸۵)

اگر کوئی شخص ستر چھپانے کے لیے کپڑا دیدے تو کیا حکم ہے؟

اگر کوئی شخص برہنہ ہونے کی حالت میں نماز ادا کر رہا تھا کہ کسی نے ستر چھپانے کے واسطے کپڑا لا کر اس کو دے دیا، تو کپڑا دینے کی وجہ سے ستر کے چھپانے پر قادر سمجھا جائے گا اور ستر چھپا کر نماز ادا کرنا واجب ہوگا، اس باب میں یہی بات صحیح ہے۔ اور اگر کوئی شخص کپڑا دینے کا وعدہ کرے کہ میں ابھی ستر چھپانے کے واسطے کپڑا لا کر دیتا ہوں تو کپڑے کا اسوقت تک انتظار کرے

جب تک نماز کے وقت کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ اس مسئلہ میں ظاہر تر قول یہی ہے جس طرح اگر کوئی شخص پانی دینے کا وعدہ کرے اور نمازی کو اُمید ہے کہ وقت کے اندر اندر پانی مل جائے گا تو اس کا انتظار کیا جائے گا۔ اور اگر وقت کے فوت ہونے کا خوف ہو تو پھر تیمم کر کے نماز ادا کرے گا۔ اسی طرح اگر نماز ادا کرنے کے واسطے کوئی پاک جگہ نہ ہو اور یہ اُمید واثق ہو کہ وقت کے اندر اندر پاک جگہ نماز ادا کرنے کے واسطے مل جائے گا تو ایسی صورت میں نماز کو مؤخر کرے اور وقت کے فوت ہونے کا خوف ہو تو اس ناپاک جگہ میں نماز ادا کرلے۔

قیمتاً کپڑا خرید کر نماز ادا کرنا

یہاں ایک سوال یہ ہے کہ اگر ننگے شخص کو مناسب قیمت پر کپڑا مل رہا ہو تو کیا اس کا خریدنا لازم ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں! مناسب یہی ہے کہ خرید کر ستر چھپا کر نماز ادا کرے جس طرح اگر کوئی شخص پانی نہ پائے اور مناسب قیمت پر پانی مل رہا ہو تو اس کے واسطے پانی خرید کر وضو کر کے نماز ادا کرنا لازم ہے، تیمم کر کے نماز ادا کرنا جائز نہ ہوگا۔ (شامی: ۲/۸۶)

نجس کپڑے کے استعمال کرنے کا حکم

اور اگر ننگے شخص نے ایسی چیز پائی جو کل کی کل ناپاک ہے لیکن وہ اصلاً ناپاک نہیں ہے بلکہ وہ نجاست کے لگنے کی وجہ سے ناپاک ہوئی ہے جیسے مردار جانور کا چمڑا جو ابھی دباغت نہ دیا گیا ہو، تو اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ نماز کی حالت میں اس سے ستر نہ چھپائے اور یہ متفقہ مسئلہ ہے، البتہ نماز سے خارج میں اس سے ستر کو چھپا سکتا ہے، اس مسئلہ کو علامہ حلوانی نے بیان فرمایا ہے۔ اور اگر کسی ننگے شخص نے ایسی چیز ستر چھپانے کے لیے پائی جس کا چوتھائی سے کم پاک ہے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ اسی ناپاک کپڑے سے ستر چھپا کر نماز با قاعدہ قیام، رکوع اور سجدہ کے ساتھ ادا کرے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ ننگے اشارہ کے ساتھ نماز ادا کرے۔ اور حضرت امام محمدؒ نے اس چھپانے والی ناپاک چیز کے استعمال کو لازم قرار دیا ہے۔ اور اسرار نامی کتاب میں اسی قول کو مستحسن قرار دیا ہے اور اس کے قائل ائمہ ثلاثہ بھی ہیں۔

اور اگر اس ستر چھپانے والی چیز کا ایک چوتھائی حصہ پاک ہے تو پھر یقینی طور پر اس میں نماز ادا کرنا واجب ہے، اس لیے کہ چوتھائی حصہ کا پاک ہونا ایسا ہے گویا کہ کل کا کل پاک ہے۔ اور چوتھائی ناپاک کپڑے کو پہن کر نماز پڑھنے کے جائز ہونے کا حکم اس وقت ہے جب کہ نجاست کو دور کرنے کے واسطے یا کم کرنے کے واسطے کوئی چیز نہ ملے، دو ناپاک کپڑوں میں سے جس میں نجاست کم ہوگی اس کا پہننا لازم ہے۔

قاعدہ کلیہ

اس بارے میں ایک قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جب آدمی دو مصیبتوں میں گرفتار ہو جائے تو اگر وہ دونوں مصیبتیں برابر ہیں تو اس کو

اختیار ہے جس کو چاہے اختیار کرے۔ اور اگر دونوں مصیبتیں الگ الگ ہیں تو ان دونوں میں سے جو اخف ہوگی اس کو اختیار کرنا ہوگا۔ مثال کے طور پر ایک زخم خوردہ شخص ہے اگر وہ سجدہ کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے تو خون بہنے لگتا ہے اور بیٹھ کر سر کے اشارہ سے نماز ادا کرتا ہے تو خون نہیں بہتا ہے تو وہ اس صورت میں دوسری صورت کو اختیار کرے گا، اس لیے کہ بے وضو نماز ادا کرنے کے مقابلہ میں سر کے اشارہ سے باوضو ہو کر نماز ادا کرنا بہتر ہے، اس لیے کہ بسا اوقات اختیاری طور پر بھی رکوع وسجدہ ساقط ہو جاتا ہے جیسے کہ کوئی نفل نماز سواری پر ادا کرے تو اس سے رکوع وسجدہ ساقط ہو جاتا ہے اور وہ اشارہ سے ادا کرتا ہے، لیکن وضو کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہوتا ہے یعنی کسی بھی حال میں بے وضو نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ (شامی: ۲/۸۷)

مسئلہ: اگر کوئی شخص کپڑا دینے یا ڈول دینے کا وعدہ کرے تو اس کے لیے نماز کو مؤخر کرنا مستحب ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، بشرطیکہ وقت نکلنے کا خوف نہ ہو۔ اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک انتظار کرنا واجب ہے اگرچہ وقت کیوں نہ نکل جائے۔ (شامی: ۲/۸۶)

(وَلَوْ وَجَدَتْ) الْحُرَّةُ الْبَالِغَةُ (سَاتِرًا يَسْتُرُ بَدَنَهَا مَعَ رُبُعِ رَأْسِهَا يَجِبُ سَتْرُهُمَا) فَلَوْ تَرَكَتْ سَتْرَ رَأْسِهَا أَعَادَتْ بِخِلَافِ الْمُرَاهِقَةِ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا سَقَطَ بِعُذْرِ الرِّقِّ فَبِعُذْرِ الصِّبَا أَوْلَى (وَلَوْ) كَانَ يَسْتُرُ (أَقَلَّ مِنْ رُبُعِ الرَّأْسِ لَا) يَجِبُ بَلْ يُنْدَبُ، لَكِنْ قَوْلُهُ (وَلَوْ وَجَدَ) الْمُكَلَّفُ (وَمَا يَسْتُرُ بِهِ بَعْضَ الْعَوْرَةِ وَجَبَ اسْتِعْمَالُهُ) ذَكَرَهُ الْكَمَالُ: زَادَ الْحَلَبِيُّ: وَإِنْ قَلَّ يَقْتَضِي وُجُوبَهُ مُطْلَقًا فَتَأَمَّلْ (وَيَسْتُرُ الْقُبُلَ وَالدُّبُرَ) أَوَّلًا (فَإِنْ وَجَدَ مَا يَسْتُرُ أَحَدَهُمَا) قِيلَ (يَسْتُرُ الدُّبُرَ) لِأَنَّهُ أَفْحَشُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ. وَقِيلَ الْقُبُلَ حَكَاهُمَا فِي الْبَحْرِ بِلَا تَرْجِيحٍ. وَفِي النَّهْرِ: الظَّاهِرُ أَنَّ الْخِلَافَ فِي الْأَوْلَوِيَّةِ وَالتَّعْلِيلُ يُفِيدُ أَنَّهُ لَوْ صَلَّى بِالْإِيمَاءِ تَعَيَّنَ سَتْرُ الْقُبُلِ ثُمَّ فَخِذِهِ ثُمَّ بَطْنِ الْمَرْأَةِ وَظَهْرِهَا ثُمَّ الرُّكْبَةِ ثُمَّ الْبَاقِي عَلَى السَّوَاءِ. (وَإِذَا لَمْ يَجِدْ) الْمُكَلَّفُ الْمُسَافِرُ (مَا يُزِيلُ بِهِ نَجَاسَتَهُ) أَوْ يُقَلِّلُهَا لِبُعْدِهِ مِيلًا أَوْ لِعَطَشٍ (صَلَّى مَعَهَا) أَوْ عَارِيًا (وَلَا إِعَادَةَ عَلَيْهِ) وَيَنْبَغِي لُزُومُهَا لَوْ الْعَجْزُ عَنْ مُزِيلٍ وَعَنْ سَاتِرٍ بِفِعْلِ الْعِبَادِ كَمَا مَرَّ فِي التَّيَمُّمِ؛ ثُمَّ هَذَا لِلْمُسَافِرِ؛ لِأَنَّ لِلْمُقِيمِ يُشْتَرَطُ طَهَارَةُ السَّاتِرِ وَإِنْ لَمْ يُهْلِكْهُ. قُهُسْتَانِيٌّ.

اگر آزاد عورت کو کم کپڑا میسر ہو تو کیا کرے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر آزاد جوان عورت اپنے بدن کو چھپانے کے واسطے اتنا کپڑا پائے کہ اس سے صرف اس کا بدن اور چوتھائی سر چھپتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے بدن اور چوتھائی سر کو چھپائے، چناں چہ اگر اس عورت

نے اس کپڑے سے بدن کو چھپالیا لیکن سر چھپانے کو ترک کر دیا تو ایسی صورت میں اس کو نماز لوٹانی پڑے گی، برخلاف مراہقہ لڑکی کے جو ابھی مکمل بالغ نہیں ہوئی، بلکہ بلوغ کے قریب ہوگئی ہے، اس نے صرف اپنے بدن کو چھپایا اور سر چھپانے کو ترک کر دیا تو اس پر نماز کا اعادہ نہیں ہے اس لیے کہ جب باندی سے عذر کی وجہ سے سر کا چھپانا ساقط ہے تو بچپن کی وجہ سے سر کو ڈھانکنا بدرجۂ اولیٰ ساقط ہو جائے گا۔ (حدیث شریف میں رسول اکرم ﷺ نے بالغ عورت کی لیے فرمایا کہ: لا تصلی حائض بغیر قناع۔ کوئی بالغہ عورت دوپٹہ کے بغیر نماز ادا نہ کرے)۔ (شامی: ۲/ ۸۸)

ہاں اگر وہ کپڑا وغیرہ اس قدر چھوٹا ہے کہ بدن کے بعد چوتھائی سر کو بھی نہیں چھپا سکتی ہے بلکہ چوتھائی سر سے کم چھپا سکتی ہے تو ایسی صورت میں بالغہ عورت کے لیے سر کا چھپانا واجب نہیں ہے، بلکہ اس صورت میں سر کا چھپانا صرف مستحب ہوگا، اس لیے کہ جو کپڑا چوتھائی سے کم چھپائے اس کو کل کا حکم نہیں دیا جا سکتا ہے لیکن اس کے باوجود چھپانا افضل ہوگا، اس لیے کہ اس صورت میں ستر کا حصہ کم کھلا رہے گا۔

اگر ستر کا بعض حصہ چھپانے کے لیے کپڑا پائے تو کیا حکم ہے؟

اور حضرت مصنف علیہ الرحمہ کا یہ فرمانا کہ اگر مکلف ستر کے بعض حصہ کے چھپانے کے بقدر کپڑا وغیرہ پائے تو اس پر اس کا استعمال کرنا واجب ہے، جیسا کہ صاحب فتح القدیر علامہ کمال نے ذکر کیا ہے۔ اور شیخ حلبی نے مزید یہ اضافہ فرمایا ہے کہ وان قلّ "اگر چہ کم ہی کیوں نہ ہو"۔ یہ جملہ اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کا استعمال مطلقاً واجب ہے، پس مخاطب کو چاہئے کہ اس مسئلہ میں خوب غور وفکر کرے۔

یہاں علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صاحب درمختار نے "فتأمل" کہہ کر اس بات کی جانب اشارہ فرمایا ہے کہ صاحب فتح القدیر علامہ کمال ابن الہمام نے جو یہ فرمایا کہ اس کا استعمال مطلقاً واجب ہے، سر کے علاوہ حصہ میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر ستر کے چھپانے کے لیے کم کپڑا پائے پھر بھی استعمال کرنا واجب ہے، یعنی ستر چھپانا واجب ہے، سر کے علاوہ دیگر اعضاء ستر میں، اس لیے کہ سر کا چھپانا اتنا زیادہ اہم اور ضروری نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ مراہقہ لڑکی کی نماز کھلے سر بھی جائز ہے، لیکن دیگر اعضاء ستر کے کھلنے کے ساتھ جائز نہیں ہے۔ (شامی: ۲/ ۸۸)

کپڑا کم ہونے کی صورمیں ستر غلیظہ چھپانے کا حکم

اگر کوئی شخص ستر چھپانے کے لیے کپڑا وغیرہ کم پائے تو اس کو سب سے پہلے ستر غلیظہ پیشاب و پاخانہ کے مقام کو چھپائے، لیکن اگر کپڑا اس قدر کم ہے کہ دونوں کو اس سے نہیں چھپایا جا سکتا ہے بلکہ ان دونوں میں سے صرف ایک ہی کو چھپایا جا سکتا ہے تو ایسی صورت میں بعض علماء کرام کا کہنا ہے کہ پاخانہ کے مقام کو چھپائے اس لیے کہ رکوع وسجدہ کی حالت میں وہ بری طرح کھل

جائے گا اور نہایت برا معلوم ہوگا۔ اور بعض علماء کرام کا کہنا ہے کہ پیشاب کے مقام کو چھپائے اس لیے کہ وہ قبلہ کی جانب پڑتا ہے نیز سامنے کی جانب کوئی چیز بھی نہیں ہے جو اس کو چھپائے۔ اور دُبر تو الیتین کے ذریعہ کچھ نہ کچھ چھپ جاتا ہے۔ البحر الرائق میں ان دونوں قولوں کو بلا کسی ترجیح کے نقل فرمایا ہے۔ اور کنز الدقائق کی شرح النہر الفائق میں لکھا ہے کہ ظاہراً یہ اختلاف درحقیقت اولویت کا ہے اور علت کے بیان سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر وہ بیٹھ کر اشارہ سے نماز ادا کرے تو قبل کا چھپانا متعین ہے، پھر اس کے بعد ران کو چھپائے پھر اس کے بعد عورت کا پیٹ اور اس کی پیٹھ ہے، پھر گھٹنا ہے، پھر اس کے بعد تمام اعضاء ستر برابر ہیں جن کو چاہیے کہ چھپائے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص برہنہ حالت میں دونوں پاؤں قبلہ کی جانب پھیلا کر نماز ادا کرے یا تشہد میں جس طرح بیٹھا جاتا ہے اس طرح بیٹھ کر نماز ادا کرے تو ایسی صورت میں پاخانہ کو چھپانا متعین ہے اس لیے کہ اس صورت میں یہ ممکن ہے کہ خصیتین اور ذکر کو دونوں رانوں کے بیچ میں کر کے اس کو چھپالے لیکن پاخانہ کا راستہ چونکہ ظاہر ہو جائے گا اس لیے صورت ہذا میں اس کا چھپانا ہی متعین ہے۔ (شامی: ۲/ ۸۹)

نجاست دور کرنے کے واسطے کچھ نہ پائے تو کیا حکم ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر عاقل و بالغ مکلف مسافر نجاست کو دور کرنے کے لیے کوئی بھی چیز نہ پائے یا ایسی چیز نہ ملے کہ وہ نجاست کو کچھ کم کر سکے۔ اور یہ مجبوری ان کو یا تو پانی سے ایک میل دور ہونے کی وجہ سے پیش آئی یا پیاس کی وجہ سے پیش آئی، تو ایسی صورت میں اس کو اختیار ہے کہ اسی نجس کپڑے کے ساتھ نماز ادا کرے یا پھر برہنہ نماز ادا کرلے اور بعد میں جب ستر چھپانے کے لیے کوئی چیز مل جائے تو اس نماز کا اعادہ بھی واجب نہیں ہے، اس لیے کہ نماز کا اعادہ اس صورت میں لازم آتا ہے جب کہ نجاست کے دور کرنے والی چیز سے مجبوری یا ستر چھپانے کے چیز سے مجبوری بندے کے فعل کی وجہ سے پیش آئی ہو، جیسا کہ یہ مسئلہ باب التیمم کے تحت گذر چکا ہے۔ پھر یہاں یہ بات واضح ہونا چاہئے کہ برہنہ ہونے کی حالت میں نماز پڑھنے کی اجازت صرف مسافر کے لیے ہے اس لیے کہ مقیم شخص کے لے یہ شرط ہے کہ ستر چھپانے والی چیز پاک وصاف ہو اگرچہ وہ اس کا مالک نہ ہو، یہ مسئلہ قہستانی میں مذکور ہے۔ لیکن بقول علامہ شامی اس بارے میں مفتی بہ قول یہ ہے کہ جس طرح مسافر کے لیے مجبوری کے وقت نجس کپڑے میں نماز ادا کرنا جائز ہے اسی طرح مقیم کے لیے بھی مجبوری اور عذر کے وقت نجس کپڑے میں نماز ادا کرنا جائز ہے اس لیے کہ کبھی کبھی عجز کا تحقق مقیم میں بھی ہو جاتا ہے۔ (شامی: ۲/ ۹۰)

(وَ الْخَامِسُ (النِّيَّةُ) بِالْإِجْمَاعِ (وَهِيَ الْإِرَادَةُ) الْمُرَجِّحَةُ لِأَحَدِ الْمُتَسَاوِيَيْنِ أَيْ إِرَادَةُ الصَّلَاةِ لِلّٰهِ تَعَالَى عَلَى الْخُلُوصِ (لَا) مُطْلَقُ (الْعِلْمِ) فِي الْأَصَحِّ، أَلَا تَرَى أَنَّ مَنْ عَلِمَ الْكُفْرَ لَا يَكْفُرُ، وَلَوْ نَوَاهُ يَكْفُرُ (وَالْمُعْتَبَرُ فِيهَا عَمَلُ الْقَلْبِ اللَّازِمِ لِلْإِرَادَةِ) فَلَا عِبْرَةَ لِلذِّكْرِ بِاللِّسَانِ إِنْ خَالَفَ

الْقَلْبِ لِأَنَّهُ كَلَامٌ لَا نِيَّةٌ إِلَّا إِذَا عَجَزَ عَنْ إِحْضَارِهِ لِهُمُومٍ أَصَابَتْهُ فَيَكْفِيهِ اللِّسَانُ مُجْتَبَى (وَهُوَ) أَيْ عَمَلُ الْقَلْبِ (أَنْ يَعْلَمَ) عِنْدَ الْإِرَادَةِ (بَدَاهَةً) بِلَا تَأَمُّلٍ (أَيَّ صَلَاةٍ يُصَلِّي) فَلَوْ لَمْ يَعْلَمْ إِلَّا بِتَأَمُّلٍ لَمْ يَجُزْ. (وَالتَّلَفُّظُ) عِنْدَ الْإِرَادَةِ (بِهَا مُسْتَحَبٌّ) هُوَ الْمُخْتَارُ، وَتَكُونُ بِلَفْظِ الْمَاضِي وَلَوْ فَارِسِيًّا لِأَنَّهُ الْأَغْلَبُ فِي الْإِنْشَاءَاتِ، وَتَصِحُّ بِالْحَالِ قُهُسْتَانِيٌّ (وَقِيلَ سُنَّةٌ) يَعْنِي أَحَبَّهُ السَّلَفُ أَوْ سَنَّهُ عُلَمَاؤُنَا، إِذْ لَمْ يُنْقَلْ عَنِ الْمُصْطَفَى وَلَا الصَّحَابَةِ وَلَا التَّابِعِينَ، بَلْ قِيلَ بِدْعَةٌ. وَفِي الْمُحِيطِ يَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُصَلِّيَ صَلَاةَ كَذَا فَيَسِّرْهَا لِي وَتَقَبَّلْهَا مِنِّي، وَسَيَجِيءُ فِي الْحَجِّ (وَجَازَ تَقْدِيمُهَا عَلَى التَّكْبِيرَةِ) وَلَوْ قَبْلَ الْوَقْتِ: وَفِي الْبَدَائِعِ: خَرَجَ مِنْ مَنْزِلِهِ يُرِيدُ الْجَمَاعَةَ فَلَمَّا انْتَهَى إِلَى الْإِمَامِ كَبَّرَ وَلَمْ تَحْضُرْهُ النِّيَّةُ جَازَ. وَمُفَادُهُ جَوَازُ تَقْدِيمِ الْإِقْتِدَاءِ أَيْضًا فَلْيُحْفَظْ (مَا يُوجَدُ) بَيْنَهُمَا (قَاطِعًا مِنْ عَمَلٍ غَيْرِ لَائِقٍ بِصَلَاةٍ) وَهُوَ كُلُّ مَا يَمْنَعُ الْبِنَاءَ وَشَرَطَ الشَّافِعِيُّ قِرَانَهَا فَيُنْدَبُ عِنْدَنَا (وَلَا عِبْرَةَ بِنِيَّةٍ مُتَأَخِّرَةٍ عَنْهَا) عَلَى الْمَذْهَبِ، وَجَوَّزَهُ الْكَرْخِيُّ إِلَى الرُّكُوعِ (وَكَفَى مُطْلَقُ نِيَّةِ الصَّلَاةِ) وَإِنْ لَمْ يَقُلْ لِلَّهِ (لِنَفْلٍ وَسُنَّةٍ) رَاتِبَةٍ (وَتَرَاوِيحَ) عَلَى الْمُعْتَمَدِ، إِذْ تَعْيِينُهَا بِوُقُوعِهَا وَقْتَ الشُّرُوعِ، وَالتَّعْيِينُ أَحْوَطُ (وَلَا بُدَّ مِنَ التَّعْيِينِ عِنْدَ النِّيَّةِ) فَلَوْ جَهِلَ الْفَرْضِيَّةَ لَمْ يَجُزْ؛ وَلَوْ عَلِمَ وَلَمْ يُمَيِّزِ الْفَرْضَ مِنْ غَيْرِهِ، إِنْ نَوَى الْفَرْضَ فِي الْكُلِّ جَازَ، وَكَذَا لَوْ أَمَّ غَيْرَهُ فِيمَا لَا سُنَّةَ قَبْلَهَا (لِفَرْضٍ) أَنَّهُ ظُهْرٌ أَوْ عَصْرٌ قَرَنَهُ بِالْيَوْمِ أَوِ الْوَقْتِ أَوْ لَا هُوَ الْأَصَحُّ (وَلَوِ) الْفَرْضُ (قَضَاءً) لَكِنَّهُ يُعَيِّنُ ظُهْرَ يَوْمِ كَذَا عَلَى الْمُعْتَمَدِ، وَالْأَسْهَلُ نِيَّةُ أَوَّلِ ظُهْرٍ عَلَيْهِ أَوْ آخِرِ ظُهْرٍ. وَفِي الْقُهُسْتَانِيِّ عَنِ الْمُنْيَةِ: لَا يُشْتَرَطُ ذَلِكَ فِي الْأَصَحِّ وَسَيَجِيءُ آخِرَ الْكِتَابِ (وَوَاجِبٍ) أَنَّهُ وِتْرٌ أَوْ نَذْرٌ أَوْ سُجُودُ تِلَاوَةٍ وَكَذَا شُكْرٍ، بِخِلَافِ سَهْوٍ (دُونَ) تَعْيِينِ (عَدَدِ رَكَعَاتِهِ) لِحُصُولِهَا ضِمْنًا، فَلَا يَضُرُّ الْخَطَأُ فِي عَدَدِهَا

شرط نمبر ۵: نماز کی نیت کرنا

ترجمہ وتشریح عبارت مذکورہ سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ شرط نمبر ۵ کو بیان کر رہے ہیں۔ اور صحت نماز کے لیے پانچویں شرط نیت ہے۔ نماز کے واسطے نیت بالاجماع شرط ہے۔ یعنی نیت کا ثبوت نہ تو قرآنِ کریم کی آیت {وَ مَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ} سے ہے اور نہ ہی رسول اکرم ﷺ کی حدیث ”إنما الأعمالُ بالنيات“۔ سے ہے اس لیے کہ قرآنِ کریم میں عبادت سے مراد توحید باری تعالیٰ ہے اور حدیث شریف میں اعمال سے مراد اعمال کا ثواب ہے، رہا نفس عمل کا ثبوت تو وہ نیت کے بغیر بھی ہو سکتا ہے۔ (شامی: ۲/۹۰)

نیت کی لغوی واصطلاحی تعریف

نیت کے لغوی معنی: ارادہ اور عزم کے ہیں۔ اور یہاں نیت سے مطلق ارادہ اور عزم مراد نہیں ہے؛ بلکہ نیت سے مراد ایسا ارادہ ہے جو دو برابر چیزوں میں سے ایک کو راجح قرار دے۔ گویا یہاں نیت سے مراد ارادۂ جازمہ ہے۔ اور شریعت کی اصطلاح میں نیت سے مراد: اللہ تعالیٰ کے واسطے نماز کا ایسا ارادہ کرنا جو اخلاص پر مبنی ہو، اس میں ریاء اور دکھاوا ہرگز نہ ہو۔ اور اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے عبادت کرے اس میں کسی غیر کو شریک ہرگز نہ کرے۔ (شامی:۲/۹۰)

نیت کی حقیقت اور اس کی تفصیل

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اصح قول کے مطابق نیت مطلق علم کا نام نہیں ہے بلکہ نیت ارادۂ جازمہ کا نام ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی کو کفر کا علم ہوتا ہے تو اس کو کافر قرار نہیں دیا جاتا ہے۔ اور اگر کوئی کفر کی نیت کرتا ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ارادہ کے لیے علم لازم ہے، لیکن علم کے لیے ارادہ لازم نہیں ہے۔

حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ نیت محض علم کا نام نہیں ہے۔ یہ فرما کر درحقیقت محمد بن سلمہ پر رد فرمایا ہے جن کا کہنا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز شروع کرتے وقت محض یہ جان لے کہ کون سی نماز ادا کر رہا ہے تو صحت نماز کے لیے اتنی مقدار نیت کافی ہے، حالانکہ ایسی بات نہیں ہے علم یقین اور ارادہ جازمہ ضروری ہے۔ مفتاح اور شرح ابن ابن ملک میں ہے کہ محمد بن سلمہ کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جس نے نماز کا ارادہ کیا اور یہ جان لیا کہ یہ ظہر کی نماز ہے یا عصر کی نماز ہے، نفل ہے یا فرض، اداء ہے یا قضائی، تو اس طرح سے جاننا بلاشبہ نیت ہے، تعیین کے واسطے مزید نیت کی ضرورت نہیں ہے۔ (شامی:۲/۹۱)

زبان سے الفاظِ نیت ادا کرنا ضروری نہیں

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ نیت میں درحقیقت دل کا عمل معتبر ہے جو ارادہ کے لیے لازم ہے، لہٰذا زبان سے الفاظ ادا کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اگرچہ الفاظ ارادۂ قلب کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں، اس لیے کہ زبان سے الفاظ نیت ادا کرنا درحقیقت کلام ہے نیت نہیں ہے، نیت تو دل کے ارادۂ جازمہ کا نام ہے، چناں چہ اگر کسی نے دل سے یہ نیت کی کہ میں ظہر کی نماز فرض ادا کر رہا ہوں اور زبان سے بھول کر عصر کا لفظ نکل گیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، ظہر ہی کی نماز ادا ہوگی۔ (شامی:۲/۹۱)

احضارِ قلب کے واسطے زبان سے نیت کرنا

زبان سے الفاظِ نیت ادا کرنا تو ضروری نہیں ہے بلکہ ارادۂ قلب کافی ہے لیکن اگر کوئی شخص مصیبت اور پریشانی کی وجہ سے قلب کو حاضر کرنے سے مجبور ہو، محض دل کے ارادہ سے جماؤ پیدا نہ ہو تو اس کے واسطے زبان سے الفاظ نیت ادا کر لینا کافی ہے، یہ

مسئلہ مجتبیٰ نامی کتاب میں مذکور ہے۔

اور دل کا عمل یہ ہے کہ نمازی ارادہ کرتے وقت بغیر کسی سوچ وفکر کے یہ جان لے کہ کون سی نماز ادا کر رہا ہوں بایں طور کہ اگر کوئی اس سے معلوم کرے تو بلا کسی تامل کے فوراً جواب دے کہ میں فلاں نماز ادا کر رہا ہوں۔ اور اگر یہ بات حاصل نہیں ہے بلکہ تامل کے بعد جواب دے تو پھر ایسی صورت میں اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔ (شامی: ۲/ ۹۲)

زبان سے الفاظِ نیت کے متعلق علماءِ کرام کی آراء

دل سے ارادہ کرتے وقت زبان سے الفاظِ نیت کہہ لینا مستحب ہے۔ اس باب میں مختار قول یہی ہے۔ اور زبان سے جب نیت کے الفاظ ادا کرے تو نیت کے الفاظ میں ماضی کے صیغے ہونے چاہئے جو گذشتہ زمانہ پر دلالت کرے، خواہ نیت عربی زبان کے بجائے فارسی زبان ہی میں کیوں نہ ہو۔ عام طور پر ماضی کا صیغہ کی انشاء کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے، اس لیے ماضی کا صیغہ لانے کے لیے کہا گیا ہے، ویسے تو نیت صیغۂ حال سے بھی درست ہے جیسا کہ قہستانی میں ہے۔ عربی زبان میں نیت اس طرح کی جائے کہ: نَوَیْتُ أن أصلی رکعتی الفجر۔ اور فارسی زبان میں اگر کوئی نیت کرے تو اس طرح ادا کرے کہ: "نیت کردم کہ نمازِ فجر دو رکعات گذارم"۔ اور اُردو زبان میں نیت اس طرح کرے کہ: "میں فجر کی دو رکعت پڑھنے کی نیت کرتا ہوں"۔

بعض علماءِ کرام نے فرمایا کہ زبان سے الفاظِ نیت ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے، یعنی سلف نے اس کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے، یا پھر ہمارے علماءِ کرام کا طریقہ ہے۔ سنت سے مراد یہاں سنت شرعی نہیں ہے اس لیے کہ زبان سے الفاظِ نیت ادا کرنا نہ تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت اور منقول ہے نہ صحابۂ کرام سے ثابت ہے اور نہ ہی تابعین سے ثابت ہے۔ اس واسطے بعض علماء نے فرمایا کہ زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنا بدعت ہے۔ زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنے کے متعلق نہ حدیث مروی ہے اور نہ ہی اس بارے میں ضعیف حدیث مروی ہے، حتیٰ کہ حضرات ائمہ اربعہ سے بھی الفاظِ نیت ادا کرنا زبان سے مروی نہیں ہے، یہ حضرات جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو تکبیر تحریمہ سے نماز شروع کر دیتے تھے۔ (شامی: ۲/ ۹۲)

محیط میں ہے کہ نمازی ان الفاظ کے ساتھ نیت ادا کرے: اَللّٰھُمَّ إنی أرید أن أصلی صلاۃ کذا فیسرھا لی وتقبلھا منی۔ اے اللہ! میں فلاں نماز ادا کرتا ہوں، لہٰذا آپ اس کو آسان فرما دیجئے اور آپ اس کو میری طرف سے قبول فرما لیجئے، اس کی مزید تفصیل کتاب الحج میں عنقریب آرہی ہے۔

نیت کب کرنا چاہئے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نیت کو تکبیر تحریمہ پر مقدم کرنا جائز ہے، اگرچہ نیت کی یہ تقدیم وقت سے پہلے کیوں نہ ہو۔ اور بدائع الصنائع میں مذکور ہے کہ ایک شخص اپنے گھر سے جماعت سے نماز پڑھنے کے ارادہ سے نکلا، جب وہ امام

کے قریب پہنچا تو اس نے تکبیر تحریمہ کہی اور اس وقت اسے نیت یاد نہ تھی تو اس صورت میں نماز ہو جائے گی۔ اس عبارت سے یہ مسئلہ نکلا کہ اقتداء کی نیت بھی پہلے کر سکتے ہیں، لہٰذا اس مسئلہ کو یاد رکھنا چاہیے۔ (علامہ شامی فرماتے ہیں کہ حلیہ میں ابن ہبیرہ سے منقول ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ وقت داخل ہونے کے بعد اور تکبیر تحریمہ سے پہلے نیت کو مقدم کرنا جائز ہے، بشرطیکہ کوئی ایسا عمل نہ پایا جائے جو نیت کو قطع کردے، جیسے نیت کرنے کے بعد کھانے میں مشغول ہو گیا، یا بات چیت میں مشغول ہو گیا، تو اب سابقہ نیت باطل ہو جائے گی اور دوبارہ نیت کرنی لازم ہوگی، اس نیت سے تحریمہ شروع کرنا درست نہ ہوگا۔ (شامی: ۲/ ۹۳)

نیت کی تقدیم کب معتبر ہے؟

حضرت مصنف علامہ تمرتاشیؒ فرماتے ہیں کہ نیت کا مقدم ہونا اس وقت جائز ہے جب نماز اور نیت کے درمیان کوئی ایسا دنیاوی عمل نہ پایا جائے جو نیت کو کاٹ دینے والا ہو یا نماز کے مناسب نہ ہو۔ اور ہر ایسا عمل جس پر نماز کی بناء درست نہ ہو، نماز کے لیے غیر مناسب عمل کہا جائے گا۔ حضرت امام شافعیؒ (حضرت امام طحاوی اور حضرت محمد بن سلمہ) شرط لگاتے ہیں کہ نیت تحریمہ سے متصل ہو، پس اس کے پیش نظر نیت تحریمہ سے متصل ہونا ہمارے نزدیک مستحب ہوگا شرط نہ ہوگا اس لیے محل اختلاف سے بچنا حتی الامکان مستحب ہے۔

تکبیر تحریمہ باندھنے کے بعد نیت کرنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ نیت جو تکبیر تحریمہ کے بعد ہو صحیح مذہب کے مطابق وہ قابل اعتبار نہیں ہے، اس لیے کہ جو جزء نیت سے خالی گذر گیا وہ عبادت نہیں بن سکتی ہے، لہٰذا اس پر عبادات کو بناء کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔ اب یہاں اشکال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو جزء نیت سے خالی گذر گیا وہ عبادت میں شمار نہ ہوگا۔ اور اس پر بقیہ عبادت کی بناء درست نہ ہوگی، تو پھر روزہ میں بقیہ یوم کے روزے کی بناء کیوں درست ہے۔ اس اشکال کا جواب علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ روزہ میں ضرورت کے پیش نظر ہم نے جائز قرار دیا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص نماز پڑھتے ہوئے لفظ "اللہ اکبر" کہتے وقت نیت کرے تو یہ جائز نہیں ہے، اس لیے کہ لفظ "اللہ" سے نماز شروع کرنا صحیح ہے، پس گویا ایسا ہو گیا کہ تکبیر کے بعد نیت کی ہے اور تکبیر کے بعد جو نیت کی جاتی ہے اس کا اعتبار شریعت میں نہیں ہے۔ (شامی: ۲/ ۹۴)

نوافل کے لیے مطلق نیت کافی ہے

معتمد قول کے مطابق نفل، سنت مؤکدہ اور تراویح کی نماز مطلق نیت سے ادا کرنا صحیح ہے، اگرچہ یہ نہ کہا ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے واسطے اس کو ادا کر رہا ہوں۔ نفل، سنن اور تراویح کے لیے نیت کی تعیین ضروری نہیں بلکہ مطلق نیت کافی ہے، اس لیے اس کی

تعیین وقت میں شروع کرنے سے خود بخود ہوجاتی ہے۔ البتہ تعیین کر کے ادا کرنے میں زیادہ احتیاط ہے، یعنی اس طرح نیت کرے کہ میں سنت ادا کر رہا ہوں، نفل پڑھ رہا ہوں، یا فجر کی دو رکعت سنت پڑھ رہا ہوں، اس میں زیادہ احتیاط ہے، اگرچہ مطلق نیت سے بھی مذکورہ نمازیں ادا ہو جائیں گی۔

مطلق نیت سے فرض نماز درست نہیں

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ فرض نماز کی ادائیگی کے لیے نیت کا تعین ضروری ہے، فرض نماز مطلق نیت سے ادا نہ ہوگی، چناں چہ اگر کسی شخص کو یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ نمازیں فرض ہیں اس سے ناآشنا ہے لیکن اس نے ان نمازوں کو وقت پر ادا کرلیا تو اس صورت میں اس کا فرض ادا نہ ہوگا بلکہ بعد میں ان نمازوں کی قضاء لازم ہوگی۔ ہاں اگر جماعت کے ساتھ امام کی اقتداء میں نماز ادا کی اور امام کی نماز کی نیت کر لی ہے تو اس کی نماز اس صورت میں درست ہوجائے گی جیسا کہ علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق میں اس مسئلہ کو ظہیریہ سے نقل فرمایا ہے۔ (شامی: ۲/۹۵)

اسی طرح اگر کوئی شخص فرض نمازوں کو تو جانتا ہے کہ بعض نمازیں فرض ہیں، بعض واجب اور بعض نفل ہیں، لیکن اس نے فرض کو غیر فرض سے جدا نہیں کیا بلکہ اس نے تمام نمازوں میں فرض ہی کی نیت کر لی تو یہ نماز درست نہ ہوگی، جتنے فرض ہیں وہ فرض میں شمار ہوں گے، جتنے نفل ہیں وہ نفل میں شمار ہوں گے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے اپنے غیر کی امامت ان نمازوں میں کی جن سے پہلے سنت نہیں ہے تو اس صورت میں بھی نماز جائز ہوگی، خواہ وہ فرض اور نفل نماز میں امتیاز نہیں کر سکتا ہے، اس صورت میں امام اور مقتدی دونوں کی نماز درست ہے۔

فرض نمازوں میں نیت کرنے کا طریقہ

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ فرض نماز ادا کرتے وقت اس طرح تعین کرنا کہ وہ ظہر یا عصر کی نماز ادا کر رہا ہے ضروری ہے خواہ وہ اس کے ساتھ دن یا وقت کا لفظ ملائے یا نہ ملائے بہر صورت اس طرح تعین کرنے سے نماز ادا ہوجائے گی، اس بارے میں اصح مذہب یہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کہنا ضروری نہیں ہے کہ آج کی ظہر یا اس وقت کی عصر ادا کرتا ہوں، صرف ظہر کے فرض یا عصر کے فرض کی نیت کر لینا کافی ہے، اس لیے کہ جس وقت وہ نماز ادا کر رہا ہے وہ اسی نماز کے لیے متعین ہے، ہر فرض کی ادائیگی کے وقت صرف تعیین کی نیت کرے خواہ فرض ادا پڑھ رہا ہو یا قضاء، لیکن قضاء پڑھنے والا شخص اس بات کی بھی تعیین کر رہا ہو کہ فلاں دن کی ظہر یا عصر کا فرض قضاء پڑھ رہا ہوں، اس باب میں یہی معتمد قول ہے کہ قضاء نماز میں دن کی قید لگانا ضروری ہے۔

بہت ساری نمازیں قضاء ذمے میں ہوں تو کس طرح ادا کرے؟

اگر کسی شخص کے ذمہ میں بہت ساری نمازیں قضاء ہوں تو ان کو ادا کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ وہ اس طرح

نیت کرے کہ میرے ذمہ جو سب سے پہلی ظہر ہے اس کو ادا کر رہا ہوں، یا دوسری ظہر کی نماز قضاء کر رہا ہوں، جو مجھ پر واجب ہے لیکن قہستانی میں منیۃ المصلی سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ متعدد چھوٹی ہوئی قضاء نماز ادا کرنے کے لیے نیت کا متعین کرنا اصح قول کے مطابق شرط نہیں ہے۔ اور اس مسئلہ کا بیان عنقریب کتاب کے اخیر میں "مسائل شتیٰ" کے تحت آ رہا ہے، یعنی یہ کہنا ضروری نہیں ہے کہ میں آج کی ظہر ادا کر رہا ہوں یا کل گذشتہ کی ظہر پڑھ رہا ہوں، بلکہ نیت ظہر کافی ہے۔

واجب نماز ادا کرنے کی لیے تعیین نیت ضروری ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس طرح فرض نمازوں کی ادائیگی کے لیے نیت کا تعین ضروری ہے اسی طرح واجب نماز کی ادائیگی کے لیے نیت کا تعین ضروری ہے کہ جو نماز ادا کی جارہی ہے وہ وتر ہے یا نذر کی نماز ہے، یا سجدۂ تلاوت ہے یا سجدۂ شکر ہے اس کا تعین ضروری ہے، ہاں سجدۂ سہو کی ادائیگی کے لیے تعیین نیت ضروری نہیں ہے (شارحین فرماتے ہیں کہ اس مقام پر علامہ حصکفی سے سہو ہو گیا ہے اس لیے کہ سجدۂ سہو کی ادائیگی کے لیے بھی تعین نیت ضروری ہے، ہاں سجدۂ شکر ادا کرنے کے لیے تعیین نیت ضروری نہیں ہے اس لیے کہ سجدۂ شکر نفل ہے اور نفل میں تعیین نیت ضروری نہیں ہے۔ اور سجدۂ سہو واجب ہے اور واجب میں تعیین نیت ضروری ہے گویا حضرت شارح علیہ الرحمہ نے مسئلہ الٹ دیا ہے۔

لیکن حضرت علامہ شامیؒ نے شارح کی جانب سے وکالت کرتے ہوئے اشکال وجواب اس مقام پر پیش فرمایا ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ سجدۂ شکر نفل ہے اور نفل کے لیے نیت شرط نہیں ہے بلکہ نفل تو مطلق نیت سے بھی ادا ہو جاتی ہے، لہٰذا یہ فرمانا کہ سجدۂ شکر کے لیے نیت شرط کس طرح درست ہوگا؟

اس کا جواب علامہ شامی نے یہ دیا ہے کہ سجدۂ شکر اس حکم سے خارج ہے اس لیے کہ نماز بذات خود ایک عبادت ہے اور مشروع ہے، اس کی مشروعیت کسی سبب عارضی ہی کی وجہ سے ختم ہو سکتی ہے، بلکہ سجود کے یہ نماز سے خارج ہے اور بذات خود عبادت نہیں ہے بلکہ کسی سبب خارج کی وجہ سے سجدۂ عبادت شمار ہوگا اور تلاوت اور شکر ہے، پس جب مطلق نماز بولی جائے تو نفل مشروع پر محمول ہوگی اور نیت کا تعیین شرط نہ ہوگا۔ برخلاف مطلق سجود کے، جب مطلق سجدہ بولا جائے گا تو غیر مشروع پر محمول ہوگا اس لیے کہ سجود بذات خود مشروع نہیں ہیں بلکہ سبب خارج کی وجہ سے ہے اسی لیے ان کی ادائیگی کے لیے تعین ضروری ہے تاکہ مشروع ہوں اور دیگر سجود سے ممتاز ہوں۔ رہا سجدۂ سہو میں نیت شرط نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سجدۂ سہو درحقیقت نماز کی واجب کے نقصان کی تکمیل و تدارک کے لیے ہے، پس سجدۂ سہو حقیقت میں واجب کا بدل ہوگا اور نماز کے بعض کی نیت شرط نہیں ہے لہٰذا بدل کی بھی نیت ضروری نہیں۔ اور الاشباہ میں ہے کہ کوئی بھی مطلق نماز نیت کے بغیر درست نہ ہوگی اور سجدۂ تلاوت بھی نماز کی طرح ہے۔ اسی طرح سجدۂ شکر اور سجدۂ سہو بھی نماز ہی ہے لہٰذا ان سب کی ادائیگی کے واسطے نیت شرط ہوگی۔ (شامی: ۲/ ۹۷-۹۸)

کیا تعدادِ رکعات کی نیت بھی ضروری ہے؟

اب یہاں ایک سوال یہ ہے کہ کیا واجب اور فرض نماز ادا کرنے کے واسطے رکعات کے عدد کی تعیین ضروری ہے، یا بغیر تعیین نیت کے بھی نماز ادا ہوجائے گی؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ واجب اور فرض نماز میں رکعات کے عدد کی تعیین ضروری نہیں ہے، کیونکہ رکعات کی تعداد من جانب اللہ متعین ہے اس میں حذف واضافہ اور کمی وزیادتی کی قطعاً گنجائش نہیں ہے، لہٰذا اگر عدد کے بیان کرنے میں غلطی ہوجائے، مثلاً ظہر میں چار رکعات کے بجائے تین رکعات یا مغرب میں تین رکعات کے بجائے چار رکعات اور فجر میں دو رکعات فرض کے بجائے چار رکعات زبان سے ادا کردے تو اس سے کوئی نقصان نہیں ہے، نماز درست ہوجائے گی۔ علامہ ابن نجیم نے الاشباہ میں یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ: الخطأ فيما لا يُشترط له التعيين لا يضرُّ۔ جس میں تعیین ضروری اور شرط نہیں ہے اس میں غلطی کرنا مضر نہیں ہے۔ اور جامع الفتاویٰ میں نقل کیا ہے کہ فتاویٰ خانیہ میں ہے کہ رکعات کی تعداد کی نیت کرنا افضل ہے اور بعض حضرات نے تعدادِ رکعات کو زبان سے تلفظ کرنے کو مکروہ لکھا ہے، لیکن یہ قول بقول علامہ شامی نظر اور لائق تامل ہے۔ (شامی: ۲/۹۸)

(وَيَنْوِي) الْمُقْتَدِي (الْمُتَابَعَةَ) لَمْ يَقُلْ أَيْضًا لِأَنَّهُ لَوْ نَوَى الِاقْتِدَاءَ بِالْإِمَامِ أَوْ الشُّرُوعَ فِي صَلَاةِ الْإِمَامِ وَلَمْ يُعَيِّنْ الصَّلَاةَ صَحَّ فِي الْأَصَحِّ وَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ بِهَا لِجَعْلِهِ نَفْسَهُ تَبَعًا لِصَلَاةِ الْإِمَامِ، بِخِلَافِ مَا لَوْ نَوَى صَلَاةَ الْإِمَامِ وَإِنْ انْتَظَرَ تَكْبِيرَهُ فِي الْأَصَحِّ لِعَدَمِ نِيَّةِ الِاقْتِدَاءِ إلَّا فِي جُمُعَةٍ وَجِنَازَةٍ وَعِيدٍ عَلَى الْمُخْتَارِ لِاخْتِصَاصِهَا بِالْجَمَاعَةِ. (وَلَوْ نَوَى فَرْضَ الْوَقْتِ) مَعَ بَقَائِهِ (جَازَ إلَّا فِي الْجُمُعَةِ) لِأَنَّهَا بَدَلٌ (إلَّا أَنْ يَكُونَ عِنْدَهُ) فِي اعْتِقَادِهِ (أَنَّهَا فَرْضُ الْوَقْتِ) كَمَا هُوَ رَأْيُ الْبَعْضِ فَتَصِحُّ. (وَلَوْ نَوَى ظُهْرَ الْوَقْتِ فَلَوْ مَعَ بَقَائِهِ) أَيْ الْوَقْتِ (جَازَ) وَلَوْ فِي الْجُمُعَةِ (وَلَوْ مَعَ عَدَمِهِ) بِأَنْ كَانَ قَدْ خَرَجَ (وَهُوَ لَا يَعْلَمُهُ لَا) يَصِحُّ فِي الْأَصَحِّ وَمِثْلُهُ فَرْضُ الْوَقْتِ، فَالْأَوْلَى نِيَّةُ ظُهْرِ الْيَوْمِ لِجَوَازِهِ مُطْلَقًا لِصِحَّةِ الْقَضَاءِ بِنِيَّةِ الْأَدَاءِ كَعَكْسِهِ هُوَ الْمُخْتَارُ (وَمُصَلِّي الْجِنَازَةِ يَنْوِي الصَّلَاةَ لِلَّهِ تَعَالَى، وَ) يَنْوِي أَيْضًا (الدُّعَاءَ لِلْمَيِّتِ) لِأَنَّهُ الْوَاجِبُ عَلَيْهِ فَيَقُولُ أُصَلِّي لِلَّهِ دَاعِيًا لِلْمَيِّتِ (وَإِنْ اشْتَبَهَ عَلَيْهِ الْمَيِّتُ) ذَكَرًا أَمْ أُنْثَى (يَقُولُ نَوَيْت أَنْ أُصَلِّيَ مَعَ الْإِمَامِ عَلَى مَنْ يُصَلِّي عَلَيْهِ) الْإِمَامُ، وَأَفَادَ فِي الْأَشْبَاهِ بَحْثًا أَنَّهُ لَوْ نَوَى الْمَيِّتَ الذَّكَرَ فَبَانَ أَنَّهُ أُنْثَى أَوْ عَكْسُهُ لَمْ يَجُزْ، وَأَنَّهُ لَا يَضُرُّ تَعْيِينُ عَدَدِ الْمَوْتَى إلَّا إذَا بَانَ أَنَّهُمْ أَكْثَرُ لِعَدَمِ نِيَّةِ الزَّائِدِ (وَالْإِمَامُ يَنْوِي صَلَاتَهُ فَقَطْ) وَ (لَا) يُشْتَرَطُ لِصِحَّةِ الِاقْتِدَاءِ نِيَّةُ (إمَامَةِ الْمُقْتَدِي) بَلْ لِنَيْلِ الثَّوَابِ عِنْدَ اقْتِدَاءِ أَحَدٍ بِهِ قَبْلَهُ كَمَا بَحَثَهُ فِي الْأَشْبَاهِ (لَوْ أَمَّ رِجَالًا) فَلَا يَحْنَثُ فِي لَا يَؤُمُّ أَحَدًا مَا لَمْ يَنْوِ الْإِمَامَةَ (وَإِنْ أَمَّ نِسَاءً، فَإِنْ اقْتَدَتْ بِهِ) الْمَرْأَةُ (مُحَاذِيَةً لِرَجُلٍ فِي غَيْرِ صَلَاةِ جِنَازَةٍ، فَلَا بُدَّ) لِصِحَّةِ

صَلَاتِهَا (مِنْ نِيَّةِ إِمَامَتِهَا) لِئَلَّا يَلْزَمَ الْفَسَادُ بِالْمُحَاذَاةِ بِلَا الْتِزَامٍ (وَإِنْ لَمْ تَقْتَدِ مُحَاذِيَةً اُخْتُلِفَ فِيهِ) فَقِيلَ يُشْتَرَطُ وَقِيلَ لَا كَجِنَازَةٍ إِجْمَاعًا، وَكَجُمُعَةٍ وَعِيدٍ عَلَى الْأَصَحِّ خُلَاصَةٌ وَأَشْبَاهٌ، وَعَلَيْهِ إِنْ لَمْ تُحَاذِ أَحَدًا تَمَّتْ صَلَاتُهَا وَإِلَّا لَا (وَنِيَّةُ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ لَيْسَتْ بِشَرْطٍ مُطْلَقًا) عَلَى الرَّاجِحِ، فَمَا قِيلَ: لَوْ نَوَى بِنَاءَ الْكَعْبَةِ أَوِ الْمَقَامَ أَوْ مِحْرَابَ مَسْجِدِهِ لَمْ يَجُزْ مُفَرَّعٌ عَلَى الْمَرْجُوحِ (كَنِيَّةِ تَعْيِينِ الْإِمَامِ فِي صِحَّةِ الِاقْتِدَاءِ) فَإِنَّهَا لَيْسَتْ بِشَرْطٍ؛ فَلَوِ ائْتَمَّ بِهِ يَظُنُّهُ زَيْدًا فَإِذَا هُوَ بَكْرٌ صَحَّ إِلَّا إِذَا عَيَّنَهُ بِاسْمِهِ فَبَانَ غَيْرُهُ إِلَّا إِذَا عَرَّفَهُ بِمَكَانٍ كَالْقَائِمِ فِي الْمِحْرَابِ أَوْ إِشَارَةٍ كَهَذَا الْإِمَامِ الَّذِي هُوَ زَيْدٌ، إِلَّا إِذَا أَشَارَ بِصِفَةٍ مُخْتَصَّةٍ كَهَذَا الشَّابِّ فَإِذَا هُوَ شَيْخٌ فَلَا يَصِحُّ وَبِعَكْسِهِ يَصِحُّ لِأَنَّ الشَّابَّ يُدْعَى شَيْخًا لِعِلْمِهِ. وَفِي الْمُجْتَبَى نَوَى أَنْ لَا يُصَلِّيَ إِلَّا خَلْفَ مَنْ هُوَ عَلَى مَذْهَبِهِ فَإِذَا هُوَ غَيْرُهُ لَمْ يَجُزْ. [فَائِدَةٌ] لَمَّا كَانَ الِاعْتِبَارُ لِلتَّسْمِيَةِ عِنْدَنَا لَمْ يَخْتَصَّ ثَوَابُ الصَّلَاةِ فِي مَسْجِدِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - بِمَا كَانَ فِي زَمَنِهِ فَلْيُحْفَظْ

مقتدی کے لیے اقتداء کی نیت کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی امام کے پیچھے نماز ادا کرے تو اس کو اپنے امام کی اقتداء کی نیت کرنی چاہئے، یعنی یہ نیت کرے کہ میں امام صاحب کی اقتداء میں نماز ادا کر رہا ہوں۔ البتہ امام صاحب کے لیے امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔ اگر امام صاحب نے امامت کی نیت نہ بھی کی تب بھی نماز ادا ہو جائے گی اور امامت درست ہوگی۔
حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضرت مصنفؒ دیگر مصنفین کی طرح لفظ "ایضا" نہیں لائے ہیں۔ کنز الدقائق اور ملتقی وغیرہ میں یہاں لفظ ایضا موجود ہے، مگر صاحب تنویر الابصار نے لفظ ایضا کو ترک کر دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر نمازی امام کے اقتداء کی نیت کرے، یا امام کی نماز شروع کرنے کا ارادہ کرے اور نماز متعین نہ کرے تو بھی اصح ترین قول کے مطابق اقتداء درست ہوگی، اگرچہ مقتدی کو یہ معلوم نہ ہو کہ امام کی نماز کون سی ہے، پھر بھی اقتداء درست ہے اس لیے کہ اس نے اپنے آپ کو امام کی نماز کے تابع قرار دیدیا ہے۔
اس کے برخلاف اگر کسی شخص نے امام کی نماز کی نیت کی ہے تو اس صورت میں نماز درست نہ ہوگی کیونکہ اقتداء کی نیت نہیں پائی گئی ہے، اگرچہ مقتدی نے امام کی تکبیر تحریمہ کا انتظار کیوں نہ کیا ہو، ہاں اگر جمعہ کی نماز یا جنازہ کی نماز یا عیدین کی نماز ہے تو مختار قول کے مطابق امام کی نماز کی نیت کرنے سے نماز ہو جائے گی اس لیے کہ مذکورہ تمام نمازیں جماعت کے ساتھ مخصوص ہیں ان نمازوں کو تنہا ادا کرنا درست نہیں ہے۔

وقتیہ فرض کی نیت ادا کرنے کا حکم

اگر نماز پڑھنے والے نے وقتیہ فرض کی نیت کی اور ابھی اس فرض کا وقت تھا تو محض وقتیہ فرض کی نیت سے بھی درست ہے اور نماز جائز ہو جائے گی، لیکن جمعہ کی نماز میں اگر کسی نے وقت کا فرض کہہ کر ادا کیا تو جمعہ درست نہ ہوگا، بلکہ جمعہ کا نام لینا ہوگا اس لیے کہ جمعہ درحقیقت ظہر کے بدلہ میں ہے ہاں اگر کسی کے اعتقاد میں یہ ہو کہ جمعہ بھی وقت کا فریضہ ہے تو محض وقت کے فرض کہنے سے بھی جمعہ ادا ہو جائے گا جیسا کہ بعض فقہاء کرام کی رائے ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے وقت نکل جانے کے بعد وقتیہ فرض کی نیت کی اور نماز ادا کی تو اس نیت سے نماز جائز نہ ہوگی۔ اور اگر وقت کے نکلنے میں شک ہو اور اس نے وقت کے فرض کی نیت کی تو پھر درست ہے۔ (شامی: ۲/۹۹)

اگر کسی نے ظہر کے وقت کی نیت کی اور ظہر کا وقت باقی تھا تو اس کی یہ نیت جائز ہوگی اگرچہ یہ صورت جمعہ ہی میں کیوں نہ پیش آئی ہو۔ اور اگر کسی نے ظہر کے وقت کی نیت کی حالانکہ ظہر کا وقت نکل چکا تھا مگر اس کو وقت کے نکلنے کا علم نہ تھا اس طرح نیت کرنا صحیح تر قول کے مطابق درست نہ ہوگی۔ اور اسی کے مثل وقت کا فرض ہے، یعنی وقت کے نکل جانے کے بعد اگر کسی نے وقت کے فرض کی نیت کی تو اور وقت کے نکلنے کا علم نہ ہو تو پہلے مسئلہ کی طرح اس میں بھی نیت درست نہ ہوگی۔ اور الاشباہ والنظائر میں جو درست ہونے کا قول ہے وہ اصح کے خلاف ہے، پس بہتر یہ ہے کہ آج کے دن کی ظہر کی نیت کرے، اس لیے کہ اس طرح کی نیت کرنے کی صورت میں مطلقاً نماز صحیح ہو جاتی ہے، خواہ وقت میں ادا نماز پڑھے یا وقت نکلنے کے بعد قضاء ادا کرے، دونوں صورتوں میں جائز ہے، کیونکہ قضاء کی ادائیگی ادا کی نیت سے درست ہے جس طرح ادا کی نیت سے قضاء نماز پڑھنا درست ہے، اس بارے میں یہی مسلک مختار ہے۔

مسئلہ: اگر معذور شخص جمعہ کے دن ظہر کی نماز کی نیت کرے تو اس کی نیت درست ہے، خواہ اس کو وقتیہ کے فرض کا اعتقاد ہو یا نہ ہو۔ (شامی: ۲/۱۰۰)

نمازِ جنازہ میں نیت کا طریقہ

جنازہ کی نماز ادا کرنے والا شخص نیت کرے گا کہ نماز اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور دعا میت کے لیے۔ اور یہ اس لیے کہ جنازہ کی نماز ادا کرنے والے پر نماز کی نیت اور دعاء دونوں واجب ہیں، لہٰذا نمازِ جنازہ ادا کرنے والا شخص اس طرح نیت کرے گا کہ ”أُصَلِّي لِلّٰهِ دَاعِيًا لِلْمَيِّتِ“ میں نماز اللہ تبارک وتعالیٰ کے واسطے ادا کرتا ہوں اس حال میں کہ دعاء میت کے واسطے کرتا ہوں۔

قولہ لأنہ الواجب علیہ: صاحب درمختار علامہ حصکفی نے فرمایا کہ نیت اور دعاء دونوں ہی واجب ہے، اسی کے قائل علامہ زیلعی، صاحب البحر الرائق اور صاحب النہر الفائق ہیں۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جنازے کے رکن تین چیزیں ہیں: (۱) دعاء۔

(۲) قیام۔ (۳) تکبیر۔ لیکن محقق قول یہ ہے کہ جنازہ میں دعاء رکن میں داخل نہیں ہے، بلکہ دعاء مسنون ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۰۲)

اگر میت کے مذکر یا مؤنث ہونے کا علم نہ ہو تو کس طرح نیت کرے؟

اگر جنازہ کی نماز ادا کرنے والے کو یہ معلوم نہیں ہے کہ میت مرد ہے یا عورت؟ گویا نمازی پر مردہ کی حالت و حقیقت مشتبہ ہے تو پھر اس طرح نیت کرے کہ میں نے امام کے ساتھ نماز پڑھنے کی نیت کی، جس پر امام نماز ادا کرے گا میں بھی اسی پر نماز ادا کرتا ہوں۔ اور الاشباہ والنظائر میں بحث کرتے ہوئے اس کا فائدہ پہنچایا ہے کہ اگر کسی نے نماز جنازہ ادا کرتے ہوئے مردہ مرد کی نیت کی ہے پھر بعد میں معلوم ہوا کہ جس پر نماز جنازہ ادا کی گئی ہے وہ مرد نہیں بلکہ عورت ہے یا اس کا اُلٹا ہوا تو اس صورت میں نماز جنازہ درست نہ ہوگی، کیونکہ میت درحقیقت امام کی طرح ہے، لہٰذا جس طرح امام کی تعیین میں غلطی کرنے سے نمازِ جنازہ درست نہیں ہوتی ہے، اسی طرح میت کی تعیین میں غلطی کرنے سے نمازِ جنازہ درست نہ ہوگی، اس لیے افضل یہ ہے کہ اس طرح نیت کرے کہ میں اس میت کی جنازہ کی نماز ادا کرتا ہوں اس اشارہ سے وہ متعین ہو جائے گا اور خواہ مرد ہو خواہ عورت اس میں داخل ہو جائے گا۔ (شامی: ۲/ ۱۰۳)

مُردوں کی تعداد کی تعیین میں غلطی مضر نہیں

الاشباہ والنظائر میں مذکور ہے کہ مردوں کی تعداد کی تعیین نقصان دہ نہیں ہے، البتہ اس وقت تعداد کی تعیین میں غلطی مضر ہوگی جب مردوں کی تعداد اس مقدار سے زیادہ ہو جتنی کہ متعین کی تھی، اس لیے کہ اس صورت میں زائد کی نیت نہیں پائی گئی ہے۔ مثال کے طور پر کسی نے دس مردوں کی نیت کی، تو اگر مردے دس یا اس سے کم ہیں تو اس صورت میں نیت درست قرار دی جائے گی اور نمازِ جنازہ درست قرار پائے، لیکن اگر مردوں کی تعداد اس سے زیادہ گیارہ بارہ نکل جائے تو اس صورت میں زائد کے اندر چونکہ نیت نہیں پائی گئی ہے اس لیے جنازہ کی نماز درست نہ ہوگی۔ (شامی: ۲/ ۱۰۳)

امام صاحب کس طرح نیت کریں؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امام صرف اپنی نماز کی نیت کرے گا، مقتدی کی امامت کی نیت کرنا اس کے لیے شرط نہیں ہے، البتہ جماعت کا ثواب حاصل کرنے کے لیے جب کہ کوئی مقتدی ہو تو صرف اس وقت نیت شرط ہے پہلے سے شرط نہیں ہے جیسا کہ الاشباہ والنظائر میں اس مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام کے لیے اپنی امامت کی نیت کرنا شرط نہیں ہے، امامت کی نیت کئے بغیر بھی نماز درست ہو جائے گی، البتہ مقتدیوں کو اپنے امام کی اقتداء کی نیت کرنا یعنی میں اس امام کے پیچھے نماز ادا کر رہا ہوں ضروری ہے اس کے بغیر مقتدی کی نماز درست نہ ہوگی۔

اب یہاں ایک مسئلہ یہ ہے کہ جب امام کے لیے امامت کی نیت شرط نہیں ہے تو اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ کسی کی امامت

نہیں کرے گا اور وہ بغیر امامت کی نیت کے کھڑا ہو گیا اور لوگ اس کی اقتداء کی نیت سے پیچھے کھڑے ہو گئے اور وہ شخص لوگوں کا امام بن گیا تو اس صورت میں وہ حانث نہ ہوگا اس لیے کہ حانث ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ امامت کا قصد کرے اور یہاں قصد مفقود ہے۔ لیکن الاشباہ میں یہاں مذکور ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں کسی کی امامت نہیں کروں گا چناں چہ ایک آدمی نے اس کی اقتداء کر لی تو اس صورت میں اقتداء درست ہے، لیکن اب یہاں یہ مسئلہ رہ جاتا ہے کہ وہ حانث ہوگا یا نہیں؟

فتاویٰ خانیہ میں ہے کہ قضاءً حانث ہو جائے گا، البتہ فیما بینہ وبین اللہ دیانۃً حانث نہ ہوگا۔ ہاں اگر امامت شروع کرنے سے پہلے کسی کو گواہ بنا لیا تو اس صورت میں قضاءً بھی حانث نہ ہوگا۔ (شامی: ۲/ ۱۰۴)

عورت کے واسطے امامت کی نیت کرنے کا حکم شرعی

اگر کسی نے عورتوں کی امامت کی، پس اگر عورت اس کے محاذات میں آ کر کھڑی ہو گئی اور یہ نماز، جنازہ کے علاوہ ہے تو عورت کی نماز درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ عورت کی امامت کی نیت کرے، تاکہ مرد کے برابر کھڑے ہونے کی وجہ سے بلا التزام فساد لازم نہ آئے۔ اور اگر عورت نے مرد کے بالکل محاذات میں کھڑی ہو کر اقتداء نہیں کی، تو اس صورت میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس صورت میں اقتداء کے صحیح ہونے کے لیے امامت کی نیت شرط نہیں ہے جس طرح نماز جنازہ میں عورت کی اقتداء کے صحیح ہونے کے لیے بالاتفاق امام کی امامت کی نیت شرط نہیں ہے، اسی طرح جمعہ و عیدین میں بھی امامت کی نیت اصح ترین قول کے مطابق شرط نہیں ہے۔ (جمہور کے قول کے مطابق اس میں بھی امامت کی نیت شرط ہے۔ یہ مسئلہ خلاصہ اور اشباہ وغیرہ میں ہے) نیز اس سے یہ مسئلہ نکلا کہ اگر عورت کسی مرد کے محاذات میں کھڑی نہیں ہے تو اس صورت میں عورت کی نماز پوری ہو جائے گی اور اگر وہ کسی مرد کے محاذات میں ہے تو نماز پوری نہ ہوگی۔

قبلہ کی جانب رُخ کرنے کی نیت کرنے کا حکم شرعی

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ راجح قول کے مطابق قبلہ کی جانب رُخ کرنے کی نیت کرنا مطلقاً شرط نہیں ہے خواہ نماز پڑھنے والا شخص کعبہ شریف کے قریب ہو یا دور کسی جنگل وغیرہ میں ہو۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ اگر نمازی عبادت کعبہ یا مقامِ ابراہیم یا اپنی مسجد کے محراب کی نیت کرے گا تو جائز نہ ہوگا، یہ مرجوح قول پر متفرع ہے، یعنی ان لوگوں کے قول پر متفرع ہے جو قبلہ رُخ ہونے کی نیت کو شرط قرار دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ قول ضعیف ہے۔ پہلا قول راجح ہے کہ قبلہ کی جانب رُخ کرنے کی نیت کرنا شرط نہیں ہے جس طرح صحت اقتداء کے لیے امام کی تعیین کی نیت شرط نہیں ہے، چناں چہ اگر کسی شخص نے امام کی اقتداء یہ سمجھ کر کی کہ امام زید ہے اور بعد میں معلوم ہوا کہ امام بکر ہے تو بھی اقتداء صحیح ہے، اس لیے کہ جو امامت کے فرائض انجام دے رہا ہے اس کی اقتداء کی نیت کی تھی، یہ الگ بات ہے کہ اس نے ذہن میں یہ سوچ رکھا تھا کہ امام فلاں شخص ہے اور وہ نہ تھا بلکہ کوئی

دوسرا شخص تھا تو فرق صرف سمجھنے میں ہوا ہے، نیت میں نہیں اس لیے اقتداء درست ہے۔ ہاں اگر اس نے امام صاحب کا نام لے کر متعین کر دیا کہ میں مثلاً زید کی اقتداء میں نماز ادا کرتا ہوں پھر کوئی دوسرا شخص مثلاً بکر نکلا تو اس صورت میں اقتداء درست نہ ہوگی۔ اور اگر اس نے نام کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا کہ میں اس کی اقتداء کر رہا ہوں جو اس محراب میں کھڑا ہے یا اشارہ کرے کہ اس امام کے پیچھے نماز ادا کر رہا ہوں جو زید ہے تو اس صورت میں اقتداء درست ہوگی۔ اس لیے کہ اشارہ کرنے کے بعد نام لینے کا اعتبار ختم ہو گیا اس لیے کہ جب اشارہ اور تسمیہ جمع ہو جائے تو اشارہ کا اعتبار ہوتا ہے۔

ہاں اگر مقتدی نے اس طرح نیت کی کہ امام کی مخصوص صفت کو بیان کیا مثلاً یوں کہا کہ میں اس نوجوان کی اقتداء کر رہا ہوں پھر بعد میں وہ بوڑھا نکلا تو اس صورت میں اقتداء درست نہ ہوگی۔ اور اگر کسی نے اس کا الٹا کہا مثلاً کہ میں اس بوڑھے شخص کی اقتداء کر رہا ہوں اور وہ نوجوان نکلا تو اس صورت میں اقتداء درست ہے۔ اس لیے کہ کبھی کبھی نوجوان کو بھی اس کے علم و عمل اور فضل و تقویٰ کی وجہ سے شیخ کہہ کر پکارا جاتا ہے۔

حنفی امام کی اقتداء کی شافعی نکلا تو کیا حکم ہے؟

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مجتبیٰ نامی کتاب میں ہے کہ اگر مقتدی نے اس طرح نیت کی کہ نماز میں صرف اس امام کے پیچھے ادا کرتا ہوں جو میرا ہم مذہب ہے، یعنی میرے ہم مسلک اور میرے طریقہ پر ہے، پھر امام ایسا شخص نکلا جو اس کے مذہب کے مطابق نہ تھا تو اس صورت میں اقتداء درست نہ ہوگی۔

چونکہ احناف کے نزدیک نام لینے کا اعتبار ہے اگر اشارہ مذکور نہ ہو اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نماز کا ثواب صرف اس حصہ کے ساتھ مخصوص نہ ہوگا جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھا بلکہ بعد میں جو حصہ شامل کیا گیا اس کا بھی ثواب برابر ملے گا، سو اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح یاد کر لو۔

مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ثواب

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری مسجد میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نمازوں سے بڑھا ہوا ہے۔

سوال اور جواب

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک ہزار گنا زیادہ ہے، یہ زیاتی صرف اس حصہ کے ساتھ خاص ہے جو عہد نبوی میں مسجد میں داخل تھا یا بعد میں جو حصہ اضافہ ہوا اور مسجد نبوی میں داخل کیا گیا، اس میں بھی نماز پڑھنے کا وہی ثواب ہوگا؟ اس سوال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جو حصہ بعد میں اضافہ کیا گیا ہے اس حصہ میں بھی نماز پڑھنے

سے وہی ثواب ملتا ہے، صرف عہد نبوی والے حصہ کے ساتھ ثواب مخصوص نہیں ہے کیونکہ اضافہ شدہ حصہ بھی درحقیقت مسجد نبوی ہی کا حصہ ہے، یہ حصہ مسجد نبوی سے خارج نہیں ہے۔ اس مسئلہ کو سب سے پہلے شیخ الاسلام علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری نے استنباط کیا ہے، جیسا کہ علامہ شامی نے اس کی صراحت کی ہے۔ (شامی: ۲/۱۰۷)

علامہ نووی ؒ کی رائے گرامی

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں کہ امام نوویؒ نے ثواب کی زیادتی کو محض اس حصہ کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے جو رسولِ اکرم ﷺ کے زمانے میں خاص تھا اور اس کی دلیل امام نوویؒ یہ پیش فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں صرف "مسجدی" کا لفظ نہیں آیا ہے بلکہ "ھذا" اسم اشارہ بھی موجود ہے تو اب "فی مسجدی ھذا" کا مطلب یہ ہوا کہ میری اس مسجد میں جو اس وقت موجود ہے اس میں نماز پڑھنے سے ایک ہزار نمازوں کا ثواب ملے گا۔ علماءِ احناف فرماتے ہیں کہ ہٰذا اسم اشارہ جگہ کو خاص کرنے کے لیے ہے بلکہ اس اسم اشارہ کا مقصد یہ ہے کہ اس مسجد نبوی کے علاوہ اور جو دیگر مساجد ہیں اور آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہیں وہ اس فضیلت میں داخل نہیں ہیں، بلکہ منشاء مدینہ منورہ کی مسجد ہے جس میں آپ عموماً نماز ادا کرتے تھے۔ (شامی: ۲/۱۰۷)

مسجد نبوی کی توسیع

رسولِ اکرم ﷺ کے عہد مبارک کے بعد بھی مسجد نبوی میں توسیع کی گئی ہے، چناں چہ سب سے پہلے امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروقؓ نے توسیع کی، اس کے بعد جب ضرورت محسوس ہوئی تو پھر حضرت عثمان غنیؓ نے توسیع فرمائی ہے، پھر ولید نے توسیع کی پھر مہدی نے مسجد نبوی میں توسیع کی ہے۔ (شامی: ۲/۱۰۷)

(وَ) السَّادِسُ (اسْتِقْبَالُ الْقِبْلَةِ) حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا كَعَاجِزٍ، وَالشَّرْطُ حُصُولُهُ لَا طَلَبُهُ، وَهُوَ شَرْطٌ زَائِدٌ لِلِابْتِلَاءِ يَسْقُطُ لِلْعَجْزِ، حَتَّى لَوْ سَجَدَ لِلْكَعْبَةِ نَفْسِهَا كَفَرَ (فَلِلْمَكِّيِّ) وَكَذَا الْمَدَنِيُّ لِثُبُوتِ قِبْلَتِهَا بِالْوَحْيِ (إصَابَةُ عَيْنِهَا) يَعُمُّ الْمُعَايِنَ وَغَيْرَهُ لَكِنْ فِي الْبَحْرِ أَنَّهُ ضَعِيفٌ. وَالْأَصَحُّ أَنَّ مَنْ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا حَائِلٌ كَالْغَائِبِ، وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ قَائِلًا: وَالْمُرَادُ بِقَوْلِي فَلِلْمَكِّيِّ مَكِّيٌّ يُعَايِنُ الْكَعْبَةَ (وَلِغَيْرِهِ) أَيْ غَيْرِ مُعَايِنِهَا (إصَابَةُ جِهَتِهَا) بِأَنْ يَبْقَى شَيْءٌ مِنْ سَطْحِ الْوَجْهِ مُسَامِتًا لِلْكَعْبَةِ أَوْ لِهَوَائِهَا، بِأَنْ يُفْرَضَ مِنْ تِلْقَاءِ وَجْهِ مُسْتَقْبِلِهَا حَقِيقَةً فِي بَعْضِ الْبِلَادِ خَطٌّ عَلَى زَاوِيَةٍ قَائِمَةٍ إلَى الْأُفُقِ مَارًّا عَلَى الْكَعْبَةِ، وَخَطٌّ آخَرُ يَقْطَعُهُ عَلَى زَاوِيَتَيْنِ قَائِمَتَيْنِ يُمْنَةً وَيُسْرَةً مِنَحٌ. قُلْتُ: فَهَذَا مَعْنَى التَّيَامُنِ وَالتَّيَاسُرِ فِي عِبَارَةِ الدُّرَرِ، فَتَبَصَّرْ وَتَعَرَّفْ بِالدَّلِيلِ؛ وَهُوَ فِي الْقُرَى وَالْأَمْصَارِ مَحَارِيبُ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ، وَفِي الْمَفَاوِزِ وَالْبِحَارِ النُّجُومُ كَالْقُطْبِ وَإِلَّا فَمِنَ الْأَهْلِ الْعَالِمِ بِهَا

مِمَّنْ لَوْ صَاحَ بِهِ سَمِعَهُ (وَالْمُعْتَبَرُ) فِي الْقِبْلَةِ (الْعَرْصَةُ لَا الْبِنَاءُ) فَهِيَ مِنَ الْأَرْضِ السَّابِعَةِ إِلَى الْعَرْشِ (وَقِبْلَةُ الْعَاجِزِ عَنْهَا) لِمَرَضٍ وَإِنْ وَجَدَ مُوَجِّهًا عِنْدَ الْإِمَامِ أَوْ خَوْفِ مَالٍ: وَكَذَا كُلُّ مَنْ سَقَطَ عَنْهُ الْأَرْكَانُ (جِهَةُ قُدْرَتِهِ) وَلَوْ مُضْطَجِعًا بِإِيمَاءٍ لِخَوْفِ رُؤْيَةِ عَدُوٍّ وَلَمْ يُعِدْ لِأَنَّ الطَّاعَةَ بِحَسَبِ الطَّاقَةِ (وَيَتَحَرَّى) هُوَ بَذْلُ الْمَجْهُودِ لِنَيْلِ الْمَقْصُودِ (عَاجِزٌ عَنْ مَعْرِفَةِ الْقِبْلَةِ) بِمَا مَرَّ (فَإِنْ ظَهَرَ خَطَؤُهُ لَمْ يُعِدْ) لِمَا مَرَّ (وَإِنْ عَلِمَ بِهِ فِي صَلَاتِهِ أَوْ تَحَوَّلَ رَأْيُهُ) وَلَوْ فِي سُجُودِ سَهْوٍ (اسْتَدَارَ وَبَنَى) حَتَّى لَوْ صَلَّى كُلَّ رَكْعَةٍ لِجِهَةٍ جَازَ وَلَوْ بِمَكَّةَ أَوْ مَسْجِدٍ مُظْلِمٍ، وَلَا يَلْزَمُهُ قَرْعُ أَبْوَابٍ وَمَسُّ جُدْرَانٍ وَلَوْ أَعْمَى، فَسِوَاهُ رَجُلٌ بَنَى وَلَمْ يَقْتَدِ الرَّجُلُ بِهِ وَلَا بِمُتَحَرٍّ تَحَرَّى، وَلَوْ ائْتَمَّ بِمُتَحَرٍّ بِلَا تَحَرٍّ لَمْ يَجُزْ إِنْ أَخْطَأَ الْإِمَامُ، وَلَوْ سَلَّمَ فَتَحَوَّلَ رَأْيُ مَسْبُوقٍ وَلَاحِقٍ اسْتَدَارَ الْمَسْبُوقُ وَاسْتَأْنَفَ اللَّاحِقُ، وَمَنْ لَمْ يَقَعْ تَحَرِّيهِ عَلَى شَيْءٍ صَلَّى لِكُلِّ جِهَةٍ مَرَّةً احْتِيَاطًا، وَمَنْ تَحَوَّلَ رَأْيُهُ لِجِهَتِهِ الْأُولَى اسْتَدَارَ، وَمَنْ تَذَكَّرَ تَرْكَ سَجْدَةٍ مِنَ الْأُولَى اسْتَأْنَفَ (وَإِنْ شَرَعَ بِلَا تَحَرٍّ لَمْ يَجُزْ وَإِنْ أَصَابَ) لِتَرْكِهِ فَرْضَ التَّحَرِّي إِلَّا إِذَا عَلِمَ إِصَابَتَهُ بَعْدَ فَرَاغِهِ فَلَا يُعِيدُ اتِّفَاقًا، بِخِلَافِ مُخَالِفِ جِهَةِ تَحَرِّيهِ فَإِنَّهُ يَسْتَأْنِفُ مُطْلَقًا كَمُصَلٍّ عَلَى أَنَّهُ مُحْدِثٌ أَوْ ثَوْبُهُ نَجِسٌ أَوْ الْوَقْتُ لَمْ يَدْخُلْ فَبَانَ بِخِلَافِهِ لَمْ يَجُزْ.

شرط نمبر ۶: قبلہ کی جانب رُخ کرنا

یہاں سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ صحت نماز کے لیے چھٹی شرط کو بیان فرمارہے ہیں، چناں چہ فرماتے ہیں کہ نماز کی چھٹی شرط قبلہ کی جانب رُخ کرنا ہے، خواہ یہ رُخ کرنا حقیقت کے اعتبار سے ہو خواہ حکم کے اعتبار سے ہو، جیسے مرض، یا دشمن کے خوف یا قبلہ کے رُخ کی جانب متوجہ ہونے میں شبہ میں پڑ جانا، تو اس صورت میں وہ حقیقی قبلہ کی جانب رخ نہ کرسکا ہے لیکن جدھر رخ کرلیا حکماً وہی اس کا قبلہ قرار دیدیا گیا ہے۔

نماز میں قبلہ کی جانب رُخ کرنا شرط ہے، قبلہ کا طلب کرنا شرط نہیں ہے (ہاں اگر قبلہ کا معلوم ہونا طلب وجستجو پر موقوف ہو تو پھر طلب وجستجو کرنا بھی شرط میں داخل ہوگا) قبلہ کی جانب رُخ ہونا ایک زائد شرط ہے جو بندوں کے امتحان وآزمائش کے لیے ہے، لیکن جب کوئی عاجز ومجبور ہو تو یہ شرط ساقط ہوجاتی ہے، یہ شرط باقی نہیں رہتی ہے، قبلہ کی جانب رُخ کرنے میں بذات خود قبلہ کی عبادت مقصود نہیں ہے بلکہ یکجہتی اور یگانگت کے لیے ہے اور اس بات کو آشکارہ کرنے کے لیے کہ بندوں کو جو حکم دیا جاتا ہے وہ بسروچشم قبول کرلیتے ہیں، حتی کہ اگر کوئی شخص بذات خود کعبہ کو سجدہ کرے گا اور اسی کعبہ کی عبادت کی نیت کرے گا تو اس صورت

میں کافر ہو جائے گا، اس لیے کہ کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا مقصد ربِّ کعبہ کی عبادت ہے نفس کعبہ کی نہیں۔ (شامی: ۲/۱۰۸)

مکہ والوں کے لیے عین کعبہ کا استقبال کرنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مکہ والوں کے لیے، اسی طرح ان لوگوں کے لیے جو مدینہ منورہ میں رہتے ہیں عین کعبہ کی جانب رُخ کرنا ہے مدینہ والوں کے لیے کعبہ شریف کا قبلہ ہونا بذریعہ وحی معلوم ہوا اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جو لوگ دیکھ رہے ہیں ان کا قبلہ اور جو لوگ نہیں دیکھ رہے ہیں ان کا قبلہ ایک ہے۔ لیکن البحر الرائق میں علامہ ابن نجیم المصریؒ نے فرمایا کہ یہ قول ضعیف ہے اور اس باب میں سب سے اصح ترین قول یہ ہے کہ جس شخص اور کعبہ کے درمیان کوئی شئی حائل ہو تو اس کا حال اس شخص کی طرح ہے جو کعبہ کی جگہوں سے دور اور غائب ہے یعنی جو لوگ کعبہ سے دور رہتے ہیں ان کا قبلہ جہت کعبہ ہوگا عین کعبہ نہ ہوگا۔

اور حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے یہاں اس قول کو یہ کہہ کر برقرار رکھا کہ مکی سے مراد یہاں وہ لوگ ہیں جو کعبہ شریف کو دیکھ رہا ہو، اور کعبہ ان کی نظروں کے سامنے ہو، مدینہ کے باشندوں کا قبلہ عین کعبہ نہیں ہے بلکہ جہت قبلہ ہے مگر عین قبلہ اس لیے فرمایا کہ ان کا قبلہ ہونا وحی کے ذریعہ ثابت ہے۔

مکہ والوں کے علاوہ کے واسطے قبلہ

اور جو لوگ مکہ مکرمہ کے علاوہ دوسری جگہوں پر رہتے ہیں اور کعبہ ان کی نظروں کے سامنے نہیں رہتا ہے بلکہ ان کی نظروں سے اوجھل رہتا ہے تو ان کے لیے عین کعبہ کا استقبال واجب نہیں ہے بلکہ کعبہ کی جہت اور سمت کعبہ کی طرف رُخ کر لینا کافی ہوگا، بایں طور کہ چہرہ کا کچھ سطح کعبہ یا فضائے کعبہ کے بالکل مقابل ہے اس لیے کہ بعض شہروں کے اندر حقیقت میں جس کا رُخ قبلہ کی طرف ہے اس چہرہ کی سیدھ سے ایک خط فرض کیا جائے جو آسمان کے کنارے تک کعبہ سے گذرتا ہوا زاویہ قائمہ بنائے اور ایک دوسرا خط قبول کیا جائے جو اس خط کو اسکے دائیں بائیں دو زاویہ قائمہ پر قطع کرے تو یہ دونوں خط جو کعبہ کے مقابل ہوگا جہت کعبہ پر کہا جائے گا۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ درر نامی کتاب میں دائیں بائیں ہٹنے کے یہی معنی بیان کئے گئے ہیں، لہٰذا اس کو خوب اچھی طرح دیکھ لیا جائے۔ اور قبلہ شریف اس علامت سے پہچانا جاتا ہے جو دیہاتوں اور شہروں میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حضرات تابعینؒ کی مسجدوں کی محرابیں ہیں اور جنگلوں اور سمندروں میں ستارے ہیں جیسے قطب ستارہ۔ حضرات صحابہ وتابعین کی مسجدوں سے مراد وہ مسجدیں ہیں جو پرانی ہیں اور ان کا سمت ٹھیک اور درست ہے اور اس زمانے میں مسجدوں کی تعمیر کرتے وقت سمت قبلہ کا خاص خیال رکھا جاتا تھا اور جہت قبلہ کا خوب اہتمام کیا جاتا تھا، لہٰذا جو مسجد ہو وہ سمت قبلہ بتائے گی۔

قولہ القطب: یہ آسمان میں ایک چھوٹا سا ستارہ ہے جو تمام ستاروں میں سب سے زیادہ دلالت اور رہنمائی کرنے کے اعتبار سے قوی ہے۔ یہ قطب ستارہ عام طور پر ہمارے ملک ہندوستان میں نمازی کے دائیں شانے پر ہوتا ہے اور یہاں عام طور سے

رات میں لوگ قطب ستارہ ہی سے سمت معلوم کرتے ہیں۔ اوراب اس ترقی یافتہ دور میں جہاں سائنس دانوں نے بہت کچھ ایجاد کیا ہے وہیں قطب نما آلہ بھی ایجاد کیا ہے جس سے سمت قبلہ معلوم کیا جاتا ہے اور یہ قطب نما عام طور سے بازاروں میں دستیاب ہیں۔

قبلہ کی جہت معلوم کرنے کے واسطے قطب یا مسجد یں نہ ہوں تو کیا حکم ہے؟

حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایسی جگہ چلا گیا جہاں نہ کوئی مسجد ہو اور نہ ہی قطب تارہ ہو تو اس جگہ حکم یہ ہے کہ وہاں کے ان باشندوں سے قبلہ کی سمت دریافت کی جائے جو قبلہ کی سمت سے واقف ہوں اور شرط یہ ہے کہ وہ باشندے اتنی دوری پر ہوں کہ اگر وہ بلند آواز سے پکارے تو وہ سن لیں۔ قبلہ کے متعلق جن لوگوں سے معلوم کیا جائے ان کے متعلق حضرات فقہاء کرام نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ مقبول الشہادۃ ہو، لہٰذا کافر اور جاہل و فاسق کی بات معتبر نہ ہوگی۔

زمین سے آسمان تک سارا حصہ قبلہ ہے

حضرات فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ قبلہ کے باب میں معتبر یہ ہے کہ اس سے مراد کعبہ شریف کی در و دیوار نہیں ہے بلکہ اس سے مراد میدان اور کشادگی ہے، لہٰذا کعبہ کا جو حصہ ہے وہ ساتویں زمین سے لے کر عرش تک قبلہ ہے، دیوار اور عمارت کا نام قبلہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر خانہ کعبہ کی عمارت کسی دوسری جگہ منتقل کردی جائے تو اس کی جانب رُخ کر کے نماز پڑھنا درست نہیں ہے اور نہ نماز جائز ہوگی، بلکہ ایسی صورت میں بھی اسی حصہ زمین کی طرف رُخ کرنا ضروری ہوگا جہاں کعبہ تھا۔ (شامی: ۲/ ۱۱۴)

نیز علامہ شامیؒ مزید فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص زمین کی انتہائی گہرائی میں نماز ادا کرے یا کسی بلند سے بلند تر پہاڑ یا چھت پر نماز ادا کرے تو وہ بھی قبلہ کی جانب رُخ کرے گا اور اس کی نماز اسی طرح صحیح ہو جائے گی جس طرح کعبہ کی چھت پر نماز درست ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر کعبہ کی چھت صرف قبلہ ہوتی یا صرف عمارت کا نام قبلہ ہوتا تو کعبہ کی چھت پر نماز درست نہیں ہوتی، اسی طرح نیچے گہرے کنویں میں بھی نماز جائز نہ ہوتی لیکن کعبہ کی چھت پر اور گہرے کنویں میں بھی نماز بالاتفاق درست ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ صرف عمارت کا نام قبلہ نہیں ہے، بلکہ اس جگہ کی فضا اور ساتوں زمین کا حصہ اس جگہ قبلہ ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۱۴)

عاجز و مجبور شخص کا قبلہ

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص بیماری کی وجہ سے یا مال کے چوری ہونے کے ڈر کی وجہ سے، ایسے ہی وہ شخص جس سے نماز کے ارکان ساقط ہو چکے ہوں ان سب کا قبلہ ان کی قدرت والی جہت ہے، یعنی جس طرف رُخ کرلیں وہی ان کے واسطے حکماً قبلہ قرار دیا جائے گا اور بیمار شخص جو قبلہ کی طرف متوجہ ہونے پر قدرت نہ رکھتا ہو اور اس کے پاس ایسا آدمی موجود ہے جو اس کو قبلہ کی جانب متوجہ کردے تب بھی حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا قبلہ وہی ہے جس جانب اس کو قدرت ہے۔ اس لیے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک قادر بقدرۃ الغیر عاجز کے حکم میں ہے اس لیے کہ بندہ اپنی قدرت و طاقت کی وجہ سے

مکلف ہوتا ہے دوسرے کی طاقت وقوت اور قدرت کی وجہ سے احکامِ شرع کا مکلف نہیں ہوتا ہے اس مسئلہ میں حضرات صاحبین کا اختلاف ہے ان کے نزدیک قادر بقدرۃ الغیر معتبر ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص قبلہ کی جانب متوجہ کرنے والا موجود ہو تو قبلہ کی جانب رُخ کرنا ہی ضروری ہوگا۔ منیۃ المصلی، منح الغفار، درر، فتح القدیر وغیرہ میں صاحبین کے قول کی توثیق کی گئی ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۱۴)

اگر کوئی شخص چت لیٹ کر دشمن کے دیکھنے کے ڈر سے اشارہ سے نماز ادا کرے تب بھی جائز ہے اور اس نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے، یعنی جو نماز حالت مرض یا خوفِ دشمن کی وجہ سے قبلہ کی جانب سے ہٹ کر ادا کی گئی اس کا اعادہ واجب نہیں ہے اس لیے کہ خدا کی عبادت کا فریضہ انسان پر اس کی طاقت کے مطابق عائد ہوتا ہے گویا اس طرح کے اعذار آسمانی عذر کے حکم میں ہیں۔ (شامی: ۲/ ۱۱۵)

دشمن کے دیکھنے کے خوف سے غیر قبلہ کی جانب نماز ادا کرنا

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو یہ اندیشہ ہو کہ قبلہ کی جانب رُخ کر کے نماز ادا کرے گا تو دشمن دیکھ لے گا اور حملہ کردے گا تو وہ اس ڈر سے غیر قبلہ کی جانب رُخ کر کے نماز ادا کرتا ہے اور جس طرف رُخ کرنے کی طاقت ہے اس جانب رخ کر رہا ہے تو یہ جائز ہے اور شرعی اعتبار سے نماز ہو جائے گی اور بعد میں ان نمازوں کی قضاء بھی واجب نہیں ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۱۵)

قبلہ کا رُخ مشتبہ ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو شخص مذکورہ بالا اُمور میں سے کسی بھی طریقے سے قبلہ کی جہت معلوم کرنے سے عاجز ہو جائے تو ایسا شخص تحری کرے گا اور تحری کہتے ہیں مقصود کو حاصل کرنے کے لیے کوشش کرنے کو۔ اور مطلب یہ ہے کہ اگر قبلہ کی جہت معلوم نہ ہو اور نہ وہاں کوئی بتانے والا ہو تو خوب غور وفکر کے بعد جس جانب طبیعت مائل ہو جائے اور جس طرف دل گواہی دیدے اسی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرے۔ اور تحری کے بعد جو نماز ادا کی گئی بعد میں معلوم ہوا کہ اس میں غلطی ہوگئی اور حقیقت میں قبلہ کسی اور جانب ہے تو اس نماز کا اعادہ واجب نہیں، اس لیے کہ انسان بقدر طاقت مکلف ہے اور اپنی طاقت کے بقدر اس نے قبلہ معلوم کرنے کی کوشش کی ہے اس لیے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۱۶)

دورانِ نماز قبلہ معلوم ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر کوئی شخص تحری کر کے نماز ادا کر رہا تھا کہ دورانِ نماز ہی صحیح قبلہ معلوم ہو گیا، یا اس کی رائے خود بدل گئی کہ قبلہ اس جانب نہیں ہے بلکہ اس جانب ہے خواہ یہ رائے کا بدلنا سجدۂ سہو ہی میں کیوں نہ ہو تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ اسی وقت اس طرف پھر جائے اور بقیہ نماز اسی جانب رُخ کر کے ادا کرے۔ اس لیے کہ حدیث شریف میں مروی ہے کہ قباء کے لوگ نمازِ فجر بیت المقدس کی جانب رخ کر کے ادا کر رہے تھے کہ اسی دوران ان لوگوں کو تحویل قبلہ کی خبر دی گئی تو وہ لوگ اسی حالت نماز میں بیت المقدس سے بیت اللہ شریف کی جانب گھوم گئے اور رسولِ اکرم ﷺ نے ان لوگوں کو اسی حالت پر برقرار رکھا جو اس بات کی دلیل ہے کہ

جونہی قبلہ کا صحیح سمت معلوم ہو جائے تو گھوم جائے۔ (شامی: ۲/۱۱۶)

اگر کسی شخص کی رائے ہر ایک رکعت میں بدلتی رہی اور ہر رکعت کو الگ الگ سمت کی جانب رخ کر کے نماز ادا کی تو بھی جائز ہے اگر چہ یہ صورت حال کسی کو مکہ شریف ہی میں کیوں نہ پیش آئی ہو، یا کسی تاریک مسجد ہی میں کیوں نہ پیش آئی ہو، پھر بھی اس کی نماز جائز ہوگی۔

قولہ بمکۃ: مکہ مکرمہ میں یہ شکل پیش آنے کی صورت یہ ہے کہ کسی ایسی جگہ قید تھا جہاں سے یہ معلوم نہ ہو سکتا تھا کہ کعبہ کدھر ہے اور قبلہ کی صحیح سمت کدھر ہے تو اس نے خوب غور وفکر اور تحری کر کے نماز ادا کی بعد میں معلوم ہوا کہ جس طرف نماز ادا کی گئی تھی وہ رُخ غلط تھا تو بھی اس کی نماز ہو جائے گی۔ البحر الرائق میں یہ مسئلہ ایسا ہی مذکور ہے۔ (شامی: ۲/۱۱۶)

قبلہ معلوم کرنے کے واسطے لوگوں کا دروازہ کھٹکھٹانا

علامہ حصکفی شارح تنویر الابصار فرماتے ہیں کہ نمازی پر یہ لازم اور ضروری نہیں ہے کہ وہ صحیح قبلہ معلوم کرنے کے لیے لوگوں کا دروازہ کھٹکھٹاتا پھرے، یا مسجد کی دیواروں کو ٹٹولتا پھرے اور اگر کوئی نمازی اندھا ہو اس کو کسی نے پکڑ کر قبلہ کی جانب سیدھا کر دیا تو وہ مابقیہ نماز اسی رخ پر ادا کرے گا۔ اور جس نے اس اندھے کو قبلہ کی جانب رخ کر دیا ہے وہ اس کی اقتداء نہ کرے کیونکہ اس کو معلوم ہو چکا ہے کہ نماز کا کچھ حصہ اس نے غلط رخ پر ادا کیا ہے اور نہ اس تحری کرنے والے کی اقتداء کرے جس کی رائے درمیان میں بدل گئی ہو۔

علامہ ابن الہمامؒ صاحب فتح القدیر کی رائے گرامی

بحر فقہ حنفی کے ماہر غواص حضرت علامہ ابن الہمام صاحب فتح القدیر کی رائے گرامی اس سلسلے میں یہ ہے کہ اگر مسجد کسی قوم کی ہو اور لوگ وہاں رہتے ہوں مگر یہ کہ اس کے جانے کے وقت لوگ وہاں نہ ہوں بلکہ اپنے اپنے گاؤں میں ہوں تو تحری سے قبل ان لوگوں سے قبلہ کی صحیح جہت کے متعلق معلوم کرنا واجب ہے تاکہ صحیح سمت ہو کر کے نماز ادا کر سکے۔ (شامی: ۲/۱۱۶)

تحری کر کے نماز ادا کرنے والے کی اقتداء

صاحب درمختار علامہ حصکفی فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کسی تحری کر کے نماز پڑھنے والے کی اقتداء خود بلا تحری کی، تو اگر اس صورت میں امام سے تحری میں غلطی ہوئی تو اس مقتدی کی نماز جائز نہ ہوگی، البتہ اس امام کی نماز درست ہو جائے گی، اس لیے کہ امام نے اپنی نماز تحری کر کے شروع کی تھی اور مقتدی کی نماز اس لیے نہیں ہوگی کہ اس نے بلا تحری نماز شروع فرمائی اور قبلہ غلط نکلا اور بلا تحری نماز پڑھنے سے اگر قبلہ غلط نکل جائے تو نماز درست نہیں ہوتی ہے۔ (شامی: ۲/۱۱۷)

امام کے سلام پھیرنے کے بعد مسبوق ولاحق کی رائے بدل جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر امام کے سلام پھیر دینے کے بعد مسبوق (جو اپنی چھوٹی ہوئی نماز ادا کرنے کے لیے کھڑا ہوا) اور لاحق (جو حدث کی وجہ سے

درمیان نماز نکلا اور رکعت نکل گئی تھی) دونوں کی رائے بدل گئی کہ امام صاحب نے جس جانب رُخ کر کے نماز ادا فرمائی ہے وہ حقیقت میں قبلہ نہیں تھا بلکہ حقیقت میں قبلہ دوسری جانب تھا تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ مسبوق شخص اپنی بقیہ نماز اسی طرح رخ کر کے پوری کرے گا جس طرف اس کی رائے میں قبلہ ہو اور لاحق شخص از سر نو نماز ادا کرے، اس کی وجہ یہ ہے کہ لاحق شخص اپنی ما بقیہ نماز ادا کرنے میں امام کے حکماً تابع ہوتا ہے۔ اب اگر امام کی مخالفت کرے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر قبلہ کی صحیح سمت معلوم ہو جانے کے بعد غلط رخ پر نماز ادا کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی اس لیے لاحق شخص بالکل شروع سے نماز ادا کرے گا۔

ایک شخص لاحق بھی ہے اور مسبوق بھی، تو اس کا حکم یہ ہے کہ اولاً لاحق کی نماز ادا کرے گا پھر وہ نماز ادا کرے گا جو چھوٹ گئی ہے پس اگر لاحق کی نماز ادا کرتے ہوئے رائے بدل جائے تو از سر نو دوبارہ نماز ادا کرے اور مسبوق بن کر چھوٹی ہوئی نماز ادا کر رہا ہے اس وقت اس کی رائے بدل جائے تو گھوم جائے اور بقیہ اسی جانب رخ کر کے ادا کرے۔ (شامی: ۲/ ۱۱۷)

رائے میں جماؤ نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ اس کی تحری میں جماؤ نہیں ہے یعنی اس کی تحری کسی ایک جانب متعین نہیں ہوتی ہے اور چاروں طرف قبلہ ہونے میں اس کو برابر معلوم ہو تو ایسے شخص کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ ایک ایک دفعہ پوری نماز ادا کرے گا احتیاطاً اور جس شخص کی رائے پہلی جہت کی طرف بدل گئی تو اس کو چاہئے کہ وہ نماز میں اسی جانب پھر جائے۔

جس شخص کی تحری میں جماؤ نہ ہو اس کے بارے میں علامہ شامی فرماتے ہیں کہ اس بارے میں تین قول منقول ہیں: ایک یہ ہے کہ نماز کو اس وقت تک کے لیے مؤخر کر دے جب تک کسی رائے میں جماؤ نہ آجائے۔ دوسرے یہ ہے کہ چاروں طرف ایک ایک دفعہ پوری نماز ادا کرے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس شخص کو شرعی اعتبار سے اختیار ہے جس طرف چاہے رخ کر کے نماز ادا کرے۔ زاد الفقیر میں قول اوّل کو راجح قرار دیا ہے اور اخیر کے دو قول لفظ قیل سے بیان فرمایا ہے۔ اور شرح منیۃ المصلی کے اندر درمیان والا قول کو پسند کیا ہے اور فرمایا: یہ قول مبنی بر احتیاط ہے۔ اور صاحب فتاویٰ ہندیہ نے مضمرات سے نقل کیا ہے کہ یہ قول اصوب ہے، اسی لیے صاحب درمختار علامہ حصکفی نے بھی اسی قول کو اختیار فرمایا ہے۔ اور قہستانی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک تیسرا قول راجح ہے۔ علامہ شامی کی بھی رائے یہی ہے کہ اس کو اختیار ہے جس طرف چاہے رخ کر کے نماز ادا کرے۔ (شامی: ۲/ ۱۱۷)

اگر پہلی رکعت میں ایک سجدہ بھول جائے اور بعد میں یاد آئے تو کیا حکم ہے؟

جس شخص کو پہلی رکعت کا سجدہ چھوٹ جانا یاد آیا ہو تو وہ شخص اب از سر نو نماز ادا کرے۔ اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے تحری اور غور و فکر کر کے ایک جانب ایک رکعت نماز پڑھی، پھر اس کی رائے بدل گئی اور دوسری رکعت دوسری جانب رُخ کر کے نماز ادا کرنی شروع کی، اس وقت خیال آیا کہ پہلی رکعت میں سجدہ چھوٹ گیا تو اب اس صورت میں از سر نو دوبارہ نماز ادا کرے، اس لیے

کہ اگر سجدۂ مذکورہ اس جانب کرتا ہے جس جانب نماز کی دوسری رکعت پڑھ رہا ہے تو یہ قبلہ کی جانب سجدہ نہ ہوگا، اس لیے کہ پہلی رکعت کا قبلہ دوسرا تھا اور حال یہ ہے کہ یہ سجدہ درحقیقت پہلی رکعت کا جزء ہے اور اگر یہ سجدہ پہلی رکعت جدھر ادا کررہا تھا اس طرف ادا کرتا ہے تو اب جو اس کا قبلہ ہے اس سے پھرنا لازم آئے گا اس وجہ سے حکم ہے کہ از سرِنو دوبارہ نماز ادا کرے۔ (شامی: ۲/۱۱۹)

اگر بلاتحری نماز شروع کردے تو کیا حکم ہے؟

جس شخص کو قبلہ معلوم نہ ہو اور نہ وہ قبلہ کسی سے معلوم کرتا ہے اور نہ وہ تحری کرتا ہے بلکہ بلاتحری نماز شروع کر دیتا ہے تو اس کا نماز شروع کرنا جائز نہ ہوگا، اگرچہ وہ ٹھیک قبلہ کی جانب رخ کر کے کیوں نہ نماز پڑھ رہا ہو، اس لیے کہ اس نے تحری کو چھوڑ دیا ہے جو اس کے ذمہ فرض تھا۔ ہاں اگر نماز سے فراغت کے بعد معلوم ہوا کہ اس نے قبلہ پالیا تھا تو بالاتفاق احناف کہتے ہیں کہ وہ اس نماز کا اعادہ نہ کرے گا، برخلاف اس شخص کے جو اپنی تحری کے خلاف جہت میں نماز پڑھے وہ ہر حال میں اپنی نماز کا اعادہ کرے گا، خواہ اس کو یہ معلوم ہوا ہو کہ اس نے ٹھیک قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے، یا اس سے غلطی ہوئی ہے، یا علم نماز کے بعد ہوا ہو یا کچھ بھی معلوم نہ ہو۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ ایسے شخص پر کفر کا اندیشہ ہے۔ (شامی: ۲/۱۱۹)

اور حضرت امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے درست قبلہ کی جانب نماز پڑھی ہے تو کافی ہو جائے گا، لیکن فتویٰ قولِ اوّل پر ہے۔ (کمافی الشامی)

جیسے وہ شخص از سرِنو دوبارہ نماز ادا کرے گا جو حالت حدث میں ناپاک کپڑے کے ساتھ نماز ادا کرے، یا اس وقت نماز ادا کرے جب وقت داخل نہ ہوا ہو۔ اور بعد میں اس کے برخلاف ظاہر ہوا تو اس سے اس کی نماز جائز نہ ہوگی بلکہ نماز دوبارہ پڑھنی پڑے گی (اس لیے کہ جب کہ اس خیال میں وہ محدث ہے یا نجس کپڑا اس نے پہن رکھا ہے تو نماز فاسد ہو چکی ہے، لہٰذا بعد میں موافقت ظاہر ہونے سے نماز درست نہ ہوگی)۔ (شامی: ۲/۱۱۹)

(صَلَّى جَمَاعَةً عِنْدَ اشْتِبَاهِ الْقِبْلَةِ) فَلَوْ لَمْ تَشْتَبِهْ إِنْ أَصَابَ جَازَ (بِالتَّحَرِّي) مَعَ إِمَامٍ (وَتَبَيَّنَ أَنَّهُمْ صَلَّوْا إِلَى جِهَاتٍ مُخْتَلِفَةٍ، فَمَنْ تَيَقَّنَ) مِنْهُمْ (مُخَالَفَةَ إِمَامِهِ فِي الْجِهَةِ) أَوْ تَقَدَّمَ عَلَيْهِ (حَالَةَ الْأَدَاءِ) أَمَّا بَعْدَهُ فَلَا يَضُرُّ (لَمْ تَجُزْ صَلَاتُهُ) لِاعْتِقَادِهِ خَطَأَ إِمَامِهِ وَلِتَرْكِهِ فَرْضَ الْمَقَامِ (وَمَنْ لَمْ يَعْلَمْ ذَلِكَ فَصَلَاتُهُ صَحِيحَةٌ) كَمَا لَوْ لَمْ يَتَعَيَّنْ الْإِمَامُ، بِأَنْ رَأَى رَجُلَيْنِ يُصَلِّيَانِ فَائْتَمَّ بِوَاحِدٍ لَا بِعَيْنِهِ. [فُرُوعٌ] النِّيَّةُ عِنْدَنَا شَرْطٌ مُطْلَقًا وَلَوْ عَقَّبَهَا بِمَشِيئَةٍ، فَلَوْ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِأَقْوَالٍ كَطَلَاقٍ وَعِتَاقٍ بَطَلَ وَإِلَّا لَا. لَيْسَ لَنَا مَنْ يَنْوِي خِلَافَ مَا يُؤَدِّي إِلَّا عَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ فِي الْجُمُعَةِ وَهُوَ ضَعِيفٌ. الْمُعْتَمَدُ أَنَّ الْعِبَادَةَ ذَاتَ الْأَفْعَالِ تَنْسَحِبُ نِيَّتُهَا عَلَى كُلِّهَا. افْتَتَحَ خَالِصًا ثُمَّ خَالَطَهُ الرِّيَاءُ أُعْتُبِرَ السَّابِقُ، وَالرِّيَاءُ أَنَّهُ لَوْ خَلَا عَنِ النَّاسِ لَا يُصَلِّي فَلَوْ مَعَهُمْ

يُخَسِّنُهَا وَوَحْدَهُ لَا فَلَهُ ثَوَابُ أَصْلِ الصَّلَاةِ، وَلَا يَتْرُكُ لِخَوْفِ دُخُولِ الرِّيَاءِ لِأَنَّهُ أَمْرٌ مَوْهُومٌ، لَا رِيَاءَ فِي الْفَرَائِضِ فِي حَقِّ سُقُوطِ الْوَاجِبِ. قِيلَ لِشَخْصٍ صَلِّ الظُّهْرَ وَلَكَ دِينَارٌ فَصَلَّى بِهَذِهِ النِّيَّةِ يَنْبَغِي أَنْ تُجْزِئَهُ وَلَا يَسْتَحِقُّ الدِّينَارَ. الصَّلَاةُ لِإِرْضَاءِ الْخُصُومِ لَا تُفِيدُ، بَلْ يُصَلِّي لِلَّهِ، فَإِنْ لَمْ يَعْفُ خَصْمُهُ أُخِذَ مِنْ حَسَنَاتِهِ جَاءَ «أَنَّهُ يُؤْخَذُ لِدَانِقٍ ثَوَابُ سَبْعِمِائَةِ صَلَاةٍ بِالْجَمَاعَةِ» وَلَوْ أَدْرَكَ الْقَوْمَ فِي الصَّلَاةِ وَلَمْ يَدْرِ أَفَرْضٌ أَمْ تَرَاوِيحُ يَنْوِي الْفَرْضَ، فَإِنْ هُمْ فِيهِ صَحَّ وَإِلَّا تَقَعُ نَفْلًا، وَلَوْ نَوَى فَرْضَيْنِ كَمَكْتُوبَةٍ وَجِنَازَةٍ فَلِلْمَكْتُوبَةِ، وَلَوْ مَكْتُوبَتَيْنِ فَلِلْوَقْتِيَّةِ وَلَوْ فَائِتَتَيْنِ فَلِلْأُولَى لَوْ مِنْ أَهْلِ التَّرْتِيبِ وَإِلَّا لَغَا فَلْيُحْفَظْ، وَلَوْ فَائِتَةً وَوَقْتِيَّةً فَلِلْفَائِتَةِ لَوْ الْوَقْتُ مُتَّسِعًا، وَلَوْ فَرْضًا وَنَفْلًا فَلِلْفَرْضِ، وَلَوْ نَافِلَتَيْنِ كَسُنَّةِ فَجْرٍ وَتَحِيَّةِ مَسْجِدٍ فَعَنْهُمَا، وَلَوْ نَافِلَةً وَجِنَازَةً فَنَافِلَةٌ، وَلَا تَبْطُلُ بِنِيَّةِ الْقَطْعِ مَا لَمْ يُكَبِّرْ بِنِيَّةٍ مُغَايِرَةٍ، وَلَوْ نَوَى فِي صَلَاتِهِ الصَّوْمَ صَحَّ.

تحری کر کے نماز پڑھنے والوں کی جماعت

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک جماعت پر قبلہ مشتبہ تھا، اس نے تحری کر کے ایک امام کی اقتداء میں نماز پڑھی، نماز سے فراغت کے بعد معلوم ہوا کہ مقتدیوں نے مختلف جہتوں کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی ہے تو ان میں سے جس کو یہ یقین ہو کہ وہ حالت اداء میں اپنے امام کے مخالف سمت نماز ادا کر رہا ہے یا یہ یقین ہو کہ وہ اپنے امام سے آگے ہے اس کی نماز درست نہ ہوگی۔ جس طرح کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی ہے جو دو شخصوں کو نماز پڑھتے دیکھے اور ان میں سے کسی ایک کی غیر معین طور پر اقتداء کر لی۔ اور اگر نماز مکمل کرنے کے بعد مخالف سمت یا آگے ہونے کا علم ہوا یا ظن ہوا تو یہ مضر نہیں ہے اس سے نماز ہو جائے گی۔

شارح علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اگر جماعت پر قبلہ مشتبہ نہ ہوا اور اس نے درست جہت کی جانب نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔ اور حالت اداء میں امام کی مخالفت کرنے والے کی نماز اس وجہ سے نہیں ہوگی کہ اس کو اپنے امام کا غلطی پر ہونے کا اعتقاد ہے۔ اور آگے ہونا جس کو معلوم ہے اس کی نماز اس لیے نہیں ہوگی کہ اس نے مقامِ فرض کو ترک کر دیا ہے اس پر فرض تھا کہ وہ اپنے امام کے پیچھے کھڑے ہو اور وہ آگے کھڑا ہو گیا لہٰذا مقامِ فرض چھوڑنے کی وجہ سے نماز نہ ہوگی۔

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جماعت میں جن لوگوں کو امام کی مخالفت اور اس سے آگے بڑھنے کا علم نہ ہو ان تمام حضرات کی نماز درست ہو جائے گی۔

کچھ فروعی و جزئی مسائل کا بیان

صاحب درمختار علامہ حصکفیؒ فروع کا عنوان دے کر کچھ ضروری و اہم مسائل کا اضافہ فرماتے ہیں جو صاحب تنویر الابصار

سے رہ گئے ہیں۔ چناں چہ یہاں بھی کچھ ضروری اور اہم مسائل کو سپردِ قلم کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک نیت مطلقاً شرط ہے، خواہ کوئی بھی عبادت ہو۔ عندالاحناف کسی بھی عبادت میں نیت رکن کا درجہ نہیں رکھتی ہے بلکہ نیت جملہ عبادات کے اندر شرط ہے۔ ہاں حضرات ائمہ کرام کے نزدیک اس میں اختلاف ہے کہ تکبیرۃ الاحرام حج کے لیے رکن ہے یا شرط ہے؟ تو اس بارے میں علماء امت سے دو قول مروی ہیں: ایک یہ ہے کہ تکبیرۃ الاحرام نیت ہی کی طرح شرط ہے۔ اور بعض علماء کرام کا کہنا ہے کہ احرام کی تکبیر حج کا رکن ہے۔ اور حضرت شارح علیہ الرحمہ نے لفظ مطلقاً اس لیے فرمایا تاکہ اس کے اندر صلاۃ جنازہ بھی شامل ہو جائے۔ نماز جنازہ میں احرام کی تکبیر رکن ہے اور یہ متفقہ مسئلہ ہے۔ اور صاحب الاشباہ نے عبادات کا لفظ لاکر ایمان، تلاوتِ قرآن، اذکار اور اذان وغیرہ کو خارج کیا ہے اس لیے ان سب میں نیت کی ضرورت نہیں ہے، بغیر نیت کے بھی مذکورہ افعال صحیح ہیں جیسا کہ علامہ بدرالدین عینی شارح بخاریؒ نے بیان فرمایا ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۲۱)

نیت کرنے کے بعد انشاء اللہ کہہ دیا تو کیا حکم ہے؟

اگر کسی نے نیت کے الفاظ ادا کرنے کے بعد انشاء اللہ کہا اور نیت کی ہوئی چیز ان کاموں میں سے ہے جن کا تعلق زبان سے کہنے سے ہے، جیسے طلاق، عتاق وغیرہ تو انشاء اللہ کہنے کی وجہ سے وہ باطل ہو جائے گی۔ اور ان کاموں کا تعلق قول وزبان سے نہیں ہے تو انشاء اللہ کہنے سے باطل نہ ہوں گے۔ مثال کے طور پر روزہ ہے، اگر روزہ کی نیت کرنے کے بعد کسی نے انشاء اللہ کہا تو اس سے روزہ باطل نہ ہوگا اس لیے کہ اس کا تعلق صرف نیت قلبیہ سے ہے، قول سے بالکل نہیں، چناں چہ اگر کسی نے روزہ رکھنے کی نیت کی پھر اس کے بعد اس نے انشاء اللہ کہا تو اس سے روزہ باطل نہ ہوگا۔ (شامی: ۲/ ۱۲۱)

نیت وعبادت میں مطابقت ضروری ہے

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حنفیوں کے نزدیک کوئی عمل ایسا نہیں ہے کہ اس میں نیت تو کچھ کرے اور عمل کچھ کرے۔ یعنی جو عبادت وعمل ادا کر رہا ہے اس کے خلاف نیت کرے۔ ہاں حضرت امام محمدؒ کے نزدیک صرف جمعہ میں یہ صورت ممکن ہے کہ نیت کچھ کرے اور عمل کچھ کرے۔ اور حضرت امام محمدؒ کا یہ قول بھی ضعیف ہے۔ جمعہ کی نیت کچھ کرے اور عمل کچھ کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جو شخص ایک رکعت سے کم جمعہ پائے اس کی نماز جمعہ نہیں ہوئی۔ اب اگر کسی نے نماز جمعہ کی دوسری رکعت کا رکوع ہو جانے کے بعد امام کی اقتداء کی اور جمعہ کی نماز ادا کرنے کی نیت کی پھر امام کے فارغ ہونے کے بعد ظہر کی نیت سے نماز پوری کی تو اس کی ظہر کی نماز ادا ہو جائے گی، پس یہی ایک صورت ہے کہ نیت تو کچھ کی ہے اور ادا کچھ ہوئی ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۲۱)

یہاں علامہ حمویؒ فرماتے ہیں کہ یہ کہنا کہ اس کی مثال شریعت میں کم ہے کہ نیت کچھ کرے اور ادا کچھ ہو، غلط ہے۔ اس کی مثال بہت ہے، چناں چہ اگر کسی شخص نے ایام نحر میں نفلی طواف کیا اور نیت بھی نفلی طواف کرنے کی کی ہے تو یہ طواف فرض کی طرف

سے ادا ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے شک کے دن میں نفلی روزہ رکھا پھر بعد میں یہ معلوم ہوا کہ وہ رمضان کا دن ہے تو یہ روزہ اب رمضان شریف کا ادا ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے تہجد کی نیت سے دو رکعت ادا کی پھر بعد میں معلوم ہوا کہ فجر طلوع ہو چکی ہے تو یہ دو رکعت فجر کی سنت ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ اور بھی نظائر اس کے ہیں۔ (شامی: ۲/۱۲۱)

معتمد قول یہ ہے کہ بہت سارے افعال والی عبادت کے لیے محض ایک نیت تمام افعال عبادت کے کافی ہے۔ ہر فعل اور ہر رکن کے لیے علیحدہ علیحدہ نیت ضروری نہیں ہے۔ ایک ہی دفعہ کی نیت تمام افعال کے لیے کافی ہے۔

عبادت میں ریاء اور دکھاوے کا خیال آجائے تو کیا حکم ہے؟

حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک عمل اخلاص کے ساتھ شروع کیا، پھر عمل کرتے ہوئے درمیان عمل میں ریاء اور نام ونمود شامل ہو گیا تو اس صورت میں سابق کا اعتبار ہوگا، یعنی یہ عمل اخلاص کے ساتھ ہونا قرار پائے گا البتہ اس ریاء کی وجہ سے ثواب میں کمی آجائے گی۔

ریاء ونام ونمود

ریاء ونام ونمود یہ ہے کہ اگر وہ لوگوں سے علیحدہ ہوتا ہے تو نماز نہیں پڑھتا ہے، پس اگر یہ شخص لوگوں کے ساتھ ہونے کی وجہ سے خوب اچھی طرح نماز پڑھے اور خلوت میں خوب اچھی نماز ادا نہ کرے تو اس کو اصل نماز کا ثواب ملے گا، خوب اچھی طرح نماز پڑھنے کا ثواب نہ ملے گا۔ بظاہر یہ حکم فرض اور نفل دونوں کو شامل ہے۔

ریاء ونام ونمود کے ڈر سے عبادت ترک نہ کی جائے

حضرت شارح فرماتے ہیں کہ عبادت دخول ریاء کے ڈر سے نہ چھوڑی جائے، یعنی کہ اگر دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ نماز پڑھنے یا دوسری عبادت بجالانے سے ریاء پیدا ہو جائے گا تو محض اس اندیشہ سے نماز اور دیگر اسلامی عبادتوں کو ترک نہ کیا جائے، اس لیے کہ ریاء کا داخل ہونا ایک امر موہوم ہے، لہٰذا ایک امر موہوم کی وجہ سے عبادت اور نیک کام کو ترک کرنا مناسب نہ ہوگا۔ فرائض میں کوئی ریاء ونام ونمود نہیں ہے اس کی ادائیگی سے اس کے ذمہ جو فرض ہے وہ ساقط ہو جائے گا۔ یعنی ریاء کی وجہ سے فرض باطل نہیں ہوتا ہے بلکہ ریاء کے باوجود بھی فرض ادا ہو جائے گا اور ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ مختارات النوازل میں ہے کہ اگر کسی نے محض ریاء وسمعہ کے طور پر نماز ادا کی تو نماز ہو جائے گی اس لیے کہ اس میں جملہ شرائط وارکان پائے گئے ہیں، البتہ ثواب کا مستحق نہ ہوگا۔ (شامی: ۲/۱۲۳)

حرص وطمع کی وجہ سے جو نماز پڑھی جائے اس کا حکم

ایک شخص سے یہ کہا گیا کہ تو ظہر کی نماز پڑھ تجھ کو ایک دینار ملے گا۔ چناں چہ وہ شخص ایک دینار لینے کے چکر میں ظہر کی نماز

پڑھے تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ نماز ہو جائے گی اور وہ شخص دینار کا مستحق نہ ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ فرض نماز ادا کرنے کی صورت میں اُجرت کا مستحق نہیں ہوتا ہے۔ جیسے اگر باپ اپنے بیٹے سے بطور اجیر خدمت لے تو شرعی اعتبار سے بیٹا اُجرت کا مستحق نہیں ہوگا اس لیے کہ بیٹے پر باپ کی خدمت یوں ہی واجب ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۲۳)

دشمنوں کو خوش کرنے کے لیے نماز پڑھنا

دشمنوں کو راضی کرنے کے واسطے نماز پڑھنا مفید نہیں ہے بلکہ اس پر فرض ہے کہ وہ نماز محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضا ہی کے لیے ادا کرے۔ پس اگر دشمن اپنا حق معاف نہ کرے تو آخرت میں اس سے اس کی نیکیاں لے کر دیا جائے گا۔ اور علامہ شامی نے مختار النوازل سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس نیت سے نماز ادا کرے کہ اللہ تعالیٰ حق داروں کو اس سے راضی ہو جائے تو یہ نماز جائز نہ ہوگی، کیونکہ یہ طریقہ سنت رسول ﷺ کے خلاف ہے۔

کتب آسمانی میں آیا ہے کہ کسی صاحب کا حق ایک پیسہ بھی ذمہ ہوگا تو قیامت کے دن اس کے بدلے اس سے سات سو نماز باجماعت کا ثواب لے لیا جائے گا اور حق دار کو دے دیا جائے گا۔ (شامی: ۲/ ۱۲۳)

بلا علم جماعت میں شریک ہونا

اگر کسی نے لوگوں کو نماز کی حالت میں پایا اور اس کو یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ لوگ فرض نماز ادا کر رہے ہیں یا تراویح کی نماز؟ تو یہ بعد میں شریک ہونے والا شخص فرض کی نیت سے شریک ہوگا کیونکہ اگر وہ لوگ فرض نماز ادا کر رہے ہیں تو اس کی بھی نماز فرض ہو جائے گی ورنہ تو نفل ہو جائے گی، یعنی اگر وہ لوگ فرض نماز نہیں ادا کر رہے تھے تو ملنے والے کی نماز نفل ہو جائے گی اور نفل نماز کا ثواب ملے گا۔

بیک وقت فرضِ عین اور فرضِ کفایہ کی نیت کرنے کا حکم

حضرت شارح فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے دو فرض: فرضِ عین وقتی نماز اور فرضِ کفایہ مثلاً جنازے کی نماز کی نیت دونوں ایک ساتھ کی ہے تو اس کی یہ نیت صرف فرضِ عین کی طرف سے کافی ہوگی۔ اس لیے کہ وقتی نماز قوی تر ہے اور اس کی فرضیت ہر ایک پر عام ہے۔ اور اس لیے کہ در حقیقت وقتیہ نماز ہی نماز ہے ورنہ تو نمازِ جنازہ فی الحقیقت نماز ہی نہیں ہے بلکہ ایک طرح سے میت کے لیے دعاءِ استغفار ہے مطلق نماز نہیں ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۲۴)

ایک وقت میں دو فرضوں کی نیت کرنے کا حکم

اگر کسی نے بیک وقت دو فرض نمازوں کی نیت کی، ایک اس نماز کی نیت کی جس کا وقت موجود ہے۔ اور دوسری اس نماز کی نیت کی جس کا وقت ابھی موجود نہیں ہے تو اس صورت میں اس کی وقتیہ نماز ادا ہوگی اور وقتیہ نماز کے لیے نیت معتبر مانی جائیگی کیونکہ اسی کا وقت بھی ہے۔ اور وقتیہ کی ادائیگی فی الحال واجب ہے۔ رہی غیر وقتیہ نماز، تو فی الحال واجب نہیں ہے اور یہ حکم اس

صورت میں ہے جب کہ وہ صاحب ترتیب نہ ہو، ورنہ پھر پہلے چھوٹی ہوئی نماز ادا کرنا ہی لازم ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۲۴)

دو قضاء شدہ نمازوں کی نیت ایک ساتھ کرنا

اگر کسی نے دو قضاء شدہ نمازوں کی نیت ایک ساتھ کی تو اس صورت میں اس کی نیت پہلی قضاء نماز کے متعلق شمار ہوگی، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ قضاء کرنے والا شخص صاحب ترتیب نہ ہو۔ اور اگر دو قضاء شدہ نمازوں کی نیت ایک ساتھ کی ہے تو اس کی یہ نیت لغو قرار دی جائے گی اس لیے کہ دونوں کا ایک ساتھ ادا ہونا مشکل ہے، لہٰذا اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح یاد کرلو۔

اور اگر کسی نے ایک ساتھ ایک قضاء شدہ اور ایک وقتیہ کی نیت کی تو اس کی یہ نیت قضاء شدہ نمازوں کی طرف سے قرار پائے گی، بشرطیکہ وقت کے اندر وسعت ہو کہ وہ قضاء نماز پڑھنے کے بعد وقتی نماز بھی ادا کرسکے۔ اور اگر وقت میں وسعت نہیں ہے تو اس صورت میں اس کی یہ نیت وقتیہ نماز کی طرف سے شمار ہوگی۔ اور بعض علماء نے یہ فرمایا کہ وہ صاحب ترتیب بھی ہو، اگر وہ صاحب ترتیب نہ ہو تو اس کی یہ نیت لغو ہوجائے گی۔ (شامی: ۲/ ۱۲۴)

اور اگر کسی نے ایک ساتھ فرض نماز اور نفل نماز دونوں کی نیت کی تو اس صورت میں فرض کی نیت قرار پائے گی اس لیے کہ فرض قوی ہے اور اصل ہے۔ اور اگر کسی نے دو نفل کی نیت ایک ساتھ کی ہے مثلاً فجر کی سنت اور تحیۃ المسجد دونوں کی ادائیگی کی نیت کی تو اس صورت میں اس کی یہ نیت دونوں طرف سے کافی ہوگی اور اس نیت سے فجر کی دو رکعت سنت اور تحیۃ المسجد دونوں ادا ہوجائیں گی۔ اور اس کو دونوں نماز ادا کرنے کا ثواب ملے گا۔

بیک وقت نفل اور جنازہ کی نماز کی نیت کرنے کا حکم

اور اگر کسی نے بیک وقت ایک جنازہ اور ایک نفل کی نیت کی تو یہ نیت نفل شمار ہوگی، اس لیے کہ نفل نماز بہر حال نماز ہے اور جنازہ تو دعاء ہے۔ اور محض قطع کی نیت کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی ہے جب تک کہ وہ کسی دوسری نماز کی نیت سے تکبیر نہ کہے۔ مثلاً کسی نے فرض نماز شروع کی پھر اس نے اس نماز میں نفل کی نیت کرلی اور فرض کو ختم کردیا تو محض نیت سے فرض باطل نہ ہوگا جب تک کہ نفل کے لیے تکبیر تحریمہ نہ کہے۔ اسی طرح اگر کسی نے نفل نماز شروع کی اور بعد میں اسی کے اندر فرض کی نیت کرلی تو اس سے نفل نماز باطل نہ ہوگی جب تک کہ فرض کے لیے تکبیر تحریمہ نہ کہے۔

نماز میں روزہ کی نیت کرنا

اگر کسی نے نماز میں روزہ کی نیت کی ہے تو اس کی یہ نیت شرعی اعتبار سے درست ہوگی۔ اسی طرح اگر نماز میں اعتکاف کی نیت کرلی تو یہ نیت بھی معتبر ہوگی۔ لیکن علامہ طحطاوی فرماتے ہیں کہ اولیٰ یہ ہے کہ جس عبادت میں مشغول ہو اسی کے اندر رہے اس عبادت میں ہوتے ہوئے دوسری عبادت میں مشغول نہ ہو۔ (شامی: ۲/ ۱۲۶)

بَابُ صِفَةِ الصَّلَاةِ

نماز کی کیفیت اور اس کی ادائیگی کے طریقہ کے بیان میں

شُرُوعٌ فِي الْمَشْرُوطِ بَعْدَ بَيَانِ الشَّرْطِ: هِيَ لُغَةً: مَصْدَرٌ. وَعُرْفًا: كَيْفِيَّةٌ مُشْتَمِلَةٌ عَلَى فَرْضٍ وَوَاجِبٍ وَسُنَّةٍ وَمَنْدُوبٍ (مِنْ فَرَائِضِهَا) الَّتِي لَا تَصِحُّ بِدُونِهَا (التَّحْرِيمَةُ) قَائِمًا (وَهِيَ شَرْطٌ) فِي غَيْرِ جِنَازَةٍ عَلَى الْقَادِرِ بِهِ يُفْتَى، فَيَجُوزُ بِنَاءُ النَّفْلِ عَلَى النَّفْلِ وَعَلَى الْفَرْضِ وَإِنْ كُرِهَ لَا فَرْضٌ عَلَى فَرْضٍ أَوْ نَفْلٍ عَلَى الظَّاهِرِ وَلِاتِّصَالِهَا بِالْأَرْكَانِ رُوعِيَ لَهَا الشُّرُوطُ وَقَدْ مَنَعَهُ الزَّيْلَعِيُّ ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ بِقَوْلِهِ وَلَئِنْ سَلَّمَ، نَعَمْ فِي التَّلْوِيحِ تَقْدِيمُ الْمَنْعِ عَلَى التَّسْلِيمِ أَوْلَى، لَكِنْ نَقُولُ الِاحْتِيَاطُ خِلَافُهُ. وَعِبَارَةُ الْبُرْهَانِ: وَإِنَّمَا اُشْتُرِطَ لَهَا مَا اُشْتُرِطَ لِلصَّلَاةِ لَا بِاعْتِبَارِ رُكْنِيَّتِهَا، بَلْ بِاعْتِبَارِ اتِّصَالِهَا بِالْقِيَامِ الَّذِي هُوَ رُكْنُهَا.

ترجمہ وتشریح اس باب سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ نماز ادا کرنے کی کیفیت اور اس کا طریقہ بیان فرمارہے ہیں، یعنی نماز کس طرح ادا کی جائے گی، اس کی کیفیت کیا ہوگی؟ اور اس میں کتنے فرائض ہیں؟ کتنے واجبات اور کتنی سنتیں ہیں، بیان فرمائیں گے۔

چناں چہ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب مصنف شرط نماز کے بیان سے فارغ ہو چکے تو اب یہاں سے مشروط یعنی نماز کی صفت کو بیان فرمارہے ہیں۔

صفت کے لغوی اور عرفی معنی

لفظ "صفة" لغت عرب میں مصدر مستعمل ہے۔ اس کے معنی ان چیزوں کا بیان کرنا آتا ہے جو موصوف کی ذات میں موجود ہوں۔ اور عرف شرع میں صفت اس کیفیت کو کہتے ہیں جو فرض، واجب، سنت اور مستحب تمام کو شامل ہو۔ اور یہاں مطلق لفظ صفت کی تعریف نہیں کی گئی ہے بلکہ اس صفت کی تعریف کی گئی ہے جو نماز سے متعلق ہے یعنی صفت صلوٰۃ کی تعریف کی گئی ہے (یعنی جو اجزاء نماز کی صفت کا درجہ رکھتے ہیں ان میں سے بعض فرض، بعض واجب اور بعض سنت و مستحب ہیں)۔

فرائض نماز کا بیان

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نماز کے ان فرائض میں سے جن کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی ہے کھڑے ہونے کی حالت میں تکبیر تحریمہ کہنا ہے (یعنی کھڑے ہو کر ہاتھ باندھتے وقت اللہ اکبر کہنا ہے۔ تکبیر تحریمہ کے بعد نمازی پر بہت سی چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جو نماز شروع کرنے سے پہلے مباح تھیں، اسی وجہ سے اس تکبیر کو تکبیر تحریمہ کہتے ہیں۔ تکبیر تحریمہ کھڑے ہونے کی حالت میں کہی جائے گی، جھک کر نہیں کہی جائے گی، جیسا کہ شارح کی عبارت "قائما" سے بخوبی معلوم ہوتا ہے۔ اور

تکبیر تحریمہ سے مراد اللہ اکبر کہنا ہے یا ایسا ذکر مراد ہے جو خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہو، اور اس میں غیر کی شرکت بالکل نہ ہو)۔

یہ تکبیر تحریمہ جنازہ کی نماز کے علاوہ بقیہ تمام نمازوں میں خواہ فرض نماز ہو خواہ نفل نماز ہو تمام کے اندر شرط ہے جو اس کے کہنے پر قدرت رکھتا ہو۔ اسی قول پر فتویٰ بھی دیا جاتا ہے۔ (جو شخص تکبیر تحریمہ کے الفاظ ادا کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو اس کے لیے صرف نیت سے نماز شروع کرنا جائز ہے جیسے گونگا اور ان پڑھ شخص۔ اور تکبیر تحریمہ نماز جنازہ میں بالاتفاق رکن ہے جس طرح بقیہ تکبیرات رکن ہیں)۔ (شامی: ۲/۱۲۸)

نفل کی بناء نفل و فرض پر کرنے کا حکم

جنازہ کی نماز کے علاوہ بقیہ تمام نمازوں کے لیے چونکہ تکبیر تحریمہ شرط ہے اس وجہ سے ایک نفل کی بناء دوسری نفل پر اور نفل کی بناء فرض پر جائز ہے لیکن مکروہ ہے، یعنی ایک نفل کی بناء دوسری نفل پر یا نفل کی بناء فرض پر مکروہ ہے، اس لیے کہ اس صورت میں سلام میں تاخیر لازم آتی ہے۔ البتہ ایک فرض نماز کی بناء دوسری فرض نماز پر یا کسی فرض کی بناء نفل پر جائز نہیں ہے اس بارے میں ظاہر مذہب یہی ہے۔ اس مسئلہ میں صدر الاسلام کا اختلاف ہے۔ صدر الاسلام فرماتے ہیں کہ ایک فرض کی بناء دوسری فرض نماز پر جائز ہے، اسی طرح فرض نماز کی بناء نفل پر بھی جائز ہے۔ صدر الاسلام کا یہ مذہب البحر الرائق میں موجود ہے لیکن اس بارے میں علامہ شامی کی تحقیق یہ ہے کہ فرض کی بناء نفل پر جائز نہیں ہے۔ (تفصیل دیکھیے: شامی: ۲/۱۲۸)

ایک سوال اور اس کا جوب

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب تکبیر تحریمہ رکن نہیں ہے بلکہ شرط ہے تو ہر نماز کی بناء دوسری نماز پر درست ہونی چاہئے، جس طرح طہارت نماز کے لیے شرط ہے، لہٰذا ایک طہارت سے متعدد نمازیں درست ہیں اور ایک نماز کی طہارت سے دوسری نماز پڑھی جاتی ہیں؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ طہارت کی شرط کو تکبیر تحریمہ کی شرط پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ فرض نماز میں اس کا متعین اور ممتاز ہونا مطلوب ہے، لہٰذا اگر ایک کی بناء دوسرے پر جائز قرار دی جائے تو دونوں مل جائیں گے اور امتیاز ختم ہو جائے گا جو مقصود کے خلاف ہے۔ (شامی: ۲/۱۲۸)

تکبیر تحریمہ میں شرائط کی رعایت

تکبیر تحریمہ چوں کہ نماز کے ارکان سے متصل ہوتی ہے اس لیے اس میں بھی نماز کی شرطوں کی رعایت ضروری ہے، یعنی تکبیر تحریمہ میں بھی طہارت، استقبال قبلہ اور دوسری شرطوں کی رعایت ہونی چاہئے، اس لیے کہ تحریمہ رکن نماز قیام سے متصل ہوتی ہے۔ اور امام زیلعیؒ نے تکبیر تحریمہ کے واسطے شرائط کی رعایت سے منع فرمایا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ جب تکبیر تحریمہ رکن نہیں ہے تو اس میں رکن کی رعایت بھی ضروری نہیں ہے۔ اور اس سے حضرت امام شافعیؒ کی اس دلیل کا رد فرمایا ہے جو وہ

تکبیر تحریمہ کے رکن ہونے پر رد دیتے ہیں۔ پھر علامہ زیلعیؒ نے اس طرح رجوع اپنے اس قول سے فرمایا ہے کہ اگر شرطوں کی مراعات کو تکبیر تحریمہ میں تسلیم کرلیا جائے تو اس لیے نہیں کہ تکبیر تحریمہ رکن میں داخل ہے بلکہ اس لیے کہ تکبیر تحریمہ ادائے نماز سے متصل ہے، اس لیے اس میں بھی شرط کی رعایت کی گئی ہے۔

اور تلویح نامی کتاب میں ہے کہ مان لینے سے بہتر یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ میں شرطوں کی رعایت کا انکار کیا جائے۔ لیکن شارح فرماتے ہیں کہ احتیاط اس کے خلاف میں ہے، یعنی تکبیر تحریمہ کے اندر شرطوں کو تسلیم کرلینا ہی مناسب ہے۔ شارح کے قول کی تقویت وتائید برہان کی عبارت سے بھی ہوتی ہے۔ برہان کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ تکبیر تحریمہ کے واسطے وہ تمام چیزیں شرط ہیں جو نماز کے لیے شرط ہیں، مگر اس لیے نہیں کہ تکبیر تحریمہ رکن میں داخل ہے بلکہ اس اعتبار سے کہ تکبیر تحریمہ اس قیام سے متصل ہے جو نماز کے لیے رکن ہے۔ ہدایہ، کافی اور شرح المجمع وغیرہ کے کلام سے صاف ظاہر ہے کہ تکبیر تحریمہ کے لیے بھی وہی شرائط ہیں جو نماز کے لیے ہیں مگر یہ شرط اس وجہ سے ہے کہ وہ نماز کے رکن یعنی قیام سے بالکل متصل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شروط کی رعایت ہونی چاہیے۔ (شامی: ۲/۱۳۰)

(وَمِنْهَا الْقِيَامُ) بِحَيْثُ لَوْ مَدَّ يَدَيْهِ لَا يَنَالُ رُكْبَتَيْهِ وَمَفْرُوضُهُ وَوَاجِبُهُ وَمَسْنُونُهُ وَمَنْدُوبُهُ بِقَدْرِ الْقِرَاءَةِ فِيهِ، فَلَوْ كَبَّرَ قَائِمًا فَرَكَعَ وَلَمْ يَقِفْ صَحَّ لِأَنَّ مَا أَتَى بِهِ الْقِيَامُ إِلَى أَنْ يَبْلُغَ الرُّكُوعَ يَكْفِيهِ قُنْيَةٌ (فِي فَرْضٍ) وَمُلْحَقٍ بِهِ كَنَذْرٍ وَسُنَّةِ فَجْرٍ فِي الْأَصَحِّ (لِقَادِرٍ عَلَيْهِ) وَعَلَى السُّجُودِ، فَلَوْ قَدَرَ عَلَيْهِ دُونَ السُّجُودِ نُدِبَ إِيمَاؤُهُ قَاعِدًا، وَكَذَا مَنْ يَسِيلُ جُرْحُهُ لَوْ سَجَدَ. وَقَدْ يَتَحَتَّمُ الْقُعُودُ كَمَنْ يَسِيلُ جُرْحُهُ إِذَا قَامَ أَوْ يَسْلَسُ بَوْلُهُ أَوْ يَبْدُو رُبْعُ عَوْرَتِهِ أَوْ يَضْعُفُ عَنِ الْقِرَاءَةِ أَصْلًا أَوْ عَنْ صَوْمِ رَمَضَانَ، وَلَوْ أَضْعَفَهُ عَنِ الْقِيَامِ الْخُرُوجُ لِجَمَاعَةٍ صَلَّى فِي بَيْتِهِ قَائِمًا بِهِ يُفْتَى خِلَافًا لِلْأَشْبَاهِ (وَمِنْهَا الْقِرَاءَةُ) لِقَادِرٍ عَلَيْهَا كَمَا سَيَجِيءُ وَهُوَ رُكْنٌ زَائِدٌ عِنْدَ الْأَكْثَرِ لِسُقُوطِهِ بِالِاقْتِدَاءِ بِلَا خُلْفٍ (وَمِنْهَا الرُّكُوعُ) بِحَيْثُ لَوْ مَدَّ يَدَيْهِ نَالَ رُكْبَتَيْهِ (وَمِنْهَا السُّجُودُ) بِجَبْهَتِهِ وَقَدَمَيْهِ، وَوَضْعُ إِصْبَعٍ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا شَرْطٌ، وَتَكْرَارُهُ تَعَبُّدٌ ثَابِتٌ بِالسُّنَّةِ كَعَدَدِ الرَّكَعَاتِ (وَمِنْهَا الْقُعُودُ الْأَخِيرُ) وَالَّذِي يَظْهَرُ أَنَّهُ شَرْطٌ لِأَنَّهُ شُرِعَ لِلْخُرُوجِ كَالتَّحْرِيمَةِ لِلشُّرُوعِ وَصَحَّحَ فِي الْبَدَائِعِ أَنَّهُ رُكْنٌ زَائِدٌ لِحِنْثِ مَنْ حَلَفَ لَا يُصَلِّي بِالرَّفْعِ مِنَ السُّجُودِ. وَفِي السِّرَاجِيَّةِ لَا يَكْفُرُ مُنْكِرُهُ (قَدْرَ) أَدْنَى قِرَاءَةِ (التَّشَهُّدِ) إِلَى عَبْدِهِ وَرَسُولِهِ بِلَا شَرْطِ مُوَالَاةٍ وَعَدَمِ فَاصِلٍ؛ لِمَا فِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ: صَلَّى أَرْبَعًا وَجَلَسَ لَحْظَةً فَظَنَّهَا ثَلَاثًا فَقَامَ ثُمَّ تَذَكَّرَ فَجَلَسَ ثُمَّ تَكَلَّمَ، فَإِنْ كَانَ الْجِلْسَتَيْنِ قَدْرَ التَّشَهُّدِ صَحَّتْ وَإِلَّا لَا (وَمِنْهَا الْخُرُوجُ بِصُنْعِهِ) كَفِعْلِهِ الْمُنَافِي لَهَا بَعْدَ تَمَامِهَا

وَإِنْ كُرِهَ تَحْرِيمًا: وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَيْسَ بِفَرْضٍ اتِّفَاقًا قَالَهُ الزَّيْلَعِيُّ وَغَيْرُهُ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ، وَفِي الْمُجْتَبَى وَعَلَيْهِ الْمُحَقِّقُونَ: وَبَقِيَ مِنَ الْفُرُوضِ تَمْيِيزُ الْمَفْرُوضِ، وَتَرْتِيبُ الْقِيَامِ عَلَى الرُّكُوعِ، وَالرُّكُوعُ عَلَى السُّجُودِ، وَالْقُعُودِ الْأَخِيرِ عَلَى مَا قَبْلَهُ وَإِتْمَامُ الصَّلَاةِ، وَالِانْتِقَالُ مِنْ رُكْنٍ إِلَى آخَرَ وَمُتَابَعَتُهُ لِإِمَامِهِ فِي الْفُرُوضِ وَصِحَّةُ صَلَاةِ إِمَامِهِ فِي رَأْيِهِ، وَعَدَمُ تَقَدُّمِهِ عَلَيْهِ، وَعَدَمُ مُخَالَفَتِهِ فِي الْجِهَةِ، وَعَدَمُ تَذَكُّرِ فَائِتَةٍ وَعَدَمُ مُحَاذَاةِ امْرَأَةٍ بِشَرْطِهِمَا، وَتَعْدِيلُ الْأَرْكَانِ عِنْدَ الثَّانِي وَالْأَئِمَّةِ الثَّلَاثَةِ قَالَ الْعَيْنِيُّ: وَهُوَ الْمُخْتَارُ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ وَبَسَطْنَاهُ فِي الْخَزَائِنِ.

قیام کا بیان

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرائض نماز کو بیان فرمارہے ہیں، چناں چہ اس سے پہلے نماز کے ایک فرض، تحریمہ کو بیان فرمایا ہے۔ اب یہاں سے نماز کے دوسرے فرض ''قیام'' کو بیان فرمارہے ہیں، چناں چہ مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نماز کے من جملہ فرائض میں سے ایک فرض کھڑا ہونا بھی ہے اس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی ہے۔ اور اس طرح کھڑا ہونا چاہئے کہ اگر دونوں ہاتھ کو نیچے کی طرف لٹکائے تو اپنے دونوں گھٹنوں کو نہ پاسکے، یعنی پورا کھڑا نہ ہوسکے تو کم از کم اس کو اتنا کھڑا ہونا ضروری ہے کہ ہاتھ گھٹنوں تک نہ پہنچ پائے، اگر اتنا جھک جائے کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائے تو پھر قیام کا فرض ادا نہ ہوگا۔

قیام کا فرض و واجب ہونا بقدر قرأت ہے

شارح تنویر الابصار علامہ علاؤ الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ جس قدر نماز میں قرأت فرض ہے اتنی مقدار کھڑا ہونا سنت نماز میں بھی فرض ہے۔ اور قرأت کی جو مقدار واجب ہے اتنی دیر کھڑا ہونا واجب ہے۔ اور قرأت کی جو مقدار سنت ہے اتنی دیر کھڑا ہونا سنت ہے اور جو مقدار مستحب ہے اتنی مقدار کھڑا ہونا مستحب ہے۔

اس مسئلے پر تفریع کرتے ہوئے علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ نماز میں ایک بڑی آیت یا چھوٹی تین آیت کے بقدر قرأت کرنا فرض ہے اور سورۂ فاتحہ اور ضم سورہ واجب ہے۔ اور صبح کی نماز میں طوالِ مفصل، مغرب میں قصارِ مفصل اور ظہر و عصر و عشاء میں اوساطِ مفصل مستحب ہے اور اس سے زیادہ قرأت کرنا مندوب ہے۔ (شامی: ۲/۱۳۱)

چناں چہ اگر کسی نے کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ کہی اور اس کے بعد فوراً رکوع میں چلا گیا اور ان دونوں کے درمیان بالکل کھڑا نہیں رہا تو یہ قیام بھی صحیح ہو جائے گا، اس لیے کہ رکوع میں پہنچنے تک اس نے جو قیام کیا وہی قیام اس کے لیے کافی ہو جائے گا، قنیہ نامی کتاب میں یہ مسئلہ ایسے ہی مذکور ہے۔

قیام کن نمازوں کے لیے فرض ہے؟

شارح تنویر الابصار علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ قیام کرنا فرض نمازوں اور ان نمازوں میں فرض ہے جو فرض نماز سے ملحق

ہیں۔جیسے: نذر مانی ہوئی نماز۔اور صحیح قول کے مطابق فجر کی سنت اسی کے ساتھ لاحق ہے، یعنی اس میں قیام فرض ہے اور فجر کی سنت میں قیام کرنا ان علماء کرام کے قول کے مطابق فرض ہوگا جو اس کو واجب قرار دیتے ہیں، چناں چہ خلاصہ نامی کتاب میں حضرت حسن بن زیاد حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ فجر کی سنت بلا عذر بیٹھ کر ادا کرنا بالاتفاق جائز نہیں ہے۔مراقی الفلاح میں ہے کہ فجر کی سنت کو بیٹھ کر ادا کرنا جائز ہے۔(شامی:۲/۱۳۲)

تراویح کی نماز بیٹھ کر ادا کرنا

اگر کوئی شخص تراویح کی نماز بیٹھ کر ادا کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں دونوں طرح کے اقوال منقول ہیں۔بعض علماء تراویح کی نماز کو فجر کی سنت پر قیاس کرتے ہوئے بیٹھ کر ادا کرنے سے منع کرتے ہیں، اس لیے کہ تراویح اور فجر کی سنت دونوں ہی سنت مؤکدہ ہیں۔اور بعض علماء نے تراویح میں بلا عذر بھی بیٹھ کر ادا کرنے کی اجازت دی ہے۔اور فرمایا کہ تراویح کو فجر کی سنت پر قیاس کرنا درست نہیں ہے اس لیے کہ تراویح کی تاکید فجر کی سنت کی تاکید سے کم ہے، لہٰذا ان دونوں کے درمیان برابری قرار دینا درست نہیں ہے۔قاضی خاں نے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے۔(شامی:۲/۱۳۲)

کن لوگوں کے اوپر قیام فرض ہے؟

قیام نماز میں فرض ہے، مگر یہ قیام ان لوگوں کے اوپر فرض ہے جو قیام کرنے اور سجدہ کرنے پر قادر ہوں، چناں چہ اگر قیام پر تو قادر ہو لیکن سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ بیٹھ کر اشارہ سے نماز ادا کرے، اس لیے کہ بیٹھنا سجدے کے زیادہ قریب ہے اور کھڑے ہو کر بھی اشارہ سے نماز ادا کرنا جائز ہے جیسا کہ البحر الرائق میں مذکور ہے۔اور حضرت امام ابو یوسفؒ، امام زفرؒ اور ائمہ ثلاثہؒ نے کھڑے ہو کر اشارہ سے نماز پڑھنے کو واجب قرار دیا ہے۔اس لیے کہ قیام رکن ہے لہٰذا قیام پر قدرت ہوتے ہوئے اس کو ترک نہیں کیا جائے گا۔اور علماء احناف فرماتے ہیں کہ اصل عبادت سجدہ ہے اور اسی سجدہ کے حصول کے لیے قیام فرض ہے اور جب اصل کی ادائیگی پر قدرت نہیں تو غیر اصل یعنی قیام کو ترک کیا جاسکتا ہے اور سجدہ ہی کا اصل عبادت ہونا اس لیے ہے کہ سجدہ بلا قیام بھی عبادت ہے جیسے سجدۂ تلاوت ہے اور محض قیام عبادت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ غیر اللہ کے واسطے قیام سے آدمی کافر نہیں ہوتا ہے اس کے برخلاف اگر کسی نے غیر اللہ کے لیے سجدہ کیا تو کافر ہو جائے گا، پس معلوم ہوا کہ اصل عبادت سجدہ ہے اور جب اصل ہی سے عاجز ہے تو فرع کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔(شامی:۲/۱۳۲)

بیٹھ کر نماز ادا کرنا کب لازم ہے اور کب مستحب؟

اسی طرح اگر سجدہ کرنے سے زخم بہنے لگتا ہے اور اشارہ سے سجدہ کرنے سے زخم نہیں بہتا ہے تو اس کے لیے بیٹھ کر اشارہ سے نماز ادا کرنا مستحب ہے، کیونکہ ایسا شخص بھی حقیقتاً سجدہ سے عاجز ہے، کیونکہ اس حال میں اگر سجدہ کرتا ہے تو اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے

اس لیے جب سجدہ ساقط ہوا تو قیام بھی ساقط ہو گیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ سجدہ کرنے کی صورت میں جب زخم بہے گا تو طہارت کا فوت ہونا لاالیٰ خلف لازم آئے گا اور اشارہ سے نماز پڑھنے کی صورت میں سجدہ کا فوت خلف کی جانب ہوتا ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۳۲)

اور کبھی بیٹھ کر نماز ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔ جیسے اس شخص کے لیے بیٹھ کر نماز ادا کرنا لازم ہوتا ہے جس کے کھڑے ہونے سے زخم بہنے لگے، یا جس کے کھڑے ہونے سے پیشاب ٹپکنے لگے، یا کھڑے ہونے کی صورت میں چوتھائی ستر کھل جاتا ہے، یا کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کی صورت میں قرآن پڑھنے سے وہ بالکل عاجز و مجبور ہو جاتا ہے، یا کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے رمضان شریف کے روزے رکھنے سے بالکل عاجز ہو جاتا ہے (مذکورہ تمام صورتوں میں قیام چھوڑ کر بیٹھ کر نماز ادا کرنا لازم ہے اس لیے کہ ان صورتوں میں یا تو وضو جاتا رہے گا یا ستر کھل جانے کی وجہ سے نماز نہ ہوگی، یا قرأت جو فرض ہے اس کا ترک لازم آئیگا، یا رمضان کا روزہ جو فرض ہے اس کا ترک لازم آئے گا اس لیے بیٹھ کر نماز ادا کرنا لازم ہے)۔ (شامی: ۲/ ۱۳۲)

مسجد میں پیدل چل کر جانے سے قیام سے عاجز ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر جماعت کے لیے مسجد جانا نماز میں قیام کرنے سے عاجز کر دے، یعنی اگر وہ گھر سے پیدل چل کر مسجد جاتا ہے تاکہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے تو پھر وہاں کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رہتی ہے بلکہ بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے تو ایسے شخص کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ اپنے گھر میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرے، جماعت کے لیے مسجد میں نہ جائے، اسی قول پر فتویٰ ہے۔ اور یہ حکم اس لیے ہے کہ قیام کرنا فرض ہے اور جماعت سنتِ مؤکدہ ہے، لہٰذا سنت مؤکدہ حاصل کرنے کے لیے فرض کو چھوڑنا کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔ البتہ اشباہ کا قول اس کے مخالف ہے اس کا کہنا ہے کہ جماعت کے لیے جائے اور بیٹھ کر جماعت سے نماز ادا کرے۔ مگر ظاہر بات ہے کہ یہ قول اُصول کے خلاف ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۳۲)

قرأت کا بیان

فرائض نماز میں سے تیسرا فرض قرأت ہے اور قرأت ان لوگوں پر فرض ہے جو قرأت پر قادر ہوں، جیسا کہ اس کی تفصیل عنقریب آئے گی۔ اور اکثر فقہاء کرام کے نزدیک قرأت ایک رکن زائد ہے، اس لیے کہ قرأت مقتدی حضرات سے بلا کسی قائم مقام کے ساقط ہو جاتی ہے، مقتدی حضرات کے لیے حکم یہ ہے کہ اپنے امام کے پیچھے قرأت نہ کریں بلکہ خاموش کھڑے رہیں۔

مسئلہ: مطلق قرآن کریم کی ایک آیت کی قرأت نماز میں فرض ہے اور یہ قرأت نفل اور وتر کی تمام رکعتوں میں عملاً فرض ہے اور فرض کی صرف دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے۔ اور فرض کی پہلی دو رکعتوں کو قرأت کے لیے متعین کرنا تو یہ واجب ہے اور سورۂ فاتحہ نیز ختم سورہ تو واجب ہے۔ ان تمام مسائل کی تفصیلات اپنی اپنی جگہ پر عنقریب آئے گی۔ (شامی: ۲/ ۱۳۳)

رکن کی قسمیں اور رکوع کا بیان

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ رکن کی دو قسمیں ہیں: (۱) رکن اصلی (۲) رکن زائد۔ رکن اصلی وہ رکن ہے جو بلا ضرورت اور

بلا عذر ساقط نہ ہو۔ جیسے قیام ہے، جب ساقط ہوتا ہے تو اپنا خلیفہ قعود کو چھوڑ کر ساقط ہوتا ہے۔

رکن زائد اس رکن کو کہا جاتا ہے جو بعض صورتوں میں بلا ضرورت کے بھی ساقط ہو جاتا ہو۔ اور اس کا کوئی قائم مقام نہیں ہوتا ہے جیسے: قرأت ہے، یہ مقتدی سے ساقط ہو جاتی ہے اور اس کا کوئی قائم مقام نہیں ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ رکن اس کو کہتے ہیں جو داخل شئ اور داخل ماہیت ہو پھر اس کے زائد ہونے کا مطلب کیا ہے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ رکن کی حالت دوسری ہوتی ہے اور زائد ہونے کی حالت دوسری ہوتی ہے۔ جب ایسی حالت ہو کہ یہ بغیر قرأت کے نماز درست نہ ہو تو رکن اصلی ہے۔ جیسے منفرد شخص کے لیے قرأت ضروری ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی ہے۔ اور جب ایسی حالت ہو کہ بغیر قرأت کے بھی نماز ہو جاتی ہو جیسے مقتدی کی نماز، تو اس صورت میں قرأت کو رکن زائد سمجھا جائے گا۔ (شامی: ۲/ ۱۳۳)

فرائض نماز میں سے چوتھا فرض رکوع کرنا ہے، یعنی اس طرح جھکنا کہ اگر دونوں ہاتھ دراز کئے جائیں تو وہ اپنے گھٹنوں کو پالے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رکوع میں کمر اس قدر جھکنی چاہئے کہ دونوں گھٹنے ہاتھ سے پکڑ سکے، کھڑے ہو کر محض گردن کا جھکا دینا رکوع کے لیے کافی نہ ہوگا۔

شرح منیۃ المصلی میں ہے کہ رکوع کے معنی: ''سر کا جھکانا'' ہے۔ اور رکوع کا شرعی معنی یہ ہے کہ پیٹھ کو اس طرح جھکانا کہ چوتڑ کے برابر ہو جائے۔ یعنی سرین اور پیٹھ دونوں برابر ہو جائیں۔ اور اگر کوئی شخص بیٹھ کر نماز ادا کر رہا ہے تو اس طرح جھکائے کہ اس کی پیشانی دونوں گھٹنوں کے بالکل سامنے ہو جائے تا کہ کمال رکوع حاصل ہو سکے۔ (شامی: ۲/ ۱۳۴)

سجدوں کا بیان

نماز کے فرائض میں سے پانچواں فرض سجدہ کرنا ہے۔ اس طرح کہ اس کی پیشانی زمین سے لگ جائے اور اسکے دونوں پاؤں زمین پر ہوں اور دونوں پاؤں کی انگلیوں میں سے کسی ایک انگلی کا زمین پر سجدہ کے وقت ٹکانا شرط ہے۔ اور دوبارہ سجدہ کرنا اظہار بندگی کے لیے ہے جو سنت رسول ﷺ سے ثابت ہے۔ جس طرح رکعات نماز کی تعداد حدیث شریف اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ قرآنِ کریم سے صرف ایک سجدہ ثابت ہے دوسرا سجدہ حدیث شریف سے ثابت ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۳۵)

سجدہ کے لغوی وشرعی معنی

سَجَدَ، یَسْجُدُ (ن) سُجُوْدًا مصدر ہے۔ اس کے لغوی معنی خضوع کے ہیں۔ اور مغرب نامی لغت کی کتاب میں سجدہ کے معنی وَضْعُ الْجَبْهَةِ عَلَى الْأَرْضِ کے ہیں۔ یعنی زمین پر پیشانی رکھنا۔ اور البحر الرائق میں علامہ ابن نجیم مصری حنفیؒ نے سجدہ کی حقیقت یہ بیان فرمائی ہے کہ سجدہ کہتے ہیں چہرے کے بعض حصہ کو زمین پر رکھ دینا، جس میں مذاق نہ ہو، چناں چہ اس قید کی وجہ سے ناک داخل ہو گئی اور رخسار اور ٹھوڑی خارج ہو گئی۔ (شامی: ۲/ ۱۳۵)

مسئلہ: اگر سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں میں سے کسی بھی پاؤں کی انگلی زمین پر ٹکی نہ ہو بلکہ زمین سے بالکل اٹھی ہو تو اس صورت میں سجدہ صحیح نہ ہوگا، سجدہ کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ دونوں پاؤں کی انگلیوں میں سے کوئی ایک انگلی زمین سے متصل ضرور ہو۔ (شامی: ۲/ ۱۳۵)

قعدۂ اخیرہ کا بیان

نماز کے فرائض میں سے چھٹا فرض اخیر رکعت میں تشہد پڑھنے کی مقدار میں بیٹھنا ہے۔ یعنی قعدۂ اخیرہ کرنا ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ صاحب تنویر الابصار علامہ تمرتاشی نے اخیر کا لفظ استعمال فرمایا ہے، ثانی کا لفظ استعمال نہیں فرمایا ہے تاکہ اس میں فجر کا قعدہ اور مسافر کا قعدہ بھی شامل ہو جائے، اس لیے کہ فجر اور مسافر کا قعدہ، قعدۂ اخیرہ ہے، ثانیہ نہیں ہے، جیسا کہ یہ بات درایہ کے اندر مذکور ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۳۵)

اور جو بات نمایاں ہے وہ یہ ہے کہ قعدۂ اخیرہ شرط ہے اس لیے کہ قعدۂ اخیرہ نماز سے خروج کرنے کے لیے مشروع ہوا ہے، جس طرح تکبیر تحریمہ نماز کو شروع کرنے کے لیے مشروع ہوئی ہے۔ اور بدائع الصنائع میں اس کی تصحیح کی گئی ہے کہ قعدۂ اخیرہ رکن زائد ہے، اس لیے کہ جو شخص یہ قسم کھائے گا کہ میں نماز نہیں پڑھوں گا تو وہ اپنی قسم میں سجدہ سے سر اُٹھاتے ہی حانث ہو جائے گا۔ اور اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ تو اگر قعدۂ اخیرہ رکن اصلی ہوتا تو جب تک قعدۂ اخیرہ ادا نہ ہو جاتا قسم میں حانث نہ ہوتا، لیکن سجدہ سے سر اُٹھاتے ہی حانث ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ قعدۂ اخیرہ رکن زائد ہے۔

قعدۂ اخیرہ کے انکار کرنے والے کا حکم شرعی

فتاویٰ سراجیہ میں ہے کہ جو شخص قعدۂ اخیرہ کا انکار کردے وہ کافر نہیں ہوتا ہے۔ علامہ شامی نے یہاں اس بات کی صراحت کی ہے کہ انکار سے مراد قعدۂ اخیرہ کی فرضیت کا انکار ہے، یعنی اگر کوئی شخص قعدۂ اخیرہ کی فرضیت کا انکار کردے تو وہ اس کی وجہ سے کافر نہ ہوگا، اس لیے کہ ایک قول قعدۂ اخیرہ کے وجوب کا بھی ہے۔ جیسا کہ قہستانی میں ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص قعدۂ اخیرہ کی اصل مشروعیت ہی کا انکار کردے تو چونکہ اجماع کا انکار لازم آئے گا اس لیے مناسب یہ ہے کہ اس کی تکفیر کی جائے۔ (شامی: ۲/ ۱۳۶)

قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنے کی فرض مقدار

قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنے کی فرض مقدار کم از کم اتنی دیر ہے کہ آدمی تشہد کو "عبدہٗ و رسولہٗ" تک پڑھ سکے، اس میں نہ پے در پے کی شرط ہے اور نہ عدم فاصلہ کی۔ اور پے در پے کی شرط اس لیے نہیں ہے کہ فتاویٰ ولوالجیہ میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے چار رکعت نماز پڑھی اور تھوڑی دیر بیٹھ گیا پھر خیال آیا کہ یہ تیسری رکعت ہے، چناں چہ وہ چوتھی رکعت ادا کرنے کے لیے کھڑا ہو گیا پھر یاد آیا کہ نہیں یہ چوتھی رکعت ہی ہے، چنانچہ بیٹھ گیا پھر گفتگو کی، پس اگر دونوں دفعہ بیٹھنا تشہد کی مقدار ہو گیا تو اس صورت میں نماز

ہوجائے گی ورنہ نماز نہیں ہوگی۔

نمازی کا اپنے فعل سے نماز سے نکلنا

فرائض نماز میں سے ایک فرض خروج بصنعہ ہے، یعنی نماز پوری کرنے کے بعد نمازی کا کسی ایسے فعل سے نکلنا جو نماز کے منافی ہو، خواہ وہ فعل مکروہ تحریمی ہی کیوں نہ ہو، فرض ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ خروج بصنعہ بالاتفاق فرض نہیں ہے، اسی کے قائل علامہ زیلعیؒ ہیں۔ اور مصنف علیہ الرحمہ نے اسی کو برقرار رکھا ہے۔ اور مجتبیٰ نامی کتاب میں ہے کہ خروج بصنعہ فرض نہیں ہے، محققین علماء کا یہی مذہب ہے۔

خروج بصنعہ کا فرض ہونا حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے کہیں بھی صراحت سے منقول نہیں ہے، بلکہ سب سے پہلے بردعی نے مسائل اثناعشریہ سے خروج بصنعہ کے فرض کا استنباط کیا ہے۔ امام کرخی نے رد فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ خروج بصنعہ کو فرض قرار دینا امام بردعی کی جانب سے غلطی ہے۔ محققین علماء کرام اس کو فرض قرار نہیں دیتے ہیں۔ اور مسائل اثناعشریہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے نماز کے بطلان کا جو حکم لگایا ہے وہ اس لیے نہیں ہے کہ خروج بصنعہ فرض ہے بلکہ کسی دوسری علت کی وجہ سے بطلان نماز کا حکم لگایا ہے اور وہ علت ایسے عارض کا پیش آنا ہے جو فرض کو بدل دیتی ہے، چناں چہ اس علت کا شروع نماز اور آخر نماز دونوں میں پایا جانا برابر ہے اور دونوں صورتوں میں نماز باطل ہوجائے گی۔ (شامی: ۲/ ۱۳۷)

مزید کچھ فرائض

علامہ علاء الدین حصکفیؒ بیان کرتے ہیں کہ ماتن سے کچھ فرائض چھوٹ گئے ہیں جو ہم یہاں نقل کرتے ہیں، ان میں سے ایک فرض یہ ہے کہ فرض کو اس کے غیر سے جدا کرے۔ مثلاً پہلا سجدہ فرض ہے اور نص قطعی سے ثابت ہے، لہٰذا اس میں اور دوسرے سجدہ کے درمیان امتیاز کرے اس طرح کہ دونوں سجدوں کے درمیان سر اُٹھائے، اگر بغیر سر اُٹھائے دوسرا سجدہ کرے گا تو نماز نہ ہوگی۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ تمییز المفروض سے مراد یہ ہے کہ جو نمازیں فرض ہیں اور جو نمازیں فرض نہیں ہیں ان دونوں کے درمیان امتیاز کرے اور ان کو جانے، حتیٰ کہ اگر کوئی شخص پانچوں وقت کی نماز کی فرضیت کو نہ جانے اور ان کو وقت پر ادا کرے تو نماز نہ ہوگی۔ (شامی: ۲/ ۱۳۸)

نماز کے ارکان میں ترتیب رکھنے کا حکم

نماز کے مابقیہ فرائض میں سے دوسرا فرض یہ ہے کہ فرض نماز کے ارکان کی ادائیگی میں باہم ترتیب قائم رکھنا ہے کہ قیام کو رکوع سے پہلے ادا کرے اور رکوع کو سجدہ سے پہلے کرے اور قعدۂ اخیرہ کو ان ارکان کے بعد کرنا جو ارکان اس سے پہلے ہونے چاہئیں، جو شخص اس ترتیب کے خلاف نماز ادا کرے گا اس کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ گویا ارکان نماز کو ترتیب کے ساتھ ادا کرنا بھی فرض ہے۔

چناں چہ اگر کسی نے رکوع کیا، اس کے بعد قیام کی تو سابق رکوع کا اعتبار نہیں ہے، اگر قیام کے بعد دوسری مرتبہ رکوع کرے گا تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی، اس لیے کہ مفروض کے درمیان ترتیب پائی گئی ہے اور اس پر سجدۂ سہو لازم ہوگا اس لیے کہ یہاں رکوع قیام پر مقدم ہو گیا ہے، یہی حکم اس صورت میں ہے جب سجدے کو رکوع پر مقدم کر دے کہ سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ (شامی: ۲/۱۳۸)

اور نماز کے مابقیہ فرائض میں سے تیسرا فرض نماز کا اس طرح پورا کرنا ہے کہ اس کا کوئی فرض چھوٹنے نہ پائے۔ اور چوتھا فرض ایک رکن سے دوسرے رکن کی جانب منتقل ہونا ہے۔ اور پانچواں فرض اپنے امام کی متابعت کرنا فرض نمازوں کے ہر رکن کے اندر، امام سے پہلے کوئی رکن ادا نہ کرے۔ اور چھٹا فرض یہ ہے کہ اپنے امام کی نماز کو اپنی رائے میں درست ہونے اور صحیح ہونے کا یقین رکھتا ہو۔ اور ساتواں فرض یہ ہے کہ اپنے امام سے آگے بالکل نہ بڑھے۔ اگر امام سے آگے بڑھ گیا تو نماز نہ ہوگی۔ آٹھواں فرض یہ ہے کہ قبلہ کی جہت میں اپنے امام کی مخالفت نہ کرنا، یعنی جس طرف امام رُخ کر کے نماز ادا کر رہا ہو مقتدی حضرات بھی اسی طرف رُخ کر کے نماز ادا کریں اس کی مخالفت نہ کریں ورنہ نماز نہ ہوگی۔ اور نواں فرض یہ ہے کہ صاحب ترتیب کو وقت میں وسعت ہوتے ہوئے فوت شدہ نماز کا یاد نہ ہونا، چناں چہ اگر صاحب ترتیب کو فوت شدہ نماز یاد ہو اور وقت میں وسعت ہو تو وقتیہ نماز اس وقت تک درست نہ ہوگی جب تک کہ فوت شدہ نماز ادا نہ کرلے۔ اور دسواں فرض یہ ہے کہ کسی عورت کا ان شرائط کے ساتھ مرد کے محاذات میں نہ ہونا جن کی وجہ سے مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، اس کی مزید تفصیل باب الامامۃ میں آئے گی۔

گیارہواں فرض ارکان کی ادائیگی میں تعدیل کرنا ہے۔ اور تعدیلِ ارکان حضرت امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک فرض ہے۔ تعدیل ارکان کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے ارکان: رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ کو سکون واطمینان کے ساتھ ادا کرنا۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ تعدیل ارکان کا فرض ہونا ہی پسندیدہ اور مختار قول ہے۔ مصنف علیہ الرحمہ نے بھی اسی کو ثابت کیا ہے۔ اور شارح علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کو تفصیل کے ساتھ خزائن الاسرار اور وبدائع الافکار میں بیان کیا ہے۔ لیکن علامہ شامی فرماتے ہیں کہ تعدیل ارکان کے فرض ہونے کا قول غریب ہے۔ حضراتِ فقہاءِ کرام کی ایک جم غفیر نے تعدیل ارکان کو واجب کہا ہے۔ اور اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔ صاحب فتح القدیر علامہ ابن الہمامؒ نے ان لوگوں کے قول کو جنھوں نے تعدیل ارکان کو فرض کہا ہے فرض عملی پر محمول کیا ہے، یعنی تمام ارکان نماز کو اطمینان وسکون کے ساتھ ادا کرنا عملاً فرض ہے اور جنھوں نے واجب ہونے کا قول کیا ہے ان کو اعتقاد پر محمول کیا ہے گویا تعدیل ارکان اعتقاداً واجب ہے اور عملاً فرض ہے۔ (شامی: ۲/۱۴۰)

(وَشُرِطَ فِي أَدَائِهَا) أَيْ هَذِهِ الْفَرَائِضِ قُلْت: وَبِهِ بَلَغَتْ نَيِّفًا وَعِشْرِينَ: وَقَدْ نَظَمَ الشُّرُنْبُلَالِيُّ فِي شَرْحِهِ لِلْوَهْبَانِيَّةِ لِلتَّحْرِيمَةِ عِشْرِينَ شَرْطًا وَلِغَيْرِهَا ثَلَاثَةَ عَشَرَ فَقَالَ:

شُرُوطٌ لِتَحْرِيمٍ حَظِيتَ بِجَمْعِهَا ... مُهَذَّبَةً حُسْنًا مَدَى الدَّهْرِ تَزْهَرُ

دُخُولٌ لِوَقْتٍ وَاعْتِقَادُ دُخُولِهِ ... وَسَتْرٌ وَطُهْرٌ وَالْقِيَامُ الْمُحَرَّرُ

وَنِيَّـةُ اِتِّبَـاعِ الْإِمَـامِ وَنُطْقِـهِ ... وَتَعْيِينُ فَرْضٍ أَوْ وُجُوبٍ فَيُذْكَرُ
بِجُمْلَـةِ ذِكْـرٍ خَـالِصٍ عَنْ مُرَادِهِ ... وَبَسْمَلَةٍ عَرَبًـا إِنْ هُـوَ يَقْـدِرُ
وَعَـنْ تَـرْكِ هَـاوٍ أَوْ لِهَـاءِ جَلَالَـةٍ ... وَعَـنْ مَـدِّ هَمْـزَاتٍ وَبَـاءٍ بِـأَكْبَرُ
وَعَـنْ فَاصِـلٍ فِعْـلٍ كَـلَامٍ مُبَـايِنٍ ... وَعَـنْ سَبْقِ تَكْبِيرٍ وَمِثْلُـكَ يُعْـذَرُ
فَـدُونَكَ هَـذِي مُسْـتَقِيمًا لِقِبْلَـةٍ ... لَعَلَّـكَ تَحْظَـى بِـالْقَبُولِ وَتُشْـكَرُ
فَجُمْلَتُهَا الْعِشْرُونَ بَلْ زِيدَ غَيْرُهَا ... وَنَاظِمُهَـا يَـرْجُو الْجَـوَادَ فَيَغْفِـرُ
وَأَزْكَى صَلَاةٍ مَعْ سَلَامٍ لِمُصْطَفَى ... ذَخِيرَةُ خَلْـقِ اللّـهِ لِلـدِّينِ يَنْصُـرُ
وَأَلْحَقْتَهَـا مِـنْ بَعْـدِ ذَاكَ لِغَيْرِهَـا ... ثَلَاثَـةَ عَشَـرَ لِلْمُصَـلِّينَ تَظْهَـرُ
قِيَامُكَ فِي الْمَفْرُوضِ مِقْدَارَ آيَةٍ ... وَتَقْـرَأُ فِـي ثِنْتَيْـنِ مِنْـهُ تُخَيَّـرُ
وَفِي رَكَعَاتِ النَّفْـلِ وَالْوِتْـرِ فَرْضُـهَا ... وَمَنْ كَانَ مُؤْتَمًّا فَعَنْ تِلْكَ يُحْظَرُ
وَشَـرْطُ سُـجُودٍ فَـالْقَرَارُ لِجَبْهَـةٍ ... وَقُـرْبُ قُعُـودٍ حَـدُّ فَصْـلٍ مُحَـرَّرُ
وَبَعْـدَ قِيَـامٍ فَـالرُّكُوعُ فَسَـجْدَةٌ ... وَثَانِيَـةٌ قَـدْ صَـحَّ عَنْهَـا تُؤَخَّـرُ
عَلَى ظَهْرِ كَفٍّ أَوْ عَلَى فَضْلِ ثَوْبِـهِ ... إِذَا تَطْهُـرُ الْأَرْضُ الْجَـوَازُ مُقَـرَّرُ
سُجُودُكَ فِي عَالٍ فَظَهْرٌ مُشَارِكٌ ... لِسَجْدَتِهَا عِنْـدَ ازْدِحَامِـكَ يَغْفِـرُ
أَدَاؤُكَ أَفْعَـالَ الصَّـلَاةِ بِيَقْظَـةٍ ... وَتَمْيِـيزُ مَفْـرُوضٍ عَلَيْـكَ مُقَـرَّرُ
وَيَخْتِـمُ أَفْعَـالَ الصَّـلَاةِ قُعُـودُهُ ... وَفِي صُنْعِهِ عَنْهَا الْخُرُوجُ مُحَرَّرُ

(الْإِخْتِيَارُ) أَيْ الْإِسْتِيقَاظُ، أَمَّا لَوْ رَكَعَ أَوْ سَجَدَ ذَاهِلًا كُلَّ الذُّهُولِ أَجْزَأَهُ (فَإِنْ أَتَى بِهَا) أَوْ بِأَحَدِهَا بِأَنْ قَامَ أَوْ قَرَأَ أَوْ رَكَعَ أَوْ سَجَدَ أَوْ قَعَدَ الْأَخِيرَ (نَائِمًا لَا يُعْتَدُّ) بِمَا أَتَى (بِهِ) بَلْ يُعِيدُهُ وَلَوْ الْقِرَاءَةَ أَوْ الْقَعْدَةَ عَلَى الْأَصَحِّ، وَإِنْ لَمْ يُعِدْهُ تَفْسُدُ لِصُدُورِهِ لَا عَنْ اخْتِيَارٍ، فَكَانَ وُجُودُهُ كَعَدَمِهِ وَالنَّاسُ مِنْهُ غَافِلُونَ. فَلَوْ أَتَى النَّائِمُ بِرَكْعَةٍ تَامَّةٍ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ لِأَنَّهُ زَادَ رَكْعَةً وَهِيَ لَا تَقْبَلُ الرَّفْضَ. وَلَوْ رَكَعَ أَوْ سَجَدَ فَنَامَ فِيهِ أَجْزَأَهُ لِحُصُولِ الرَّفْعِ (مِنْهُ) وَالْوَضْعِ بِالْإِخْتِيَارِ

شرائطِ نماز سے متعلق علامہ شرنبلالیؒ کے نظم کا ترجمہ

اوران فرائض کے ادائیگی کی شرط اختیار ہے، یعنی نماز کے مذکورہ تمام فرائض کو بحالت بیداری ادا کیا جائے اور نماز پڑھنے

والا بیدار ہو نیند میں نہ ہو۔ شارح تنویر الابصار علامہ حصکفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس شرط کے ساتھ کچھ مزید شرطیں ہیں جو بیس سے کچھ زیادہ ہیں۔ جنھیں علامہ شرنبلالی نے اپنی کتاب شرح وہبانیہ میں بیان فرمایا ہے۔ ان میں سے تکبیر تحریمہ کے لیے بیس شرط ہیں اور اس کے علاوہ بقیہ نماز کے لیے تیرہ شرطیں ہیں جن کو شیخ شرنبلالی نے نظم کیا ہے جن کا ترجمہ ذیل میں درج ہے۔

(۱) تکبیر تحریمہ کے لیے کچھ شرطیں ہیں جن کو جمع کرنے کی مجھے توفیق ملی ہے، وہ شرطیں آراستہ خوبصورت اور زمانے بھر میں روشن ہیں۔

(۲) وہ شرطیں یہ ہیں: فرض نماز کے وقت کا داخل ہونا۔ اور وقت کے داخل ہونے کا اعتقاد، یعنی ظن غالب یا یقین ہونا۔ اور جن اعضاء کا چھپانا ضروری ہے ان کا چھپانا، کپڑے، بدن اور جگہ کا پاک ہونا نجاست حقیقیہ اور نجاست حکمیہ سے۔ اور قیام کرنا، یعنی سیدھا اس طرح کھڑا ہونا کہ دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو نہ پکڑ سکیں۔

(۳) اور مقتدی کے لیے امام کی پیروی کی نیت کرنا۔ اور اس کا بولنا، یعنی تکبیر اس طرح ادا کرنا کہ وہ خود سن لے۔ اور نیت کرتے وقت فرض نماز یا واجب نماز کی تعیین کرنا کہ ظہر کی نماز ادا کر رہا ہوں یا عصر کی نماز ادا کر رہا ہوں، ادا پڑھ رہا ہوں یا قضاء پڑھ رہا ہوں، اس طرح تعیین کرنا ضروری ہے، پس ذکر کرے خالص اللہ تعالیٰ کا ذکر، اس میں اپنی حاجت اور ضرورت کا شائبہ بھی نہ ہو۔ اور وہ ذکر بسم اللہ سے بھی الگ ہو، یعنی تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کے ذریعہ سے ادا کرے یا ایسا جملہ کہے جس میں اپنی حالت یا مغفرت کا ذکر نہ ہو، جیسے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِی سے تکبیر تحریمہ ادا نہ ہوگی۔ اور تکبیر تحریمہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سے بھی درست نہیں ہے۔ اگر تحریمہ باندھنے والا شخص عربی زبان پر قادر ہو تو عربی زبان میں تحریمہ کا جملہ ہو۔ اور اگر عربی زبان پر قادر نہ ہو تو اس کے لیے فارسی زبان میں بھی تحریمہ کا لفظ بول کر نیت باندھنا درست ہے۔

(۴) اور لفظ "اللہ اکبر" میں اللہ کے دوسرے لام کے الف کو ترک نہ کرے۔ اور اللہ کی ہاء کو چھوڑے اور دونوں ہمزے مد سے خالی ہوں، یعنی لفظ اللہ کے شروع میں جو ہمزہ ہے اس کو اس قدر نہ کھینچے کہ استفہام کا معنی پیدا ہو جائے۔ اور نہ ہی "اکبر" کے ہمزہ پر مد پڑھا جائے کہ ایک ہمزہ کے بجائے دو ہمزہ بن جائے۔ اور اکبر کی باء پر مد کا اضافہ نہ کرے یعنی اکبار نہ پڑھے، اس لیے کہ اس سے معنی بگڑ جاتے ہیں۔

(۵) اور نیت اور اللہ اکبر کے درمیان کوئی ایسا فعل نہ ہو جو نماز کا مخالف ہو۔ اور تکبیر تحریمہ اور نیت کے درمیان کوئی ایسا کلام نہ کرے جو نماز کے مخالف ہو۔ اور یہ بھی ہونا چاہئے کہ پہلے اللہ اکبر کہے پھر نیت کرے، کیونکہ اس طرح نیت درست نہ ہوگی۔

(۶) اے مخاطب! مذکورہ تمام چیزوں کو لے لو۔ اے تجھ جیسا اہل فہم نظم کہنے والے کی غلطی اگر دیکھتا ہے تو اسے معذور سمجھتا ہے کہ نظم میں الفاظ کی زیادتی مناسب نہیں ہے۔ اور آخیر شرط قبلہ کی جانب رُخ کرنا ہے، اس شخص کے لیے جس کو کوئی عذر شرعی نہ ہو، شاید تم کو ان اشعار کے قبول سے فائدہ ہو اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

(۷) پس ان تمام شرطوں کا مجموعہ نہیں ہوا، بلکہ اس کے علاوہ ان میں اور بھی اضافہ کیا گیا ہے اور ان شرطوں کو جس نے نظم کیا ہے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا امیدوار ہے جو بڑا سخی ہے۔

(۸) اور بہترین درود وسلام ہو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر جو اللہ کی مخلوق کے لیے ذخیرہ اور دین اسلام کی مدد کرنے والے ہیں۔

(۹) تحریمہ کی ان شرطوں کے بعد میں نے نمازوں کے لیے اور تیرہ شرطوں کا اضافہ کیا ہے جو نمازیوں کے لیے بالکل ظاہر ہیں۔

(۱۰) اور وہ تیرہ شرطیں حسب ذیل ہیں، فرض نمازوں میں تیرا ایک آیت کی مقدار کھڑا ہونا۔ اور فرض کی دو رکعتوں میں تیرا قرأت کرنا، لیکن تجھ کو اختیار ہے کہ تم پہلی دو رکعت میں قرأت کرو یا دوسری دو رکعتوں میں قرأت کرو۔

(۱۱) نفل اور وتر کی تمام رکعتوں میں قرأت فرض ہے، لیکن جو شخص مقتدی ہے اس کو قرأت سے منع کیا جاتا ہے، اس لیے کہ امام کی قرأت اس کے لیے کافی ہے، الگ مقتدی کے لیے امام کے پیچھے قرأت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (شامی: ۲/۱۴۴)

(۱۲) اور سجدہ کی شرط یہ ہے کہ پیشانی زمین پر ٹک جائے اور دونوں سجدوں کے درمیان فصل یہ ہے کہ بیٹھنے کے قریب ہو جائے، یعنی ایک سجدہ کر کے اس طرح اُٹھ جائے کہ وہ بیٹھنے کے قریب ہو جائے، پھر اس کے بعد دوسرا سجدہ کرے کم از کم اس قدر فصل ضروری ہے، اس سے کم مقدار سجدہ سے اُٹھے گا تو نماز درست نہ ہوگی۔

(۱۳) اور قیام کے بعد دوسرا فرض رکوع کرنا ہے، پھر اس کے بعد سجدہ ہے اور ان میں ترتیب بھی فرض ہے۔ اور دوسرے سجدہ کو اخیر نماز تک مؤخر کر سکتے ہیں (دونوں سجدوں کے درمیان ترتیب فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے، لہٰذا دوسرے سجدے کو اخیر نماز تک مؤخر کر سکتے ہیں)۔ (شامی: ۲/۱۴۴)

(۱۴) جب زمین پاک ہو تو اپنے ہاتھ کی ہتھیلی یا اپنے کپڑے کے فاضل حصہ پر سجدہ کرنا جائز ہے جو فقہاء کرام کے یہاں مقرر اور متعین ہے، سجدہ کی جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے، خواہ سجدہ زمین پر ادا کرے یا ہاتھ کی ہتھیلی پر سجدہ کرے، یا اپنے کپڑے کے زائد حصہ پر سجدہ کرے۔

(۱۵) بھیڑ اور جگہ کی تنگی کی صورت میں اونچی جگہ یا اس شخص کی پیٹھ پر سجدہ کرنا معاف ہے جو نماز میں شریک ہو۔ مطلب یہ ہے کہ مجبوری کے وقت اونچی جگہ یا نمازی کی پیٹھ پر سجدہ کرنا جائز ہے۔ قابل مواخذہ نہیں ہے، حالانکہ مسئلہ یہی ہے کہ سجدہ اتنی اونچی جگہ پر نہ کرے جو ایک بالشت سے زیادہ اونچی ہو، لیکن عذر کی وجہ سے جائز ہے۔

(۱۶) اور نماز کے تمام افعال کو بیداری کی حالت میں ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ اور فرض کی تمیز ہو کہ کون سا فرض پڑھ رہا ہے؟ ظہر کی نماز ادا کر رہا ہے یا عصر پڑھ رہا ہے؟ ادا پڑھ رہا ہے یا قضاء؟ الغرض فرض نمازوں میں امتیاز کرنا بھی ضروری ہے۔

(۱۷) اور نماز کے افعال کو قعدۂ اخیرہ پر ختم کرنا اور نماز سے کسی فعل کے ذریعہ باہر آنا جو اس پر مقرر اور متعین ہے۔

فرائض کی ادائیگی بیداری کی حالت میں ہو

حضرت مصنف فرماتے ہیں کہ فرائض نماز کے ادا کرنے کے لیے بیداری شرط ہے، یعنی یہ شرط ہے کہ نمازی جاگنے کی حالت میں نماز کے افعال وفرائض کو ادا کرے، لیکن اگر کسی شخص نے رکوع یا سجدہ بالکل غفلت کی حالت میں ادا کیا تو یہ بھی کافی ہو جائے گا اور اس کی نماز ہو جائے گی، اس لیے کہ بھول اور غفلت شریعت میں معاف ہے، بشرطیکہ وہ نمازی بیدار ہو، پس اگر کسی نے تمام ارکان نماز اور فرائض کو سونے کی حالت میں ادا کیا یا ان ارکان میں سے کسی ایک رکن کو سونے کی حالت میں ادا کیا مثلاً سونے کی حالت میں اس نے قیام کیا، یا سونے کی حالت میں قرأت کی، یا رکوع کیا یا سجدہ کیا یا سونے ہی کی حالت میں قعدۂ اخیرہ کیا تو جو رکن اس نے بحالت نوم ادا کی ہے وہ معتبر نہیں ہے، بلکہ اس کو دوبارہ ادا کرنا ہوگا، اگر چہ وہ قرأت یا قعدہ ہی کیوں نہ ہو، اس باب میں اصح قول یہی ہے۔ لیکن اس بارے میں دوسرا قول غیر اصح فقیہ ابواللیث کا یہ ہے کہ قرأت اور قعدہ دو رکن ایسے ہیں جو سونے کی حالت میں ادا کرنے سے بھی معتبر ہوتے ہیں، مگر فتویٰ اس قول پر نہیں ہے بلکہ فتویٰ اس بات پر ہے کہ ارکان نماز میں سے کسی بھی رکن کو سونے کی حالت میں ادا کرے گا اور پھر اس کو دوبارہ اعادہ نہیں کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی، اس لیے کہ اس سے وہ رکن اختیار سے ادا نہیں ہوا ہے بلکہ غیر اختیاری طور پر ادا ہوا ہے، جس کا اعتبار نہیں ہے۔ پس اس کا ہونا نہ ہونے کے درجہ میں ہے۔ اور حیرت کی بات ہے کہ عام لوگ اس سے غافل ہیں۔ اور اس رکن کو دوبارہ نہیں کرتے ہیں جو سونے کی حالت میں ادا ہوتا ہے۔ اگر سونے کی حالت میں کسی نے ایک پوری رکعت ادا کی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لیے کہ اس نے ایک رکعت زیادہ کر دی ہے، حالانکہ رکعت ترک کو بالکل قبول نہیں کرتی ہے، لیکن اگر نمازی نے رکوع کیا یا سجدہ کیا اور وہ اس میں سو گیا تو یہ رکوع اور سجدہ کافی ہوگا اس لیے کہ اس صورت میں اس نے اختیار سے سر اُٹھایا ہے اور اختیار سے سر رکھا ہے یعنی رکوع میں جھکنا اور اس سے سر اُٹھانا اور سجدے میں جانا پھر اس سے سر اُٹھانا اختیار سے پایا گیا ہے، درمیان میں اگر سو گیا تو اس کا اعتبار نہیں ہے اور نہ یہ مضر ہے۔

چاول اور جو کے ڈھیر پر سجدہ کا حکم

سجدہ ایسی چیز پر ہونا چاہئے کہ جو سخت ہو اور نیچے کی جانب نہ دھنسے، لہٰذا اگر کوئی شخص گیہوں یا چاول یا جو کے ڈھیر پر سجدہ کرے تو اس پر سجدہ کرنے سے سجدہ ادا نہ ہوگا، ہاں اگر چاول اور گیہوں بوری میں بند ہے اور سجدہ کرنے سے سر اس پر جم جاتا ہے تو اس پر سجدہ درست ہے۔ (شامی: ۲/۱۴۴)

(وَلَهَا وَاجِبَاتٌ) لَا تَفْسُدُ بِتَرْكِهَا وَتُعَادُ وُجُوبًا فِي الْعَمْدِ وَالسَّهْوِ إِنْ لَمْ يَسْجُدْ لَهُ، وَإِنْ لَمْ يُعِدْهَا يَكُونُ فَاسِقًا آثِمًا وَكَذَا كُلُّ صَلَاةٍ أُدِّيَتْ مَعَ كَرَاهَةِ التَّحْرِيمِ تَجِبُ إِعَادَتُهَا. وَالْمُخْتَارُ أَنَّهُ جَابِرٌ لِلْأَوَّلِ، لِأَنَّ الْفَرْضَ لَا يَتَكَرَّرُ (وَهِيَ) عَلَى مَا ذَكَرَهُ أَرْبَعَةَ عَشَرَ (قِرَاءَةُ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ) فَيَسْجُدُ

لِلسَّهْوِ بِتَرْكِ أَكْثَرِهَا لَا أَقَلِّهَا، لَكِنْ فِي الْمُجْتَبَى يَسْجُدُ بِتَرْكِ آيَةٍ مِنْهَا وَهُوَ أَوْلَى قُلْتُ: وَعَلَيْهِ فَكُلُّ آيَةٍ وَاجِبَةٌ كَكُلِّ تَكْبِيرَةِ عِيدٍ وَتَعْدِيلُ رُكْنٍ وَإِتْيَانُ كُلٍّ وَتَرْكُ تَكْرِيرِ كُلٍّ كَمَا يَأْتِي فَلْيُحْفَظْ (وَضَمُّ) أَقْصَرِ (سُورَةٍ) كَالْكَوْثَرِ أَوْ مَا قَامَ مَقَامَهَا، هُوَ ثَلَاثُ آيَاتٍ قِصَارٍ، نَحْوُ {ثُمَّ نَظَرَ} {ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ} {ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ} وَكَذَا لَوْ كَانَتْ الْآيَةُ أَوْ الْآيَتَانِ تَعْدِلُ ثَلَاثًا قِصَارًا ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ (فِي الْأُولَيَيْنِ مِنْ الْفَرْضِ) وَهَلْ يُكْرَهُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ؟ الْمُخْتَارُ لَا (وَ) فِي (جَمِيعِ) رَكَعَاتِ (النَّفْلِ) لِأَنَّ كُلَّ شَفْعٍ مِنْهُ صَلَاةٌ (وَ) كُلُّ (الْوِتْرِ) احْتِيَاطًا وَتَعْيِينُ الْقِرَاءَةِ (فِي الْأُولَيَيْنِ) مِنْ الْفَرْضِ عَلَى الْمَذْهَبِ (وَتَقْدِيمُ الْفَاتِحَةِ) عَلَى كُلِّ (السُّورَةِ) وَكَذَا تَرْكُ تَكْرِيرِهَا قَبْلَ سُورَةِ الْأُولَيَيْنِ (وَرِعَايَةُ التَّرْتِيبِ) بَيْنَ الْقِرَاءَةِ وَالرُّكُوعِ وَ (فِيمَا يَتَكَرَّرُ) أَمَّا فِيمَا لَا يَتَكَرَّرُ فَفَرْضٌ كَمَا مَرَّ (فِي كُلِّ رَكْعَةٍ كَالسَّجْدَةِ) أَوْ فِي كُلِّ الصَّلَاةِ كَعَدَدِ رَكَعَاتِهَا، حَتَّى لَوْ نَسِيَ سَجْدَةً مِنْ الْأُولَى قَضَاهَا وَلَوْ بَعْدَ السَّلَامِ قَبْلَ الْكَلَامِ لَكِنَّهُ يَتَشَهَّدُ ثُمَّ يَسْجُدُ لِلسَّهْوِ ثُمَّ يَتَشَهَّدُ لِأَنَّهُ يَبْطُلُ بِالْعَوْدِ إلَى الصُّلْبِيَّةِ وَالتِّلَاوِيَّةِ، أَمَّا السَّهْوِيَّةُ فَتَرْفَعُ التَّشَهُّدَ لَا الْقَاعِدَةَ، حَتَّى لَوْ سَلَّمَ بِمُجَرَّدِ رَفْعِهِ مِنْهَا لَمْ تَفْسُدْ، بِخِلَافِ تِلْكَ السَّجْدَتَيْنِ. (وَتَعْدِيلُ الْأَرْكَانِ) أَيْ تَسْكِينُ الْجَوَارِحِ قَدْرَ تَسْبِيحَةٍ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ، وَكَذَا فِي الرَّفْعِ مِنْهُمَا عَلَى مَا اخْتَارَهُ الْكَمَالُ، لَكِنَّ الْمَشْهُورَ أَنَّ مُكَمِّلَ الْفَرْضِ وَاجِبٌ وَمُكَمِّلَ الْوَاجِبِ سُنَّةٌ، وَعِنْدَ الثَّانِي الْأَرْبَعَةُ فَرْضٌ (وَالْقُعُودُ الْأَوَّلُ) وَلَوْ فِي نَفْلٍ فِي الْأَصَحِّ وَكَذَا تَرْكُ الزِّيَادَةِ فِيهِ عَلَى التَّشَهُّدِ، وَأَرَادَ بِالْأَوَّلِ غَيْرَ الْأَخِيرِ. لَكِنْ يَرِدُ عَلَيْهِ لَوْ اسْتَخْلَفَ مُسَافِرٌ سَبَقَهُ الْحَدَثُ مُقِيمًا فَإِنَّ الْقُعُودَ الْأَوَّلَ فَرْضٌ عَلَيْهِ. وَقَدْ يُجَابُ بِأَنَّهُ عَارِضٌ

نماز کے واجبات کا بیان

ترجمہ وتشریح اب یہاں سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ نماز کے واجبات کو بیان فرمارہے ہیں، یعنی ان چیزوں کو بیان فرمارہے ہیں جونماز کے اندر واجب ہے۔ اوران کے سہواً چھوٹ جانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، البتہ سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے اور عمداً ترک کرنے سے نماز کا اعادہ کیا جاتا ہے۔ حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ نماز میں کچھ افعال واجب ہیں۔ اورواجب کا مطلب یہ ہے کہ ان کو سہواً چھوڑنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، مگر سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے اور عمداً واجب کے چھوڑنے سے نماز کا اعادہ کیا جائے گا واجبی طور پر۔ اسی طریقہ سے اگر واجب چھوٹ جائے اور سجدۂ سہو نہ کیا جائے تو اس صورت میں نماز کا اعادہ واجب ہے۔ اور سجدۂ سہو کرلینے کے بعد اعادہ نماز کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

سجدۂ سہو واجب ہونے کے باوجود نہیں کیا تو کیا حکم ہے؟

اگر کسی شخص پر سجدۂ سہو واجب تھا اور اس نے سجدۂ سہو نہ کیا اور نہ ہی نماز دوبارہ پڑھی تو ایسا شخص فاسق اور گناہگار ہوگا۔ اس لیے کہ واجب کا ترک کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور مکروہ تحریمی کے ارتکاب سے آدمی فاسق ہوجاتا ہے۔ علامہ ابن نجیم المصری ؒ نے اپنے رسالہ ''بیان المعاصی'' میں فرمایا ہے کہ ہر مکروہ تحریمی گناہِ صغیرہ ہے۔ نیز علامہ ابن نجیم نے اس کی صراحت کی ہے کہ گناہِ صغیرہ کو اگر علیٰ سبیل الدوام کیا جائے تو اس سے عدالت وثقاہت ساقط ہوجائے گی۔ اور دوام کا مطلب یہ ہے کہ اس پر اصرار کرے۔ (شامی: ۲/۱۴۷)

جو نماز کراہتِ تحریمی کے ساتھ ادا ہو اس کا اعادہ واجب ہے

اسی طرح ہر وہ نماز جو کراہتِ تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی ہو اس کا اعادہ، یعنی اس کا دوبارہ ازسرِنو پڑھنا واجب ہے۔ مثال کے طور پر کسی کو بول وبراز کی سخت ضرورت تھی مگر اس کے باوجود اس نے نماز پڑھی، یا جس کپڑے میں جاندار مخلوق کی تصویر تھی اس کو پہن کر نماز پڑھی تو نماز ان صورتوں میں مکروہ تحریمی ہوگی اور اعادہ واجب ہوگا۔ اور اس صورت میں نماز دوبارہ پڑھنا درحقیقت اس کمی کو دور کرنے کے لیے ہے جو پہلی نماز میں رہ گئی ہے، اس لیے کہ ایک فرض بار بار ادا نہیں کیا جاتا ہے اس باب میں مختار قول یہی ہے۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں کہ شرح ''الأکمل علی أصول البزدوی'' میں ہے دوبارہ نماز کا لوٹانا درحقیقت اس کمی کو پورا کرنے کے واسطے ہے جو پہلی نماز میں رہ گئی ہے اور یہ سجدۂ سہو سے کمی کو پورا کرنے کے درجہ میں ہے، ورنہ وہ تو پہلی نماز ہی سے ذمہ سے سبکدوش اور عہدہ برآں ہوچکا ہے، اگرچہ کراہت ہی کے ساتھ کیوں نہ ہو، صحیح قول اس باب میں یہی ہے۔ اس کے بالمقابل دوسرا قول ابوالیسر کا ہے، جو غیر مختار قول ہے۔ ابوالیسر فرماتے ہیں کہ دوبارہ جو نماز پڑھی گئی ہے وہ فرض ہے اور پہلی نماز جو کراہت کے ساتھ ادا کی گئی ہے اس سے فرض نہیں ادا ہوا ہے۔ صاحب فتح القدیر علامہ ابن الہمامؒ نے قولِ اوّل کو اختیار فرمایا ہے۔ (شامی: ۲/۱۴۸)

عمداً ترکِ واجب سے نماز کے اعادہ کا حکم مگر چار جگہوں پر

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں اگر واجب عمداً چھوڑ دیا تو اس صورت میں سجدۂ سہو سے کام نہ چلے گا اس لیے کہ عمد کی صورت میں سجدۂ سہو نہیں ہے؛ بلکہ نماز کے اعادہ کا حکم ہے، ہاں البتہ چار مسائل ایسے ہیں جہاں عمد کی صورت میں بھی سجدۂ سہو سے کام چل جائے گا وہ چار مسائل درج ذیل ہیں:

۱- اگر کسی نے قعدۂ اولیٰ کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا اور تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہوگیا تو اس صورت میں نماز کے اعادہ کا حکم نہیں ہے بلکہ صرف سجدۂ سہو سے کام چل جائے گا۔

۲- نماز کے بعض افعال میں شک واقع ہوا، چناں چہ عمداً اس نے غور وفکر کیا اور تفکر میں اس قدر منہمک ہوگیا کہ ایک رکن کی ادائیگی سے غافل ہوگیا، تو اس صورت میں بھی سجدۂ سہو سے کام چل جائے گا۔

۳- اگر کسی نے پہلی رکعت کے دو سجدوں میں سے ایک کو نماز کے اخیر تک جان بوجھ کر مؤخر کر دیا تو اس صورت میں بھی اعادۂ صلوٰۃ کا حکم نہیں ہے بلکہ سہو کے سجدہ کر لینے سے کام چل جائے گا اور نماز ہو جائے گی۔

۴- اگر کسی نے قعدۂ اولیٰ میں رسولِ اکرم ﷺ پر جان بوجھ کر درود پڑھ دیا تو اس صورت میں بھی نماز کا اعادہ نہیں ہے، حالانکہ قعدۂ اولیٰ میں تحیات کے بعد تیسری رکعت کے لیے اُٹھنا واجب تھا اور اس نے واجب کی ادائیگی میں قصداً تاخیر کی ہے، لہٰذا اعادۂ صلوٰۃ ہونا چاہئے حالانکہ ایسا حکم نہیں ہے بلکہ صرف سجدۂ سہو کر لینا کافی ہے۔

۵- بعض فقہاءِ کرام نے اس کے اندر ایک پانچویں مسئلہ کو بھی داخل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی نے عمداً فاتحہ پڑھنا ترک کر دیا اور سجدۂ سہو کر لیا تو نماز ہو جائے گی۔ (شامی: ۲/ ۱۴۷)

اگر سجدۂ سہو کرنا بھول گیا تو کیا حکم ہے؟

اگر کسی نے سجدۂ سہو جو اس پر واجب تھا کرنا بھول گیا یا نماز فجر میں سورج طلوع ہو گیا اور سجدۂ سہو نہ کر سکا تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ شخص از سرِ نو دوبارہ نماز ادا کرے، جیسا کہ شارح علامہ حصکفیؒ کے اطلاق کا تقاضہ ہے اس لیے کہ ترکِ واجب کی وجہ سے جو کمی ہوئی تھی وہ پوری نہیں کی گئی ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۴۷)

نماز کے چودہ واجبات کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ کے بیان کے مطابق نماز کے واجبات چودہ ہیں، حالانکہ بعض مصنفین نے واجباتِ نماز چودہ سے بھی زیادہ لکھے ہیں، جیسا کہ وہ اپنی اپنی جگہ پر آئیں گے۔

واجب نمبر ۱: سورۂ فاتحہ کا پڑھنا

واجباتِ نماز میں سے پہلا واجب سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص نماز میں سورۂ فاتحہ کا اکثر حصہ پڑھنا چھوڑ دے تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر بالکلیہ طور پر سورۂ فاتحہ چھوڑ دیا تو بھی سجدۂ سہو واجب ہوگا، البتہ اگر کسی نے سورۂ فاتحہ کا اکثر حصہ پڑھا اور کچھ حصہ چھوڑ دیا تو اس صورت میں سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔ لیکن مجتبیٰ نامی کتاب میں مذکور ہے کہ سورۂ فاتحہ کی آیت بھی چھوڑ دینے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا اور یہی قول اولیٰ اور بہتر ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک پوری سورۃ کا پڑھنا واجب ہے۔ اور حضرات صاحبینؒ، حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک سورۂ فاتحہ کے اکثر حصے کا پڑھنا واجب ہے، لہٰذا اگر سورۂ فاتحہ کا کچھ حصہ چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو ان حضرات کے نزدیک واجب نہ ہوگا۔ اور صاحب درمختار علامہ حصکفیؒ نے یہاں صاحبین کا قول اختیار کیا ہے۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول کی بنیاد مجتبیٰ نامی کتاب ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۴۹)

صاحب درمختار علامہ علاء الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ مجتبیٰ نامی کتاب کے قول کے مطابق سورۂ فاتحہ کی آیت کو پڑھنا اسی طرح واجب ہے جس طرح عیدین کی چھ تکبیروں میں سے ہر تکبیر واجب ہے۔ اور جس طرح تعدیلِ ارکان ہر رکن میں واجب ہے۔ اور جس طرح ہر واجب کو اس کی جگہ پر ادا کرنا لازم ہے۔ اور جس طرح ہر واجب کو دوبارہ ادا کرنے سے بچنا لازم ہے، جیسا کہ آئندہ اس کی تفصیل اپنی جگہ آئے گی، لہٰذا اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح محفوظ رکھنا چاہئے۔

واجب نمبر ۲: سورۃ ملانا

نماز کے واجبات میں سے دوسرا واجب ضم سورۃ ہے، یعنی سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد سب سے چھوٹی سورت جیسے سورۂ کوثر، یا اس جیسی کوئی سورۃ کو ملانا ہے۔ اور سب سے چھوٹی سورۃ سے مراد تین چھوٹی آیتیں ہیں جیسے قرآنِ کریم کی آیت ﴿ثُمَّ نَظَرَ. ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ. ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ﴾ یہ تین چھوٹی آیتوں کی مثال ہے۔ اسی طرح اگر ایک آیت یا دو آیتیں مذکورہ تین آیتوں کے برابر ہوں تو بھی چھوٹی تین آیتوں کے حکم میں ہوگی، اس کو امام حلبی نے ذکر کیا ہے۔

ایک لمبی آیت قرأت کرنا

اگر کسی نے نماز میں ایک لمبی آیت قرأت کی جو تین چھوٹی آیتوں کے مثل تھی، یعنی تیس حروف پر مشتمل تھی تو گویا اس نے چھوٹی تین آیتوں کی قرأت کی ہے۔ اور اس کی نماز ہو جائے گی۔ اور "فصل یجهر الإمام" کے تحت یہ مسئلہ آئے گا کہ قرأت کی فرض مقدار صرف ایک آیت ہے۔ اور عرف میں ایک آیت اس کو کہتے ہیں جو چھ حروف پر مشتمل ہو، خواہ تقدیراً ہی کیوں نہ ہو، جیسے: ﴿لَمْ يَلِدْ﴾۔ (شامی: ۲/۱۴۹)

فرض کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرنا

سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد فرض کی پہلی دو رکعتوں میں سورت کا ملانا واجب ہے۔ لیکن سوال یہاں یہ ہے کہ فرض کی آخری دو رکعتوں میں ضم سورۃ کرنا کیا مکروہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرض کی آخری دو رکعتوں میں ضم سورۃ کرنا مکروہ تحریمی نہیں ہے بلکہ خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ تنزیہی ہے۔

اگر کسی نے اخیر کی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ بھول کر سورت بھی ملائی تو بقولِ حضرت امام ابو یوسفؒ اس پر سہو کے دو سجدے واجب ہیں، اس لیے کہ رکوع اپنے محل سے مؤخر ہو گیا ہے۔ لیکن اس بارے میں ظاہر روایت یہ ہے کہ اس صورت میں سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا اس لیے کہ قرأت دونوں ہی رکعتوں میں مشروع ہے، البتہ اخیر کی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھ کر رکوع کرنا مسنون ہے واجب نہیں ہے۔ (شامی: ۲/۱۵۰)

نفل اور واجب کی تمام رکعتوں میں قرأت کرنے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نفل اور وتر کی تمام رکعتوں میں احتیاطاً قرأت کرنا فرض ہے۔ اس لیے کہ نفل کا ہر

شفع مستقل نماز ہے، چناں چہ جب دو رکعت مکمل کرنے کے بعد دوسرے شفع کے لیے کھڑا ہوا تو گویا اس نے سابق تحریمہ پر بناء کیا ہے اور وہ الگ دو رکعت ہے، لہٰذا اس میں الگ سے قرأت کرنی واجب ہوگی۔ حضراتِ فقہاءِ کرام نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اگر کوئی شخص چار رکعت کی نیت سے نفل شروع کرے گا تو اس تحریمہ سے اس پر صرف دو رکعت نماز واجب ہوگی۔ اور جب وہ تیسری رکعت کے لیے اُٹھے گا تو وہ گویا اس کے لیے نیا تحریمہ شمار ہوگا، یہی وجہ ہے کہ اگر شفع ثانی کی نماز فاسد ہو جائے تو شفع اوّل کی نماز باطل نہ ہوگی۔ اور حضراتِ فقہاء نے فرمایا کہ نفل کے شفع ثانی کی ابتداء تعوذ وغیرہ سے کرنا مستحب ہے، اس کی پوری تفصیل حلیہ میں ہے اور "باب الوتر والنوافل" کے تحت آئے گی۔ (شامی: ۲/۱۵۰)

واجب نمبر ۳: قرأت کو فرض کی پہلی دو رکعتوں میں متعین کرنا

نماز کے واجبات میں سے تیسرا واجب یہ ہے کہ قرأت کے لیے فرض کی پہلی دو رکعتوں کو متعین کرنا ہے، یعنی جو فرض نماز چار رکعت والی یا تین رکعت والی ہے اس میں پہلی دو رکعت کو ضم سورۃ کے لیے متعین کرنا واجب ہے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ ضم سورۃ الگ چیز ہے اور اس ضم سورۃ کو پہلی دو رکعتوں کے ساتھ خاص کرنا الگ چیز ہے لہٰذا اس کو تکرار مسئلہ نہ سمجھا جائے۔ (شامی: ۲/۱۵۱)

محل قرأت کے متعلق حضراتِ فقہاءِ کرام کی آراء

فرض قرأت کا محل کیا ہے؟ اس بارے میں حضراتِ فقہاءِ کرام سے تین اقوال منقول ہیں: (۱) قرأت کی جگہ متعین طور پر پہلی دو رکعت ہے۔ علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع میں اسی قول کی تصحیح کی ہے۔ (۲) قرأت کا محل فرض کی دو رکعتیں ہیں غیر متعین طور پر، پس اس دوسرے قول کے مطابق پہلی دو رکعتوں کو قرأت کے لیے متعین کرنا واجب ہے اور مذہب میں مشہور قول یہی ہے۔ (۳) فرض کی پہلی دو رکعتوں کو قرأت کے لیے متعین کرنا افضل ہے نہ واجب، مگر یہ تیسرا قول ضعیف ہے۔ (شامی: ۲/۱۵۱)

واجب نمبر ۴: سورۂ فاتحہ کو سورۃ پر مقدم کرنا

نماز کے واجبات میں سے چوتھا واجب سورۂ فاتحہ کو سورۃ پر مقدم کرنا ہے۔ یعنی ثناء کے بعد سورۂ فاتحہ پہلے پڑھے، اس کے بعد کوئی سورت پڑھے، چناں چہ اگر کسی نے سورۂ فاتحہ سے پہلے سورت پڑھی یا سورت کا کوئی حرف سورۂ فاتحہ سے پہلے پڑھا تو اس صورت میں اس پر سجدۂ سہو لازم ہوگا، جیسا کہ یہ مسئلہ البحر الرائق میں مذکور ہے۔ اور صاحب فتح القدیر نے فرمایا کہ اگر سورۂ فاتحہ سے پہلے سورت اتنی پڑھ دی کہ اس سے ایک رکن ادا ہو سکتا ہے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا ورنہ نہیں۔ اس لیے کہ علت سورۂ فاتحہ کی ابتداء کرنے میں تاخیر ہونا ہے اور تھوڑی تاخیر تو شریعت میں معفو عنہ ہے۔ صاحب فتح القدیر کے کلام کی تائید صاحب حلیہ نے بھی کی ہے۔ (شامی: ۲/۱۵۲)

سورۂ فاتحہ کو مکرر نہ پڑھنا بھی واجب ہے

شارح تنویر الابصار علامہ علاء الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ فرض کی پہلی دو رکعتوں میں سورت ملانے سے پہلے سورۂ فاتحہ

دوبارہ نہ پڑھنا بھی واجب ہے۔ چناں چہ اگر کسی نے پہلی دو رکعتوں میں سے ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ دو مرتبہ پڑھ دی تو تاخیر واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ جیسا کہ ذخیرہ وغیرہ میں ہے۔ اور اگر کسی نے سورت سے پہلے ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھی اور سورت کے پڑھنے کے بعد ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھی تو اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ جیسا کہ یہ مسئلہ فتاویٰ خانیہ میں مذکور ہے۔ اور محیط، ظہیریہ اور خلاصہ میں اس کو اختیار کیا ہے۔ اور علامہ زاہدی نے اسکی تصحیح کی ہے، کیونکہ اس صورت میں تاخیر لازم نہیں آتی ہے، اس لیے کہ ایک سورۃ ختم کرنے کے بعد فوراً رکوع میں جانا واجب نہیں ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۵۲)

مسئلہ: اگر کسی شخص نے پچھلی دو رکعت میں سورت ملانے سے پہلے سورۂ فاتحہ بھول کر مکرر پڑھ دیا تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا، اس لیے کہ اخیر کی رکعتوں میں صرف ایک ہی مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔ اور اگر کسی نے اخیر کی دو رکعت میں جان بوجھ کر دو مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھ دی تو یہ اس وقت تک مکروہ نہیں ہے جب تک کہ لوگوں پر تطویل جماعت کا اندیشہ نہ ہو، یا گذشتہ رکعت سے لمبی ہونے کا خوف نہ ہو۔ (شامی: ۲/ ۱۵۲)

واجب نمبر ۵: قرأت اور رکوع کے درمیان ترتیب کی رعایت کرنا

نماز کے واجبات میں سے پانچواں واجب قرأت اور رکوع کے درمیان ترتیب کی رعایت کرنا ہے۔ اسی طرح نماز کے ان تمام افعال میں ترتیب کی رعایت کرنا واجب ہے جو افعال مکرر ہیں، جیسے سجدہ ہے۔ اور جو افعال نماز میں مکرر نہیں ہیں بلکہ ایک ہی بار ہیں ان میں اور دوسرے افعال میں ترتیب فرض ہے، جیسا کہ اس سے پہلے گذرا ہے۔ یا ترتیب ان افعال میں واجب ہے جو کل نماز میں ہوتے ہیں، جیسے نماز کی رکعتوں کی تعداد اور سجدہ ہے۔

قولہ بَيْنَ الْقِرَاءَةِ وَالرُّكُوْعِ: قرأت اور رکوع کے درمیان ترتیب واجب ہے، یعنی پہلے قرأت کرے اس کے بعد رکوع کرے، حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے قرأت کرنے سے پہلے رکوع کیا تو اس رکعت کا رکوع صحیح سمجھا جائے گا۔ اس لیے کہ صحت رکوع کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ قرأت پر مرتب ہو۔ اس کے برخلاف رکوع اور سجدوں کے درمیان ترتیب فرض ہے، حتیٰ کہ اگر کسی نے رکوع سے پہلے سجدہ کر لیا تو اس رکعت کا سجدہ نہیں سمجھا جائے گا اس لیے کہ سجدہ رکوع کے بعد ہی متحقق ہوگا۔ (شامی: ۲/ ۱۵۳)

قولہ فیما لا یتکرر: یعنی وہ افعال جو پوری نماز میں مکرر نہیں ہوتے ہیں یا نماز کی ہر رکعت میں مکرر نہیں ہوتے ہیں، ان میں باہم ترتیب فرض ہے، جیسے کہ قیام، رکوع، سجود اور قعدۂ اخیرہ کی ترتیب فرض ہے، جیسا کہ یہ بات ابھی کچھ دیر پہلے معلوم ہوئی۔ (شامی: ۲/ ۱۵۳)

قولہ أو فی کُلِّ الصلوٰۃ کعدد رکعاتِها: مطلب یہ ہے کہ نماز کی رکعتوں کے درمیان ترتیب واجب ہے۔ اور نماز کی رکعتوں میں ترتیب جو واجب ہے اس کا ظہور مسبوق کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ مثال کے طور پر چار رکعت والی نماز میں کسی کو آخری رکعت ملی تو جب وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہوگا تو پہلے اس رکعت کو ادا کرے گا جس میں قرأت ہے پھر اس کے بعد

بلا قرأت والی رکعت ادا کرے گا۔ (شامی: ۲/ ۱۵۴)

اگر پہلی رکعت کا ایک سجدہ بھول جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر کوئی شخص پہلی رکعت کا ایک سجدہ بھول گیا تو اس ایک سجدہ کی قضاء کرے گا، اگر چہ سلام کے بعد قضاء کرے، البتہ اتنی شرط ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد اس نے کلام نہ کیا ہو، یعنی ایسی گفتگو نہ کی ہو کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہو۔ اور جب چھوٹے ہوئے سجدہ کی قضاء کرے گا تو اس کے بعد تشہد پڑھے گا، پھر سجدۂ سہو کرے گا، اس کے بعد دوبارہ تشہد پڑھے گا۔ اور سلام و درود نیز دعاء پڑھ کر سلام پھیر دے گا اور دوبارہ تشہد پڑھنے کا حکم اس لیے ہے کہ سجدۂ صلبی اور سجدۂ تلاوت کی جانب عود کرنے سے التحیات اور قعدہ دونوں باطل ہو جاتے ہیں۔ سجدۂ صلبی نماز کے سجدہ کو کہتے ہیں جو نماز کا جزو ہے، قعدہ کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قعدۂ اخیرہ اور نماز کے دوسرے ارکان نماز کے درمیان ترتیب شرط ہے، یعنی نماز کے تمام ارکان ادا ہو جانے کے بعد قعدۂ اخیرہ ہونا چاہئے، لیکن جب یہاں سجدۂ صلبی چھوٹ گیا اور قعدۂ اخیرہ کے بعد اس کو ادا کیا گیا تو یہ قعدہ درحقیقت قعدۂ اخیرہ نہ رہا، لہٰذا قعدہ اور التحیات دونوں باطل ہو جائیں گے۔ اور سجدۂ تلاوت سے قعدۂ اخیرہ کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت چونکہ نماز میں ہوا اس لیے اس کو سجدۂ صلبی کا حکم دے دیا گیا ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۵۶)

البتہ سجدۂ سہو صرف التحیات کو باطل کرتا ہے، قعدۂ اخیرہ کو باطل نہیں کرتا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص سجدۂ سہو سے سر اُٹھاتے ہی سلام پھیر دے تو نماز باطل نہ ہوگی، بخلاف مذکورہ دونوں سجدوں کے، اگر سجدۂ صلبی اور سجدۂ تلاوت سے سر اُٹھاتے ہی سلام پھیر دے تو اس صورت میں نماز باطل ہو جائے گی، اس لیے کہ قعدۂ اخیرہ فرض اور رکن نماز ہے جو یہاں نہیں پایا گیا ہے اس لیے نماز باطل ہو جائے گی۔ (شامی: ۲/ ۱۵۶)

واجب نمبر ۶: تعدیل ارکان

نماز کے واجبات میں سے چھٹا واجب تعدیلِ ارکان ہے۔ اور تعدیلِ ارکان کا مطلب یہ ہے کہ رکوع وسجود میں نمازی کے اعضاء کا ایک مرتبہ سبحان اللہ پڑھنے کی مقدار میں سکون کے ساتھ رہنا ہے۔ اسی طرح رکوع وسجود سے سر اُٹھانے میں تعدیل واجب ہے، جیسا کہ صاحب فتح القدیر ابن کمال نے اس کو پسند کیا ہے، یعنی رکوع سے اُٹھتے وقت قومہ میں اور سجدہ سے اُٹھتے وقت جلسہ میں بھی اطمینان وسکون سے رُک جائے اس کے بعد سجدہ میں جائے اور تعدیلِ ارکان کے واجب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی تعدیل پر مواظبت فرمائی ہے۔ نیز ایک صحابی نے بغیر تعدیل ارکان عجلت سے نماز ادا کی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تھا تو آپ نے اس سے فرمایا: اِرجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ یعنی واپس جاؤ اور دوبارہ نماز ادا کرو، اس لیے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی ہے۔ یہ حدیث بھی اس بات پر بیّن دلیل ہے کہ تعدیلِ ارکان واجب ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۵۷)

تعدیل ارکان سے متعلق بحث کا خلاصہ

خلاصہ بحث یہ ہے کہ روایت اور درایت کے اعتبار سے تعدیل ارکان واجب ہے اور یہی صحیح ہے۔ اور قومہ اور جلسہ میں تعدیل کرنا مشہور مذہب کے مطابق سنت ہے، اگر چہ وجوب کا قول بھی منقول ہے اور یہی بات دلائل سے زیادہ مؤید ہے۔ اور متاخرین علماء نے اسی کو پسند کیا ہے اور حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ تعدیل ارکان مطلقاً فرض ہے مجمع اور عینی نے اسی کو اختیار کیا ہے اور امام طحاویؒ نے ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مذہب نقل فرمایا ہے اور فیض نامی کتاب میں اس قول کو احوط بتایا گیا ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ (شامی: ۲/۱۵۸)

مشہور قاعدہ

لیکن یہاں ایک مشہور قاعدہ اور اصول ہے کہ مکمل الفرض واجب ہوتی ہے، یعنی جو چیزیں فرض کی تکمیل کرنے والی ہیں وہ واجب ہوتی ہیں اور واجب کی تکمیل کرنے والی چیزیں سنت ہوتی ہیں تو جب تعدیل ارکان سے رکوع وسجدہ کی تکمیل ہوتی ہے جو فرض ہیں تو تعدیل ارکان اس اصول کے پیش نظر واجب ہونا چاہئے اور قومہ اور جلسہ دونوں واجب ہیں ان میں تعدیل سے واجب کی تکمیل ہوتی ہے، لہٰذا ان میں تعدیل ارکان سنت ہونی چاہئے۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چاروں ہی میں تعدیل ارکان فرض ہے، تعدیل کے چھوٹنے سے نماز نہ ہوگی۔

واجب نمبر ۷: رباعی وثلاثی نماز میں قعدۂ اولیٰ کرنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ واجباتِ نماز میں سے ایک واجب قعدۂ اولیٰ یعنی رباعی اور ثلاثی نمازوں میں دو رکعت کے بعد بیٹھنا ہے، خواہ نفل نماز ہی کیوں نہ ہو اصح قول کے مطابق، یعنی اصح قول کے مطابق نفل نماز میں بھی دو رکعت کے بعد بیٹھنا واجب ہے۔ لیکن حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ نفل کی دو رکعت میں قعدہ کرنا فرض ہے اس لیے کہ نوافل شفع الگ الگ نماز ہے، لہٰذا دو رکعت کے بعد جو قعدہ ہوگا وہ قعدۂ اخیرہ ہوگا اور قعدۂ اخیرہ فرض ہے اس لیے نفل میں دو رکعت کے بعد قعدہ کرنا فرض ہوگا نہ واجب، لیکن اس باب میں اصح قول یہ ہے کہ چار رکعت کی نیت سے جو نفل پڑھی جائیگی اس میں قعدۂ اولیٰ واجب ہے، فرض نہیں، کیونکہ جب بغیر سلام پھیرے تیسری رکعت کے لیے اُٹھا تو قعدۂ اخیرہ کس طرح ہوگا۔ (شامی: ۲/۱۵۹)

قعدۂ اولیٰ میں التحیات سے زیادہ پڑھنے کا حکم

اسی طرح قعدۂ اولیٰ میں التحیات سے زیادہ نہ پڑھنا بھی واجب ہے، یعنی تشہد سے زیادہ پڑھنے کو چھوڑ دینا واجب ہے، چناں چہ التحیات پڑھنے کے بعد فوراً تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جانا چاہئے، چناں چہ اگر کسی شخص نے قعدۂ اولیٰ میں التحیات کے بعد اللّٰهم صلِّ علی محمّدٍ پڑھ دیا تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ (شامی: ۲/۱۵۹)

اور قعدۂ اولیٰ سے مراد یہ ہے کہ قعدۂ اخیرہ نہ ہو اس لیے کہ اگر قعدۂ اخیرہ میں التحیات پر زیادتی کی گئی تو سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔ اگر کسی نے ایک تحریمہ سے ایک ہزار نفل پڑھی اور ہر دو رکعت کے بعد بیٹھا ہے اور اخیر میں سلام پھیرا ہے، تو ہر دو رکعت کے بعد جو قعدہ ہے وہ قعدۂ اولیٰ ہے اور جس قعدہ کے بعد سلام پھیرا جائے گا وہ قعدۂ اخیرہ کہلائے گا۔

قعدۂ اولیٰ کی تعریف پر ایک اعتراض اور اسکا جواب

قعدۂ اولیٰ کی جو تعریف اوپر بیان کی گئی ہے اس پر اس مسئلہ سے اعتراض ہوتا ہے کہ ایک مسافر شخص امامت کر رہا تھا اس کو حدث لاحق ہو گیا اور اس مسافر امام کا وضو ٹوٹ گیا اس نے اپنا خلیفہ ایک مقیم شخص کو بنا دیا جو اس کی اقتداء میں نماز ادا کر رہا تھا، تو اس صورت میں اس مقیم امام پر قعدۂ اولیٰ فرض ہوگا، کیونکہ وہ مقیم جس امام کی نیابت کر رہا ہے اس پر قعدۂ اولیٰ فرض تھا اس لیے کہ وہ قعدۂ اخیرہ تھا کیونکہ مسافر پر صرف دو ہی رکعت واجب ہے۔ اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ مقیم امام پر قعدۂ اولیٰ کی فرضیت عارضی طور پر ہے، نیابت کی وجہ سے دائمی اور مستقل طور پر نہیں، چونکہ یہ مسافر امام کی نیابت کر رہا ہے اس لیے ایک عارض کی وجہ سے قعدۂ اولیٰ فرض ہوگا۔ (شامی: ۲/۱۵۹)

(وَالتَّشَهُّدَانِ) وَيَسْجُدُ لِلسَّهْوِ بِتَرْكِ بَعْضِهِ كَكُلِّهِ وَكَذَا فِي كُلِّ قَعْدَةٍ فِي الْأَصَحِّ إِذْ قَدْ يَتَكَرَّرُ عَشْرًا، كَمَنْ أَدْرَكَ الْإِمَامَ فِي تَشَهُّدَيْ الْمَغْرِبِ وَعَلَيْهِ سَهْوٌ فَسَجَدَ مَعَهُ وَتَشَهَّدَ ثُمَّ تَذَكَّرَ سُجُودَ تِلَاوَةٍ فَسَجَدَ مَعَهُ وَتَشَهَّدَ ثُمَّ سَجَدَ لِلسَّهْوِ وَتَشَهَّدَ مَعَهُ ثُمَّ قَضَى الرَّكْعَتَيْنِ بِتَشَهُّدَيْنِ وَوَقَعَ لَهُ كَذَلِكَ. قُلْتُ: وَمِثْلُ التِّلَاوَةِ تَذَكُّرُ الصُّلْبِيَّةِ؛ فَلَوْ فَرَضْنَا تَذَكُّرَهَا أَيْضًا لَهُمَا زِيدَ أَرْبَعٌ أُخَرُ لِمَا مَرَّ، وَلَوْ فَرَضْنَا تَعَدُّدَ التِّلَاوِيَّةِ وَالصُّلْبِيَّةِ لَهُمَا أَيْضًا زِيدَ سِتٌّ أَيْضًا، وَلَوْ فَرَضْنَا إِدْرَاكَهُ لِلْإِمَامِ سَاجِدًا وَلَمْ يَسْجُدْهُمَا مَعَهُ فَمُقْتَضَى الْقَوَاعِدِ أَنَّهُ يَقْضِيهِمَا فَيُزَادُ أَرْبَعٌ أُخَرُ فَتَدَبَّرْ، وَلَمْ أَرَ مَنْ نَبَّهَ عَلَى ذَلِكَ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ (وَلَفْظُ السَّلَامِ) مَرَّتَيْنِ فَالثَّانِي وَاجِبٌ عَلَى الْأَصَحِّ بُرْهَانٌ، دُونَ عَلَيْكُمْ؛ وَتَنْقَضِي قُدْوَةٌ بِالْأَوَّلِ قَبْلَ عَلَيْكُمْ عَلَى الْمَشْهُورِ عِنْدَنَا وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيَّةُ خِلَافًا لِلتَّكْمِلَةِ (وَ) قِرَاءَةُ (قُنُوتِ الْوِتْرِ) وَهُوَ مُطْلَقُ الدُّعَاءِ وَكَذَا تَكْبِيرُ قُنُوتِهِ وَتَكْبِيرَةُ رُكُوعِ الثَّالِثَةِ زَيْلَعِيٌّ (وَتَكْبِيرَاتِ الْعِيدَيْنِ) وَكَذَا أَحَدُهَا وَتَكْبِيرُ رُكُوعِ رَكْعَتِهِ الثَّانِيَةِ كَلَفْظِ التَّكْبِيرِ فِي افْتِتَاحِهِ لَكِنَّ الْأَشْبَهَ وُجُوبُهُ فِي كُلِّ صَلَاةٍ بَحْرٌ، فَلْيُحْفَظْ (وَالْجَهْرُ) لِلْإِمَامِ (وَالْإِسْرَارُ) لِلْكُلِّ (فِيمَا يُجْهَرُ) فِيهِ (وَيُسَرُّ) وَبَقِيَ مِنْ الْوَاجِبَاتِ إِتْيَانُ كُلِّ وَاجِبٍ أَوْ فَرْضٍ فِي مَحَلِّهِ، فَلَوْ أَتَمَّ الْقِرَاءَةَ فَمَكَثَ مُتَفَكِّرًا سَهْوًا ثُمَّ رَكَعَ أَوْ تَذَكَّرَ السُّورَةَ رَاكِعًا فَضَمَّهَا قَائِمًا أَعَادَ الرُّكُوعَ وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ وَتَرْكُ تَكْرِيرِ رُكُوعٍ وَتَثْلِيثُ سُجُودٍ وَتَرْكُ قُعُودٍ قَبْلَ ثَانِيَةٍ أَوْ رَابِعَةٍ وَكُلُّ زِيَادَةٍ تَتَخَلَّلُ بَيْنَ الْفَرْضَيْنِ وَإِنْصَاتِ

الْمُقْتَدِي وَمُتَابَعَةِ الْإِمَامِ يَغْنِي فِي الْمُجْتَهَدِ فِيهِ لَا فِي الْمَقْطُوعِ بِنَسْخِهِ أَوْ بِعَدَمِ سُنِّيَّتِهِ كَقُنُوتِ فَجْرٍ وَإِنَّمَا تَفْسُدُ بِمُخَالَفَتِهِ فِي الْفُرُوضِ كَمَا بَسَطْنَاهُ فِي الْخَزَائِنِ. قُلْتُ: فَبَلَغَتْ أُصُولُهَا نَيِّفًا وَأَرْبَعِينَ، وَبِالْبَسْطِ أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ أَلْفٍ إِذْ أَحَدُهَا يُنْتِجُ ۳۹۰، مِنْ ضَرْبِ خَمْسَةٍ قَعْدَةَ الْمَغْرِبِ بِتَشَهُّدِهَا وَتَرْكِ نَقْصٍ مِنْهُ أَوْ زِيَادَةٍ فِيهِ أَوْ عَلَيْهِ فِي ۷۸، كَمَا مَرَّ، التَّتَبُّعُ يَنْفِي الْحَصْرَ فَتَبَصَّرْ، فَيَلْغَزُ أَيُّ وَاجِبٍ يَسْتَوْجِبُ ۳۹۰، وَاجِبًا

واجب نمبر ۸: دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نماز کے واجبات میں سے آٹھواں واجب دونوں قعدوں میں التحیات پڑھنا ہے۔ اور دونوں قعدوں سے مراد یہاں قعدۂ اولیٰ اور قعدۂ اخیرہ ہے۔ ان میں التحیات کو عبدہٗ ورسولہٗ تک پڑھنا واجب ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جو تشہد مروی ہے اس کا پڑھنا ہی واجب نہیں ہے بلکہ یہ افضل ہے دوسری التحیات پڑھنے سے بھی واجب ادا ہو جائے گا۔ (شامی: ۲/۱۵۹)

دونوں قعدوں میں پورا تشہد پڑھنا واجب ہے، لہٰذا جس طرح پورے تشہد کے چھوڑ دینے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے اسی طرح تشہد کا کچھ حصہ چھوڑ دینے سے بھی سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ اور اسی طرح ہر قعدہ میں التحیات پڑھنا واجب ہوتا ہے اصح ترین قول یہی ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ قعدۂ اخیرہ کے علاوہ اور قعدوں میں التحیات پڑھنا سنت ہے، مگر یہ قول اصح قول کے خلاف ہے۔ اور ہر قعدہ میں تشہد کے واجب ہونے کی قید اس لیے لگائی ہے کہ بسا اوقات تشہد دس بار مکرر ہوتا ہے، مثال کے طور پر ایک شخص نے مغرب میں اپنے امام کی اقتداء دونوں تشہد میں کی، اس طور پر کہ اس نے امام کو پہلے تشہد میں پایا تھا اور حال یہ تھا کہ اس امام پر سجدۂ سہو واجب تھا، پس جب امام نے سجدۂ سہو کیا تو اس مقتدی نے بھی سجدۂ سہو کیا، اور سجدۂ سہو کے بعد امام کے ساتھ التحیات پڑھی، یہ اس مقتدی کا تیسرا تشہد ہوا، اس کے بعد امام کو یاد آیا کہ اس پر سجدۂ تلاوت بھی ہے، چناں چہ امام نے سجدۂ تلاوت کیا اور مقتدی نے بھی امام کی اقتداء میں سجدۂ تلاوت کیا، پھر امام نے التحیات پڑھی تو مقتدی کو بھی التحیات پڑھنی پڑی، اور اسی سجدۂ تلاوت کی وجہ سے پہلا سجدۂ سہو باطل ہو گیا، لہٰذا امام کو پھر سجدۂ سہو کرنا اور اس کی التحیات پڑھنی پڑی، چناں چہ مقتدی نے بھی التحیات پڑھی، پھر مقتدی کا یہ تشہد پانچویں بار ہوا۔ اب امام کے سلام کے بعد یہ مقتدی اپنی مابقیہ رکعت ادا کرنے کے لیے کھڑا ہوا اور ہر رکعت میں تشہد پڑھا، اس طرح مقتدی کے کل سات تشہد ہو گئے۔

اب یہاں رُک کر فرض کر لیجئے کہ جو بات پہلے اس امام کو پیش آئی ہے وہی بات اسے بھی پیش آ گئی اس کے بعد دو رکعتوں میں کوئی ایسی بات پیش آ گئی جس کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہو گیا تو اب یقینی طور پر اس کو سجدۂ سہو کرنا پڑے گا اور اس کے بعد پھر تشہد بھی پڑھنا پڑے گا، اب اس مقتدی کا تشہد آٹھواں ہوگا، پھر اس کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ بعد والی دو رکعتوں میں اس پر سجدۂ

تلاوت بھی واجب ہوگیا تھا، اب اس نے سجدۂ تلاوت کیا اس کے بعد اس نے تشہد پڑھا یہ اس کا نواں تشہد ہوگا۔ اب سجدۂ تلاوت کرنے کی وجہ سے پہلا والا سجدہ سہو باطل ہوگیا، چناں چہ اس نے پھر سجدۂ سہو کیا اور اس کے بعد تشہد پڑھا یہ دسواں تشہد ہوگیا۔ اس کے بعد درود دعاء پڑھ کر سلام پھیرا اس طرح اس مقتدی نے ایک نماز میں دس مرتبہ تشہد پڑھا ہے۔ اور یہ دسوں تشہد اس پر پڑھنے واجب تھے، معلوم ہوا کہ صرف دو قعدہ کی تخصیص نہیں ہے بلکہ ہر قعدہ میں تشہد پڑھنا واجب ہوگا۔

متعدد تشہد کی ایک اور مثال

شارح تنویر الابصار علامہ علاء الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ سجدہ کی طرح فرض کرلیں کہ اسے سجدۂ صلبیہ بھی یاد آگیا، یعنی نماز کی کسی رکعت میں سجدہ کرنا رہ گیا تھا وہ یاد آگیا تو اس طرح مقتدی اور امام پر چار تشہد اور مزید بڑھ جائیں گے، جیسا کہ پہلے گزرا کہ سجدۂ صلبی کے بعد بھی سجدۂ سہو کو دوبارہ کرنا ہوگا۔ اور اگر ہم فرض کریں کہ امام اور مقتدی دونوں کو متعدد سجدۂ تلاوت اور سجدۂ صلبی یاد آئے تو مزید چھ تشہد بڑھ جائیں گے۔ اور اگر ہم فرض کریں کہ مقتدی نے امام کو سجدے کی حالت میں پایا لیکن مقتدی نے ان دونوں سجدوں کو اپنے امام کے ساتھ ادا نہیں کیا تو اس صورت میں قاعدہ کا تقاضہ یہ ہے کہ مقتدی ان دونوں سجدوں کو ادا کرے، اس صورت میں چار تشہد اور زیادہ ہوجائیں گے، لہٰذا خوب غور وفکر کے ساتھ ان صورتوں کو سمجھ لینا چاہئے۔ اور میں نے کسی کو بھی نہیں دیکھا کہ اس مسئلہ میں اس قدر تفصیل کے ساتھ بات کی ہو اور لوگوں کو آگاہ کیا ہو۔ واللہ أعلم

واجب نمبر ۹: السلام علیکم کے ذریعہ نماز سے نکلنا

واجباتِ نماز میں سے نواں واجب لفظ السلام دو مرتبہ کہنا ہے۔ اور اصح قول کے مطابق لفظ السلام کو دوسری مرتبہ کہنا بھی واجب ہے، جیسا کہ برہان نامی کتاب میں ہے، لفظ "علیکم" کہنا واجب نہیں ہے۔ اور ہمارے نزدیک مشہور قول کے مطابق پہلے سلام کے وقت جب السلام علیکم ورحمة اللہ کہتے ہیں تو لفظ السلام کے تلفظ ہی سے نماز تمام ہوجاتی ہے، علیکم پر پہنچنے سے پہلے پہلے نماز تام ہوجاتی ہے، شوافع حضرات کا بھی یہی مذہب ہے، بخلاف شارح تکملہ کے، وہ فرماتے ہیں کہ تحریمہ دوسرے سلام کے بعد ختم ہوتا ہے لیکن فتویٰ پہلے قول پر ہے۔

قولہ: ولفظ السلام: علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ السلام لاکر مصنف نے اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ جو نمازی لفظ السلام کے تلفظ پر قادر ہو اس کو یہی لفظ بولنا ضروری ہے، کوئی دوسرا لفظ اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتا ہے۔ فالثانی واجب کہہ کر ان لوگوں کی تردید کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ پہلا سلام تو واجب ہے اور دوسرا سلام سنت ہے۔ شارح نے اس کی صراحت کردی کہ دوسرا سلام بھی واجب ہے، مسنون نہیں ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۶۲)

لفظ السلام کہنے کے بعد اقتداء کا حکم

اگر کسی شخص نے امام کی اقتداء کی لفظ "السلام" کہنے کے بعد اور "علیکم" کہنے سے پہلے، تو یہ شخص امام کی اقتداء کرنے

والا نہ ہوگا اور جماعت میں شریک ہونے والا نہ ہوگا، اس لیے کہ لفظ "السلام" کہنے ہی سے امام کا تحریمہ ختم ہوگیا، تو امام کیساتھ شریک ہونا کس طرح درست ہوگا۔ اگر کسی نے نماز میں بھول کر کسی کو السلام کہہ دیا تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ (شامی: ۲/ ۱۶۲)

واجب نمبر ۱۰: دعاءِ قنوت کا وتر میں پڑھنا

نماز کے واجبات میں سے دسواں واجب وتر کی نماز میں دعاءِ قنوت کا پڑھنا ہے۔ اور اسی طرح دعاءِ قنوت کے لیے اللہ اکبر کہنا بھی واجب ہے۔ اور دعاءِ قنوت سے مراد کوئی خاص دعاء نہیں ہے بلکہ مطلق دعاء مراد ہے، وتر میں جو بھی دعاء پڑھے گا واجب ادا ہوگا، البتہ اَللّٰھُمَّ إِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ الخ کو پڑھنا مسنون ہے، یہاں تک کہ اگر کسی نے اس کے علاوہ دوسری دعاء پڑھ لی تو بالاتفاق جائز ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۶۳)

دعائے قنوت کے لیے جو تکبیر (یعنی اللہ اکبر) کہی جاتی ہے اس کے متعلق بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس تکبیر کا کہنا سنت ہے، جیسا کہ حلبی میں ہے، مگر امام زیلعی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اس تکبیر کو چھوڑ دے تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا، سجدۂ سہو کا واجب ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا کہنا واجب ہے۔ اور فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ اگر کسی نے اس تکبیر کو چھوڑ دیا تو اس سلسلے میں کوئی روایت نہیں ہے، بعض علماء نے تکبیراتِ عیدین کے ترک پر قیاس کرتے ہوئے سجدۂ سہو کو واجب قرار دیا ہے اور بعض نے سجدۂ سہو کو واجب نہیں کہا ہے۔ علامہ شامیؒ نے عدم وجوبِ سجدۂ سہو کے قول کو ترجیح دی ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۶۳)

وتر کی تیسری رکعت کے رکوع کے لیے تکبیر کہنا

وتر کی تیسری رکعت کے رکوع کے لیے تکبیر کہنا واجب ہے۔ جیسا کہ زیلعی نے لکھا ہے۔ لیکن سید ابوالسعود نے مسکین کے حواشی میں "بَابُ سُجُوْدِ السَّهْوِ" کے تحت لکھا ہے کہ ہمارے استاذِ محترم نے فرمایا ہے کہ علامہ زیلعی کی جانب اس کا منسوب کرنا سہو ہے اس لیے کہ زیلعی میں یہ مسئلہ مذکور نہیں ہے، نہ صلوٰۃ میں ہے نہ ہی باب سجود السہو کے تحت ہے، اس لیے وہ کہتے ہیں کہ وتر کی تیسری رکعت کے رکوع کے لیے تکبیر واجب نہیں ہے؛ بلکہ سنت ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۶۳)

واجب نمبر (۱۱) عیدین کی چھ زائد تکبیرات کا کہنا

اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کی چھ زائد تکبیرات واجب ہیں۔ (ہر ایک رکعت میں تین تکبیر زائد ہوتی ہیں، پہلی رکعت میں ثناء کے بعد اور سورۂ فاتحہ سے پہلے تین تکبیر کہی جاتی ہیں اور ہر تکبیر میں ہاتھ اُٹھایا جاتا ہے۔ اور دوسری رکعت میں ضم سورۃ کے بعد اور رکوع میں جانے سے پہلے تین زائد تکبیر کہی جاتی ہیں۔ اور دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اُٹھا کر چھوڑ دیا جاتا ہے، یہ تمام تکبیرات واجب ہیں)۔ اور اسی طرح ان چھ تکبیروں میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ بھی واجب ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۶۳)

عید کی نماز کی دوسری رکعت کے رکوع کے لیے تکبیر کہنا

حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عید کی دوسری رکعت کے رکوع میں جانے کے لیے تکبیر کہنا بھی واجب ہے، جس

طرح عید کی نماز کے شروع میں لفظ اللہ اکبر واجب ہے، یعنی جس طرح عید کی نماز کا آغاز تکبیر اللہ اکبر سے ضروری ہے اسی طرح دوسری رکعت کے رکوع کے لیے بھی اللہ اکبر کہنا واجب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص لفظ اللہ اکبر کے بجائے کسی اور لفظ سے نماز شروع کرے تو مکروہ تحریمی ہوگا۔ (شامی: ۲/ ۱۶۳) لیکن حق کے زیادہ مشابہ یہ بات ہے کہ لفظ اللہ اکبر ہر نماز کے شروع میں کہنا واجب ہے جیسا کہ البحر الرائق میں ہے، لہٰذا اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح یاد کرلو۔

واجب نمبر (۱۲) جہری نمازوں میں بلند آواز سے اور سری نمازوں میں آہستہ قراءۃ کرنا امام کے لیے واجب ہے

اور جن نمازوں میں جہراً قرأت کی جاتی ہے ان تمام نمازوں میں امام کے لیے بلند آواز سے قرأت کرنا واجب ہے، جیسے مغرب، عشاء اور فجر۔ اسی طرح جمعہ وعیدین اور جن نمازوں میں آہستہ قرأت کی جاتی ہے، ان تمام نمازوں میں امام اور منفرد کے لیے آہستہ قرأت کرنا واجب ہے، جیسے: ظہر، عصر اور مغرب وعشاء کی اخیر رکعتیں۔

واجب اور فرض کو اپنے محل میں ادا کرنا

اور واجباتِ نماز میں ایک واجب یہ ہے کہ نماز کے تمام واجبات اور فرائض اس کے محل میں ادا کئے جائیں، چناں چہ اگر نمازی نے قرأت پوری کرنے کے بعد فوراً رکوع نہیں کیا؛ بلکہ بھول کر کچھ دیر ٹھہر کر سوچتا رہا اس کے بعد اس نے رکوع کیا تو اس صورت میں اس کو سجدۂ سہو کرنا ہوگا، یا قیام کی حالت میں سورت ملانا بھول گیا، جب رکوع میں گیا تو اس کو یاد آیا، چناں چہ اس نے کھڑے ہوکر سورت ملائی تو اب وہ دوبارہ رکوع کرے گا۔ اور اخیر میں سجدۂ سہو کرے گا، اس لیے کہ پہلی صورت میں فرض کی ادائیگی میں تاخیر کردی گئی ہے، قرأت کے بعد اس کا فرض تھا کہ فوراً رکوع کرتا جو فرض تھا مگر کھڑا ہوکر کچھ دیر تک سوچتا رہ گیا اس کے بعد رکوع کیا تو اس سے فرض میں تاخیر ہوئی اور اپنے محل میں ادا نہ ہوسکا ہے۔ اور دوسری صورت واجب کو اپنی جگہ سے ٹلانے کی ہے، سورۂ فاتحہ کے بعد ضم سورۃ فوراً واجب تھا، اب درمیان میں ایک زائد رکوع کی وجہ سے تاخیر ہوگئی ہے اس لیے سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

رکوع کا مکرر نہ کرنا

اور یہ بھی واجب ہے کہ ایک رکعت میں رکوع مکرر نہ کرے؛ بلکہ صرف ایک بار رکوع کرے۔ اسی طرح یہ بھی واجب ہے کہ ایک رکعت میں تین سجدے نہ کرے؛ بلکہ صرف دو سجدے کرے، چناں چہ اگر کوئی شخص ایک بار رکوع کرنے کے بعد دوبارہ رکوع کرے گا، یا دو سجدے کی جگہ تین سجدے کرے گا تو اس پر سجدۂ سہو لازم آئے گا، اس لیے کہ اس سے واجب کا ترک ہوا ہے اور مشروع کے خلاف ہوا ہے، ایک واجب کے ترک سے دوسرے واجب کا ترک یہاں لازم آئے گا یعنی فرض کا اپنے محل میں نہ ادا ہونا لازم آئے گا۔ (شامی: ۱/ ۱۶۴)

قعدہ کا ترک کرنا

دوسری رکعت، یا چوتھی رکعت سے پہلے قعدہ کو ترک کرنا بھی واجب ہے، یعنی ہر رکعت کے بعد قعدہ نہ کرے، چناں چہ اگر

کوئی شخص پہلی رکعت میں قعدہ کریگا، یا چار رکعت والی نماز میں تیسری رکعت میں قعدہ کرے گا تو اس پر سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ اسی طرح یہ بھی لازم ہے کہ دو فرضوں کے درمیان کوئی زیادتی نہ کرے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ فرض و واجب کے درمیان بھی زیادتی کا ترک واجب ہے۔ مثلاً: قعدۂ اولیٰ میں زیادتی کی اور تیسری رکعت کی جانب اُٹھنے میں تاخیر کی تو اس کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ اسی طرح اگر تشہد کے بعد کچھ دیر تک خاموش بیٹھا رہ گیا تو اس صورت میں بھی سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ (شامی: ۲/۱۶۵)

واجب نمبر (۱۳) مقتدی کا خاموش رہنا

مقتدی حضرات کا امام کے پیچھے چپ چاپ کھڑا رہنا بھی واجب ہے، لہٰذا مقتدی کا امام کی اقتداء میں قرأت کرنا مکروہ تحریمی قرار پائے گا، لیکن اصح قول کے مطابق اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر مقتدی اپنے امام کے پیچھے بھول کر قرأت کرے تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا کیونکہ مقتدی پر سجدۂ سہو نہیں ہے۔ (شامی: ۲/۱۶۵)

واجب نمبر (۱۴) امام کی پیروی کرنا

اور مقتدی حضرات پر اپنے امام کی پیروی کرنا ان افعال میں واجب ہے جن میں حضرات مجتہدین کرام کا اختلاف ہے۔ فرائض و واجبات میں امام کی متابعت بغیر تاخیر کے واجب ہے، پس اگر کوئی دوسرا عارض پیش آجائے تو اس واجب کو ترک نہ کرے؛ بلکہ اس واجب کو بجالائے اس کے بعد امام کی متابعت کرے۔ مثلاً: امام مقتدی کے تشہد مکمل کرنے سے پہلے کھڑا ہو گیا تو اب مقتدی تشہد مکمل پڑھ لے اس کے بعد امام کی متابعت کے لیے کھڑا ہو، اس لیے کہ التحیات مکمل پڑھ کر کھڑے ہونے سے امام کی متابعت بالکلیہ طور پر فوت نہیں ہو رہی ہے۔ (شامی: ۲/۱۶۵)

تین مرتبہ تسبیح پڑھنے سے پہلے امام نے سر اُٹھالیا تو کیا حکم ہے؟

مقتدی نے ابھی رکوع یا سجدہ میں تین مرتبہ "سُبحانَ رَبِّیَ العظیم" یا "سُبحَانَ رَبِّیَ الأعلیٰ" نہیں کہا ہے اور اس سے پہلے ہی امام نے سر اُٹھالیا تو اب مقتدی کو چاہئے کہ امام کی متابعت میں سر اُٹھالے، تین مرتبہ تسبیح مکمل نہ کرے، اس لیے کہ ترکِ سنت تاخیرِ واجب سے اولیٰ ہے۔ (شامی: ۲/۱۶۵)

متابعت کی قسمیں

حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ متابعت کی فی ذاتہ تین قسمیں ہیں: (۱) مقارنۃ لفعل الامام، یعنی امام کے فعل سے مقتدی کا فعل متصل ہونا۔ مقتدی کا احرام امام کے احرام سے، مقتدی کا رکوع امام کے رکوع سے، مقتدی کا سلام امام کے سلام سے بالکل متصل ہو۔ (۲) معاقبہ، یعنی اپنے امام کے فعل کے بعد شروع کرنا اور فعل میں مشارکت کرنا۔ (۳) متراخیہ عنہ، یعنی مقتدی کا فعل امام کے فعل سے بعد میں ہو، چناں چہ فقہ میں جب مطلق متابعت بولا جائے تو تینوں قسموں کو شامل ہوگا، فرض کے اندر

متابعت فرض ہوگی، واجب کے اندر واجب اور سنت کے اندر متابعت سنت ہوگی۔ (شامی: ۲/۱۶۶)

مجتہد فیہ مسائل سے مراد

مجتہد فیہ مسائل سے مراد وہ مسائل ہیں جن کی بنیاد کسی معتبر شرعی دلیل پر ہو، جس کی وجہ سے حضرات فقہاء کے درمیان اختلاف واقع ہوا۔ اور ایک مجتہد کی دوسرے مجتہد سے مخالفت جائز ہوتی ہے۔ اور ہر امام کے پاس دلیل ہوتی ہے۔ مثلاً تکبیرات عیدین کے متعلق احناف وشوافع کے درمیان اختلاف ہے، ایک رکعت میں حنفیہ تین زائد تکبیر کہتے ہیں۔ اور شوافع ایک رکعت میں پانچ تکبیرات زائد کہتے ہیں۔ اب اگر امام عید کی نماز میں تین تکبیر کے بجائے پانچ کہہ دے تو مقتدی پر اس کی اقتداء واجب ہے، یا اسی طرح اگر امام نے وتر میں دعائے قنوت رکوع کے بعد پڑھی یا سجدۂ سہو سلام سے پہلے کرلیا تو مقتدی پر واجب ہے کہ امام کی اقتداء و پیروی کرے گو یہ مسلک احناف کے خلاف ہے لیکن اس کے باوجود اتباع امام لازم ہے۔ (شامی: ۲/۱۶۷)

امام کی اتباع کہاں ضروری نہیں ہے؟

ہاں ان افعال میں امام کی اتباع و پیروی واجب نہیں ہے جن کا منسوخ ہونا قطعی طور پر معلوم ہو، جیسے کہ اگر کوئی امام نماز جنازہ میں چار تکبیر کے بجائے پانچ تکبیر کہہ دے تو پانچویں تکبیر میں امام کی پیروی مقتدی پر لازم نہیں ہے، اس لیے کہ اگرچہ رسول اللہ ﷺ سے پانچ اور سات تکبیریں منقول ہیں مگر وہ آپ کے آخری فعل سے منسوخ ہیں اور منسوخ ہونا بالکل قطعی ہے۔ اسی طرح امام کی پیروی ان افعال میں واجب نہیں ہے جس کے متعلق یقین کے ساتھ معلوم ہو کہ یہ مسنون نہیں ہے جیسے کہ نماز فجر میں دعاء قنوت پڑھنا (یہ شروع میں مسنون تھا مگر بعد میں منسوخ ہوگیا، رسول اکرم ﷺ نے بطور بددعاء ایک قوم کے لیے ایک ماہ تک قنوت پڑھی تھی پھر وہ منسوخ ہوگئی)۔ (شامی: ۲/۱۶۸)

مقتدی کی نماز کب فاسد ہوتی ہے؟

مقتدی کی نماز اس صورت میں فاسد ہوتی ہے جب مقتدی اپنے امام کی مخالفت فرض میں کرے، جیسا کہ ہم نے اس مسئلہ کو خزائن الاسرار نامی کتاب میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ نماز کے فاسد ہونے کے لیے بنیادی چیز فرض کا ترک کرنا ہے، اگر مقتدی اپنے امام کی مخالفت سنت میں کرے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح واجب میں بھی مخالفت کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔ (شامی: ۲/۱۶۸)

واجبات کے اصول

صاحب درمختار علامہ علاؤالدین حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ اصولِ واجبات چالیس سے بھی کچھ زائد ہوگئے ہیں۔ مصنف علیہ الرحمہ نے کل چودہ واجبات کا تذکرہ کیا تھا اس کے بعد شارح علیہ الرحمہ نے اٹھائیس کا اپنی طرف سے تتبع وتلاش کے بعد اضافہ

کیا ہے، اس طرح کل واجبات نماز بیالیس ہوگئی ہیں۔ مزید ان واجبات کو پھیلانے سے اس کی گنتی ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہو جائیں گی۔ اس لیے کہ مثلاً ایک واجب جیسے تشہد ہے تین سو نوے واجب پیدا کرتا ہے، اس طرح کہ مغرب کے قعدہ کے پانچوں واجبوں کو ۷۸ر میں ضرب دیا جائے جس کی تفصیل پہلے گذری ہے کہ کبھی تشہد دس بار ہوتا ہے۔ اور تتبع وتلاش وجستجو حصر کی نفی کرتی ہے، لہٰذا اس کو خوب غور سے دیکھا جائے، اور یہاں پہیلی بنا کر پوچھتے ہیں کہ وہ کون سا واجب ہے جو تین سو نوے واجبات کو مستوجب ہوتا ہے۔

(جواب میں اوپر والا قاعدہ بیان ہوگا کہ مغرب کا قعدۂ اولیٰ ۳۹۰/ واجبات کو مستوجب ہوتا ہے)۔

(وَسُنَنُهَا) تَرْكُ السُّنَّةِ لَا يُوجِبُ فَسَادًا وَلَا سَهْوًا بَلْ إِسَاءَةً لَوْ عَامِدًا غَيْرَ مُسْتَخِفٍّ. وَقَالُوا الْإِسَاءَةُ أَدْوَنُ مِنَ الْكَرَاهَةِ، ثُمَّ هِيَ عَلَى مَا ذَكَرَهُ ثَلَاثَةٌ وَعِشْرُونَ (رَفْعُ الْيَدَيْنِ لِلتَّحْرِيمَةِ) فِي الْخُلَاصَةِ إِنْ اعْتَادَ تَرْكَهُ أَثِمَ (وَنَشْرُ الْأَصَابِعِ) أَيْ تَرْكُهَا بِحَالِهَا (وَأَنْ لَا يُطَأْطِئَ رَأْسَهُ عِنْدَ التَّكْبِيرِ) فَإِنَّهُ بِدْعَةٌ (وَجَهْرُ الْإِمَامِ بِالتَّكْبِيرِ) بِقَدْرِ حَاجَتِهِ لِلْإِعْلَامِ بِالدُّخُولِ وَالِانْتِقَالِ. وَكَذَا بِالتَّسْمِيعِ وَالسَّلَامِ. وَأَمَّا الْمُؤْتَمُّ وَالْمُنْفَرِدُ فَيُسْمِعُ نَفْسَهُ (وَالثَّنَاءِ وَالتَّعَوُّذِ وَالتَّسْمِيَةِ وَالتَّأْمِينِ) وَكَوْنُهُنَّ (سِرًّا، وَوَضْعُ يَمِينِهِ عَلَى يَسَارِهِ) وَكَوْنُهُ (تَحْتَ السُّرَّةِ) لِلرِّجَالِ لِقَوْلِ عَلِيٍّ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ –: «مِنَ السُّنَّةِ وَضْعُهُمَا تَحْتَ السُّرَّةِ» وَلِخَوْفِ اجْتِمَاعِ الدَّمِ. رُءُوسِ الْأَصَابِعِ (وَتَكْبِيرُ الرُّكُوعِ وَ) كَذَا (الرَّفْعُ مِنْهُ) بِحَيْثُ يَسْتَوِي قَائِمًا (وَالتَّسْبِيحُ فِيهِ ثَلَاثًا) وَإِلْصَاقُ كَعْبَيْهِ (وَأَخْذُ رُكْبَتَيْهِ بِيَدَيْهِ) فِي الرُّكُوعِ (وَتَفْرِيجُ أَصَابِعِهِ) لِلرَّجُلِ، وَلَا يُنْدَبُ التَّفْرِيجُ إِلَّا هُنَا، لَا الضَّمُّ إِلَّا فِي السُّجُودِ (وَتَكْبِيرُ السُّجُودِ وَ) كَذَا نَفْسُ (الرَّفْعِ مِنْهُ) بِحَيْثُ يَسْتَوِي جَالِسًا (وَ) كَذَا (تَكْبِيرُهُ، وَالتَّسْبِيحُ فِيهِ ثَلَاثًا، وَوَضْعُ يَدَيْهِ وَرُكْبَتَيْهِ) فِي السُّجُودِ، فَلَا تَلْزَمُ طَهَارَةُ مَكَانِهِمَا عِنْدَنَا مَجْمَعٌ، لَا إِذَا سَجَدَ عَلَى كَفِّهِ كَمَا مَرَّ (وَافْتِرَاشُ رِجْلِهِ الْيُسْرَى) فِي تَشَهُّدِ الرَّجُلِ (وَالْجَلْسَةُ) بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ، وَوَضْعُ يَدَيْهِ فِيهَا عَلَى فَخِذَيْهِ كَالتَّشَهُّدِ لِلتَّوَارُثِ، وَهَذَا مِمَّا أَغْفَلَهُ أَهْلُ الْمُتُونِ وَالشُّرُوحِ كَمَا فِي إِمْدَادِ الْفَتَّاحِ لِلشُّرُنْبُلَالِيِّ. قُلْت: وَيَأْتِي مَعْزِيًّا لِلْمُنْيَةِ فَافْهَمْ (وَالصَّلَاةُ عَلَى النَّبِيِّ) فِي الْقَعْدَةِ الْأَخِيرَةِ. وَفَرَضَ الشَّافِعِيُّ قَوْلَ: اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَنَسَبُوهُ إِلَى الشُّذُوذِ وَمُخَالَفَةِ الْإِجْمَاعِ (وَالدُّعَاءُ) بِمَا يَسْتَحِيلُ سُؤَالُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَبَقِيَ بَقِيَّةُ تَكْبِيرَاتِ الِانْتِقَالَاتِ حَتَّى تَكْبِيرَاتِ الْقُنُوتِ عَلَى قَوْلٍ، وَالتَّسْمِيعُ لِلْإِمَامِ، وَالتَّحْمِيدُ لِغَيْرِهِ، وَتَحْوِيلُ الْوَجْهِ يَمْنَةً وَيَسْرَةً لِلسَّلَامِ (وَلَهَا آدَابٌ) تَرْكُهُ لَا يُوجِبُ إِسَاءَةً وَلَا عِتَابًا كَتَرْكِ سُنَّةِ الزَّوَائِدِ، لَكِنَّ فِعْلَهُ أَفْضَلُ (نَظَرُهُ

إِلَى مَوْضِعِ سُجُودِهِ حَالَ قِيَامِهِ، وَإِلَى ظَهْرِ قَدَمَيْهِ حَالَ رُكُوعِهِ، وَإِلَى أَرْنَبَةِ أَنْفِهِ حَالَ سُجُودِهِ، وَإِلَى حِجْرِهِ حَالَ قُعُودِهِ. وَإِلَى مَنْكِبِهِ الْأَيْمَنِ وَالْأَيْسَرِ عِنْدَ التَّسْلِيمَةِ الْأُولَى وَالثَّانِيَةِ) لِتَحْصِيلِ الْخُشُوعِ (وَإِمْسَاكُ فَمِهِ عِنْدَ التَّثَاؤُبِ) فَائِدَةٌ لِدَفْعِ التَّثَاؤُبِ مُجَرَّبَةٌ وَلَوْ بِأَخْذِ شَفَتَيْهِ بِسِنِّهِ (فَإِنْ لَمْ يَقْدِرْ غَطَّاهُ) بِظَهْرِ (يَدِهِ) الْيُسْرَى، وَقِيلَ بِالْيُمْنَى لَوْ قَائِمًا وَإِلَّا فَيُسْرَاهُ مُجْتَبَى (أَوْ كُمِّهِ) لِأَنَّ التَّغْطِيَةَ بِلَا ضَرُورَةٍ مَكْرُوهَةٌ (وَإِخْرَاجُ كَفَّيْهِ مِنْ كُمَّيْهِ عِنْدَ التَّكْبِيرِ) لِلرَّجُلِ إِلَّا لِضَرُورَةٍ كَبَرْدٍ (وَدَفْعُ السُّعَالِ مَا اسْتَطَاعَ) لِأَنَّهُ بِلَا عُذْرٍ مُفْسِدٌ فَيَجْتَنِبُهُ (وَالْقِيَامُ) لِإِمَامٍ وَمُؤْتَمٍّ (حِينَ قِيلَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ) خِلَافًا لِزُفَرَ؛ فَعِنْدَهُ عِنْدَ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ ابْنُ كَمَالٍ (إِنْ كَانَ الْإِمَامُ بِقُرْبِ الْمِحْرَابِ وَإِلَّا فَيَقُومُ كُلُّ صَفٍّ يَنْتَهِي إِلَيْهِ الْإِمَامُ عَلَى الْأَظْهَرِ وَإِنْ) دَخَلَ مِنْ قُدَّامٍ حِينَ يَقَعُ بَصَرُهُمْ عَلَيْهِ إِلَّا إِذَا أَقَامَ الْإِمَامُ بِنَفْسِهِ فِي مَسْجِدٍ فَلَا يَقِفُوا حَتَّى يُتِمَّ إِقَامَتَهُ ظَهِيرِيَّةٌ، وَإِنْ خَارِجَهُ قَامَ كُلُّ صَفٍّ يَنْتَهِي إِلَيْهِ بَحْرٌ (وَشُرُوعُ الْإِمَامِ) فِي الصَّلَاةِ (مُذْ قِيلَ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ) وَلَوْ أَخَّرَ حَتَّى أَتَمَّهَا لَا بَأْسَ بِهِ إِجْمَاعًا، وَهُوَ قَوْلُ الثَّانِي وَالثَّلَاثَةِ؛ وَهُوَ أَعْدَلُ الْمَذَاهِبِ كَمَا فِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ لِمُصَنِّفِهِ. وَفِي الْقُهُسْتَانِيِّ مَعْزِيًّا لِلْخُلَاصَةِ أَنَّهُ الْأَصَحُّ. [فَرْعٌ] لَوْ لَمْ يَعْلَمْ مَا فِي الصَّلَاةِ مِنْ فَرَائِضَ وَسُنَنٍ أَجْزَأَهُ قُنْيَةٌ.

نماز کی سنتوں کا بیان

اب یہاں سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ نماز کی سنتیں اور اس کے آداب کو بیان کر رہے ہیں، چناں چہ فرماتے ہیں کہ نماز کی سنت کا ترک نہ تو نماز کے فساد کا موجب ہوتا ہے اور نہ ہی سنت کے چھوٹنے سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے، بلکہ ترک سنت صرف اساءت کا موجب ہوتا ہے، بشرطیکہ سنت جان بوجھ کر چھوڑا ہو اور بشرطیکہ سنت کو حقیر سمجھ کر نہ چھوڑا ہو۔ اگر کوئی شخص سنت کو بھول کر چھوڑ دے تو اس سے نماز میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ اور نہ ہی سنت چھوڑنے والے کو برا بھلا کہا جائے گا۔ ہاں اگر کوئی شخص جان بوجھ کر قصداً سنت چھوڑ دے تو اس کو برا کہا جائے گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ جان بوجھ کر سنت چھوڑنے والا شخص ازراہِ حقارت نہ چھوڑا ہو، اس لیے کہ سنت کو ازراہِ حقارت چھوڑنا ازروئے فتویٰ موجب کفر ہے۔ فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص سنت کو حق نہ جانے تو کفر ہے اور وہ شخص کافر ہو جاتا ہے، اس لیے کہ یہ سنت کا مذاق واستہزاء ہے۔ (شامی: ۲/۱۷۰)

اساءت کا درجہ کراہت سے کم ہے

حضرات علماء کرام نے فرمایا کہ اساءت کا درجہ کراہت سے کم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ترک سنت کی وجہ سے مکروہ تحریمی

کے ارتکاب سے کم ملامت ہے۔لیکن مکروہ تنزیہی سے زیادہ ملامت ہے۔اور تلویح میں صراحت ہے کہ سنتِ مؤکدہ کا چھوڑنا حرام کے لگ بھگ ہے۔اور النہر الفائق میں ہے کہ سنت کا حکم یہ ہے کہ اس کے ترک پر ملامت کی جائے اور اس کے ترک پر کچھ گناہ بھی ہوتا ہے۔اور طحطاوی میں لکھا ہے کہ لفظ اساءت اولیٰ چیز کے ترک کرنے پر بولا جاتا ہے، گویا یہ مکروہ تنزیہی کے درجہ کی چیز ہوئی۔اور علامہ ابن نجیم نے شرح المنار میں صراحت کی ہے کہ اساءت کا لفظ کراہت سے زیادہ سخت ہے۔(شامی:۲/۱۷۰)

شارح فرماتے ہیں کہ مصنف کے بیان کے مطابق نماز کی سنتیں تیس ہیں، حالانکہ حقیقت کے اعتبار سے نماز کی سنتیں تیس سے زیادہ ہیں، جیسا کہ شارح آگے بیان کریں گے۔

سنت نمبر (۱) تکبیر تحریمہ کے لیے دونوں ہاتھوں کو اُٹھانا

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں کو (دونوں کانوں کی لَو تک) تکبیر تحریمہ کے لیے اُٹھانا سنت ہے۔اور خلاصہ نامی کتاب میں مذکور ہے کہ جو شخص تکبیر تحریمہ کے لیے ہاتھ اُٹھانے کو ترک کی عادت بنالے تو وہ گناہگار ہوگا۔اور اگر کبھی کبھی ایسا ہوجائے تو گناہگار نہ ہوگا۔تکبیر تحریمہ کے لیے دونوں ہاتھ کب اُٹھائے جائیں اس میں دو قول حضرات علماء کرام سے مروی ہے۔ ایک یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے ہاتھ اُٹھائے، پھر تکبیر تحریمہ کہے۔اور دوسرا قول یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ ساتھ ہاتھ اُٹھائے۔(شامی:۲/۱۷۰)

سنت نمبر (۲) ہاتھ کی انگلیوں کو کھلا رکھنا

نماز کی سنتوں میں سے ایک سنت یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے لیے جب ہاتھ اُٹھائے تو اس وقت ہاتھ کی انگلیوں کو کھلا رکھے، یعنی انگلیوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دے۔حلیہ میں ہے کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مصنفؒ نے نشر الاصابع سے مراد تفریج الاصابع لیا ہے۔یہ خیال غلط ہے، بلکہ مصنف کی مراد یہ ہے کہ انگلیاں بند نہ رکھی جائیں؛ بلکہ اپنی حالت پر رکھی رہیں۔نیز انگلیاں مع ہتھیلی تکبیر میں اُٹھاتے وقت قبلہ کی جانب متوجہ ہونی چاہئیں۔

سنت نمبر (۳) تکبیر تحریمہ کے وقت سر کو نہ جھکانا

اور سنن نماز میں سے ایک سنت یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کہتے وقت اپنے سر کو نہ جھکائے؛ بلکہ سر کو بالکل سیدھا رکھے، پھر تحریمہ باندھنے کے واسطے تکبیر کہے، تکبیر تحریمہ کے وقت سر کو جھکانا بدعت ہے، اسی طرح پورے قیام میں سر کو جھکانا بدعت ہے۔

سنت نمبر (۴) امام کے لیے تکبیر یعنی اللہ اکبر کو زور سے کہنا

نماز کی سنتوں میں سے چوتھی سنت یہ ہے کہ امام اللہ اکبر کو اس قدر زور سے کہے کہ جتنی آواز کی بلندی سے لوگوں کو خبردار کرنے کی ضرورت ہو۔اسی طرح ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کے لیے بھی جو تکبیر یا تسمیع ہوگی سب اس قدر بلند آواز

ہوگی کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے۔اسی طرح "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ" اور "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" کو بھی بقدر ضرورت بلند آواز سے کہنا سنت ہے۔اور طحطاوی میں ہے کہ تکبیر زیادہ زور سے پکار کر کہنا مکروہ ہے اور علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ کراہت تو اس وقت ہے جب کہ خوب زیادہ چیخے، مثلاً اس کے پیچھے ایک صف ہے اور تکبیر میں اس قدر چیخ رہا ہے کہ دسوں صف تک آواز جاسکتی ہے۔

یہاں ایک بات خوب واضح ہونا چاہئے کہ امام تکبیر تحریمہ میں صرف یہی نیت کرے کہ آواز کو مقتدیوں تک پہنچانا ہے اور مقتدیوں کو خبر دار کرنا ہے۔اور اس تکبیر سے امام اپنی نماز کے تحریمہ کی بھی نیت کرے، اگر امام نے اس تکبیر سے تحریمہ کی نیت نہ کی تو نہ امام کی نماز درست ہوگی اور نہ ہی مقتدیوں کی نماز درست ہوگی۔اسی طرح مکبّر جو امام کے پیچھے ہے اور تکبیر بلند آواز سے پکار کر دوسروں تک آواز پہنچاتا ہے اس کے لیے بھی یہی ضروری ہے، اس تکبیر سے صرف دوسروں تک آواز پہنچانے کی نیت نہ ہو؛ بلکہ اپنے لیے بھی نیت ہو، اگر مکبّر کی یہ نیت نہ ہو تو نہ اس کی نماز ہوگی اور نہ ان لوگوں کی نماز ہوگی جو مکبّر کی آواز سن کر نقل و حرکت کرتے ہیں۔اور بلا ضرورت اس طرح زور سے تکبیر کہنا مکروہ ہے۔(شامی: ۲/۱۷۱)

مقتدی اور تنہا نماز پڑھنے والا شخص تکبیر اتنی آواز سے کہے کہ وہ خود سن لے، مقتدی اور منفرد کے واسطے بلند آواز سے تکبیر کہنا مکروہ ہے۔

سنت نمبر (۵) ثناء پڑھنا

تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء یعنی سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِکَ، وَتَبَارَکَ اسْمُکَ، وَتَعَالٰی جَدُّکَ، وَلَآ اِلٰہَ غَیْرُکَ، پڑھنا مسنون ہے۔لہٰذا اگر کسی نے ثناء پڑھنا چھوڑ دیا تو اس سے نماز میں کوئی کراہت نہیں آئے گی اور نہ ہی سجدۂ سہو لازم آئے گا، لیکن مستقل طور پر چھوڑنے کی عادت بنالینا باعث گناہ ہے۔

سنت نمبر (۶) تعوّذ کہنا

ثناء پڑھنے کے بعد تعوّذ یعنی "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ" پڑھنا مسنون ہے۔اور یہ سنت صرف ان لوگوں کے حق میں ہے جن پر قرأت واجب ہے، جیسے امام اور منفرد۔رہا مقتدی تو اس پر چونکہ قرأت واجب نہیں ہے اس لیے تعوّذ بھی مسنون نہیں ہے۔

سنت نمبر (۷) تسمیہ کہنا

تعوّذ کے بعد تسمیہ یعنی "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" پڑھنا سنت ہے۔بعض علماء نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے کو واجب کہا ہے۔آنے والی فصل میں اس پر مکمل سیر حاصل بحث آئے گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

سنت نمبر (۸) سورۂ فاتحہ کے ختم پر آمین کہنا

جب سورۂ فاتحہ ختم ہو اور "وَلَا الضَّآلِّیْنَ" کہے تو اس کے بعد امام و منفرد نیز مقتدیوں کے واسطے آہستہ آواز میں آمین کہنا

سنت ہے۔

سنت نمبر (۹) مذکورہ چیزوں کا آہستہ ہونا

ثناء، تعوذ، تسمیہ اور سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنا یہ مستقل سنت ہے، لیکن مذکورہ بالا چیزوں کو آہستہ آواز سے ادا کرنا یہ ایک مستقل سنت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص آمین یا تسمیہ کو زور سے ادا کرے تو اس سے بھی سنت ادا ہو جائے گی۔

سنت نمبر (۱۰) ہاتھ کو ناف کے نیچے باندھنا

مردوں کے لیے سنت یہ ہے کہ اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر ناف کے نیچے باندھیں، اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ دونوں ہاتھ کو ناف کے نیچے باندھنا سنت ہے۔ اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ لٹکانے کی صورت میں خون انگلیوں کے پوروں میں جمع ہو جانے کا خوف باقی رہتا ہے اس لیے ارسال مسنون نہیں ہے؛ بلکہ باندھنا ہی مسنون ہے۔

سنت نمبر (۱۱) رکوع میں جانے کے لیے تکبیر کہنا

سنت نمبر (۱۲) رکوع سے اُٹھتے ہوئے اللہ اکبر کہنا

اور رکوع سے اس طرح اُٹھے کہ وہ بالکل سیدھا کھڑا ہو جائے۔

سنت نمبر (۱۳) رکوع میں تین مرتبہ تسبیح کا پڑھنا

یعنی رکوع میں کم از کم تین مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْم" پڑھنا مسنون ہے، پس اگر کسی نے رکوع میں تسبیح پڑھنی بالکل چھوڑ دی یا تسبیح تین مرتبہ سے کم پڑھی تو یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ (شامی علی ہامش در المختار: ۲/ ۱۷۳)

سنت نمبر (۱۴) دونوں ٹخنوں کو ملانا

اور رکوع کرتے ہوئے دونوں ٹخنوں کو ملانا بھی مسنون ہے اور یہ صرف مردوں کے لیے سنت ہے، بشرطیکہ کوئی شرعی عذر نہ ہو، عذر کے وقت ٹخنوں کو ملانا مسنون نہیں ہے۔

سنت نمبر (۱۵) رکوع میں دونوں گھٹنوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑنا

رکوع کرتے ہوئے دونوں گھٹنوں کو دونوں ہاتھوں سے مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھنا یہ بھی مسنون ہے۔ اور یہ بھی صرف مردوں کے حق میں سنت ہے اس لیے کہ عورتیں دونوں ہاتھ کو اپنے گھٹنوں پر رکھیں گی پکڑیں گی نہیں اور نہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے انگلیاں کشادہ رکھیں گی۔ (شامی: ۲/ ۱۷۳)

سنت نمبر (۱۶) مردوں کے انگلیاں کھلا رکھنا

مردوں کے لیے رکوع میں گھٹنا پکڑتے وقت اپنی انگلیوں کو کھلا رکھنا مسنون ہے اور انگلیوں کو کشادہ رکھنا رکوع کے سوا کہیں اور مسنون نہیں ہے اور انگلیوں کا بند رکھنا سجدے کے علاوہ کہیں اور مستحب نہیں ہے۔

سنت نمبر (۱۷): رکوع سے اُٹھنے کے بعد سجدہ میں جاتے وقت اللہ اکبر کہنا

سنت نمبر (۱۸) اسی طرح سجدہ سے سر اُٹھانا

اور سجدہ سے اس طرح اُٹھے کہ اُٹھ کر بالکل سیدھا بیٹھ جائے، اس کے بعد دوسرے سجدہ کے لیے تکبیر کہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ وَ کَـذَا التکبیر سے اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ اصل رفع سنت ہے، جیسا کہ زیلعی میں مذکور ہے، یہاں تک کہ اگر کسی نے ایک شئ پر سجدہ کیا پھر وہ شئ اسکی پیشانی کے نیچے سے نکال لی گئی اور اس نے دوسرا سجدہ زمین پر کیا تو دوسرا سجدہ بھی جائز ہے، اگر چہ سر زمین سے نہ اُٹھایا ہو۔ لیکن صاحب ہدایہ نے جس کی تصحیح کی ہے اس کے خلاف یہ بات ہے، چناں چہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اصح قول یہ ہے کہ اگر نمازی اس قدر اُٹھا کہ سجدہ سے قریب ہے تو دوسرا جائز نہ ہوگا۔ اور اگر اس قدر اُٹھا کہ بیٹھنے کے قریب ہوگیا تو دوسرا سجدہ جائز نہ ہوگا، اس لیے کہ اس صورت میں تو سجدہ سے اُٹھ کر بیٹھنے والا سمجھا جائے گا۔ (شامی: ۲/ ۱۷۳)

سنت نمبر (۱۹) سجدہ سے سر اُٹھاتے وقت اللہ اکبر کہنا

اس سے معلوم ہوا کہ سجدہ سے نفس سر اُٹھانا الگ سنت ہے۔ اور اُٹھاتے وقت تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنا الگ مستقل سنت ہے۔

سنت نمبر (۲۰) سجدے میں تین مرتبہ تسبیح کا پڑھنا

دونوں سجدوں میں کم از کم تین تین مرتبہ تسبیح یعنی "سُبحَانَ رَبِّیَ الأَعْلٰی" پڑھنا مستقل سنت ہے، لہٰذا اس سے کم پڑھنا یا بالکل نہ پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔

سنت نمبر (۲۱) سجدوں میں دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنوں کو زمین پر رکھنا

سجدہ کرتے وقت ہاتھ اور گھٹنے کو زمین پر رکھنے کے متعلق حضرات فقہاء کرام سے تین اقوال منقول ہیں۔ بعض مشائخ نے اس کی صراحت کی ہے کہ ہاتھ اور گھٹنے کو زمین پر رکھنا فرض ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ مسنون ہے۔ اور بعض علماء نے کہا کہ واجب ہے۔ لیکن محققین علماء نے وجوب کے قول کو ترجیح دی ہے، چناں چہ شیخ ابن الہمام صاحب فتح القدیر نے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ حدیث شریف سے مواظبت کا ثبوت اسی کا متقاضی ہے۔ اور صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیم المصری نے وجوب کے قول کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ قول تمام اقوال میں اعدل قول ہے، اس لیے کہ اصول کے مطابق یہی قول ہے اور

صاحب حلیہ نے اس قول کو حسن قرار دیا ہے۔ (شامی: ۲/۱۷۳)

ہمارے نزدیک ان دونوں کے رکھنے کی جگہ کا پاک ہونا ضروری نہیں ہے، جیسا کہ مجمع الانہر میں ہے، یعنی ناپاک جگہ میں ہاتھ اور گھٹنے کی صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی اس لیے کہ سجدہ کرتے وقت ہاتھ اور دونوں گھٹنوں کو زمین پر رکھنا فرض نہیں ہے؛ بلکہ سنت ہے، لہٰذا ان دونوں کو ناپاک و نجس جگہ پر رکھنا بالکل نہ رکھنے کے درجہ میں ہے، پس نجس شئی کوئی نقصان دہ نہیں ہے، اس بارے میں یہی بات زیادہ مشہور ہے، لیکن محققین علماء کا قول یہ ہے کہ ان دونوں کی جگہوں کا پاک ہونا ضروری ہے ورنہ نماز فاسد ہو جائے گی۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔ (شامی: ۲/۱۷۴)

ہاں اگر کوئی نمازی اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر سجدہ کرے گا تو اس کی جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے جیسا کہ اس کے متعلق پہلے بیان ہوا ہے کہ محل سجود کا پاک ہونا ضروری ہے۔

سنت نمبر (۲۲) مردوں کے لیے تشہد میں بائیں پاؤں کا بچھانا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مردوں کے لیے سنت یہ ہے کہ تشہد میں جب بیٹھے تو اس طرح بیٹھے کہ بائیں پاؤں کو زمین پر بچھادے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھے، خواہ قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے لیے بیٹھے، خواہ قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے لیے بیٹھے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایسا ہی ثابت ہے۔ اور تورک کے متعلق جو آپ ﷺ کا عمل منقول ہے وہ ضعف و کمزوری اور بڑھاپے کی حالت پر محمول ہے، نیز دونوں سجدوں کے درمیان بھی اسی ہیئت کے ساتھ بیٹھنا مسنون ہے۔ (شامی: ۲/۱۷۴)

سنت نمبر (۲۳) دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا

نماز کی سنتوں میں سے ایک سنت، دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ کرنا ہے۔ اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھے جس طرح تشہد پڑھتے وقت رکھا جاتا ہے، اکابر امت سے ایسا ہی توارث چلا آرہا ہے، یعنی دونوں سجدوں کے درمیان اسی ہیئت کے ساتھ بیٹھنا اکابر علماء سے منقول ہوتا چلا آرہا ہے۔

امداد الفتاح اور شرنبلالی میں ہے کہ یہ ان مسائل میں سے ہے جن سے اہل متون اور شراح حضرات نے غفلت برتی ہے اور کسی نے بھی ذکر نہیں کیا ہے۔ علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اسکی نسبت صرف منیۃ المصلی کی طرف ہے، لہٰذا اس مسئلہ میں خوب غور کرلینا چاہئے اور اس کو سمجھ لینا چاہئے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ شارح نے لفظ "فافہم" سے اس بات کی جانب اشارہ فرمایا ہے کہ چونکہ تشہد میں رانوں پر ہاتھ رکھنے کا ذکر کیا ہے اس لیے دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی حالت میں اس کا تذکرہ نہیں فرمایا ہے، چونکہ دونوں کی کیفیت ایک ہے، ہاں اگر دونوں کی کیفیت الگ الگ ہوتی تو اس کو ضرور بیان کرتے، جیسا کہ قعدۂ اخیرہ کے متعلق فقہاء نے بیان فرمایا ہے۔ (شامی: ۲/۱۷۴)

سنت نمبر (۲۴) قعدۂ اخیرہ میں رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنا

قعدۂ اخیرہ میں التحیات پڑھ لینے کے بعد رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی پر درود پڑھنا بھی مسنون ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ نے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ کا کہنا فرض کہا ہے، یعنی اتنا کہنا حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے۔ لیکن حضرات فقہاء کرام نے حضرت امام شافعیؒ کے اس قول کو شذوذ اور اجماع کی مخالفت کی طرف منسوب کیا ہے، یعنی درود کو فرض قرار دینا اجماعِ امت کے خلاف ہے اور جن روایتوں سے فرض کا ثبوت ہوتا ہے وہ شاذ ہیں۔

لیکن البحر الرائق میں مذکور ہے کہ بعض صحابۂ کرامؓ اور تابعین عظام سے ایسی روایت آئی ہے جو حضرت امام شافعیؒ کے قول کے مطابق ہے، لہٰذا شاذ کا قول کرنا صحیح نہیں ہے۔ شاذ کہنے والوں کی فہرست میں امام طحاویؒ، ابوبکر رازیؒ، ابن المنذرؒ، خطابیؒ، بغویؒ اور ابن جریر طبریؒ وغیرہ ہیں۔

سنت نمبر (۲۵) دعائے ماثورہ درود کے بعد پڑھنا

نماز کی سنتوں میں سے ایک سنت درود شریف کے بعد دعائے ماثورہ پڑھنا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ سے ایسی چیز کے متعلق سوال کرنا جس کا بندوں سے سوال کرنا محال ہو، جیسے مغفرت کا طلب کرنا، جنت کا سوال کرنا، جہنم سے پناہ مانگنا وغیرہ وہ چیزیں ہیں جن کا بندوں سے سوال کرنا محال ہے۔

سنت نمبر (۲۶) تمام تکبیراتِ انتقالات

تمام تکبیراتِ انتقالات مسنون ہیں، یعنی وہ تکبیریں جو ایک رکن سے دوسرے رُکن کی جانب منتقل ہونے کے لیے کہی جاتی ہیں وہ سب مسنون ہیں، حتیٰ کہ ایک قول کے مطابق ان میں وہ تکبیر بھی داخل ہے جو دعائے قنوت سے پہلے کہی جاتی ہے (لیکن تکبیرِ قنوت اصح قول کے مطابق واجب ہے اور مسنون والا قول ضعیف ہے)۔

سنت نمبر (۲۷) رکوع سے اُٹھتے وقت امام کے لیے سمع اللہ لمن حمدہ کہنا

یعنی امام کے واسطے سنت یہ ہے کہ رکوع سے اُٹھتے وقت صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہے۔ لیکن حضرات صاحبینؒ کا قول یہ ہے کہ امام "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" اور "رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ" دونوں کہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت یہی منقول ہے۔ اور علامہ شرنبلالی نے اسی پر جزم کیا ہے۔ (شامی: ۲/۱۷۵)

سنت نمبر (۲۸) غیر امام کے لیے رکوع سے اُٹھتے وقت تحمید کہنا

امام کے علاوہ مقتدی اور منفرد کے لیے رکوع سے اُٹھتے وقت "سمع اللہ لمن حمدہ" کی جگہ "ربنا لک الحمد" کہنا

مسنون ہے، لیکن یہ بات آگے آئے گی کہ منفرد شخص "سمع اللہ لمن حمدہ" اور "ربنا لک الحمد" دونوں جمع کرے گا۔ (شامی: ۲/۱۷۵)

سنت نمبر (۲۹) سلام پھیرتے وقت منھ کو دائیں اور بائیں جانب موڑنا

جب قعدۂ اخیرہ میں التحیات ودرود اور دعائے ماثورہ پڑھ لے تو سلام پھیرے اور اس میں منہ کو دائیں اور بائیں جانب پھیرنا مسنون ہے اور یہ بھی مسنون ہے کہ پہلے دائیں طرف منھ پھیرے پھر بائیں طرف منھ پھیرے۔

سنت نمبر (۳۰) سلام میں مردوں اور جناتوں کی نیت کرنا

یعنی یہ بھی مسنون ہے کہ سلام پھیرتے وقت امام، مردوں نگرانی کے لیے جو فرشتے متعین ہیں ان کو اور تمام صالح جناتوں کی بھی نیت کرے۔

سنت نمبر (۳۱) دوسرے سلام کی آواز پہلے سلام سے پست ہو

یعنی جب دائیں طرف سلام پھیرے تو کچھ زیادہ بلند آواز سے سلام پھیرے اور بائیں طرف جب سلام پھیرے تو اس سے کچھ ہلکی آواز کرے۔

سنت نمبر (۳۲) مقتدی کا سلام امام کے سلام سے متصل ہونا

سنت نمبر (۳۳) امام کے دونوں طرف سلام پھیرنے کا مسبوق کے لیے انتظار کرنا

صاحب نور الایضاح نے نماز کی اکیاون سنتیں شمار کرائی ہیں، لیکن المعنوی میں ان میں سے بعض کو مستحبات میں شمار کیا ہے۔ (شامی: ۲/۱۷۵)

وَلَهَا آدَابٌ

آدابِ نماز کا بیان

یہاں سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ نماز کے آداب کو بیان فرما رہے ہیں۔

آداب: أدب کی جمع ہے۔ اور نماز کے اندر ادب اس شئی کو کہا جاتا ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے بغیر مواظبت کے کبھی کبھار ادا فرمایا ہو، جیسے کہ رکوع اور سجدے کی تسبیحات کو تین مرتبہ سے زیادہ ادا کرنا۔ (شامی: ۲/۱۷۵)

نماز میں آداب کو چھوڑ دینا نہ مکروہ تنزیہی کا موجب ہوتا ہے اور نہ ہی اس پر عتاب ہوتا ہے جیسے کہ سنن زوائد کا چھوڑنا، نہ کراہت کا سبب ہے اور نہ ہی عتاب کا موجب ہے۔ البتہ نماز کو اس کے آداب کی رعایت کرکے ادا کرنا افضل ہے، ان کی رعایت

سے نماز میں حسن پیدا ہو جاتا ہے اور نماز کے ثواب میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

قیام، رکوع اور سجدہ کی حالت میں نگاہ کہاں ہونی چاہئے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ کھڑے ہونے کی حالت میں نگاہ اپنے سجدے کی جگہ میں ہو۔ اور رکوع کی حالت میں نگاہ اپنے دونوں قدم کی پشت پر ہو۔ اور سجدہ کی حالت میں نگاہ اپنی ناک کی نوک کی طرف ہو۔ اور قعدہ کی حالت میں نگاہ اپنی گود پر ہو۔ اور ایک جانب سلام پھیرتے وقت نگاہ اپنے دائیں مونڈھے پر ہو اور دوسری جانب سلام پھیرتے وقت نگاہ بائیں مونڈھے پر ہو۔ یہ تمام کے تمام آداب و مستحبات نماز میں خشوع وخضوع پیدا کرنے کے واسطے بیان کئے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر مذکورہ جگہوں پر کوئی ایسی چیز ہو جس کے دیکھنے سے یکسوئی باقی نہیں رہتی ہے اور خشوع وخضوع ختم ہو جاتا ہے تو پھر ان جگہوں کی جانب دیکھنا مستحب نہ ہوگا، اس لیے کہ اصل مقصد فوت ہو رہا ہے۔ (شامی: ۲/۱۷۶)

نماز میں جمائی آئے تو کیا کرے؟

نماز میں جمائی آنے کے وقت اپنے منہ کو بند کرنا مستحب ہے، اگرچہ اپنے دانت سے اپنے ہونٹ کو پکڑ کر ہی کیوں نہ ہو۔ اگر منہ بند کرنے پر قدرت نہ رہے اور جمائی کی وجہ سے منہ کھل ہی جائے تو اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت کو منہ پر رکھ لے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ اگر جمائی قیام کی حالت میں آئے تو دائیں ہاتھ سے منہ کو چھپائے ورنہ پھر بائیں ہاتھ سے چھپائے، جیسا کہ مجتبیٰ نامی کتاب میں ہے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ قیام کی حالت میں اگر جمائی آجائے تو دائیں ہاتھ سے چھپانے کا حکم اس لیے ہے کہ قیام کی حالت میں نمازی اپنے دائیں ہاتھ کو اوپر اور بائیں ہاتھ کو نیچے باندھ کر کھڑا ہوتا ہے لہٰذا چونکہ دایاں ہاتھ اوپر ہوتا ہے اس سے چھپانے میں سہولت ہے اور صرف ایک ہاتھ کی حرکت ہوتی ہے اور بایاں ہاتھ چونکہ نیچے ہوتا ہے اس سے چھپانے میں دونوں ہاتھ کی حرکت ہوگی۔ (شامی: ۲/۱۷۶)

یا بوقت جمائی اپنے منہ کو آستین سے چھپائے اس لیے کہ بلاضرورت منہ کو چھپانا نماز میں مکروہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جمائی آتے وقت پہلے یہ کوشش کرے کہ منہ نہ کھلے اور دانت سے ہونٹ کو پکڑ کر جمائی کو روکے، منہ کھلنے نہ دے۔ اور اگر بدرجۂ مجبوری منہ کھل ہی جائے تو پھر ہاتھ سے یا آستین سے منہ کو چھپائے۔ (شامی: ۲/۱۷۶)

خلاصہ میں ہے کہ اگر کسی نے دانت سے دونوں ہونٹوں کو پکڑ کر جمائی روکنے کی قدرت کے باوجود ہاتھ سے یا اپنے کپڑے سے منہ کو چھپایا تو مکروہ ہے، اسی طرح حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے بھی مروی ہے۔

جمائی دفع کرنے کا مجرب علاج

بعض علماء نے فرمایا کہ اگر جمائی آنے لگے تو دل میں یہ تصور کرے اور خیال لائے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ

والسلام کو جمائی نہیں آتی تھی، تو اس سے جمائی رُک جائے گی۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بارہا اس کا تجربہ کیا ہے اور اسی طرح سچ پایا ہے۔ واللہ اعلم (شامی: ۲/۱۷۶)

تکبیر تحریمہ کہتے وقت دونوں ہاتھوں کو آستین سے نکالنا

جب تکبیر تحریمہ کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو اس وقت مردوں کے لیے مستحب یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو آستین سے باہر نکالے۔ ہاں اگر کوئی ضرورت ہو جس کی وجہ سے آستین سے باہر ہاتھ نکالنے میں دشواری ہو تو پھر نہ نکالنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، جیسے سخت سردی ہو تو آستین سے ہاتھ باہر نکالنا مستحب نہیں ہے۔

حتی الامکان کھانسی کو دور کرنا

آدابِ نماز میں سے ایک ادب یہ ہے کہ حتی الامکان کھانسی کو دبائے اس لیے کہ بلاضرورت کھانسنا نماز کے لیے مفسد ہے، لہٰذا حتی المقدور اس سے بچنا اور کھانسی کو دبانا مستحب ہے، خواہ مخواہ نہ کھانسے۔ ہاں اگر کوئی شخص تحسین صوت کے لیے یا یہ بتلانے کی لیے کہ وہ نماز میں ہے کھانسے تو مفسد نماز نہیں ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل باب "مایفسد الصلوٰۃ" میں آئے گی۔

حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا

اور جب مکبّر تکبیر کہتے ہوئے "حی علی الفلاح" پر پہنچے تو امام اور مقتدی کے لیے مستحب یہ ہے کہ اگر وہ بیٹھا ہے تو کھڑا ہو جائے۔ اس میں حضرت امام زفرؒ کا اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ امام ومقتدی "حی علی الصلوٰۃ" پر کھڑے ہوں جیسا کہ ابن کمال نے کہا ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ حضرت امام زفر کا یہ مذہب نقل کرنا صحیح نہیں ہے اور ابن کمال کی عبارت کے موافق بھی نہیں ہے۔

اور "حی علی الفلاح" پر امام اور مقتدی کے لیے کھڑا ہونا اس وقت مستحب ہے جب امام محراب کے قریب ہو اور اگر امام محراب سے دور یا صفوں کے بیچ میں ہو تو امام جس صف کے پاس پہنچے اس صف والوں کو کھڑے ہو جانا چاہئے، ظاہر قول یہی ہے۔ اور اگر امام صاحب آگے کی جانب سے آرہا ہو تو جس وقت لوگوں کی نظر امام صاحب پر پڑے اس وقت کھڑے ہو جانا چاہئے (اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جہاں یہ رواج ہے کہ امام آگے سے موجود رہتا ہے اور مقتدی حضرات بھی اپنی جگہ بیٹھے رہتے ہیں اور تکبیر ہوتی رہتی ہے اور جب مکبّر حی علی الفلاح پر پہنچتا ہے تب لوگ کھڑے ہوتے ہیں درست نہیں ہے)۔ (کشف الاسرار/۱/۳۶۵)

اگر امام خود تکبیر کہے تو کیا حکم ہے؟

ہاں اگر امام کسی مسجد میں بذاتِ خود تکبیر کہے تو مقتدی حضرات اس وقت تک کھڑے نہ ہوں جب تک امام تکبیر کہہ کر فارغ نہ ہو جائے۔ یہ مسئلہ فتاویٰ ظہیریہ میں مذکور ہے۔ اور اگر امام مسجد سے باہر ہو تو ہر صف والے اس وقت کھڑے ہوں جب امام اس

تک پہنچے، جیسا کہ البحر الرائق میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔

"قَدقامت الصلوٰۃ" کے وقت نماز شروع کرنا

مستحب یہ ہے کہ امام اس وقت نماز شروع کرے جب مکبّر قدقامت الصلوٰۃ کہے۔ اور اگر امام نماز کو شروع کرنے میں تاخیر کرے حتی کہ مکبّر تکبیر کہہ کر فارغ ہوگیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور ایسا کرنا بالاجماع درست ہے۔ اور تاخیر والا قول حضرت امام ابو یوسفؒ اور ائمہ ثلاثہ کا قول ہے۔ اور یہ تمام مذاہب میں زیادہ معتدل قول ہے، جیسا کہ شرح مجمع میں اس کے مصنف نے ذکر کیا ہے۔ اور قہستانی میں خلاصہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ قول تمام قولوں میں زیادہ صحیح ہے۔

مسئلہ: اگر کسی شخص کو نماز کے فرائض وواجبات اور سنن کا علم نہ ہو، یعنی یہ نہ جانتا ہو کہ نماز میں کتنے فرائض ہیں، کتنے واجبات ہیں اور کتنی سنتیں ہیں لیکن وہ نماز ادا کرتا ہے تو اس کی نماز درست ہوجائے گی، جیسا کہ قنیہ نامی کتاب میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔

سنن نماز کا اجمالی بیان

نماز کے اندر صاحب نورالایضاح کے بیان کرنے کے مطابق اکیاون (۵۱) سنتیں ہیں، جو اجمالی طور پر یہاں سپرد قلم کردی جاتی ہیں تا کہ ایک نظر میں تمام سنتیں سامنے آجائیں۔

۱- تکبیر تحریمہ کہتے وقت سر کو نہ جھکانا۔

۲- تکبیر تحریمہ کے واسطے مردوں کے لیے دونوں ہاتھوں کو کانوں کے برابر تک اُٹھانا اور عورتوں کے لیے دونوں شانوں تک اُٹھانا۔

۳- تکبیر تحریمہ کہتے وقت اُٹھے ہوئے ہاتھ کی ہتھیلیوں اور انگلیوں کو قبلہ کی جانب کرنا۔

۴- تکبیر تحریمہ کے لیے ہاتھ اُٹھاتے وقت انگلیوں کو کشادہ رکھنا، یعنی اپنی حالت پر رکھنا۔

۵- مقتدی کا تحریمہ امام کے تحریمہ سے متصل ہونا۔

۶- تکبیر تحریمہ کے بعد فوراً ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھ لینا اور عورت ہو تو دونوں ہاتھ کو سینے پر باندھ لینا۔

۷- مردوں کو اس طرح ہاتھ باندھنا کہ داہنی ہتھیلی بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھے اور داہنے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں کلائی کو پکڑ لیں۔

۸- ہاتھ باندھنے کے بعد فوراً ثناء پڑھنا۔

۹- امام اور منفرد کو ثناء کے بعد اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھنا۔

۱۰- ہر رکعت کے شروع میں الحمدللہ سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا۔

۱۱- امام، منفرد کو سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنا۔ اور اگر قرأت جہری ہو تو سب کو آمین کہنا۔

۱۲- آمین آہستہ آواز سے کہنا۔

۱۳- قیام کی حالت میں دونوں پاؤں کے درمیان چار انگل کا فاصلہ رکھنا۔

۱۴- فجر، ظہر میں طوالِ مفصل، عصر عشاء میں اوساطِ مفصل۔ اور مغرب کی نماز میں قصارِ مفصل کی سورتوں کو پڑھنا۔

۱۵- فجر کی پہلی رکعت میں دوسری رکعت کے مقابلہ میں زیادہ لمبی سورۃ پڑھنا۔

۱۶- رکوع میں جاتے وقت اللہ اکبر کہنا۔

۱۷- مردوں کو رکوع میں گھٹنوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑنا اور عورتوں کو صرف گھٹنوں پر ہاتھ رکھ لینا۔

۱۸- مردوں کو انگلیوں کو کشادہ کر کے اور عورتوں کو انگلیاں ملا کر گھٹنوں پر رکھنا۔

۱۹- رکوع کی حالت میں پنڈلیوں کا سیدھا رکھنا۔

۲۰- مردوں کو رکوع کی حالت میں اچھی طرح جھک جانا کہ پیٹھ اور سرین سب برابر ہو جائیں۔ اور عورتوں کو اس قدر جھکنا کہ ہاتھ گھٹنے تک پہنچ جائیں۔

۲۱- رکوع میں کم از کم تین مرتبہ سبحان ربی العظیم کہنا۔

۲۲- قومہ میں امام کو صرف سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہنا اور مقتدی کو رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہنا۔

۲۳- سجدہ میں جاتے وقت اللہ اکبر کہنا۔

۲۴- سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنوں کو زمین پر رکھنا، پھر ہاتھوں کو پھر ناک، پھر پیشانی کو۔ اور اُٹھتے وقت اس کے برعکس کرنا۔

۲۵- سجدہ کی حالت میں منہ کو دونوں ہاتھوں کے درمیان میں رکھنا۔

۲۶- سجدہ کی حالت میں مردوں کو اپنے پیٹ کا زانوں سے اور کہنیوں کا پہلو سے علیحدہ رکھنا اور ہاتھ کی باہوں کا زمین سے اُٹھا ہوا رکھنا۔

۲۷- سجدہ کی حالت میں دونوں ہاتھ کی انگلیوں کو ملا ہوا رکھنا۔

۲۸- سجدہ کی حالت میں دونوں پیروں کی انگلیوں کو قبلہ کی جانب رُخ کر کے رکھنا۔

۲۹- سجدہ کی حالت میں دونوں زانوؤں کا ملا ہوا رکھنا۔

۳۰- سجدہ میں کم از کم تین مرتبہ سبحان ربی الأعلیٰ کہنا۔

۳۱- سجدے سے تکبیر کہتے ہوئے سر کو زمین سے اُٹھانا۔

۳۲- دونوں سجدوں کے درمیان اسی خاص کیفیت کے ساتھ بیٹھنا جس کیفیت کے ساتھ قعدۂ اولیٰ اور ثانیہ میں بیٹھا جاتا ہے۔

۳۳- قعدہ میں مرد کو اس طرح بیٹھنا کہ داہنا پیر انگلیوں کے بل کھڑا ہو اور اس کی انگلیاں قبلہ کی طرف ہوں اور بایاں پاؤں زمین

پر بچھا ہوا ہو۔

۳۴- التحیات میں "لا الٰہ" کہتے وقت سبابہ انگلی کو اُٹھانا اور "الا اللہ" کہتے وقت رکھ دینا۔

۳۵- فرض کی پہلی دو رکعتوں کے بعد ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا۔

۳۶- قعدۂ اخیرہ میں التحیات کے بعد درود شریف پڑھنا۔

۳۷- درود شریف کے بعد دعاء ماثورہ جو حدیث شریف سے ثابت ہے، اس کو پڑھنا۔

۳۸- السلام علیکم کہتے وقت داہنے اور بائیں طرف منہ پھیرنا۔

۳۹- پہلے داہنی طرف سلام پھیرنا پھر بائیں طرف سلام پھیرنا۔

۴۰- امام کو بلند آواز سے سلام پھیرنا۔

۴۱- دوسرے سلام کی آواز کو پہلے سلام کے مقابلہ میں کچھ پست رکھنا۔

۴۲- امام کو اپنے سلام میں تمام مقتدیوں کی نیت کرنا، خواہ مرد ہوں یا عورت۔

۴۳- قومہ میں "ربنالک الحمد" کو آہستہ پڑھنا۔

۴۴- امام کا دونوں طرف سلام پھیرنے کا مسبوق کے لیے انتظار کرنا۔

۴۵- عورتوں کو قعدہ میں تورک کرنا، یعنی دونوں پاؤں داہنی جانب نکال کر بیٹھنا۔

۴۶- سجدہ میں عورتوں کو پیٹ کو زانوؤں سے اور کہنیوں کو پہلوؤں سے ملائے رکھنا اور باہوں کو زمین پر بچھا دینا۔

۴۷- امام کے لیے تکبیر کو بلند آواز سے کہنا۔

۴۸- نیت باندھتے وقت عورتوں کے لیے بغیر حلقہ بنائے سینہ پر ہاتھ رکھنا۔

۴۹- رکوع میں پیٹھ کو بالکل برابر رکھنا۔

۵۰- رکوع سے اُٹھنا۔

۵۱- اور رکوع سے اُٹھنے کے بعد اطمینان کے ساتھ کھڑا ہو جانا۔ (نور الایضاح، ص: ۱۷)

آدابِ نماز ایک نظر میں

۱- تکبیر تحریمہ کہتے وقت آستین سے ہاتھ باہر نکالنا، بشرطیکہ کوئی عذر مانع نہ ہو۔

۲- کھڑے ہونے کی حالت میں نظر سجدے کی جگہ میں، رکوع کی حالت میں قدم پر، سجدہ کی حالت میں ناک پر، قعود کی حالت میں گود پر، اور سلام کی حالت میں شانوں پر رکھنا۔

۳- جہاں تک ممکن ہو سکے کھانسی کو دفع کرنا۔
۴- اگر جمائی آ ہی جائے تو حالت قیام میں داہنے ہاتھ کی پشت کو ورنہ بائیں ہاتھ کی پشت کو منہ پر رکھ لینا۔
۵- قَدْقَامَتِ الصَّلٰوۃ کے بعد فوراً امام کے لیے نماز شروع کر دینا۔
۶- قعدۂ اولیٰ اور اخیرہ میں وہی خاص تشہد پڑھنا جو عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔
۷- اور دعائے قنوت میں خاص دعاء کو پڑھنا یعنی اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ الخ کو پڑھنا۔
۸- حیَّ عَلَی الْفَلَاح پر کھڑا ہو جانا۔ (نور الایضاح، ص: ۷۳)

فَصْلٌ (وَإِذَا أَرَادَ الشُّرُوعَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ) لَوْ قَادِرًا (لِلِافْتِتَاحِ) أَيْ قَالَ وُجُوبًا اللّٰهُ أَكْبَرُ وَلَا يَصِيرُ شَارِعًا بِالْمُبْتَدَإِ فَقَطْ (كَاللّٰهُ) وَلَا (بِأَكْبَرُ) فَقَطْ هُوَ الْمُخْتَارُ، فَلَوْ قَالَ اللّٰهُ مَعَ الْإِمَامِ وَأَكْبَرُ قَبْلَهُ أَوْ أَدْرَكَ الْإِمَامَ رَاكِعًا فَقَالَ اللّٰهُ قَائِمًا وَأَكْبَرُ رَاكِعًا لَمْ يَصِحَّ فِي الْأَصَحِّ؛ كَمَا لَوْ فَرَغَ مِنْ قَبْلَ الْإِمَامِ؛ وَلَوْ ذَكَرَ الِاسْمَ بِلَا صِفَةٍ صَحَّ عِنْدَ الْإِمَامِ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ (بِالْحَذْفِ) إِذْ مَدُّ أَحَدِ الْهَمْزَتَيْنِ مُفْسِدٌ، وَتَعَمُّدُهُ كُفْرٌ وَكَذَا الْبَاءُ فِي الْأَصَحِّ. وَيُشْتَرَطُ كَوْنُهُ (قَائِمًا) فَلَوْ وَجَدَ الْإِمَامَ رَاكِعًا فَكَبَّرَ مُنْحَنِيًا، إِنْ إِلَى الْقِيَامِ أَقْرَبُ صَحَّ وَلَغَتْ نِيَّةُ تَكْبِيرَةِ الرُّكُوعِ.. [فُرُوعٌ] كَبَّرَ غَيْرَ عَالِمٍ بِتَكْبِيرِ إِمَامِهِ، إِنْ أَكْبَرُ رَأْيِهِ أَنَّهُ كَبَّرَ قَبْلَهُ لَمْ يُجْزِ وَإِلَّا جَازَ مُحِيطٌ، وَلَوْ أَرَادَ بِتَكْبِيرِهِ التَّعَجُّبَ أَوْ مُتَابَعَةَ الْمُؤَذِّنِ لَمْ يَصِرْ شَارِعًا، وَيَجْزِمُ الرَّاءَ لِقَوْلِهِ - ﷺ - «الْأَذَانُ جَزْمٌ، وَالْإِقَامَةُ جَزْمٌ، وَالتَّكْبِيرُ جَزْمٌ» مِنَحٌ وَمَرَّ فِي الْأَذَانِ (وَ) إِنَّمَا (يَصِيرُ شَارِعًا بِالنِّيَّةِ عِنْدَ التَّكْبِيرِ لَا بِهِ) وَحْدَهُ وَلَا بِهَا وَحْدَهَا بَلْ بِهِمَا (وَلَا يَلْزَمُ الْعَاجِزَ عَنِ النُّطْقِ) كَأَخْرَسَ وَأُمِّيٍّ (تَحْرِيكُ لِسَانِهِ) وَكَذَا فِي حَقِّ الْقِرَاءَةِ هُوَ الصَّحِيحُ لِتَعَذُّرِ الْوَاجِبِ، فَلَا يَلْزَمُ غَيْرُهُ إِلَّا بِدَلِيلٍ فَتَكْفِي النِّيَّةُ، لَكِنْ يَنْبَغِي أَنْ يُشْتَرَطَ فِيهَا الْقِيَامُ وَعَدَمُ تَقْدِيمِهَا لِقِيَامِهَا مَقَامَ التَّحْرِيمَةِ وَلَمْ أَرَهُ. ثُمَّ فِي الْأَشْبَاهِ فِي قَاعِدَةِ التَّابِعِ تَابِعٌ فَالْمُفْتَى بِهِ لُزُومُهُ فِي تَكْبِيرِهِ وَتَلْبِيَةٍ لَا قِرَاءَةٍ (وَرَفَعَ يَدَيْهِ) قَبْلَ التَّكْبِيرِ، وَقِيلَ مَعَهُ (مَاسًّا بِإِبْهَامَيْهِ شَحْمَتَيْ أُذُنَيْهِ) هُوَ الْمُرَادُ بِالْمُحَاذَاةِ لِأَنَّهَا لَا تُتَيَقَّنُ إِلَّا بِذَلِكَ، وَيَسْتَقْبِلُ بِكَفَّيْهِ الْقِبْلَةَ، وَقِيلَ خَدَّيْهِ (وَالْمَرْأَةُ) وَلَوْ أَمَةً كَمَا فِي الْبَحْرِ لَكِنْ فِي النَّهْرِ عَنِ السِّرَاجِ أَنَّهَا هُنَا كَالرَّجُلِ وَفِي غَيْرِهِ كَالْحُرَّةِ (تَرْفَعُ) بِحَيْثُ يَكُونُ رُءُوسُ أَصَابِعِهَا (حِذَاءَ مَنْكِبَيْهَا) وَقِيلَ كَالرَّجُلِ (وَصَحَّ شُرُوعُهُ) أَيْضًا مَعَ كَرَاهَةِ التَّحْرِيمِ (بِتَسْبِيحٍ وَتَهْلِيلٍ) وَتَحْمِيدٍ وَسَائِرِ كَلِمِ التَّعْظِيمِ الْخَالِصَةِ لَهُ تَعَالَى وَلَوْ مُشْتَرَكَةً كَرَحِيمٍ وَكَرِيمٍ فِي الْأَصَحِّ، وَخَصَّهُ الثَّانِي بِأَكْبَرُ وَكَبِيرٌ مُنَكَّرًا

وَمُعَرَّفًا. زَادَ فِي الْخُلَاصَةِ وَالْكِبَارُ مُخَفَّفًا وَمُثَقَّلًا (كَمَا صَحَّ لَوْ شَرَعَ بِغَيْرِ عَرَبِيَّةٍ) أَيَّ لِسَانٍ كَانَ، وَخَصَّهُ الْبَرْذَعِيُّ بِالْفَارِسِيَّةِ لِمَزِيَّتِهَا بِحَدِيثِ «لِسَانُ أَهْلِ الْجَنَّةِ الْعَرَبِيَّةُ وَالْفَارِسِيَّةُ الدَّرِّيَّةُ» بِتَشْدِيدِ الرَّاءِ قُهُسْتَانِيٌّ وَشَرَطَا عَجْزَهُ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْخُطْبَةُ وَجَمِيعُ أَذْكَارِ الصَّلَاةِ. وَأَمَّا مَا ذَكَرَهُ بِقَوْلِهِ(أَوْ آمَنَ أَوْ لَبَّى أَوْسَلَّمَ أَوْ سَمَّى عِنْدَ ذَبْحٍ)أَوْ شَهِدَ عِنْدَ حَاكِمٍ أَوْ رَدَّ سَلَامًا وَلَمْ أَرَلَوْشَمَّتَ عَاطِسًا (أَوْ قَرَأَ بِهَا عَاجِزًا) فَجَائِزٌ إِجْمَاعًا، قَيَّدَ الْقِرَاءَةَ بِالْعَجْزِ لِأَنَّ الْأَصَحَّ رُجُوعُهُ إِلَى قَوْلِهِمَا وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى. قُلْتُ: وَجَعْلُ الْعَيْنِيِّ الشُّرُوعَ كَالْقِرَاءَةِ لَا سَلَفَ لَهُ فِيهِ وَلَا سَنَدَ لَهُ يُقَوِّيهِ، بَلْ جَعَلَهُ فِي التَّاتَارْخَانِيَّةِ كَالتَّلْبِيَةِ يَجُوزُ اتِّفَاقًا، فَظَاهِرُهُ كَالْمَتْنِ رُجُوعُهُمَا إِلَيْهِ لَا هُوَ إِلَيْهِمَا فَاحْفَظْهُ، فَقَدْ اشْتَبَهَ عَلَى كَثِيرٍ مِنَ الْقَاصِرِينَ حَتَّى الشُّرُنْبُلَالِيُّ فِي كُلِّ كُتُبِهِ فَتَنَبَّهْ (لَا)يَصِحُّ(إِنْ أَذَّنَ بِهَاعَلَى الْأَصَحِّ) وَإِنْ عَلِمَ أَنَّهُ أَذَانٌ ذَكَرَهُ الْحَدَّادِيُّ، وَاعْتَبَرَ الزَّيْلَعِيُّ التَّعَارُفَ.

[فُرُوعٌ] قَرَأَ بِالْفَارِسِيَّةِ أَوِ التَّوْرَاةِ أَوِ الْإِنْجِيلِ، إِنْ قِصَّةً تُفْسِدُ، وَإِنْ ذِكْرًا لَا، وَأَلْحَقَ بِهِ فِي الْبَحْرِ الشَّاذَّ،لَكِنْ فِي النَّهْرِ: الْأَوْجَهُ أَنَّهُ لَا يُفْسِدُ وَلَا يُجْزِئُ كَالتَّهَجِّي. وَتَجُوزُ كِتَابَةُ آيَةٍ أَوْ آيَتَيْنِ بِالْفَارِسِيَّةِ لَا أَكْثَرَ،وَيُكْرَهُ كَتْبُ تَفْسِيرِهِ تَحْتَهُ بِهَا (وَلَوْ شَرَعَ) بِمَشُوبٍ بِحَاجَتِهِ كَتَعَوُّذٍ وَبَسْمَلَةٍ وَحَوْقَلَةٍ وَ(اللَّهُمَّ اغْفِرْلِي أَوْ ذَكَرَهَا عِنْدَ الذَّبْحِ لَمْ يَجُزْ، بِخِلَافِ اللَّهُمَّ) فَقَطْ فَإِنَّهُ يَجُوزُ فِيهِمَا فِي الْأَصَحِّ كَيَا اللّٰهُ.

نماز ادا کرنے کا مسنون طریقہ

اس فصل میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے نماز کا مسنون طریقہ بیان فرمایا ہے، یعنی نماز ادا کرنے کا سنت طریقہ کیا ہے؟ رسول اکرم ﷺ، حضرات صحابہ کرام اور سلف صالحین سے نماز ادا کرنے کا کیا طریقہ متوارث طور پر چلا آ رہا ہے، اسی کو اس فصل میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

نماز شروع کرنے کا طریقہ

چناں چہ حضرت مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب نمازی اپنی نماز شروع کرنا چاہے تو اگر قدرت ہو تو نماز کا افتتاح اللہ اکبر سے کرے۔ اور نماز کا لفظ اللہ اکبر سے شروع کرنا واجب ہے۔ قدرت کی قید لگا کر حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے یہ بتا دیا کہ اگر کسی کو لفظ اللہ اکبر کہنے پر قدرت نہیں ہے بلکہ عاجز ہے تو اس کے لیے یہ حکم نہیں ہے۔ اور لفظ ''وُجوباً'' کا اضافہ فرما کر اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ اکبر کی جگہ اللہ کبیر، اللہ الاکبر، یا اللہ الکبیر کے ذریعہ نماز شروع کیا تو اس سے

واجب ادا نہ ہوگا۔ تحفہ میں ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک لفظ اکبر کے علاوہ دوسرے الفاظ سے نماز شروع کرنے سے نماز تو شروع ہو جائے گی لیکن اللہ اکبر کے علاوہ کے ساتھ نماز شروع کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح ذخیرہ اور نہایہ وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔ (شامی: ۲/۱۷۸)

صرف ''اللہ'' یا صرف ''اکبر'' سے نماز شروع کرنا

اگر کوئی شخص صرف اللہ کہے، اور اکبر نہ کہے، یا صرف اکبر کہے اور اللہ نہ کہے تو مختار قول کے مطابق وہ نماز شروع کرنے والا نہ ہوگا (علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت امام محمدؒ کا یہی قول ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے ظاہر الروایہ بھی یہی منقول ہے۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کا بھی یہی قول ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا)۔ (شامی: ۲/۱۷۸)

مسئلہ: اگر کسی شخص نے لفظ ''اللہ'' امام کے ساتھ کہا اور ''اکبر'' امام سے پہلے کہہ دیا، یا کسی نے امام کو رکوع کی حالت میں پایا اس نے جلدی سے لفظ ''اللہ'' قیام کی حالت میں کہا، لیکن لفظ ''اکبر'' رکوع کی حالت میں کہا، تو اصح قول کے مطابق ان دونوں صورتوں میں اس کی اقتداء درست نہ ہوگی، جس طرح اس شخص کی اقتداء درست نہیں ہوتی ہے جس نے امام کے لفظ ''اللہ'' کہنے سے پہلے ''اللہ'' کہہ لیا (اس لیے کہ جب تک امام پورا جملہ ''اللہ اکبر'' نہ کہہ لے گا نماز کا شروع کرنے والا نہ ہوگا۔ اور دوسری صورت میں اقتداء اس لیے درست نہ ہوگی کہ مقتدی نے اللہ اکبر قیام کی حالت میں نہیں کہا، بلکہ صرف لفظ اللہ کہا اور اکبر رکوع میں جا کر کہا۔ اور جب ان دونوں صورتوں میں اس کی اقتداء درست نہ ہوگی تو تنہا بھی نماز شروع کرنے والا نہ ہوگا)۔

اور اگر کسی نے صرف لفظ ''اللہ'' کو ذکر کیا اور اس کی صفت ''اکبر'' کو ذکر نہیں کیا، صرف لفظ ''اللہ'' سے نماز شروع کر دی تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے، مگر حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ صحیح نہیں ہے۔ اور اللہ اکبر کو اس طرح کہنا واجب ہے کہ اللہ اور اکبر دونوں کے ہمزوں کو حذف کر کے ادا کرے یعنی اس کو کھینچ کر کے نہ کہے، اس لیے کہ ان دو ہمزوں میں سے کسی ایک کو بھی کھینچ کر ادا کرنا نماز کو فاسد کرنے والا ہے، بشرطیکہ ایسا عدم علم اور نادانستگی کی بنیاد پر کیا ہو اور جان بوجھ کر اللہ اکبر کے دونوں ہمزوں کو کھینچ کر ادا کرنا کفر ہے۔ اسی طرح لفظ ''اکبر'' کی باء کو بھی کھینچ کر ''اکبار'' پڑھنا بھی مفسد نماز ہے، یہی اس باب میں صحیح قول ہے۔ (چناں چہ شرح منیۃ المصلی میں اسی قول کی تصحیح کی گئی ہے)۔ (شامی: ۲/۱۷۹)

علامہ شامیؒ کی بات

حضرت علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ ''اللہ'' میں ہمزہ بڑھانے کی امکانی تین صورتیں ہیں: (۱) ہمزہ کا اضافہ اللہ کے شروع میں ہو، جیسے: آللہ۔ (۲) ہمزہ مد کا اضافہ لفظ کے بیچ میں ہو، جیسے: اللاہ۔ (۳) مد کا اضافہ لفظ اللہ کے اخیر میں ہو، جیسے: اللّٰھی، یا اللّٰھو، چناں چہ ہمزہ مد کا اضافہ اللہ کے شروع میں ہے، تو اس صورت میں نماز شروع کرنے والا شمار نہ ہوگا۔

اور اگر نماز کے درمیان میں یہ صورت پیش آجائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر عدم علم کی وجہ ایسی غلطی کی تو اس کی وجہ سے اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

اور اگر ہمزہ مد کا اضافہ لفظ اللہ کے بیچ میں ہو تو اگر اس قدر مبالغہ کر کے پڑھ دیا کہ الف اور ھاء کے درمیان دوسرا لفظ پیدا ہو گیا تو یہ مکروہ ہے، لیکن اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور اگر لفظ اللہ کے اخیر میں اضافہ کر دیا تو یہ غلطی ہے، لیکن اس سے بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔

اور اگر مد کا اضافہ لفظ "اکبر" کے شروع میں کر دیا اور "آاکبر" پڑھ دیا تو یہ ایسی غلطی ہے کہ اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر جان بوجھ کر "آاکبر" پڑھا تو بعض علماء کے نزدیک اس کی تکفیر کی جائے گی۔ اور بعض نے فرمایا کہ اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ اور بالاتفاق اس صورت میں نماز شروع کرنے والا نہ ہوگا۔ اور اگر مد کا اضافہ "اکبر" کے بیچ میں کر دیا، مثلاً اکبار پڑھ دیا تو اس صورت میں بھی نماز شروع کرنے والا نہ ہوگا۔ اور نماز کے درمیان میں ایسا کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ صدر الشہید نے فرمایا کہ اس سے نماز شروع کرنا صحیح ہوگا اور مبتغی میں ہے کہ اس سے نماز فاسد نہ ہوگی، اس لیے کہ یہ اشباع ہے اور ایک قوم کی لغت بھی ہے۔ اور بعض نے اس سے نماز فاسد قرار دی ہے، اس لیے کہ اکبار ابلیس کے لڑکے کا نام ہے۔ (شامی: ۲/۱۷۹)

تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر ادا کرنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اللہ اکبر کہنے میں شرط یہ ہے کہ قدرت کے وقت فرض نماز میں کھڑے ہو کر کہے۔ اور اگر کوئی شخص امام کو رکوع کی حالت میں پائے اور جھک کر اللہ اکبر کہے تو اس صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ یہ جھکنا قیام سے قریب ہے تو نماز شروع کرنا صحیح ہوگا، بایں طور کہ ہاتھ دونوں گھٹنوں تک نہ پہنچے۔ اور رکوع کی تکبیر کی نیت لغو قرار پائے گی (مطلب یہ ہے کہ مقتدی نے جھک کر جو اللہ اکبر کہا اس سے رکوع کی نیت کی، نماز شروع کرنے کی نیت نہیں کی، تو بھی یہ تکبیر تحریمہ کے لیے ہو جائے گی اور رکوع کی نیت لغو قرار پائے گی، اس لیے کہ تکبیر تحریمہ فرض اور شرط ہے اور رکوع کی تکبیر صرف مسنون ہے اور یہاں مسنون تکبیر فرض کی جگہ واقع ہوئی ہے اس لیے فرض ہی سمجھی جائے گی)۔ (شامی: ۲/۱۸۰)

شارح کی جانب سے اضافہ شدہ جزئیات

ایک شخص نے اللہ اکبر کہا، مگر اس کو یہ معلوم نہیں ہے کہ امام اللہ اکبر کہہ چکا ہے یا نہیں؟ اب اگر اس شخص کا غالب گمان یہ ہے کہ اس نے اپنے امام سے پہلے تکبیر کہی ہے تو اس صورت میں اقتداء درست نہ ہوگی۔ اور اگر غالب گمان یہ ہے کہ امام کی تکبیر کے بعد تکبیر کہی ہے تو اس صورت میں اقتداء درست ہے جیسا کہ محیط میں ہے۔

اگر نمازی نے اللہ اکبر کہا اور اس سے تعجب کے اظہار کا ارادہ کیا، یا مؤذن کی اذان کے جواب دینے کا ارادہ کیا تو ان دونوں صورتوں میں وہ نماز شروع کرنے والا نہ ہوگا۔ اور اکبر کی راء کو جزم دے اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: الأذانُ

جزمٌ، والإقامةُ جزمٌ، والتكبيرُ جزمٌ۔ کہ اذان واقامت اور اسی طرح تکبیر میں اللہ اکبر جزم کے ساتھ کہنا ہے، یعنی ان کے آخری حرف پر کوئی حرکت نہیں ہے۔ یہ حدیث کتاب الاذان میں بھی گذر چکی ہے۔

حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ علماء نے فرمایا کہ یہ حدیث ابراہیم نخعیؒ سے مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح سے مروی ہے، اس لیے مسنون یہ ہے کہ تکبیر جزم کے ساتھ ہو، خواہ تکبیر افتتاح کے لیے ہو یا نماز کے درمیان میں ہو، بہر صورت اللہ اکبر کی راء کو سکون کے ساتھ پڑھنا ہی مسنون ہے۔ (شامی: ۲/۱۸۰)

افتتاح نماز کے لیے نیت کرنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نماز شروع کرنے والا اس وقت ہوتا ہے جب تکبیر کہتے وقت نماز شروع کرنے کی نیت پائی جائے، صرف اللہ اکبر کہنے اور صرف نیت کرنے سے نماز شروع کرنے والا نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ نیت اور تکبیر دونوں کے جمع کرنے کے بعد نماز شروع کرنے والا شمار ہوتا ہے۔

گونگا اوران پڑھ شخص تکبیر تحریمہ کس طرح ادا کرے؟

جو شخص بولنے سے عاجز ہو، جیسے گونگا اور ان پڑھ، اس کو تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر کہنے کے لیے زبان کو ہلانا ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح گونگا اور ان پڑھ شخص جو قرأت سے بالکل عاجز ہو اس پر قرأت واجب نہیں ہے، یہی صحیح ہے۔ اس لیے کہ وہ واجب کے ادا کرنے سے معذور ہے، لہٰذا اس پر یہ واجب نہیں ہے کہ واجب کے علاوہ کو ادا کرے، جب تک کہ کوئی شرعی دلیل نہ پائی جائے، لہٰذا گونگے اور ان پڑھ کے لیے صرف نیت کر لینا کافی ہوگا، زبان ہلانے کو واجب کہنا بلا دلیل کی بات ہے۔ البتہ مناسب ہے کہ ان کے لیے قیام کو شرط قرار دیا جائے اور یہ کہ نیت قیام نماز سے پہلے نہ ہو؛ بلکہ نماز کے قیام سے متصل ہو؛ اس لیے کہ ان کے حق میں نیت ہی تحریمہ کے قائم مقام ہے، لیکن میں نے اس مسئلہ کو دیکھا نہیں ہے۔

پھر الاشباہ والنظائر میں قاعدہ: "التابع تابع" کے تحت درج ہے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ عاجز پر زبان کا ہلانا واجب ہے اللہ اکبر کہنے میں اور لبیک کہنے میں۔ اور قرأت کے حق میں زبان کا ہلانا واجب نہیں ہے۔

تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کے اُٹھانے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نمازی تکبیر کہنے سے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو اس طرح اُٹھائے گا کہ اس کے دونوں انگوٹھوں سے اس کے کان کی لو چھو جائے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اللہ اکبر کہنے کے ساتھ ساتھ ہاتھ اُٹھائے (تکبیر تحریمہ کے لیے ہاتھ کب اُٹھائے جائیں گے؟ اس بارے میں کتابوں میں تین قول ملتے ہیں:

(۱) تکبیر کہنے سے پہلے ہاتھ اُٹھائے۔ اس قول کو مجمع میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی جانب منسوب کیا گیا ہے۔ اور

غایۃ البیان میں عام علماءِ احناف کی جانب منسوب کیا ہے۔ اور مبسوط میں اس کی اکثر مشائخ کی طرف نسبت کی ہے۔ اور ہدایہ میں اسی قول کی تصحیح کی گئی ہے۔

(۲) اللہ اکبر کہتے ہوئے ساتھ ساتھ ہاتھ اُٹھائے۔ فتاویٰ خانیہ، تحفہ، خلاصہ، بدائع الصنائع اور محیط میں اسی قول کو اختیار کیا گیا ہے۔ اور بدائع میں ہے کہ تکبیر شروع کرتے ہی ہاتھ اُٹھائے اور تکبیر ختم ہوتے ہی ہاتھ اُٹھانا چھوڑ دے۔ حلیہ میں اسی قول کو ترجیح دی گئی ہے۔

(۳) تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنے کے بعد ہاتھ اُٹھائے۔ یہ تینوں طریقے احادیث شریفہ میں وارد ہیں)۔ (شامی: ۲/۱۸۲)

محاذاۃ سے یہی مراد ہے کہ دونوں ہاتھوں کو دونوں کانوں کی لَو تک اُٹھائے اور اس کا یقین اس طرح پیدا ہوگا جس طرح بیان کیا گیا ہے۔ اور تکبیر میں ہاتھ اُٹھاتے وقت دونوں ہتھیلیوں کو قبلہ کی جانب متوجہ کرے۔ اور ایک دوسرا قول ضعیف یہ ہے کہ دونوں ہاتھ کی ہتھیلیوں کا رُخ رُخسار کی طرف ہو۔ اور باندی بھی ہاتھ مردوں کی ہی طرح اُٹھائے گی؛ اس لیے کہ باندی اس مسئلہ میں مرد کی طرح ہے۔ اور دوسرے مسائل نماز میں آزاد عورت کی طرح ہے۔ اور آزاد عورت تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھوں کو اس طرح اُٹھائے گی کہ اس کی انگلیوں کا سرا اس کے شانوں کے برابر ہو۔ اور ایک قول یہ ہے کہ آزاد عورت بھی مردوں کی طرح ہاتھ اُٹھائے گی۔ (اس قول کو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی جانب منسوب کیا گیا ہے، اس لیے کہ عورت کی ہتھیلی ستر میں داخل نہیں ہے، لیکن متن میں جو قول مذکور ہے وہ زیادہ صحیح اور مناسب ہے، صاحب ہدایہ نے اسی کی تصحیح کی ہے)۔

سبحان اللہ وغیرہ سے نماز شروع کرنے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ سبحان اللہ، لا الٰہ الا اللہ اور الحمد للہ اور تمام ایسے کلمات سے نماز شروع کرنا صحیح ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لیے ہوں، گو کہ وہ الفاظ وکلمات مشترک ہوں، جیسے: رحیم، کریم وغیرہ کلمات ہیں۔ ان کلمات سے بھی نماز شروع ہو جائے گی، مگر کراہت تحریمی کے ساتھ شروع ہوگی۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ نے نماز شروع کرنے کے لیے صرف دو لفظ کو خاص کیا ہے: ایک ''اکبر'' کو، دوسرے ''کبیر'' کو، خواہ ان دونوں کو نکرہ کی شکل میں کہے یا معرفہ، یعنی الف لام داخل کر کے کہے یا بغیر الف لام کے۔ اور خلاصہ نامی کتاب میں لفظ ''کبار'' کو بھی شامل کیا ہے۔ اس کو بھی الف لام داخل کر کے اور بغیر الف لام داخل کیے دونوں طرح کہنا جائز ہے۔

(گویا حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اللہ اکبر، اللہ الاکبر، اللہ کبیر، اللہ الکبیر کے ذریعہ نماز شروع کرنا درست ہے اور ''اللہ کبار'' سے بھی نماز شروع ہو سکتی ہے)۔

''اکبر''، ''کبیر'' اور ''کبار'' سے نماز شروع کرنا اسی طرح صحیح ہے جس طرح غیر عربی لفظ سے نماز شروع کرنا صحیح ہے، خواہ وہ کسی بھی زبان کا لفظ ہو، اس سے نماز شروع کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس لفظ سے اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور کبریائی کا اظہار ہو۔

عربی زبان کے علاوہ دوسری زبان میں تکبیر تحریمہ

حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ عربی زبان کے علاوہ دوسری زبان کے الفاظ کے ذریعہ بھی نماز شروع کرنا جائز ہے؛ بشرطیکہ اس لفظ سے اللہ کی بڑائی ظاہر ہوتی ہو؛ لیکن احمد بن حسن البردگی نے اس دوسری زبان کو صرف فارسی زبان کے ساتھ خاص کیا ہے کہ عربی کے علاوہ صرف زبانِ فارسی میں تکبیر تحریمہ کہی جاسکتی ہے۔ اس لیے کہ فارسی زبان کو ایک فضیلت اور خصوصیت حاصل ہے۔ حدیث شریف میں ہے: اہل جنت کی زبان عربی اور فارسی ہوگی۔ اس میں "الدریہ" کا جو لفظ آیا ہے اس میں راء مشدد ہے قہستانی، الفارسیۃ الدرّیۃ یعنی الفصیحۃ۔ "الدرّیۃ" یہ دَر کی جانب منسوب ہے، فارسی زبان میں در کے معنی دروازہ کے ہیں۔

حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ عربی زبان کے علاوہ دوسری زبان میں نماز کا شروع کرنا اس وقت جائز ہوگا جب عربی زبان میں تکبیر کہنے سے عاجز ہو۔ اگر عربی زبان پر قدرت حاصل ہے، اس کے باوجود دوسری زبان میں تکبیر کہتا ہے تو جائز نہیں ہے۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان یہی اختلاف خطبۂ جمعہ وعیدین اور نماز کے دوسرے اذکار میں ہے، یعنی حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک دوسری زبان میں خطبہ دینا اور دعائیں پڑھنا جائز ہے۔ اور حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ اس وقت جائز ہوگا جب کہ عربی زبان سے عاجز ومجبور ہو، ورنہ نہیں۔

مجبوری کے وقت غیر عربی زبان میں بعض اُمور کرنے کا حکم

یہاں حضرت شارح علیہ الرحمہ نے اُن اُمور کا بھی تذکرہ فرمایا ہے جو نماز میں داخل نہیں ہیں؛ بلکہ نماز سے خارج ہیں، چناں چہ فرمایا کہ اگر کسی شخص نے ایمان قبول کیا، یا حج میں تلبیہ کہا، یا سلام کیا، یا جانور ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھی، یا کسی حاکم کے پاس گواہی یا سلام کا جواب دیا، اور یہ سب غیر عربی میں ادا کئے اور عربی زبان پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے ایسا کیا تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک بالاتفاق درست ہوگا۔ اور اگر عربی زبان پر قدرت ہونے کے باوجود ایسا کیا تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہوگا۔ اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک جائز نہ ہوگا۔ اور چھینکنے کا جواب دینا بھی غیر عربی میں عذر کے وقت جائز ہوگا، اس لیے کہ سلام کے جواب دینے اور چھینک کے جواب دینے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

غیر عربی میں قرأت کرنے کا حکم شرعی

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے مجبوری اور عاجزی کی وجہ سے غیر عربی میں قرأت کی تو بالاتفاق جائز ہے۔ حضرت مصنفؒ نے غیر عربی میں قرأت کے جواز کو عجز کے ساتھ مقید کیا ہے، اس لیے اصح قول کے مطابق حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا رجوع صاحبینؒ کے قول کی جانب ثابت ہے کہ بلا عجز غیر عربی میں قرأت کرنا جائز نہیں ہے، اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔

صاحب درمختار علامہ علاء الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی نے شروع نماز کی تکبیر کو قرأت کی مانند قرار

دیا ہے، یعنی تکبیر تحریمہ غیر عربی زبان میں اس وقت صحیح ہوگی جب عربی زبان میں ادا کرنے سے عاجز ومجبور ہو۔ اور علامہ عینی سے پہلے اس باب میں کسی نے یہ بات نہیں کہی ہے۔ اور نہ عینی کے اس قول کی کوئی سند ہے، جس سے ان کے دعویٰ کو تقویت پہنچتی ہو؛ بلکہ فتاویٰ تاتر خانیہ میں شروع کی تکبیر کو تلبیہ کے مانند قرار دیا ہے۔ تلبیہ عربی زبان کے علاوہ دوسری زبان میں بالاتفاق جائز ہے، اسی طرح تکبیر بھی جائز ہوگی۔ پس فتاویٰ تاتر خانیہ کی ظاہری عبارت تنویر الابصار کے متن کی طرح ہے کہ صاحبینؒ نے اپنے قول سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول کی جانب رجوع کیا ہے نہ کہ یہ بات کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے صاحبین کی طرف رجوع فرمایا ہے، لہٰذا اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح یاد کرلو۔ اس لیے کہ بہت سے کوتاہ علم پر یہ مسئلہ مشتبہ ہوگیا؛ حتی کہ شرنبلالی کی تمام کتابوں میں یہ مسئلہ مشتبہ رہا، لہٰذا اس مسئلہ سے خبردار ہونا چاہئے۔

مسئلہ: شرح الطحاوی میں مذکور ہے کہ: اگر کسی نے فارسی زبان میں تکبیر کہی، یا جانور ذبح کرتے وقت فارسی زبان میں بسم اللہ پڑھی، یا احرام باندھتے وقت فارسی زبان میں تلبیہ پڑھا، یا فارسی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں پڑھا تو یہ بالاتفاق جائز ہے، خواہ عربی زبان پر قدرت ہو یا نہ ہو بہر صورت جائز ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۸۴)

"صاحبینؒ" کا رجوع امام ابوحنیفہؒ کی طرف" کی حقیقت

قولہ رُجُوعُهُمَا إلَيه: یعنی حضرات صاحبینؒ: امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے حضرت امام اعظمؒ کے قول کی طرف رجوع فرمالیا کہ فارسی زبان میں نماز شروع کرنا بلا مجبوری بھی جائز ہے۔ اور اب تینوں امام کے نزدیک بالاتفاق فارسی زبان میں تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرنا جائز ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ نے صاحبینؒ کے قول کی طرف صرف اس بات میں رجوع فرمایا ہے کہ فارسی زبان میں قرأت کرنا جائز نہیں ہے۔ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جو خالص عربی زبان میں نازل ہوا ہے؛ لہٰذا غیر عربی میں پڑھنا جائز نہ ہوگا۔ الغرض امام صاحب کا رجوع صرف قرأت کے مسئلہ میں ہے، نماز شروع کرنے کے مسئلہ میں رجوع ثابت نہیں ہے، جیسا کہ عینی کو وہم ہوگیا ہے۔ اور یہ بات کہنا کہ امام صاحب نے شروع کے مسئلہ میں حضرات صاحبینؒ کے قول کی طرف رجوع فرمالیا کسی سے بھی منقول نہیں ہے؛ بلکہ منقول اس کے خلاف ہے۔ اور تاتر خانیہ کی عبارت خود غیر صریح اور غیر واضح ہے کہ یہ تکبیر نماز ہی کی تکبیر ہے، تکبیر تشریق اور تکبیر ذبح کا بھی احتمال ہے۔ خانیہ کی عبارت کو تکبیر تشریق اور تکبیر ذبح پر محمول کرنا زیادہ اولیٰ ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۸۵)

غیر عربی میں اذان دینے کا حکم شرعی

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص عربی زبان کے علاوہ دوسری زبان میں اذان دے تو اصح ترین قول کے مطابق یہ اذان درست نہ ہوگی؛ اگر چہ لوگ سن کر یہ جانتے ہوں کہ یہ اذان ہی ہو رہی ہے، اس مسئلہ کو شیخ حداد نے ذکر فرمایا ہے۔ اور

امام زیلعی نے تعارف کا اعتبار کیا ہے، یعنی اگر فارسی زبان میں اذان دی جارہی ہو اور لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ یہ اذان ہی ہے تو درست ہے اور اگر سن کر لوگ اس کو اذان نہ سمجھتے ہوں تو پھر اذان درست نہیں ہوگی، کیونکہ اذان کا جو مقصد ہے وہ حاصل نہیں ہورہا ہے۔

قرآن کی تلاوت کی جگہ انجیل یا تورات کی تلاوت کردی تو کیا حکم ہے

فروع کا عنوان دے کر صاحب درمختار نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر کسی نے فارسی زبان میں قرآت کی، یا قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی جگہ توریت یا انجیل پڑھی تو اگر وہ کوئی واقعہ اور قصہ تھا تو نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر وہ کوئی ذکر تھا تو پھر نماز فاسد نہ ہوگی۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ صاحب ہدایہ نے کہا کہ فارسی زبان میں قرأت کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، بشرطیکہ قرأت کی فرض مقدار عربی زبان میں پڑھ چکا ہو۔ اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ حضرات صاحبینؒ کے نزدیک اس صورت میں نماز فاسد ہوگی۔ اور صاحب فتح القدیر علامہ ابن الہمام نے دونوں قولوں کے درمیان تطبیق اس طرح دی ہے کہ اگر فارسی میں قصہ یا امرونہی کی جگہ میں قرأت کرے گا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ اور اگر ذکر اور تنزیہ کی جگہ پڑھے گا اور اسی پر اکتفاء کرے گا تو اس صورت میں بھی نماز فاسد ہوجائے گی، اس لیے کہ اس صورت میں نماز قرأت سے خالی رہ گئی اور اگر قرآن کریم کی کچھ آیتیں یا ایک حصہ ملائے گا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ (شامی:۲/۱۸۵)

نماز میں قرأتِ شاذہ پڑھنے کا حکم شرعی

اگر کوئی شخص نماز میں قرأتِ شاذہ غیر متواترہ کی قرأت کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس سے نماز ہوگی یا نہیں؟ تو اس بارے میں حضرت شارحؒ فرماتے ہیں کہ صاحب البحرالرائق نے قرأتِ شاذہ کو اسی حکم کے ساتھ ملایا ہے، یعنی جو حکم فارسی زبان میں قرأت کرنے کا ہے وہی نماز میں قرأتِ شاذہ غیر متواترہ پڑھنے کا ہے، یعنی اگر صرف قرأت شاذہ پڑھی اور قرأتِ متواترہ بالکل نہیں پڑھی تو نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر قرأتِ شاذہ کے بعد کچھ آیتیں قرأتِ متواترہ کی بھی تلاوت کی تو نماز ہوجائے گی۔

لیکن کنز الدقائق کی شرح النہر الفائق میں ہے کہ دلائل سے زیادہ قریب تر بات یہ ہے کہ قرأتِ شاذہ نماز کو فاسد نہیں کرتی ہے اور نہ ہی قرأت واجبہ کی کفایت کرتی ہے، جیسے قرآن کا ہجے کرکے پڑھنا قرأتِ واجبہ کے لیے کافی نہیں ہے؛ بلکہ اس کے واسطے الگ قرأت کرنی ہوگی (مثلاً: اگر کسی نے نماز میں قرآن کو ہجے کرکے: س ب ح ان ال ل ہ، یا أ ع و ذ ب ال ل ہ م ن ال ش ی ط ا ل خ پڑھا تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی، لیکن قرأت واجبہ کے لیے کافی بھی نہ ہوگی۔ (شامی:۲/۱۸۶)

آیاتِ قرآنیہ کو فارسی زبان میں لکھنا

ایک دو آیت کو فارسی زبان میں لکھنا درست ہے اس سے زیادہ لکھنا درست نہیں ہے۔ ایک دو آیت فارسی زبان میں لکھنا اس لیے درست ہے کہ یہ قلیل ہے اور قلیل معاف ہے، کثیر معاف نہیں ہے، اگر کوئی ضرورت ہو تو زیادہ لکھنا بھی جائز ہے۔

قرآن کی تفسیر غیر عربی زبان میں لکھنا

قرآنِ کریم کی تفسیر غیر عربی زبان میں قرآن کی آیت کے نیچے لکھنا مکروہ ہے، اس کی وجہ ... شریعت نے یہ حکم دیا کہ قرآن کو غیر قرآن سے علیحدہ رکھا جائے۔ اور فتح القدیر میں "کافی" سے نقل کیا گیا ہے کہ قرآنِ کریم کی آیتوں کے نیچے ترجمہ لکھنا جائز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کراہت سے مراد مکروہ تنزیہی ہے، تحریمی نہیں۔ اب چونکہ اس کا خوب رواج ہوگیا ہے کہ لوگ قرآنِ کریم کی آیتوں کے نیچے ترجمہ لکھتے ہیں اور حاشیہ پر تفسیر لکھ دیتے ہیں جیسے کہ ترجمہ شیخ الہند ہے، یہ جائز ہے اور مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے۔

نماز کی ابتداء ضرورت کے ساتھ مخلوط الفاظ سے کرنا

اگر کسی شخص نے نماز ایسے لفظوں کے ساتھ شروع کی جو نماز پڑھنے والے کی ضروریات پر بھی مشتمل ہو تو اس سے نماز شروع کرنا درست نہ ہوگا، جیسے أعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم کے ساتھ، یا بسم اللہ الرحمٰن الرجیم کے ساتھ، یا لاحول ولا قوۃ کے ساتھ نماز شروع کرنے سے شروع کرنے والا نہیں سمجھا جائے گا۔

یا اگر کسی نے اَللّٰھُمَّ اغفِرلی سے نماز شروع کی، یا اَللّٰھُمَّ اغفِرلی کے ذریعہ جانور ذبح کیا تو جائز نہ ہوگا۔ اور نہ وہ نماز شروع کرنے والا ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص صرف اَللّٰھُمَّ کہہ کر جانور ذبح کرے تو درست ہے۔ اور لفظ اَللّٰھُمَّ سے بھی نماز شروع کرنا جائز ہوگا جیسے کہ لفظ یا اَللّٰہ سے نماز شروع کرنا اور جانور ذبح کرنا درست ہے۔

(وَوَضَعَ) الرَّجُلُ (يَمِينَهُ عَلَى يَسَارِهِ تَحْتَ سُرَّتِهِ آخِذًا رُسْغَهَا بِخِنْصَرِهِ وَإِبْهَامِهِ) هُوَ الْمُخْتَارُ، وَتَضَعُ الْمَرْأَةُ وَالْخُنْثَى الْكَفَّ عَلَى الْكَفِّ تَحْتَ ثَدْيِهَا (كَمَا فَرَغَ مِنَ التَّكْبِيرِ) بِلَا إرْسَالٍ فِي الْأَصَحِّ (وَهُوَ سُنَّةُ قِيَامٍ) ظَاهِرُهُ أَنَّ الْقَاعِدَ لَا يَضَعُ وَلَمْ أَرَهُ. ثُمَّ رَأَيْت فِي مَجْمَعِ الْأَنْهُرِ: الْمُرَادُ مِنَ الْقِيَامِ مَا هُوَ الْأَعَمُّ لِأَنَّ الْقَاعِدَ يَفْعَلُ كَذَلِكَ (لَهُ قَرَارٌ فِيهِ ذِكْرٌ مَسْنُونٌ فَيَضَعُ حَالَةَ الثَّنَاءِ، وَفِي الْقُنُوتِ وَتَكْبِيرَاتِ الْجِنَازَةِ لَا) يُسَنُّ (فِي قِيَامٍ بَيْنَ رُكُوعٍ وَسُجُودٍ) لِعَدَمِ الْقَرَارِ (وَ لَا بَيْنَ تَكْبِيرَاتِ الْعِيدِ) لِعَدَمِ الذِّكْرِ مَا لَمْ يُطِلِ الْقِيَامَ فَيَضَعُ سِرَاجِيَّةٌ (وَقَرَأَ) كَمَا كَبَّرَ (سُبْحَانَك اللَّهُمَّ تَارِكًا) وَجَلَّ ثَنَاؤُك إلَّا فِي الْجِنَازَةِ (مُقْتَصِرًا عَلَيْهِ) فَلَا يَضُمُّ: وَجَّهْت وَجْهِي إلَّا فِي النَّافِلَةِ، وَلَا تَفْسُدُ بِقَوْلِهِ - ﴿وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾ - فِي الْأَصَحِّ (إلَّا إذَا) شَرَعَ الْإِمَامُ فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءٌ (كَانَ مَسْبُوقًا) أَوْ مُدْرِكًا (وَ) سَوَاءٌ كَانَ (إمَامُهُ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ) أَوْ لَا فَإِنَّهُ (لَا يَأْتِي بِهِ) لِمَا فِي النَّهْرِ عَنِ الصُّغْرَى: أَدْرَكَ الْإِمَامَ فِي الْقِيَامِ يُثْنِي مَا لَمْ يَبْدَأْ بِالْقِرَاءَةِ، وَقِيلَ فِي الْمُخَافَتَةِ يُثْنِي، وَلَوْ أَدْرَكَهُ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا، إنْ أَكْبَرُ رَأْيِهِ أَنَّهُ يُدْرِكُهُ أَتَى بِهِ. (وَ) كَمَا اسْتَفْتَحَ (تَعَوَّذَ) بِلَفْظِ أَعُوذُ

عَلَى الْمَذْهَبِ (سِرًّا) قُيِّدَ لِلاسْتِفْتَاحِ أَيْضًا فَهُوَ كَالتَّنَازُعِ (لِقِرَاءَةٍ) فَلَوْ تَذَكَّرَهُ بَعْدَ الْفَاتِحَةِ تَرَكَهُ، وَلَوْ قَبْلَ إِكْمَالِهَا تَعَوَّذَ، وَيَنْبَغِي أَنْ يَسْتَأْنِفَهَا ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ. وَلَا يَتَعَوَّذُ التِّلْمِيذُ إِذَا قَرَأَ عَلَى أُسْتَاذِهِ ذَخِيرَةٌ: أَيْ لَا يُسَنُّ، فَلْيُحْفَظْ (فَيَأْتِي بِهِ الْمَسْبُوقُ عِنْدَ قِيَامِهِ لِقَضَاءِ مَا فَاتَهُ) لِقِرَاءَتِهِ (لَا الْمُقْتَدِي) لِعَدَمِهَا (وَيُؤَخِّرُ) الْإِمَامُ التَّعَوُّذَ (عَنْ تَكْبِيرَاتِ الْعِيدِ) لِقِرَاءَتِهِ بَعْدَهَا (وَ) كَمَا تَعَوَّذَ (سَمَّى) غَيْرُ الْمُؤْتَمِّ بِلَفْظِ الْبَسْمَلَةِ، لَا مُطْلَقُ الذِّكْرِ كَمَا فِي ذَبِيحَةٍ وَوُضُوءٍ (سِرًّا فِي) أَوَّلِ (كُلِّ رَكْعَةٍ) وَلَوْ جَهْرِيَّةً (لَا) تُسَنُّ (بَيْنَ الْفَاتِحَةِ وَالسُّورَةِ مُطْلَقًا) وَلَوْ سِرِّيَّةً، وَلَا تُكْرَهُ اتِّفَاقًا، وَمَا صَحَّحَهُ الزَّاهِدِيُّ مِنْ وُجُوبِهَا ضَعَّفَهُ فِي الْبَحْرِ (وَهِيَ آيَةٌ) وَاحِدَةٌ (مِنَ الْقُرْآنِ) كُلِّهِ (أُنْزِلَتْ لِلْفَصْلِ بَيْنَ السُّوَرِ) فَمَا فِي النَّمْلِ بَعْضُ آيَةٍ إِجْمَاعًا (وَلَيْسَتْ مِنَ الْفَاتِحَةِ وَلَا مِنْ كُلِّ سُورَةٍ) فِي الْأَصَحِّ، فَتَحْرُمُ عَلَى الْجُنُبِ (وَلَمْ تَجُزِ الصَّلَاةُ بِهَا) احْتِيَاطًا (وَلَمْ يَكْفُرْ جَاحِدُهَا لِشُبْهَةِ) اخْتِلَافِ مَالِكٍ (فِيهَا، وَ) كَمَا سَمَّى. (قَرَأَ الْمُصَلِّي لَوْ إِمَامًا أَوْ مُنْفَرِدًا الْفَاتِحَةَ. وَ) قَرَأَ بَعْدَهَا وُجُوبًا (سُورَةً أَوْ ثَلَاثَ آيَاتٍ) وَلَوْ كَانَتِ الْآيَةُ أَوِ الْآيَتَانِ تَعْدِلُ ثَلَاثَ آيَاتٍ قِصَارًا انْتَفَتْ كَرَاهَةُ التَّحْرِيمِ ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ، وَلَا تَنْتَفِي التَّنْزِيهِيَّةُ إِلَّا بِالْمَسْنُونِ (وَأَمَّنَ) بِمَدٍّ وَقَصْرٍ وَإِمَالَةٍ وَلَا تَفْسُدُ بِمَدٍّ مَعَ تَشْدِيدٍ أَوْ حَذْفِ يَاءٍ بَلْ بِقَصْرٍ مَعَ أَحَدِهِمَا أَوْ بِمَدٍّ مَعَهُمَا، وَهَذَا مِمَّا تَفَرَّدْتُ بِتَحْرِيرِهِ (الْإِمَامُ سِرًّا كَمَأْمُومٍ وَمُنْفَرِدٍ) وَلَوْ فِي السِّرِّيَّةِ إِذَا سَمِعَهُ وَلَوْ مِنْ مِثْلِهِ فِي نَحْوِ جُمُعَةٍ وَعِيدٍ. وَأَمَّا حَدِيثُ «إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا» فَمِنَ التَّعْلِيقِ بِمَعْلُومِ الْوُجُودِ، فَلَا يَتَوَقَّفُ عَلَى سَمَاعِهِ مِنْهُ، بَلْ يَحْصُلُ بِتَمَامِ الْفَاتِحَةِ بِدَلِيلِ «إِذَا قَالَ الْإِمَامُ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ»

تکبیرِ تحریمہ کے بعد ہاتھ باندھنے کی کیفیت

یہاں سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ کے بعد ہاتھ باندھنے کی کیفیت کو بیان فرمارہے ہیں، چناں چہ موصوف فرماتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ سے فارغ ہوتے ہی ہاتھ کو لٹکائے بغیر مرد اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر ناف کے نیچے باندھے، اس طرح کہ اپنے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی چھنگلی اور انگوٹھے سے بائیں ہاتھ کی کلائی کو پکڑنے والا ہو، اس باب میں یہی مختار قول ہے (رہی باقی تین انگلی تو ان کو بائیں ہاتھ کی کلائی پر پھیلا رے)۔

عورت اور خنثیٰ کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر دونوں پستانوں کے نیچے ہاتھ باندھے اور تکبیر تحریمہ کے بعد فوراً ہاتھ باندھ لینا بلا ارسال کے یہی اصح قول ہے۔(حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اگر حضرت

مصنف علیہ الرحمہ یہاں "تحت ثدیها" کے بجائے "علیٰ صَدرِها" کہتے تو زیادہ بہتر تھا، جیسا کہ دوسرے مصنفین حضرات نے علیٰ صَدرِها ہی فرمایا ہے۔ اور حضرت امام محمدؒ سے نوادر میں ایک روایت آئی ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد دونوں ہاتھ لٹکائے رکھے اور ثناء پڑھے اور جب ثناء پڑھ چکے تو ہاتھ باندھے لیکن فتویٰ ظاہر الروایہ پر ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ لٹکائے بغیر فوراً ہاتھ باندھ لے، اس کے بعد ثناء پڑھے۔ (شامی: ۲/ ۱۸۸)

ہاتھوں کا باندھنا کس کی سنت ہے؟

تکبیر تحریمہ کے بعد فوراً دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے مذکورہ بالا کیفیت کے ساتھ باندھنا قیام کی سنت ہے (یعنی حضرات شیخین کے یہاں ہاتھوں کا باندھنا قیام کی سنت ہے اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہاتھوں کا باندھنا قیام کی سنت نہیں؛ بلکہ قرأت کی سنت ہے، اسی وجہ سے امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہاتھوں کو قرأت میں لٹکانا درست ہے، البتہ قرأت شروع کرنے سے پہلے ہاتھ باندھ لے، ہاتھوں کا باندھنا قیام کی سنت ہے، اس سے ظاہر مفہوم یہ ہوتا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے شخص کے لیے ہاتھ باندھنا سنت نہ ہوگا)۔

صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ میں نے یہ مسئلہ کہیں دیکھا نہیں ہے پھر فرماتے ہیں کہ مجمع الانہر نامی کتاب میں دیکھا ہے کہ یہاں قیام سے مراد عام ہے، خواہ حقیقی قیام ہو یا حکمی قیام ہو، اس لیے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والا شخص بھی ایسا ہی ہاتھ باندھتا ہے، جس طرح قیام کرنے والا شخص ہاتھ باندھتا ہے۔ (لہٰذا یہ حکم قیام حقیقی اور قیام حکمی دونوں کو شامل ہے، اس لیے کہ نوافل بلا عذر بیٹھ کر ادا کرنا اور فرائض میں عذر کی وجہ سے بیٹھ کر ادا کرنا درحقیقت قیام ہی کے قائم مقام ہے)۔ اور ہاتھوں کا باندھنا اس قیام کی سنت ہے جس میں قرار ہو اور کوئی ذکر مسنون ہو، (اس ذکر کو پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو خواہ ذکر مسنون ہو، یا واجب ہو، یا فرض) پس اس سے معلوم ہوا کہ ثناء پڑھنے کی حالت میں بھی، دعائے قنوت پڑھنے کی حالت میں، اور جنازہ کی تکبیرات کی ادائیگی کے وقت بھی ہاتھ باندھنا سنت ہے، اس لیے کہ ان سب قیاموں میں ذکر پایا جاتا ہے۔ اور جو قیام رکوع اور سجدہ کے درمیان ہوتا ہے اس میں ہاتھوں کا باندھنا مسنون نہیں ہے، اس لیے کہ یہ قیام طویل نہیں ہوتا ہے۔ (یعنی قومہ میں قیام تو ہوتا ہے لیکن بہت مختصر ہوتا ہے، طویل نہیں ہوتا ہے اس لیے اس میں ہاتھ باندھنا مسنون نہیں ہے، اگرچہ اس میں مسنون ذکر "سَمِعَ اللهُ لِمَن حَمِدَهٗ" اور "رَبَّنَا لَکَ الحَمدُ" ہے۔

اور عیدین کی تکبیرات زوائد کے درمیان جو قیام ہوتا ہے اس میں ہاتھوں کا باندھنا مسنون نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں کوئی ذکر مشروع نہیں ہے، ہاں اگر قیام طویل کرے گا تو ہاتھ باندھ لے گا، جیسا کہ یہ مسئلہ فتاویٰ سراجیہ میں لکھا ہے (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ ہاتھ باندھنا اس قیام کی سنت ہے جو طویل ہو، اس اصول پر اس کی بنیاد نہیں ہے کہ ہاتھ باندھنا اس قیام کی سنت ہے جس میں مسنون ذکر مشروع ہو)۔ (شامی: ۲/ ۱۸۹)

ہاتھوں کے باندھنے کے بعد ثناء پڑھنے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کہہ کر جوں ہی ہاتھ باندھے فوراً ثناء "سُبحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمدِکَ

وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک، ولا إلٰه غیرک" پڑھے۔ نماز میں ثناء پڑھتے وقت "وجل ثناءک" کا جملہ چھوڑ دے۔ ہاں اگر نماز جنازہ ہو تو اس صورت میں "وجل ثناءک" پڑھا جائے اس لیے کہ یہ جملہ صرف نماز جنازہ میں پڑھا جاتا ہے۔ اور اسی ثناء پر اکتفاء کرے اور اس میں إنی وجهت وجهی للذی فطر السموات والأرض حنیفا وما أنا من المشرکین۔ نہ ملائے۔ ہاں اگر نماز نوافل ہوں تو اس کو ملانے کی اجازت ہے۔ (حضرت علامہ شامی فرماتے ہیں کہ إنی وجهت الخ نیت سے پہلے پڑھے گا، نیت کے بعد بالاتفاق نہیں پڑھا جائے گا۔ لیکن حلیہ نامی کتاب میں ہے کہ حق بات یہ ہے کہ اس کا پڑھنا نیت سے پہلے یا نیت کے بعد تکبیر سے پہلے نہ رسول اکرم ﷺ سے ثابت ہے اور نہ آپ کے مقدس صحابہ سے ثابت ہے)۔ (شامی: ۲/۱۸۹)

اور نمازی نے اگر وأنا أول المسلمین کہا تو اصح قول کے مطابق نماز نہیں فاسد ہوگی۔ اور بعض علماء کرام کا کہنا ہے کہ اس سے نماز فاسد ہو جائے گی، اس لیے کہ یہ کہنا جھوٹ ہے، لیکن یہ بات درست نہیں ہے، اس لیے کہ اگر اپنے متعلق یہ بتا رہا ہے کہ میں "أول المسلمین" ہوں تو جھوٹ ہوگا، لیکن قرآن کی آیت سمجھ کر تلاوت کر رہا ہے تو یہ جھوٹ نہیں ہے، لہٰذا نماز بھی فاسد نہ ہوگی۔ (شامی: ۲/۱۹۰)

امام قرأت شروع کر چکا تو مقتدی ثناء نہ پڑھے

اگر مقتدی نے اپنے امام کی اقتداء ایسے وقت میں کی کہ امام قرأت شروع کر چکا ہے تو مقتدی اس وقت تحریمہ کے بعد ثناء نہ پڑھے، خواہ یہ مقتدی مسبوق ہو یا مدرک، (یعنی امام کے کچھ رکعت پڑھ لینے کے بعد حاضر ہوا ہو، یا شروع ہی سے امام کے ساتھ شریک ہو، دونوں کا حکم برابر ہے کہ امام اگر قرأت شروع کر چکا ہے تو ثناء نہ پڑھے، اس لیے کہ قرأت کا سننا واجب ہے اور ثناء پڑھنا سنت ہے، لہٰذا حصول سنت کے واسطے واجب کو ترک نہیں کیا جائے گا) اور امام بلند آواز سے قرأت کرتا ہو یا بلند آواز سے قرأت نہ کرتا ہو، دونوں کا حکم یکساں ہے کہ مقتدی ثناء نہ پڑھے گا، اس لیے کنز الدقائق کی شرح النہر الفائق میں صغری سے منقول ہے کہ جب مقتدی نے امام کو قیام کی حالت میں پایا تو ثناء پڑھے گا جب تک امام قرأت شروع نہ کر چکا ہو۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ امام کے آہستہ قرأت کرنے کی صورت میں مقتدی ثناء پڑھے گا۔

اگر مقتدی نے امام کو رکوع یا سجدہ کی حالت میں پایا تو ثناء کا حکم

اگر مقتدی نے امام کو رکوع کی حالت میں یا سجدہ کی حالت میں پایا تو اس صورت میں اس مقتدی کو حکم ہے کہ اگر غالب گمان ہے کہ ثناء پڑھنے کے بعد امام کو پالے گا تو ثناء پڑھ کر امام کے ساتھ شریک ہو۔ اور اگر غالب گمان یہ ہے کہ ثناء پڑھنے کی صورت میں امام کو رکوع یا سجدہ کی حالت میں نہیں پا سکے گا تو ثناء چھوڑ دے۔ اور طحطاوی میں ہے کہ اگر امام کو کوئی شخص رکوع میں پائے تو مقتدی کو چاہیے کہ تکبیر تحریمہ کہہ کر فوراً رکوع کرے اور ثناء پڑھنا چھوڑ دے اور امام کو سجدے کی حالت میں پائے تو ثناء

پڑھے اس کے بعد امام کے ساتھ سجدے میں شریک ہو اور یہی حال قعدہ کا بھی ہے۔

ثناء کے بعد تعوذ پڑھنے کی شرعی حیثیت

اور ثناء پڑھنے کے بعد فوراً تعوذ کرنا چاہئے، یعنی أعوذُ باللہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیم پڑھ کر شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔ اور ظاہر مذہب کے مطابق لفظ "أعوذُ باللہِ" سے مانگنا چاہئے۔ اور تعوذ و ثناء دونوں کو آہستہ پڑھنا چاہئے۔ سِرًّا کا تعلق دونوں سے ہے، لہٰذا لفظ سِرًّا تنازع کے قبیل سے ہو گیا۔ اور یہ تعوذ کرنے کا حکم قرأت کے لیے ہے، لہٰذا اگر کسی کو سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد یاد آیا کہ اس نے أعوذُ باللہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیم نہیں پڑھا ہے تو یاد آنے پر اس کو ترک کر دے، دوبارہ پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ اور اگر سورۂ فاتحہ مکمل پڑھنے سے پہلے پہلے یاد آ گیا تو اس صورت میں أعوذُ باللہِ پڑھے گا۔ اور اس کے بعد مناسب یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کو از سر نو دوبارہ پڑھے۔ شیخ حلبیؒ نے اس مسئلہ کو ایسا ہی ذکر کیا ہے (لیکن علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء چھوڑ کر قرأت شروع کر دی تو قرأت چھوڑ کر ثناء نہ پڑھے اس لیے کہ قرأت فرض ہے اور ثناء سنت ہے، لہٰذا فرض چھوڑ کر سنت کی ادائیگی کس طرح درست ہو سکتی ہے، اس لیے اس بارے میں صحیح تحقیق وہی ہے جو فقیہ ابو جعفر نے نوادر میں بیان فرمائی ہے کہ اگر تکبیر تحریمہ کے بعد کسی نے قرأت شروع کر دی اور ثناء اور أعوذ باللہ پڑھنا بھول گیا تو اب ان دونوں کو بالکل چھوڑ دے، ان کو دوبارہ نہ پڑھے)۔

شاگرد کے لیے "أعوذُ باللہ" پڑھنے کا حکم

صاحب درمختار علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ فتاویٰ ذخیرہ میں ہے کہ شاگرد کا استاذ کے پاس سبق پڑھتے وقت أعوذُ باللہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیم پڑھنا مسنون نہیں ہے (اس لیے کہ تعوذ قرأت قرآن کے لیے مشروع کیا گیا ہے، لہٰذا کسی دوسری کتاب کے سبق پڑھتے وقت اس کا پڑھنا مسنون نہ ہو گا، ہاں اگر قرآنِ مجید کا سبق پڑھ رہا ہے تو پھر اعوذ باللہ پڑھنا مسنون ہو گا، اس کے علاوہ دوسری کتابوں کے پڑھتے وقت تعوذ مسنون نہیں ہے؛ البتہ جائز ضرور ہے، چناں چہ اس کام کے لیے تعوذ کیا جا سکتا ہے جس سے دل میں وسوسہ پیدا ہونے کا خطرہ ہو، شامی: ۲/۱۹۱)۔ لہٰذا اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح یاد کر لینا چاہئے۔

مسبوق شخص کے لیے تعوذ پڑھنے کا حکم

مسبوق یعنی وہ مقتدی جس کی کوئی رکعت امام کے ساتھ چھوٹ گئی ہو، وہ جب امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی چھوٹی ہوئی رکعت پوری کرنے کے لیے کھڑا ہو گا تو وہ قرأت کرنے کے لیے اعوذ باللہ پڑھے گا، کیونکہ مسبوق شخص اپنی بقیہ رکعتوں میں قرأت کرے گا اور تعوذ قرأت ہی کے لیے مشروع ہے اس لیے مسبوق تعوذ پڑھے گا؛ البتہ مقتدی جس نے امام کے ساتھ نماز شروع کی وہ تعوذ نہیں کرے گا اس لیے کہ مقتدی کے ذمہ قرأت کرنی نہیں ہے۔

علامہ شامیؒ کی بات

حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے "تعوذ للقراءة" پر تفریع کرتے ہوئے تین مسئلے ذکر کئے ہیں: (۱) حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تعوذ قرأت کے تابع ہے۔ (۲) حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تعوذ ثناء کے تابع ہے، چناں چہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مسبوق شخص امام کی اقتداء کرتے وقت بھی تعوذ پڑھے گا اور جب امام کے سلام پھیرنے کے بعد قضاء کرنے کے لیے اُٹھے گا اس وقت بھی تعوذ پڑھے گا اور مقتدی مدرک بھی تعوذ پڑھے گا جس طرح امام اور منفرد تعوذ پڑھے گا۔ امام اور مقتدی دونوں ہی عیدین کی نماز میں ثناء کے بعد اور تکبیرات سے پہلے تعوذ پڑھیں گے۔ خلاصہ اور منیۃ المصلی میں اسی کو اصح قرار دیا ہے، لیکن قاضی خاںؒ، ہدایہ اور اس کی شروحات اور کافی وغیرہ کتاب میں یہ لکھا ہے کہ تعوذ قرأت کے تابع ہے، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں۔ (شامی: ۲/ ۱۹۱)

عیدین کی نماز میں تعوذ کب پڑھا جائے

عیدین کی نماز میں امام تعوذ پڑھنے کو تکبیرات سے موخر کرے گا، یعنی تکبیرات زوائد ادا کرلینے کے بعد امام أعوذ باللہ پڑھے گا، اس لیے کہ قرأت تکبیر زوائد کے بعد پڑھی جاتی ہے اور تعوذ قرأت ہی کے تابع ہے، اس لیے زوائد تکبیرات ادا کرنے کے بعد أعوذ باللہ پڑھے گا۔ البتہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چونکہ تعوذ، ثناء کے تابع ہے اس لیے ثناء پڑھنے کے بعد اور عیدین کی تکبیرات ادا کرنے سے پہلے پڑھے گا۔

أعوذ باللہ کے بعد بسم اللہ پڑھنے کا حکم

أعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھنے کے بعد فوراً مقتدی کے علاوہ امام اور منفرد بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے گا، مطلق ذکر کرنا کافی نہ ہوگا، جس طرح جانور ذبح کرتے وقت اور وضو کرتے وقت مطلق ذکر کافی ہوتا ہے، بلکہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہی پڑھنا ہوگا۔ اور یہ بسم اللہ آہستہ ہر رکعت کے شروع میں پڑھنا مسنون ہے، اگر چہ رکعت جہری ہی کیوں نہ ہو۔

ولو جهرية: یہ کہہ کر حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے اس مسئلہ کی تردید کی ہے جو منیۃ المصلی میں ہے کہ امام جہری رکعتوں میں بسم اللہ نہیں پڑھے گا: بلکہ صرف سری رکعتوں میں پڑھے گا، سری کی قید لگانا غلط ہے، سری اور جہری دونوں رکعتوں میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ پڑھے گا۔ (شامی: ۲/ ۱۹۲)

سورۂ فاتحہ اور ضم قرأت کے درمیان "بسم اللہ" پڑھنے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان "بسم اللہ" پڑھنا مسنون نہیں ہے، خواہ سری نماز ہی کیوں نہ ہو۔ اور پہلی رکعت ہو یا کوئی اور رکعت ہو، بہر صورت سورۂ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا بالاتفاق مکروہ

نہیں ہے۔اور علامہ زاہدی نے سورۂ فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ کے واجب ہونے کی جو تصحیح کی ہے اس کو صاحب البحر الرائق نے ضعیف قرار دیا ہے۔

علامہ شامیؒ نے سورۂ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ کا ترک مکروہ نہ ہونے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ بعض علماء نے "بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيم" کو ہر سورت کا جزو بتایا ہے۔اور مجتبیٰ نامی کتاب میں صراحت ہے کہ سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھ لینا بہتر ہے۔محقق ابن ہمام اور ان کے شاگرد شیخ حلبی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔(شامی:۲/۱۹۲)

بسم اللہ قرآن شریف کی آیت ہے یا نہیں؟

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پورے قرآن شریف کی ایک آیت اور قرآن کا جزو ہے، جو سورتوں کے درمیان فصل پیدا کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے۔اور جو "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سورۃ النحل میں ہے وہ بالاتفاق ایک آیت کا ٹکڑا ہے۔اور آیت یہاں سے شروع ہوتی ہے {إِنَّهُ مِن سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ -إلى- وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ} اور اصح قول کے مطابق "بسم اللہ" نہ تو سورۂ فاتحہ کا جزو ہے اور نہ وہ ہر سورت کا جزو ہے۔

وَلَيسَتْ مِنَ الفَاتِحةِ بول کر حضرت مصنفؒ نے امام حلوانی کے قول کی تردید کی ہے، انھوں نے کہا کہ اکثر مشائخ کے نزدیک بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جزو ہے۔اور ذخیرہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا دوسرا قول قرار دیا ہے۔علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: میں اسی کو لیتا ہوں، اس لیے کہ یہی احوط قول ہے؛ البتہ بسم اللہ ہر سورۃ کا جزو نہیں ہے۔امام شافعیؒ بسم اللہ کو ہر سورۃ کا جزو قرار دیتے ہیں، سوائے سورۂ برأت کے۔(شامی:۲/۱۹۳)

جنبی شخص کے لیے بسم اللہ پڑھنا

چونکہ اس میں تو تمام ائمہ کرام کا اتفاق ہے کہ "بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيم" پورے قرآن کی ایک آیت اور قرآن کا جزو ہے، اس لیے "بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيم" جنبی کو بحالتِ جنابت پڑھنا حرام ہے، نیز حائضہ اور نفاس والی عورت پر بھی "بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيم" پڑھنا حرام ہے۔اور اگر کوئی شخص نماز میں صرف "بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيم" پڑھ کر رکوع کر دے تو احتیاطاً نماز نہیں ہوگی۔(حضرت علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ یہاں لفظ احتیاطاً دونوں مسئلوں کی علت ہے، چونکہ بسم اللہ تمام سورتوں کے شروع میں برابر لکھی جاتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جزو قرآن ہے، چناں چہ احتیاط کا پہلو اپناتے ہوئے فتویٰ دیا گیا ہے کہ جنبی، حائضہ اور نفاس والی عورت پر اس کا پڑھنا حرام ہے۔اور حضرت امام مالکؒ بسم اللہ کو جزو قرآن نہیں کہتے ہیں اس لیے کہ اس کا جزو قرآن ہونا مشکوک ہو گیا، لہٰذا اب قرأت کے حق میں احتیاط یہ ہے کہ صرف اس کے پڑھنے سے نماز جائز نہ ہو، کیونکہ نماز میں قرأت کرنی فرض ہے اور مشکوک سے فرض ادا نہیں ہوتا ہے)۔(شامی:۲/۱۹۳)

جو شخص "بسم اللہ" کے جزو قرآن ہونے سے انکار کردے اس کا حکم

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کو قرآن کا جزو ماننے سے انکار کردے، اور اس کو جزو قرآن نہ مانے اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ آیا ایسا شخص کافر ہو جائے گا؟

تو اس کے بارے میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو شخص "بسم اللہ" کو قرآن کا جزو ماننے سے انکار کردے وہ کافر نہیں ہوگا، اس لیے کہ حضرت امام مالکؒ کے انکار کرنے سے اس کے جزو قرآن ہونے میں شک پیدا ہو گیا ہے، لہٰذا اس کے منکر پر شک کی وجہ سے کفر کا فتویٰ عائد نہ ہوگا، اس لیے کہ کفر فرض قطعی کے انکار پر لگتا ہے اور میدانِ کفر بہت تنگ ہے، حضراتِ فقہاء نے تکفیر مسلم میں بہت احتیاط کا پہلو اپنایا ہے، لہٰذا جب امام مالکؒ کے اختلاف کی وجہ سے شک ہے تو اس کے انکار پر کفر کا فتویٰ کس طرح عائد ہوگا۔

سورۂ فاتحہ اور ضم سورہ کا حکم

"بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھنے کے بعد فوراً امام اور منفرد سورۂ فاتحہ پڑھے (مقتدی کو یہ حکم نہیں ہے) اور جب سورۂ فاتحہ پڑھ چکے تو اس کے بعد فوراً کوئی سورۃ پڑھے یا کوئی تین آیت پڑھے، جس کا پڑھنا واجب قرار دیا گیا ہے۔ اگر ایک آیت یا دو آیت اس قدر طویل ہو کہ تین آیت کے برابر ہو جائے تو اس کو پڑھے، اس سے کراہت تحریمی زائل ہو جائے گی، اس کو حلبی نے ذکر فرمایا ہے۔ البتہ کراہت تنزیہی زائل نہ ہوگی، ہاں اگر مسنون قرأت پڑھی جائے تو اس وقت کراہت تنزیہی بھی زائل ہو جائے گی۔

حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مصنف نے لفظ "سورۃ" کا اضافہ فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ فرض نمازوں میں الحمد للہ کے بعد صرف ایک سورۃ پڑھنا افضل ہے، چناں چہ جامع الفتاویٰ میں حضرت حسن نے ابو حنیفہؒ سے نقل فرمایا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں فرض نمازوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد دو سورتوں کو پڑھنا پسند نہیں کرتا ہوں، لیکن اگر کسی نے فرض نمازوں میں دو سورتوں کو پڑھ لیا تو مکروہ بھی نہیں ہے اور نوافل میں پڑھنے کی اجازت ہے اور مسنون قرأت کی تفصیل یہ ہے کہ فجر اور ظہر میں طوالِ مفصل، عصر اور عشاء میں اوساطِ مفصل اور مغرب میں قصارِ مفصل کی سورتیں پڑھنی مسنون ہیں۔ (شامی: ۲/ ۱۹۴)

سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنا

اور آمین کہنا مد کے ساتھ، قصر کے ساتھ اور امالہ کے ساتھ تینوں طرح جائز ہے (یہ آمین کہنا سورۂ فاتحہ کے بعد سنت ہے، جیسا کہ آئندہ تفصیل سے یہ بات معلوم ہوگی۔ اور حضراتِ علماءِ کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آمین قرآن مجید میں سے نہیں ہے، جیسا کہ البحر الرائق میں ابن نجیم نے ذکر کیا ہے، (شامی: ۲/ ۱۹۴) اور لفظ آمین جب مد کے ساتھ ہوگا تو "یاسین" کے وزن پر ہوگا۔ اور لفظ "امین" قصر کے ساتھ ہوگا تو "قرین" کے وزن پر ہوگا۔ اور جب امالہ کے ساتھ ہوگا تو "ایمین" بروزنِ بے کین

ہوگا، گویا اس میں: امین، آمین اور ایمین تینوں طرح کی لغت جائز ہے۔

آمین کہنے کی مختلف صورتیں اور ان کا شرعی حکم

شارح درمختار علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص آمین میں میم کو مشدد کہے، یا لفظ آمین کی یاء کو حذف کر کے کہے تو اس صورت میں نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، ہاں اگر کوئی شخص امین قصر کے ساتھ پڑھے اور میم کو مشدد پڑھے، یا یاء کو حذف کر کے پڑھے، یا مد کے ساتھ پڑھے اور میم کو تشدید کے ساتھ پڑھے یاء کو حذف کر دے تو ان صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی۔ حضرت شارح فرماتے ہیں کہ یہ تنقیح ہے، جس کے بیان کرنے میں، میں تنہا ہوں، کسی اور نے یہ بیان نہیں کیا۔ (خلاصہ یہ ہے کہ: امین، امین، ایمین، امن سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔ اور امّین، آمن اور آمّن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے)۔ (تفصیل دیکھیے: شامی: ۲/ ۱۹۴-۱۹۵)

آمین آہستہ کہنا مسنون ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امام آہستہ آمین کہے، جس طرح مقتدی اور منفرد آمین کو آہستہ کہتے ہیں، اگر چہ مقتدی سری نماز میں کیوں نہ ہو۔ اور یہ آمین کہنا اس وقت مسنون ہے جب مقتدی امام کا آمین کہنا سنے، اگر چہ وہ اپنے جیسے مقتدی سے بالواسطہ کیوں نہ سنے، جیسے: جمعہ وعیدین وغیرہ میں۔

(حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ آمین صرف مقتدی کہے گا، امام آمین نہیں کہے گا۔ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام اور مقتدی دونوں ہی آمین کہیں گے اور بلند آواز سے کہیں گے)۔

اور رہی حدیث شریف کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "جب امام آمین کہے تو تم سب بھی آمین کہو، اس لیے کہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کی موافقت کر جائے گا تو اسکے بہت سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے"۔ پس اس پر آمین کہنا بشرط معلوم الوجود پر معلق ہے، پس امام سے آمین سننے پر موقوف نہیں رہے گا؛ بلکہ سورۂ فاتحہ مکمل ہو جانے کے بعد آمین کہنا مسنون ہوگا، اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب امام ولا الضالین کہے تو تم سب لوگ آمین کہو۔

(اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ امام سے آمین سننا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ شریعت نے اس کی جگہ متعین کر دی ہے کہ سورۂ فاتحہ کے ختم پر آمین کہو، خواہ امام سے آمین سنے یا نہ سنے)۔

(ثُمَّ) كَمَا فَرَغَ (يُكَبِّرُ) مَعَ الِانْحِطَاطِ (لِلرُّكُوعِ) . وَلَا يُكْرَهُ وَصْلُ الْقِرَاءَةِ بِتَكْبِيرَةٍ، وَلَوْ بَقِيَ حَرْفٌ أَوْ كَلِمَةٌ فَأَتَمَّهُ حَالَ الِانْحِنَاءِ لَا بَأْسَ بِهِ عِنْدَ الْبَعْضِ. مُنْيَةُ الْمُصَلِّي (وَيَضَعُ يَدَيْهِ) مُعْتَمِدًا بِهِمَا (عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَيُفَرِّجُ أَصَابِعَهُ) لِلتَّمَكُّنِ. وَيُسَنُّ أَنْ يُلْصِقَ كَعْبَيْهِ. وَيَنْصِبُ سَاقَيْهِ (وَيَبْسُطُ ظَهْرَهُ) وَيُسَوِّيَ ظَهْرَهُ بِعَجُزِهِ (غَيْرَ رَافِعٍ وَلَا مُنَكِّسٍ رَأْسَهُ وَيُسَبِّحُ فِيهِ) وَأَقَلُّهُ (ثَلَاثًا) فَلَوْ تَرَكَهُ أَوْ

نَقَصَهُ كُرِهَ تَنْزِيهًا؛ وَكُرِهَ تَحْرِيمًا إطَالَةُ رُكُوعٍ أَوْ قِرَاءَةٍ لِإِدْرَاكِ الْجَائِي: أَيْ إنْ عَرَفَهُ وَإِلَّا فَلَا بَأْسَ بِهِ، وَلَوْ أَرَادَ التَّقَرُّبَ إلَى اللَّهِ تَعَالَى لَمْ يُكْرَهْ اتِّفَاقًا لَكِنَّهُ نَادِرٌ وَتُسَمَّى مَسْأَلَةَ الرِّيَاءِ، فَيَنْبَغِي التَّحَرُّزُ عَنْهَا. (وَ) اعْلَمْ أَنَّهُ مِمَّا يُبْتَنَى عَلَى لُزُومِ الْمُتَابَعَةِ فِي الْأَرْكَانِ أَنَّهُ (لَوْ رَفَعَ الْإِمَامُ رَأْسَهُ) مِنْ الرُّكُوعِ أَوْ السُّجُودِ (قَبْلَ أَنْ يُتِمَّ الْمَأْمُومُ التَّسْبِيحَاتِ) الثَّلَاثَ (وَجَبَ مُتَابَعَتُهُ) وَكَذَا عَكْسُهُ فَيَعُودُ وَلَا يَصِيرُ ذَلِكَ رُكُوعَيْنِ (بِخِلَافِ سَلَامِهِ) أَوْ قِيَامِهِ لِثَالِثَةٍ (قَبْلَ تَمَامِ الْمُؤْتَمِّ التَّشَهُّدَ) فَإِنَّهُ لَا يُتَابِعُهُ بَلْ يُتِمُّهُ لِوُجُوبِهِ، وَلَوْ لَمْ يُتِمَّ جَازَ؛ وَلَوْ سَلَّمَ وَالْمُؤْتَمُّ فِي أَدْعِيَةِ التَّشَهُّدِ تَابَعَهُ لِأَنَّهُ سُنَّةٌ وَالنَّاسُ عَنْهُ غَافِلُونَ. (ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنْ رُكُوعِهِ مُسَمِّعًا) فِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ لَوْ أَبْدَلَ النُّونَ لَامًا يَفْسُدُ وَهَلْ يَقِفُ بِجَزْمٍ أَوْ تَحْرِيكٍ؟ قَوْلَانِ (وَيَكْتَفِي بِهِ الْإِمَامُ) ، وَقَالَا يَضُمُّ التَّحْمِيدَ سِرًّا (وَ) يَكْتَفِي (بِالتَّحْمِيدِ الْمُؤْتَمُّ) وَأَفْضَلُهُ: اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَلَك الْحَمْدُ، ثُمَّ حَذْفُ الْوَاوِ، ثُمَّ حَذْفُ اللَّهُمَّ فَقَطْ (وَيَجْمَعُ بَيْنَهُمَا لَوْ مُنْفَرِدًا) عَلَى الْمُعْتَمَدِ يُسَمِّعُ رَافِعًا وَيَحْمَدُ مُسْتَوِيًا (وَيَقُومُ مُسْتَوِيًا) لِمَا مَرَّ مِنْ أَنَّهُ سُنَّةٌ أَوْ وَاجِبٌ أَوْ فَرْضٌ (ثُمَّ يُكَبِّرُ) مَعَ الْخُرُورِ (وَيَسْجُدُ وَاضِعًا رُكْبَتَيْهِ) أَوَّلًا لِقُرْبِهِمَا مِنْ الْأَرْضِ (ثُمَّ يَدَيْهِ) إلَّا لِعُذْرٍ (ثُمَّ وَجْهَهُ) مُقَدِّمًا أَنْفَهُ لِمَا مَرَّ (بَيْنَ كَفَّيْهِ) اعْتِبَارًا لِآخِرِ الرَّكْعَةِ بِأَوَّلِهَا ضَامًّا أَصَابِعَ يَدَيْهِ لِتَتَوَجَّهَ لِلْقِبْلَةِ (وَيَعْكِسُ نُهُوضَهُ وَسَجَدَ بِأَنْفِهِ) أَيْ عَلَى مَا صَلُبَ مِنْهُ (وَجَبْهَتِهِ) حَدُّهَا طُولًا مِنْ الصُّدْغِ إلَى الصُّدْغِ، وَعَرْضًا مِنْ أَسْفَلِ الْحَاجِبَيْنِ إلَى الْقِحْفِ؛ وَوَضْعُ أَكْثَرِهَا وَاجِبٌ. وَقِيلَ فَرْضٌ كَبَعْضِهَا وَإِنْ قَلَّ. (وَكُرِهَ اقْتِصَارُهُ) فِي السُّجُودِ (عَلَى أَحَدِهِمَا) وَمَنَعَا الِاكْتِفَاءَ بِالْأَنْفِ بِلَا عُذْرٍ وَإِلَيْهِ صَحَّ رُجُوعُهُ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى كَمَا حَرَّرْنَاهُ فِي شَرْحِ الْمُلْتَقَى وَفِيهِ يُفْتَرَضُ وَضْعُ أَصَابِعِ الْقَدَمِ وَلَوْ وَاحِدَةً نَحْوَ الْقِبْلَةِ وَإِلَّا لَمْ تَجُزْ، وَالنَّاسُ عَنْهُ غَافِلُونَ (كَمَا يُكْرَهُ تَنْزِيهًا بِكَوْرِ عِمَامَتِهِ) إلَّا بِعُذْرٍ (وَإِنْ صَحَّ) عِنْدَنَا (بِشَرْطِ كَوْنِهِ عَلَى جَبْهَتِهِ) كُلِّهَا أَوْ بَعْضِهَا كَمَا مَرَّ. (أَمَّا إذَا كَانَ) الْكَوْرُ (عَلَى رَأْسِهِ فَقَطْ وَسَجَدَ عَلَيْهِ مُقْتَصِرًا) أَيْ وَلَمْ تُصِبْ الْأَرْضَ جَبْهَتُهُ وَلَا أَنْفُهُ عَلَى الْقَوْلِ بِهِ (لَا) يَصِحُّ لِعَدَمِ السُّجُودِ عَلَى مَحَلِّهِ وَبِشَرْطِ طَهَارَةِ الْمَكَانِ وَأَنْ يَجِدَ حَجْمَ الْأَرْضِ وَالنَّاسُ عَنْهُ غَافِلُونَ: (وَلَوْ سَجَدَ عَلَى كُمِّهِ أَوْ فَاضِلِ ثَوْبِهِ صَحَّ لَوْ الْمَكَانُ) الْمَبْسُوطُ عَلَيْهِ ذَلِكَ (طَاهِرًا) وَإِلَّا لَا، مَا لَمْ يُعِدْ سُجُودَهُ عَلَى طَاهِرٍ فَيَصِحُّ اتِّفَاقًا وَكَذَا حُكْمُ كُلِّ مُتَّصِلٍ وَلَوْ بَعْضَهُ كَكَفِّهِ فِي الْأَصَحِّ وَفَخِذِهِ لَوْ بِعُذْرٍ لَا رُكْبَتِهِ، لَكِنْ صَحَّحَ الْحَلَبِيُّ أَنَّهَا كَفَخِذِهِ (وَكُرِهَ) بَسْطُ ذَلِكَ (إنْ لَمْ يَكُنْ ثَمَّةَ تُرَابٌ أَوْ حَصَاةٌ) أَوْ حَرٌّ أَوْ بَرْدٌ لِأَنَّهُ

تَرَفُّعٌ (وَإِلَّا) يَكُنْ تَرَفُّعًا، فَإِذَا لَمْ يَخَفْ أَذًى (لَا) بَأْسَ بِهِ فَيُكْرَهُ تَنْزِيهًا، وَإِنْ خَافَهُ كَانَ مُبَاحًا.
وَفِي الزَّيْلَعِيِّ: إِنْ لِدَفْعِ تُرَابٍ عَنْ وَجْهِهِ كُرِهَ، وَعَنْ عِمَامَتِهِ لَا، وَصَحَّحَ الْحَلَبِيُّ عَدَمَ كَرَاهَةِ بَسْطِ الْخِرْقَةِ وَلَوْ بَسَطَ الْقَبَاءَ جَعَلَ كُمَّيْهِ تَحْتَ قَدَمَيْهِ وَسَجَدَ عَلَى ذَيْلِهِ لِأَنَّهُ أَقْرَبُ لِلتَّوَاضُعِ

رکوع کرنے کا طریقہ

یہاں سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ رکوع کرنے، سجدہ کرنے اور اس کے علاوہ دوسرے احکامِ نماز کو بیان فرمارہے ہیں، چناں چہ فرماتے ہیں کہ جوں ہی قرأت سے فارغ ہو اللہ اکبر کہتے ہوئے رکوع کے لیے جھک جائے۔ (اس سے معلوم ہوا کہ مسنون یہ ہے کہ اللہ اکبر کہنا اور رکوع کے لیے جھکنا ساتھ ساتھ ہو)۔ اور قرأت کے آخری حرف کو رکوع کی تکبیر کے ساتھ ملا دینا مکروہ نہیں ہے۔ (یہاں علامہ شامیؒ نے تاتر خانیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اگر اخیر آیت میں خدا تعالیٰ کی بڑائی اور تعریف ہو، جیسے {وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا} تو ایسی صورت میں ملانا افضل ہے۔ اور اگر اخیر آیت میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور تعریف نہ ہو تو آیت اور رکوع کی تکبیر کے درمیان فصل کرنا لازم ہے۔ جیسے اگر کوئی سورۂ کوثر پڑھے تو {إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ} پڑھ کر توقف کرے اور فصل کرے اسکے بعد اس کے لیے تکبیر کہے)۔ (شامی: ۲/۱۹۶)

رکوع کی حالت میں قرأت کا کوئی حرف یا کلمہ مکمل کرنا

فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے قرأت کا کوئی حرف یا کوئی کلمہ جو باقی رہ گیا تھا رکوع کے لیے جھکنے کی حالت میں پورا کیا تو بعض علماء کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ منیۃ المصلی نامی کتاب میں مذکور ہے۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شارح علیہ الرحمہ نے "لَا بَأْسَ بِهِ" کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ قول ضعیف اور معتمد قول کے خلاف ہے اور معتمد اور قابل اعتماد قول یہ ہے کہ قرأت کو پورا کرلے پھر رکوع میں جائے، جیسا کہ ثُمَّ كَمَا فَرَغَ يُكَبِّرُ مَعَ الْإِنْحِطَاطِ سے معلوم ہوتا ہے)۔ (شامی: ۲/۱۹۶)

رکوع کرنے کی کیفیت

رکوع کرنے کی کیفیت یہ ہے کہ جب رکوع میں جائے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں گھٹنوں پر سہارا دے کر رکھے اور ہاتھوں کی انگلیوں کو پکڑنے کے واسطے کھول دے۔ اور سنت یہ ہے کہ اپنے دونوں ٹخنوں کو ملائے اور دونوں پنڈلیوں کو سیدھا کھڑا رکھے۔ اور پیٹھ کو پھیلا دے اور پیٹھ کو اپنے سرین کے برابر رکھے۔ اور سر کو نہ کمر سے اوپر اُٹھائے اور نہ نیچے رکھے؛ بلکہ برابر رکھے (اور علامہ شامیؒ نے ردالمحتار میں لکھا ہے کہ پنڈلیوں کو کمان کی طرح کرنا جیسا کہ اکثر عوام کرتے ہیں مکروہ ہے۔ اور رکوع کرنے کا مذکورہ طریقہ مردوں کے لیے ہے۔ رہی عورتیں تو رکوع میں تھوڑا سا جھکیں گی اور انگلیوں کو نہیں پھیلائیں گی؛ بلکہ ملی ہوئی رکھیں گی اور ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھیں گی اور گھٹنوں کو جھکا لیں گی اور بازوؤں کو علیحدہ نہ کریں گی، اس لیے کہ اسی میں ان کے

لیے ستر ہے)۔(شامی:۲/۱۹۷)

رکوع کی تسبیح

اور مسنون یہ ہے کہ رکوع میں رکوع کی تسبیح سبحان ربی العظیم کم ازکم تین بار کہے۔ اگر کوئی شخص تکبیر کہنا چھوڑ دے، یا تسبیح تین مرتبہ سے کم کہے تو یہ مکروہ تنزیہی ہے۔(معراج الدرایہ میں ابومطیع بلخی نے فرمایا کہ تین مرتبہ تسبیح پڑھنا فرض ہے اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ایک مرتبہ رکوع کی تسبیح رکوع میں کہنا واجب ہے، جس طرح سجدوں کی تسبیح اور تکبیرات، سمع اللہ لمن حمدہ کہنا اور دو سجدوں کے درمیان دعاء واجب ہے، چناں چہ اگر کسی نے رکوع کی تسبیح کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی اور بھول کر چھوٹ جانے سے نماز باطل نہیں ہوتی ہے، ہمارے نزدیک تیسرا قول وجوب کا ہے اور قہستانی نامی کتاب میں بھی اس کو واجب قرار دیا گیا ہے)۔(شامی:۲/۱۹۷)

آنے والے کی رعایت میں قرأت یا رکوع کو طویل کرنے کا حکم

اور رکوع یا قرأت کو اس مقصد کے لیے طویل کرنا کہ آنے والا شخص رکوع یا جماعت پالے مکروہ تحریمی ہے، بشرطیکہ امام رکوع یا قرأت کو طویل آنے والے شخص کو پہچان کر کرے، اگر امام آنے والے کو نہ پہچانتا ہو تو پھر قرأت یا رکوع طویل کر دے تو یہ مکروہ نہیں ہے۔ اور اگر رکوع یا قرأت کو طول دینا اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے ہو تو یہ بالاتفاق مکروہ نہیں ہے، لیکن محض تقرب الٰہی اور خوشنودیٔ باری کے لیے ایسا کرنا نادر الوجود اور کمیاب ہے، اسی وجہ سے اس مسئلہ کا نام مسئلہ ریاء رکھا گیا ہے، لہٰذا اس سے بچنا ہی مناسب ہوگا۔

لوگوں کی جماعت پانے کی غرض سے رکوع طویل کرنے سے متعلق اقوالِ ائمہ

بدائع الصنائع اور ذخیرہ نامی کتاب میں حضرت امام ابویوسفؒ سے منقول ہے، انھوں نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ سے اس کے متعلق دریافت فرمایا تو ان حضرات نے بھی مکروہ تحریمی اور عدم جواز کا فتویٰ دیا۔ مزید امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ میں اس پر سنگین معاملہ کا اندیشہ کرتا ہوں یعنی شرک کا۔ اور ہشامؒ نے امام محمدؒ سے نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک بھی مکروہ تحریمی ہے، نیز حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے قول جدید کے مطابق بھی ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے کلام سے یہ سمجھ لیا کہ رکوع یا قرأت کو کسی بھی رعایت میں طویل کرنے والا شخص مشرک ہو جائے گا، چناں چہ انھوں نے اس کو مباح الدم قرار دیدیا، حالانکہ ایسی بات نہیں ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ نے شرک سے شرک فی العمل مراد لیا ہے، لہٰذا اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔(شامی:۲/۱۹۸)

رکوع وسجدے میں امام کی متابعت

حضرت شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات جان لینی چاہئے کہ ارکانِ نماز میں امام کی پیروی ومتابعت لازم ہونے پر یہ مسئلہ مبنی ہے جو آ رہا ہے کہ اگر امام رکوع یا سجدہ سے اپنا سر اُٹھالے اور مقتدی نے ابھی رکوع یا سجدے کی تین تسبیح مکمل نہیں کی ہے تو بھی مقتدی پر امام کی متابعت لازم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس قدر تسبیح باقی رہ گئی اس کو چھوڑ دے اور امام کے ساتھ سر اُٹھالے۔ اور اس کے برعکس میں بھی یہی حکم ہے، یعنی اگر مقتدی نے امام کی تسبیح پوری ہونے سے پہلے سر اُٹھالیا تو اس میں بھی مقتدی پر واجب ہے کہ امام کی پیروی اور متابعت کرے اور وہ دوبارہ رکوع میں چلا جائے اگر مقتدی نے ایسا نہ کیا تو کراہت تحریمی کا مرتکب ہوگا۔ اور مقتدی کے لیے دوبارہ رکوع میں جانا ایک ہی رکوع کہلائے گا دو رکوع نہیں کہلائیں گے، اس لیے کہ پہلی دفعہ غلط اٹھا تھا، اب اس کی تکمیل کے لیے دوبارہ رکوع نہیں کیا ہے، اس لیے دونوں ملا کر ایک ہی رکوع کہلائے گا۔

اگر مقتدی نے تشہد مکمل نہ کیا تھا کہ امام سلام پھیر دے یا تیسری رکعت کے لیے اُٹھ جائے تو کیا حکم ہے؟

اس کے برخلاف اگر امام مقتدی کی التحیات مکمل پڑھنے سے پہلے سلام پھیر دے یا امام تیسری رکعت کے لیے اُٹھ جائے تو مقتدی امام کی متابعت علی الفور نہ کرے گا؛ بلکہ مقتدی التحیات مکمل کرے گا اس کے بعد سلام پھیرے گا، یا تیسری رکعت کے لیے اُٹھے گا، اس لیے کہ التحیات پڑھنا واجب ہے اور اگر مقتدی التحیات مکمل نہ کرے اور امام کے ساتھ سلام پھیر دے یا امام کے ساتھ تیسری رکعت کے لیے اُٹھ جائے تو یہ بھی جائز ہوگا۔

اگر مقتدی ادعیۂ ماثورہ پڑھ رہا ہے اور امام سلام پھیر دے

اگر مقتدی التحیات پڑھ لینے کے بعد ادعیہ ماثورہ پڑھنے میں مشغول ہو، ابھی مقتدی کی دعاء مکمل نہیں ہوئی کہ اس سے پہلے امام سلام پھیر دے تو ایسی صورت میں مقتدی امام کی پیروی کرتے ہوئے امام کے ساتھ سلام پھیرے گا، دعاء پڑھنے تک رُکا نہیں رہے گا، اس لیے کہ التحیات پڑھ لینے کے بعد دعاء پڑھنا سنت ہے، لہٰذا سنت کی ادائیگی کے لیے امام کی متابعت جو لازم اور واجب ہے اس کو ترک نہیں کیا جاسکتا اور لوگ اس مسئلے سے غافل ہیں۔ (یعنی لوگ دعاء پڑھتے رہ جاتے ہیں اور امام کے ساتھ سلام نہیں پھیرتے ہیں اور سنت کی وجہ سے واجب میں تاخیر کرتے ہیں)۔

رکوع سے اُٹھنا

پھر رکوع مکمل کر کے رکوع سے اپنا سر "سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" کہتے ہوئے اُٹھائے، یعنی سر اُٹھانے کے ساتھ ہی "سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" شروع کردے، سر اُٹھانے کے بعد "سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" نہ کہے۔ اور فتاویٰ ولوالجیہ میں ہے کہ اگر کسی نے "سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" کے اندر جو "لِمَنْ" ہے اس کے نون کو لام سے بدل دیا اور "لِمَنْ" کی جگہ "لِمَلْ" پڑھا تو اس سے نماز

فاسد ہو جائے گی، اس لیے کہ "لِمَلْ" کا لفظ بے معنی ہے۔ لیکن علامہ شامیؒ نے منیۃ المصلی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مذکورہ صورت میں نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور حلبی نے منیۃ المصلی کی شرح میں لکھا ہے کہ اس کا حکم توتلے آدمی کی طرح ہے، یعنی اگر صحیح تلفظ کرنے پر قادر نہ ہوگا تو نماز فاسد نہ ہوگی ورنہ فاسد ہو جائے گی، صاحب قنیہ نے اسی تحقیق کی تحسین فرمائی ہے۔ (شامی: ۲/۲۰۱)

ایک سوال اور اس کا جواب

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وقف کس طرح کرے گا، جزم کے ساتھ یا حرکت کے ساتھ؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس بارے میں حضرات فقہاء کرام سے دو طرح کے اقوال مذکور ہیں، یعنی وقف جزم کی صورت میں اور حرکت کی صورت میں کر سکتے ہیں کہ جو لوگ اس کو سکوت کے لیے کہتے ہیں وہ جزم پر وقف کرتے ہیں اور جو لوگ "ہٗ" کو ضمیر کہتے ہیں کہ وہ ضمہ اشباع کے ساتھ کہتے ہیں، اور فتاویٰ صوفیہ میں ہے کہ ثانی صورت مستحب ہے۔ (شامی: ۲/۲۰۱)

رکوع سے اُٹھنے کے بعد کیا پڑھے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امام صرف "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ" کہنے پر اکتفاء کرے گا۔ اور حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ امام "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ" کے ساتھ آہستہ سے "رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ" بھی کہے گا۔ اور مقتدی صرف "رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ" پر اکتفاء کرے۔ (اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب امام "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ" کہے تو تم "رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ" کہو)۔ اور کلمہ تحمید میں سب سے افضل "اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ" ہے۔ اس کے بعد کا درجہ "اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ" واؤ کے حذف کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد کا درجہ "رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ" "اَللّٰھُمَّ" کے حذف کے ساتھ ہے۔ اور چوتھا اَللّٰھم اور واؤ دونوں کے حذف کے ساتھ "رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ" کہنا ہے۔ یہاں افضلیت اور غیر افضلیت میں اختلاف ہے ورنہ فی نفسہٖ چاروں طرح کے کلمات جائز ہیں۔

منفرد یعنی اکیلا نماز پڑھنے والا شخص قول معتمد کے مطابق دونوں کو جمع کرے گا، یعنی "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ" اور "رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ" دونوں کہے گا، جب رکوع سے سر اُٹھائے تو "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ" کہے اور جب رکوع سے اُٹھ کر سیدھا کھڑا ہو جائے تو "رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ" کہے۔ اور رکوع سے اُٹھنے کے بعد بالکل سیدھا کھڑا ہو جائے اس لیے کہ پہلے یہ بات آچکی ہے کہ یہ قیام یا تو سنت ہے۔ (جیسا کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں)، یا یہ قیام واجب ہے، (جیسا کہ صاحب فتح القدیر علامہ ابن الہمام کہتے ہیں)، یا یہ قیام فرض ہے، (جیسا کہ حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں)۔

سجدہ کرنے کا طریقہ

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ رکوع سے اُٹھنے کے بعد جھکتے ہوئے اللہ اکبر کہے، اور پھر اس طرح سجدہ میں جائے

کہ پہلے اپنے دونوں گھٹنوں کو زمین پر رکھے، اس لیے کہ یہ دونوں حصے زمین سے زیادہ قریب ہیں، پھر دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھے۔ ہاں اگر کوئی عذر ہو تو پہلے ہاتھ رکھنا کوئی ضروری نہیں ہے، پھر اپنا چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان زمین پر اس طرح رکھے کہ پہلے ناک کو زمین پر رکھے، اس وجہ سے جو گذر چکی ہے کہ پیشانی رکھنے میں ناک زمین سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان پیشانی اس طرح رکھے کہ انگوٹھے کانوں کے لو کے برابر ہو جائیں، اس طرح سے جس طرح پہلی رکعت میں بوقت تحریمہ سر دونوں ہتھیلیوں کے درمیان میں تھا، ویسا ہی اخیر رکعت میں بھی ہو جائے کہ سر دونوں ہتھیلیوں کے بیچ میں رہے اور سجدہ میں اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو ملی ہوئی رکھے، تا کہ تمام کی تمام انگلیاں قبلہ کی جانب متوجہ رہیں)۔

سجدہ سے سر اُٹھانے کا طریقہ

اور سجدہ سے سر اُٹھاتے وقت اس کے برعکس کرے، یعنی سر اُٹھاتے وقت پہلے پیشانی کو زمین سے الگ کرے، پھر ناک کو الگ کرے، پھر دونوں ہاتھوں کو، پھر دونوں گھٹنوں کو اُٹھائے، اور سجدہ ناک کے اس حصہ پر کرے جو سخت ہے اور پیشانی پر سجدہ کرے اور پیشانی کی حد لمبائی میں ایک کنپٹی سے لے کر دوسری کنپٹی تک ہے۔ اور چوڑائی میں دونوں بھنوؤں سے لے کر کھوپڑی تک ہے۔ (اور پیشانی کی حد بعض فقہاء کرام نے یہ لکھی ہے کہ بھنوؤں کے اوپر سے لے کر بال جمنے تک ہے)۔

اور سجدہ میں پیشانی کے اکثر حصہ کو زمین پر رکھنا واجب ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ فرض ہے، جس طرح پیشانی کے بعض حصہ کو رکھنا فرض ہے، اسی طرح اکثر حصہ کو رکھنا بھی فرض ہے (لیکن راجح قول یہ ہے کہ سجدہ میں پیشانی کے کچھ حصہ کا رکھنا فرض ہے)

سجدہ میں ناک اور پیشانی میں سے کسی ایک پر اکتفاء کرنا مکروہ ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ سجدہ میں ناک اور پیشانی میں سے کسی ایک پر اکتفاء کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور حضرات صاحبینؒ نے بلا عذر صرف ناک پر اکتفاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع فرمایا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کہ صرف ناک پر سجدہ ادا کرنے سے سجدہ ادا نہ ہوگا، جیسا کہ ہم نے اس مسئلہ کو ملتقی کی شرح میں صراحت کے ساتھ لکھ دیا ہے، نیز شرح الملتقی میں یہ مسئلہ بھی مذکور ہے کہ پاؤں کی انگلیوں کو زمین پر رکھنا بھی فرض ہے، خواہ ایک انگلی کیوں نہ ہو، اور سجدہ کی حالت میں انگلیوں کا رُخ قبلہ کی طرف ہونا چاہئے۔ اگر سجدہ کی حالت میں ایک انگلی بھی زمین پر نہ ہو تو سجدہ ادا نہ ہوگا اور لوگ اس مسئلہ سے غافل ہیں۔

علامہ شامیؒ نے ردالمحتار میں یہ صراحت کردی ہے کہ اگر سجدے کی حالت میں دونوں پاؤں زمین سے اُٹھ جائیں تو اس صورت میں سجدہ جائز نہ ہوگا۔ امام کرخی اور ابوبکر جصاص نے ایسا ہی ذکر کیا ہے، ہاں اگر دونوں پاؤں میں سے کسی ایک کو زمین پر رکھا ہے تو سجدہ جائز ہو جائے گا اور قاضی خاں نے فرمایا: سجدہ تو جائز ہو جائے گا لیکن مکروہ ہوگا۔ (شامی: ۲/۲۰۴)

پگڑی کے پیچ پر سجدہ کرنا

بلا عذر شرعی پگڑی کے پیچ پر سجدہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے، اگر چہ احناف کے نزدیک عمامہ کے پیچ پر سجدہ کرنا اس شرط کے ساتھ درست ہے کہ عمامہ کا پیچ پیشانی پر ہو، کل پر ہو یا بعض پر، جیسا کہ پہلے یہ مسئلہ گذر چکا ہے کہ سجدہ میں پیشانی کو زمین پر رکھنا فرض ہے۔ (اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر عمامہ کا پیچ ڈھلک کر پیشانی پر آ گیا ہو اور اس پر کوئی شخص سجدہ کرے تو مکروہ تنزیہی ہے، سر کے پیچ پر سجدہ درست نہیں ہے)۔

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عمامہ کا پیچ اگر صرف سر پر ہو اور سجدہ میں صرف اسی پر اکتفاء کرے یعنی اس کی پیشانی زمین تک نہ پہنچ سکے اور نہ اس کی ناک زمین سے لگے تو اس صورت میں معتمد قول کے مطابق سجدہ ادا نہ ہوگا۔ اس لیے کہ سجدہ اپنی جگہ پر ادا نہ ہوسکا۔ اور پیچ پر سجدہ کے لیے شرط یہ ہے کہ جگہ پاک ہو اور پیچ سے زمین کی سختی معلوم ہو۔ عوام الناس اس شرط سے غافل ہیں۔

چاول اور گیہوں کے ڈھیر پر سجدہ کرنے کا حکم

حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ سجدہ کرتے وقت شرط یہ ہے کہ سر، پیشانی زمین پر ٹک جائے، چناں چہ چاول، گیہوں کے ڈھیر پر سجدہ کرنے سے چونکہ پیشانی زمین پر نہیں ٹکتی ہے اس لیے ان کے ڈھیر پر سجدہ درست نہیں ہے، ہاں اگر چاول یا گیہوں بوری میں بند ہے تو پھر اس پر سجدہ کرنا درست ہے۔ الغرض سجدہ ایسی چیزوں پر جائز ہے جو دبانے سے دھنستی نہ چلی جائے۔ (شامی: ۲/۲۰۶)

سجدہ آستین یا کپڑے کے بقیہ حصہ پر کرنا

اگر کوئی شخص اپنی آستین یا اپنے کپڑے کے زائد حصہ پر سجدہ کرے گا تو یہ سجدہ جائز ہوگا، مگر شرط یہ ہے کہ وہ جگہ پاک ہو جہاں آستین یا کپڑا پھیلا ہوا ہو، اگر آستین اور کپڑا پھیلنے کی جگہ پاک نہیں ہے تو پھر سجدہ درست نہ ہوگا، جب تک کہ وہ دوبارہ پاک جگہ پر سجدہ نہ کرے، پاک جگہ پر دوبارہ سجدہ کرنے سے بالاتفاق وہ سجدہ درست ہو جائے گا۔

حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اگر نجاست سجدہ کرنے کی جگہ میں ہو اور اس جگہ پر کوئی سجدہ کرے تو اس بارے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ سے دو روایتیں منقول ہیں: (۱) اس کی نماز جائز نہ ہوگی، اس لیے کہ جس طرح نماز میں قیام رکن ہے، اسی طرح سجدہ بھی نماز کا رکن ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام زفرؒ کا بھی یہ مسلک ہے، اس لیے کہ ان حضرات کے نزدیک زمین پر پیشانی رکھنا فرض ہے اور پیشانی کی مقدار ایک درہم سے زیادہ ہے، چناں چہ جب ناپاک جگہ پر سجدہ کرے گا تو گویا ایک درہم سے زیادہ مقدار پر نجاست لگ گئی ہے، اس لیے درست نہ ہوگا۔ البتہ ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر اس نے سجدہ کو

کسی پاک جگہ پر دوبارہ کرلیا تو اس صورت میں سجدہ درست ہو جائے گا۔ اور حضرت امام زفرؒ کے نزدیک از سرِ نو دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی۔ اور صورتِ مذکورہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ نماز درست ہو جائے گی، اس لیے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک ناک کے کنارے پر سجدہ کرنا واجب ہے، اور ظاہر ہے ناک کا کنارہ مقدار درہم سے کم ہے۔ اور اگر نجاست مقدار درہم سے کم ہو تو نماز درست ہوتی ہے۔ (شامی: ۲/۲۰۷)

جسم کے کسی حصہ پر سجدہ کرنے کا حکم شرعی

حضرت شارحؒ فرماتے ہیں کہ یہی حکم ہر اس چیز کا ہے جو نمازی سے متصل ہو، یعنی اس پر سجدہ کرنا صحیح ہوتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ نیچے کی جگہ پاک ہو، اگر چہ وہ متصل شئی نمازی کا جزو ہو، جیسے کہ نمازی کی ہتھیلی اور اس کی ران ہے، اگر کسی عذر کی وجہ سے سجدہ کرے گا تو سجدہ صحیح ہوگا، البتہ گھٹنوں پر سجدہ کرنا صحیح نہ ہوگا۔ لیکن حلبی نے اس کی تصحیح کی ہے کہ گھٹنا بھی ران کی طرح ہے، یعنی گھٹنے پر سجدہ کرنے سے بھی سجدہ ادا ہو جائے گا، بشرطیکہ کوئی عذر ہو اور بلا عذر شرعی ان میں سے کسی پر بھی سجدہ درست نہیں ہے۔

بلا وجہ آستین وغیرہ پر سجدہ کرنے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ سجدہ کے لیے اپنے سے ملی ہوئی شئی کا بچھانا مکروہ ہے، مگر یہ کراہت اس صورت میں ہے جب کہ وہاں مٹی یا کنکری، یا گرمی یا سردی نہ ہو، اس لیے کہ اس صورت میں بچھانا از راہِ تکبر ہوگا۔ اور اگر از راہِ تکبر نہ بچھائے اور اس کو کسی کی تکلیف کا خوف نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر اذیت کا اندیشہ نہ ہو تو بچھانا مکروہ تنزیہی ہوگا، اور اگر اندیشہ ہو تو بچھانا مباح ہوگا۔

اور زیلعیؒ میں ہے کہ اگر کسی نے کپڑا یا آستین اس لیے بچھایا ہے تاکہ پیشانی کو مٹی لگنے سے بچایا جائے تو یہ مکروہ ہے۔ اور اگر عمامہ کو بچانے کے لیے ایسا کیا تو پھر مکروہ نہیں ہے۔ پہلی صورت میں کراہت اس لیے ہے کہ اس میں تکبر کی علامت پائی جاتی ہے۔ اور دوسری صورت میں کوئی تکبر نہیں ہے، اس لیے مکروہ نہیں ہے۔ اور شیخ حلبی نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ کپڑا بچھانے میں کوئی کراہت نہیں ہے، یعنی کپڑا بچھا کر اس پر سجدہ کرنا مکروہ نہیں ہے۔ اور اگر کوئی شخص قباء کو نماز پڑھنے کے لیے بچھائے تو اس کو چاہئے کہ قباء کی شانوں کو اپنے پاؤں کے نیچے رکھے اور قباء کے دامن پر سجدہ کرے اس لیے کہ یہ تواضع کے زیادہ قریب ہے۔

حاصل کلام

حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ افضل یہ ہے کہ سجدہ زمین پر کیا جائے، لیکن ایسی چیز پر سجدہ کرنا جو نمازی کے حرکت کرنے سے حرکت نہ کرے جائز ہے اور اس میں کوئی کراہت بھی نہیں ہے۔ اور اس مسئلہ میں علماء کرام کا اتفاق ہے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ (شامی: ۲/۲۰۸)

(وَإِنْ سَجَدَ لِلزِّحَامِ عَلَى ظَهْرِ) هَلْ هُوَ قَيْدٌ احْتِرَازِيٌّ لَمْ أَرَهُ (مُصَلٍّ صَلَاتَهُ) الَّتِي هُوَ فِيهَا (جَازَ) لِلضَّرُورَةِ (وَإِنْ لَمْ يُصَلِّهَا) بَلْ صَلَّى غَيْرَهَا أَوْ لَمْ يُصَلِّ أَصْلًا أَوْ كَانَ فُرْجَةٌ (لَا) يَصِحُّ، وَشَرَطَ فِي الْكِفَايَةِ كَوْنَ رُكْبَتَيِ السَّاجِدِ عَلَى الْأَرْضِ. وَشَرَطَ فِي الْمُجْتَبَى سُجُودَ الْمَسْجُودِ عَلَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ فَالشُّرُوطُ خَمْسَةٌ، لَكِنْ نَقَلَ الْقُهُسْتَانِيُّ الْجَوَازَ وَلَوْ الثَّانِي عَلَى ظَهْرِ الثَّالِثِ وَعَلَى ظَهْرِ غَيْرِ الْمُصَلِّي بَلْ عَلَى ظَهْرِ كُلِّ مَأْكُولٍ بَلْ عَلَى غَيْرِ الظَّهْرِ كَالْفَخِذَيْنِ لِلْعُذْرِ (وَلَوْ كَانَ مَوْضِعُ سُجُودِهِ أَرْفَعَ مِنْ مَوْضِعِ الْقَدَمَيْنِ بِمِقْدَارِ لَبِنَتَيْنِ مَنْصُوبَتَيْنِ جَازَ) سُجُودُهُ (وَإِنْ أَكْثَرَ لَا) إلَّا لِزَحْمَةٍ كَمَا مَرَّ، وَالْمُرَادُ لَبِنَةُ بُخَارَى، وَهِيَ رُبُعُ ذِرَاعٍ عَرْضُ سِتَّةِ أَصَابِعَ، فَمِقْدَارُ ارْتِفَاعِهِمَا نِصْفُ ذِرَاعٍ ثِنْتَا عَشْرَةَ أُصْبُعًا، ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ (وَيُظْهِرُ عَضُدَيْهِ) فِي غَيْرِ زَحْمَةٍ (وَيُبَاعِدُ بَطْنَهُ عَنْ فَخِذَيْهِ) لِيَظْهَرَ كُلُّ عُضْوٍ بِنَفْسِهِ، بِخِلَافِ الصُّفُوفِ فَإِنَّ الْمَقْصُودَ اتِّحَادُهُمْ حَتَّى كَأَنَّهُمْ جَسَدٌ وَاحِدٌ (وَيَسْتَقْبِلُ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ، وَيُكْرَهُ إنْ لَمْ يَفْعَلْ) ذَلِكَ، كَمَا يُكْرَهُ لَوْ وَضَعَ قَدَمًا وَرَفَعَ أُخْرَى بِلَا عُذْرٍ (وَيُسَبِّحُ فِيهِ ثَلَاثًا) كَمَا مَرَّ (وَالْمَرْأَةُ تَنْخَفِضُ) فَلَا تُبْدِي عَضُدَيْهَا (وَتُلْصِقُ بَطْنَهَا بِفَخِذَيْهَا) لِأَنَّهُ أَسْتَرُ، وَحَرَّرْنَا فِي الْخَزَائِنِ أَنَّهَا تُخَالِفُ الرَّجُلَ فِي خَمْسَةٍ وَعِشْرِينَ. (ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مُكَبِّرًا وَيَكْفِي فِيهِ) مَعَ الْكَرَاهَةِ (أَدْنَى مَا يُطْلَقُ عَلَيْهِ اسْمُ الرَّفْعِ) كَمَا صَحَّحَهُ فِي الْمُحِيطِ لِتَعَلُّقِ الرُّكْنِيَّةِ بِالْأَدْنَى كَسَائِرِ الْأَرْكَانِ، بَلْ لَوْ سَجَدَ عَلَى لَوْحٍ فَنُزِعَ فَسَجَدَ بِلَا رَفْعٍ أَصْلًا صَحَّ وَصَحَّحَ فِي الْهِدَايَةِ أَنَّهُ إنْ كَانَ إلَى الْقُعُودِ أَقْرَبَ صَحَّ وَإِلَّا لَا وَرَجَّحَهُ فِي النَّهْرِ وَالشُّرُنْبُلَالِيَّةِ ثُمَّ السَّجْدَةُ الصَّلَاتِيَّةُ تَتِمُّ بِالرَّفْعِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى كَالتِّلَاوِيَّةِ اتِّفَاقًا مَجْمَعٌ (وَيَجْلِسُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ مُطْمَئِنًّا) لِمَا مَرَّ، وَيَضَعُ يَدَيْهِ عَلَى فَخِذَيْهِ كَالتَّشَهُّدِ مُنْيَةُ الْمُصَلِّي (وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا ذِكْرٌ مَسْنُونٌ، وَكَذَا) لَيْسَ (بَعْدَ رَفْعِهِ مِنَ الرُّكُوعِ) دُعَاءٌ، وَكَذَا لَا يَأْتِي فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ بِغَيْرِ التَّسْبِيحِ (عَلَى الْمَذْهَبِ) وَمَا وَرَدَ. مَحْمُولٌ عَلَى النَّفْلِ (وَيُكَبِّرُ وَيَسْجُدُ) ثَانِيَةً (مُطْمَئِنًّا وَيُكَبِّرُ لِلنُّهُوضِ) عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ (بِلَا اعْتِمَادٍ وَقُعُودٍ) اسْتِرَاحَةٍ وَلَوْ فَعَلَ لَا بَأْسَ. وَيُكْرَهُ تَقْدِيمُ إحْدَى رِجْلَيْهِ عِنْدَ النُّهُوضِ (وَالرَّكْعَةُ الثَّانِيَةُ كَالْأُولَى) فِيمَا مَرَّ (غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَأْتِي بِثَنَاءٍ وَلَا تَعَوُّذٍ فِيهَا) إذْ لَمْ يُشْرَعَا إلَّا مَرَّةً.

نمازی کی پیٹھ پر سجدہ کرنے کا بیان

مصنف کتاب حضرت علامہ تمرتاشی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نمازیوں کی بھیڑ کی وجہ سے اس نمازی کی پشت

پر سجدہ کرے جو وہی نماز پڑھا رہا ہے جو وہ خود پڑھ رہا ہے تو ضرورت کی وجہ سے یہ سجدہ کرنا درست ہوگا۔ اور حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ پشت کی قید احترازی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں میں نے کہیں کوئی جزئیہ نہیں دیکھا ہے۔ (لیکن ماقبل کے جزئیات سے معلوم ہوا کہ یہ قید اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے، اس لیے کہ ضرورت کے وقت ران پر بھی سجدہ کرنا جائز ہے) اور جس شخص کی پیٹھ پر سجدہ کیا جارہا ہے اگر وہ دوسری نماز ادا کر رہا ہے یا سرے سے وہ شخص نماز ہی میں نہیں ہے، یا کشادگی کے باوجود اس نے کسی کی پشت پر سجدہ کرلیا تو ان صورتوں میں سجدہ جائز نہ ہوگا۔

دوسرے کی پشت پر سجدہ کے جائز ہونے کی شرط

شارح درمختار علامہ علاؤالدین الحصکفیؒ فرماتے ہیں کہ کفایہ نامی کتاب میں یہ شرط لگائی ہے کہ سجدہ کرنے والوں کے دونوں گھٹنے زمین پر ہوں۔ اور مجتبیٰ نامی کتاب میں یہ شرط لگائی ہے کہ جس شخص کی پشت پر سجدہ کیا جارہا ہے وہ زمین پر سجدہ کررہا ہو تب سجدہ درست ہوگا، ورنہ نہیں، لہٰذا اس طرح سجدہ کے جائز ہونے کے لیے کل پانچ شرطیں ہوگئیں جو ذیل میں بالترتیب نمبر وار درج ہیں:

۱- پشت پر سجدہ کے جائز ہونے کے لیے بھیڑ بھاڑ ہونا شرط ہے۔

۲- سجدہ دوسرے شخص کی پیٹھ پر ہونا۔

۳- جس کی پشت پر سجدہ کیا جارہا ہے اور جو سجدہ کررہا ہے دونوں کا ایک نماز میں ہونا۔

۴- سجدہ کرنے والوں کا گھٹنا زمین پر ہونا۔

۵- جس شخص کی پشت پر سجدہ کیا جارہا ہے وہ خود زمین پر سجدہ کررہا ہو۔

لیکن قہستانی نے نقل کیا ہے کہ اگر جس شخص کی پشت پر سجدہ کیا جارہا ہے وہ کسی تیسرے شخص کی پشت پر سجدہ کررہا ہو، یا وہ کسی غیر نمازی کی پشت پر سجدہ کررہا ہو، تب بھی جائز ہے، حتیٰ کہ ہر کھائی جانے والی چیز کی پشت پر بھی سجدہ کو جائز کہا گیا ہے، بلکہ اگر عذر کی وجہ سے پشت کے علاوہ کسی اور شئی پر مثلاً اپنی ران پر سجدہ کررہا ہے تب بھی جائز ہے۔

سجدے کی جگہ کی اونچائی کس قدر ہونی چاہئے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر نمازی کے سجدہ کرنے کی جگہ اس کے دونوں پاؤں کی جگہ سے دو کھڑی اینٹ کی مقدار اونچی ہو اور اس پر سجدہ کرے تو سجدہ جائز ہے۔ اور اگر دو کھڑی اینٹ کی اونچائی سے سجدہ کی جگہ زیادہ اونچی ہے تو پھر سجدہ جائز نہ ہوگا۔ ہاں اگر بہت زیادہ بھیڑ ہو اور اس کے علاوہ کوئی صورت نہ ہو تو اس سے بھی اونچی جگہ پر سجدہ کرنا جائز ہوگا، جیسا کہ یہ بات گذر چکی ہے۔ اور یہاں اینٹ سے بخارائی اینٹ مراد ہے اور وہ ایک ہاتھ کا چوتھائی حصہ ہے جو چھ انگلی کے برابر ہوتی ہے۔ اس طرح سے دونوں اینٹوں کی بلندی اور اونچائی ایک نصف ذراع یعنی بارہ انگلی ہوئی، شیخ حلبی نے اس کو ذکر کیا ہے۔

سجدہ میں پیٹ کو بازوؤں سے الگ رکھنے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جہاں بھیڑ نہ ہو وہاں سجدہ کی حالت میں اپنے دونوں بازوؤں کو ظاہر کرے۔ اور اپنے پیٹ کو اپنی دونوں رانوں سے الگ رکھے؛ تاکہ ہر عضو خود بخود نمایاں ہو جائے۔ یعنی ایک کا دوسرے پر سہارا نہ ہو، بخلاف صفوں کے اس میں اپنے بازوؤں کو ملائے رکھے، علیحدہ نہ کرے، اس لیے کہ صفوں سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ان میں اتحاد ہے اور سب کے سب ایک جسم کی طرح ہیں۔ اور یہ مقصد اس وقت حاصل ہوگا جب بازو ایک دوسرے کے بازو سے متصل ہوں۔

سجدے میں پاؤں کی انگلیوں کا رُخ کس طرف ہو؟

اور سجدے میں اپنے دونوں پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی جانب رکھے؛ کیونکہ قبلہ کی جانب انگلیوں کا رُخ نہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے؛ کیونکہ قبلہ رُخ انگلیوں کا رکھنا سنت ہے، لہٰذا سنت کا ترک بلا عذر مکروہ تنزیہی ہوگا۔ جس طرح یہ مکروہ ہے کہ سجدہ کی حالت میں ایک پاؤں زمین پر رکھے اور دوسرے پاؤں کو زمین سے بلا ضرورت اُٹھائے رکھے۔ اور سجدہ میں کم از کم تین مرتبہ "سبحان ربی الاعلیٰ" کہے، جیسا کہ اس سے پہلے رکوع کے بیان میں گذرا ہے۔ (اگر کسی نے سجدہ میں "سبحان ربی الاعلیٰ" تین مرتبہ سے کم یا بالکل چھوڑ دیا تو یہ مکروہ تنزیہی ہے، کم از کم تین بار سبحان ربی الاعلیٰ سجدہ میں کہنا مسنون ہے)۔ (شامی: ۲/۲۱۱)

عورت سجدہ کس طرح کرے گی؟

اور عورت اپنے آپ کو پست رکھے گی، چناں چہ اپنے دونوں بازوؤں کو ظاہر نہیں کرے گی۔ اور اپنے پیٹ کو اپنی ران سے ملائے رکھے گی، اس لیے کہ اس میں عورتوں کے لیے زیادہ پردہ ہے۔ اور ہم نے "خزائن الاسرار" میں یہ بات لکھ دی ہے کہ عورت پچیس چیزوں میں مردوں کے مخالف ہے، یعنی عورتوں کے مسائل الگ ہیں۔ وہ پچیس چیزیں درج ذیل ہیں:

۱- عورت تکبیر تحریمہ میں اپنے دونوں ہاتھوں کو صرف شانوں کے برابر اُٹھائے گی۔
۲- ہاتھوں کو آستینوں سے باہر نہیں نکالے گی۔
۳- عورت دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھے گی۔
۴- عورت اپنے ہاتھوں کو پستان کے نیچے باندھے گی۔
۵- عورت رکوع میں تھوڑا سا جھکے گی، مردوں کی طرح سر کو کمر کے برابر نہ کرے گی۔
۶- عورت رکوع میں ہاتھ پر سہارا نہیں دے گی۔
۷- عورت رکوع کی حالت میں ہاتھوں کی انگلیوں کو نہیں پھیلائے گی؛ بلکہ ان کو ملی ہوئی رکھے گی۔
۸- عورت رکوع میں اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھے گی، گھٹنوں کو پکڑے گی نہیں۔

۹- عورت رکوع میں اپنے گھٹنوں کو جھکائے گی۔

۱۰- عورت رکوع کی حالت میں سمٹی ہوئی رہے۔

۱۱- عورت سجدے کی حالت میں اپنی بغلیں نہ کھولے۔

۱۲- عورت سجدے کی حالت میں اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر بچھادے۔

۱۳- عورت تشہد میں دونوں پاؤں داہنی طرف نکال کر سرین پر بیٹھے۔

۱۴- عورت تشہد کی حالت میں ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی رکھے۔

۱۵- جب نماز میں کوئی بات پیش آجائے تو صرف ہاتھ سے تالی بجائے، زبان سے سبحان اللہ نہ کہے۔

۱۶- عورت مردوں کی طرح امامت نہ کرے۔

۱۷- صرف عورتوں کی جماعت مکروہ ہے۔

۱۸- عورت اگر امام بن جائے تو درمیان صف میں کھڑی ہوگی، مردوں کی طرح آگے نہیں کھڑی ہوگی۔

۱۹- عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔

۲۰- اگر عورت مردوں کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھے تو اس کی صف مردوں سے پیچھے ہوگی۔

۲۱- عورتوں پر جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے، اس کے برخلاف مردوں پر جمعہ فرض ہے، عورت اگر جمعہ پڑھے گی تو جمعہ صحیح ہوجائے گا۔

۲۲- عورتوں پر عید کی نماز واجب نہیں ہے۔

۲۳- ایام تشریق میں عورتوں پر فرض نمازوں کے بعد تکبیر واجب نہیں ہے۔

۲۴- عورتوں کے لیے یہ مستحب نہیں ہے کہ نماز فجر اسفار میں ادا کریں بلکہ غلس میں پڑھنا افضل ہے۔

۲۵- جہری نمازوں میں بھی عورت بلند آواز سے قرأت نہیں کرے گی، اگر بلند آواز سے قرأت کرلی تو بعض علماء کے نزدیک اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔

۲۶- البحر الرائق میں یہ بھی اضافہ ہے کہ عورتیں سجدہ میں پاؤں کی انگلیاں کھڑی نہ رکھیں گی۔

۲۷- طحطاوی میں اس کا بھی اضافہ ہے کہ عورت اذان نہیں دے سکتی ہے۔

۲۸- عورت اعتکاف مسجد میں نہیں کرے گی۔ (شامی: ۲/۲۱۱)

سجدہ سے سر اُٹھانا

پھر نمازی تکبیر یعنی اللہ اکبر کہتے ہوئے اپنے سر کو سجدہ سے اُٹھائے، اور صرف اتنا سر اُٹھانا کافی ہے، جس پر سر اُٹھانے کا

اطلاق ہوسکے کراہت کے ساتھ کافی ہوجائے گا، جیسا کہ اس مسئلہ کی تصحیح محیط نامی کتاب میں کی گئی ہے، اس لیے کہ اس ادنیٰ درجہ کے اُٹھانے دوسرے ارکان کی طرح اس پر بھی رکن کا اطلاق ہوجائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کے نزدیک سجدہ سے سر اُٹھانا رکن ہے اُن لوگوں کے نزدیک تھوڑا سا سر اُٹھانے سے بھی رکن ادا ہوجائے گا، گرچہ کراہت کے ساتھ ادا ہوگا لیکن بہرحال ادا ہوجائے گا، جیسا کہ منیۃ المصلی کی شرح میں اس کی صراحت ہے۔

بلکہ اگر کوئی شخص کسی تختہ پر سجدہ کر رہا تھا کہ اس کے سر کے نیچے سے تختہ نکال لیا گیا اور اس نے سجدہ سر اُٹھائے بغیر دوسرا سجدہ کرلیا تو یہ سجدہ بھی صحیح ہوجائے گا، لیکن کراہت کے ساتھ صحیح ہوگا۔ اور ہدایہ میں یہ مسئلہ اس طرح لکھا ہے کہ اگر سر اُٹھانے میں بیٹھنے سے زیادہ قریب ہوگا تب تو سر اُٹھانا درست ہوگا اور سجدہ صحیح ہوگا، ورنہ درست نہیں ہوگا۔ کنز الدقائق کی شرح النہر الفائق اور شرنبلالیہ میں اسی مسئلہ کو ترجیح دی گئی ہے، پھر نماز کا سجدہ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک سر اُٹھانے کے بعد ہی پورا ہوتا ہے اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔ (اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف سر رکھنے سے سجدہ پورا ہوجاتا ہے) جس طرح سجدۂ تلاوت بالاتفاق سر اُٹھانے کے بعد ہی بالاتفاق پورا ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر کسی نے سجدۂ تلاوت ادا کرتے ہوئے کسی نے بات کرلی یا حدث لاحق کردیا تو اس صورت میں اس سجدہ کا اعادہ کرنا واجب ہے۔

دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا حکم

اور دونوں سجدوں کے درمیان نمازی اطمینان کے ساتھ بیٹھے، اس دلیل کی وجہ سے جو پہلے گذر چکی ہے۔ اور اطمینان سے بیٹھنے کی مقدار یہ ہے کہ ایک مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکے، جیسا کہ سراج الوہاج وغیرہ میں مذکور ہے۔ اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی حالت میں اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنی دونوں رانوں پر اسی طرح رکھے جس طرح التحیات پڑھنے کے لیے بیٹھتے وقت رکھا جاتا ہے، چناں چہ منیۃ المصلی میں یہ مسئلہ ایسا ہی لکھا ہے۔ دونوں سجدوں کے درمیان جو جلسہ کیا جاتا ہے اس میں کوئی مسنون ذکر نہیں ہے، اسی طرح رکوع سے اُٹھنے کے بعد جو قومہ کیا جاتا ہے اس میں "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کے علاوہ کوئی دعا نہیں ہے، اسی طرح رکوع اور سجدوں میں "سبحان ربی العظیم" اور "سبحان ربی الاعلیٰ" کے علاوہ کوئی اور دوسری دعا نہ پڑھے۔ اس باب میں معتمد مذہب یہی ہے اور رہی وہ احادیثِ مبارکہ جن میں ان دعاؤں کے علاوہ بھی پڑھنے کا ذکر ہے وہ نفل نمازوں پر محمول ہے۔ فرض نمازوں میں تسبیح رکوع و سجود کے علاوہ کوئی دوسری تسبیح نہ پڑھے۔

نفل نمازوں کے رکوع و سجدے کی دعائیں

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ جب رکوع میں جاتے تو یہ دعا پڑھتے تھے:

أَللّٰهُمَّ لَکَ رَکَعْتُ، وَبِکَ آمَنْتُ، وَلَکَ أَسْلَمْتُ، خَشَعَ لَکَ سَمْعِي، وَ بَصَرِي، وَمُخِّي، وَعَظْمِي،

وعصبی۔

اے میرے اللہ! میں نے تیرے ہی واسطے رکوع کیا، اور تجھ ہی پر ایمان لایا، تیری ہی فرماں برداری کی، میرے کان، میری نگاہ، میرا دماغ، میری ہڈی اور میرے پٹھے نے تیری ہی فروتنی اور عاجزی کی ہے۔

اور جب رسول اللہ ﷺ سجدہ فرماتے تو یہ دعاء پڑھتے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَکَ سجدتُّ، وبکَ آمنتُ، ولکَ أسلمتُ، سَجدَ وجْهِی لِلَّذِی خلقَهٗ، وصَوَّرهٗ، وشَقَّ سمعَهٗ وبَصرَهٗ، تَبارکَ اللّٰہُ أحسَنُ الخَالقِینَ۔

"اے میرے اللہ! میں نے تیرے ہی لیے سجدہ کیا، تجھ ہی پر ایمان لایا، اور تیری ہی فرماں برداری کی، میرے چہرے نے اس ذات کے لیے سجدہ کیا جس نے اس کو پیدا کیا اور اس کی شکل وتصویر بنائی اور اس کے کان اور نگاہ بنائی۔ بابرکت اللہ کی ذات اور تمام پیدا کرنے والوں میں سب سے عمدہ پیدا کرنے والی ذات ہے"۔

اور جب آپ رکوع سے سر اُٹھاتے تو یہ دعاء پڑھتے تھے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لکَ الحَمدُ مِلءَ السَّمٰوٰتِ والأرضِ، وَ مِلءَ مَا شِئتَ مِن شَيءٍ بَعدَ أهلِ الثَّناءِ والمَجدِ أحقُّ مَا قَالَ العَبدُ وکُلُّنا لکَ عبدٌ؟ لاَ مَانِعَ لِمَا أعطَیتَ، ولاَ مُعطِيَ لِمَا مَنَعتَ، ولاَ ینفَعُ ذَا الجَدِّ مِنکَ الجَدُّ۔

اے میرے اللہ! اے ہمارے پروردگار! تیرے ہی واسطے تمام تعریفیں ہیں، آسمانوں اور زمین بھر کر، اور اس شئی کو بھر کر جس کو آپ تعریف اور بزرگی والے کے بعد چاہیں، بندہ جو کچھ بھی کہے آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ اور ہم سب آپ ہی کے بندے ہیں، جس چیز کو آپ عطا کرنا چاہیں اس کو کوئی روک نہیں سکتا ہے۔ اور جس چیز کو آپ روکنا چاہیں تو کوئی دے نہیں سکتا ہے۔ اور مالداروں کی مالداری آپ کے عذاب سے بچا نہیں سکتی ہے۔

اور ابوداؤد شریف میں ہے کہ آپ دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعاء پڑھتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اغفِر لی وارحَمنِي وعَافِنِي واهدِنِي وارزُقنِي۔

اے اللہ! تو میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم کا، کرم کا معاملہ فرما اور میرے ساتھ عافیت کا معاملہ فرما اور مجھے سیدھی راہ کی ہدایت دیجئے اور مجھے رزق حلال عطا فرمائیے۔ (شامی: ۲/ ۲۱۳)

دوسرے سجدے میں جانا اور اس سے اُٹھنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ پہلے سجدہ سے اُٹھ کر اطمینان سے بیٹھنے کے بعد اللہ اکبر کہتا ہوا دوسرے سجدے میں جائے اور اطمینان کے ساتھ دوسرا سجدہ ادا کرے۔ اور دوسرا سجدہ ادا کرنے کے بعد اللہ اکبر کہتا ہوا دونوں پاؤں کی انگلیوں پر سہارا دیتے ہوئے بغیر ٹیک لگائے اور بغیر استراحت کے لیے بیٹھے ہوئے، کھڑا ہو جائے۔ اور اگر دوسرے سجدے سے اُٹھتے

وقت زمین سے سہارا لیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور سجدہ سے اُٹھتے وقت ایک پاؤں کو آگے بڑھانا مکروہ ہے۔اور دوسری رکعت پہلی رکعت کی طرح ادا کی جائے گی، جیسا کہ اس کی تفصیل گذر چکی ہے، ہاں البتہ دوسری رکعت میں ثناء اور تعوذ نہ پڑھے گا، اس لیے کہ یہ دونوں صرف ایک مرتبہ پہلی رکعت میں مشروع ہیں اس کے علاوہ کسی اور رکعت میں مشروع نہیں ہیں۔

(وَلَا يُسَنُّ) مُؤَكَّدًا (رَفْعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي) سَبْعِ مَوَاطِنَ كَمَا وَرَدَ، بِنَاءً عَلَى أَنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ وَاحِدًا نَظَرًا لِلسَّعْيِ ثَلَاثَةٌ فِي الصَّلَاةِ (تَكْبِيرَةِ افْتِتَاحٍ وَقُنُوتٍ وَعِيدٍ، وَ) خَمْسَةٌ فِي الْحَجِّ (اسْتِلَامِ الْحَجَرِ وَالصَّفَا، وَالْمَرْوَةِ، وَعَرَفَاتٍ، وَالْجَمَرَاتِ) وَيَجْمَعُهَا عَلَى هَذَا التَّرْتِيبِ بِالنَّثْرِ " فقعس صمعج " وَبِالنَّظْمِ لِابْنِ الْفَصِيحِ:

فَتْحٌ قُنُوتٌ عِيدٌ اسْتَلَمَ الصَّفَا مَعَ مَرْوَةٍ عَرَفَاتٌ الْجَمَرَاتُ.

(وَالرَّفْعُ بِحِذَاءِ أُذُنَيْهِ) كَالتَّحْرِيمَةِ (فِي الثَّلَاثَةِ الْأُوَلِ، وَ) أَمَّا (فِي الْاسْتِلَامِ) وَالرَّمْيِ (عِنْدَ الْجَمْرَتَيْنِ) الْأُولَى وَالْوُسْطَى فَإِنَّهُ (يَرْفَعُ حِذَاءَ مَنْكِبَيْهِ وَيَجْعَلُ بَاطِنَهُمَا نَحْوَ) الْحَجَرِ وَ (الْكَعْبَةِ، وَ) أَمَّا (عِنْدَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَعَرَفَاتٍ) فَيَرْفَعُهُمَا (كَالدُّعَاءِ) وَالرَّفْعُ فِيهِ، وَفِي الِاسْتِسْقَاءِ مُسْتَحَبٌّ (فَيَبْسُطُ يَدَيْهِ) حِذَاءَ صَدْرِهِ (نَحْوَ السَّمَاءِ) لِأَنَّهَا قِبْلَةُ الدُّعَاءِ وَيَكُونُ بَيْنَهُمَا فُرْجَةٌ وَالْإِشَارَةُ بِمُسَبِّحَتِهِ لِعُذْرٍ كَبَرْدٍ يَكْفِي وَالْمَسْحُ بَعْدَهُ عَلَى وَجْهِهِ سُنَّةٌ فِي الْأَصَحِّ شُرُنْبُلَالِيَّةٌ. وَفِي وِتْرِ الْبَحْرِ: الدُّعَاءُ أَرْبَعَةٌ: دُعَاءُ رَغْبَةٍ يَفْعَلُ كَمَا مَرَّ. وَدُعَاءُ رَهْبَةٍ يَجْعَلُ كَفَّيْهِ لِوَجْهِهِ كَالْمُسْتَغِيثِ مِنَ الشَّيْءِ وَدُعَاءُ تَضَرُّعٍ يَعْقِدُ الْخِنْصَرَ وَالْبِنْصِرَ وَيُحَلِّقُ وَيُشِيرُ بِمُسَبِّحَتِهِ. وَدُعَاءُ الْخُفْيَةِ مَا يَفْعَلُهُ فِي نَفْسِهِ.

نمازوں میں رفع یدین مسنون نہیں ہے

اور دونوں ہاتھوں کو سنتِ مؤکدہ کے طور پر اُٹھانا نہیں ہے، مگر سات جگہوں میں، جیسا کہ حدیث شریف میں مذکور ہے، یعنی سات جگہوں میں رفع یدین مسنون ہے اور ان سات مقامات کے علاوہ کسی بھی جگہ مسنون نہیں ہے۔اس بنیاد پر کہ صفا اور مروہ سعی کے لحاظ سے دونوں ایک ہیں (مطلب یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ رفع یدین آٹھ جگہ مسنون ہے، وہ درحقیقت صفا اور مروہ کو دو شمار کرتے ہیں؛ حالانکہ سعی کے اعتبار سے دونوں ایک حکم میں ہیں، تو اس طرح کل سات ہی جگہیں ہوتی ہیں)۔اور صاحب کتاب نے "موکدا" کی قید لگائی ہے اس سے معلوم ہوا کہ دعاؤں میں ہاتھ اُٹھانا سنتِ موکدہ نہیں ہے؛ بلکہ صرف مستحب ہے۔وہ سات جگہیں یہ ہیں، تین جگہیں تو نماز میں ہیں:

(۱) تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کو دونوں کان کی لو تک اُٹھانا۔

(۲) دعائے قنوت پڑھنے کے لیے تکبیر کہتے وقت اُٹھانا۔

(۳) عیدین کی تکبیرات میں ہاتھ اُٹھانا۔

اور پانچ جگہوں پر حج میں ہاتھ اُٹھانا مسنون ہے:

(۴) حجر اسود کو بوسہ دینے کے وقت دونوں ہاتھوں کو اُٹھانا مسنون ہے۔

(۵) صفا اور مروہ پہاڑی پر دعاء کے لیے ہاتھ اُٹھانا مسنون ہے۔

(۶) عرفات کے میدان میں ہاتھ اُٹھانا۔

(۷) جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ پر کنکری مارتے وقت ہاتھ اُٹھانا مسنون ہے۔

اور نثر میں اس ترتیب کو اس لفظ میں جمع کر دیا ہے: "فقعس صمعج"، ان دونوں لفظوں میں کل آٹھ حروف ہیں جو آٹھ مقامات پر دلالت کرتے ہیں:

ف: سے مراد تکبیر افتتاح ہے، یعنی اس وقت ہاتھ اُٹھانا مسنون ہے۔

ق: سے مراد دعائے قنوت کے وقت ہے۔

ع: سے مراد عیدین کی تکبیرات زوائد ہیں۔

س: سے مراد حجر اسود کا استیلام ہے۔

ص: سے مراد صفا پہاڑی ہے۔

م: سے مراد مروہ پہاڑی ہے، شارح نے ان دونوں کو حکم کے لحاظ سے ایک مانا ہے۔

ع: سے مراد عرفات کا میدان ہے۔

ج: سے مراد جمرۂ اولیٰ و وسطیٰ پر کنکری مارتے وقت ہاتھ اُٹھانا ہے۔

اور ان سات جگہوں کو ابن الفصیح نے نظم میں بھی ادا کیا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

"فتح، یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت، قنوت اور تکبیرات عید، اور حجر اسود کا بوسہ لیتے وقت، اور صفا و مروہ پہاڑی پر اور عرفات میں اور جمرۂ اولیٰ و وسطیٰ کے وقت۔

ہاتھوں کے اُٹھانے کا تفصیلی بیان

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ پہلے تین مقام پر، یعنی تحریمہ، قنوت اور عیدین کی تکبیروں میں دونوں ہاتھوں کو دونوں کانوں کے برابر اُٹھانا ہے، جس طرح نماز شروع کرتے وقت تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اُٹھایا جاتا ہے۔ رہا حجر اسود کو بوسہ دینے

کے وقت اور دونوں جمروں یعنی اولیٰ اور وسطیٰ کے وقت، تو دونوں ہاتھوں کو دونوں مونڈھوں تک اٹھایا جائے گا۔ اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو حجر اسود اور کعبہ شریف کی طرف کرے۔ صفا اور مروہ پہاڑی پر، نیز عرفات میں دونوں ہاتھ اس طرح اُٹھانا ہوگا جس طرح دعاء میں اُٹھاتے ہیں۔ اور دعا اور طلب باراں کے لیے ہاتھوں کا اُٹھانا صرف مستحب ہے۔ چناں چہ دونوں ہاتھوں کو اپنے سینے کے برابر لاکر آسمان کی طرف پھیلادے، اس لیے کہ آسمان دعاؤں کا قبلہ ہے، جس طرح کعبہ شریف نماز کے واسطے قبلہ ہے۔ اور دعاء کے وقت دونوں ہاتھوں کے درمیان قدرے فاصلہ رکھے۔ اور عذر کے وقت مثلاً سردی ہے تو صرف شہادت کی اُنگلی سے اشارہ کردینا کافی ہے۔ اور دعاء کے بعد چہرے پر ہاتھ ملنا مستحب ہے، اصح قول کے مطابق، جیسا کہ شرنبلالیہ میں لکھا ہے۔

دعاء کی قسمیں

صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ البحر الرائق کے باب الوتر میں ہے کہ دعاء کی چار قسمیں ہیں:

(۱) دعائے رغبت، یعنی کسی چیز کی طلب کے لیے دعاء کرنا، مثلاً: دعاء میں جنت طلب کرنا، تو اس کا طریقہ وہی ہے جو اوپر بیان ہوا کہ دونوں ہاتھوں کو آسمان کی جانب اُٹھا کر سینہ کے برابر لے جائے اور دعاء کرے۔

(۲) دعائے خوف، اس دعاء کو کہتے ہیں جس میں کسی شئی سے بچنے کی درخواست کی جائے، مثلاً: عذاب جہنم سے بچنے کی دعاء کرنا، اس میں اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اپنے چہرے کی جانب کرلے، جس طرح فریاد کرنے والا شخص کرتا ہے۔

(۳) دعائے تضرع، یعنی ایسی دعاء جس میں نہ کسی چیز کو طلب کرنا مقصود ہو اور نہ کسی چیز سے پناہ طلب کرنا ہو؛ بلکہ اس سے مقصد اللہ تعالیٰ سے گریہ وزاری کرنا ہو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے خنصر اور بنصر کو بند کرے اور بیچ کی اُنگلی اور انگوٹھے سے حلقہ باندھے اور شہادت کی اُنگلی سے اشارہ کرے۔

(۴) خفیہ دعاء، یعنی پوشیدہ دعاء، جو دل میں مانگی جاتی ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ دعاء کرتے وقت ہاتھوں کو بالکل نہ اُٹھائے؛ بلکہ یوں ہی دعاء کرے تاکہ کسی کو علم بھی نہ ہو۔

(وَبَعْدَ فَرَاغِهِ مِنْ سَجْدَتَيِ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ يَفْتَرِشُ) الرَّجُلُ (رِجْلَهُ الْيُسْرَى) فَيَجْعَلُهَا بَيْنَ أَلْيَتَيْهِ (وَيَجْلِسُ عَلَيْهَا وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنَى وَيُوَجِّهُ أَصَابِعَهُ) فِي الْمَنْصُوبَةِ (نَحْوَ الْقِبْلَةِ) هُوَ السُّنَّةُ فِي الْفَرْضِ وَالنَّفْلِ (وَيَضَعُ يُمْنَاهُ عَلَى فَخِذِهِ الْيُمْنَى وَيُسْرَاهُ عَلَى الْيُسْرَى، وَيَبْسُطُ أَصَابِعَهُ) مُفَرَّجَةً قَلِيلًا (جَاعِلًا أَطْرَافَهَا عِنْدَ رُكْبَتَيْهِ) وَلَا يَأْخُذُ الرُّكْبَةَ هُوَ الْأَصَحُّ لِتَتَوَجَّهَ لِلْقِبْلَةِ (وَلَا يُشِيرُ بِسَبَّابَتِهِ عِنْدَ الشَّهَادَةِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى) كَمَا فِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ وَالتَّجْنِيسِ وَعُمْدَةِ الْمُفْتِي وَعَامَّةِ الْفَتَاوَى، لَكِنَّ الْمُعْتَمَدَ مَا صَحَّحَهُ الشُّرَّاحُ وَلَا سِيَّمَا الْمُتَأَخِّرُونَ كَالْكَمَالِ وَالْحَلَبِيِّ وَالْبَهْنَسِيِّ وَالْبَاقَانِيِّ وَشَيْخِ الْإِسْلَامِ الْجَدِّ وَغَيْرِهِمْ أَنَّهُ يُشِيرُ لِفِعْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ –، وَنَسَبُوهُ لِمُحَمَّدٍ وَالْإِمَامِ. بَلْ

فِي مَتْنِ دُرَرِ الْبِحَارِ وَشَرْحِهِ غُرَرِ الْأَذْكَارِ الْمُفْتَى بِهِ عِنْدَنَا أَنَّهُ يُشِيرُ بَاسِطًا أَصَابِعَهُ كُلَّهَا، وَفِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ عَنْ الْبُرْهَانِ: الصَّحِيحُ أَنَّهُ يُشِيرُ بِمُسَبِّحَتِهِ وَحْدَهَا، يَرْفَعُهَا عِنْدَ النَّفْيِ وَيَضَعُهَا عِنْدَ الْإِثْبَاتِ. وَاحْتَرَزَ بِالصَّحِيحِ عَمَّا قِيلَ لَا يُشِيرُ لِأَنَّهُ خِلَافُ الدِّرَايَةِ وَالرِّوَايَةِ وَبِقَوْلِنَا بِالْمُسَبِّحَةِ عَمَّا قِيلَ يَعْقِدُ عِنْدَ الْإِشَارَةِ. اهـ. وَفِي الْعَيْنِيِّ عَنْ التُّحْفَةِ الْأَصَحُّ أَنَّهَا مُسْتَحَبَّةٌ. وَفِي الْمُحِيطِ سُنَّةٌ (وَيَقْرَأُ تَشَهُّدَ ابْنِ مَسْعُودٍ) وُجُوبًا كَمَا بَحَثَهُ فِي الْبَحْرِ، لَكِنَّ كَلَامَ غَيْرِهِ يُفِيدُ نَدْبَهُ وَجَزَمَ شَيْخُ الْإِسْلَامِ الْجَدُّ بِأَنَّ الْخِلَافَ فِي الْأَفْضَلِيَّةِ وَنَحْوِهِ فِي مَجْمَعِ الْأَنْهُرِ (وَيَقْصِدُ بِأَلْفَاظِ التَّشَهُّدِ) مَعَانِيَهَا مُرَادَةً لَهُ عَلَى وَجْهِ (الْإِنْشَاءِ) كَأَنَّهُ يُحَيِّي اللَّهَ تَعَالَى وَيُسَلِّمُ عَلَى نَبِيِّهِ وَعَلَى نَفْسِهِ وَأَوْلِيَائِهِ (لَا الْإِخْبَارِ) عَنْ ذَلِكَ ذَكَرَهُ فِي الْمُجْتَبَى. وَظَاهِرُهُ أَنَّ ضَمِيرَ عَلَيْنَا لِلْحَاضِرِينَ لَا حِكَايَةَ سَلَامِ اللَّهِ تَعَالَى. وَكَانَ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – يَقُولُ فِيهِ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ (وَلَا يَزِيدُ) فِي الْفَرْضِ (عَلَى التَّشَهُّدِ فِي الْقَعْدَةِ الْأُولَى) إِجْمَاعًا (فَإِنْ زَادَ عَامِدًا كُرِهَ) فَتَجِبُ الْإِعَادَةُ (أَوْ سَاهِيًا وَجَبَ عَلَيْهِ سُجُودُ السَّهْوِ إِذَا قَالَ: اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ) فَقَطْ (عَلَى الْمَذْهَبِ) الْمُفْتَى بِهِ لَا لِخُصُوصِ الصَّلَاةِ بَلْ لِتَأْخِيرِ الْقِيَامِ. وَلَوْ فَرَغَ الْمُؤْتَمُّ قَبْلَ إِمَامِهِ سَكَتَ اتِّفَاقًا، وَأَمَّا الْمَسْبُوقُ فَيَتَرَسَّلُ لِيَفْرُغَ عِنْدَ سَلَامِ إِمَامِهِ، وَقِيلَ يُتِمُّ، وَقِيلَ يُكَرِّرُ كَلِمَةَ الشَّهَادَةِ (وَاكْتَفَى) الْمُفْتَرِضُ (فِيمَا بَعْدَ الْأُولَيَيْنِ بِالْفَاتِحَةِ) فَإِنَّهَا سُنَّةٌ عَلَى الظَّاهِرِ، وَلَوْ زَادَ لَا بَأْسَ بِهِ (وَهُوَ مُخَيَّرٌ بَيْنَ قِرَاءَةِ) الْفَاتِحَةِ وَصَحَّحَ الْعَيْنِيُّ وُجُوبَهَا (وَتَسْبِيحٍ ثَلَاثًا) وَسُكُوتٍ قَدْرَهَا، وَفِي النِّهَايَةِ قَدْرُ تَسْبِيحَةٍ، فَلَا يَكُونُ مُسِيئًا بِالسُّكُوتِ (عَلَى الْمَذْهَبِ) لِثُبُوتِ التَّخْيِيرِ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَهُوَ الصَّارِفُ لِلْمُوَاظَبَةِ عَنْ الْوُجُوبِ (وَيَفْعَلُ فِي الْقُعُودِ الثَّانِي) الِافْتِرَاشَ (كَالْأَوَّلِ وَتَشَهَّدَ) أَيْضًا (وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ –) وَصَحَّ زِيَادَةُ فِي الْعَالَمِينَ وَتَكْرَارُ " إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ " وَعَدَمُ كَرَاهَةِ التَّرَحُّمِ وَلَوْ ابْتِدَاءً. وَنُدِبَ السِّيَادَةُ لِأَنَّ زِيَادَةَ الْإِخْبَارِ بِالْوَاقِعِ عَيْنُ سُلُوكِ الْأَدَبِ فَهُوَ أَفْضَلُ مِنْ تَرْكِهِ، ذَكَرَهُ الرَّمْلِيُّ الشَّافِعِيُّ وَغَيْرُهُ؛ وَمَا نُقِلَ: لَا تُسَوِّدُونِي فِي الصَّلَاةِ فَكَذِبٌ، وَقَوْلُهُمْ لَا تُسَيِّدُونِي بِالْيَاءِ لَحْنٌ أَيْضًا وَالصَّوَابُ بِالْوَاوِ، وَخُصَّ إِبْرَاهِيمُ لِسَلَامِهِ عَلَيْنَا، أَوْ لِأَنَّهُ سَمَّانَا الْمُسْلِمِينَ، أَوْ لِأَنَّ الْمَطْلُوبَ صَلَاةٌ يَتَّخِذُهُ بِهَا خَلِيلًا، وَعَلَى الْأَخِيرِ فَالتَّشْبِيهُ ظَاهِرٌ أَوْ رَاجِعٌ لِآلِ مُحَمَّدٍ، أَوْ الْمُشَبَّهُ بِهِ قَدْ يَكُونُ أَدْنَى مِثْلُ – {مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ}

قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نمازی جب دوسری رکعت کے دونوں سجدوں سے فارغ ہوجائے تو مرد اپنا بایاں پاؤں

بچھادے اور اس کو اپنی سرین کے نیچے رکھے اور اس پر بیٹھ جائے۔ اور اپنا دایاں پاؤں کھڑا رکھے اور اس کھڑے دائیں پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی جانب کرے۔ فرض اور نفل دونوں ہی نماز میں ایسا کرنا سنت ہے۔ بعض نے فرمایا کہ نفل میں جس طرح چاہے بیٹھ سکتا ہے۔

تشہد کی حالت میں ہاتھ کہاں رکھے جائیں؟

اور قعدہ میں اپنے دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھے اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھے اور ہاتھ کی انگلیوں کو ران پر کچھ کھلی ہوئی رکھے اور انگلیوں کے سرے کو گھٹنوں کے پاس لے آئے۔ اور اصح قول کے مطابق گھٹنوں کو ہاتھ سے نہ پکڑے بلکہ انگلیوں کو قدرے کشادہ کر کے ران پر رکھے تاکہ انگلیوں کا رُخ بھی قبلہ کی جانب ہو سکے۔ (گھٹنوں کو پکڑنے کی صورت میں انگلیوں کا رُخ قبلہ کی طرف نہیں ہو سکے گا؛ بلکہ زمین کی طرف ہو جائے گا، پکڑنا جائز تو ہے مگر خلافِ افضل ہے، جیسا کہ البحر الرائق سے معلوم ہوا)۔ (شامی: ۲/۲۱۶)

التحیات میں شہادت کی انگلی اُٹھانے کا حکم

اور التحیات میں "أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" کہنے کے وقت شہادت کی انگلی سے اشارہ نہ کرے، اسی قول پر فتویٰ ہے جیسا کہ ولوالجیہ، تجنیس، عمدۃ المفتی اور عام فتاویٰ میں مذکور ہے۔ لیکن اس بارے میں قابلِ اعتماد وہ قول ہے جس کی تصحیح حضراتِ شراح کرام نے کی ہے، بالخصوص متاخرین فقہاءِ کرام نے، جیسے: کمال، حلبی، بہنسی، باقانی، شیخ الاسلام الجد اور ان حضرات کے علاوہ دوسرے فقہاءِ کرام ہیں۔ قابلِ اعتماد قول یہ ہے کہ التحیات میں "اشهد أن لا اله الا الله" پر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، اس لیے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے، اور ان لوگوں نے اس قول کو حضرت امام محمدؒ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کی جانب منسوب کیا ہے؛ بلکہ دُرر البحار کے متن اور اس کی شرح غرر الافکار میں ہے کہ اس مسئلہ میں عند الاحناف مفتی بہ قول یہ ہے کہ اپنی انگلی کو پھیلائے رکھے اور اشارہ کرے۔

"شرنبلالیہ" میں "برھان" سے نقل کیا گیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ صرف شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، لَا إِلٰهَ نفی کے وقت شہادت کی انگلی اُٹھائے اور اثبات یعنی "إِلَّا اللّٰهُ" پر انگلی گرادے۔ صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ ہم نے "الصحیح" کا لفظ لا کر اس قول کی تردید کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ التحیات میں شہادت کی انگلی نہ اُٹھائے اور اس سے اشارہ نہ کرے، اس لیے کہ یہ بات عقل و نقل کے خلاف ہے۔ اور ہم نے "مسبحہ" کی قید اس لیے لگائی ہے تاکہ اس قول سے احتراز ہو جائے جس میں کہا گیا ہے کہ اشارہ کے وقت ترپّن کا عقد کرے۔ (مذکورہ تمام بات شرنبلالیہ کی تھی)۔

اب صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ عینی میں تحفہ سے نقل کیا ہے کہ اصح قول کے مطابق التحیات میں شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا مستحب ہے۔ اور محیط نامی کتاب میں مذکور ہے کہ التحیات میں شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا سنت ہے۔ (حضرت علامہ شامیؒ

فرماتے ہیں کہ ان دونوں قولوں کے درمیان تطبیق ممکن ہے، بایں طور کہ محیط نامی کتاب میں اشارہ کرنے کو جو سنت بتایا ہے اس سے مراد سنتِ غیر مؤکدہ ہے، جو مستحب ہی کے درجہ میں ہوتا ہے، لہٰذا اب دونوں قولوں میں کوئی تعارض باقی نہیں رہا ہے) (شامی:۲/۲۱۸)

قعدہ میں التحیات پڑھنے کا حکم

اور قعدہ میں بطورِ وجوب کے وہ تشہد پڑھے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے، جیسا کہ کنز الدقائق کی شرح البحر الرائق میں بحث کی گئی ہے۔ لیکن دوسرے حضرات فقہاءِ کرام کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جو التحیات منقول ہے اس کا پڑھنا مستحب اور اولیٰ ہے، واجب نہیں ہے۔ اور شیخ الاسلام الجد نے اس بات پر یقین ظاہر فرمایا ہے کہ اختلاف افضل اور غیر افضل ہونے میں ہے۔ اور اسی طرح کی بات مجمع الانہر میں بھی ہے۔ (نیز علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ سے جو تشہد منقول ہے اس کو پڑھنا اولیٰ ہے، پس اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف صرف اولویت کے بارے میں ہے۔ بعض حضرات نے ابن مسعودؓ سے مروی تشہد کو واجب قرار دیا ہے اور اس میں حذف و اضافہ مکروہ بتایا ہے، لیکن کراہت سے یہاں کراہت تنزیہی مراد ہے) (شامی:۲/۲۱۹)

التحیات کو تشہد کہنے کی وجہ

التحیات کو تشہد اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں دو شہادت ہیں، ایک ''أشهد أن لا اله إلا الله'' ہے۔ اور دوسری شہادت ''أشهد أن محمدا عبده و رسوله'' ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے جو التحیات منقول ہے وہ درج ذیل ہے:

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، اَلسَّلَامُ عليك أيُّها النَّبِيُّ ورحمَةُ اللهِ وبركاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وعلىٰ عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ، أشهدُ أن لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وأشهَدُ أنّ محمّدًا عَبدُهُ ورسُولُهُ.

البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں علامہ ابن نجیم المصری فرماتے ہیں کہ اسی تشہد کا پڑھنا واجب ہے، مگر اس کے حاشیہ میں علامہ خیر الدین رملی نے لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں نفسِ تشہد پڑھنا واجب ہے چاہے ابن مسعودؓ والا تشہد پڑھے یا ابن عباسؓ والا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اسی تشہد کا پڑھنا واجب ہے۔ اور النہر الفائق میں خاص طور پر اسی تشہد کے پڑھنے کو بہتر بتایا ہے جس طرح وتر کی نماز میں نفس دعاءِ قنوت پڑھنا واجب ہے۔ اور الفاظ مخصوصہ اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ الخ کا پڑھنا سنت ہے۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ التحیات میں کچھ بھی حذف و اضافہ کرنا مکروہ ہے، اس لیے کہ نماز کے اذکار محدود اور مخصوص ہیں، منقولہ الفاظ سے زیادہ نہیں کرنا چاہئے۔

التحیات کی تفصیل

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ الفاظِ تشہد کی ادائیگی سے مقصود ان کے معانی کو بطورِ انشاء ادا کرنا ہے، اس واقعہ کی

حکایت کرنا مقصود نہیں ہے جو شب معراج میں پیش آیا تھا، گویا نماز پڑھنے والا شخص اللہ رب العزت والجلال کو تحیت پیش کرتا ہے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے نفس اور اپنے احباب واعزاء کو سلام عرض کرتا ہے۔ التحیات پڑھنے کا مقصد اس واقعہ کو بیان کرنا نہیں ہے جو معراج میں پیش آیا تھا، اس کو مجتبیٰ نامی کتاب میں ذکر فرمایا ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ معراج کی رات میں جو واقعہ پیش آیا اس کو بیان کرنا مقصود نہ ہو، واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ معراج کی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے، جب آپ اس مقام پر پہنچے جہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی پہنچ نہ ہو پائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا: تشریف رکھئے۔ اس موقعہ پر آپ نے فرمایا: اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، "یعنی تمام مالی وبدنی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے واسطے ہیں"۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ "یعنی اے نبی! ہمارا خصوصی سلام ورحمت اور برکتیں آپ پر ہوں"۔ جب آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے خصوصی توجہ ہمارے اوپر ہے تو آپ نے چاہا کہ میری امت کے نیک لوگ بھی اس میں شریک ہو جائیں، چناں چہ آپ نے فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ، "یعنی سلام خاص طور پر ہمارے اوپر اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے اوپر بھی ہو"۔ اور جب ملائکہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شانِ کریمی دیکھی تو پکار اُٹھے: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ (کشف الاسرار: ۱/ ۳۹۰)

وَظَاهِرُهٗ أَنَّ ضَمِيْرَ عَلَيْنَا: شارح تنویر الابصار علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ "عَلَيْنَا" کی ضمیر میں تمام حاضرین شامل ہیں۔ یعنی اس کے اندر امام، مقتدی اور ملائکہ سب داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سلام کی حکایت نہیں ہے۔ (علامہ شامیؒ نے بحوالہ طحطاوی لکھا ہے کہ سلام اللہ تعالیٰ کے بجائے سلام رسول اللہ صواب اور درست ہے، اس لیے کہ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدمہ ہے۔ (شامی: ۲/ ۲۱۹)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم التحیات میں إِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ کہتے تھے

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم التحیات میں أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کے بجائے أَشْهَدُ أَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فرمایا کرتے تھے۔ (اس کو رافعی نے شوافع سے نقل کیا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے ان کو رد فرمایا ہے اور فرمایا کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے؛ بلکہ الفاظ تشہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح مروی ہیں کہ آپ بھی أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ہی فرمایا کرتے تھے۔ ہاں البتہ آپ نے ایک مرتبہ اذان دی تو إِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فرمایا تھا۔ اسی طرح بخاری شریف میں حضرت سلمہ بن اکوعؓ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان میں أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فرمایا۔ (شامی: ۲/ ۲۱۹-۲۲۰)

قعدۂ اولیٰ میں التحیات پڑھے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قعدۂ اولیٰ میں بالاتفاق التحیات سے زیادہ کچھ نہ پڑھے، یعنی التحیات پڑھنے کے بعد

تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے، مزید کسی چیز کا اضافہ نہ کرے، یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔ (حضرت علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ یہ ہمارے اصحاب اور امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا مسلک ہے؛ البتہ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قعدۂ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود شریف بھی پڑھے، اس لیے شارح نے "اجماعاً" کے بجائے بالاتفاق کا لفظ لانا زیادہ مناسب سمجھا۔ (شامی: ۲/ ۲۲۰)

چوں کہ قعدۂ اولیٰ میں التحیات کے علاوہ کسی اور چیز کا پڑھنا ممنوع ہے، اس لیے اگر کوئی جان بوجھ کر التحیات میں کچھ اضافہ کر دے تو مکروہ ہوگا اور دوبارہ از سرِ نو التحیات پڑھنا واجب ہوگا۔ اور اگر بھول کر التحیات کے بعد کچھ بڑھا دیا، مثلاً اَللّٰھُمَّ صَلِّ علی مُحمَّدٍ ﷺ کہہ لیا تو اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوگا، یہی قول مذہب کے مطابق اور مفتی بہ ہے۔ اور اس صورت میں سجدۂ سہو کے واجب ہونے کا جو قول کہا گیا ہے وہ اس لیے نہیں کہ اس نے درود شریف پڑھ دیا؛ بلکہ سجدۂ سہو اس لیے واجب ہوگا کہ اس نے تیسری رکعت کے لیے اُٹھنے میں تاخیر کر دی ہے۔

قولہ فقط: حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے اَللّٰھُمَّ صَلِّ علی مُحمَّدٍ فقط کا لفظ اس لیے اضافہ فرمایا تا کہ ان لوگوں کا رد ہو جائے جو یہ کہتے ہیں کہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ علی مُحمَّدٍ و علی آلِ محمَّدٍ تک پڑھنے کے بعد سجدۂ سہو واجب ہوگا، صرف اَللّٰھُمَّ صَلِّ علی مُحمَّدٍ پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔ اس دوسرے قول کو قاضی امام اور حلبی نے اختیار کیا ہے اور اسی قول کو زیادہ اصح قرار دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اکثر علماء اسی کے قائل ہیں۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ جب تک ایک رکن کے ادا کرنے کی مقدار تک تاخیر نہ ہوگی سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔ اور فتاویٰ تاتر خانیہ میں ہے کہ حضرات صاحبین کے نزدیک جب تک پوری درود شریف "حَمِیدٌ مَجِیدٌ" تک نہیں پڑھے گا سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔ اس وقت فتویٰ اس پر ہے کہ اگر کسی نے اَللّٰھُمَّ صَلِّ علی مُحمَّدٍ، التحیات کے بعد پڑھ دیا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ (شامی: ۲/ ۲۲۰)

مقتدی امام سے پہلے التحیات پڑھ کر فارغ ہو چکا ہے تو کیا حکم ہے؟

اگر مقتدی اپنے امام سے پہلے التحیات پڑھ کر فارغ ہو گیا تو مقتدی اب خاموش چپ چاپ بیٹھا رہے، یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔ (اس لیے کہ قعدۂ اولیٰ میں التحیات کے علاوہ کسی اور دعاء وغیرہ کا پڑھنا مشروع نہیں ہے)۔ اور مسبوق شخص یعنی جس کی کچھ رکعت امام کے ساتھ نکل گئی ہے وہ التحیات اس قدر ٹھہر ٹھہر کر پڑھے کہ اپنے امام کے سلام پھیرنے کے وقت التحیات پڑھ کر فارغ ہو۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ مسبوق التحیات کو پوری کرے اور اسکے بعد کلمۂ شہادت کو بار بار پڑھتا رہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ خاموش بیٹھا رہے۔ اور اگر قعدۂ اخیرہ ہو تو امام اور مقتدی دونوں برابر ہیں۔

اخیر کی دو رکعتوں میں قرأت کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ فرض نماز پڑھنے والا شخص پہلی دو رکعتوں کے بعد والی رکعتوں میں صرف سورۂ

فاتحہ پڑھنے پر اکتفاء کرے، یعنی کوئی سورۃ نہ ملائے، اس لیے کہ سورۂ فاتحہ کا ان رکعتوں میں پڑھنا سنت ہے، ظاہر روایت کے مطابق؛ لیکن اگر کسی نے سورۂ فاتحہ کے علاوہ بھی کوئی سورۃ پڑھ لی تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (البتہ خلاف اولیٰ ضرور ہے، اس لیے کہ صرف سورۂ فاتحہ پر اکتفاء کرنا مسنون ہے)۔

اخیر کی دو رکعتوں میں سبحان اللہ تین بار کہنا بھی کافی ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ظاہر الروایہ کے مطابق نمازی کو اختیار ہے کہ اخیر کی دو رکعتوں میں یا تو سورۂ فاتحہ پڑھ لے یا تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ لے، یا اتنی مقدار سکوت اختیار کر کے رکوع میں چلا جائے۔ علامہ عینی نے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے وجوب کی تصحیح کی ہے۔ اور "نہایہ" میں ہے کہ اگر ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار خاموش رہا تو بھی وہ برا کرنے والا نہ ہوگا۔ اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نمازی کو یہ اختیار ثابت ہے۔ اور یہی اختیار دیا جانا مواظبت کو واجب سے پھیرنے والا ہے، مطلب یہ ہے کہ مواظبت کے باوجود یہ واجب نہیں ہے اس لیے اختیار مل چکا ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھے یا تین مرتبہ سبحان اللہ کہے، اگر سورۂ فاتحہ پڑھنا ہی واجب ہوتا تو پھر اختیار نہ دیا جاتا ہے، اختیار دیا جانا عدم وجوبِ فاتحہ کی دلیل ہے۔

قعدۂ اخیرہ کا بیان

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دوسرے قعدہ میں پاؤں اسی طرح بچھائے جس طرح پہلے قعدہ میں بچھایا تھا۔ اور دوسرے قعدہ میں التحیات بھی پڑھے گا۔ اور رسول اللہ ﷺ پر درود بھی بھیجے گا۔ اور درود شریف میں كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ کے بعد "فِي الْعٰلَمِيْنَ" کا اضافہ کرنا ایک بار درست ہے، اسی طرح "حميد مجيد" کو مکرر لانا درست ہے۔

شرح منیۃ المصلی میں حضرت امام محمدؒ سے درود شریف اس طرح منقول ہے: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ، بخاری و مسلم میں بھی اسی طرح درود شریف مروی ہے۔ (شامی: ۲/ ۲۲۲)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ کی جگہ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ پڑھنا

اگر کوئی شخص اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ کے بجائے اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ کہتا ہے تو یہ مکروہ نہیں ہے، خواہ شروع ہی میں کیوں نہ ہو۔ (لیکن علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ امام نووی نے الاذکار میں صراحت کی ہے کہ درود شریف میں لفظ "ارْحَمْ" کا اضافہ کرنا بدعت ہے۔ اور "فیض" نامی کتاب میں لکھا ہے کہ احتیاطاً اس کو چھوڑ دینا بہتر ہے، اس لیے کہ کسی صحیح حدیث میں رسول اکرم ﷺ سے دعاءِ رحمت ثابت نہیں ہے)۔ (شامی: ۲/ ۲۲۳)

درود شریف میں لفظ "سیدنا" کا اضافہ کرنیکا حکم

درود شریف میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر لفظ "سیدنا" کا اضافہ کرنا مستحب ہے، اس لیے کہ واقع کی خبر دینا ادب واحترام کے عین مطابق ہے، لہذا لفظ "سیدنا" کو چھوڑ دینے سے بہتر یہ ہوگا کہ اس کو بڑھائے، اس کو رملی، شافعی وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور یہ حدیث جو منقول ہے کہ: "لَاتسوذونی فِی الصَّلاۃِ" "یعنی نماز میں مجھے سید امت نہ کہو" جھوٹ ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ بعض لوگ "لَاتسیدُونی" یاء کے ساتھ نقل کرتے ہیں، وہ بھی غلط ہے، صحیح "لَاتسوذونی" واؤ کے ساتھ ہے۔ (چونکہ درود ابراہیمی جو نمازوں میں پڑھنے کا معمول ہے اس میں لفظ "سید" موجود نہیں ہے، اس لیے اس کا اضافہ کرنا خلاف سنت ہوگا، یہی وجہ ہے کہ اس کا اضافہ کرنے کا رواج بھی نہیں ہے)۔

درود میں حضرت ابراہیمؑ سے تشبیہ کیوجہ

اور درود شریف میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص اس لیے کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خصوصی طور پر ہمارے لیے سلامتی کی دعاء کی تھی، یا اس وجہ سے کہ آپ نے ہم سب کا نام مسلمان رکھا ہے، یا وہ دعاء رحمت مطلوب ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو خلیل بنائے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا ہے۔ اور جب مطلوب یہ ہے کہ رب العالمین اپنے رسول رحمۃ للعالمین کو خلیل بنائے تو اس سے تشبیہ ظاہر ہے اور وجہ تشبیہ خلت ہے، یا یہ تشبیہ آل محمد کی طرف راجع ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے وہ مرتبہ میں کم تر ہوتا ہے جیسے کہ قرآن پاک میں آیا ہے {مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ} یعنی خدا تعالیٰ کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے قندیل میں چراغ ہو، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نور قندیل و چراغ سے کہیں زیادہ روشن اور تابناک ہوگا لیکن تقریب الی الفہم کے لیے کمتر سے تشبیہ دی ہے تاکہ فوراً ذہن میں اُتر جائے اور بات سمجھ میں آجائے۔ (تفصیل دیکھئے: شامی: ۲/ ۲۲۵)

اشکال اور اس کا جواب

قولہ وخص إبراهيم: حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اس عبارت سے صاحب درمختار ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہ رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ درود شریف میں تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو چھوڑ کر صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ کیوں دی گئی ہے۔ اور کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی إبراهيمَ وعلیٰ آلِ إبراهيمَ کیوں کہا گیا ہے۔ یا کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی إبراهيمَ وعلیٰ آلِ إبراهيمَ کیوں کہا گیا ہے، دوسرے انبیاءؑ کے ساتھ تشبیہ کیوں نہیں دی گئی ہے؟

شارح علیہ الرحمہ نے اس سوال کے تین جواب دیئے ہیں اور فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مخصوص طور پر ذکر کرنے میں تین وجہ میں سے کوئی ایک وجہ ہوسکتی ہے:

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ جب شب معراج میں رسول اللہ ﷺ سے حضرت ابراہیم کی ملاقات ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ آپ اپنی امت کو میرا سلام پہنچانا۔

(۲) یا اس وجہ سے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمارا نام مسلمان رکھا ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے ﴿هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ﴾ (الحج/۷۸) اس کے بدلے میں ہماری طرف سے یہ تشبیہ دی گئی ہے۔

(۳) یا اس وجہ سے کہ اس درود شریف سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت محمد عربی ﷺ کو اپنا خلیل بنائے، جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنالیا تھا۔ یہ تین جوابات حضرت شارح علیہ الرحمہ نے لکھے ہیں۔ اسکے علاوہ بھی بعض حضرات نے جواب دینے کی کوشش کی ہے، جو شامی: ۲/ ۲۲۵ پر موجود ہے، دیکھا جاسکتا ہے۔ (شامی: ۲/ ۲۲۴)

(وَهِيَ فَرْضٌ) عَمَلًا بِالْأَمْرِ فِي شَعْبَانَ ثَانِي الْهِجْرَةِ (مَرَّةً وَاحِدَةً) اتِّفَاقًا (فِي الْعُمْرِ) فَلَوْ بَلَغَ فِي صَلَاتِهِ نَابَتْ عَنِ الْفَرْضِ نَهْرَبَحْثًا. وَفِي الْمُجْتَبَى: لَا يَجِبُ عَلَى النَّبِيِّ - ﷺ - أَنْ يُصَلِّيَ عَلَى نَفْسِهِ (وَاخْتَلَفَ) الطَّحَاوِيُّ وَالْكَرْخِيُّ (فِي وُجُوبِهَا) عَلَى السَّامِعِ وَالذَّاكِرِ (كُلَّمَا ذُكِرَ) - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - (وَالْمُخْتَارُ) عِنْدَ الطَّحَاوِيِّ (تَكْرَارُهُ) أَيِ الْوُجُوبُ (كُلَّمَا ذُكِرَ) وَلَوِ اتَّحَدَ الْمَجْلِسُ فِي الْأَصَحِّ لَا لِأَنَّ الْأَمْرَ يَقْتَضِي التَّكْرَارَ، بَلْ لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ وُجُوبُهَا بِسَبَبٍ مُتَكَرِّرٍ وَهُوَ الذِّكْرُ، فَيَتَكَرَّرُ بِتَكَرُّرِهِ وَتَصِيرُ دَيْنًا بِالتَّرْكِ، فَتُقْضَى لِأَنَّهَا حَقُّ عَبْدٍ كَالتَّشْمِيتِ بِخِلَافِ ذِكْرِهِ تَعَالَى (وَالْمَذْهَبُ اسْتِحْبَابُهُ) أَيِ التَّكْرَارُ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى؛ وَالْمُعْتَمَدُ مِنَ الْمَذْهَبِ قَوْلُ الطَّحَاوِيِّ، كَذَا ذَكَرَهُ الْبَاقَانِيُّ تَبَعًا لِمَا صَحَّحَهُ الْحَلَبِيُّ وَغَيْرُهُ وَرَجَّحَهُ فِي الْبَحْرِ بِأَحَادِيثِ الْوَعِيدِ: كَرَغْمٍ وَإِبْعَادٍ وَشَقَاءٍ وَبُخْلٍ وَجَفَاءٍ،ثُمَّ قَالَ: فَتَكُونُ فَرْضًا فِي الْعُمْرِ، وَوَاجِبًا كُلَّمَا ذُكِرَ عَلَى الصَّحِيحِ، وَحَرَامًا عِنْدَ فَتْحِ التَّاجِرِ مَتَاعَهُ وَنَحْوِهِ، وَسُنَّةً فِي الصَّلَاةِ، وَمُسْتَحَبَّةً فِي كُلِّ أَوْقَاتِ الْإِمْكَانِ، وَمَكْرُوهَةً فِي صَلَاةِ غَيْرِ تَشَهُّدٍ أَخِيرٍ فَلِذَا اسْتَثْنَى فِي النَّهْرِ مِنْ قَوْلِ الطَّحَاوِيِّ مَا فِي تَشَهُّدٍ أَوَّلٍ وَضِمْنِ صَلَاةٍ عَلَيْهِ لِئَلَّا يَتَسَلْسَلَ، بَلْ خَصَّهُ فِي دُرَرِ الْبِحَارِ بِغَيْرِ الذَّاكِرِ لِحَدِيثِ «مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلْيُصَلِّ» وَإِزْعَاجُ الْأَعْضَاءِ بِرَفْعِ الصَّوْتِ جَهْلٌ وَإِنَّمَا هِيَ دُعَاءٌ لَهُ، وَالدُّعَاءُ يَكُونُ بَيْنَ الْجَهْرِ وَالْمُخَافَتَةِ. كَذَا اعْتَمَدَهُ الْبَاجِيُّ فِي كَنْزِ الْعُفَاةِ، وَحَرَّرَ أَنَّهَا قَدْ تُرَدُّ كَكَلِمَةِ التَّوْحِيدِ مَعَ أَنَّهَا أَعْظَمُ مِنْهَا وَأَفْضَلُ؛لِحَدِيثِ الْأَصْبَهَانِيِّ وَغَيْرِهِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ - ﷺ - «مَنْ صَلَّى عَلَيَّ مَرَّةً وَاحِدَةً فَتُقُبِّلَتْ مِنْهُ مَحَا اللَّهُ عَنْهُ ذُنُوبَ ثَمَانِينَ سَنَةً» فَقَيَّدَ الْمَأْمُولَ بِالْقَبُولِ (وَدَعَا) بِالْعَرَبِيَّةِ، وَحَرُمَ بِغَيْرِهَا نَهْرٌ لِنَفْسِهِ وَأَبَوَيْهِ وَأُسْتَاذِهِ الْمُؤْمِنِينَ. وَيَحْرُمُ سُؤَالُ الْعَافِيَةِ مَدَى

الدَّهْرِ، أَوْ خَيْرَ الدَّارَيْنِ وَدَفْعَ شَرِّهِمَا،أَوْ الْمُسْتَحِيلَاتِ الْعَادِيَةِ كَنُزُولِ الْمَائِدَةِ، قِيلَ وَالشَّرْعِيَّةِ. وَالْحَقُّ حُرْمَةُ الدُّعَاءِ بِالْمَغْفِرَةِ لِلْكَافِرِ لَا لِكُلِّ الْمُؤْمِنِينَ كُلَّ ذُنُوبِهِمْ بَحْرٌ (بِالْأَدْعِيَةِ الْمَذْكُورَةِ فِي الْقُرْآنِ وَالسُّنَّةِ. لَا بِمَا يُشْبِهُ كَلَامَ النَّاسِ)اضْطَرَبَ فِيهِ كَلَامُهُمْ وَلَا سِيَّمَا الْمُصَنِّفُ؛ وَالْمُخْتَارُ كَمَا قَالَهُ الْحَلَبِيُّ أَنَّ مَاهُوَفِي الْقُرْآنِ أَوْفِي الْحَدِيثِ لَايُفْسِدُ،وَمَالَيْسَ فِي أَحَدِهِمَاإِنْ اسْتَحَالَ طَلَبُهُ مِنَ الْخَلْقِ لَايُفْسِدُ وَإِلَّايُفْسِدُ لَوْقَبْلَ قَدْرِالتَّشَهُّدِ،وَإِلَّاتَمَّ بِهِ مَالَمْ يَتَذَكَّرْسَجْدَةً فَلَا تَفْسُدُ بِسُؤَالِ الْمَغْفِرَةِ مُطْلَقًاوَلَوْلِعَمِّي أَوْلِعَمْرٍو،وَكَذَاالرِّزْقُ مَالَمْ يُقَيِّدْهُ بِمَالٍ وَنَحْوِهِ لِاسْتِعْمَالِهِ فِي الْعِبَادِ مَجَازًا.

درود شریف پڑھنے کا حکم

یہاں سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ درود شریف پڑھنے کا حکم بیان فرما رہے ہیں، چناں چہ فرماتے ہیں کہ درود شریف پوری زندگی میں ایک مرتبہ پڑھنا فرض ہے، اس حکم الٰہی پر عمل کرتے ہوئے جو ماہ شعبان ۲ھ میں نازل ہوا۔

(اس حکم سے مراد قرآنِ مجید کی یہ آیت کریمہ ہے ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ یہ آیت ماہ شعبان المعظم ۲ھ میں نازل ہوئی۔ آیت کریمہ کا ترجمہ یہ ہے کہ: اے ایمان والو! تم اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر درود وسلام بھیجو)۔

عمر بھر میں ایک مرتبہ کم از کم درود شریف پڑھنا فرض ہے۔ اسی حکم پر متفرع کرکے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی نابالغ بچہ نماز پڑھتے ہوئے حالت نماز میں بالغ ہوگیا۔ اور اس نے قعدۂ اخیرہ میں درود شریف پڑھا تو یہ درود پڑھنا فرض کے قائم مقام ہوجائے گا، یعنی اس کے ذمہ سے فرضیت ساقط ہوجائے گی، جیسا کہ یہ مسئلہ کنز الدقائق کی شرح النہر الفائق میں ہے۔

کیا رسول اللہ ﷺ کے لیے اپنی ذات پر درود پڑھنا واجب تھا؟

"مجتبیٰ" نامی کتاب میں لکھا ہے کہ خود رسولِ اکرم ﷺ کے لیے اپنی ذات پر درود شریف پڑھنا واجب نہیں ہے، یعنی یہ واجب نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود اپنی بابرکت ذات پر درود بھیجیں، اس لیے کہ آیت کریمہ ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ میں رسول اللہ ﷺ داخل نہیں ہیں۔ ہاں يَاعِبَادِي، يَاأَيُّهَا النَّاسُ میں آپ بھی داخل ہیں۔ آیت مذکورہ میں صرف امت مخاطب ہے، جیسا کہ آیت کریمہ سے بخوبی معلوم ہوتا ہے۔ (شامی: ۲/۲۲۶)

اسم گرامی سننے کے بعد درود شریف پڑھنے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوجعفر طحاوی اور امام ابوالحسن کرخیؒ کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ جب جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر مبارک ہو، ہر بار سننے والوں اور ذکر کرنے والوں پر درود واجب ہے یا نہیں؟

اس بارے میں حضرت امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ جب جب آں حضرت ﷺ کا ذکر مبارک ہو ہر بار درود شریف پڑھنا افضل اور پسندیدہ ہے، خواہ مجلس متحد کیوں نہ ہو، اس باب میں اصح ترین قول یہی ہے۔

کیا درود کی طرح سلام بھی ہر بار واجب ہے

حضرت علامہ ابن عابدین شامیؒ نے ردالمحتار میں لکھا ہے کہ آیت کریمہ میں صلاۃ وسلام دونوں کا ذکر ہے، مگر یہاں صرف درود کا مسئلہ بیان کیا گیا سلام کا نہیں، آخر ایسا کیوں؟ اس کا جواب خود علامہ شامیؒ نے یہ دیا ہے کہ یہاں آیت کریمہ میں تسلیم کے معنی: "حکم بجا آوری" کے ہیں۔ اور "اصح" کہہ کر اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ ایک مجلس میں صرف ایک بار درود پڑھ لینا کافی ہے، خواہ آپ کا اسم گرامی بار بار کیوں نہ لیا جائے۔ اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ پر درود شریف پڑھنا وجوب کفایہ ہے، کچھ لوگوں کے پڑھ لینے سے سب کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ لیکن اصح قول یہ ہے کہ ہر ایک پر درود واجب ہے اور جب جب اسم گرامی سنے ہر بار واجب ہے، اس لیے کہ حدیث شریف میں اس شخص کے لیے شدید وعید آئی ہے جو آپ کا اسم گرامی سن کر درود شریف آپ پر نہیں بھیجتا ہے۔ "مجتبیٰ" نامی کتاب میں علامہ زاہدی نے اسی قول کی تصحیح کی ہے۔ (شامی: ۲/۲۲۶)

وجوبِ تکرار کی وجہ

صاحب درمختار علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ درود شریف کے بار بار واجب ہونے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ صیغۂ امر تکرار کو چاہتا ہے؛ بلکہ تکرار کی علت اور وجہ یہ ہے کہ درود کے وجوب کا تعلق تکرار سبب ہے۔ اور وہ سبب رسولِ اکرم ﷺ کا ذکر مبارک ہے، لہٰذا جب جب آپ کا ذکر مبارک پایا جائے گا تب تب وجوبِ درود کا تکرار ہوگا۔ اور درود شریف چھوڑنے کی صورت میں وہ ذمہ میں قرض ہو جائے گا، چناں چہ اسکی قضاء لازم ہوگی اس لیے کہ درود شریف بندہ کا حق ہے، جس طرح چھینکنے والے کی چھینک کا جواب یَرْحَمُکَ اللّٰہُ سے دینا بندہ کا حق ہے اور اس کی قضاء ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، اس کی قضاء لازم نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ رب العزت کا حق ہے۔ (یعنی ایک مجلس میں متعدد بار اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے ہر بار ثناء وحمد واجب نہ ہوگی)۔

درود کے بارے میں مختار مذہب

رسولِ اکرم ﷺ کے اسم گرامی کے تکرار سے درود شریف کا تکرار بھی واجب ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں مختار مذہب یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے اسم گرامی سننے کے بعد ایک بار تو درود شریف واجب ہے اور بار بار ذکر سے بار بار درود شریف مستحب ہے، اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔ اور اس مسئلہ میں حضرت امام طحاوی کا قول قابل اعتماد ہے، یعنی ہر بار درود شریف پڑھنا واجب ہے جیسا کہ علامہ باقانی نے حلبی وغیرہ کی تصحیح کی پیروی میں اس کو ذکر کیا ہے۔ اور صاحب البحرالرائق علامہ ابن نجیم نے حضرت امام طحاویؒ کے قول کو ان احادیث کی بنیاد پر ترجیح دی ہے جو اس بارے میں مروی ہیں۔ اور جن میں رسولِ اکرم ﷺ کے اسم گرامی

سننے کے بعد درود نہ بھیجنے والے کے لیے ذلیل ہونے، رحمت الٰہی سے دور ہونے، بد بخت ہونے، اور بخل وظلم کی وعید آئی ہے، ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب جب رسولِ اکرم ﷺ کا اسم گرامی آئے ہر بار درود شریف واجب ہے۔

پوری زندگی میں ایک بار درود شریف پڑھنا فرض ہے

صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیم المصری نے اس کے بعد فرمایا کہ صحیح قول کے مطابق پوری زندگی میں ایک بار درود شریف پڑھنا فرض ہے۔ اور جب جب رسولِ اکرم ﷺ کا اسم گرامی آئے ہر بار درود شریف کا پڑھنا واجب ہے۔ اور جس وقت تاجر اپنا سامان کھولے، اس وقت ترویج بیع یا خریدار کو جتانا مقصد ہو تو اس وقت درود شریف پڑھنا مکروہ تحریمی اور حرام ہے۔ اور نماز میں درود شریف پڑھنا سنت ہے، یعنی قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد اور بقیہ وقتوں میں جب کوئی مانع شرعی نہ ہو تو درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔

درود شریف کی فضیلت

قرآن وحدیث میں درود شریف کے فضائل ومناقب اَن گنت آئے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے اسم گرامی سننے کے بعد درود نہ پڑھنے والوں کے لیے شدید وعید آئی ہے۔ یہاں ہم عام افادہ کے پیش نظر فضائل درود کے متعلق چند حدیثیں اور درود نہ پڑھنے پر وعید سے متعلق چند حدیثیں نقل کرتے ہیں:

۱- عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً وَاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ، وَحُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ خَطِيَاتٍ، وَرُفِعَتْ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ۔ (مشکوۃ/۸۶)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔ اس کے دس گناہ معاف فرمادے گا اور اس کے دس درجات بلند کرے گا۔

درود شریف بکثرت پڑھنے والے قیامت کے دن آپ ﷺ سے زیادہ قریب ہوں گے

۲- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَوْلَى النَّاسِ بِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلٰوةً۔ (مشکوۃ/۸۶)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ نزدیک اور قریب، قیامت کے دن مجھ سے وہ لوگ ہیں جو مجھ پر کثرت سے درود شریف بھیجتے ہوں گے۔

(اس کثرتِ درود شریف کے متعلق حدیث شریف میں ہے کہ ابی ابن کعبؓ نے رسولِ اکرم ﷺ سے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں بکثرت آپ پر درود بھیجنا چاہتا ہوں، تو یا رسول اللہ! میں کتنا وقت آپ پر درود خوانی کے لیے مقرر کرلوں؟ آپ نے فرمایا: جتنا تم

چاہو مقرر کرلو، میں نے کہا: یارسول اللہ! ایک چوتھائی حصہ آپ پر درود کے لیے متعین کرلوں؟ آپ نے فرمایا: جتنا تم چاہو، اگر تم اس سے زیادہ وقت درودخوانی میں صرف کرسکتے ہو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ تو میں نے کہا: یارسول اللہ! نصف وقت متعین کرلوں؟ آپ نے فرمایا: جتنا تم چاہو مقرر کرلو، اگر تم اس سے زیادہ متعین کرسکتے ہو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے؟ میں نے کہا: یارسول اللہ! پھر دو تہائی وقت درودخوانی کے لیے متعین کرلوں؟ آپ نے فرمایا: جتنا تم چاہو، اگر اس سے زیادہ متعین کرسکتے ہو تو یہ تمہارے ہی لیے بہتر ہوگا۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! پھر تو میں سارا وقت آپ پر درود شریف بھیجنے میں صرف کروں گا۔ آپ علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا: اس وقت اللہ تعالیٰ تمہارے تمام غموں کی جانب سے کافی ہوجائے گا۔ اور تیرے گناہوں کو معاف فرمائے گا)۔

درود بھیجنے والوں پر فرشتے دعاءِ رحمت کرتے ہیں

۳- عَنْ عَبدِاللّٰہِ بنِ عَمرٍو قَالَ: مَن صَلّٰی عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلَّمَ واحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ وَ مَلائِکَتُہُ سَبعِینَ صَلوٰۃً۔ (مشکوٰۃ/۸۷)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ستر مرتبہ اس پر رحمت بھیجتے ہیں۔

اسم گرامی سننے کے بعد درود شریف نہ پڑھنے والا بخیل ہے

۴- عَنْ علیٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰہِ ﷺ: البَخِیلُ الَّذِی مَن ذُکِرتُ عِندَہُ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ۔ (مشکوٰۃ/۸۷)

حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے وہ بخیل ہے۔

اسم گرامی سننے کے بعد درود نہ بھیجنے والوں پر ہلاکت وتباہی کی بددعاء

۵- عَنْ أبِی هُرَیرۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰہِ ﷺ: رَغِمَ أنفُ رَجُلٍ ذُکِرتُ عِندَہُ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ، وَ رَغِمَ أنفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَیهِ رَمضَانُ ثُمَّ انسَلَخَ قَبلَ أن یُغفَرَ لَہُ، وَرَغِمَ أنفُ رَجُلٍ أدرَکَ عِندَہُ أبواہُ الکِبَرَ أو إحداھُمَا فَلَمْ یُدخِلاہُ الجَنَّۃَ۔ (مشکوٰۃ/۸۶)

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر مبارک ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس پر رمضان شریف کا مبارک مہینہ آیا اور وہ مبارک ماہ چلا گیا اور اس کی مغفرت نہ ہوسکی۔ اور اس شخص کی ناک خاک آلود جس نے والدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی عمر میں پایا اور ان کی خدمت کرکے اپنے آپ کو جنت میں داخل نہ کروالیا۔

ان احادیث صحیحہ کے پیش نظر حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہر مرتبہ درود شریف پڑھنے کو واجب قرار دیا ہے۔ علامہ ابن نجیم نے اسی قول کی تصحیح کی ہے اور لکھا ہے کہ پوری زندگی میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا فرض ہے۔ اور جب بھی آپ کا اسم گرامی آئے سن کر درود شریف بھیجنا واجب ہے۔

۲۵ رمقامات پر درود شریف پڑھنا مستحب ہے

فقہ حنفی کے مایۂ ناز عالم، علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں: چند مقامات پر رسول اللہ ﷺ کی ذات پر درود شریف پڑھنا مستحب ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

۱- جمعہ کے دن درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔

۲- جمعہ کی رات میں بھی بکثرت درود بھیجنا مستحب ہے۔

۳- سنیچر، اتوار اور جمعرات کے دن بھی درود بھیجنا مستحب ہے۔

۴- رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کے وقت درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔

۵- صفا اور مروہ پہاڑی پر درود پڑھنا۔

۶- جمعہ وغیرہ کے خطبہ میں درود شریف بھیجنا۔

۷- مؤذن کی اذان کا جواب دینے کے بعد درود شریف بھیجنا۔

۸- اقامت کہی جانے کے وقت درود شریف بھیجنا مستحب ہے۔

۹- دعاء کی ابتداء، وسط اور اخیر میں درود شریف پڑھنا۔

۱۰- دعائے قنوت کے بعد درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔

۱۱- حج میں تلبیہ سے فارغ ہونے کے بعد درود شریف پڑھنا۔

۱۲- اجتماع وافتراق کے وقت درود شریف پڑھنا۔

۱۳- وضو کرنے کے وقت درود شریف پڑھنا۔

۱۴- کان میں جھنجھناہٹ کے وقت درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔

۱۵- کسی چیز کے بھول جانے کے وقت درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔

۱۶- وعظ ونصیحت کرتے وقت اور علوم کی اشاعت کے وقت درود شریف پڑھنا۔

۱۷- حدیث شریف پڑھتے وقت شروع اور اخیر میں درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔

۱۸- سوال لکھتے وقت اور فتویٰ دیتے وقت درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔

۱۹- ہر مصنف، مدرس، خطیب، پیغام نکاح دینے والا، نکاح کرنے والے کے لیے درود شریف پڑھنا۔

۲۰- اور خطوط لکھتے وقت خطوط میں درود شریف لکھنا۔

۲۱- اور تمام اہم امور کے وقت درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔

۲۲- رسول اللہ ﷺ کا مبارک ذکر کرتے وقت درود پڑھنا۔

۲۳- یا اسم گرامی سننے کے وقت درود شریف پڑھنا۔

۲۴- یا جو شخص وجوب درود کا قائل نہ ہو اس کے پاس لکھتے وقت درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔(شامی:۲/۲۳۰)

نماز میں قعدۂ اخیرہ کے علاوہ میں درود پڑھنے کا حکم

صاحب درمختار علامہ علاء الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ نماز میں تشہد کے بعد قعدۂ اخیرہ کے علاوہ میں درود شریف پڑھنا مکروہ ہے۔(حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ قنوت کے اخیر میں درود کا پڑھنا جائز ہے، لہٰذا یہاں اس کا بھی استثناء کرنا چاہیے تھا)۔

سات جگہوں میں درود پڑھنا مکروہ ہے

حضرات فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ سات مقامات میں درود شریف پڑھنا مکروہ ہے، اس سے اجتناب کرنا چاہیے اور وہ سات مقامات درج ذیل ہیں:

۱- بیوی سے جماع کرتے وقت درود شریف پڑھنا مکروہ ہے۔

۲- بول و براز کے وقت درود پڑھنا مکروہ ہے۔

۳- تاجر کے لیے مبیع اور سامان کو شہرت دینے کے لیے درود پڑھنا مکروہ ہے۔

۴- پاؤں پھسلتے وقت درود شریف پڑھنا مکروہ ہے۔

۵- تعجب کے وقت درود شریف پڑھنا۔

۶- جانور ذبح کرتے وقت درود پڑھنا۔

۷- چھینکنے کے وقت درود شریف پڑھنا۔

ان سات مقامات میں درود شریف پڑھنا مکروہ ہے، اس سے احتراز کرنا چاہیے۔(شامی:۲/۲۳۱)

چونکہ قعدۂ اخیرہ کے سوا میں درود شریف پڑھنا مکروہ ہے، اس لیے شارح کنز الدقائق صاحب النہر الفائق نے حضرت امام طحاویؒ کے قول سے تشہد اوّل میں جو اسم گرامی آتا ہے اس سے استثناء فرمایا ہے، یعنی تشہد اوّل میں جو اسم گرامی آتا ہے اس کے

بعد درود شریف پڑھنا واجب نہیں ہے؛ بلکہ مکروہ تحریمی ہے۔ اور صاحب النہر الفائق نے اس نام کا بھی استثناء کیا ہے جو درود شریف کے ضمن میں آپ کا آتا ہے؛ تاکہ تسلسل لازم نہ آئے۔ (حضرت علامہ شامیؒ اس کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں کہ قرأت کرتے وقت یا خطبہ دیتے وقت خطبہ میں رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی آئے اور سنے اس وقت درود شریف پڑھنا واجب نہیں ہے، اس لیے کہ اس وقت خود خطبہ اور قرأت کا سننا واجب ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص خود ہی قرآن شریف پڑھ رہا تھا اور اس میں اسم گرامی آئے تو افضل یہ ہے کہ قرأت کو جاری رکھے اور قرأت سے فراغت کے بعد اختیار ہے، چاہے درود شریف پڑھ لے چاہے نہ پڑھے، لیکن پڑھ لینا بہتر ہے۔ (شامی: ۲/ ۲۳۱)

"دُررالبحار" نامی کتاب میں مذکور ہے کہ درود شریف اسم گرامی سننے والوں پر واجب ہے خود نام لینے والوں پر واجب نہیں ہے، اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ، یعنی جس کے سامنے میرا مبارک ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا تو وہ بخیل ہے، لہٰذا یہاں سننے والوں کو درود نہ بھیجنے پر بخیل کہا گیا ہے، نام لینے والوں کو نہیں، لہٰذا اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح یاد رکھو۔

درود شریف پڑھتے وقت بدن کا ہلانا جہالت ہے

شارح تنویر الابصار علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ درود شریف میں آواز کی بلندی کے وقت جسم کے اعضاء کو ہلانا اور ان کو حرکت دینا جہالت ہے۔ آج کل ہمارے زمانے میں بریلوی حضرات میلاد وغیرہ میں درود وسلام پڑھتے وقت اپنے جسم کو خوب ہلاتے ہیں اور جھوم جھوم کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں، گویا ایک طرح سے ڈانس کرتے ہیں جو جہالت پر مبنی ہے، شریعت اسلامیہ میں اسکی کوئی اصل نہیں ہے۔ اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ قرآن سنتے وقت، اسی طرح بیان وتقریر سنتے وقت آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔ (شامی: ۲/ ۲۳۲)

درود شریف درحقیقت آدمی کے حق میں دعاء ہے اور دعائیں نہ زیادہ بلند آواز سے ہوں، نہ بالکل آہستہ آواز سے ہوں؛ بلکہ درمیانی آواز سے دعاء ہونی چاہئے۔ علامہ باجی نے اپنی کتاب کنز العفاۃ میں اسی قول پر اعتماد کیا ہے۔ (خلاصہ یہ ہے کہ درود شریف پڑھتے وقت ہاتھ پاؤں ہلانے کا جو رواج ہے وہ غلط ہے اور اس سے بچنا چاہئے)۔

درود شریف کبھی قبول ہوتا ہے کبھی نہیں

علامہ باجی نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ درود شریف کبھی قبول ہوتا ہے اور کبھی قبول نہیں ہوتا ہے، جس طرح کلمۂ توحید کبھی شرف قبولیت سے ہمکنار ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا ہے، یعنی اگر اخلاص کے ساتھ ہو تو قبول ہوتا ہے اور اگر ریاء کے طور پر ہو تو رد ہوجاتا ہے، حالانکہ کلمۂ توحید درود شریف سے افضل اور بزرگ ترین ہے۔ اور درود شریف کا کبھی قبول ہوتا اور کبھی قبول نہ ہونا اس

حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے جو اصبہانی وغیرہ نے حضرت انسؓ سے نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اور وہ درود اسکی جانب سے قبول ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس کے اسی سال کے گناہ مٹا دیتا ہے۔ اس حدیث شریف میں ثواب کو قبول کے ساتھ مقید کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کچھ درود قبول نہیں بھی ہوتے ہیں۔

درود کے بعد قعدۂ اخیرہ میں عربی زبان میں دعاء کرنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قعدۂ اخیرہ میں درود شریف کے بعد جو دعاء پڑھے وہ عربی زبان میں پڑھے۔ النہر الفائق میں ہے کہ عربی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں نماز میں دعاء کرنا حرام ہے، دعاء اپنے لیے کرے، اپنے والدین، اپنے اساتذۂ کرام اور جملہ مومنین ومومنات کے لیے کرے۔ (حضرت علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ غیر عربی میں دعاء کرنا مکروہ ہے، حرام نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ عربی زبان میں دعاء کرنا اقرب الی الاجابہ ہے۔ نیز علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ خارج نماز غیر عربی میں دعاء مکروہ تنزیہی ہے اور داخل نماز غیر عربی میں دعاء مکروہ تحریمی ہے۔ (شامی: ۲/ ۲۳۴)

تادم حیات صحت کے لیے دعاء کرنا

پوری زندگی کے لیے صحت وتندرستی کی دعاء مانگنا حرام ہے۔ اسی طرح ساری عمر کے لیے دارین کی بھلائی، یا دارین کی برائیوں کے دور ہونے کی درخواست کرنا بھی حرام ہے۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ سے ان چیزوں کے متعلق سوال کرنا جو عادتاً محال ہیں، جیسے آسمان سے کھانے کا دسترخوان اُترنے کی درخواست کرنا حرام ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ جو چیز شرعاً محال ہو (جیسے: دنیا میں اللہ رب العزت کا دیدار ہونا) کی دعاء کرنا حرام ہے۔ (یہ اس لیے کہ انسان بھی مرض میں مبتلا ہوتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہوتی ہے اور اس کا فائدہ بھی انسان کو پہنچتا ہے، لہٰذا اس طرح کے بے جا سوال ودرخواست کرکے حکمت کو باطل کرنا مناسب نہیں ہے، نیز دارین کی کامیابی ہمیشہ کے لیے مشکل ہے، اس لیے کہ بغیر تکلیف کے یہ چیزیں حاصل نہیں ہوتی ہیں)۔

کافروں کے لیے دعائے مغفرت کرنے کا حکم

صحیح بات یہ ہے کہ کافروں کے لیے مغفرت کی دعاء کرنا حرام ہے، البتہ تمام مومنوں کے لیے ان کے تمام گناہوں سے مغفرت کی دعاء کرنا درست ہے۔ (''وَالْحَقُّ'' کہہ کر صاحب کتاب نے امام قرافی اور ان کے متبعین کا رد فرمایا ہے، بایں طور کہ انھوں نے کہا کہ کافروں کے واسطے مغفرت کی دعاء کرنا کفر ہے، اور تمام مومنوں کے لیے تمام گناہوں سے مغفرت کی درخواست کرنا حرام اس لیے کہ اس میں احادیث صحیحہ صریحہ کی تکذیب ہے، بایں طور کہ حدیث شریف میں ہے کہ مومنوں کی ایک جماعت کو ان کے گناہوں کے سبب جہنم میں عذاب دیا جائے گا، پھر وہ جہنم سے شفاعت کے ذریعہ نکالے جائیں گے)۔ (شامی: ۲/ ۲۳۶)

درود کے بعد دعاءِ ماثورہ پڑھنا

قعدۂ اخیرہ میں التحیات اور درود شریف کے بعد وہ دعائیں پڑھے جو قرآن وحدیث میں منقول ہیں، ایسی دعائیں نہ ہوں جو آدمی کے گفتگو کے مشابہ ہوں۔ گویا قرآنِ کریم میں منقول دعائیں دعاء کی نیت سے پڑھے گا، قرآن پڑھنے کی نیت سے نہیں پڑھے گا، اس لیے کہ قرآنِ کریم کو قیام کے علاوہ دوسرے رکن میں پڑھنا مکروہ ہے، رکوع وسجود اور تشہد میں بالاجماع ائمہ اربعہ کے نزدیک قرآن پڑھنا مکروہ ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے رکوع وسجدہ کی حالت میں قرآن پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ (شامی: ۲/۲۳۷)

دعاء کے متعلق اقوال

دعاء کے متعلق حضرات فقہاءِ کرام بالخصوص حضرت مصنف علیہ الرحمہ کا قول مختلف ہے، شیخ حلبی کے قول کے مطابق اس باب میں مختار قول یہ ہے کہ جو دعاء قرآن وسنت میں مذکور ہے اس کا نماز میں پڑھنا نماز کو فاسد کرنے والا نہیں ہے، اس لیے اس دعاء سے بھی نماز فاسد نہیں ہوگی جو قرآن وحدیث میں منقول تو نہیں ہے مگر اس کا مخلوق سے سوال کرنا محال ہے، جیسے کوئی شخص یہ کہے: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ زَوْجَتِي، اے اللہ! تو میری بیوی کی مغفرت فرمادے! اس سے نماز فاسد نہ ہوگی، لیکن اگر وہ دعاء ایسی ہے جس کا سوال کرنا مخلوق سے محال نہیں ہے تو اس طرح کی دعاء سے نماز فاسد ہوجائے گی، جیسے: اَللّٰھُمَّ أَعْطِنِي الثَّوْبَ الْجَدِيْدَ، اے اللہ! تو مجھے نیا کپڑا عطا فرما۔ اس طرح کی دعاء سے نماز فاسد ہوجائے گی، بشرطیکہ اس طرح کی دعاء التحیات کی مقدار سے پہلے ہو۔ اور اگر التحیات کی مقدار سے پہلے نہ ہو؛ بلکہ التحیات کی مقدار کے بعد کوئی شخص اس طرح کی دعاء پڑھے تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی؛ بلکہ نماز پوری ہوجائے گی، مگر کراہت تحریمی کے ساتھ نماز پوری ہوگی۔

نماز اس وقت تک پوری سمجھی جائے گی جب تک کہ سجدۂ نماز یا سجدۂ تلاوت یاد نہ آئے، لہٰذا علی الاطلاق مغفرت کی طلب سے نماز فاسد نہ ہوگی، خواہ مغفرت اپنے چچا کے لیے یا عمرو کے لیے طلب کرے۔ اسی طرح طلب رزق کی دعاء سے بھی نماز فاسد نہ ہوگی، بشرطیکہ اس کو مال وغیرہ سے مقید نہ کرے، اس لیے کہ اس کا استعمال مجازاً بندوں کے لیے بھی ہوتا ہے، یعنی مجازاً بندوں سے رزق طلب کیا جاتا ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص نماز میں درود شریف کے بعد اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِي مَالاً کہے تو اس سے نماز بالاتفاق فاسد ہوجائے گی۔ اور اگر اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِي کہے مَالاً نہ کہے تو راجح قول کے مطابق نماز فاسد نہ ہوگی، اس لیے کہ رزّاق حقیقی اللہ تعالیٰ ہے بندے کی جانب نسبت مجازاً ہوتی ہے۔ (شامی: ۲/۲۳۸)

مسئلہ: اگر کسی نے نماز میں درود کے بعد اَللّٰھُمَّ الْعَنِ الظّٰلِمِيْنَ کہا تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ (شامی: ۲/۲۳۹)

(ثُمَّ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهِ وَيَسَارِهِ) حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهِ؛ وَلَوْ عَكَسَ سَلَّمَ عَنْ يَمِيْنِهِ فَقَطْ، وَلَوْ تِلْقَاءَ

وَجْهِهِ سَلَّمَ عَنْ يَسَارِهِ أُخْرَى، وَلَوْ نَسِيَ الْيَسَارَ أَتَى بِهِ مَا لَمْ يَسْتَدْبِرْ الْقِبْلَةَ فِي الْأَصَحِّ، وَتَنْقَطِعُ بِهِ التَّحْرِيمَةُ بِتَسْلِيمَةٍ وَاحِدَةٍ بُرْهَانٌ وَقَدْ مَرَّ وَفِي التَّاتَارْخَانِيَّةِ مَا شُرِعَ فِي الصَّلَاةِ مَثْنَى فَلِلْوَاحِدِ حُكْمُ الْمَثْنَى، فَيَحْصُلُ التَّحْلِيلُ بِسَلَامٍ وَاحِدٍ كَمَا يَحْصُلُ بِالْمَثْنَى وَتَتَقَيَّدُ الرَّكْعَةُ بِسَجْدَةٍ وَاحِدَةٍ كَمَا تَتَقَيَّدُ بِسَجْدَتَيْنِ (مَعَ الْإِمَامِ) إنْ أَتَمَّ التَّشَهُّدَ كَمَا مَرَّ. وَلَا يَخْرُجُ الْمُؤْتَمُّ بِنَحْوِ سَلَامِ الْإِمَامِ بَلْ بِقَهْقَهَتِهِ وَحَدَثِهِ عَمْدًا لِانْتِفَاءِ حُرْمَتِهَا فَلَا يُسَلِّمُ؛ وَلَوْ أَتَمَّهُ قَبْلَ إمَامِهِ فَتَكَلَّمَ جَازَ وَكُرِهَ، فَلَوْ عَرَضَ مُنَافٍ تَفْسُدُ صَلَاةُ الْإِمَامِ فَقَطْ (كَتَحْرِيمَةٍ) مَعَ الْإِمَامِ. وَقَالَا: الْأَفْضَلُ فِيهِمَا بَعْدَهُ (قَائِلًا السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ) هُوَ السُّنَّةُ، وَصَرَّحَ الْحَدَّادِيُّ بِكَرَاهَةِ: عَلَيْكُمْ السَّلَامُ (وَ) أَنَّهُ (لَا يَقُولُ) هُنَا (وَبَرَكَاتُهُ) وَجَعَلَهُ النَّوَوِيُّ بِدْعَةً، وَرَدَّهُ الْحَلَبِيُّ. وَفِي الْحَاوِي أَنَّهُ حَسَنٌ. (وَسُنَّ جَعْلُ الثَّانِي أَخْفَضَ مِنْ الْأَوَّلِ) خَصَّهُ فِي الْمُنْيَةِ بِالْإِمَامِ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ (وَيَنْوِي) الْإِمَامُ بِخِطَابِهِ (السَّلَامَ عَلَى مَنْ فِي يَمِينِهِ وَيَسَارِهِ) مِمَّنْ مَعَهُ فِي صَلَاتِهِ، وَلَوْ جِنًّا أَوْ نِسَاءً، أَمَّا سَلَامُ التَّشَهُّدِ فَيَعُمُّ لِعَدَمِ الْخِطَابِ (وَالْحَفَظَةَ فِيهِمَا) بِلَا نِيَّةِ عَدَدٍ كَالْإِيمَانِ بِالْأَنْبِيَاءِ. وَقَدَّمَ الْقَوْلَ لِأَنَّ الْمُخْتَارَ أَنَّ خَوَاصَّ بَنِي آدَمَ وَهُمْ الْأَنْبِيَاءُ أَفْضَلُ مِنْ كُلِّ الْمَلَائِكَةِ؛ وَعَوَامُّ بَنِي آدَمَ وَهُمْ الْأَتْقِيَاءُ أَفْضَلُ مِنْ عَوَامِّ الْمَلَائِكَةِ؛ وَالْمُرَادُ بِالْأَتْقِيَاءِ مَنْ اتَّقَى الشِّرْكَ فَقَطْ كَالْفَسَقَةِ كَمَا فِي الْبَحْرِ عَنْ الرَّوْضَةِ، وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ قُلْت: وَفِي مَجْمَعِ الْأَنْهُرِ تَبَعًا لِلْقُهُسْتَانِيِّ: خَوَاصُّ الْبَشَرِ وَأَوْسَاطُهُ أَفْضَلُ مِنْ خَوَاصِّ الْمَلَائِكَةِ وَأَوْسَاطِهِ عِنْدَ أَكْثَرِ الْمَشَايِخِ. وَهَلْ تَتَغَيَّرُ الْحَفَظَةُ؟ قَوْلَانِ، وَيُفَارِقُهُ كَاتِبُ السَّيِّئَاتِ عِنْدَ جِمَاعٍ وَخَلَاءٍ وَصَلَاةٍ. وَالْمُخْتَارُ أَنَّ كَيْفِيَّةَ الْكِتَابَةِ وَالْمَكْتُوبِ فِيهِ مِمَّا اسْتَأْثَرَ اللَّهُ بِعِلْمِهِ، نَعَمْ فِي حَاشِيَةِ الْأَشْبَاهِ تُكْتَبُ فِي رَقٍّ بِلَا حَرْفٍ كَثُبُوتِهَا فِي الْعَقْلِ؛ وَهُوَ أَحَدُ مَا قِيلَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى - {وَالطُّورِ} {وَكِتَابٍ مَسْطُورٍ} {فِي رَقٍّ مَنْشُورٍ} - وَصَحَّحَ النَّيْسَابُورِيُّ فِي تَفْسِيرِهِ أَنَّهُمَا يَكْتُبَانِ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى أَنِينَهُ. قُلْت: وَفِي تَفْسِيرِ الدِّمْيَاطِيِّ يَكْتُبُ الْمُبَاحَ كَاتِبُ السَّيِّئَاتِ وَيُمْحَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ. وَفِي تَفْسِيرِ الْكَازَرُونِيِّ الْمَعْرُوفِ بِالْأَخَوَيْنِ: الْأَصَحُّ أَنَّ الْكَافِرَ أَيْضًا تُكْتَبُ أَعْمَالُهُ إلَّا أَنَّ كَاتِبَ الْيَمِينِ كَالشَّاهِدِ عَلَى كَاتِبِ الْيَسَارِ. وَفِي الْبُرْهَانِ أَنَّ مَلَائِكَةَ اللَّيْلِ غَيْرُ مَلَائِكَةِ النَّهَارِ، وَأَنَّ إبْلِيسَ مَعَ ابْنِ آدَمَ بِالنَّهَارِ وَوَلَدَهُ بِاللَّيْلِ. وَفِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ «مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إلَّا قَدْ وَكَّلَ اللَّهُ بِهِ قَرِينَهُ مِنْ الْجِنِّ وَقَرِينَهُ

مِنَ الْمَلَائِكَةِ، قَالُوا: وَإِيَّاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: وَإِيَّايَ، وَلَكِنَّ اللَّهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ» رُوِيَ بِفَتْحِ الْمِيمِ وَضَمِّهَا (وَيَزِيدُ) الْمُؤْتَمُّ (السَّلَامَ عَلَى إِمَامِهِ فِي التَّسْلِيمَةِ الْأُولَى إِنْ كَانَ) الْإِمَامُ (فِيهَا وَإِلَّا فَفِي الثَّانِيَةِ، وَنَوَاهُ فِيهِمَا لَوْ مُحَاذِيًا وَيَنْوِي الْمُنْفَرِدُ الْحَفَظَةَ فَقَطْ) . لَمْ يَقُلِ الْكَتَبَةُ لِيَعُمَّ الْمُمَيِّزَ، إِذْ لَا كَتَبَةَ مَعَهُ، وَلَعَمْرِي لَقَدْ صَارَ هَذَا كَالشَّرِيعَةِ الْمَنْسُوخَةِ لَا يَكَادُ يَنْوِي أَحَدٌ شَيْئًا إِلَّا الْفُقَهَاءُ، وَفِيهِمْ نَظَرٌ.

دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب قعدۂ اخیرہ میں التحیات، درود شریف اور دعائے ماثورہ پڑھ لے تو پھر سب سے پہلے دائیں جانب، پھر بائیں جانب امام کے ساتھ سلام پھیرے، بشرطیکہ مقتدی تشہد کو مکمل کر چکا ہو، جیسا کہ یہ مسئلہ پہلے بھی گذر چکا ہے۔ اور سلام پھیرتے وقت دائیں جانب اور بائیں جانب چہرہ اس طرح پھیرے کہ اسکے رُخسار کی سفیدی ظاہر ہو جائے۔ اور مقتدی حضرات اس رُخسار کو دیکھ لیں۔ بدائع الصنائع میں ہے کہ دونوں طرف سلام پھیرنے میں چہرہ گھمانے میں خوب مبالغہ کر لے، دائیں جانب سلام پھیرے تو اس طرح چہرہ گھمائے کہ داہنے رُخسار کی سفیدی صاف معلوم ہو جائے اور جب بائیں جانب سلام پھیرے تو اس طرح چہرہ گھمائے کہ بائیں رُخسار کی سفیدی صاف معلوم ہو جائے۔ (شامی: ۲/۲۳۹)

اگر پہلے بائیں طرف سلام پھیر دیا تو کیا حکم ہے؟

اگر کسی نے سلام پھیرنے میں اُلٹ دیا، بایں طور کہ پہلے دائیں طرف سلام پھیرنے کے بجائے بائیں طرف سلام پھیر دیا، خواہ یہ سلام پھیرنا جان بوجھ کر ہو یا بھول سے، بہرصورت اب حکم یہ ہے کہ اب وہ صرف دائیں جانب سلام پھیرے، دوبارہ بائیں طرف سلام پھیرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور اگر کسی نے اپنے چہرہ کی طرف سلام پھیرا تو اب اس کے لیے حکم یہ ہے کہ دوسری مرتبہ صرف بائیں جانب سلام پھیرے، داہنی طرف سلام پھیرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر کوئی شخص بائیں طرف سلام پھیرنے کو بھول گیا تو اصح ترین قول کے مطابق حکم یہ ہے کہ جب تک قبلہ کی جانب سے چہرہ نہیں مڑا ہے، یا بات چیت نہیں کی ہے، دوبارہ بائیں طرف سلام پھیر لے۔ (اس بارے میں بعض دیگر علماء کا قول یہ ہے کہ جب تک مسجد سے باہر نہیں نکلا ہے بائیں طرف سلام کو پھیر سکتا ہے، اگرچہ قبلہ کی جانب سے رُخ مڑ کیوں نہ چکا ہو، لیکن پہلا قول صحیح ہے)۔ (شامی: ۲/۲۳۹)

صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ صرف ایک جانب سلام پھیرنے ہی سے تحریمہ ختم ہو جاتا ہے، جیسا کہ برہان نامی کتاب میں مذکور ہے۔ اور واجباتِ نماز کی بحث میں یہ بات گذر چکی ہے کہ لفظ "السَّلَامُ" زبان سے ادا کرتے ہی تحریمہ ختم ہو جاتا ہے، خواہ

"عَلَيْكُمْ" کا تکلم کیا ہو یا نہ کیا ہو، ہمارے نزدیک مشہور مذہب یہی ہے۔ اسی وجہ سے لفظ "اَلسَّلَامُ" کہنے کے بعد امام کی اقتداء درست نہیں ہے، اس لیے کہ امام اب نماز سے نکل چکا ہے، لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب کہ لفظ سلام جان بوجھ کر نکالا ہو۔ اور اگر بھولنے والا شخص لفظ "سلام" نکالا اور سجدہ سہو کر لیا تو اس کا تحریمہ لوٹ آئے گا باطل نہ ہوگا۔ (شامی: ۲/ ۲۳۹)

فتاویٰ تاتر خانیہ میں مذکور ہے کہ نماز میں جو چیز دوبارہ مشروع ہے تو اس میں ایک کے لیے دو کا حکم ہے۔ اس اصول اور ضابطہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ایک سلام سے بھی نماز سے نکلنا ہو جائے گا، جس طرح دو سلام سے نماز سے نکلنا ہو جاتا ہے۔ اور ایک سلام بھی دو سلام کے قائم مقام ہو جائے گا۔ اور رکعت کو ایک سجدہ کے ساتھ مقید کرنا ایسا ہی ہے جیسا دو سجدے سے مقید کرنا ہے۔ (مثال کے طور پر کوئی شخص قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنے کے بجائے بھول کر کھڑا ہو گیا اور اس رکعت کا ایک سجدہ کر لیا تو فرض نماز باطل ہو جائے گی، جس طرح دو سجدے سے نماز باطل ہوتی ہے۔ (شامی: ۲/ ۲۳۹)

مقتدی کا امام کے ساتھ سلام پھیرنا

اگر مقتدی حضرات تشہد مکمل پڑھ چکیں تو امام کے ساتھ سلام پھیر دیں۔ اور اگر مقتدیوں نے التحیات پوری نہ کی ہے تو التحیات پوری کر کے سلام پھیریں اس لیے کہ التحیات پڑھنا بھی واجب ہے اور امام کی پیروی بھی واجب ہے، جیسا کہ یہ مسئلہ پہلے بھی گذر چکا ہے۔

محض امام کے سلام پھیرنے سے مقتدی نماز سے خارج نہیں ہوتا ہے

امام کے سلام پھیرنے یا اس طرح کے کوئی کام کرنے سے مقتدی نماز سے خارج نہیں ہوگا؛ بلکہ خود مقتدی پر بھی سلام پھیرنا واجب ہوگا؛ تاکہ وہ نماز سے باہر ہو جائے؛ البتہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدی قہقہہ لگا کر ہنس دے، یا جان بوجھ کر حدث لاحق کر دے تو وہ اس سے نماز سے نکل جائے گا، اس لیے کہ اس صورت میں نماز کی حرمت باقی نہ رہی، لہٰذا اب اس کو نماز سے خروج کے لیے باقاعدہ سلام پھیرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (اور اگر عمداً قہقہہ نہیں لگایا یا خود بخود حدث لاحق ہو گیا تو اس صورت میں نماز سے نکلنا نہیں پایا جائے گا؛ بلکہ اب وہ دوبارہ وضو کر کے بناء کرے اور سلام پھیرے)۔ (شامی: ۲/ ۲۴۰)

مقتدی نے امام سے پہلے تشہد مکمل کر لیا تو کیا حکم ہے؟

اگر مقتدی نے اپنے امام کے تشہد مکمل کرنے سے پہلے خود اپنا تشہد مکمل کر لیا اور اس کے بعد کچھ بول پڑا تو اس صورت میں اس کی نماز درست ہو جائے گی، مگر مقتدی کا اس طرح کرنا مکروہ ہوگا، اس لیے کہ اس نے بلا ضرورت شرعی اپنے امام کی پیروی سے کنارہ کشی اختیار کی ہے۔ اب اگر مقتدی کے اس فعل مکروہ کے ارتکاب کے بعد امام کو کوئی منافی صلوٰۃ چیز پیش آجائے تو صرف امام کی نماز فاسد ہوگی، مقتدی کی نماز فاسد نہ ہوگی، اس لیے کہ مقتدی منافی صلوٰۃ کے پیش آنے سے پہلے ہی فعل مکروہ کا ارتکاب

کر کے نماز سے نکل چکا ہے۔

مقتدی امام کے ساتھ سلام پھیرے یا امام کے بعد؟

مقتدی کے لیے جس طرح یہ حکم ہے کہ امام کے ساتھ تحریمہ باندھے، اسی طرح یہ بھی حکم ہے کہ اپنے امام کے ساتھ سلام پھیرے۔ اور حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ افضل یہ ہے کہ تحریمہ اور سلام دونوں مقتدی امام کے بعد ہی کرے، یعنی جب امام تحریمہ باندھ چکے تو مقتدی تحریمہ باندھے، اسی طرح جب امام سلام پھیر چکے تو مقتدی سلام پھیرے، بالکل امام کے ساتھ ساتھ سلام نہ پھیرے، اور حضرات صاحبینؒ کا یہ اختلاف درحقیقت اولیٰ اور غیر اولیٰ کے بارے میں ہے۔

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ سلام پھیرتے وقت "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہنا سنت ہے۔ صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں کہ "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ" دو مرتبہ کہنا کمال درجہ کی سنت ہے، پس اگر کسی نے صرف "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ"، یا "اَلسَّلَامُ"، یا "علیکم السلام"، یا "سلام علیکم" کہا تو بھی کافی ہو جائے گا۔ لیکن سنت طریقہ چھوڑنا لازم آئے گا۔ اور سراج الوہاج میں صراحت ہے کہ "علیکم السلام" کہنا مکروہ ہے۔ (شامی: ۲/۲۴۱) اور حدادی نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ "علیکم السلام" کے ذریعہ نماز سے نکلنا مکروہ ہے۔ اور اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ یہاں "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ" کے ساتھ "وَبَرَکَاتُہٗ" کا اضافہ نہ کرے۔ علامہ نوویؒ نے "وَبَرَکَاتُہٗ" کے اضافہ کرنے کو بدعت کہا ہے، لیکن منیۃ المصلی کے شارح محقق ابن امیر حاج حلبی نے اس کا رد کیا ہے۔ (ان کے پیش نظر وہ حدیث شریف ہے جس میں "وَبَرَکَاتُہٗ" کا لفظ بھی آیا ہے۔ اور جب حدیث شریف میں آیا ہے تو بدعت کیسے قرار دیا جا سکتا ہے) اور حاوی قدسی میں اس کی صراحت ہے کہ "وَبَرَکَاتُہٗ" کا اضافہ کرنا حسن ہے۔

دوسرے سلام کی آواز پہلے سلام کی بہ نسبت پست ہو

مسنون یہ ہے کہ دوسرے سلام کی آواز پہلے سلام کے مقابلہ میں کچھ پست ہو۔ منیۃ المصلی میں اس کو امام کے لیے مخصوص کیا ہے۔ (یعنی دوسرے سلام کی آواز کو پہلے سلام کے مقابلہ میں پست کرنا امام کے لیے خاص ہے، منفرد اور مقتدی دونوں سلام یکساں آواز میں کہیں گے)۔ اور مصنف علیہ الرحمہ نے اسی کو برقرار رکھا ہے۔

سلام میں امام کس کی نیت کرے؟

اور امام جب سلام پھیرے گا تو اس سلام میں امام ان نمازیوں کی نیت کرے گا جو امام کے دائیں بائیں جانب ہوں، خواہ وہ آدمی ہوں یا جن، مرد ہوں یا عورتیں۔ (بعض علماء کا قول ہے کہ امام ان تمام نمازیوں کی نیت کرے جو امام کے ساتھ مسجد میں ہوں۔ اور بعض نے فرمایا کہ تشہد والے سلام کی طرح یہ سلام بھی عام ہے اور اس میں تمام مسلمان داخل ہیں، شامی: ۲/۲۴۲)۔

البتہ تشہد میں جو "اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا" آتا ہے وہ عام ہے، اس میں تمام مسلمان داخل ہیں، اس لیے کہ تشہد میں خطاب نہیں ہوتا ہے۔ اور امام ان فرشتوں کی بھی نیت کرے گا جو مکلف لوگوں کے اعمال کی دیکھ بھال پر مقرر ہیں اور نیت کرتے وقت تعداد متعین نہیں کرے گا؛ تاکہ وہاں جتنے بھی فرشتے ہوں سب داخل ہو جائیں۔ جس طرح تمام انبیاء و رسل پر ایمان لاتے ہیں، لیکن ان کی تعداد متعین نہیں کرتے ہیں؛ بلکہ اجمالی طور پر تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں، خواہ وہ شمار میں کتنے ہی کیوں نہ ہوں۔

نگراں فرشتوں کی تعداد کتنی ہے؟

اب یہاں علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ محافظ فرشتوں کی تعداد کیا ہے؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ہر مومن کے ساتھ دو فرشتے ہیں، جو ان کے محافظ اور نگراں ہیں۔ اور بعض نے فرمایا کہ چار فرشتے ہوتے ہیں۔ بعض نے فرمایا پانچ فرشتے ہوتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ دس فرشتے ہوتے ہیں۔ اور بعض نے فرمایا کہ ایک سو ساٹھ فرشتے ہیں اور ان کے علاوہ بھی اس بارے میں اقوال ہیں، جن کی تفصیل شرح منیۃ المصلی میں ہے۔ (شامی: ۲/ ۲۴۲)

انسان کو مقدم کرنے کی وجہ

صاحب در مختار علامہ علاء الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے آدمیوں کا ذکر پہلے کیا ہے، پھر فرشتوں کا ذکر فرمایا ہے، یعنی امام سلام میں پہلے انسانوں کی نیت کرے گا، اس کے بعد فرشتوں کی نیت کرے گا، تو انسانوں کو پہلے ذکر کرنے کی وجہ کیا ہے؟ تو فرماتے ہیں کہ مختار مذہب یہ ہے کہ انسانوں میں جو خواص ہیں جیسے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام وہ تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔ اور انسانوں میں سے جو عوام خدا ترس اور پرہیزگار ہیں وہ تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔ اور یہاں اتقیاء سے وہ لوگ مراد ہیں جو صرف شرک سے بچتے ہیں، جیسے فاسق، جیسا کہ البحر الرائق میں روضۃ العلماء سے ایسا ہی منقول ہے اور مصنف نے اسی کو برقرار رکھا ہے۔

افضلیت بشر کا مسئلہ

حضرت علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں کہ روضۃ العلماء میں لکھا ہے کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ تمام انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تمام مخلوق سے افضل واشرف ہیں۔ اور تمام انبیاء میں سب سے افضل واشرف ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے۔ اور حضراتِ انبیاء کرام کے بعد چاروں جلیل القدر فرشتے افضل ہیں، یعنی حضرت جبرئیلؑ، حضرت میکائیلؑ، حضرت اسرافیلؑ، حضرت عزرائیلؑ۔ اور حاملین عرش بھی افضل ہیں۔ نیز رضوان اور مالک بھی افضل ہیں۔ ان کے بعد درجہ صحابہ و تابعین اور شہداء و صالحین کا ہے۔ یہ حضرات باقی فرشتوں سے افضل ہیں۔ یہاں تک تو سب کا اتفاق ہے، اس کے بعد اختلاف ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان عوام فرشتوں سے افضل ہیں۔ اور حضرات صاحبینؒ فرماتے

ہیں کہ عوام فرشتے عوام مسلمان سے افضل ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ انسان کے تین درجے ہیں: ایک خواص انسان، جیسے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ دوسرے اوسط درجے کے مسلمان ہیں، جیسے حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور امت کے صالحین حضرات۔ تیسرے درجہ میں عوام مسلمان ہیں، جیسے باقی تمام لوگ۔ اور فرشتوں میں صرف دو درجات ہیں، ایک خواص ملائکہ، جیسے ملائکہ اربعہ، رضوان، مالک وغیرہ۔ دوسرے عوام ملائکہ، جیسے ان کے علاوہ تمام فرشتے۔ ان میں خواص بشر سب سے افضل ہیں، یعنی خواص ملائکہ اور عوام ملائکہ ہر ایک سے افضل ہیں۔ پھر انبیاء کے بعد خواص ملائکہ افضل ہیں۔ پھر اوسط بشر افضل ہیں۔ یہاں تک تو سب کا اتفاق ہے، اس کے بعد اختلاف ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عوام بشر عوام ملائکہ سے افضل ہیں اور صاحبین کے نزدیک عوام ملائکہ کو عوام بشر پر فضیلت حاصل ہے۔ (شامی: ۲/ ۲۴۳)

شارح علامہ حصکفیؒ کا قول

شارح درمختار علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ مجمع الانہر میں قہستانی سے منقول ہے کہ خواص انسان اور اوسط درجہ کا انسان خواص ملائکہ اور اوساط ملائکہ سے افضل ہیں۔ یہی اکثر مشائخ کا قول ہے، یعنی خواص انسان، خواص فرشتوں سے افضل ہیں اور اوسط درجے کے انسان اوسط درجے کے فرشتے سے افضل ہیں۔ گویا حضرت شارح کے قول میں لف ونشر مرتب ہے۔ (شامی: ۲/ ۲۴۳)

محافظ فرشتوں کی ڈیوٹی کی تبدیلی

اب رہا یہ سوال کہ محافظ فرشتوں کی ڈیوٹی بدلتی رہتی ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ محافظ فرشتوں کی ڈیوٹی بدلتی رہتی ہے، کیونکہ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ: يَتَعَاقَبُونَ فِيكُم ملائِكَةٌ بِاللَّيلِ وملائكَةٌ بالنهارِ، ويجتمِعُونَ فِي صلاةِ الصُّبحِ وصَلاةِ العَصرِ الخ۔ یعنی تمہارے درمیان دن رات فرشتے آتے رہتے ہیں۔ اور نماز صبح وعصر میں ان کا اجتماع ہوتا ہے، یعنی ان دونوں وقتوں میں ان کی ڈیوٹی بدلتی ہے، رات کے فرشتے صبح کی نماز کے بعد آسمان کی جانب چلے جاتے ہیں اور دن میں ڈیوٹی انجام دینے والے فرشتے آجاتے ہیں، پھر عصر کے بعد دن والے فرشتے اوپر چلے جاتے ہیں اور رات والے فرشتے آجاتے ہیں۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ان فرشتوں سے مراد کراماً کاتبین ہیں۔ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کی ڈیوٹی بدلتی رہتی ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ محافظ فرشتے آدمی کی زندگی بھر کبھی بھی نہیں بدلتے ہیں۔ اس لیے کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے لیے دو فرشتے مقرر کر رکھے ہیں، جو ان کے نامۂ اعمال لکھتے رہتے ہیں، جب وہ آدمی مرجاتا ہے تو وہ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ فلاں شخص کی موت ہو چکی ہے آپ اجازت مرحمت

فرمائیں کہ میں اوپر چڑھ آؤں، اللہ رب العزت والجلال فرماتا ہے کہ آسمان فرشتوں سے بھرا ہے جو تسبیح میں مشغول ہیں۔ وہ فرشتے کہتے ہیں کیا ہم زمین پر ٹھہریں؟ اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ میری زمین فرشتوں سے بھری پڑی ہے، جو میری پاکی بیان کرتے ہیں۔ تو فرشتے عرض کرتے ہیں: الٰہی پھر ہم کہاں قیام کریں؟ اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ میرے بندے کی قبر میں ٹھہرو اور میری بڑائی بیان کرو، مجھے یاد کرو اور اسے قیامت تک میرے بندوں کے لیے لکھتے رہو۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ محافظ فرشتوں کی ڈیوٹی نہیں بدلتی ہے۔ (شامی: ۲/ ۲۴۳)

انسان سے فرشتے کب کب جدا ہوتے ہیں؟

وہ فرشتے جو برائیوں کے لکھنے پر مامور ہیں وہ تین اوقات میں آدمی سے الگ ہو جاتے ہیں: (۱) بیوی سے جماع کرنے کے وقت (۲) پاخانہ کرتے وقت (۳) نماز پڑھنے کے وقت۔ ان تینوں اوقات میں فرشتے انسان سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ (طحطاوی میں ہے کہ بیوی سے جماع کرتے وقت اور بیت الخلاء میں دونوں طرح کے فرشتے علیحدہ ہو جاتے ہیں، یعنی نیکی لکھنے والے بھی اور برائی لکھنے والے بھی؛ البتہ نماز پڑھنے کے وقت نیکی لکھنے والے فرشتے رہتے ہیں اور اس کی نیکی کو لکھتے ہیں، البتہ برائی لکھنے والے فرشتے جدا ہو جاتے ہیں)۔

فرشتوں کے لکھنے کی کیفیت

اب رہا یہ سوال کہ فرشتے کس چیز میں لکھتے ہیں اور ان کے لکھنے کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟ یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کا علم اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے لیے خاص کر رکھا ہے، کسی بھی مخلوق کو اس کا علم نہیں ہے؛ البتہ الاشباہ والنظائر کے حاشیہ میں اسکی تفصیل اس طرح ہے کہ فرشتے اوراق میں بغیر حروف کے لکھتے ہیں، جس طرح انسانی معلومات ومحفوظات عقل انسانی میں بغیر حرفوں کے محفوظ رہتی ہے۔ اور یہ ان اقوال میں سے ایک ہے جو ﴿وَالطُّوْرِ وَ كِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ فِي رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ﴾ کی تفسیر میں منقول ہے۔ اور شیخ نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں اس کی تصحیح کی ہے کہ وہ دونوں فرشتے ہر چیز کو لکھ لیتے ہیں حتیٰ کہ آدمی کے آہ کرنے اور کراہنے کو بھی لکھ لیتے ہیں۔ (شامی میں ہے کہ سانس چلنے اور نبض کی حرکت کو بھی لکھ لیتے ہیں)۔ (شامی: ۲/ ۲۴۵)

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ تفسیر دمیاطی میں ہے کہ برائیوں کا لکھنے والا فرشتہ مباح چیزوں کو لکھتا ہے اور پھر قیامت کے روز مٹا ڈالے گا۔ (خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ انسانی اعمال تین طرح کے ہیں: (۱) وہ نیک اعمال جن پر اجر وثواب ہے۔ (۲) وہ اعمالِ بد جن کے ارتکاب کرنے پر عذاب ہے۔ (۳) وہ اعمال جن میں نہ عذاب نہ اجر وثواب، پس نیک اعمال نیکیوں والا فرشتہ لکھتا ہے اور بقیہ اعمال کاتب سیئات لکھتا ہے۔ (شامی: ۲/ ۲۴۵)

کافروں کے اعمال بھی لکھے جاتے ہیں

حضرت شارح فرماتے ہیں کہ "تفسیر کازرونی" میں ہے۔ جو "اخوین" کے نام سے مشہور ہے۔ کہ اصح ترین قول کے مطابق کافروں کے اعمال بھی لکھے جاتے ہیں، مگر دایاں کاتب اعمال، بائیں کاتب اعمال پر شاہد اور گواہ ہوجاتا ہے۔ (یعنی دائیں طرف جو فرشتہ ہوتا ہے وہ نیکیوں کو لکھتا ہے اور بائیں طرف جو فرشتہ ہوتا ہے وہ برائی کو لکھتا ہے، لیکن کافر کے چونکہ کوئی اعمال نیک نہیں ہوتے ہیں اس لیے دائیں جانب والا فرشتہ بطور شاہد اور گواہ رہتا ہے اور کافر حقوق العباد اور عقوبات کے بالاتفاق مکلف ہیں)۔ (شامی: ۲/۲۴۵)

دن اور رات کے فرشتے

"برہان" نامی کتاب میں ہے کہ رات کے فرشتے دن کے فرشتے سے الگ ہیں، جیسا کہ اس سے پہلے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث کے حوالے سے یہ بات گذر چکی ہے۔ اور ابلیس ہر انسان کے ساتھ دن میں ہوتا ہے۔ اور رات میں ہر انسان کے ساتھ اس کی اولاد رہتی ہے۔ (حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مدظلہ العالی، مفتیؒ دار العلوم دیوبند و مرتب فتاویٰ دار العلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں کہ بقول بعض ابلیس کی بیوی ہے اور اس سے اولاد ہوتی ہے۔ اور بقول بعض ابلیس انڈے دیتا ہے اس سے بچے ہوتے ہیں۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ابلیس کی ایک ران میں نر کی علامت ہے اور دوسری ران میں مادہ کی علامت ہے اور وہ خود اپنی ذات سے صحبت کرتا ہے اور بچے دیتا ہے)۔ (کشف الاسرار: ۱/۴۰۳)

ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ اور ایک شیطان ہوتا ہے

صحیح مسلم شریف میں ہے رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک شیطان اور ایک فرشتہ متعین کر رکھا ہے۔ حضراتِ صحابہ کرام نے دریافت فرمایا کہ یارسول اللہ! کیا آپ کے ساتھ بھی ایک شیطان اور ایک فرشتہ ہے؟ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے ساتھ بھی ایک شیطان اور ایک فرشتہ اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے میری خصوصی طور پر مدد فرمائی ہے اور اس شیطان کو میرا تابع و فرماں بردار بنادیا ہے اور وہ مسلمان ہوگیا ہے، لہٰذا اب وہ شیطان بھی مجھ کو خیر ہی کی تلقین کرتا ہے۔ لفظ "أَسْلَمَ" میم کے زبر کے ساتھ بھی مروی ہے، یعنی بابِ افعال سے ماضی کا صیغہ، معنی: "مسلمان ہوگیا"۔ اور میم کے ضمہ کے ساتھ بھی منقول ہے، یعنی فعل مضارع واحد متکلم کا صیغہ، سلامت و محفوظ ہونے کے معنی میں ہوگا، یعنی میں شیطان سے بچا رہتا ہوں۔

مقتدی اپنے سلام میں امام کی نیت کرے

اور مقتدی حضرات قوم اور فرشتوں کے ساتھ ساتھ اپنے سلام میں اپنے امام کی نیت کا بھی اضافہ کریں گے۔ اگر امام مقتدی

کی دائیں جانب پڑے تو پہلے سلام میں امام کی نیت کرے اور اگر امام مقتدی کے بائیں جانب پڑے تو دوسرے سلام میں امام کی نیت کرے۔ اور اگر امام مقتدی کے بالکل محاذی اور برابر ہو، بایں طور کہ مقتدی امام کے بالکل پیچھے برابر میں کھڑا ہے تو دونوں سلاموں میں امام کی نیت کرے۔

منفرد شخص سلام میں کیا نیت کرے؟

منفرد یعنی تنہا نماز پڑھنے والا شخص اپنے سلام میں صرف فرشتوں کی نیت کرے گا۔ حضرت شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصنف نے لفظ "حَفَظَة" ذکر کیا ہے، "كَتَبَه" کا لفظ نہیں لایا ہے، اس لیے کہ "كَتَبَه" سے مراد اعمال لکھنے والے فرشتے ہیں۔ اور "حَفَظَـة" سے مراد حفاظت کرنے والے فرشتے ہیں۔ "حَفَظَةُ المَلَائِكَة" بالغ اور نابالغ سب کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اور "کتبہ" صرف بالغوں کے ساتھ ہوتے ہیں، تو "حَفَظَة" لاکر اس طرف اشارہ فرمایا کہ سمجھدار نابالغ لڑکا بھی سلام میں فرشتوں کی نیت کرے گا۔

شارح فرماتے ہیں کہ میری عمر کی قسم! فرشتوں اور امام کی نیت کرنے کا مسئلہ شریعت منسوخہ کے درجہ میں ہوگیا ہے، یعنی لوگ اس پر قطعاً توجہ نہیں کرتے ہیں، چند ہی مخصوص لوگ اس پر توجہ کرتے ہیں، یعنی حضرات فقہاء کی جماعت، اس میں غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے اور توجہ ڈالنے کی ضرورت ہے۔

وَيُكْرَهُ تَأْخِيرُ السُّنَّةِ إِلَّا بِقَدْرِ اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ إِلَخ. قَالَ الْحَلْوَانِيُّ: لَا بَأْسَ بِالْفَصْلِ بِالْأَوْرَادِ وَاخْتَارَهُ الْكَمَالُ. قَالَ الْحَلَبِيُّ: إِنْ أُرِيدَ بِالْكَرَاهَةِ التَّنْزِيهِيَّةُ ارْتَفَعَ الْخِلَافُ قُلْتُ: وَفِي حِفْظِي حَمْلُهُ عَلَى الْقَلِيلَةِ؛ وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَسْتَغْفِرَ ثَلَاثًا وَيَقْرَأُ آيَةَ الْكُرْسِيِّ وَالْمُعَوِّذَاتِ وَيُسَبِّحُ وَيَحْمَدُ وَيُكَبِّرُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ؛ وَيُهَلِّلُ تَمَامَ الْمِائَةِ وَيَدْعُو وَيَخْتِمُ بِسُبْحَانَ رَبِّكَ. وَفِي الْجَوْهَرَةِ: وَيُكْرَهُ لِلْإِمَامِ التَّنَفُّلُ فِي مَكَانِهِ لَا لِلْمُؤْتَمِّ، وَقِيلَ يُسْتَحَبُّ كَسْرُ الصُّفُوفِ. وَفِي الْخَانِيَّةِ يُسْتَحَبُّ لِلْإِمَامِ التَّحَوُّلُ لِيَمِينِ الْقِبْلَةِ يَعْنِي يَسَارَ الْمُصَلِّي لِتَنَفُّلٍ أَوْ وِرْدٍ. وَخَيَّرَهُ فِي الْمُنْيَةِ بَيْنَ تَحْوِيلِهِ يَمِينًا وَشِمَالًا وَأَمَامًا وَخَلْفًا وَذَهَابِهِ لِبَيْتِهِ، وَاسْتِقْبَالِهِ النَّاسَ بِوَجْهِهِ وَلَوْ دُونَ عَشَرَةٍ، مَا لَمْ يَكُنْ بِحِذَائِهِ مُصَلٍّ وَلَوْ بَعِيدًا عَلَى الْمَذْهَبِ.

فرض نمازوں کے بعد سنت کو مؤخر کرکے پڑھنا

صاحب درمختار علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ فرض نمازوں کے بعد دعاء: اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَام۔ پڑھنے کی مقدار سے زیادہ تاخیر کرکے سنت ادا کرنا مکروہ ہے، البتہ صرف مختصر دعاء کی مقدار میں تاخیر کی

جائے تو کوئی کراہت نہیں ہے۔(ترمذی شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَام پڑھنے کی مقدار تاخیر کرتے تھے، اس کے بعد فوراً سنت شروع فرمادیتے تھے۔ حدیث شریف میں جو اوراد و اذکار پڑھنے کا ذکر ہے وہ سب سنتوں کے بعد ہے سنتوں سے پہلے نہیں ہے)۔(شامی:۲/۲۴۶)

فرائض وسنن کے درمیان وظائف پڑھنے میں مشغول ہونا

شیخ حلوانی نے کہا کہ فرض وسنت کے درمیان اوراد و اذکار کے ذریعہ فصل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یعنی فرض نماز کے بعد اور سنت سے پہلے وظائف پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ محقق کمال الدین نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔ اور شارح منیۃ المصلی محقق ابن امیر حاج فرماتے ہیں کہ اگر کراہت سے کراہت تنزیہی مراد لی جائے تو پھر اختلاف باقی نہیں رہتا ہے۔(مکروہ قرار دینے والوں اور اجازت دینے والوں کے قولوں کے درمیان تطبیق کی شکل نکل آتی ہے) شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری یادداشت کے مطابق حلوانی کی مراد تھوڑے سے وظائف ہیں جن کی وجہ سے فرض وسنت کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ ہو۔

سلام پھیرنے کے بعد کے وظائف

مستحب یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد تین بار استغفار پڑھے اور اسی کے ساتھ آیت الکرسی، معوذتین یعنی سورۂ اخلاص، سورۂ ناس اور سورۂ فلق پڑھے۔ اور سبحان اللہ ۳۳/بار، الحمد للہ ۳۳/بار، اور اللہ اکبر ۳۳/بار پڑھے اور ایک بار لا إله الا الله پڑھ کر سو کی تعداد مکمل کرے، پھر دعاء مانگے۔ اور دعاء کو سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ پر ختم کرے۔

تسبیح کو سو مرتبہ سے زیادہ پڑھنے کا حکم

جن نمازوں کے بعد سنن ونوافل نہیں ہیں ان کے بعد سو مرتبہ تسبیح پڑھنے کا حکم ہے اگر کوئی شخص متعینہ تعداد سے زیادہ پڑھے تو آیا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں بعض نے فرمایا کہ متعینہ تعداد سے زیادہ پڑھنا مکروہ ہے، اس لیے کہ اس میں بے ادبی ہے، اس لیے کہ گویا یہ علاج ودوا کے واسطے ہے جس میں اضافہ درست نہیں ہے، یا جس طرح چابی کے دانتوں میں اضافہ درست نہیں ہے اسی طرح متعینہ مقدار سے زیادہ پڑھنا بھی درست نہیں ہے۔ دوسرا قول اس بارے میں یہ ہے کہ متعینہ مقدار سے زیادہ پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں ہے؛ بلکہ جس قدر زیادہ پڑھے گا ثواب بھی زیادہ ملے گا۔(شامی:۲/۲۴۷)

امام اور مقتدی کے لیے اپنی جگہ نفل پڑھنے کا حکم

جوھرۃ النیرہ میں لکھا ہے کہ امام کے واسطے اپنی فرض نماز کی جگہ نفل پڑھنا مکروہ ہے، یعنی جس جگہ امام نے فرض نماز ادا کی ہے اسی جگہ نفل ادا کرنا مکروہ ہے، وہاں سے کچھ ہٹ کر نفل ادا کرنا چاہئے؛ البتہ مقتدی کے لیے فرض نماز پڑھنے کی جگہ نفل ادا کرنا

مکروہ نہیں ہے۔(البتہ مقتدی اور منفرد کے لیے بھی بہتر یہ ہے کہ فرض نماز پڑھنے کی جگہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ نفل ادا کرے، شامی:۲/ ۲۴۸)اور یہاں جو مکروہ کہا گیا ہے اس سے مراد مکروہ تنزیہی ہے، جیسا کہ فتاویٰ خانیہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ اور بعض لوگوں نے کہا کہ مستحب یہ ہے کہ امام صفوں کو چیر کر نفل پڑھنے کے لیے باہر آجائے۔(اور سب سے افضل یہ ہے کہ اگر کوئی مانع موجود نہ ہو تو گھر میں جا کر سنت پڑھے)۔

امام کو دائیں جانب گھومنا

فتاویٰ تاتر خانیہ میں مذکور ہے: اگر امام کو نفل پڑھنا ہو یا وظیفہ پڑھنا ہو تو مستحب یہ ہے کہ امام قبلہ کے دائیں جانب گھوم جائے، یعنی مقتدی اور نمازی کی بائیں جانب پھر جائے۔ اور منیۃ المصلی نامی کتاب میں لکھا ہے کہ اس بارے میں امام کو اختیار ہے، چاہے وہ دائیں طرف پھرے، چاہے بائیں طرف پھرے، چاہے آگے کی طرف پھر جائے، چاہے پیچھے کی طرف پھر جائے۔ اور اگر امام چاہے تو اپنے گھر جا کر سنت و نفل ادا کرے۔(بلکہ یہ بہتر اور افضل ہے، جبکہ گھر جا کر سنت و نفل کی ادائیگی میں کاہلی و سستی نہ ہو)اور اگر مقتدیوں کی تعداد دس آدمی سے کم ہو تو امام اپنا چہرہ مقتدیوں کی طرف کرلے، بشرطیکہ اس کے سامنے کوئی نماز پڑھنے والا نہ ہو، خواہ وہ دور ہی کیوں نہ نماز ادا کر رہا ہو، ظاہر مذہب یہی ہے۔(لیکن ''حلبہ'' نامی کتاب میں اس کے خلاف ہے، یعنی اگر امام اور اس نمازی کے درمیان کوئی تیسرا شخص ہو جس کی پشت نمازی کی طرف ہو تو اس وقت امام کے لیے اس کی طرف منہ پھیرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ یہ تیسرا شخص درحقیقت سترہ کے قائم مقام ہو جائے گا، چناں چہ فقہاء کرام نے اس کی صراحت کی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی طرف اس طرح منہ کر کے نماز ادا کرے کہ دونوں کے درمیان کوئی تیسرا شخص ہو اور اس کی پشت نمازی کی طرف ہو تو مکروہ نہ ہوگا۔(شامی:۲/ ۲۴۹)

فَصْلٌ (وَيَجْهَرُ الْإِمَامُ) وُجُوبًا بِحَسَبِ الْجَمَاعَةِ، فَإِنْ زَادَ عَلَيْهِ أَسَاءَ، وَلَوِ ائْتَمَّ بِهِ بَعْدَ الْفَاتِحَةِ أَوْ بَعْضِهَا سِرًّا أَعَادَهَا جَهْرًا بَحْرٌ، لَكِنْ فِي آخِرِ شَرْحِ الْمُنْيَةِ ائْتَمَّ بِهِ بَعْدَ الْفَاتِحَةِ، يَجْهَرُ بِالسُّورَةِ إِنْ قَصَدَ الْإِمَامَةَ وَإِلَّا فَلَا يَلْزَمُهُ الْجَهْرُ (فِي الْفَجْرِ وَأُولَى الْعِشَاءَيْنِ أَدَاءً وَقَضَاءً وَجُمُعَةٍ وَعِيدَيْنِ وَتَرَاوِيحَ وَوِتْرٍ بَعْدَهَا) أَيْ فِي رَمَضَانَ فَقَطْ لِلتَّوَارُثِ: قُلْتُ: فِي تَقْيِيدِهِ بِبَعْدِهَا نَظَرٌ لِجَهْرِهِ فِيهِ وَإِنْ لَمْ يُصَلِّ التَّرَاوِيحَ عَلَى الصَّحِيحِ كَمَا فِي مَجْمَعِ الْأَنْهُرِ، نَعَمْ فِي الْقُهُسْتَانِيِّ تَبَعًا لِلْقَاعِدِيِّ لَا سَهْوَ بِالْمُخَافَتَةِ فِي غَيْرِ الْفَرَائِضِ كَعِيدٍ وَوِتْرٍ، نَعَمْ الْجَهْرُ أَفْضَلُ (وَيُسِرُّ فِي غَيْرِهَا) «وَكَانَ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – يَجْهَرُ فِي الْكُلِّ ثُمَّ تَرَكَهُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ لِدَفْعِ أَذَى الْكُفَّارِ» كَافِي (كَمُتَنَفِّلٍ بِالنَّهَارِ) فَإِنَّهُ يُسِرُّ (وَيُخَيَّرُ الْمُنْفَرِدُ فِي الْجَهْرِ) وَهُوَ أَفْضَلُ وَيَكْتَفِي بِأَدْنَاهُ (إِنْ أَدَّى) وَفِي السِّرِّيَّةِ يُخَافِتُ حَتْمًا عَلَى الْمَذْهَبِ كَمُتَنَفِّلٍ بِاللَّيْلِ مُنْفَرِدًا، فَلَوْ أَمَّ جَهَرَ لِتَبَعِيَّةِ النَّفْلِ

لِلْفَرْضِ زَيْلَعِيٌّ (وَيُخَافِتُ) الْمُنْفَرِدُ (حَتْمًا) أَيْ وُجُوبًا (إنْ قَضَى) الْجَهْرِيَّةَ فِي وَقْتِ الْمُخَافَتَةِ، كَأَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ بَعْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، كَذَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ بَعْدَ عَدِّ الْوَاجِبَاتِ. قُلْت: وَهَكَذَا ذَكَرَهُ ابْنُ الْمَلِكِ فِي شَرْحِ الْمَنَارِ مِنْ بَحْثِ الْقَضَاءِ (عَلَى الْأَصَحِّ) كَمَا فِي الْهِدَايَةِ، لَكِنْ تَعَقَّبَهُ غَيْرُ وَاحِدٍ وَرَجَّحُوا تَخْيِيرَهُ كَمَنْ سُبِقَ بِرَكْعَةٍ مِنْ الْجُمُعَةِ فَقَامَ يَقْضِيهَا يُخَيَّرُ (وَ) أَدْنَى (الْجَهْرِ إسْمَاعُ غَيْرِهِ وَ) أَدْنَى (الْمُخَافَتَةِ إسْمَاعُ نَفْسِهِ) وَمَنْ بِقُرْبِهِ؛ فَلَوْ سَمِعَ رَجُلٌ أَوْ رَجُلَانِ فَلَيْسَ بِجَهْرٍ، وَالْجَهْرُ أَنْ يَسْمَعَ الْكُلُّ خُلَاصَةٌ (وَيَجْرِي ذَلِكَ) الْمَذْكُورُ (فِي كُلِّ مَا يَتَعَلَّقُ بِنُطْقٍ، كَتَسْمِيَةٍ عَلَى ذَبِيحَةٍ وَوُجُوبِ سَجْدَةِ تِلَاوَةٍ وَعَتَاقٍ وَطَلَاقٍ وَاسْتِثْنَاءٍ) وَغَيْرِهَا؛ فَلَوْ طَلَّقَ أَوْ اسْتَثْنَى وَلَمْ يُسْمِعْ نَفْسَهُ لَمْ يَصِحَّ فِي الْأَصَحِّ؛ وَقِيلَ فِي نَحْوِ الْبَيْعِ يُشْتَرَطُ سَمَاعُ الْمُشْتَرِي.

(وَلَوْ تَرَكَ سُورَةَ أُولَيَيْ الْعِشَاءِ) مَثَلًا وَلَوْ عَمْدًا (قَرَأَهَا وُجُوبًا) وَقِيلَ نَدْبًا (مَعَ الْفَاتِحَةِ جَهْرًا فِي الْأُخْرَيَيْنِ) لِأَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَ جَهْرٍ وَمُخَافَتَةٍ فِي رَكْعَةٍ شَنِيعٌ، وَلَوْ تَذَكَّرَهَا فِي رُكُوعِهِ قَرَأَهَا وَأَعَادَ الرُّكُوعَ (وَلَوْ تَرَكَ الْفَاتِحَةَ) فِي الْأُولَيَيْنِ (لَا) يَقْضِيهَا فِي الْأُخْرَيَيْنِ لِلُزُومِ تَكْرَارِهَا، وَلَوْ تَذَكَّرَهَا قَبْلَ الرُّكُوعِ قَرَأَهَا وَأَعَادَ السُّورَةَ (وَفَرْضُ الْقِرَاءَةِ آيَةٌ عَلَى الْمَذْهَبِ) هِيَ لُغَةً: الْعَلَامَةُ. وَعُرْفًا: طَائِفَةٌ مِنْ الْقُرْآنِ مُتَرْجَمَةٌ، أَقَلُّهَا سِتَّةُ أَحْرُفٍ وَلَوْ تَقْدِيرًا، كَ (لَمْ يَلِدْ) ، إلَّا إذَا كَانَ كَلِمَةً فَالْأَصَحُّ عَدَمُ الصِّحَّةِ وَإِنْ كَرَّرَهَا مِرَارًا إلَّا إذَا حَكَمَ حَاكِمٌ فَيَجُوزُ ذَكَرَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ. وَلَوْ قَرَأَ آيَةً طَوِيلَةً فِي الرَّكْعَتَيْنِ فَالْأَصَحُّ الصِّحَّةُ اتِّفَاقًا لِأَنَّهُ يَزِيدُ عَلَى ثَلَاثِ آيَاتٍ قِصَارٍ قَالَهُ الْحَلَبِيُّ.

(وَحِفْظُهَا فَرْضُ عَيْنٍ) مُتَعَيِّنٌ عَلَى كُلِّ مُكَلَّفٍ (وَحِفْظُ جَمِيعِ الْقُرْآنِ فَرْضُ كِفَايَةٍ) وَسُنَّةُ عَيْنٍ أَفْضَلُ مِنْ التَّنَفُّلِ وَتَعَلُّمُ الْفِقْهِ أَفْضَلُ مِنْهُمَا (وَحِفْظُ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ) وَيُكْرَهُ نَقْصُ شَيْءٍ مِنْ الْوَاجِبِ

قرأت کے احکام ومسائل کا بیان

جب حضرت مصنف علیہ الرحمہ نماز کی صفت وکیفیت کے بیان سے فارغ ہو گئے، نیز نماز کے فرائض وواجبات اور سنن کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب قرأت کے احکام کو علیحدہ فصل میں ذکر فرما رہے ہیں۔

ارکانِ نماز میں سے ایک رکن قرأت بھی ہے، اور اس کے مسائل واحکام بہت زیادہ تھے اس لیے مستقل علیحدہ فصل کے ذریعہ قرأت کے احکام کو بیان فرما رہے ہیں۔

جہری نمازوں میں امام پر بلند آواز سے قرأت کرنا واجب ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امام پر جہری نمازوں میں بلند آواز سے قرأت کرنا واجب ہے۔ اور یہ آواز کی بلندی جماعت کے مطابق ہوگی کہ تمام مقتدیوں تک آواز پہنچ جائے۔ ضرورت سے زیادہ آواز بلند کرنا برا ہے اور جہری نمازوں میں جہر اس لیے واجب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ پابندی کے ساتھ ایسا ہی کیا ہے۔

سورۂ فاتحہ کے بعد امام بننا پڑے تو کیا حکم ہے؟

اگر کوئی شخص کسی نمازی کی اقتداء اس وقت کرے جب وہ سورۂ فاتحہ مکمل پڑھ چکا ہو، یا سورۂ فاتحہ کا کچھ حصہ پڑھ چکا ہو اور سراً پڑھا ہو تو اس کو چاہیے کہ سورۂ فاتحہ دوبارہ بلند آواز سے پڑھے۔ یہ مسئلہ البحر الرائق میں ایسا ہی مذکور ہے، لیکن شرح المنیہ کے اخیر میں ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد کسی نے کسی نمازی کی اقتداء کی ہے تو اب اس کو سورۃ بلند آواز سے پڑھنی چاہیے اگر وہ نمازی امامت کا ارادہ کرتا ہے۔ اور اگر وہ نمازی امامت کا ارادہ نہیں کرتا ہے تو بلند آواز سے پڑھنا لازم نہیں ہے۔

ایک مقتدی کی شرکت سے جہر کی وجہ

البحر الرائق میں لکھا ہے کہ ایک مقتدی کے آنے کی وجہ سے جہراً قرأت کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ دوسرے شخص کی اقتداء کرنے کی وجہ سے بلند آواز سے اس پر قرأت کرنا واجب ہوگیا۔ اب اگر باقی قرأت کو بلند آواز سے پڑھتا ہے اور آہستہ والی کو رہنے دیتا ہے تو ایک ہی رکعت میں جہر و سر دونوں کا اجتماع لازم آئے گا جو شنیع اور برا ہے۔ اور اگر پڑھے ہوئے کی رعایت میں بقیہ قرأت کو بھی آہستہ پڑھتا ہے تو واجب کا ترک لازم آتا ہے اس لیے کہ دوسرے شخص کی شرکت کی وجہ سے جہراً قرأت واجب ہوگی۔ اسی لیے مصنف نے فرمایا کہ بلند آواز سے قرأت ضروری ہوگئی تاکہ یکسانیت باقی رہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شارح منیہ کا قول ضعیف ہے۔ (شامی: ۲/ ۲۵۰)

کن کن نمازوں میں بلند آواز سے قرأت واجب ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نماز فجر، مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں بلند آواز سے قرأت کرنا واجب ہے، خواہ بطور ادا پڑھ رہا ہو یا بطور قضاء پڑھا رہا ہو، نیز جمعہ، عیدین، تراویح اور رمضان کے وتر میں بلند آواز سے قرأت کرنا واجب ہے، اس لیے کہ سلف سے یہی تواتر چلا آرہا ہے۔

شارح تنویر الابصار حضرت علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ مصنف نے وتر میں "بَعْدَھا" کی قید لگائی ہے اس میں کلام ہے اس لیے کہ رمضان شریف میں اگر کوئی شخص بحیثیت امام وتر کی نماز پڑھا رہا ہے تو وہ بہرحال بلند آواز سے قرأت کرے گا، خواہ اس نے تراویح کی نماز نہ پڑھی ہو، اس بارے میں صحیح مذہب یہی ہے، چناں چہ مجمع الانہر نامی کتاب میں وضاحت ہے کہ اگر کوئی

شخص تراویح کی نماز سے پہلے وتر کی نماز جماعت سے پڑھے گا تو اس میں بھی جہر کے ساتھ قرأت کرنا واجب ہے۔ اور قہستانی میں قاعدی کی پیروی میں لکھا ہے کہ فرض نمازوں کے علاوہ دوسری جہری نمازوں مثلاً عید اور وتر کی نماز میں آہستہ قرأت کرنے سے سجدۂ سہو نہیں واجب ہوتا ہے، مگر اتنی بات ضرور ہے کہ ان میں بلند آواز سے قرأت کرنا افضل ہے۔ (اور قہستانی نے اس کے بعد صراحت کی ہے کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ عیدین اور رمضان المبارک کے وتر کی نماز میں بلند آواز سے قرأت کرے یعنی بلند آواز سے قرأت ضروری سمجھ کر کرے۔ اور مذکورہ نمازوں اور رکعتوں کے علاوہ میں قرأت آہستہ کرے۔ رسولِ اکرم ﷺ پہلے تمام نمازوں میں بلند آواز سے قرأت کرتے تھے، پھر آپ نے ظہر اور عصر کی نماز بلند آواز سے قرأت ترک فرمادی، اس وجہ سے کہ کفار ان دونوں وقتوں میں آپ کو اذیت پہنچاتے تھے اس سے بچنے کے واسطے آپ نے ایسا کیا۔ "کافی" نامی کتاب میں ایسا ہی مذکور ہے اور مذکورہ نمازوں میں اسی طرح قرأت آہستہ پڑھے، جس طرح دن کی نفل نمازوں میں آہستہ قرأت کی جاتی ہے۔

منفرد کو جہری نمازوں میں اختیار ہے

جن نمازوں میں امام کو بلند آواز سے قرأت کرنا واجب ہے ان تمام جہری نمازوں میں منفرد یعنی تنہا نماز پڑھنے والوں کو اختیار ہے کہ قرأت چاہے بلند آواز سے کرے چاہے آہستہ آواز سے کرے، لیکن جہری نمازوں میں منفرد کے لیے بھی بلند آواز سے قرأت کرنا ہی افضل ہے تا کہ منفرد شخص کی نماز باب قرأت میں جماعت سے مشابہ ہوجائے، لیکن منفرد شخص جہراً قرأت کرتے وقت معمولی آواز پر اکتفاء کرے گا، اس لیے کہ تنہا ہے، کسی اور کو سنانا مقصود نہیں ہے اور یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب کہ منفرد ادا نماز پڑھے۔

سری نمازوں میں سراً قرأت کرنیکا حکم

اور سری نمازوں میں (مثلاً ظہر، عصر) یقینی طور پر وہ آہستہ قرأت کرے گا اس لیے کہ مذہب کی روایت کے مطابق سری نمازوں میں اسی طرح آہستہ پڑھنا واجب ہے جس طرح رات میں تنہا نفل پڑھنے والوں کو آہستہ قرأت کرنا واجب ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص رات کی نفل نماز جماعت کے ساتھ ادا کر رہا ہے تو اس میں بلند آواز سے قرأت کرے گا، اس لیے کہ اس میں نفل نماز فرض نماز کے تابع ہے۔ (کذا فی الزیلعی)

مسئلہ: جہری نمازوں میں اگر کسی نے بھول کر سراً قرأت کردی یا سری نمازوں میں جہراً قرأت کردی تو راجح قول کے مطابق اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا، اگرچہ بعض لوگوں کا قول یہ بھی ہے کہ سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا لیکن وجوب سجدۂ سہو کا قول راجح ہے۔ (شامی: ۲/۲۵۱)

جہری نمازوں کی قضاء سری نمازوں کے اوقات میں کی جائے تو کیا حکم ہے؟

منفرد شخص اگر جہری نماز کی قضاء سری نمازوں کے اوقات میں کرے تو اس پر بالیقین قرأت کا آہستہ پڑھنا واجب ہے۔

مثال کے طور پر اگر کوئی شخص عشاء کی نماز کی قضاء طلوع آفتاب کے بعد کرے تو اس میں آہستہ قرأت کرے گا۔ اسی طرح اس کو حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے واجبات نماز شمار کرنے کے بعد ذکر فرمایا ہے۔ اور شارح تنویر الابصار علامہ حصکفی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ ابن الملک نے اس مسئلہ کو شرح المنار میں اس طرح ذکر فرمایا ہے جہاں انھوں نے قضاء کی بحث کی ہے۔ اس باب میں اصح قول یہی ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے، لیکن بعض لوگوں نے جہری نماز کو سری نماز کے اوقات میں پڑھنے سے وجوباً آہستہ قرأت کرنے پر اعتراض کیا ہے۔ اور ان حضرات نے یہاں بھی ان کو جہر و سر کے درمیان اختیار دیا ہے، جیسا کہ وہ شخص جس کی نماز جمعہ میں ایک رکعت چھوٹ جائے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس کو کھڑے ہو کر ادا کرے اس کو بھی اختیار ہے، چاہے جہراً قرأت کرے چاہے سراً قرأت کرے، پس اس پر سراً ہی قرأت واجب نہیں ہے، حالانکہ وہ ایسے وقت میں قضاء کر رہا ہے جب کہ سری نمازوں کا وقت ہے۔ (حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کی عشاء اور مغرب کی نماز کی کوئی رکعت چھوٹ جائے اس کا بھی یہی حال ہے، یعنی اختیار ہے چاہے جہراً قرأت کرے چاہے سراً قرأت کرے)۔ (شامی: ۲/ ۲۵۲)

قرأت جہری وسری کی وجہ

قولہ وأدنى الجهرِ إسماعُ غيرہ: اس عبارت سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ قرأت جہری اور قرأت سری کی تعریف بیان فرما رہے ہیں، چناں چہ فرماتے ہیں کہ معمولی درجہ کی جہری قرأت یہ ہے کہ اتنی بلند آواز سے قرأت کرے کہ دوسرے کو سنائے جو اس سے تھوڑی دوری اور فاصلہ پر ہو۔ اور سری قرأت کی مقدار یہ ہے کہ اتنی آواز میں قرأت کرے کہ خود کو سنائے اور اس کو بھی جو اس کے بالکل قریب ہو، لہٰذا اگر قرأت کی آواز ایک یا دو آدمی سن لیں تو اس کو جہری قرأت نہیں کہا جائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جہری قرأت یہ ہے کہ اتنی بلند آواز سے قرأت کرے کہ سارے لوگ سن لیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

شارح علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جہری قرأت یہ ہے کہ سارے لوگ اس کی آواز کو سن لیں۔ اس پر علامہ قہستانی کا اعتراض نقل کیا ہے کہ اگر جماعت خوب بڑی ہو اور مقتدیوں کی تعداد بہت زیادہ ہو امام کی قرأت کی آواز سبھوں تک نہ پہنچے تو وہ جہر نہ ہوگا؟ علامہ شامی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ "أن يسمعَ الكُلّ" سے مراد تمام نمازی نہیں ہیں؛ بلکہ یہاں صرف صف اوّل کے لوگ مراد ہیں، لیکن کبھی مسجد بہت لمبی ہوتی ہے مسجد کے کنارے تک۔ آواز نہیں پہنچ پاتی ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ کہا جائے کہ یہاں آس پاس کے سارے لوگ مراد ہیں۔ (شامی: ۲/ ۲۵۳)

جہر و سر کا تعلق ہر اس چیز سے ہے جو بولنے سے متعلق ہو

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جہر و سر کی تعریف ہر اس چیز سے متعلق ہوگی جو بولنے سے تعلق رکھتی ہو، جیسے جانور ذبح

کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا، سجدۂ تلاوت کا واجب ہونا، طلاق دینا، غلام کو آزاد کرنا، اور انشاء اللہ کہنا وغیرہ، چناں چہ اگر کسی نے بیوی کو طلاق دی، یا انشاء اللہ کہا اور اتنی پست آواز میں کہا کہ خود بھی نہ سن سکا تو اس صورت میں بیوی پر نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ ہی استثناء درست ہوگا، اس بارے میں صحیح مذہب یہی ہے۔ (فی الاصح کہہ کر حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے امام کرخیؒ کے قول کا رد فرمایا ہے، حضرت امام کرخیؒ فرماتے ہیں کہ ادنیٰ درجہ کا سر یہ ہے کہ حروف صحیح طور پر نکلیں خواہ اس کی آواز خود بھی سنے یا نہ سنے۔ (شامی: ۲/ ۲۵۳)

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ بیع وشراء جیسی تصرفات میں مشتری کا سننا شرط ہے، یعنی بائع ایجاب یا قبول کرے یا جو بھاؤ تاؤ کرے اس کا سننا مشتری کے لیے شرط ہے، اگر بائع نے خود ہی بول کر خود ہی سن لیا مشتری کو نہ سنایا تو اس صورت میں کافی نہ ہوگا۔ (شامی: ۲/ ۲۵۳)

صاحبِ نہر الفائق نے لکھا ہے کہ مناسب یہ ہے کہ یہی حکم ان تمام تصرفات کا ہو جو قبول پر موقوف ہوتے ہیں، اگر چہ اس میں مبادلۃ المال بالمال نہ ہو، جیسے نکاح۔ (شامی: ۲/ ۲۵۴)

عشاء کی پہلی دو رکعت میں قرأت چھوڑ دے تو کیا حکم ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں جان بوجھ کر سورۃ پڑھنا چھوڑ دیا تو اس پر اخیر کی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ بلند آواز میں قرأت کرنا واجب ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ اخیر کی دونوں رکعتوں میں الحمد للہ کے ساتھ سورۂ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے، اس لیے کہ ایک رکعت میں جہر وسر دونوں کو جمع کرنا فعل شنیع ہے۔ (لیکن مستحب والے قول کو لفظ "قِيلَ" سے بیان فرمایا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ وجوب والا قول ہی اصح ہے) اور اگر اسے سورۃ رکوع میں یاد آ گئی تو اب وہ کھڑا ہو کر سورۃ پڑھے گا پھر رکوع کرے گا، اس لیے کہ جو ارکان مکرر نہیں ہیں ان میں ترتیب فرض ہے، لہٰذا اگر دوبارہ رکوع نہیں کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ (شامی: ۲/ ۲۵۵)

اگر سورۂ فاتحہ چھوڑ دے تو کیا حکم ہے؟

اگر کسی نے پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا چھوڑ دیا تو اس کو اخیر کی دو رکعتوں میں قضاء نہ کرے، اس لیے کہ ایسا کرنے میں سورۂ فاتحہ کا دوبارہ پڑھنا لازم آئے گا، یعنی ایک مرتبہ خود ان پچھلی رکعتوں میں جو سورۂ فاتحہ ہے اس کو پڑھے گا پھر اس کے بعد پہلی دو رکعتوں میں جو سورۂ فاتحہ رہ گیا اس کو پڑھے گا تو تکرار فاتحہ لازم آئے گا جو مشروع نہیں ہے۔ اگر کسی کو سورۂ فاتحہ رکوع میں جانے سے پہلے پہلے یاد آ گئی تو وہ اس کو پہلے پڑھے اس کے بعد سورۃ دوبارہ پڑھے۔ اور یہ واجب ہے اس لیے کہ سورۂ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان ترتیب واجب ہے۔ (اگر سورۃ کا پڑھنا رکوع میں یاد آیا تو کھڑے ہو کر سورۃ پڑھے اس کے بعد دوبارہ رکوع کرے اور اگر فاتحہ کا پڑھنا رکوع میں یاد آیا تو اسکو لوٹانا تو بدرجۂ اولیٰ ہوگا۔ (شامی: ۲/ ۲۵٦)

فرض قرأت کی مقدار

اب یہاں سوال یہ رہ جاتا ہے کہ نماز میں کتنی مقدار قرأت کرنا فرض ہے؟ تو اس بارے میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قرأت کی فرض مقدار جس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی ہے ظاہر مذہب کے مطابق ایک آیت ہے۔ (یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ سے دوسری روایت یہ ہے کہ نماز میں اتنی قرأت کرنا فرض ہے جس پر قرآن کا اطلاق ہو سکے۔ اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک تین چھوٹی آیت یا ایک بڑی آیت جو تین چھوٹی آیتوں کے برابر ہو فرض ہے)۔ (شامی:۲/۲۵۶)

آیت کے لغوی و اصطلاحی معنیٰ

حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ آیت کے معنیٰ لغت میں علامت کے ہیں۔ اور آیت حضرات فقہاء کرام کی اصطلاح میں آیت کا ایک ٹکڑا ہے جس کے اوّل و آخر کا اعتبار کیا جائے اس میں کم سے کم چھ حروف ہوں، خواہ چھ حروف تقدیری کیوں نہ ہوں، جیسے: {لَمْ يَلِدْ} اس میں دیکھنے کے اعتبار سے بظاہر پانچ حروف ہیں مگر چونکہ یہ اصل میں لَمْ يُوْلَدْ تھا، تعلیل کے بعد لَمْ يَلِدْ ہو گیا، اس لیے اس میں اصل کے اعتبار سے چھ حروف ہیں، لیکن جب یہ آیت کا ایک کلمہ ہوا تو اصح قول یہ ہے کہ صرف اس کے پڑھنے سے نماز درست نہیں ہوگی، اگر چہ اس کلمہ کو بار بار کیوں نہ پڑھے۔ ہاں اگر کوئی حاکم فیصلہ کر دے تو نماز ہو جائے گی، اس کو قہستانی نے ذکر کیا ہے۔

صورتِ مسئلہ

علامہ شامیؒ اس مسئلہ کی تفصیل یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے غلام سے یہ کہا کہ اگر تو نماز صحیح پڑھے تو تو آزاد ہے، چناں چہ اس نے نماز پڑھی اور نماز میں قرأت مُدْهَامَّتَانِ یا لَمْ يَلِدْ کو بار بار پڑھا، اس کے بعد یہ مقدمہ ایک ایسے حاکم کے پاس گیا جو ایک کلمہ کے پڑھنے سے نماز کے درست ہونے کا قائل ہو اور وہ فیصلہ کر دے تو غلام آزاد ہو جائے گا اور نماز درست ہو جائے گی، اس لیے کہ مجتہد فیہ مسائل میں حاکم کا فیصلہ اختلاف کو دور کر دیتا ہے، جیسا کہ حلبی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ (شامی:۲/۲۵۷)

ایک لمبی آیت کو دو رکعتوں میں پڑھنا

اگر کوئی شخص ایک لمبی آیت کو دو رکعتوں میں پڑھے تو اصح قول یہ ہے کہ نماز بالاتفاق ہو جائے گی، اس لیے کہ اتنا پڑھنا تین چھوٹی آیتوں سے زیادہ ہے، لہٰذا حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک بھی نماز ہو جائے گی، اس کو امام حلبی نے ذکر کیا ہے۔ (فتاویٰ تاتر خانیہ اور معراج الدرایہ وغیرہ میں مذکور ہے کہ اگر کسی نے نماز میں آیت الکرسی کا کچھ حصہ یا آیت مداینہ کا کچھ حصہ ایک رکعت میں پڑھا اور کچھ حصہ دوسری رکعت میں پڑھا تو اس بارے میں دو قول ہیں۔ بعض حضرات نے کہا نماز جائز نہیں ہوگی، اس لیے

کہ اس نے ہر رکعت میں ایک مکمل آیت نہیں پڑھی ہے۔ اور اکثر فقہاء کا قول یہ ہے کہ نماز ہو جائے گی اس لیے کہ آیت مذکورہ کا کچھ حصہ پڑھنا چھوٹی تین آیتوں کے برابر یا ان سے زائد ہے لہٰذا تین چھوٹی آیت سے کم قرأت نہیں سمجھی جائے گی۔ اسی طرح اگر کسی نے نماز میں ایک آیت کی قرأت کی جو قرآن کی سب سے چھوٹی سورت کے برابر ہے تو یہ بھی جائز ہے۔ (شامی: ۲/۲۵۷)

کتنا قرآنِ کریم یاد کرنا فرضِ عین ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک آیت کو متعین طور پر مکلف مسلمان پر یاد کرنا فرضِ عین ہے۔ (یعنی اتنی مقدار قرآنِ کریم کو حفظ یاد کرنا فرضِ عین ہے جس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی ہے) اور پورے قرآن کا حفظ کرنا فرضِ کفایہ ہے۔ (یعنی پورے قرآنِ کریم کو کچھ مسلمان حفظ کرلیں گے تو بقیہ تمام مسلمانوں کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر کسی نے بھی یاد نہ کیا تو سارے مسلمان گناہ گار ہوں گے۔ اور پورے قرآن کریم کو حفظ یاد کرنا نفل پڑھنے سے افضل ہے۔ اور علم فقہ کا حاصل کرنا حفظ قرآن اور نفل سے بھی بہتر ہے۔ (بشرطیکہ قرآن اتنا حفظ کرلیا ہو جتنا نماز میں ضرورت ہوتی ہے)۔

سنت کی قسمیں

حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ سنت کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) سنت عین۔ (۲) سنت کفایہ۔ مثال کے طور پر تراویح کی نماز پڑھنا ہر عاقل و بالغ مسلمان پر سنت عین ہے۔ اور تراویح کی جماعت ہر (محلہ والے پر) سنت کفایہ ہے۔ (شامی: ۲/۲۵۸)

سورۂ فاتحہ اور کسی سورت کا یاد کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے اور واجب میں کمی کرنا مکروہ تحریمی ہے اور سنت میں کمی کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ (یہاں سورۂ فاتحہ اور کسی سورۃ کو یاد کرنا ہر مسلمان پر اس لیے واجب قرار دیا گیا ہے کہ اس کو نماز میں پڑھنا ضروری ہوتا ہے)۔

(وَيُسَنُّ فِي السَّفَرِ مُطْلَقًا) أَيْ حَالَةَ قَرَارٍ أَوْ فِرَارٍ، كَذَا أَطْلَقَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ، وَرَجَّحَهُ فِي الْبَحْرِ: وَرَدَّ مَا فِي الْهِدَايَةِ وَغَيْرِهَا مِنَ التَّفْصِيلِ، وَرَدَّهُ فِي النَّهْرِ، وَحَرَّرَ أَنَّ مَا فِي الْهِدَايَةِ هُوَ الْمُحَرَّرُ (الْفَاتِحَةَ) وُجُوبًا (وَأَيَّ سُورَةٍ شَاءَ) وَفِي الضَّرُورَةِ بِقَدْرِ الْحَالِ (وَ) يُسَنُّ (فِي الْحَضَرِ) لِإِمَامٍ وَمُنْفَرِدٍ، ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ، وَالنَّاسُ عَنْهُ غَافِلُونَ (طِوَالُ الْمُفَصَّلِ) مِنَ الْحُجُرَاتِ إِلَى آخِرِ الْبُرُوجِ (فِي الْفَجْرِ وَالظُّهْرِ، وَ) مِنْهَا إِلَى آخِرِ - لَمْ يَكُنْ - (أَوْسَاطُهُ فِي الْعَصْرِ وَالْعِشَاءِ، وَ) بَاقِيهِ (قِصَارُهُ فِي الْمَغْرِبِ) أَيْ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ سُورَةً مِمَّا ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ، وَاخْتَارَ فِي الْبَدَائِعِ عَدَمَ التَّقْدِيرِ، وَأَنَّهُ يَخْتَلِفُ بِالْوَقْتِ وَالْقَوْمِ وَالْإِمَامِ. وَفِي الْحُجَّةِ: يَقْرَأُ فِي الْفَرْضِ بِالتَّرَسُّلِ حَرْفًا حَرْفًا، وَفِي التَّرَاوِيحِ بَيْنَ بَيْنَ، وَفِي النَّفْلِ لَيْلًا لَهُ أَنْ يُسْرِعَ بَعْدَ أَنْ يَقْرَأَ كَمَا يَفْهَمُ، وَيَجُوزُ

بِالرِّوَايَاتِ السَّبْعِ، لَكِنِ الْأَوْلَى أَنْ لَا يَقْرَأَ بِالْغَرِيبَةِ عِنْدَ الْعَوَامِّ صِيَانَةً لِدِينِهِمْ (وَتُطَالُ أُولَى الْفَجْرِ عَلَى ثَانِيَتِهَا) بِقَدْرِ الثُّلُثِ، وَقِيلَ النِّصْفِ نَدْبًا، فَلَوْ فَحُشَ لَا بَأْسَ بِهِ (فَقَطْ) وَقَالَ مُحَمَّدٌ: وَلِي الْكُلُّ حَتَّى التَّرَاوِيحُ، قِيلَ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى (وَإِطَالَةُ الثَّانِيَةِ عَلَى الْأُولَى يُكْرَهُ) تَنْزِيهًا (إجْمَاعًا إنْ بِثَلَاثِ آيَاتٍ) إنْ تَقَارَبَتْ طُولًا وَقِصَرًا، وَإِلَّا اُعْتُبِرَ الْحُرُوفُ وَالْكَلِمَاتُ. وَاعْتَبَرَ الْحَلَبِيُّ فُحْشَ الطُّولِ لَا عَدَدَ الْآيَاتِ، وَاسْتَثْنَى فِي الْبَحْرِ مَا وَرَدَتْ بِهِ السُّنَّةُ وَاسْتَظْهَرَ فِي النَّفْلِ عَدَمَ الْكَرَاهَةِ مُطْلَقًا (وَإِنْ بِأَقَلَّ لَا) يُكْرَهُ، «لِأَنَّهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - صَلَّى بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ» (وَلَا يَتَعَيَّنُ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ لِصَلَاةٍ عَلَى طَرِيقِ الْفَرْضِيَّةِ) بَلْ تَعَيُّنُ الْفَاتِحَةِ عَلَى وَجْهِ الْوُجُوبِ (وَيُكْرَهُ التَّعْيِينُ) كَالسَّجْدَةِ وَ - ﴿هَلْ أَتَى﴾ - لِفَجْرِ كُلِّ جُمُعَةٍ، بَلْ يُنْدَبُ قِرَاءَتُهُمَا أَحْيَانًا (وَالْمُؤْتَمُّ لَا يَقْرَأُ مُطْلَقًا) وَلَا الْفَاتِحَةَ فِي السِّرِّيَّةِ اتِّفَاقًا، وَمَا نُسِبَ لِمُحَمَّدٍ ضَعِيفٌ كَمَا بَسَطَهُ الْكَمَالُ (فَإِنْ قَرَأَ كُرِهَ تَحْرِيمًا) وَتَصِحُّ فِي الْأَصَحِّ. وَفِي دُرَرِ الْبِحَارِ عَنْ مَبْسُوطِ خُوَاهَرْ زَادَهْ أَنَّهَا تَفْسُدُ وَيَكُونُ فَاسِقًا، وَهُوَ مَرْوِيٌّ عَنْ عِدَّةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ فَالْمَنْعُ أَحْوَطُ (بَلْ يَسْتَمِعُ) إذَا جَهَرَ (وَيُنْصِتُ) إذَا أَسَرَّ «لِقَوْلِ أَبِي هُرَيْرَةَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - كُنَّا نَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ فَنَزَلَ - ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ -» (وَإِنْ) وَصْلِيَّةٌ (قَرَأَ الْإِمَامُ آيَةَ تَرْغِيبٍ أَوْ تَرْهِيبٍ) وَكَذَا الْإِمَامُ لَا يَشْتَغِلُ بِغَيْرِ الْقُرْآنِ، وَمَا وَرَدَ حُمِلَ عَلَى النَّفْلِ مُنْفَرِدًا كَمَا مَرَّ (كَذَا الْخُطْبَةُ) فَلَا يَأْتِي بِمَا يُفَوِّتُ الِاسْتِمَاعَ وَلَوْ كِتَابَةً أَوْ رَدَّ سَلَامٍ (وَإِنْ صَلَّى الْخَطِيبُ عَلَى النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - إلَّا إذَا قَرَأَ - ﴿صَلُّوا عَلَيْهِ﴾ - فَيُصَلِّي الْمُسْتَمِعُ سِرًّا) بِنَفْسِهِ وَيُنْصِتُ بِلِسَانِهِ عَمَلًا بِأَمْرَيْ - ﴿صَلُّوا﴾ - ﴿وَأَنْصِتُوا﴾ - (وَالْبَعِيدُ) عَنِ الْخَطِيبِ (وَالْقَرِيبُ سِيَّانِ) فِي افْتِرَاضِ الْإِنْصَاتِ. [فُرُوعٌ] يَجِبُ الِاسْتِمَاعُ لِلْقِرَاءَةِ مُطْلَقًا لِأَنَّ الْعِبْرَةَ لِعُمُومِ اللَّفْظِ. لَا بَأْسَ أَنْ يَقْرَأَ سُورَةً وَيُعِيدَهَا فِي الثَّانِيَةِ، وَأَنْ يَقْرَأَ فِي الْأُولَى مِنْ مَحَلٍّ وَفِي الثَّانِيَةِ مِنْ آخَرَ وَلَوْ مِنْ سُورَةٍ إنْ كَانَ بَيْنَهُمَا آيَتَانِ فَأَكْثَرُ. وَيُكْرَهُ الْفَصْلُ بِسُورَةٍ قَصِيرَةٍ وَأَنْ يَقْرَأَ مَنْكُوسًا إلَّا إذَا خَتَمَ فَيَقْرَأُ مِنَ الْبَقَرَةِ. وَفِي الْقُنْيَةِ قَرَأَ فِي الْأُولَى الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّانِيَةِ - أَلَمْ تَرَ - أَوْ - تَبَّتْ - ثُمَّ ذَكَرَ يُتِمُّ وَقِيلَ يَقْطَعُ وَيَبْدَأُ، وَلَا يُكْرَهُ فِي النَّفْلِ شَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ، وَثَلَاثُ تَبْلُغُ قَدْرَ أَقْصَرِ سُورَةٍ أَفْضَلُ مِنْ آيَةٍ طَوِيلَةٍ، وَفِي سُورَةٍ وَبَعْضِ سُورَةٍ الْعِبْرَةُ لِلْأَكْثَرِ، وَبَسَطْنَاهُ فِي الْخَزَائِنِ. وَاللَّهُ أَعْلَمُ

بحالت سفر نماز میں قرآت کا حکم

اب یہاں سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ حالت سفر اور حالت حضر نماز میں کون سی سورت پڑھنا مسنون ہے؟ تو اس بارے میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ بیان فرماتے ہیں کہ سفر کی حالت میں مطلقاً سورۂ فاتحہ اور کسی بھی سورت کا پڑھنا مسنون ہے، خواہ اطمینان کی حالت ہو یا بھاگ دوڑ کی حالت ہو، دونوں حالتوں میں مسافر کو اختیار ہے، سورۂ فاتحہ کے بعد جس سورت کو چاہے پڑھے۔ اسی طرح حضرت امام محمدؒ نے جامع الصغیر میں مطلق کہا ہے۔ اور البحرالرائق میں اسی کو ترجیح دی ہے۔ صاحب ہدایہ نے جو تفصیل بیان کی ہے اس کا رد کیا ہے۔ اور صاحب نہر الفائق نے صاحب البحرالرائق کے قول کو رد کیا ہے اور یہ بات لکھی ہے کہ ہدایہ میں جو کچھ تفصیل مذکور ہے وہی درست ہے۔

صاحب ہدایہ کی تفصیل

حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ صاحب ہدایہ نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر مسافر بھاگ دوڑ اور جلدی میں ہے تو سورۂ فاتحہ اور جو بھی سورت چاہے پڑھے اس کو اختیار ہے، یہی اس کے لیے مسنون ہے۔ لیکن اگر مسافر امن وسکون اور قرار میں ہے، کہیں بھاگ دوڑ نہیں ہے تو پھر ایسا مسافر فجر میں سورۂ بروج کے مثل پڑھے۔ اور ظہر میں بھی ایسا ہی اور عصر اور عشاء کی نماز میں اس سے کچھ چھوٹی سورت پڑھے۔ اور مغرب کی نماز میں اس سے بھی چھوٹی سورت پڑھے۔ صاحب البحرالرائق علامہ ابن نجیم المصری فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمدؒ کی کتاب الجامع الصغیر میں یہ حکم مطلقاً ہے اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے، پھر یہ کہ مسافر سورۂ بروج کے مثل پڑھے اس پر کوئی دلیل نہیں ہے، لہٰذا دونوں حالتوں کا حکم یکساں ہونا چاہئے۔ صاحب النہر الفائق فرماتے ہیں کہ بروج سے مراد طوال مفصل ہے، کسی خاص سورت کی تعیین نہیں ہے، لہٰذا اگر مسافر اس کی رعایت کرسکتا ہے تو کرنا چاہئے۔ (شامی: ۲/۲۵۹)

بوقت ضرورت قرآت

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسنون یہ ہے کہ ضرورت کے وقت نماز میں حالت کی رعایت کرتے ہوئے قرآت کرے، جس طرح کی گنجائش ہو اسی طرح قرآت کرے۔ مثلاً اگر وقت تنگ ہو تو مختصر سے مختصر ترین قرآت کرے، یا جان ومال کا خوف ہو تو اس وقت بھی مختصر قرآت کرے اور کم سے کم قرآت کر کے جلدی سے نماز پوری کرلے۔ اور یہ حکم عام ہے سفر کی حالت میں ہو یا حضر کی حالت میں ہو، حالت اور وقت کی رعایت کر کے ہی قرآت کرنا مسنون ہے۔

اقامت کی حالت میں قرآت مسنونہ

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حالت اقامت میں امام ومنفرد کے لیے مسنون یہ ہے کہ فجر اور ظہر کی نماز میں طوال مفصل میں سے کسی سورۃ کی قرآت کرے اور طوال مفصل سورۂ حجرات سے لے کر سورۂ بروج پر ختم ہوتا ہے۔ اور لوگ اس

مسئلہ سے غافل ہیں۔اور عصر اور عشاء کی نماز میں اوساطِ مفصل کی قرأت کرے جو سورہ بروج سے لے کر سورہ لم یکن تک ہے۔ اور مغرب کی نماز میں قصارِ مفصل کی قرأت کرے۔اور قصارِ مفصل سورہ لم یکن سے لے کر آخر قرآن تک ہے۔نماز کی ہر رکعت میں ان سورتوں میں سے کوئی ایک سورت پڑھے،اسی کو حلبیؒ نے ذکر کیا ہے۔

حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ نمازوں میں اسی طرح قرأت کرنا مسنون ہے،اس کا ثبوت حدیث شریف سے ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے پاس خط لکھا کہ فجر اور ظہر کی نماز میں طوالِ مفصل میں سے کسی سورت کو پڑھو۔ اور عصر اور عشاء کی نماز میں اوساطِ مفصل میں سے کسی سورت کو پڑھو۔اور مغرب کی نماز میں قصارِ مفصل میں سے کسی سورت کو پڑھو۔اور حضرت عمر فاروقؓ کا یہ حکم حدیث مرفوع کے درجہ میں ہے اس لیے کہ مقادیر رسول اکرم ﷺ سے سننے ہی پر موقوف ہیں۔(شامی:۲/۲۶۱)

صاحب بدائع الصنائع علامہ کاسانیؒ نے قرأت کے سلسلے میں کچھ مقرر نہ کرنے کو پسند کیا ہے،اس لیے کہ قرأت وقت، قوم اور امام کی وجہ سے مختلف ہوجاتی ہے۔(لہٰذا خلاصہ یہ ہے کہ قرأت میں حد بندی، کہ یہاں سے یہاں تک کی سورتوں کا پڑھنا مسنون ہے مناسب نہیں ہے؛ بلکہ وقت وحالت جس طرح قرأت کا متقاضی ہو اسی طرح قرأت کرے۔اگر مقتدی لمبی قرأت سننے کی تمنا کریں تو پھر لمبی قرأت کرے اور اگر مقتدی لمبی قرأت سننے سے گھبراتے ہیں تو پھر چھوٹی سورت کی قرأت کرے۔(مستفاد شامی:۲/۲۶۲)

نماز میں قرأت کرنے کا طریقہ

فتاویٰ الحجہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ فرض نمازوں میں قرأت ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک حرف صاف صاف مخرج سے نکال کر کرے، یعنی تدویراً قرأت پڑھے۔اور تراویح کی نماز میں نہ زیادہ ٹھہر کر قرأت کرے اور نہ زیادہ تیزی سے بلکہ درمیانی انداز میں قرأت کرے۔(یعنی تراویح کی نماز میں قرأت حدر میں کرے) اور رات کی نفلوں یعنی تہجد کی نماز مین جائز ہے کہ قرأت جلدی جلدی کرے،مگر اس طرح پڑھے کہ سمجھ میں آجائے۔اور نفل نمازوں میں قرأت جلدی جلدی کرنے کی اجازت اس لیے دی گئی ہے کہ عام طور پر لوگ نوافل مین قرآن زیادہ پڑھتے ہیں،لیکن اتنا تیز بھی نہ پڑھے کہ بالکل سمجھ میں نہ آئے۔

نماز میں قرأتِ سبعہ کے مطابق قرآن پڑھنا

علامہ حصکفی شارح درمختار فرماتے ہیں کہ نماز میں قرآن کریم کا ساتوں روایتوں کے مطابق قرأت کرنا جائز ہے (بلکہ قرأت عشرہ بھی نماز میں جائز ہے،جیسا کہ اہل اصول نے اس کی صراحت کی ہے) مگر افضل اور بہتر یہ ہے کہ عوام الناس کے سامنے اس روایت کے مطابق قرأت نہ کرے جس قرأت سے وہ مانوس نہ ہوں،تاکہ عوام الناس کا دین محفوظ رہے اور وہ کسی وہم

وغیرہ میں مبتلا نہ ہوں۔ (اس لیے کہ عوام الناس جب غیر مانوس قرآن سنیں گے تو اس کو مذاق بنالیں گے اور لاعلمی میں ایسی بات کہہ ڈالیں گے کہ وہ اس سے گناہ میں مبتلا ہو جائیں گے، لہٰذا عوام کے سامنے ابوجعفر، ابن عامر، علی ابن حمزہ اور کسائی وغیرہ کی روایت میں قرأت نہ کرے، اگرچہ ان تمام ائمہ قراء کی قرأت متواترہ صحیحہ ہے؛ بلکہ ابو عمرو اور حفص کی قرأت کرے، مشائخ امت نے اسی کو اختیار کیا ہے)۔ (شامی: ۲/ ۲۶۲)

فجر کی پہلی رکعت دوسری رکعت کے مقابلہ میں طویل ہونی چاہئے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ صرف فجر کی پہلی رکعت بہ نسبت دوسری رکعت کے لمبی کرے۔ اور مستحب یہ ہے کہ یہ زیادتی تہائی کے بقدر یا نصف کے بقدر ہو، اگر کوئی شخص فجر کی پہلی رکعت کو بہت زیادہ لمبی کر دے تو اس میں بھی کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ تمام نمازوں میں پہلی رکعت کو دوسری رکعت کی بہ نسبت لمبی کرنا مستحب ہے۔ یہاں تک کہ تراویح کی نماز میں بھی پہلی رکعت کو طویل کرنا مستحب ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔

حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف جمعہ اور عیدین کی نماز کے علاوہ میں ہے اس لیے کہ ان دونوں نمازوں میں دونوں رکعتوں میں قرأت برابر ہونی چاہئے۔ اور "حلیہ" میں اس کی دلیل نقل کی گئی ہے۔ نیز "حلیہ" نامی کتاب میں حضرت امام محمد اور شیخین دونوں کی دلیل نقل کی گئی ہے۔ اور فرمایا کہ فتویٰ حضرات شیخین کے قول پر ہونا چاہئے نہ کہ حضرت امام محمدؒ کے قول پر، کنز، مختار، ملتقی اور ہدایہ وغیرہ میں شیخین کے قول پر اعتماد کیا گیا ہے۔ (شامی: ۲/ ۲۶۳)

دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے زیادہ لمبی کرنے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دوسری رکعت کو پہلی سے زیادہ طویل اور لمبی کرنا بالاتفاق مکروہ تنزیہی ہے، بشرطیکہ دوسری رکعت کو پہلی رکعت کے مقابلہ میں تین آیتوں کی مقدار سے زیادہ لمبی کرے اور دونوں رکعات کی آیتیں طول وقصر ہونے میں قریب قریب برابر ہوں اور یہ ایک طرح کی آیتیں نہ ہوں تو پھر حروف وکلمات کا اعتبار کیا جائے گا۔ (یعنی دوسری رکعت میں جو قرأت کی جائے وہ حروف وکلمات پہلی رکعت کی قرأت سے زیادہ نہ ہوں۔ اور امام حلبی نے زیادہ زیادتی کا اعتبار کیا ہے نہ آیتوں کی تعداد کو، یعنی اگر خوب زیادہ دوسری رکعت کو طویل کر دے تو مکروہ ہوگا ورنہ مکروہ نہ ہوگا۔

اور علامہ ابن نجیم مصریؒ نے ان سورتوں کا اس سے الگ کیا ہے جو حدیث شریف میں آئی ہیں، یعنی اگر ان کے پڑھنے سے رکعت طویل ہو جائے تو کراہت نہیں ہے۔ (جیسے کہ جمعہ وعیدین میں پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى پڑھنا مسنون ہے۔ اور دوسری رکعت میں سورۂ غاشیہ پڑھنا مسنون ہے، حالانکہ سورۂ اعلیٰ میں انیس آیتیں ہیں اور سورۂ غاشیہ میں چھبیس آیتیں ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ مکروہ نہیں ہے اس لیے کہ حدیث شریف سے اس طرح پڑھنے کا ثبوت ہے اور آنحضور ﷺ کے عمل

سے ثابت ہے۔(شامی:۲/۲۶۵)

اور علامہ ابن نجیم مصریؒ نے نفل نمازوں میں مطلقاً عدم کراہت کو ترجیح دی ہے، یعنی اگر نفل نماز میں دوسری رکعت طویل ہوجائے تو یہ مکروہ نہ ہوگی اس لیے کہ نوافل وسنن کی بنیاد سہولت وآسانی پر ہے۔ابوالیسر نے اسی کو پسند کیا ہے، اور خزانۃ الفتاویٰ میں اسی کو راجح قرار دیا ہے۔(شامی:۲/۲۶۵)

اور اگر دوسری رکعت کی طوالت تین آیتوں کی مقدار سے کم ہو تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، اس لیے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فجر کی نماز میں معوذتین یعنی پہلی رکعت میں سورۂ فلق اور دوسری رکعت میں سورۂ ناس پڑھی ہے۔اور ظاہر ہے کہ سورۂ فلق میں کل پانچ آیتیں ہیں، جب کہ سورۂ ناس میں چھ آیتیں ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر دوسری رکعت محض ایک آیت یا دو آیت کے ذریعہ طویل ہوجائے تو مکروہ نہیں ہے۔

قرآنِ کریم کے کسی حصہ کو نماز کے لیے متعین کرنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بطریق فرضیت نماز کے واسطے قرآنِ کریم کے کسی حصہ کو متعین نہ کرے، ہاں سورۂ فاتحہ واجبی طور پر متعین ہے۔اور نماز کے لیے کسی سورۃ وغیرہ کو متعین کر لینا مکروہ ہے، جیسے جمعہ کے دن فجر کی پہلی رکعت کے لیے الٓمٓ السجدۃ کو متعین کرنا۔اور دوسری رکعت کے لیے {هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ} الآیۃ کو متعین کرنا۔(اور اس کے علاوہ کسی اور سورۃ کا نہ پڑھنا مکروہ ہے) ہاں ان دونوں سورتوں کا کبھی کبھی جمعہ کے دن فجر کی نماز میں پڑھنا مستحب ہے، متعین طور پر نہیں۔علامہ طحطاوی اور شیخ اسبیجانی نے بیان کیا ہے کہ یہ کراہت اس صورت میں ہے جب معین سورۃ کا پڑھنا واجب سمجھے اور دوسری سورت کو جائز نہ سمجھے۔اور اگر آسانی یا تبرک کے طور پر متعین طور پر اسی سورت کو پڑھے تو یہ مکروہ نہیں ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ کبھی کبھی اس کے علاوہ دوسری سورتیں بھی پڑھے تاکہ عوام اور جاہل یہ خیال نہ کریں کہ دوسری سورتیں پڑھنا جائز نہیں ہے۔(شامی:۲/۲۶۶)

مقتدی اپنے امام کے پیچھے خاموش رہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مقتدی اپنے امام کے پیچھے مطلقاً قرأت نہ کرے گا، خواہ جہری نماز ہو خواہ سری نماز ہو، اور نہ ہی مقتدی سری نماز میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھے گا۔اس مسئلہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرات صاحبین کا اتفاق ہے۔اور حضرت امام محمد کی طرف یہ قول جو منسوب ہے کہ انھوں نے سری نماز میں احتیاطاً سورۂ فاتحہ پڑھنے کو مستحب کہا ہے ضعیف ہے، جیسا کہ محقق ابن الکمال نے اس کو محقق طور پر بیان کیا ہے۔(صاحب فتح القدیر علامہ ابن الہمام نے فرمایا کہ حضرت امام محمدؒ نے اپنی کتاب ''الآثار'' میں صراحت کی ہے کہ: ہم قرأت خلف الامام کو نہ جہری نماز میں جائز سمجھتے ہیں اور نہ سری نمازوں میں جائز سمجھتے ہیں۔اور احتیاطاً قرأت کا دعویٰ کرنا ممنوع ہے؛ بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے، اس لیے

کہ قرأت نہ کرنا دو دلیلوں میں سے اقوی دلیل پر عمل کرنا ہے، قرأت خلف الامام کی وجہ سے بہت سے صحابہ کرامؓ نماز کو فاسد قرار دیتے تھے، لہٰذا اقوی ترین دلیل اس بارے میں یہ ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے۔ (شامی: ۲/۲۶۶)

مقتدی کے لیے امام کے پیچھے قرأت کرنا مکروہِ تحریمی ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر امام کے پیچھے مقتدی نے قرأت کی تو یہ مکروہِ تحریمی ہے، لیکن اس کے باوجود اصح قول کے مطابق نماز ہو جائے گی۔ اور دُررالبحار میں مبسوط خواہرزادہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر کسی نے امام کے پیچھے قرأت کی تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور امام کے پیچھے قرأت کرنے والا فاسق ہو جاتا ہے۔ اور امام کے پیچھے قرأت کا ممنوع ہونا متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے، لہٰذا قرأت خلف الامام سے روکنے میں زیادہ احتیاط ہے۔ (اسّی سے زیادہ کبار صحابہ کرامؓ سے قرأت خلف الامام کے منع کے متعلق روایت مروی ہے)۔ (شامی: ۲/۲۰۹)

مقتدی امام کے پیچھے امام کی قرأت کو سنے اگر امام بلند آواز سے قرأت کر رہا ہو۔ اور اگر امام خاموشی سے قرأت کر رہا ہو تو اس صورت میں مقتدی خاموش رہے، اس لیے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے: كُنَّا نَقْرَأُ خلفَ الإمامِ کہ ہم لوگ ابتداءِ اسلام میں امام کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے، پھر یہ آیت نازل ہوئی: {وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا} کہ اے مسلمانو! جب قرآن کریم پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو، چناں چہ ہم لوگوں نے اس کے بعد اس قرآنی حکم پر عمل کرنا شروع کر دیا اور امام کے پیچھے قرأت ترک کر دی۔ (اس آیت کریمہ میں دو حکم ہے، ایک سننا ہے، دوسرے خاموش رہنا ہے سننے کا تعلق جہری نمازوں سے ہے اور خاموش رہنے کا تعلق سری نمازوں سے ہے، پس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جہری اور سری دونوں نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت نہ کرنا ہی واجب ہے۔ (شامی: ۲/۲۶۷)

مقتدی امام کے پیچھے خاموش رہے

مقتدی امام کے پیچھے بالکل خاموش رہے، اگر چہ امام آیت ترغیب و ترہیب ہی کیوں نہ پڑھے۔ اسی طرح امام کے لیے حکم ہے کہ قرآنِ کریم کے علاوہ دوسری دعاؤں کے پڑھنے میں مشغول نہ ہو؛ بلکہ صرف قرآنی آیت پڑھے۔ اور یہ جو حدیث آئی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ آیت ترغیب و ترہیب میں کچھ دعائیں پڑھتے تھے، یہ ان نفل نمازوں پر محمول ہے جن کو آپ تنہا پڑھا کرتے تھے، جیسا کہ اس سے پہلے بھی یہ بات گذر چکی ہے۔

خطبہ کے وقت بھی خاموش رہنا چاہئے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہی حکم خطبہ کا بھی ہے، جب خطیب خطبہ دے تو سننے والا بات چیت نہ کرے۔ اور کوئی ایسا کام نہ کرے جس کی وجہ سے سننا فوت ہو جائے، خواہ لکھنا یا سلام کا جواب دینا ہی کیوں نہ ہو۔ (ہر وہ چیز جو نماز میں

حرام ہے وہ خطبہ کے اندر بھی حرام ہے، چناں چہ دورانِ خطبہ کھانا، پینا، بات چیت کرنا اور تسبیح پڑھنا سب کچھ حرام ہے، جس طرح نماز کے اندر حرام ہے۔ (شامی:۲/۲٦۷)

اور خطیب جس وقت رسولِ اکرم ﷺ پر درود بھیجے اس وقت بھی خاموش رہے؛ البتہ خطیب جس وقت آیتِ کریمہ {يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا} پڑھے تو اس وقت سننے والا شخص آہستہ آہستہ اپنے دل میں درود پڑھے، اور زبان سے اس وقت بھی خاموش رہے؛ تاکہ دونوں حکم پر عمل ہو جائے، "صَلُّوا" پر تو دل میں درود پڑھنے سے عمل ہو جائے گا۔ اور "أَنْصِتُوا" پر زبان سے درود نہ پڑھنے بلکہ خاموش رہنے کی وجہ سے عمل ہو جائے گا۔

خطیب کے قریب اور دور رہنے والے دونوں برابر ہیں

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو شخص خطیب کے قریب ہو اور جو شخص خطیب سے دور ہو، خطبہ سننے کے حق میں دونوں برابر ہیں، دونوں پر خاموش رہنا اور غور سے خطبہ سننا واجب ہے، خواہ وہاں تک آواز پہنچتی ہو یا نہ پہنچتی ہو، بہر دو صورت خاموش رہنا واجب ہے۔

تلاوتِ قرآن کو غور سے سننا واجب ہے

صاحب درمختار فروع کا عنوان دے کر چند اہم مسائل کا اضافہ فرما رہے ہیں، چناں چہ موصوف فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم کی جب تلاوت کی جائے تو اس کا سننا مطلقاً واجب ہے، خواہ تلاوت نماز کے اندر ہو، خواہ نماز کے باہر ہو، اس لیے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہے، لہٰذا آیتِ کریمہ اگرچہ نماز میں تلاوت کے وقت خاموشی سے متعلق نازل ہوئی ہے لیکن عمومِ لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے حکم عام ہوگا۔ (شامی:۲/۲٦۸)

ایک ہی سورت کو دو رکعت میں پڑھنے کا حکم

صاحب درمختار علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ نماز کی کسی ایک آیت رکعت میں کوئی سورۃ پڑھے اور پھر اسی سورۃ کو دوسری رکعت میں بھی پڑھ دے۔ "لَا بَأْسَ" سے معلوم ہوا کہ ایک ہی سورۃ کو دو رکعتوں میں پڑھنا مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہے اور یہ کراہت بھی اس وقت ہے جب کہ کوئی مجبوری نہ ہو۔ اگر کوئی مجبوری ہو تو یہ کراہت بھی ختم ہو جاتی ہے، مثلاً ایک شخص نے پہلی رکعت میں سورۂ ناس پڑھ دی تو دوسری رکعت میں بھی اسی کو پڑھنا پڑے گا، اس لیے کہ تکرارِ سورۃ زیادہ آسان ہے اُلٹا قرآن پڑھنے سے۔ (شامی:۲/۲٦۸)

نیز اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ پہلی رکعت میں کسی جگہ سے پڑھے اور دوسری رکعت میں اسی سورۃ کے کسی اور جگہ سے پڑھے، بشرطیکہ ان دونوں جگہوں کے درمیان دو آیتوں یا اس سے زیادہ کا فاصلہ ہو۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ اس

طرح سے قرأت نہ کرے اس لیے کہ اس صورت میں یہ وہم ہوتا ہے کہ اس نے اس آیت سے اعراض کیا یا فلاں آیت کو ترجیح بلا مرجح کردی ہے)۔(شامی:۲/۲۶۹)

مسئلہ: اگر کوئی شخص ایک رکعت میں ایک آیت سے دوسری آیت کی جانب بلاضرورت منتقل ہو گیا اور درمیان کی آیتیں چھوڑ دیں تو یہ مکروہ ہے، اگرچہ مختلف آیتوں کا فاصلہ کیوں نہ ہو۔ اور اگر بھول کر چھوڑ دیا اور آگے بڑھ گیا تو جب یاد آئے تو فوراً لوٹ آئے تاکہ آیتوں کے درمیان ترتیب باقی رہے۔(شامی:۲/۲۶۹)

ایک چھوٹی سورت سے فاصلہ کرنا مکروہ ہے

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دو رکعتوں کی قرأت میں ایک چھوٹی سورت کا فاصلہ کرنا مکروہ ہے۔(مثال کے طور پر پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں ''تَبَّتْ يَدَا'' پڑھے اور درمیان میں ''إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ'' کو چھوڑ دے تو یہ مکروہ ہوگا۔ اور اگر دونوں رکعتوں میں کسی بڑی سورت سے فاصلہ ہو تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ اور ایک رکعت میں دو سورتوں کا جمع کرنا فرض نماز میں خلاف اولیٰ اور مکروہ ہے)۔(شامی:۲/۲۶۹)

قرآن کو خلافِ ترتیب پڑھنے کا حکم

قرآنِ کریم کو خلافِ ترتیب پڑھنا بھی مکروہ ہے، اس لیے کہ قرآنِ کریم جس ترتیب سے ہے اسی ترتیب سے پڑھنا واجب ہے، لہٰذا خلافِ ترتیب پڑھنا مکروہ ہوگا۔ مثال کے طور پر پہلی رکعت میں سورۂ ''وَالتِّيْنِ'' اور دوسری رکعت میں سورۂ ''أَلَمْ نَشْرَحْ'' پڑھے تو یہ مکروہ ہوگا۔ اس لیے کہ سورتوں کی ترتیب کے اعتبار سے قرأت کرنا واجب ہے۔ اور عم پارہ میں جو ترتیب بدل کر بچوں کو پڑھایا جاتا ہے یہ بچوں کی آسانی اور تعلیمی ضرورت کے لیے جائز قرار دیا گیا ہے۔(شامی:۲/۲۶۹)

قرآنِ کریم کو اُلٹا پڑھنا مکروہ ہے؛ لیکن جب قرآن شریف ختم کرے تو اس وقت سورۂ بقرہ میں سے کچھ پڑھے اس لیے کہ حدیث شریف میں ایسا ہی آیا ہے اس لیے کہ حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خَيْرُ النَّاسِ الْحَالُ وَالْمُرْتَحِلُ بہترین شخص وہ ہے جو قرآن ختم کرے اور فوراً شروع کردے۔(شامی:۲/۲۶۹)

''قنیہ'' نامی کتاب میں ہے کہ کسی نے پہلی رکعت میں سورۂ کافروں پڑھی اور دوسری رکعت میں أَلَمْ تَرَ كَيْفَ یا تَبَّتْ يَدَا پڑھی یعنی خلافِ ترتیب قرآن کی تلاوت کی یا دو سورتوں کے درمیان ایک چھوٹی سورت کا فصل کردیا، پھر اس کو یاد آیا تو وہ اس صورت میں اسی کو پورا کرے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دے اور ترتیب کے مطابق دوسری سورت پڑھے۔(علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ خلافِ ترتیب یا دو رکعتوں میں کسی چھوٹی سورۃ کا فصل اس وقت مکروہ ہے جب کہ یہ عمل قصداً کیا گیا ہو اور اگر ایسا بھول کر ہو گیا تو پھر مکروہ نہیں ہے، جیسا کہ شرح المنیہ میں ہے)۔(شامی:۲/۲۶۹)

نفل نمازوں میں خلافِ ترتیب سورت پڑھنا مکروہ نہیں

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفل نمازوں میں خلافِ ترتیب قرأت کرنا یا دو رکعتوں میں ایک چھوٹی سورت کا فاصلہ کرنا کوئی مکروہ نہیں ہے۔ (فتح القدیر میں یہ مسئلہ "خلاصہ" کی طرف منسوب ہے۔ اور اس کے لکھنے کے بعد صاحب فتح القدیر نے فرمایا کہ میرے نزدیک اس کلیہ میں نظر ہے، یعنی یہ اصول قابل غور ہے، اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت بلال ؓ کو ایک سورۃ سے دوسری سورۃ کی جانب منتقل ہونے سے منع فرمایا ہے، نیز ترتیب سور مطابق خارج صلوٰۃ تلاوت واجب ہے اور خلافِ ترتیب پڑھنا مکروہ ہے، پھر نفل میں مکروہ کیوں نہ ہوگا)۔ (شامی: ۲/۲٦۹)

نماز میں تین آیتوں کی قرأت ایک طویل آیت سے افضل ہے

تین چھوٹی آیتوں کو نماز میں قرأت کرنا ایک بڑی آیت کے پڑھنے سے افضل ہے (باعتبار ثواب کے) اور پوری ایک سورت یا سورت کے بعض حصہ کے پڑھنے میں اکثر کا اعتبار ہے، یعنی اگر اس سورت کی اکثر آیتیں پڑھی ہے تو کامل سورت پڑھنے کے حکم میں ہوگی، ورنہ ناقص میں شمار ہوگی۔ اور ہم نے یہ مسئلہ خزائن الاسرار و بدائع الافکار نامی کتاب میں خوب تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (قرأت سے متعلق تفصیلی احکام و مسائل شرح المنیہ اور کچھ فتح القدیر میں ہیں وہاں مراجعہ کرلیا جائے)۔ فقط واللہ اعلم (شامی: ۲/۲۷۰)۔

الحمد للہ! آج بتاریخ: ۴ر شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ مطابق: ۲۰ر ستمبر ۲۰۰۴ء بروز پیر کو علامہ علاء الدین حصکفیؒ کی معرکۃ الآراء اور شہرۂ آفاق تصنیف اور علمائے فقہ و فتاویٰ کے درمیان متداول و مقبولِ عام کتاب "الدر المختار علی تنویر الابصار" کا اردو ترجمہ و تشریح بنام "قرۃ عیون الأبرار" کی پہلی جلد مکمل ہو رہی ہے۔ دعاء ہے کہ اللہ رب العزت والجلال اخیر کتاب تک اسی جوش و خروش اور اخلاص کے ساتھ ترجمہ و تشریح کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کو علماء اور عوام الناس میں قبولِ عام فرمائے۔ آمین!

ابو حماد غلام رسول منظور القاسمی پھراوی

۴/شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ لیلۃ یوم الثلثاء

جامعہ حسینیہ دار العلوم اسلامیہ عربیہ چلہ امروہہ، ۲۰/۹/۲۰۰۴ء